

هَذَا بَيِّنَاتٌ لِلنَّاسِ هُدًى وَنُورٌ لِّلْمُتَّقِينَ

الفرائد

جلد دوم

الأعرافُ بنی اسرائیل

ابوالاعلیٰ مودودی

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند یو پی

۲۹۷۴۱۲

۴۰۰

جلد دوم

کتابخانه خانقاہ ۱۵۹

بازار ۱۰۸

معاہد ۶/۱

تفہیم القرآن

جلد دوم

الاعتراف — بنی اسرائیل

ابوالاعلیٰ مودودی

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند (امپورٹری)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اول (بھارت میں) ۳۰۰۰ دسمبر ۱۹۵۸ء

تیرہ روپے

قیمت غیر مجلد

.....

قیمت مجلد

ناشر

مرکزی میکتبہ جماعیہ اسلامی ہند رام پور (یوپی)

مکھ: دفتر پرنٹنگ پریسیس لکھنؤ دہلی

فهرست مضامین

نمبر شمار	نام سوره	نمبر سوره	صفحه
۱	الاعراف	۷	۵
۲	الانفال	۸	۱۱۸
۳	التوبه	۹	۱۶۶
۴	یونس	۱۰	۲۵۸
۵	هود	۱۱	۳۲۰
۶	یوسف	۱۲	۳۷۸
۷	الرعد	۱۳	۴۴۰
۸	ابراهیم	۱۴	۴۶۸
۹	الحجر	۱۵	۴۹۶
۱۰	التحل	۱۶	۵۲۲
۱۱	بنی اسرائیل	۱۷	۵۸۶
۱۲	فهرست موضوعات	..	۶۵۳

فہرست نقشہ جات

- ۱ ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر سورۃ اعراف میں آیا ہے ۵۸
- ۲ خروج بنی اسرائیل سورۃ اعراف ۷۶
- ۳ قریش کی تجارتی شاہراہ الانفال ۱۲۲
- ۴ مدینہ سے بدر تک الانفال ۱۲۴
- ۵ جنگ بدر الانفال ۱۲۶
- ۶ غزوہ تبوک کے زمانہ کا عرب قوبہ ۱۶۸
- ۷ قوم نوح کا علاقہ اور جبل جودی ہود ۳۴۰
- ۸ نقشہ قصہ یوسف علیہ السلام یوسف ۳۸۲
- ۹ فلسطین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل ۵۹۶
- ۱۰ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی سلطنت تئیس۹۳۰ قبل مسیح .. ۵۹۸
- ۱۱ بنی اسرائیل کی دوریائیں ”یہودیہ“ اور ”اسرائیل“ تئیس۸۶۰ قبل مسیح .. ۵۹۹
- ۱۲ فلسطین بزمانہ دولت مکابیر تئیس۶۳۰-۶۳۰ قبل مسیح .. ۶۰۰
- ۱۳ ہیرودہ اعظم کی سلطنت تئیس۴۰-۴۰ قبل مسیح .. ۶۰۱
- ۱۴ فلسطین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں .. ۶۰۲

الأعراف

نام | اس سورہ کا نام اعراف اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے پانچویں رکوع میں ایک مقام پر اصحاب الاعراف کا ذکر آیا ہے۔ گویا اسے "سورۃ اعراف" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں اعراف کا ذکر ہے۔ زمانہ نزول | اس کے مضامین بطور کلیہ سے میں طور پر صریح ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول تقریباً وہی ہے جو سورۃ انفاس کا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ پہلے نازل ہوئی ہے یا وہ بہر حال اندازاً تقریباً سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ اسی دور سے متعلق۔ لہذا اس کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے کے لیے اس دریاچہ پر ایک نگاہ ڈال دینا کافی ہوگا جو ہم نے سورۃ انفاس پر لکھا ہے۔

مباحث | اس سورہ کی تقریباً مرکزی مضمون دعوت و رسالت ہے۔ ساری گفتگو کا دائرہ ہے کہ مخالفوں کو خدا کے فرستادہ پیغمبر کی پیروی اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اس دعوت میں اندازاً تینیاور ڈرامے کا رنگ زیادہ نمایاں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ مخالف ہیں (یعنی اپنی کتا، انہیں سمجھانے سمجھانے ایک طویل مذاکرہ کر چکا ہے اور ان کی گراں گوشتی، ہٹ دھرمی اور منافقانہ صنایع مد کو بیکار کر کے ہے کہ مقرب پیغمبر کو ان سے مخالف ہندہ کے دوسروں کی طرف رجحان کرنے کا حکم دے دلا ہے۔ اس لیے قیسی انداز میں قبول رسالت کی دعوت دینے کے ساتھ ان کی یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ جو دشمن نے اپنے پیغمبر کے مقابلہ میں اختیار کر رکھی ہے ایسی ہی روش تم سے پہلے کی قوم اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں اختیار کر کے بہت برا انجام دیکھی کی ہیں۔ پھر جو کچھ ان پر حجت تمام ہونے کے قریب آگئی ہے اس تقریب کے آخری حصہ میں دعوت کا نثر ان سے ہٹ کر اہل کتاب کی طرف پھیر گیا ہے اور ایک جگہ قائم ثابہ کو گویا سے عام خطاب بھی کیا گیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اب ہجرت قریب ہے اور وہ دور جس میں نبی کا خطاب تمام تہا پہنچے قریب کے لوگوں سے بڑا کرتا ہے، قریب پر آگیا ہے۔

دوران تقریب میں چونکہ خطاب کا نثر یہودیوں کی طرف بھی پھیر گیا ہے اس لیے ساتھ ساتھ دعوت و رسالت کے اہم پہلو کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ پیغمبر یا ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ منافقانہ روش اختیار کرنے اور مسیح و طاعت کا وعدہ استہرا کرنے کے بعد اسے توڑ دینا اور حق و باطل کی تفریق سے واقف نہ ہو جانے کے بعد باطل پرستی میں مستغرق رہنے کا انجام کیا ہے۔

سورہ کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو حکایت تبلیغ کے متعلق چند اہم ہدایت کی گئی ہیں اور خصوصیت کیساتھ انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ مخالفین کی اشتعال انگیز نروں اور حیر و دہشوں کے مقابلہ میں ہرگز ضبط سے کام لیں اور جہاد کے میدان میں جتنا ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کریں جو مل مقصد کو نقصان پہنچا دے۔

آيَاتُهَا ۲۰۶ سُورَةُ الْاِعْتِرَافِ مَكِّيَّةٌ ۹ رُكُوْعَاتُهَا ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
التَّصَدَّقْ ۱ كِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَمُكِّنُ فِيْ صَدْرِكَ
حَرْجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۲

آ، ل، م، ص۔ یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، پس اے محمد! تمہارے دل میں اس سے کوئی جھجک نہ پڑے۔ اس کے آتا کرنے کی غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے (مکرمین کو) ڈراؤ اور ایمان لانے والے لوگوں کو یاد دہانی بخو۔

۱۔ کتاب سے مراد یہی سورۃ الاعتراف ہے۔

۲۔ یعنی میری جھجک اور غصہ کے اسے دو گوں تک پہنچا دو اور اس بات کی کھیر بھاد کر دو کہ عاصیوں اس کا کیا استیلا کریں گے۔ وہ بگڑتے ہیں، انگریز، فحاش، دھستے ہیں، ادا نہیں۔ طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں، بتائیں۔ دشمنی میں اور زیادہ سخت جھگڑیں، ہرج مائجیں۔ تم بے شک اس پیغام کو پہنچانا اور اس کی تبلیغ میں خدا پاک نہ کرو۔

جس مضمون کے لیے ہم نے فقہ حرمک استعمال کیا ہے، اہل عبادت میں اس کے لیے فقہ تحریم استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں حرج اس گھنی جھاڑی کہتے ہیں جس میں سے گزنا مشکل ہو۔ دل میں حرج ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ حق باتوں اور عزتوں کے درمیان اپنا راستہ صاف نہ پا کر آدمی کھل آگے بڑھنے سے ٹکے۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ضعیفی صدمہ کے نقطہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ خَلَا وَلَقَدْ فَتَلَمَّ اَقْلَامُكَ بِمِثْقَلِ يَمِينِكَ سُدَّتْ رَاكِبًا يَمُوتُ تَوْنًا۔ اے محمد! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔ یہی نہیں رہتا بلکہ حق باتوں سے کہ جس لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی اور مخالفت حق کو کلام مال ہے، انہیں آخر کس طرح سیدھی دھجلیا جائے۔ فَلَمَّا كُنْتَ تَقْرَأُ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ وَضَا بِكَ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّوْحٰى لَوْ لَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مَّعًا مَلٰئِكٌ۔ تو کہیں یہاں نہ کہہ کر کہ تم پر وحی کیا جا رہا ہے اس میں سے کوئی چیز تم کو ان کے سے چھوڑ دو اور اس بات سے دل تنگ ہو کہ وہ تمہاری رحمت کے جواب میں کہیں گے اس پر کوئی غصہ نہ کرنا، اس کے ساتھ کوئی فرشتہ نہ آئے گا۔

۳۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورہ کا اہل عقیدہ تو ہے اور خدا دینی لوگوں کو رحمت قبول کرنے کے نتائج سے ڈرانا عاصیوں کو بے نکاح اور متنبہ کرنا، اسی اہل ایمان کی تذکیر (یا دہانی) تو وہ ایک ضمنی فائدہ ہے جو ہمارے سلسلہ فیہ و بجز

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ
 أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مِمَّا تَدَّكُرُونَ ﴿۲﴾ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا
 فَمَا يَحْصَاهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَلِيلُونَ ﴿۳﴾ فَمَا كَانَ
 دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۴﴾

لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر
 دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔

کتنی ہی بستیوں میں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت ٹوٹ پڑا
 یا دن کو آیا جب کہ وہ آرام کر رہے تھے۔ اور جب ہمارا عذاب اُن پر آیا تو ان کی زبان پر اس کے برعکس
 صلاۃ تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔

حاصل ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں سدا کا کوئی ضمیمہ ہے۔ اصل دعوت جو اس خطیبی دی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کو دنیا میں زندگی بسر
 کرنے کے لیے جس ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہے اپنی لوہائیاں کی حقیقت و حریفے و جوہر کی غرض و غایت سمجھنے کے لیے جو علم اُسے
 درکار ہے، اور اپنا مذاق و تہذیب و معاشرت اور تمدن کو صحیح بنانا اور اسے قائم کرنے کے لیے جن اصولوں کا وہ متعلق ہے، ان کو اپنے
 اُسے صرف اللہ رب العالمین کو اپنا رہنما تسلیم کرنا چاہیے اور صرف اُس کی ہدایت کو اپنے لیے رہنما کرنا چاہیے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے
 ذریعے سے بھیجی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے رہنما کی طرف ہدایت کے لیے رجوع کرنا اور اپنے آپ کو اُس کی رہنمائی کے حوالے کر دینا
 انسان کے لیے بنیادی طور پر ایک غلط طریقہ کار ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں نکلا ہے اور ہمیشہ تباہی کی صورت ہی میں نکلا گا۔
 یہاں مولیٰ (سرپرستوں) کا مفہوم اس میں استعمال ہوا ہے کہ انسان جس کی رہنمائی پر چلتا ہے اُسے حقیقت اپنا دل
 دوسرے بتاتا ہے خواہ زبان سے اس کی حمد و ثناء کی گیت گاتا ہو یا اس پر ہفت کی بوجھا کر تباہ ہو، خواہ اس کی سرپرستی کا سترت ہو
 یا ہر شدت اس سے نکال کر لے۔

۵ صحتِ حقاری و عزت کے لیے اُن قوموں کی مثالیں مروج ہیں جو خدا کی ہدایت سے محروم ہو کر انسانوں و شیطانوں

کی دشمنی پر چلیں اور جو کلاس اس قدر بگڑیں کہ زمین پر ان کا جو دیکھنا قابلِ برداشت نہ ہو اور خدا کے غلامانے ان کو ان کی

فَلَنَسْلُكَنَ الَّذِينَ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ الرِّسَالَاتِ وَلَنَسْلُكَنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦﴾

ہم یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے کہ انھوں نے پیغامِ ربانی کا فرض کس تک انجام دیا اور انھیں اس کا کیا جواب ملا۔

خداوند سے دنیا کو پاک کر دیا۔

انہی قسم سے معصوم و بااثر و پرستش کرتا ہے۔ ایک یہ کہ بعض کا وقت گزرا جائے کہ ہر کسی کا ہوش میں آنا اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہے۔ سخت نا امان ہے جس شخص کو وہ قوم جس کی دی ہوئی امت کو غفلتوں اور شرابیوں میں ضائع کر دے اور داعیِ حق کی صداؤں کو ہرے کاؤں سے سننے جانے اور ہوش میں صرف اس وقت آئے جب اللہ کی گرفت کا مضبوط ہاتھ اس پر پڑ چکا ہو۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی نازل شدہ وحی اور قوم کی زندگیوں میں بھی ایک مدد نہیں ہے نہ اشارتیں نہ اشارے نہ گورہ کی ہیں کہ جب کسی کی غلطیوں کا پیمانہ بڑھ چکا ہے اور وہ اپنی صلت کی مدد کو نکلتا جاتا ہے تو پھر نہ ان کی گرفت ہانکنا ہے نہ کہلاتی ہے اور ایک مرتبہ پڑا جانے کے بعد پھٹا کر اس کی کوئی سیل اسے نہیں ہتی۔ پھر جب تاریخ کے دوران میں ایک مدد نہیں سینکڑوں آدمیوں میں مرتبہ پڑا ہے تو آخر کی ضرورت ہے کہ انسان اسی غلطی کا بار بار اعادہ کیے جا جائے اور ہوش میں آنے کے لیے اسی انہی صاف کلمہ کا تکرار ہے جب ہوش میں آنے کا کوئی قاعدہ حسرت و اندوہ کے مومنین ہوتا۔

۱۔ باز پرس سے مراد مذلت و مات کی باز پرس ہے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے پیغمبروں کی باز پرس ہے۔ وہ اصل میں کے اعمال کی باز پرس نہیں ہے اور وہ ان کے جرائم کی پوری سزا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مجرم جو چوٹ پڑھ رہا تھا، اچانک گرفتار کیا جائے اور وہ بڑے عظم و شہادت کے مرقع اس سے جھین لے جائیں۔ تاریخِ انسانی اس قسم کی گرفتاریوں کی دنیا کیوں سے بھری پڑی ہے اور یہ نفیس اس بات کی ایک مزید علامت ہیں کہ انسان کو دنیا میں شتر ہے اور کی طرح چھوڑ نہیں دیا گیا ہے کہ چاہے کچھ ہرے، بلکہ ان کوئی طاقت ہے جو ایک حد فاصل تک اسے ڈھیل دیتی ہے تو فحش و فحشیات کی سب سے بڑی خطرہ تو اس سے ہوتا ہے کہ وہ اس طرح باز نہیں رہتا کہ اسے اپنا تک پڑھ لیتی ہے پھر اگر کوئی اس تا بقی تجربہ نہ کرے تو ہسانی یہ نتیجہ بھی محال ملے کہ جو فرمانِ خدا اس کی ناکت نہ مروت کر رہا ہے اس نے ضرور اپنا ایک سخت مقرر کیا ہو گا کہ جس سارے تجربہ پر یہ حالات قائم ہو گئی ہوں ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے گی یہی وجہ ہے کہ ہمہ کی اہمیت کہ جس میں دنیوی مذہب کا ذکر کیا گیا ہے، بعد والی آیت کے ساتھ فقط پس کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، گویا اس دنیوی مذہب کا بار بار واقع ہونا اکثر کی باز پرس کے جتنا واقع ہونے پر ایک دلیل ہے۔

۲۔ اس سے مسلم ہونا کہ خودت کی باز پرس سے مراد رسالتِ ہی کی نیا دہ ہو گی۔ ایک طرف پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے نوعِ انسانی تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے کیا کچھ کیا۔ دوسری طرف جن لوگوں تک رسولوں کا پیغام پہنچا ان سوال کیا جائے گا کہ اس پیغام کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ جس شخص یا جن انسانی گروہوں تک انبیاء کا پیغام پہنچا ہوا ان کے بارے

فَلَنَقْصُصَ عَلَيْهِمْ بَعْلَهُمْ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ
بِالْحَقِّ ۝ فَسَنُتَقَلِّتُ مَوَازِينَهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا

پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ مادی سرگشت ان کے آگے پیش کر دیں گے، آخر ہم کیسے غائب تو
نہیں تھے۔ اور وزن اس روز میں حق ہوگا جن کے ہلے ہماری ہموں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے
ہلے ہلکے رہیں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے کیونکہ وہ ہماری

ہم تو قرآن میں کچھ نہیں بتا سکتے کہ ان کے مقدمہ کا کیا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ مفصل رکھا ہے۔ لیکن
جن اشخاص و اقوام تک بغیروں کی تعلیم پہنچ چکی ہے ان کے متعلق قرآن صاف کتابہ کر دہ اپنے کفر و شکار و طعن و تافہی کے
پے کوئی جہت نہیں کر سکیں گے اور ان کا انجام اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ حسرت و مذمت کے ساتھ تھکتے ہوئے جہنم کی راہیں۔
۱۷۷ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز خدا کی میزان عدل میں وزن اولیٰ دو توں ایک دوسرے کے ہم منی ہوں گے۔
حق کے سوا کوئی چیز و مال مذنی نہ ہوگی اور ان کے سوا کوئی چیز حق نہ ہوگی جس کے ساتھ جتنا حق ہوگا اتنا ہی وہ با وزن ہوگا۔ اور
فیصلہ کچھ بھی ہوگا وزن کے لحاظ سے ہوگا کسی دوسری چیز کا وہ لاہر لٹاؤ دیا جائے گا۔ باطل کی پوری زندگی خواہ دنیا کی کتنی
بی طویل و طریض رہی ہو اور کتنے ہی ظاہر شاندار کارنامے اس کی پشت پر ہوں، اس ترازو میں سرسبے وزن قرار پائے گی۔ باطل
حب اس میزان میں تو بے جائیں گے تو بے تائیں تائیں سے دیکھ میں گئے کہ دنیا میں جو کچھ وہ مدت بھر کرتے رہے وہ سب ایک پرکھ کے
لہر میں وزن نہیں ملکتا۔ یہ بات ہے جو سب سے کثرت کی آخری آیات میں فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں سب کچھ دنیا ہی
نے لے کر لے لیے اور اللہ کی آیات سے انکار کر کے جن لوگوں نے یہ سمجھے ہوئے کام کی کہ انجام کا کوئی آخرت نہیں ہے لہٰذا کسی کو
حساب دینا نہیں ہے ان کے کا نام نہ زندگی کو ہم آخرت میں کوئی وزن نہیں گے۔

۱۷۸ اس مضرب کو یوں سمجھئے کہ انسان کا کارنامہ زندگی دو پہلوؤں میں تقسیم ہوگا۔ ایک مثبت پہلو اور دوسری
پہلو مثبت پہلو میں صرف حق کو جانا اور امانت اور حق کی پیروی میں حق ہی کی خاطر کام کرنا ضروری ہوگا اور آخرت میں اگر کوئی
چیز فانی اور موقتی ہوگی تو وہ بے برہی ہوگی۔ بخلاف اس کے حق سے غافل ہو کر با حق سے خوف ہو کر انسان جو کچھ بھی اپنی تلاش
نفس یا دوسرے انسانوں اور شیطانوں کی پیروی کرتے ہوئے ظہر حق کی راہ میں کرتا ہے وہ سب منفی پہلو میں جگہ پائے گا اور
صرف ہی نہیں کہ یہ منفی پہلو بجائے خود بے قدر ہوگا بلکہ یہ آدمی کے مثبت پہلوؤں کی قدر بھی گھٹا دے گا۔

پس آخرت میں انسان کی فلاح و کمالی کا تمام تراخضار اس پر ہے کہ اس کے کا نام نہ زندگی کا مثبت پہلو اس کے

كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلُمُونَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا
لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ
ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ

آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔

ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں ساریاں زلیت فراہم
کیا، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہوئے۔

ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا، آدم کو سجدہ کرو

منطقی پہلو پر غالب جو اہل نقصانات میں بہت کچھ ہے، دلائل بھی اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ بچا رہ جائے رہا وہ شخص جس کی
زندگی کا منفی پہلو اس کے تمام مثبت پہلوؤں کو دھالے تو اس کا حال بالکل اس دیوالیہ تاجر کا سا جو گاہ جس کی ساری بلدیہ
خساروں کا ہنگامہ لگتے اور مطالبات ادا کرنے کی ہی کھپ جاتے اور پھر بھی کچھ نہ کچھ مطالبات اس کے ذمہ باقی رہ جاتیں۔

تھک تھک کے بے لافظ ہو سہہ بقرہ رکوع ۴۔

سورہ بقرہ میں حکم سجدہ کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے اس سے ظہور ملتا ہے کہ فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم صرف آدم علیہ السلام
کی شخصیت کے لیے دیا گیا تھا مگر یہاں وہ شہود ہو جاتا ہے۔ یہاں جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا تھا وہ آدم ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ نزع انسانی کا نمائندہ فرد ہونے کی حیثیت تھا۔
اور یہ جو فرمایا کہ ”ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی، پھر تمہیں صورت بخشی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو اس کا
مطلب یہ ہے کہ تم نے پہلے تمہاری تخلیق کا منصوبہ بنایا اور بعد ازاں آدم کو آفرینش تیار کیا، پھر اس ماوسے کو انسانی صورت عطا کی،
پھر جب ایک زندہ انسان کی حیثیت سے آدم وجود میں آیا، تو اسے سجدہ کرنے کے لیے فرشتوں کو حکم دیا۔ اس بات کی یہ تشریح خود
قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ خلاصہ میں رکوع ۵ میں ہے اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ ارْجِعُوا
بَشَرًا اَوْ مِنْ طِينٍ ۚ فَاِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِي فَخَسِبْ سَوِيًّا ۚ وَاَنْتُمْ فَعَلْتُمْ ۚ فَتَعَالٰی اَلُحَدِثَاتُ ۚ ”تعبیر کرو اس وقت
کا جب کہ تمہارے بچے فرشتوں سے کہا کہ تم، ایک بشری شکل سے پیدا کرو، والاہوں! پھر جب میں اسے پوری طرح تیار کر لوں اور
اس کے اندر اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔“ اس آیت میں قرآن مجید میں مراتب ایک دوسرے
انداز میں بیان کیے گئے ہیں، یعنی پہلے مٹی سے ایک بشر کی تخلیق، پھر اس کا تسویہ، یعنی اس کی شکل و صورت بنانا اور اس کے اعضا و
اس کی قوتوں کا تناسب قائم کرنا پھر اس کے اندر اپنی روح سے کچھ پھونک کر آدم کو وجود میں لانا۔ اسی معنوں کو سورہ جمر

مکہ میں میں انکار ہوا کیا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْہِ سُبْحٰنًا وَّعِیْنًا وَّجَنّٰتٍ مِّنْ حَیْطٍ مُّتَمِیْنٍ۔
 فَاِذَا سَمِعْتُمْ اَنَّہٗ قَفَّحْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَرٍّ وَّجْہًا فَقَعُوْا اَیُّہٗ یُحٰیثِیْنَ۔ اور تصور کردہ اس وقت کا جب کہ تمہارے رہنے فرشتوں
 سے کہا کہ میں غیر اڑھی ہوئی مٹی کے گائے سے ایک شریعہ دیکھنے والا ہوں، پھر جب میں اسے پوری طرح تیار کروں اور اس کے اندر
 اپنی روح سے کچھ بھونک دوں تو تم سب اس کے آگے جودہ میں گر پڑنا۔

تخلیق انسانی کے اس آغاز کو اس کی تفصیل کیفیت کے ساتھ سمجھنا اس لیے مشکل ہے، ہم اس حقیقت کا پوری طرح
 اندازہ نہیں کر سکتے کہ عبادِ ارضی سے بشر کس طرح بنایا گیا، پھر اس کی صمدت لگی اور تعویل کیسے ہوئی، اور اس کے اندر روح
 پھر کھنکے کی ذمیت کیا تھی، لیکن ہر حال یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید انسانیت کے آغاز کی کیفیت اُن نظریات کے خلاف
 بیان کرتا ہے جو موجودہ زمانہ میں خادون کے متبعین سائنس کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ ان نظریات کی رو سے انسان غیر انسانی
 اور نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے اور اس تبدیلی ارتقاء کے طویل خط میں
 کوئی نقطہ خاص ایسا نہیں ہو سکتا جہاں سے غیر انسانی حالت کو ختم قرار دے کر نئے نوع انسانی کا آغاز تسلیم کیا جائے۔ بطلان اس
 قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت ہی سے ہوا ہے اس کی تاریخ کسی غیر انسانی حالت سے قطعاً کوئی رشتہ
 نہیں رکھتی، وہ اول روز سے انسان ہی بنایا گیا تھا اور خدا نے کامل انسانی شعور کے ساتھ پوری روشنی میں اس کی ارضی زندگی
 کی ابتدا کی تھی۔

انسانیت کی تاریخ کے متعلق یہ دو مختلف نقطہ نظر ہیں اور ان سے انسانیت کے دو بالکل مختلف تصور پیدا ہوتے
 ہیں۔ ایک تصور کہ اختیار کیجیے تو آپ کہ انسان اہل حیرانی کی ایک فروع نظر آئے گا۔ اس کی زندگی کے جملہ قوانین حتیٰ کہ اخلاقی
 قوانین کے لیے بھی آپ بنیادی اصول اُن قوانین میں تلاش کریں گے جن کے تحت حیرانی زندگی چل رہی ہے۔ اُس کے لیے حیرات
 کا اس طرز عمل آپ کو بالکل ایک فطری طرز عمل معلوم ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ جو فرق انسانی طرز عمل اور حیرانی طرز عمل میں آپ
 دیکھنا چاہیں گے وہ ہیں اتنا ہی ہوگا کہ حیرانات جو کہ آلات اور صنائع اور قدنی آرائشوں اور تہذیبی نقش و نگار کے بغیر کہتے ہیں،
 انسان وہی سب کچھ ان چیزوں کے ساتھ کرے۔ اس کے برعکس دوسرا تصور اختیار کر کے ہی آپ انسان کو جافد کے بجائے انسان
 ہونے کی حیثیت سے دیکھیں گے۔ آپ کی نگاہ میں وہ حیوانِ ناطق یا تمدنِ جانور (SOCIAL ANIMAL) نہیں ہوگا
 بلکہ زمین پر خدا کا خلق ہوگا۔ آپ کے نزدیک وہ چیز ہوئے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے اس کا نظریہ یا اس کی اجتنابیت
 نہ ہوگی بلکہ اس کی اخلاقی ذمہ داری اور امتیازات کی وہ اہمیت ہوگی جسے خدا نے اس کے ہر دیکھنے اور جس کی بنا پر وہ خدا
 کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس طرح انسانیت اور اس کے جملہ تعلقات آپ کی نظر پہلے ذمہ داری نظر سے یک سر مخالفت ہو جائیگی۔
 آپ انسان کے لیے ایک دوسرا ہی فلسفہ حیات اور ایک دوسرا ہی نظام اخلاق و تمدن و قانون طلب کرنے لگیں گے اور
 اس نئے اور اس نظام کے اصول و مبادی تلاش کرنے کے لیے آپ کی نگاہ خود بخود دوسرا عالم اہل کے بجائے عالم بالا کی طرف
 اٹھنے لگی۔

اگر سچ کیا جائے کہ یہ دوسرا تصور انسان پاسہ اخلاقی اور نفسیاتی حیثیت سے کتنا ہی بلند ہو کر مرض میں تغیر

فَجَعَلُوا إِلَّا ابْنِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ مَا مَنَّكَ
 إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ
 وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ
 أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝

اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

پوچھا: ”تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے کو حکم دیا تھا؟“

بولا: ”میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے۔“

فرمایا: ”اچھا تمہاریاں سے نیچے اتر تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھنڈہ کرے۔ محل جا کر

در حقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔“

کی خاطر ایک ایسے نظریہ کو کس طرح رد کر دیا جلتے جہاں تنگ دلائل سے ثابت ہے۔ لیکن جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے
 ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع ثارہ یعنی نظریہ ارتقاء سائنٹفک دلائل سے ثابت ہو چکا ہے؟ سائنس سے محض سرسری واقعت
 رکھنے والے لوگ تو بے شک اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ نظریہ ایک ثابت شدہ علمی حقیقت میں چلکا ہے، لیکن حقیقتیں اس بات کو چاہتے
 ہیں کہ ارتقاء ادب پڑوں کے لیے جو ٹوے سرور سامان کے ہادہوا بھی تک یہ صوف ایک نظریہ ہی ہے اور اس کے جن دلائل کو
 غلطی سے دلائل ثبوت کہا جاتا ہے وہ دراصل محض دلائل امکان ہیں، یعنی ان کی بنا پر زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے
 کہ ڈاروینی ارتقاء کا دیا ہی امکان ہے جیسا ہمارا دست عمل تخلیق سے ایک ایک نوع کے الگ الگ وجود میں آنے کا
 امکان ہے۔

۱۱۔ اهل من نكح صاغیرین استعمال ہوا ہے۔ صاغر کے معنی ہیں الراضی بالذل، یعنی وہ جو ذلت
 اور صغارا و جہ میں طبعیت کو خود اختیار کرے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ بندہ اور مخلوق ہونے کے ہادہ
 تیرا یعنی ثانی کے گھنڈہ میں مبتلا ہونا اور اپنے رب کے حکم سے اس بندہ پرستی کو ناکارہ اپنی عزت و برتری کا جو تصور تو نے خود
 قائم کر لیا ہے اس کے لحاظ سے وہ حکم تجھے اپنے لیے موجب قبح و ننگوٹا ہے یہ دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ تو خود اپنی ذلت
 چاہتا ہے۔ بڑائی کا جھوٹا پندار عزت کا بے بنیاد ادعا اور کسی ذاتی استحقاق کے بغیر اپنے آپ کو خواہ مخواہ بزرگی کے منصب پر
 فائز سمجھنا، تجھے بڑا اور ذی عزت اور بزرگ نہیں بنا سکتا بلکہ یہ تجھے چھوٹا اور ذلیل اور پست ہی بنائے گا اور اپنی اس ذلت

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٣﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٤﴾
 قَالَ فِيمَا أَخَوْتَنِي لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ
 لَا يَبْتَغِيهِمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ
 وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا يَجِدُ أَكْثَرُهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٦﴾

یولا، ”مجھے اُس دن تک مُلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔“

فرمایا، ”تجھے مُلت ہے۔“

یولا، ”بس تو میرا تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں
 کی گمات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیر دوں گا اور تو ان میں سے
 اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔“

وخواہی کہ سب تو آپ ہی ہوگا۔

ﷺ یہ دو پہلیں صحابہ میں سے خدا کو دیا۔ اُس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مُلت جو آپ نے مجھے قیامت تک
 کے لیے دی ہے اس سے فائدہ اُٹھا کر میرے ثابت کرنے کے لیے ہوا زور صرف کر دوں گا کہ انسان اس فضیلت کا مستحق
 نہیں ہے جو آپ نے میرے مقابلے میں اسے عطا کی ہے۔ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ یہ کیا ناشکر، کیا ناک حرام اور کیا
 احسان فراموش ہے۔

یہ مُلت جو شیطان نے اُنکی حق اور جہاد سے اُسے عطا فرمادی اس سے مراد محض وقت ہی نہیں ہے بلکہ اُس کام
 کا موقع بھی ہے جو وہ کرتا چاہتا تھا یعنی اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے انسان کو بھگنے اور اس کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اس
 کی ناپائیدار ثابت کرنے کا موقع دیا جائے، اور یہ موقع اللہ تعالیٰ نے اسے نہ دیا چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل دیکھنا، عیسٰیؑ کی
 تھریج سے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار سے دیا کہ آدم اور اس کی اولاد کو راہِ راست سے ہٹا دینے کے لیے جہرہ چالیں وہ
 چلنا چاہتا ہے، چلے۔ ان حالِ ہانپوں سے میرے دو کانٹیں جائے گا بلکہ وہ سب واپس کٹنی رہیں گی جن سے وہ انسان کو
 قدمیں ڈالتا چاہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگا دی کہ اِنْ عَمَّا ذِي الْقُرْسِيِّ كَلْتَ عَلَيْهِمْ سَلْطَانٌ یعنی میرے
 بندوں پر تجھے کوئی اقتدار نہ ہوگا۔ تو صرف اس بات کا مجاز ہوگا کہ ان کو غلط فیصلوں میں ڈالے، جھوٹی امیدیں دلائے یہی
 اور گمراہی کو ان کے سامنے خوش نہا کر پیش کرے، لہٰذا تو ان اہلِ فساد کے سبب بارغ دکھا کر ان کو غلط راستوں کی طرف دعوت دے۔

قَالَ اخْرِجُونَهَا مَدْءُومًا قَدْحُورًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَكَنَّ
 جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۸﴾ وَيَا أَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
 فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
 الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾ فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ
 عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِرِهِمَا وَقَالَ مَا هُمَا بِكُفَّاءٍ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ

فرمایا، "بھل یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ یقین رکھ کر ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے ان سے
 اور تجھ سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور اے آدم! تو اور تیری بیوی، دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو
 تمھارا جی چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ بھٹکنا اور نہ کھانوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

پھر شیطان نے ان کو بہکایا تاکہ ان کی شر مکاریں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے
 سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا، "تمھارے رب نے تمھیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی

مگر یہ طاقت تجھے نہیں دی جائے گی کہ انھیں ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے راستے پر کھینچے جائے اور اگر وہ خود راہ راست پر ملنا چاہیں
 تو انھیں تو نہ پہنچے دے۔ یہی بات سہۃ ابراہیم رکع ۳ میں فرمائی گئی ہے کہ قیامت میں عدالتِ مافیٰ سے فیصلہ صادر ہو جانے
 کے بعد شیطان اپنے پیرو انسانوں سے کہے گا وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ
 لِي فَلَا تَكُونُوا مَوْفِقِينَ وَتَوَعُّوْا أَتَقْسِكُمْ، یعنی میرا تم پر کوئی زور تو متا نہیں کہ میں نے اپنی پیروی پر تمھیں مجبور کیا ہو، میں نے
 اس کے سوا کچھ نہیں کیا اگر تمھیں اپنی راہ پر چاہا اور تم نے میری دعوت قبول کر لی۔ لہذا اب مجھے طاقت نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو طاقت کرو۔
 اور یہ جو شیطان نے خدا پر ازام عائد کیا ہے کہ تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنی حیثیت
 کی ذمہ داری خراب کر چکا ہے۔ اُس کو شکایت ہے کہ آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے کہ تو نے مجھے فتنے میں ڈالا اور میرے
 فتنے کے ٹکڑے کو ٹھیس لگا کر مجھے اس حالت میں بہستہ کر دیا کہ میں نے تیری نافرمانی کی۔ گو یا اس حق کی خواہش یہ تھی کہ
 اس کے نفس کی چوری پکڑی دیا جاتی بلکہ جس پرندہ غلط ادھیں مگر کئی کو اس نے اپنے اندر چھپا رکھا تھا اس پر بد وہی ہوا
 رہنے دیا جاتا۔ یہ ایک کھلی ہوئی سفید مادیات تھی جس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے
 سرے سے اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔

إِلَّا أَنْ تَكُونُوا مَلَائِكَةً أَوْ تَكُونُوا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لَهُمَا رَبِّنَا
لَكُمَا لَيْسَ النَّجْوَانِ لَكُمَا ۝۱۱ فَدَلَّمَا يَعْرُوهُ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ
بَدَا لَهُمَا سََوَاءُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذُرِّ الْجَنَّةِ
وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَهْكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا
إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝۱۲ قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِ
لَّا لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝۱۳

وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ اور
اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انھوں نے اس
درخت کا مڑا چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے تہوں سے
ڈھانکنے لگے۔

تب ان کے رب نے انھیں بکا راسخا میں نے تمہیں اس درخت سے نروکا تھا اور نہ کیا تھا کہ شیطان
تمہارا کھلا دشمن ہے؟

دونوں بول اُٹھے "اے رب! ہم نے اپنے اوپر قسم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور ہم نہ کیا
تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

۱۰۔ اس قصہ سے چند اہم حقیقتیں روشنی پڑتی ہیں:

۱) انسان کے اندر شرم و حیا کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کا توڑیں مگر وہ شرم ہے جو اپنے جسم کے خصوصیتوں
کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں آدمی کو غرور محسوس ہوتی ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ شرم انسان کے اندر مذہبی و عقائد سے
معنوی طور پر پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ یہ انسانی چیز ہے، جیسا کہ شیطان کے بعض شاگردوں نے قیاس کیا ہے، بلکہ حقیقت

یہہ فطری چیز ہے جو اہل ہنر سے انسان میں موجود تھی۔

(۲) شیطان کی پہلی چال جو اس نے انسان کو فطرتِ انسانی کی سیدھی راہ سے ہٹانے کے لیے چلی، یہ تھی کہ اس کے اس جذبہ شرم و حیا پر ضرب لگائے اور ہنگامے راستے سے اس کے لیے خواہش کا دروازہ کھولے اور اس کو سنی معاملات میں ہدایہ کر دے۔ بالفاظِ دیگر اپنے ترین کے محاذ میں ضیعت ترین مقام جو اس نے حملہ کے لیے تلاش کیا وہ اس کی زندگی کا سنی پہلو تھا اور پہلی ضرب جو اس نے لگائی وہ اس محاذِ فضیل پر لگائی جو شرم و حیا کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں رکھی تھی۔ شیطان اور ان کے شاگردوں کی یہ مدوش آج تک جوں کی توں قائم ہے: "ترقی" کا کوئی کام ان کے ہاں شروع نہیں ہو سکتا جب تک کہ حملت کو اپنے پردہ کر کے وہ باز نہیں نہ لاکھڑا کریں۔

(۳) یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ لائی کی کھلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے۔ عموماً اُسے مجال میں بھانسنے کے لیے کابھی محاذِ غیر خواہ کے عبور ہی میں آنا پڑتا ہے۔

(۴) انسان کے اندر مطلقاً اور مشابہت سے بالاتر مقام پر پہنچنے یا حیاتِ جاہلہ میں داخل کرنے کی ایک فطری بیکس موجود ہے اور شیطان کو اُسے قریب دینے میں پہلی کامیابی اسی ذریعہ سے ہوتی کہ اس نے انسان کی اس خواہش سے سبیل کیا۔ شیطان کا سب سے زیادہ چتا ہوا امر یہ ہے کہ وہ آدمی کو ہندی پرے جانے اور مزہزہ حالات سے بترعات پر پتلا دینے کی امید دلاتا ہے اور پھر اس کے لیے وہ راستہ پیش کر دیتا ہے جو اُسے اُٹاپٹنی کی طرف لے جائے۔

(۵) عام طور پر یہ جرمِ شہور ہو گیا ہے کہ شیطان نے پہلے حضرت حوا کو دامِ قریب میں گزند لیا اور پھر انیس حضرت آدم کو پھانسنے کے لیے آؤ کا رہنمایا، قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔ اس کامیابی یہ ہے کہ شیطان نے دوڑوں کو دھوکا دیا اور دونوں اس سے دھوکا کھا گئے۔ بظاہر یہیت چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن جن لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت حوا کے متعلق اس مشہور روایت نے دنیا میں عورت کے اخلاقی، قانونی اور معاشرتی مرتبے کو گرانے میں کتنا زہر مت حصر کیا ہے، وہی قرآن کے اس بیان کی حقیقی قدر قیمت سمجھ سکتے ہیں۔

(۶) یہ گمان کرنے کے لیے کوئی معقول و موجد نہیں ہے کہ خبرِ منور کا مرنے چکے ہی آدم و حوا کے سر پہ کھل جانا اس وقت کی کسی فاسیت کا نتیجہ تھا۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے برعکس اور چیز کا تجربہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کا سر پہنچانے کا نام سے ڈھکا تھا۔ جب انھوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا کی مخالفت ان سے ہٹائی گئی، ان کا پردہ کھول دیا گیا اور انھیں اللہ ان کے اپنے نفس کے حوالے کر دیا گیا کہ اپنی پہلہ پریشی کا انتظام خود کریں اگر اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، اور اگر ضرورت نہ سمجھیں یا اس کے لیے سہمی نہ کریں تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس حال میں پھرتے ہیں۔ یہ گویا ہمیشہ کے لیے اس حقیقت کا مظاہرہ تھا کہ انسان جب خدا کی نافرمانی کرے گا تو دیر یا سوری اس کا پردہ کھل کر رہے گا۔ اور یہ کہ انسان کے ساتھ خدا کی تائید و حمایت اسی وقت تک رہے۔ جب تک وہ خدا کا مطیع فرمان رہے گا۔ طاعت کے حدود سے قدم باہر نہ کٹے کہ پھر اسے خدا کی تائید و برگ حاصل نہ ہوگی بلکہ اسے خود اس کے اپنے نفس کے حملے کر دیا جائے گا۔ یہ وہی معنوں ہے جو متعدد احادیث میں بھی صریحاً اور علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور اسی کے متعلق حضورؐ نے دعا فرمائی ہے کہ اللہم ورحمتک اوجوا فلا تکلفنی فی نفسی

طرحہ ہون (مضامین تیری رحمت کا امیدوار ہوں ہیں مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا۔)

(۷) شیطان یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انسان اس فضیلت کا مستحق نہیں ہے جو اس کے مقابلہ میں انسان کو دی گئی ہے۔ لیکن پہلے ہی عرصہ میں اس نے شکست کھائی۔ اس میں شک نہیں کہ اس عرصہ کے میں انسان اپنے دیکے امر کی فرماں برداری کرنے میں ہمدی طرح کامیاب نہ ہو سکا اور اس کی یہ کمزوری ظاہر ہو گئی کہ وہ اپنے حریف کے قریب میں آکر اطاعت کی راہ سے ہٹ سکتا ہے۔ مگر بحال اس اولین مقابلہ میں قطعی ثابت ہو گیا کہ انسان اپنے اخلاقی مرتبہ میں ایک افضل مخلوق ہے۔ آؤ شیطان اپنی ہٹائی کا خود مدعی تھا، اور انسان نے اس کا دعویٰ آپ نہیں کیا بلکہ ہٹائی اسے دی گئی۔ ثانیاً شیطان نے خاص غرور و تکبر کی بنا پر اللہ کے امر کی نافرمانی آپ اپنے اختیار سے کی اور انسان نے نافرمانی کو خود اختیار نہیں کیا بلکہ شیطان کے برکانے سے وہ اس میں مبتلا ہوا۔ اس نے شر کی کھلی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ دائمی شر کو دائمی خیر بن کر اس کے سامنے آنا پڑا۔ وہ پستی کی طرف پستی کی طلب میں نہیں گیا بلکہ اس دعوے میں مستحکم ہو کر گیا کہ یہ راستہ اُسے بندگی کی طرف لے جائے گا۔ ثانیاً شیطان کو تنبیہ کی گئی تو وہ اپنے تصور کا احترام کرنے اور بندگی کی طرف ہٹل آنے کے بجائے نافرمانی پر اور زیادہ جم گیا، اور جب انسان کو اس کے تصور پر تنبیہ کیا گیا تو اس نے شیطان کی طرح سرکشی نہیں کی بلکہ اپنی عقلی کا احساس ہوتے ہی وہ نادم ہوا اسے تصور کا احترام کر کے بناوٹ سے اطاعت کی طرف ہٹ آیا اور معافی مانگ کر اپنے راہ کے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈنے لگا۔

(۸) اس طرح شیطان کی راہ اور وہ راہ جو انسان کے لائق ہے، دونوں ایک دوسرے سے بالکل متمیز ہو گئیں۔ خاص شیطان کی راہ یہ ہے کہ بندگی سے منہ موڑے، خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرے، متنبہ کیے جانے کے باوجود دوسرے استکبار کے ساتھ اپنے باغیانہ طریقوں پر اصرار کیے چلا جائے اور جو حکم طاعت کی راہ چل رہے ہوں ان کو بھی ہٹائے اور معصیت کی راہ پر لانے کی کوشش کرے۔ بخلاف اس کے جو راہ انسان کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ اول تو وہ شیطانی خواہ کی مزاحمت کرے اور اپنے اس دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان سے بچنے کے لیے ہر وقت چرکنا رہے، لیکن اگر کسی امر کا قدم بندگی و طاعت کی راہ سے ہٹ بھی جائے تو اپنی عقلی کا احساس ہوتے ہی ندامت و شرمساری کے ساتھ فوراً اپنے رب کی طرف ہٹے اور اس تصور کی تلافی کر دے جو اس سے سرزد ہو گیا ہے۔ یہی وہ اصل سبق ہے جو اللہ تعالیٰ اس قصے سے پیمان دینا چاہتا ہے۔ ذہن نشین یہ کرنا مقصود ہے کہ جس راہ پر تم لوگ ہمارے جو یہ شیطان کی راہ ہے۔ یہ تمہارا فدا فی ہدایت سے ہے نیاز ہو کر شفیاطین جن و انس کو اپنا دلی و سر پرست بنانا، اور یہ تمہارا پے دوپے خبیثات کے باوجود اپنی عقلی پر اصرار کیے چلے جانا، یہ وہ اصل خاص شیطان بننے کا ہے۔ تم اپنے انی دشمن کے وہاں میں گر رہے ہو اور اس مکمل شکست کھا رہے ہو۔ اس کا انجام یہ ہو رہی ہے جس سے شیطان خود وہ چار ہونے والا ہے۔ اگر تم حقیقت میں خود اپنے دشمن نہیں ہو گئے ہو اور کچھ بھی جو شتم نہیں ہوتی ہے تو سنبھلو اور وہ راہ اختیار کرو جو خدا تمہارے باپ اور تمہاری ماں آدم و حوا نے اختیار کی تھی۔

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ
مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۳﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۴﴾
يٰۤاٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَ وَرَمَيْنَاكَ

فرمایا: اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمھارے لیے ایک خاص مدت تک زمین
ہی میں جائے قرار اور صالین زینت ہے۔ اور فرمایا: میں تم کو مینا اور دیں مرنا ہے اور اسی میں سے
تم کو آخر کار نکالا جائے گا۔ ۷

اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمھارے جسم کے قلیل شرم حصوں کو ڈھانکے

۱۲ یہ شبہ زد کیا جائے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت سے اتر جانے کا یہ حکم مزار کے طور پر دیا گیا تھا قرآن
میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور انھیں صاف کر دیا لہذا اس حکم میں مزار
کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ یہ اس منشاء کی تکمیل ہے جس کے لیے اللہ نے ان کو پیدا کیا تھا قرآن شریف کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، احادیث
۱۳ و ۱۴

۱۵ اب تھو آدم و حوا کے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ نہایت کر کے سامنے خود ان کی اپنی زندگی کے اندر
شیطان نے طواغیت ایک دنیا میں ان کی نشان دہی فرمائی جاتی ہے۔ یہ لوگ جس کو صرف زینت اور موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت
کے لیے استعمال کرتے تھے، لیکن اس کی بجائے پہلی بنیادی غرض یعنی جسم کے قلیل شرم حصوں کی پردہ پوشی ان کے نزدیک کوئی
اہمیت نہ رکھتی تھی۔ انھیں اپنے متردد مردوں کے سامنے کھول فیہن میں کوئی باک نہ تھا۔ یہ بہت منظر عام پر نہایت لہذا براہ چلتے تھے
حاجت کے لیے بیٹھ جانا، انداز کل جانے تو ستر کے پردہ پر جلنے کی پروا نہ کرتا ان کے شبہ و درود کے معمولات تھے۔ اس
بھی تذکرہ کیا کہ ان میں سے کثرت لوگ حج کے موقع پر جہنم گھر بہت طواف کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کی عورتیں ان کے
مردوں سے بھی کچھ زیادہ بے حیا تھیں۔ ان کی شو میں ہر ایک مذہب و نسل تھا اور نیک کام سمجھ کر وہ اس کا ادھاب کرتے
تھے۔ یہ سچ نہ کہ یہ کوئی عروزی ہی کی فخر محبت نہ تھی، دنیا کو اکثر قریب اسی جہان میں ہی مبتلا رہیں اور اس تک پہنچنے
خطاب، اہل عرب کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے، اور اس سے بھی آدم کو تشبیہ کیا جا رہا ہے کہ یکسو، یہ شیطان نے طواغیت ایک
کھلی بڑی علامت تھا اسی زندگی میں موجود ہے۔ تم نے اپنے رب کی دشمنی سے بے نیاز ہو کر لوگوں کے رسولوں کی دعوت
سے سزا منہ کرنا چاہتا ہے کہ شیطان کے حملے کو دیکھو اور اس نے تمھیں انسانی فطرت کے راستے سے ہٹا کر کسی بے حیائی میں مبتلا
کر دیا جس میں وہ تمھارے پہلے پاپ اور اس کو جٹا کر تباہ بنا دیتا۔ اس پر حذر کرو تو یہ حقیقت نہ رکھ کر جانے کہ رسولوں کی

وَلْيَأْسُ النَّفْقَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَةِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ
يَذَكَّرُونَ ﴿۱۹﴾ يَبْنِي أَدَمَ لَا يَفْتِنُكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا
أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمُ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
سَوَاتِرَهُمَا لَئِنْ يَرِيَهُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ
إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

اور تمھارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو، اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی
نشانیں ہیں سے ایک نشانی ہے، شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔ اسے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان
تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کرنے جس طرح اس نے تمھارے والدین کو جنت سے نکلوا یا تمھارا ان کے
لباس ان پر سے اُتر وا دیے تھے تاکہ ان کی شر مگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔ وہ اور اس کے
ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے اُن
لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

یہاں کے لیر تم ہی فطرت کے ابتدائی مطالبات تک کو نہ سمجھ سکتے ہو اور نہ پورا کر سکتے ہو۔

۱۹۔ ان آیات میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس سے چند اہم حقیقتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں :

اولیٰ یہ کہ لباس انسان کے لیے ایک مصنوعی چیز نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا ایک اہم مطالبہ ہے۔ اللہ نے
انسان کے جسم پر حریمات کی طرح کوئی پوشش پیدا نہی طور پر نہیں رکھی بلکہ حیا اور شرم کا داعی اس کی فطرت میں ودیعت
کر دیا۔ اس نے انسان کے لیے اس کے اعضائے صغریٰ کو بعض اعضائے صغریٰ ہی نہیں بنایا بلکہ سُرَّاء بھی بنایا جس کے
’صغریٰ نہان میں ایسی چیز کے ہیں جس کے اظہار کو آدمی قبیح سمجھے پھر اس فطری شرم کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے
اس نے کوئی بنایا یا لباس انسان کو نہیں دے دیا بلکہ اس کی فطرت پر لباس کا اہام کیا (اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُبُاسَ)
تاکہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اپنی فطرت کے اس مطالبے کو سمجھے اور پھر اللہ کے پیدا کردہ مواد سے کام لے کر اپنے
لیے لباس فراہم کرے۔

دوم یہ کہ اس فطری اہام کی رو سے انسان کے لیے لباس کی اخلاقی ضرورت مقدم ہے یعنی یہ کہ وہ اپنی فطرت

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا
بِهَٰذَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَالًا

یہ لوگ جب کوئی شرمنگ کام کہتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ
ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ

کو ڈھالو گے۔ اور اس کی طبی ضرورت غرض ہے، یعنی یہ کس کا لباس اس کے لیے عفت و عجز کی آرائش اور عفت و عجز
سے بدن کی حفاظت کا ذریعہ ہو۔ اس باب میں بھی فطرت انسان کا معاملہ حیوانات کے برعکس ہے۔ بدن کے لیے پوش
کی اصل غرض صرف اس کا "دریش" ہونا ہے، اور اس کا سر پرش ہونا تو ان کے اعضاء منفی سرے سے سوائے ہی نہیں ہیں کہ
انہیں چھپانے کے لیے حیوانات کی جبلت میں کوئی حاجت ہو جو وہ بتا اور اس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ان کے جسم پر
کوئی لباس پیدا کیا جاتا۔ لیکن جب انسانوں کی دھنیاں کی قبیل کی تو سادہ پھرتی گیناں نے اپنے بدن شاگردوں کو
اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ تم اسے لیے لباس کی ضرورت سمجھ رہے ہو حیوانات کے لیے سائین کی ضرورت ہے اور ان کا
سوائے کہ چھپانے والی چیز ہونا، تو یہ تقاضا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ جس طرح حیوانات کے اعضاء سوائے نہیں ہیں اسی
طرح تم اسے یہ اعضاء بھی سوائے نہیں، بعض اعضاء منفی ہی ہیں۔

تو ہم یہ کہ انسان کے لیے لباس کا صرف فائدہ سرخوشی اور وسیلہ عزت و حفاظت ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت
اس معاملہ میں جس بھلائی تک انسان کو پہنچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کا لباس تقویٰ کا لباس ہو، یعنی پوری طرح سادہ ہو نہایت
میں بھی حد سے بڑھا ہوا آدمی کی حیثیت سے گرا نہ آئے ہو، فخر و غرور اور تکبر و عدا کی شان لیے ہوئے نہ ہو اور پھر نہ تنہا
امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو جس کی بناء پر مرد و نادہن اختیار کرتے ہیں، محدود مرد و نادہن کی نمائندگی نہ کرتی ہو، اس کا قیم
دوسری قوم کے شاہرہ بننے کی کوشش کے خلاف اپنی ذات کا زندہ اشتہار بن جاتی ہے۔ لباس کے معاملہ میں اس غیر مطلوب
کو پہنچنا تو کسی طرح ان لوگوں کے بس میں ہے یہی نہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاکر اپنے آپ کو بالکل خدا کی دھنیاں
کے حوالے نہیں کر دیا ہے۔ جب وہ خدا کی دھنیاں تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو یہاں ان کے سر پرست بنا دیے
جاتے ہیں، پھر یہ شیاطین ان کو کسی نہ کسی غلطی میں مبتلا کر کے ہی چھوڑتے ہیں۔

چارم یہ کہ لباس کا معاملہ بھی اللہ کی اُن بے شمار نشانوں میں سے ایک ہے جو دنیا میں چاندوں طرف پھیلی ہوئی
ہیں اور حقیقت تک پہنچنے میں انسان کی مدد کرتی ہیں، بشرطیکہ انسان خدا سے سبق لے لیا ہے۔ اور جن حقائق کی طرف
ہم نے اشارہ کیا ہے انہیں اگر تامل کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ لباس کس حیثیت سے
اللہ تعالیٰ کا ایک اہم نشان ہے۔

تَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿۳۹﴾

ہاتیں کہتے ہر جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ اسے محمد! ان سے کہو میرے رب نے تو راستی و انصاف کا حکم دیا ہے، اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھ کر جس طرح اُس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔

۳۸۔ شاہ ہے اہل عرب کے بہت لطافت کی طرف سے، اس کا ہم پر پڑ کر کہے ہیں۔ وہ لوگ اس کو ایک مذہبی فعل سمجھ لیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے۔

۳۹۔ بظاہر یہ ایک بہت ہی مختصر جملہ ہے مگر درحقیقت اس میں قرآن مجید نے ان لوگوں کے جاہلانہ عقائد کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل پیش کی ہے۔ اس طرز استدلال کو سمجھنے کے لیے دو باتیں بطور مقدمہ کے پہلے سمجھنی چاہئیں:

ایک یہ کہ اہل عرب اگر اپنی بعض مذہبی رسوم میں برائی اختیار کرتے تھے اور اسے ایک مقدس مذہبی فعل سمجھتے تھے لیکن برائی کا بھانے خود ایک شرمناک فعل ہونا خود ان کے نزدیک بھی مسلم تھا چنانچہ کوئی شریف اور ذی عورت عرب اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ کسی مذہب مجلس میں، یا بازار میں، یا اپنے اعزہ اور اقربا کے درمیان ہر ہند ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ برائی کو شرمناک جاننے کے باوجود ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے اپنی عبادت کے موقع پر اختیار کرتے تھے اور چونکہ اپنے مذہب کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اس لیے ان کا دھڑی تھا کہ یہ رسم بھی خدا ہی کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر قرآن مجید یہ استدلال کرتا ہے کہ جو کام فعل ہے اور جسے تم خود بھی جانتے اور جانتے ہو کہ فحش ہے اس کے متعلق تم یہ کیسے باور کر لیتے ہو کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہو گا۔ کسی شخص علم کا حکم خدا کی طرف سے ہرگز نہیں ہو سکتا، اور اگر تمہارے مذہب میں ایسا حکم پایا جاتا ہے تو یہ اس بات کی مزید علامت ہے کہ تمہارا مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہے۔

۴۰۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے دین کو تمہاری ان بیروہ رسوم سے کیا تعلق؟ اس نے جس دین کی تعلیم دی ہے اس کے بنیادی اصول تو یہ ہیں کہ:

(۱) انسان اپنی زندگی کو عمل و راستی کی بنیاد پر قائم کرے،

(۲) عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھے، یعنی خدا کے سوا کسی اور کی ہندگی کا شائبہ نگاہ کی عبادت میں نہ ہو،

سبوح حقیقی کے سوا کسی دوسرے کی طرف اطاعت و غلامی اور مجبور و نیاز کا کوئی خدا نہ ہونے پائے،

(۳) ایمانی اور ایمان نہ صرف اور نگہبانی و حفاظت کے لیے خدا ہی سے دعا مانگے، مگر شے سے کہ اس چیز کی دعا

مانگنے والا آدمی پہلے اپنے دین کو خدا کے لیے خالص کر چکا ہو۔ یہ نہ ہو کہ زندگی کا سارا نظام تو کفر و شرک اور مصیبت اور

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا
الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۳۰﴾
يَبْنِي أَدَمَ خُدًى وَارِزْنِي تَكُمُ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا
وَأَشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾

ج

ایک گروہ کو تم اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے مگر دوسرے گروہ پر مگر ایسی جہاں ہو کر رہ گئی ہے
کیونکہ انھوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم
سیدھی راہ پر ہیں۔

اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھا پیو اور حد سے تجاوز
نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ہندگی انیاد پر چلایا جا رہا ہو اور مدد خدا سے مانگی جائے کہ اے خدا! یہ عبادت جو ہم تجھ سے کر رہے ہیں اس میں ہماری مدد فرما۔
(۳۰) اور اس بات پر یقین رکھے کہ ہر طرح اس دنیا میں وہ پیدا ہوا ہے اسی طرح ایک دوسرے عالم میں بھی اس کو
پیدا کیا جائے گا اور اسے اپنے اعمال کا حساب خدا کو دینا ہو گا۔

۳۱۔ یہاں زینت سے مراد مکمل لباس ہے۔ خدا کی عبادت میں کھڑے ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے
کہ آدمی محض اپنا ستر چھپالے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حسب استطاعت وہ اپنا پورا لباس پہنے جس میں
ستر پوشی بھی ہو اور زینت بھی۔ یہ حکم اس غلط رویہ کی تردید کے لیے ہے جس پر جہلا اپنی عبادتوں میں عمل کرتے رہے ہیں اور
آج تک کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ ہو کر اور اپنی ہیستروں کو لگا کر خدا کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس کے
برعکس خدا کہتا ہے کہ اپنی زینت سے آراستہ ہو کر ایسی وضع میں عبادت کرنی چاہیے جس کے اندر برہنگی، لڑکیا، ناشائستگی کا
بھی شائبہ نہ ہو۔

۳۲۔ یعنی خدا کو تمہاری خستہ حالی اور فاقہ کشی اور میراث و رزق سے محرومی حزن نہیں ہے کہ اس کی ہندگی بجا
لانے کے لیے کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو۔ بلکہ اس کی میں خوشی رہے کہ تم اس کے بستے ہوئے حمد لباس پہنو اور پاک
رزق سے متنع ہو۔ اس کی شریعت میں اصل گناہ یہ ہے کہ آدمی اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے، خواہ یہ تجاوز

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِمُ وَالطَّيِّبَاتِ
مِنَ الرِّائِقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَذَلِكَ تُفَصِّلُ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ

اے محمد! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے
نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دی ہیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی
ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو فاحشہ انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی
باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

اے محمد! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: جیسے شرابی کے

ملاں کو حرام کرینے کی شکل میں، ہر یا حرام کو حلال کرینے کی شکل میں۔

۲۲ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے دنیا کی ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں بندوں ہی کے لیے پیدا کی ہیں، اس لیے
اللہ کا منشاء تو ہر حال پر نہیں ہو سکتا لہذا انہیں بندوں کے لیے حرام کرے۔ اب اگر کوئی مذہب یا کوئی نظام اخلاق و معاشرہ
ایسا ہے جو انہیں حرام یا ناقابلِ نفرت، یا ارتقا سے روکنا میں سزاوارہ قرار دیتا ہے تو اس کا یہ فعل خود ہی اس بات کا کھلا ثبوت
ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ بھی اُن چیزوں میں سے ایک ہم محبت ہے جو قرآن نے مذاہب باطلہ کے رویہ پیش
کی ہیں، اور اس کو کچھ دینا قرآن کے طرز امتداد لال کر کھینچنے کے لیے ضروری ہے۔

۲۳ یعنی حقیقت کے اعتبار سے تو خدا کی پیدا کردہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہل ایمان ہی کے لیے ہیں
کیونکہ وہی خدا کی دفا و دار دایا ہیں اور حق ملک صرف ملک حلالوں ہی کو پہنچتا ہے۔ لیکن دنیا کا سوجھوتا نظام جو نکلاؤیشن
اور صلت کے اصول پر قائم کیا گیا ہے اس لیے یہاں اکثر خدا کی نعمتیں ملک حلالوں ہی پر تقسیم ہوتی رہتی ہیں اور سب اوقات
ملک حلالوں سے بڑھ کر انہیں نعمتوں سے قاصر دیا جاتا ہے۔ البتہ آخرت میں وہاں کا سارا انتظام خالص حق کی مبادی پر
ہوگا، زندگی کی آرائشیں اور دوزخ کے عذابات سب سب حق ملک حلالوں کے لیے ضرور ہوں گے اور وہ ملک حلالوں ہی کے
بجائے نہا سکیں گے جنہوں نے اپنے رب کے حق پر بیٹنے کے بعد اپنے رب ہی کے خلاف سرکشی کی۔

مَآظِرُ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ
تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا فَإِنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَلَذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ
لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝

کام — غواہ لکھے ہوں یا چھپے — اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ
تم کسی کو شریک کر جس کے لیے اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو
جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے۔

ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک
گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی۔ (اور یہ بات اللہ نے آغاز تخلیق ہی میں صاف فرمادی تھی کہ)

۲۳۔ تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے، حاشیہ ۱۲۸ و ۱۲۹

۱۲۸۔ اصل میں لفظ اللہ استعمال ہوا ہے جس کے اہل معنی کو تاہی کے ہیں۔ اِشْمہ اُس اور شئی کو کہتے ہیں جو پہلے
چل سکتی ہو مگر جان و ہوش نہ ہو۔ اسی سے اس لفظ میں گناہ کا مفہوم پیدا ہوا ہے یعنی انسان کا اپنے رب کی آیت
و فرماں برداری میں قدرت و استطاعت کے باوجود کوتاہی کرنا اور اس کی رضا کو پہنچنے میں ہان و جھجھ کر قصور دکھانا۔

۱۲۹۔ یعنی اپنی حد سے تجاوز کر کے ایسے حدود میں قدم لگنا جن کے اندر داخل ہونے کا آدمی کو حق نہ ہو۔ اس
تعبیرت کی مدد سے وہ لوگ بھی باقی قرار پاتے ہیں جو بندگی کی حد سے حل کر خدا کے حکم میں خود مختارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں
اور وہ بھی جو خدا کی خدائی میں اپنی کبریا کی کمی دیکھتے بجاتے ہیں اور وہ بھی جو زندگان خدا کے حقوق پر دست دمازی کرتے ہیں۔

۱۳۰۔ مہلت کی مدت مقرر کیے جانے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہر قوم کے لیے برسوں اور مہینوں اور دنوں کے لحاظ
سے ایک مقررہ کی جاتی ہو اور اس عمر کے تمام ہوتے ہی اس قوم کو لازماً ختم کر دیا جاتا ہو۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو دنیا
میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اصطلاح مقرر کر دی جاتی ہے تاہیں معنی کر اس کے اعمال میں خیر اور شر کا کم سے
کم کتنا تناسب برداشت کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ایک قوم کی یہی صفات اس کی اپنی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی گنجائش
آخری حد سے فرور نہ رہتی ہیں اس وقت تک اسے اس کی تمام باتوں کے باوجود مہلت دی جاتی رہتی ہے، اور جب حد اس حد

يٰۤاَيُّهَا اِمَّا يٰٓاَيُّهَا تَبَيَّنَ لَكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِي
 فَمِنْ اَتٰتِي وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
 وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اُولٰٓئِكَ اصْحٰبُ
 النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
 كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِيْ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ
 الْكِتٰبِ حَقًّا اِذَا جَازَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا اَيِّنَ

لے بنی آدم ایاد رکھو، اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنائے ہوں، تو جو
 کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہ کی اصلاح کرے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، اور جو
 ہا ہی آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کریں گے وہی اہل دوزخ ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
 ظاہر ہے کہ اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی ہی آیات کو
 جھٹلائے۔ ایسے لوگ اپنے فحشہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے ہیں گے، یہاں تک کہ وہ گھڑی اُجھائے گی جب تک
 بھیجے ہوئے فرشتے ان کی ٹوہیں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے اس وقت وہ ان سے پوچھیں گے کہ بتاؤ، اب تک ان میں

سے گنہ گاری ہیں تو پھر اس دیکارہ صفات قوم کو مزید کوئی مصلحت نہیں دی جاتی۔

۲۵ آیات قرآن مجید میں ہر جگہ اس موقع پر ارشاد فرمائی گئی ہے جہاں آدم و حوا علیہما السلام کے جنت سے اتارے
 جانے کا ذکر آیا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ، رکوع ۴۔ طہ، رکوع ۶)۔ لہذا یہاں بھی اس کو اسی موقع سے متعلق سمجھا جائے گا
 یعنی ذبح انسانی کی زندگی کا آغاز جب ہو رہا تھا اسی وقت یہ بات صاف طور پر سمجھادی گئی تھی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران
 حاشیہ ۶۹)

۲۶ یعنی دنیا میں جتنے دن ان کی مصلحت کے مقرر ہیں یہاں رہیں گے اور جس قسم کی نگاہیں بھی پائی زندگی گزارنا
 ان کے نصیب میں ہے گزار دیں گے۔

مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا
 عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ
 خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْيَمِينِ وَالْأُولَىٰ فِي النَّارِ كُنتُمْ
 مَخْلُوعَاتٍ أَمْ أَلَمَ أَنْتُمْ أَنَّ لَكُمْ آخِذًا بِهَا جَمِيعًا
 قَالَتْ أَخْلَ مُحَمَّدٌ وَلَهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَاتِمُّوْا عَذَابًا
 ضِعْفًا مِنَ النَّارِ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾

تمہارے وہ محبوب جن کو تم خدا کے بجائے پکارتے تھے، وہ کہیں گے کہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم واقعی منکر حق تھے۔ اللہ فرمائے گا جاؤ، تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں تم سے پہلے گندے ہوئے گروہ جن داس باچکے ہیں۔ ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے پیش رو گروہ پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا، حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بدو الگ گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا کہ اے رب ایہ لوگ تھے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا لہذا انہیں آگ کا دھرا عذاب دے۔ جواب میں ارشاد ہوگا، ہر ایک کے لیے دو برابر ہی عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں تھو۔

ترجمہ یعنی ہر حال تم میں سے ہر گروہ کسی کا خلف تھا تو کسی کا سلف بھی تھا اگر کسی گروہ کے اصناف نے اس کے لیے نکر و عمل کی گمراہیوں کا دھڑ چھوڑا تھا تو خود وہی اپنے اخلاف کے لیے دیباہی ورثہ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اگر ایک گروہ کے گمراہ ہونے کی کچھ ذمہ داری اس کے اصناف پر عائد ہوتی ہے تو اس کے اخلاف کی گمراہی کا اچھا خاصا بار خود اس پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا کہ ہر ایک کے لیے دو برابر عذاب ہے۔ ایک عذاب خود گمراہی اختیار کرنے کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔ ایک مزا اپنے جرائم کی اور دوسری مزا دوسروں کے لیے جرائم پیشگی کی میراث چھوڑ آنے کی۔

حدیث میں بھی مفسرین کی تفسیر میں بیان فرمائی گئی ہے کہ من ابتداء بدعة ضلالة لا یرضاهَا اللہ

دوسرے مسئلہ کاں علیہ من الاثم مثل اثمہ من حمل بها لا ينقص ذالك من اوزارہ وھر شئاً یعنی جس نے کسی نئی گمراہی کا آغاز کیا جو اثر دوسرے کے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، تو اس پر ان سب لوگوں کے گناہ کی ذمہ داری فائدہ جوئی جنہوں نے اس کے گناہ سے برائے طریقہ پر عمل کیا بغیر اس کے کہ خود ان میں کئے والوں کی ذمہ داری میں کوئی کمی ہو۔ دوسری حدیث میں ہے لا تقتل نفس ظلماً الا کا بن علی ابن ادمہ الاول کھل من دمھا لا نہ اول من سن القتل یعنی دنیا میں جو انسان بھی ظلم کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے اس کے خون ناحق کا ایک حصہ آدم کے اس پیٹے پیٹے کو پہنچتا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، کیونکہ قتل انسان کا راستہ سب سے پہلے اسی نے کھولا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص یا اگر وہ کسی غلط خیال یا غلط رویہ کی بنا ذات ہے وہ صرف اپنی ہی غلطی کا ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں جتنے انسان اس سے متاثر ہوئے ہیں ان کے گناہ کی ذمہ داری کا بھی ایک حصہ اس کے حساب میں لکھا جاتا ہے اور جب تک اس کی اس غلطی کے اثرات چلتے رہتے ہیں اس کے حساب میں ان کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی بھائی یا بہن کا نہ اپنی ذات کی حد تک ہی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس امر کا بھی جواب وہ ہے کہ اس کی بھئی یا بہن کے کیا اثرات دوسروں کی زندگیوں پر مرتب ہوئے۔

مثلاً کے طور پر ایک ذاتی کو کیسے جن لوگوں کی تعلیم و تربیت سے جن کی محبت کے اثر سے، جن کی بری مثالیں دیکھنے سے اور جن کی برائیات سے اس شخص کے اندر زنا کاری کی صفت نے عبور کیا وہ سب اس کے زنا کار بننے میں حصہ دار ہیں۔ اور خود ان لوگوں نے اور جہاں جہاں اس بد نظری و بدعت اور بدکاری کی میراث پائی ہے وہاں تک اس کی ذمہ داری پہنچتی ہے حتیٰ کہ سلسلہ اس اولین انسان پر منتہی ہوتا ہے جس نے سب سے پہلے فرما انسانی کو نہایت نفس کی تسکین کا یہ غلط راستہ دکھایا۔ یہ اس ذاتی کے حساب کا وہ حصہ ہے جو اس کے ہم عصروں اور اس کے مسافرتے تعلق رکھتا ہے۔ پھر وہ خود بھی اپنی زنا کاری کا ذمہ دار ہے۔ اس کو بچنے اور بڑے کی جو تیز دی گئی تھی، اس میں ضمیر کی جو طاقت رکھی گئی تھی، اس کے اندر مضبوطی کی جو قوت و دعوت کی گئی تھی، اس کو نیک لوگوں سے غیور و شکر کا جو علم پہنچا تھا، اس کے سامنے اختیار کی جو مثالیں موجود تھیں، اس کو معنی بخشنے کے بڑے نتائج سے جو واقفیت تھی، ان میں سے کسی چیز سے بھی اس نے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنے آپ کو نفس کی اوس اندھی خواہش کے حوالے کر دیا جو صرف اپنی تسکین کا جتنی خواہ وہ کسی طریقہ سے کرے۔ یہ اس کے حساب کا وہ حصہ ہے جو اس کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر یہ شخص اُس ہی کو جس کا اکتساب اس نے کیا اور جسے خود اپنی سعی سے وہ پرورش کرتا یا بددعا میں پھیلا کر ضرر کرتا ہے۔ کسی مرتضیٰ خبیث کی جھوٹ کہیں سے لگاتا ہے اور اسے اپنی نسل میں اور خدا جانے کن کن نسلوں میں پھیلا کر نہ معلوم کتنی زندگیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ کہیں اپنا غلط چھوڑا ہے اور جس بھوک پر دوش کا بار سے خود اٹھانا چاہیے تھا اسے کسی اور کی کمائی کا ناجائز حصہ دار، اس کے بچوں کے حقوق میں زبردستی کا شریک، اس کی میراث میں ناحق کا حقدار بنا دیتا ہے اور اس حق تلفی کا سلسلہ نہ معلوم کتنی نسلوں تک چلتا رہتا ہے۔ کسی دھنیزہ واک کی کوٹھیل کا بد اخلاقی کی راہ پر ڈھلتا ہے اور اس کے اندر وہ بری صفات ابھار دیتا ہے جو اس سے منکس ہو کر نہ معلوم کتنے خاندانوں کو کتنی نسلوں تک بھیجتے ہیں اور کتنے گھر بگاڑ دیتے ہیں۔ اپنی اولاد اپنے اقارب، اپنے دوستوں اور اپنی مومنائی کے دوسرے لوگوں کے سامنے اپنے اخلاق

کی ایک بڑی مثال پیش کرتا ہے۔ وہ یہ معلوم کئے آدھیوں کے حال چلن غلب کرنے کا سبب بن جاتا ہے جس کے اثرات بعد کی نسلوں میں قدمائے ہزار تک پہنچتے رہتے ہیں۔ یہ سارا فساد جو اس شخص نے سوسائٹی میں برپا کیا، انصاف چاہتا ہے کہ یہ بھی اس کے حساب میں لکھا جائے اور اس وقت تک لکھا جاتا رہے جب تک اس کی پیدہ کی ہوئی غلطیوں کا سلسلہ دنیا میں چلتا رہے۔

اسی پر لکھی کہ بھی قیاس کر لینا چاہیے۔ جو نیک ورثہ اپنے اسلاف سے ہم کر رہا ہے اس کا اجر ان سب لوگوں کو پہنچنا چاہیے جو ابتدائے آخر قریض سے ہمارے زمانہ تک اس کے منتقل کرنے میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر اس ورثہ کو لے کر بسے بیٹھا تلے اور ترقی دینے میں جو خدمت ہم انجام دیں گے اس کا اجر ہمیں بھی ملنا چاہیے۔ پھر اپنی سعی فیکر سے جو نقوش و اثرات ہم دنیا میں چھوڑ جائیں گے انھیں بھی ہماری بھلائیوں کے حساب میں اس وقت تک بلا درج ہوتے رہنا چاہیے جب تک یہ نقوش باقی ہیں اور ان کے اثرات کا سلسلہ نوبہ انسانی میں چلتا رہے اور ان کے فوائد سے خلیق خدا متنع ہوتی رہے۔

جزا کی یہ صورت جو قرآن پیش کر رہا ہے، ہر صاحب عقل انسان تسلیم کرے گا کہ صحیح اور مکمل انصاف اگر ہو سکتا ہے تو ایسی طرح ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کو اگر کبھی طرح بھولیا جائے تو اس سے اُن لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہو سکتی ہیں جنہوں نے جزا کے لیے ایسی دنیا کی موجودہ زندگی کو کافی سمجھ لیا ہے، اور ان لوگوں کی غلط فہمیاں بھی جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ انسان کو ان کے اعمال کی پوری جزا و سزا کی صورت میں مل سکتی ہے۔ دراصل ان دونوں گروہوں نے نہ تو انسانی اعمال اور ان کے اثرات و نتائج کی دستوری کو سمجھا ہے اور نہ منفعتانہ جزا اور اس کے تقاضوں کو۔ ایک انسان آج اپنی پچاس ساٹھ سال کی زندگی میں جو اچھے یا بُرے کام کرتا ہے ان کی ذمہ داری میں نہ معلوم ادھر کی کتنی نسلیں شریک ہیں جو گزردہ گئیں اور ان کے یہ ممکن نہیں کہ انھیں اس کی جزا یا سزا پہنچ سکے۔ پھر اس شخص کے لیے اچھے یا بُرے اعمال جو وہ آج کر رہا ہے اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے اثرات کا سلسلہ آئندہ صدیاں تک چلتا رہے گا، ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں تک پہنچے گا اور ان کے حساب کا کھاتا اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک یہ اثرات چل رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں۔ کس طرح ممکن ہے کہ آج ہم اس دنیا کی زندگی میں اس شخص کو اس کے کسب کی پوری جزا مل جائے اور اُن حائلے کہ بھی اس کے کچے اثرات کا کھانا حصہ بھی دے سکیں۔ پھر اس دنیا کی محدود زندگی اور اس کے محدود امکانات سرے سے اتنی گنجائش ہی نہیں رکھتے کہ یہاں کسی کو اس کے کسب کا پورا بدلہ مل سکے۔ آپ کسی ایسے شخص کے جو ہم کا تصور کیجیے جو مثلاً دنیا میں ایک جنگ جہادِ عظیم کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس کی اس حرکت کے بے شمار بے نتائج ہزاروں برس تک رہیں انسانوں تک پہنچتے ہیں۔ کیا کوئی بڑی سے بڑی جسمانی، اخلاقی، روحانی، یا مادی سزا بھی جو اس دنیا میں دی جانی ممکن ہے، اس کے اس جرم کی پوری منفعتانہ سزا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح کیا دنیا کا کوئی جہ سے بڑا انعام بھی جس کا تصور آپ کر سکتے ہیں، کسی ایسے شخص کے لیے کافی ہو سکتا ہے جو قہرِ افر نوبہ انسانی کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہا ہو اور ہزاروں سال تک بے شمار انسان جس کی سعی کثرت سے فائدہ اٹھاتے چلے جا رہے ہوں۔ عمل اور جزا کے مسئلے کو اس پہلو سے جو شخص دیکھے گا اسے متین ہو جائے گا کہ جزا کے لیے ایک دوسرا ہی ناکارہ کار ہے جہاں تمام اچھی اور بھی نسلیں جمع ہوں، تمام انسانوں کے کھاتے بند ہو چکے ہوں حساب کرنے کے لیے ایک

وَقَالَتْ أُولَهُمْ لَافِظُهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهَا مِنْ
فَضِيلٍ فَنُذِقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۷﴾

اور پہلا گروہ دوسرے گروہ سے کہے گا کہ (اگر ہم قبایل الامام تھے) تو تمہی کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل تھی
اب اپنی کمائی کے نتیجے میں عذاب کا مزا چکھو۔ ۷

علم و غیر خدا انصاف کی گڑھی پر مشتمل ہو، اور اعمال کا پورا بدلہ پانے کے لیے انسان کے پاس غیر محدود زندگی اور اس کے گروہ
چیزیں ہر دو سو کے غیر محدود امکانات موجود ہیں۔

پھر کسی پتھر پر حور کرنے سے اہل تاسوع کی ایک اور بنیادی غلطی کا انزال بھی ہو سکتا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسانوں نے
آدھ گون کا پکر تجویز کیا ہے۔ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھے کہ صرف ایک ہی مختصر سی پچاس سالہ زندگی کے کارنامے کا پھل پانے
کے لیے محسوس سے ہزاروں گنتی زیادہ طویل زندگی رکھا ہے، کیا کہ اس پچاس سالہ زندگی کے ختم ہوتے ہی ہماری ایک دوسری
اور پھر تیسری و سوا چارہ زندگی دہائیوں میں شروع ہو جائے اور ان زندگیوں میں بھی ہم مزید ایسے کام کرتے چلے جائیں جن کا چھ
یا آٹھ پھل ہمیں ملنا ضروری ہو۔ اس طرح تو حساب سے باقی ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھتا ہی چلا جائے گا اور اس کے
بے باقی ہونے کی ذمت کبھی آپ ہی نہ سکے گی۔

۱۳۔ اہل دوزخ کی اس باہمی ٹکراؤ کو قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً سورہ سہار کو ح ۳۴ میں ارشاد ہوتا
ہے کہ کاش تم وہ کھڑک سناؤ متوقع کو جب یہ عالم پہنچے کہ جسے حضور رکھتے ہو گئے اولیاء کو دوسرے پر باتیں بنانا ہے ہوں گے۔
جو لوگ دنیا میں کمزور ہونا کہ گئے تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بن گئے تھے، کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم میں سے جو
وہ بڑے بننے والے ان کو رہنا نہ ہوتے لوگوں کو جواب دیں گے کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روک دیا تھا جب کہ وہ تھکے
پاس کافی تھے، نہیں، بلکہ تم خود مجرم تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم خود کب ہدایت کے طالب تھے؟ اگر ہم نے تمہیں دنیا کے لالچ
دے کر اپنا بندہ بنایا تو تم لالچی تھے جب ہی تو چاہتے دام میں گرفتار ہوئے۔ اگر ہم نے تمہیں غریباً تو تم خود بگنے کے لیے تیار تھے
جب ہی تو ہم غریب کے۔ اگر ہم نے تمہیں مادہ پرستی اور دنیا پرستی اور قوم پرستی اور ایسی ہی دوسری گڑھیوں اور بد اعمالیوں میں جکڑا
کیا تو تم خود خدا سے بے زار اور دنیا کے ہستار تھے جب ہی تو تم نے خدا پرستی کی طرف ہٹنے والوں کو کھجور ڈکھاری پکار پڑ لیک
کہا۔ اگر ہم نے تمہیں مذہبی قسم کے فریب دیے تو ان پیروں کی مانگ و تمہارے ہی اندر موجود حتیٰ فیض میں ہم پیش کرتے تھے اور تم
ہلک پلک کر لیتے تھے۔ تم خدا کے بجائے ایسے حاجت دوا مانگتے تھے جو تم سے کسی اخلاق کا فائدہ کی پابندی کا مطالعہ نہ
کریں اور بس تمہارے کام بناتے ہیں۔ ہم نے وہ حاجت دعا تمہیں گھر کرنے دیے۔ تم کہہ کر ایسے سفارشوں کی تلاش تھی کہ
تم خدا سے بے پردہ ہو کر دنیا کے تختے پہنے ہو ہو جو جھوٹانے کا ذمہ وہ لے لیں ہم نے وہ سفارشی تہنیت کر کے تمہیں فراہم

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفْعَلُ لَهُمْ
 أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاحَظَ الْجَحْمَلُ فِي
 سِمَةِ الْخِيَاطِ وَكَذَلِكَ نُجْزِي الْجَبْرِيَِّينَ ۝۳۰ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ
 مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نُجْزِي الظَّالِمِينَ ۝۳۱
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
 أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۳۲ وَنَزَعْنَا
 مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ فَجَازَى مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

یقین جانو! جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ اُن کا جنت میں جانا ناممکن ہے جتنا سونے کے کانکے سے اونٹ کا گز رنا مجرموں کو ہمارے اُس ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے۔ ان کے لیے تو جہنم کا بھجونا ہو گا اور جہنم ہی کا اور صفا۔ یہ ہے وہ جزا جو ہم ظالموں کو دیا کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اپنے کام کیے ہیں — اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتے ہیں — وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کچھ کدورت ہو گی اُسے ہم کھال دیتے گے۔ اُن کے نیچے نہوس ہتی ہوں گی،

کر دیے، تم چاہتے تھے کہ شکستہ، سہ مزہ دینداری اور پرہیزگاری اور قربانی اور سعی و عمل کے بجائے نجات کا کوئی اور راستہ بتایا جائے جس میں نفس کے لیے لذتیں ہی لذتیں، اور خواہشات پر پابندی کوئی نہ ہو۔ ہم نے ایسے خوشگام مذہب نہایت ایسا ایجاد کر دیے جو حق یہ کہ ذمہ داری تمہارے ہی اوپر نہیں ہے۔ تم بھی برابر کے ذمہ دار ہو۔ ہم اگر گمراہی فروغ کرنے والے تھے تو تم اس کے طریقہ راستے۔

۳۰ یعنی دنیا کی زندگی میں ان ایک لوگوں کے درمیان اگر کچھ دشمنیں، بدعزبیاں اور سببوں کی غلط فہمیاں ہیں

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ
لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولٌ دِينًا بِالْحَقِّ وَنُودُوا
أَنْ يَتْلُوهُمُ الْبَحْثَةُ أَوْرَثَتْهُمَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۱﴾

اور وہ کہیں گے کہ تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر
خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا، ہمارے دیکے پیچھے ہوئے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے۔ اس وقت خدا
آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے
رہے تھے۔

ہوں تو آخرت میں وہ سب دوسرے کی جہنم میں جائیں گی۔ ان کے دل ایک دوسرے سے صاف ہو جائیں گے۔ وہ غصہ و دوسروں
کی حیثیت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے کسی کو یہ دیکھ کر حلیف نہ ہو گی کہ غصہ جو میرا مخالف تھا اور غلاں جو
مجھ سے لڑا تھا اور غصہ جس نے مجھے تنقید کی تھی ہاں آج وہ بھی اس صیافت میں میرے ساتھ شریک ہے۔ اسی آیت کو پڑھ کر
حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے ایسے دیکھ کر اللہ میرے اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کے درمیان بھی صفائی لگا دے گا۔

اس آیت کو اگر ہم زیادہ وسیع نظر سے دیکھیں تو یہ قیہ نکال سکتے ہیں کہ صالح انسانوں کے دامن پر اس دنیا کی زندگی میں
جو داغ لگ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان داخل بیت، انہیں جنت میں نہ لے جائے گا بلکہ وہاں داخل کرنے سے پہلے اپنے فضل سے
انہیں بالکل پاک صاف کرنے کا ارادہ ہے داغ زندگی لیے ہوئے وہاں جائیں گے۔

۳۱۔ ایک نہایت لطیف معاملہ ہے جو وہاں پہنچے گا۔ اہل جنت اس بات پر نہ پھولیں گے کہ ہم نے کام ہی ایسے
کیے تھے جن پر ہمیں جنت ملنی چاہیے تھی بلکہ وہ خدا کی حمد و ثناء اور شکر و احسان مندی میں رطب و لسان ہوں گے اور کہیں گے کہ یہ
سب ہمارے رب کا فضل ہے ورنہ ہم کس لائق تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان پر اپنا احسان و جنتانے کا بلکہ جواب میں ارشاد
فرمائے گا کہ تم یہ یہ درجہ اپنی فضالت کے صلہ میں پایا ہے، یہ تمہاری اپنی محنت کی کمائی ہے جو تمہیں دی جا رہی ہے، یہ ہر ایک
کے چھوٹے نہیں ہیں بلکہ تمہاری سعی کا اجر ہے، تھکے کام کی مزدوری ہے، اور وہ باعزت و روزی ہے جو ان کا استحقاق تم نے
اپنی قربت و بندہ سے اپنے لیے حاصل کیا ہے پھر یہ معنوں میں ان کا زور سے اللہ بھی زیادہ لطیف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جواب کا
وہ اس تصریح کے ساتھ نہیں فرماتا کہ ہم یوں کہیں گے بلکہ تناسلی شای کہی کے ساتھ فرماتا ہے کہ جواب میں یہ نفا آئے گی۔

و حقیقت بھی معاملہ دنیا میں بھی خدا اور اس کے نیک بندوں کے درمیان ہے۔ ظالموں کو جو نعمت و ثنائیں ملتی ہیں وہ
اس پر فخر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ ہماری قابلیت اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہے، اور اسی بنا پر وہ نعمت کے حصول پر اور زیادہ

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا
وَعَدَ نَارُنَا لَكُمْ حَقًّا فَمَلَّ وَجَدْتُمْ نَارًا وَوَدَّ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا
نَعَمْ فَأَذِنَ مَوْذُونٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾
الَّذِينَ يَصْنَعُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ
بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَبَيْنَهُمَا حِمَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ
يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمِهِمْ وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا

وَنَادَىٰ

پھر یہ جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے، ہم نے ان سے وعدوں کو ٹھیک پایا جو ہم سے کیے تھے، کیا تم نے بھی ان وعدوں کو ٹھیک پایا جو تم سے کیے تھے، وہ جواب دیں گے ہاں تب ایک پکالنے والا ان کے درمیان پکالے گا کہ خدا کی لعنت ان ظالموں پر جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔

ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اونٹ مائل ہو گئی جس کی بلند یوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے یہ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہیں۔ یہ ہر ایک کو اس کے قیام سے

حکیم و مفید بتاتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس صاحبین کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اسے خدا کا فضل سمجھتے ہیں، شکر بہا لیتے ہیں، جتنے فائدے پہنچتے ہیں اتنے ہی زیادہ متواضع اور خجیم و شفیق اور فیاض ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر آخرت کے بارے میں کسی وہ اپنے عزیزوں پر غور نہیں کرتے کہ کم تر دنیا جتنے ہی جائیں گے بھلائی کی کتابیں پرستغفار کرتے ہیں، اپنے من کے بہانے خدا کے نام و فضل سے لڑ لگا دیتے ہیں اور ہمیشہ ڈرتے ہی رہتے ہیں کہ کہیں ہم سے حساب میں لینے کے بہانے کچھ دنیاوی نہ مل جائے۔ بخاری و مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور نے فرمایا اعلیٰ ان احدکم یمن یدخلہ عدلہ الجنة۔ خوب جان لو کہ تم میں سے اپنے عمل کے بل پر کسی جنت میں نہ پہنچ جاؤ گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی فرمایا ہاں محمدی، الا ان ینفعلنا اللہ برحمۃ منہ وفضل، تو یہ کہنا شروع اپنی رحمت اور اپنے فضل سے ڈھانکے۔

عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ
 أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ
 الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجُلًا
 يَعْرِفُوهُمْ سَبِّحْهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا
 كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
 اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ
 تُعْزَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا
 عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِمَّا

پہچانیں گے جنت والوں سے بچا کر کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر۔ اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی
 طرف پھریں گی تو کہیں گے اے رب! ہمیں ان ظالم لوگوں میں نہ شامل کیجیو یہ پھر یہ اعراف کے لوگ
 دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر بھاریں گے کہ دیکھ لیا تم نے آج نہ تھا
 جتنے تھامے کسی کام آئے اور نہ وہ ماز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ
 نہیں ہیں جن کے متعلق تم تمہیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا اور آج
 انہی سے کہا گیا کہ داخل ہو جنت میں، تمہارے لیے نہ خوف ہے نہ سوچ؟

اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو بھاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دیا جو رزق اللہ نے
 تمہیں دیا ہے اسی میں نے کچھ بچہ بیک دو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دوزخ چیزیں ان منکرین حق پھر

۳۶ یعنی یہ اصحاب الاعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی زندگی کا رُو مثبت پہلی اتنا ہی ہوگا کہ جنت میں داخل ہو سکیں
 اور منفی پہلی اتنا غلبہ ہوگا کہ دوزخ میں پھنس جائیں۔ اس لیے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک سرحد پر پہنچے۔

عَلَى الْكَافِرِينَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمْ
 الْحَيَوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسَوُا الْإِقَاءَ يَوْمَهُمْ هَٰذَا
 وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۸۱﴾ وَلَقَدْ جِئْتُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ
 عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۲﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ

کردی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے قریب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر مفصل بنایا ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ وہ

۳۵ اہل جنت اور اہل دوزخ اور اصحاب الاعراف کی اس گفتگو سے کسی حد تک اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عالم کثرت میں انسان کی قوتوں کا پیمانہ کس قدر وسیع ہو جائے گا۔ وہاں آنکھوں کی بینائی اتنے بڑے پیمانہ پر ہوگی کہ جنت اور دوزخ اور اعوان کے رنگ جب چاہیں گے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ وہاں آواز اور مصامت بھی اتنے بڑے پیمانہ پر ہوگی کہ ان مختلف دنیاؤں کے لوگ ایک دوسرے سے بآسانی گفت و شنید کر سکیں گے۔ یہاں دوسرے بیانات جو عالم آخرت کے متعلق ہمیں قرآن میں ملتے ہیں اس بات کا تصور دلانے کے لیے کافی ہیں کہ وہاں زندگی کے قوانین ہماری موجودہ دنیا کے قوانین طبیعی سے بالکل مختلف ہوں گے اگرچہ ہماری شخصیتیں یہی رہیں گی جو یہاں ہیں جن لوگوں کے دماغ اس عالم طبیعی کے حدود میں اس قدر مقید ہیں کہ موجودہ زندگی اور اس کے حقہ پیمائشوں سے وسیع تر کسی چیز کا تصور ان میں نہیں ہاں سکتا وہ قرآن اور حدیث کے ان بیانات کو بڑے اچھے سے دیکھتے ہیں اور بات اوقات ان کا مذاق اڑا کر اپنی خفیت عقلی کا مزید ثبوت بھی دینے لگتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پچھلوں کا دماغ مرنے تک ہے زندگی کے امکانات اتنے تنگ نہیں ہیں۔

۳۶ یس میں ہمیں پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور انسان کے لیے دنیا کی زندگی میں کتنا مدد و دست ہے اور صحیح طرز زندگی کے بنیادی اصول کیا ہیں پھر تفصیلات بھی قیاس یا گمان یا دہم کی بنا پر تیس جگہ خاص علم کی بنیاد ہیں۔

۳۷ مطلب یہ ہے کہ اول قرآن کے مضامین اور اس کی تعلیمات ہی سچائے خود اس قدر صاف ہیں کہ کوئی اگر

اَلَا تَاْوِيْلُهُ يَوْمَ يَأْتِي تَاْوِيْلُهُ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ
 قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفْعَاءٍ
 فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ
 قَدْ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶

انجام سامنے آجائے جس کی یہ کتاب خبر ہے رہی تھی جس روز وہ انجام سامنے آگیا تو وہی لوگ جنہوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، پھر کیا اب ہمیں کچھ سنا سکا نہیں گئے جو ہمارے حق میں سفارش کویں؟ یا ہمیں دوبارہ واپس ہی بھیج دیا جائے تاکہ جو کچھ ہم پہلے کرتے تھے اس کے بجائے اب دوسرے طریقے پر کام کر کے دکھائیں۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور وہ سالے جھوٹ جو انہوں نے تصنیف کر رکھے تھے آج ان سے گم ہو گئے۔

ان پر غور کر کے تو اس کے سامنے رہو حق واضح ہو سکتی ہے پھر اس پر غور یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو سنتے ہیں ان کی زندگی میں عطا بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ انسان کی کیسی بھیج رہنمائی کرتی ہے اور کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس کا اثر قبول کرتے ہی انسان کی ذہنیت اس کے اخلاق اور اس کی سیرت میں بہترین انقلاب ضرور عروج پاتا ہے۔ یہ اشارہ ہے ان جوت انگیز اخراجات کی طرف جو اس کتاب پر ایمان لانے سے صحابہ کرام کی زندگیوں میں ظاہر ہو رہے تھے۔

۳۷ دوسرے الفاظ میں اس معنوں کو بول بھیجے کہ جس شخص کو صحیح اور غلط کا فرق نہایت معقول طریقہ سے صاف صاف بتایا جاتا ہے مگر وہ نہیں مانتا، پھر اس کے سامنے کچھ لوگ بھیج واسنہ پر چل کر مشاہدہ بھی کرادیتے ہیں کہ غلط روی کے زبانی یہ وہ جیسے کچھ تھے اس کی ذہنیت راست روی اختیار کر کے ان کی زندگی کتنی بہتر ہو گئی ہے، اگر اس سے بھی مدد کوئی پہنچ نہیں لیتا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ صرف اپنی غلط روی کی سزا پا کر ہی مانے گا کہ ہاں یہ غلط روی تھی جو شخص دیکھ کے معلق نہ مشوروں کو قبول کرتا ہے اور نہ اپنے جیسے بکثرت ہمایوں کو حکیم کی ہدایات پر عمل کرنے کی وجہ سے شکیاں بولتے دیکھ کر ہی کوئی سہی تاتا ہے، وہ اب بہتر مرگ پر ایٹ جالنے کے بعد ہی تسلیم کرے گا کہ میں طریقوں پر وہ زندگی بسر کر رہا تھا وہ اس کے لیے واقعی مسلک تھے۔

۳۸ یعنی وہ دوبارہ اس دنیا میں واپس آنے کی خواہش کریں گے اور کہیں گے کہ جس حقیقت کی ہمیں خبر دی گئی تھی اور اس وقت ہم نے نہ مانتا تھا، اب مشاہدہ کر لینے کے بعد ہم اس سے واقف ہو گئے ہیں، لہذا اگر ہمیں دنیا میں پھر بھیج دیا جاتا

لَٰنْ رَّكِبُكُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الْیَلَّ النَّهَارَ یَطْلُبُہٗ حَشِیۡثُکَ

درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنے تخت
سلطنت پر ٹھکن پڑا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور صبح دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے
تمہارا طرز عمل و زندگی پر نگاہ پڑھ لیا تھا۔

۴۷۔ یہاں دن کا لفظ عدد (Period) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورہ حج ذکر ۶ میں فرمایا وَفِی
یَوْمَئِذَا عِنْدَ ذٰلِكَ اَنۡفُثَ سَنۡتٌ مِّنۡ مَّائِۃٍ سَنَۃً وَّتَمَازُجًا ۚ وَذٰلِکَ الَّذِیۡنَ یُحۡسِبُ اَنَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ
اُس حساب سے برقم لوگ لگاتے ہیں، اور سورہ سجاد کی ابتدائی آیات میں فرمایا کہ قَسُوۡمُ الْکَیۡلِکُمۡ وَ الْاَوۡثَمُ الْاِیۡتُوۡفِ
یَوۡجُہُ کَانَ وَّشَکَّ اَسۡرَافُ مَحۡسُوۡبِیۡنَ اَلَفَتۡ سَنَۃً (فرشتے اور جبریل اس کی طرف ایک دن میں پڑھتے ہیں جس کی مقدار
۵۰ ہزار سال کی ہے)۔

۴۸۔ خدا کے استوار علی العرش (تخت سلطنت پر ٹھکن ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو کھٹ ہمارے لیے شکل ہے۔
بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لامحدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تعلیمات کر
وہاں مرکز قرار دیا ہو اور اسی کا نام عرش ہو جہاں سے سارے عالم پر درود و برکت کا نفاذ ہو رہا ہے اور تدبیر امر کی فرمائی
جا رہی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرش سے مراد اقتدار فرماں دہانی ہو اور اس پر ٹھکن ہو جانے سے مراد یہ ہو کہ اللہ نے کائنات
کو پیدا کر کے اس کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ ہر حال استوار علی العرش کا تفصیلی منہم خواہ کچھ ہی ہو، قرآن میں اس کے
ذکر کا اصل مقصد یہ نہیں نہیں کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض خالق کائنات ہی نہیں ہے بلکہ مدبّر کائنات بھی ہے۔ وہ دنیا کو وجود
میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا ہے بلکہ خدا ہی سارے جہان کے جزو کل پر فرماں دہانی کرتا ہے سلطانی
و حکمرانی کے تمام امتیازات، باطن اس کے ماتحت ہیں، ہر چیز اس کے امر کی تابع ہے، فقہ و فہم اس کے فرمان کا نتیجہ ہے اور
موجودات کی تشبیس و انما اس کے حکم سے وابستہ ہیں۔ اس طرح قرآن اُس غیبی و غیبی کی جو کائنات چاہتا ہے جس کی وجہ سے
انسان کسی شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوا ہے اور کبھی خود مختاری و خود سری کی منکلات ہیں۔ خدا کو کائنات کے انتظام سے محروم
بے تعلق سمجھ لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنی قسمت کو دوسروں سے وابستہ سمجھے اور ان کے آگے سر جھکا دے، یا پھر
اپنی قسمت کا مالک خود اپنے آپ کو سمجھے اور خود مختار بن بیٹھے۔

یہاں ایک بات اور قابلِ توجہ ہے۔ قرآن مجید میں خدا اور خلق کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے انسانی زبان میں سے
زیر و درود انسان، مصلحتات، استعاضے اور اغلاظ بیان انتخاب کیے گئے ہیں جو سلطنت و بادشاہی کے تعلق رکھتے ہیں۔

وَقُفِّیۡہٗ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیۡنَ ۚ وَلَا تَفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ
بَعْدَ اَصْلَاحِہَا وَاَدْعُوْہُ خَوْفًا وَطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ

اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت

۲۳ زمین میں فساد برپا نہ کرو، یعنی زمین کے انتظام کو خراب نہ کرو۔ انسان کا خدا کی بندگی سے عمل کو اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے افلاق، معاشرت اور متمدن کو اپنے اصولی و قوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہوں، یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے انتظام میں غرابی کی بجائے شامزد میں روزگار پائی اس بار اسی فساد کو دیکھنا قرآن کا مقصد ہے پھر اس کے ساتھ قرآن اس حقیقت پر بھی تنبیہ کرتا ہے کہ زمین کے انتظام میں حل چیز فساد میں ہے جس پر صلاح عارض ہوتی ہو، بلکہ اصل چیز مصلح ہے جس پر فساد مصلح انسان کی حالت اور مریضی سے عارض ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں انسان کی زندگی کی ابتدا بحالت دوشت اور شرک و بیانات اور اخلاقی بدگئی سے نہیں ہوئی ہے جس کو دودھ کرنے کے لیے بد میں تہذیب اصلاحات کی گئی ہوں، بلکہ حقیقت انسانی زندگی کا آغاز مصلح سے ہوا ہے اور بعد میں اس درست نظام کو فساد کا انسان اپنی حماقتوں اور شرارتوں سے خراب کرتے رہے ہیں۔ اسی فساد کو مٹانے اور نظام حیات کو از سر نو درست کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے اور انھوں نے ہر زمانے میں انسان کو یہی دعوت دی ہے کہ زمین کا انتظام جس مصلح پر قائم کیا گیا تھا اس میں فساد برپا کرنے سے باز آؤ۔

اس معاملہ میں قرآن کا نقطہ نظر ان لوگوں کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے جنہوں نے ارتقا کا ایک غلط تصور لے کر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ انسان فطرت سے مل کر تہذیب و روشنی میں نکلا ہے اور اس کی زندگی بگاڑنے سے شروع ہو کر تہذیب و روشنی اور تہذیبی جا رہی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ خدا نے انسان کو پوری روشنی میں زمین پر بے با اختیار کیا تھا اور ایک صالح نظام سے اس کی زندگی کی ابتدا کی تھی۔ پھر انسان خود شیطان کی رہنمائی قبول کر کے بار بار تاریکی میں جاتا رہا اور اس صالح نظام کو بگاڑتا رہا اور خدا بار بار اپنے پیغمبروں کو اس غرض کے لیے بھیجتا رہا کہ اسے تاریکی سے روشنی کی طرف آئے اور فساد سے باز رہنے کی دعوت دیں۔ (سورۃ بقرہ، حاشیہ ص ۲۳)

۲۵ اس فقرے سے واضح ہو گیا کہ اوپر کے فقرے میں جس چیز کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے وہ مدخل ہی ہے کہ انسان خدا کے بجائے کسی اور کو اپنا ولی و سرپرست اور کارساز اور کارفرما قرار دے کر مد کے لیے پکارے۔ اور اصلاح اس کے سوا کسی دوسری چیز کا نام نہیں ہے کہ انسان کی اس پکار کا مرجع پھر سے محض اللہ کی ذات ہی ہو جائے۔

خوف اور طمع کے ساتھ پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں خوف بھی ہو تو اللہ سے ہوا اور تمہاری امیدیں بھی اگر

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا
 بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقْلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ
 لِبَنِيكَ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَاهُ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ
 الثَّمَرَاتِ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ
 الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ
 إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ تُصَيِّرُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾

نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے، پھر جب وہ پانی سے لندے ہوئے بادل اُٹھاتی ہیں تو انھیں کسی مُردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر اُسی مری ہوئی زمین سے، طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔ دیکھو اس طرح ہم مُردوں کو حالت موت سے نکالتے ہیں، شاید کہ تم اس شاہدے سے سبق لو۔ جو زمین بھیجی جاتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس طرح ہم نشانوں کو بار بار پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو شکر گزار ہونے والے ہیں ۛ

کسی سے وابستہ ہوں تو صرف اللہ سے ہوں، اللہ کو بھارو تو اس احساس کے ساتھ بجا دو تجھاری قیمت باطلگی اس کی نظر حلیت پر منحصر ہے، فلاح و سعادت کو پہنچ سکے ہو تو صرف اس کی مدد اور رہنمائی سے، ورنہ جہاں تم اس کی اعانت سے محروم ہوئے پھر تمھارے لیے تباہی و تاراجی کے بھاکوئی دوسرا انجام نہیں ہے۔

۴۶۔ یہاں ایک لطیف مضمون افشاں ہوا ہے جس پر متنبہ ہو جانا اہل دعا کو بگنے کے لیے ضروری ہے۔ بارش اور اس کی برکتوں کے ذکر سے اس مقام پر خدا کی قدرت کا یہاں یا حیات بعد المات کا اثبات مقصود نہیں ہے بلکہ دراصل یہاں تمثیل کے پیرایہ میں رسالت اور اس کی برکتوں کا اور اس کے ذریعے خوب و زشت میں فرق «و فیہا و فیہا»

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ

ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا: اے ہاداران قوم! اللہ کی بندگی کرو،

میں اجتہاد نمایاں ہو جانے کا نقشہ پیش کرنا مقصود ہے۔ رسول کی آمد اور خدا کی تعظیم و ہدایت کے نزول کو بارانی ہواؤں کے چلنے اور بارودھت کے چھانے اور صحت بھری ہوندوں کے دھسنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر بادش کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کے ہر ایک جی اٹھنے اور اس کے سبیل سے زندگی کے حراسے غائب ہونے کو اُس حالت کے لیے بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو نبی کی تعظیم و تربیت اور پہنچائی سے مردہ پڑی ہوئی انسانیت کے ہر ایک ہاگ اٹھنے اور اس کے سینہ سے بجلائیوں کے غریبوں کو اُٹھانے کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ جس طرح بادش کے نزول سے یہ ساری برکتیں صرف اسی زمین کو حاصل ہوئی ہیں جو حقیقت میں لرزیز ہوئی ہے اور بعض پانی دھننے کی وجہ سے جس کی صلاحیتیں دینی ہوتی ہیں، اسی طرح رسالت کی ان برکتوں سے بھی صرف وہی انسان فائدہ اٹھاتے ہیں جو حقیقت میں صالح ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیتوں کو بعض پہنچائی نہ جانے کی وجہ سے نمایاں ہونے اور بصر کار آنے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ ضرورت پسند اور نہایت انسان و جس طرح خدا کی زمین بار بار رحمت کے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ پانی پڑتی ہی اپنے تربیت کے پیچھے ہٹے نہر کو کانٹوں اور جھاڑیوں کی صورت میں اُگل دیتی ہے، اسی طرح رسالت کے غم سے انھیں بھی کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ اس کے برعکس ان کے اندر دینی ہوئی تمام خواہشیں ابھر کر رہی طرح بھر کر رہا جاتی ہیں۔

اسی تخیل کو بعد کے کئی دعووں میں مسلسل تاریخی شاہد پیش کر کے واضح کیا گیا ہے کہ ہر زمانے میں نبی کی ممت کے بغیر انیت ووصح میں تعظیم ہوتی رہی ہے۔ ایک قیام حتم جنہیں رسالت سے پہلے اللہ پہلا اور بعد اللہ ہو کر آ گیا۔ اور اس نہایت صحیح نے کسوٹی کے سامنے آتے ہی اپنی ساری کھوٹ نمایاں کر کے دکھ دی تھی اور اس کو شک اسی طرح چھانٹ کر چھینک دیا گیا جس طرح منہا چاندی سونے کے کھوٹ کو چھانٹ پھینکتا ہے۔

۱۱۱ اس تاریخی بیان کی ابتدا حضرت نوح انسان کی قوم سے کی گئی ہے، کیونکہ قرآن کی رو سے جس صالح نظام زندگی پہ حضرت آدم اپنی اولاد کو چھوڑ گئے تھے اس میں جبکہ پہلا باج حضرت نوح کے قدریں دو نما ہوا اور اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور فرمایا۔

قرآن کے اشادات اور بائبل کی تصریحات سے یہ بات متفق ہو جاتی ہے کہ حضرت نوح کی قوم اُس سرزمین میں رہتی تھی جس کو کتبہ عراق کے نام سے جانتے ہیں۔ بائبل کے آثار و قدیر میں بائبل سے قدیم تہذیب و کثبات سے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں تقریباً اسی قسم کا ایک قصہ مذکور ہے جس کا ذکر قرآن اور تواریخ میں بیان ہوا ہے اور اس کی جانے دو قوم مومل کے ذریعہ میر بتائی گئی ہے۔ پھر جو روایات کُردستان اور آرمینیا میں قدیم ترین زمانے سے نقل و تبدیل ہوئی ہیں ان میں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پہ ٹھہری تھی۔ مومل کے شمال میں جبرہ نامی ایک محلہ کے

مَا لَكُمْ مِّنَ إِلَٰهٍ غَيْرِي أَنَا خَافْتُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۶۱﴾
 قَالَ الْمَلَائِكَةُ قَوْمَهُ إِنَّا كُنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ

اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب کا ڈر تھا ہوں۔
 اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا "ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم مرتد گمراہی میں مبتلا ہوئے۔" فرعون نے
 اُس پاس اور آدمیوں کی سرحد پر کہہ ادا ماحکے فرعون میں فرعون علیہ السلام کے مختلف آثار کی نشان دہی اب بھی کی جاتی ہے۔ مؤرخ
 پانچویں صدی کے باشندوں میں سے ایک شہر ہے کہ اس شہر کی بنا حضرت فرعون نے ڈالی تھی۔

حضرت فرعون کے پاس تھے سے مٹی کی عبادت پر تان، مصر، سندھ، انڈیا، چین کے قدیم شہر پر بھی مٹی میں اسی طرح
 ملے ہوئے ہیں، اسی طرح مشرق وسطیٰ، مغربی اور وسطیہ دور پر کے مختلف حضروں میں بھی ایسی ہی عبادت قدیم زمانہ سے چلی
 آ رہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قدر اُس حمد سے تعلق رکھتا ہے جبکہ پوری نسل آدم کی ایک ہی مخلوق زمین پر پہنچی تھی
 اور پھر وہاں سے بکھل کر دنیا کے مختلف حضروں میں پھیلی۔ اسی وجہ سے تمام قومیں اپنی ابتدائی تاریخ میں ایک ہی گروہان کی نشان
 دہی کرتی ہیں، اگرچہ مرد ابیام سے اس کی حقیقی تفصیلات انھوں نے فراموش کر دیں اور اصل واقعہ ہر ایک اپنے اپنے خیال میں
 مطابق افسانوں کا ایک بھاری خول چڑھا دیا۔

۶۱۔ یہاں اور دوسرے مقامات پر حضرت فرعون اور ان کی قوم کا جو حال قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس سے یہ
 بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یہ قوم نہ تو اللہ تعالیٰ کے وجود کی منکر تھی نہ اس سے تادقت تھی، نہ اُسے اللہ کی عبادت سے بھد
 تھا، بلکہ اس گمراہی میں وہ مبتلا ہو گئی تھی، شرک کی گمراہی تھی، یعنی اس نے اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو خدائی میں شریک
 اور عبادت کے استحقاق میں حصہ دار قرار دے لیا تھا۔ پھر اس بنیادی گمراہی سے بے شمار غریباں اس قوم میں رونما ہو گئیں۔
 جو خود ساختہ سمجھ و فدا فی میں شریک نہیں رہے گئے تھے ان کی نماندگی کرنے کے لیے قوم میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا جو
 تمام مذہبی، سیاسی اور معاشی اقتدار کا مالک بن گیا اور اس نے مسافروں میں انج اور بیچ کی تقسیم پیدا کر دی، اجتماعی زندگی
 کو ظلم و فساد سے بھر دیا اور اخلاقی فساد و فجور سے انسانیت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ حضرت فرعون علیہ السلام نے اس حالت
 کو بدھنے کے لیے ایک زمانہ کو ایک انتہائی مہربانیت کے ساتھ کوشش کی مگر عاقبت اس میں کون لوگوں نے اپنے منکر
 کے حال میں ایسا پھاس نہ رکھا تھا کہ اصلاح کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار حضرت فرعون نے خدا سے دعا کی کہ ان
 کافروں میں سے ایک کو بھی زمین پر نہ نہ چھوڑا، کیوں کہ اگر تو نے ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ
 کریں گے۔ اللہ کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور نیک حرام ہی پیدا ہوگا۔ (تفسیر کے لیے ملاحظہ فرمادے) سورہ ہود رکع ۳۔
 سورہ شعراء رکع ۶۔ اور سورہ نوح رکع ۱۔

لِقَوْمٍ لَيْسَ فِي ضَلَالَةٍ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤١﴾
 أَلْبِغْكُمْ رِسَالَتِي رَبِّي وَأَنْصُمْ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾
 أَوْ عَجَبْتَ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ
 وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ
 مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

کہا اے برادران قوم! میں کسی گمراہی میں نہیں پڑا ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں انھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار کرے اور تم غلط روی سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے، مگر انھوں نے اس کو جھٹلادیا۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈوب دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

۴۹ یہ مسئلہ جو حضرت نوح ادا ان کی قوم کے درمیان پیش آیا تھا بعینہ ایسا ہی معاملہ مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان پیش آیا تھا جو پیغام حضرت نوح کا تھا وہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو شہادت الہی کے سرور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ظاہر کرتے تھے وہی شہادت ہزاروں سال پہلے سرداران قوم نوح نے حضرت نوح کی رسالت میں ظاہر کیے تھے۔ پھر ان کے جواب میں جو باتیں حضرت نوح کہتے تھے بعینہ وہی باتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے تھے۔ اگلے پہلے کر دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے جو قصے مسلسل بیان ہو رہے ہیں ان میں بھی یہ دکھایا گیا ہے کہ ہر شئی کی قوم کا وہی اہل مکہ کے وہی سے اور ہر شئی کی تقریر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے بروہو مشابہ ہے۔ اس سے قرآن اپنے مخاطبوں کو یہ سمجھاتا چاہتا ہے کہ انسان کی گمراہی ہر زمانے میں بنیادی طور پر ایک ہی طرح کی رہی ہے، اور خدا کے بھیجے ہوئے مصلحوں کی دعوت بھی ہر عہد اور ہر سر زمین میں یکساں رہی ہے، اور خشک سی طرح ان لوگوں کا انجام بھی ایک ہی جیسا ہوتا ہے اور جو گناہوں نے انبیاء کی دعوت سے منہ موڑنا اور اپنی گمراہی پر اصرار کیا۔

۵۰ جو لوگ قرآن کے انداز بیان سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے وہ بسا اوقات اس شہر میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید یہ سارا معاملہ بس ایک دو صحتوں میں ختم ہو گیا ہو گا۔ نبی اللہ اور اس نے اپنا دعویٰ پیش کیا، لوگوں نے اعتراضات کیے

اور نبی نے ان کا جواب دیا، لوگوں نے جھٹلایا اور اللہ نے عذاب بھیج دیا۔ حالانکہ فی الحقیقت جن واقعات کو یہاں اسیرت کر چند سطروں میں بیان کر دیا گیا ہے وہ ایک نہایت طویل مدت میں پیش آئے تھے۔ قرآن کا یہ مضمون طرز بیان ہے کہ وہ قصہ گوئی محض قصہ گوئی کی خاطر نہیں کرتا بلکہ سبق آموزی کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے ہر جگہ تاریخی واقعات کے بیان میں وہ قصے کے صورت میں اہم اجزاء کو پیش کرتا ہے جو اس کے مقصد مدعا سے کوئی تعلق رکھتے ہیں، باقی تمام تفصیلات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ پھر اگر کسی قصہ کو مختلف مواقع پر مختلف اطراف کے لیے بیان کرتا ہے تو ہر جگہ قصہ کی مناسبت سے تفصیلات بھی مختلف طور پر پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسی قصہ نوح کو یلیحی یہاں اس کے بیان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ پیغمبر کی دعوت کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ لہذا اس مقام پر یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ پیغمبر کتنی طویل مدت تک اپنی قوم کو دعوت دیتا رہا۔ لیکن جہاں یہ قصہ اس غرض کے لیے بیان ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کے ساتھیوں کو صبر کی تلقین کی جائے وہاں خاص طور پر دعوت نوح علیہ السلام کی طویل مدت کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ آں حضرت اللہ آپ کے واقعات اپنی چند سال کی تبلیغی مہمی و محنت کو نتیجہ خیز بناتے نہ دیکھ کر بد دل نہ ہوں اور حضرت نوح کے صبر کو دیکھیں جنہوں نے مدتائے ماز تک نہایت دل شکن حالات میں دعوت حق کی خدمت انجام دی اور ذرا ہمت نہ ہاری۔

اس موقع پر ایک اور شک بھی لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا ہے جسے رفع کرنا ضروری ہے جب ایک شخص قرآن میں بار بار ایسے واقعات پڑھتا ہے کہ کھل قوم نے نبی کو جھٹلایا اور نبی نے اسے عذاب کی خبر دی اور اچانک اس پر عذاب آیا اور قوم تباہ ہو گئی، قرآن کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس احساس قسم کے واقعات اب کیوں نہیں پیش آتے؟ اگر یہ قومیں مگرتی بھی ہیں اور ابھرتی بھی ہیں، لیکن اس عروج و زوال کی فریخت دوسری ہوتی ہے۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ ایک نوش کے بعد زلزلہ یا طوفان یا صاعقہ آئے اور قوم کی قوم کو تباہ کر کے رکھ دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت اخلاقی اور قانونی اعتبار سے اس قوم کا معاملہ جو کسی نبی کی ہدایت و راست مغالطہ ہو، دوسری تمام قوموں کے معاملہ سے بالکل مختلف ہے جس قوم میں نبی پیدا ہوا اور وہ بلا واسطہ اس کو خدا کا پیغام پہنچائے اور اپنی شخصیت کے اندر اپنی صداقت کا زندہ نمونہ اس کے سامنے پیش کر دے اس پر خدا کی رحمت پوری ہو جاتی ہے، اس کے لیے سعادت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور خدا کے فرستادہ کو وہ ہندو جھٹلا دینے کے بعد وہ اس کی سختی ہو جاتی ہے کہ اس کا فیصلہ برسرِ موقع چکا دیا جائے۔ یہ فریخت معاملہ ان قوموں کے معاملہ سے بنیاداً طور پر مختلف ہے جن کے پاس خدا کا پیغام ہوا و راست نہ آیا ہو بلکہ مختلف واسطوں سے پہنچا ہو پس اگر اب اس طرح کے واقعات پیش نہیں آتے جیسے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں پیش آئے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ البتہ تعجب کے قابل کوئی بات ہو سکتی تھی تو یہ کہ اب بھی کسی قوم پر ایسی شان کا عذاب آتا جیسا انبیاء کو وہ ہندو جھٹلانے والی قوموں پر آتا تھا۔

مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ اب ان قوموں پر عذاب آئے بند ہو گئے ہیں جو خدا سے برگشتہ اور فکری و اخلاقی گمراہیوں میں گرفتار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی ایسی تمام قومیں پر عذاب آتے رہتے ہیں جو بڑے چھوٹے جتنی بھی عذاب بھی اور بڑے بڑے فیصلہ کن عذاب بھی۔ لیکن کوئی نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کی طرح ان غلاموں کے اخلاقی

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿۳۳﴾ كَذٰلِكَ عَادِ أَخْلَهُمْ هُوَ الَّذِي قَالَ
يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۴﴾

یقیناً وہ اندھے لوگ تھے :

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا ”اے برا و بد امن قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے؟“

حق کی طرف انسان کو توجہ دلائے۔ بلکہ اس کے برعکس ظاہری سائنس دانوں اور حقیقت سے ناواقف مومنین و ظالمین کا ایک کثیر گروہ ذہن انسانی پر مسلط ہے جو اس قسم کے تمام واقعات کی توجیہ لیبیاتی قوانین یا تائیدی اسباب کے اُس کو بخلاصے میں ڈالتا رہتا ہے اور اسے کبھی یہ نہ کہ موقع نہیں دیتا کہ اوپر کوئی خدا ہی موجود ہے جو غلط کار و قوموں کو پہلے نفلت نظر سے ان کی غلط کاری پر تنبیہ کرتا ہے اور جب وہ اس کی پیروی نہ کرتے تو تنبیہات سے آنکھیں بند کر کے اپنی غلط روی ہر اصول کے پلے جاتی ہیں تو آخر کار زمین و آسمان کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے۔

۳۳۔ یہ عرب کی قدیم توں قوم تھی جس کے افسانے اہل عرب میں زباں زد و عام تھے۔ سچہ بچان کے نام سے واقف تھا۔ ان کی شرکت و جنسیت عرب المثل تھی۔ پھر دنیا سے ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا بھی عرب ایش بر کر رہ گیا تھا۔ اسی شہرت کی وجہ سے عربی زبان میں ہر قدیم چیز کے لیے عادی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر کو عادیات کہتے ہیں جن زمین کے مالک ہوتے دسے ہوں اور جو آباد کار نہ ہونے کی وجہ سے اُتار دے پڑی ہوئی جہاں سے عادی الاسرار ملتا جاتا ہے۔ قدیم عربی شاعری میں ہم کو بڑی کثرت سے اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ عرب کے ماہرین انساب بھی اپنے ملک کی معدوم شدہ قوموں میں سے پہلے اسی قوم کا نام لیتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی ذیل بن شیبان کے ایک صاحب آئے جو عاد کے علاقے کے رہنے والے تھے اور انہوں نے وہ قصے حضور کو سنائے جو اس قوم کے متعلق قدیم زمانوں سے ان کے علاقہ کے لوگوں میں نقل ہوتے چلے آ رہے تھے۔

قرآن کی روش سے اس قوم کا اہل ممکن اخلاف کا علاقہ تھا جو حجاز میں اور یامام کے درمیان واقع ہے وہیں سے پھیل کر ان لوگوں نے یمن کے طبری ساحل سے عراق تک اپنی طاقت کا سکہ دیا کر دیا تھا۔ تاریخی حیثیت سے اس قوم کے آثار و دینا سے تقریباً نا پید ہو چکے ہیں، لیکن جزئی عرب میں کہیں کہیں کھنڈے موجود ہیں جنہیں ماد کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ ایک مقام پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر بھی مشہور ہے۔ ۳۳۔ ایک انگریزی پمیری (James

R. Wellsted) کو حجاز میں ایک پہاڑ پر لکھا تھا جس میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر موجود ہے اور عبارات

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی تحریر ہے جو شریعت ہود کے پیرو تھے۔

قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي سَفَاهَةٍ
وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ
وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٨﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي
وَإِنَّا لَكُم تَاخِرُونَ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ أَوْ عَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ
مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّثْلِكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَأَذْكُرُوا إِذْ
جَعَلَكُمْ خُلَفَاءً مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَضْطَةً ۖ فَادْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْقَهُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا
أَجْمَعْتُمْ لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَنْذَرَمَا كَانَ يَعْبُدُ

اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے جواب میں کہا ”ہم تو تمہیں
بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔“ اس نے کہا ”اے برادران قوم! میں عقلی
میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں، تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچانا ہوں، اللہ
تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر پھر دوسرے کیا جاسکتا ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہو کہ تمہارے پاس خود
تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار کرے، مگر
نہ جاؤ کہ تمہارے رب نے نوح کی قوم کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا اور تمہیں خوب تنوید کیا، پس اللہ
کی قدرت کے کرشموں کو یاد رکھو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“ انھوں نے جواب دیا ”کیا تو ہمارے
پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کیلئے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہماری باپ دادا
۵۴ یعنی اے دونوں جیشیوں سے یاد رکھو، اس حیثیت سے بھی کہ اس نے قوم نوح کو ڈالنے کے بعد تمہیں اس کی جگہ
سرزد کیا، اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ کل تمہیں شاکر کی اور قوم کو تمہارا جانشین بناسکتا ہے۔“

اَبَاؤُنَا فَلَا تَنَابِهًا تَعُدُّ نَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ
 قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّن رَّسُوْلِكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتَجَادِلُوْنِيْ
 فِيْ اَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ
 اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَلَا تَنْظُرُوْا اِلَیَّیْ مُعَكُمْ مِّنْ

کرتے آئے ہیں، اچھا تو لے آؤ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھکی دیتا ہے اگر تو سچا ہے۔ اس نے کہا اے تمہارے رب کی
 پھڑکار تم پر پڑ گئی اور اس کا غضب ٹپڑا کیا تم مجھ سے اُن ناموں پر جھگڑتے ہو جو تم نے اوتھالے باپ دادا نے
 رکھ لیے ہیں اور جن کے لیے اللہ نے کوئی سزا نازل نہیں کی ہے، اچھا تو تم بھی انتہا کر دو اور میں بھی تمہارے ساتھ

۵۳۔ یہاں یہ بات پھر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ یہ قوم بھی اللہ سے منکر یا ناواقف نہ تھی اور نہ اسے اللہ کی عبادت
 سے انکار تھا۔ واصل وہ حضرت ہود کی جس بات کو ماننے سے انکار کرتی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اکیلے اللہ کی بندگی کی جائے،
 کسی دوسرے کی بندگی اس کے ساتھ قائل نہ کی جائے۔

۵۴۔ یعنی تم کسی کو بادشہ کا اور کسی کو بوجہ کا اور کسی کو دودھ کا اور کسی کو بیماری کا رب کہتے ہو، حالانکہ ان میں سے
 کوئی بھی فی الحقیقت کسی چیز کا رب نہیں ہے۔ اس کی مثالیں موجودہ زمانہ میں بھی ملتی ہیں۔ کسی انسان کو لوگ مشکل کھاتے ہیں،
 حالانکہ مشکل کشائی کی کوئی طاقت اس کے پاس نہیں ہے کسی کو گھج بخش کے نام سے پکارتے ہیں، حالانکہ اس کے پاس کوئی گنج
 نہیں کہ کسی کو بخشے۔ کسی کے لیے انا کا غلط برہنہ ہیں، حالانکہ وہ کسی شے کا مالک ہی نہیں کہ وہ انہیں سکے۔ کسی کو غریب نواز
 کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ غریب اس اقتدار میں کوئی حد نہیں دیکھتا جس کی بنا پر وہ کسی غریب کو فوار سکے۔
 کسی کو فروغ (فراہم دین) کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ کوئی زور نہیں رکھتا کہ کسی کی فراہم دہی سکے۔ پس وہ حقیقت ایسے سب نام
 محض نام ہی ہیں جن کے پیچھے کوئی سٹی نہیں ہے۔ جہان کے لیے جھگڑا ہے وہ واصل چندناسوں کے لیے جھگڑا ہے کہ
 کسی حقیقت کے لیے۔

۵۵۔ یعنی اللہ جس کو تم خود بھی بتا کر کہتے ہو اس نے کوئی سزا تمہارے ان بنادنی مخلوق کی اہمیت و درجیت کے
 حق میں عطا نہیں کی ہے۔ اس نے کسی پر نہیں فرمایا کہ میں نے فلاں فلاں کی طرف اپنی خدائی کا اتنا حصہ منتقل کر دیا ہے۔ کوئی
 ہمدانہ اس نے کسی کو مشکل کشائی یا گنج بخشی کا نہیں دیا۔ تم نے آپ ہی اپنے دہم دگمان سے اس کی خدائی کا جتنا حصہ جس کو عطا
 ہے دے ڈالا ہے۔

الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۷﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَعْنَا
دَابِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا
صَالِحًا قَالِ لِقَوْمِ عَبْدُ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ آلٍ غَيْرِهِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ

استظار کرتا ہوں۔ آخر کار ہم نے اپنی مہربانی سے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا اور اُن لوگوں کی جڑ
کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے اور ایمان لانے والے نہ تھے۔

اور تھوڑی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا "اے براہِ رابن قوم! اللہ
کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی

۱۷؎ جڑ کاٹ دی، یعنی ان کا استیصال کر دیا اور ان کا نام و نشان یک دنیا میں باقی نہ چھوڑا۔ یہ بات خود اہل عرب
کی تاریخی روایات سے بھی ثابت ہے، اور موجودہ اثری کثافت بھی اس پر شہادت دیتے ہیں کہ عادی بنی ہاشم تباہ ہو گئے اور
ان کی یادگاریں ایک دنیا سے مٹ گئیں۔ چنانچہ خزائن عرب، انھیں عرب کی اُمم باندہ (معلوم اقوام) میں شمار کرتے ہیں۔ پھر یہ
بات بھی عرب کے تاریخی سلسلہ میں سے ہے کہ عادی صرف نہ حصہ باقی رہا جو حضرت ہود کا پرہیزگار بیٹا تھا، وہ عادی کا نام تارخ
میں عادی بنیہ ہے اور جس قرطب کا وہ کتبہ جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، اسی کی یادگار دود میں سے ہے۔ اس کتبہ میں درجے توحیداً
۱۸؎ مگر اس قبل مسیح کی تحریر سمجھا جاتا ہے، اس پر آثار نے جو حقائق پیش کیے ہیں، ان کے چند جملے یہ ہیں۔

"ہم نے ایک طرف اُن زمانہ اس تفسیر میں اس شان سے گزرا ہے کہ ہماری زندگی مکی و بعد اسی سے مدنی، ہماری
شہروں و دیار کے پانی سے لبریز رہتی تھیں..... اور ہمارے مکران ایسے بادشاہ تھے جو بڑے فیاض
سے پاک اور اہل شرف و ادب پرست تھے، وہ ہم پر ہودی کی شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور وہ فیصلے ایک
کتاب میں درج کر لیے جاتے تھے، اور ہم ہجرات اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لکھتے تھے۔
یہ جہاز کتب بھی قرآن کے اس بیان کی تصدیق کر رہی ہے کہ عادی کی قدیم مملکت و شریعت اور خوشالی کے وراثت کو
دیکھ لوگ جو تھے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔

۱۹؎ یہ عرب کی قدیم ترین اقوام میں سے دوسری قوم ہے جو عادی کے بعد جبکہ زیادہ مشہور و معروف ہے بنو نضیر
سے پہلے اس کے قصبہ اہل عرب میں نہال و دوام تھے۔ ناز و جاہلیت کے اشیاء اور خصوصاً بکریات اس کا ذکر ملے۔ امیر باد کے
کثرت اور نوان، اسکندریہ اور روم کے قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مسیح و عیسوی حکام کی پیدائش سے کچھ عرصے پہلے
تک اس قوم کے کچھ قیاسی مورخ تھے، چنانچہ ہودی مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومن افواج میں بھرتی ہوئے اور انھیں کے خلاف

بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكَ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَمَنْ ذَرَاهَا تَأْتِلْ

کھل کر مل آگئی ہے۔ یہ اٹھنے والی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے لہذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین

میں سے ان کی دشمنی تھی۔

اس قوم کا سکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو انھی اُنچے کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ زمانہ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان حجاز نامی سرزمین ایک پیش قدمی ہے جسے سابق صانع کہتے ہیں یہی شروع کا صلہ مقام تھا اور قدیم زمانہ میں مگر کہلاتا تھا۔ اب تک وہاں ہندوؤں کیلئے رہتے ہیں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جو کثرت کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا اور اس شرف و شرفاں کو دیکھ کر غمازہ کیا جاتا ہے کہ کسی وقت اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں حجاز کے تمام قبائل ان اسماء و تہذیب کے درمیان سے گزر رہے تھے یعنی اہلِ اشراف و علم غزوہ تبوک کے موقع پر جب اوصاف و عرصے کو دیکھ کر اپنے مسلمانوں کو یہ بتا رہے تھے کہ اللہ اور وہ جن دیا جو آنکارہ قدیر سے ہر صاحبِ بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیے۔ ایک جگہ آپ نے ایک کنوئیں کی نشان دہی کر کے بتایا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صانع کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنوئیں سے پانی پینا، پانی کنوئیں کا پانی نہ پینا۔ ایک پہاڑی دوسے کو دکھا کر آپ نے بتایا کہ اسی دوسے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لیے آتی تھی چنانچہ وہ مقام آج بھی اُنکا قبر نام سے مشہور ہے۔ ان کے کھنڈروں میں جو مسلمان سیر کرتے پھر رہے تھے ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں شروع کے انجام پر حیرت و حلاوت اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا صلہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ لہذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ، یہ سیرگاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔

۵۸ تا ہجرت سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ پہلے قرآن میں اشراف کی جس کلی دلیل کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہی اونٹنی ہے جسے اس دوسرے قرآن میں نشانہ کی شکل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ شعراء کی ۱۷۷ میں تصریح ہے کہ شروع ہوا نے خود ایک ایسی نشانہ کی حضرت صانع سے مطالبہ کیا تھا جو ان کے سامنے اشراف ہونے پر کھلی دلیل ہو، اولیٰ کے جواب میں حضرت صانع نے اونٹنی کو پیش کیا تھا۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اونٹنی کا تصور پھر سے کے طور پر ہوا تھا اور یہی نوعیت کے عجوبہات میں سے تھا جو بعض انبیاء نے اپنی نبوت کے ثبوت میں منکبین کے مطالبہ پر پیش کیے ہیں۔ نیز یہ بات بھی اس اونٹنی کی معجزانہ پیدائش پر دلیل ہے کہ حضرت صانع نے اسے پیش کر کے منکبین کو دیکھ کر دیکھ کر کہا کہ اب اس اونٹنی کی جان کے ساتھ تمہاری زندگی متعلق ہے۔ یہ آواز نہ تمہاری زمینوں میں چلتی پھرتی گی۔ ایک دن یہ کھلی پانی پیے گی اور دوسرے دن یہی قوم کے جانور بنیں گے۔ ادا کر کے اسے ہاتھ لگایا تو یکایک شہر خدا کا عذاب ٹوٹ پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ اس شان کے ساتھ یہی چیز پیش کی جا سکتی تھی جس کا فیصلہ عملی ہونا لوگوں نے نہ دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہو پھر یہ بات کہ ایک کانی مدت تک یہ لوگ اس کے آواز نہ سنے پھر نے کہ اور اس بات کو کہ ایک دن تمامہ پانی پیے اور دوسرے دن ان سب کے جانور بنیں گے یا دلی تاخیر و حیرت کہتے رہے اور آخر ہر شہر دی اور مائشوں کے بعد انھوں نے اسے قتل کیا، وہاں سے ان کے حضرت صانع کے پاس کوئی طاقت

فِي اَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعْهَا يَتَّبِعُوا فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ النَّارِ ﴿۱۶﴾
 وَاذْكُرُوا لَآ اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي
 الْاَرْضِ تُتَخَذُونَ مِنْ سَهْلِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ
 بُيُوتًا فَاذْكُرُوا الْاَالَءَ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۷﴾
 قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِيْنَ اسْتُضِعِفُوْا

میں جہتی پھرے۔ اس کو کسی بُسے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اُس کے ہمراہ میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور اُس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ ورنہ زمین میں فساد برپا نہ کر دو۔

اُس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کمزور طبقہ کے اُن لوگوں سے

ذمہ جس کا انہیں کوئی خوف نہ تھا، اس حقیقت پر مزید دلیل ہے کہ وہ لوگ اس اوثنی سے خوف نہ دیتے اور جانتے تھے کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی نعرہ ہے جس کے بل پر وہ ہمارے درمیان دھناتاتی پھرتی ہے۔ قرآن اس امر کی کوئی تصریح نہیں کرتا کہ یہ اوثنی کیسی تھی اور کس طرح وہ جوڑی تھی۔ کسی حدیث صحیح میں بھی اس کی کیفیت بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے اُن عداوت کو تسلیم نہ کرنا ضروری نہیں جو مفسرین نے اس کی کیفیت پر حدیث کے تصحیح نقل کی ہیں۔ لیکن یہ بات کہ وہ کسی نہ کسی طور پر مجرموں کی حیثیت رکھتی تھی قرآن سے ثابت ہے۔

۱۶؎ خود کی یہ صنعت دیکھی تھی یہی مہندستان میں ایوان، سینٹ اور لیسن دوسرے مقامات پر پائی جاتی ہے۔ یعنی وہ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بناتے تھے، جیسا کہ اوپر بیان چلا۔ دارائنِ صلح میں اب تک ان کی یہ عمارتیں جوں کی توں موجود ہیں اور ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس قوم نے انجینیری میں کتنی حیرت انگیز ترقی کی تھی۔

۱۷؎ یعنی مادیات کے انہماک سے بہت لوگوں کی خدا کی قدرت نے اُس صفتِ قوم کو برباد کر کے انہیں اس کی جگہ مرشد کیہ دی۔ خدا انہیں برباد کر کے دوسروں کو تعالیا جانشین بنا سکتا ہے اگر تم بھی مادی کی طرح مفسد بن جاؤ۔

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا
 أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَنَجْيِئَنَّ

حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہوئے مگر اس کی قوم کا جواب اس کے مسا
 کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے، بڑے پاک باز بنتے ہیں یہ آخر کار ہم نے لوط اور

ہم ہنس قطعی طور پر وضع فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع میں زواہد کا فرق صحت حاصل ہونے کے
 نوع کے لیے رکھا چاند نوع انسانی کے اندر اس کی مزید طرفیں یہ بھی ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد میں ایک قائدانہ وجود میں
 لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اسی مقصد کے لیے مرد اور عورت دو الگ صنفیں بنائی گئی ہیں، ان میں ایک دوسرے کے
 لیے منفی کشش پیدا کی گئی ہے، ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لیے
 میں مناسب بنائی گئی ہے اور ان کے جذبہ و اغراض میں وہ ملت رکھی گئی ہے جو فطرت کے منشاء کو برقرار رکھنے کے لیے ایک وقت
 دائمی و محرک بھی ہے اور اس خدمت کا صلہ بھی، مگر جن فطرت کی اس انکیم کے خلاف عمل کر کے اپنے ہم جنس سے شہوانی لذت
 حاصل کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں متعدد جرائم کا مرتکب بنتا ہے۔ اولاً وہ اپنی ہوا اپنے حمل کی نفسی ساخت اور نفسیاتی ترکیب کے
 جگ کرتا ہے اور اس میں میں غلبہ عظیم برپا کر دیتا ہے جس سے دونوں کے جسم، نفس اور اخلاق پر نہایت بُرے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔
 ثانیاً وہ فطرت کے ساتھ غداری و خیانت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ فطرت نے جس لذت کو نوع اور تمدن کی خدمت کا صلہ بنایا تھا اولاً
 جس کے حصول کو فرائض و ذمہ داریوں اور حقوق کے ساتھ وابستہ کیا تھا وہ اسے کسی خدمت کی بھلائی اور کسی فرض و ادب کی
 ادائیگی اور کسی ذمہ داری کے التزام کے بغیر چھوڑ دیتا ہے۔ ثانیاً وہ انسانی اجتماع کے ساتھ کُلی و جافائی کرتا ہے کہ جماعت کے قائم
 رکھنے کے تمدنی لوازم سے فائدہ تو اٹھاتا ہے مگر جس کی اپنی باری آتی ہے تو حقوق اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ
 اٹھانے کے بجائے اپنی قوتوں کو پوری خود غرضی کے ساتھ ایسے طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو اجتماعی تمدن و اخلاق کے لیے صرف
 غیر مفید ہی نہیں بلکہ ایسا بے منفعت و مصلحت ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسل اور قائدانہ کی خدمت کے لیے ناپید بنا کر اپنے ساتھ کم از کم
 ایک مرد کو غیر طبیعی زنا سر میں مبتلا کرتا ہے اور کم از کم دو عورتوں کے لیے بھی منفی بے راہ و بی ادب اور اخلاقی پستی کا دروازہ کھول
 دیتا ہے۔

۵۶۵ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ صرف بے حیا اور ہلکے دل اور بد اخلاق ہی نہ تھے بلکہ اخلاقی پستی میں اس حد تک
 گر گئے تھے کہ انہیں اپنے درمیان چند ایک انسانوں کی طرف جانے والی اور بدی پر پڑنے والوں کا وجود تنگ و گوارا نہ
 تھا۔ وہ بدی میں یہاں تک غرق ہو چکے تھے کہ اصلاح کی آواز کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور پاکی کے اس حقوٹے سے غصہ کر بھی
 محال رہنا چاہتے تھے جو ان کی گناہوں کی فضائیں باقی رہ گیا تھا۔ اسی حد کو پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے امتیصال کا

وَأَهْلَ الْاِثْمِ أَصْحَابُ الْمِحْرَابِ ۚ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اَلْفَ عَمٌ ۖ وَسَوَاءٌ أَمَرَ بِالْحَقِّ أَمْ بِالْكَافِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِيهِ سَاهِبِينَ ﴿۱۷۷﴾
 مَطَرًا مَّا نُنْظَرُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷۸﴾

ع
۱۷۸

اس کے گھر والوں کو۔۔۔ بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ بچا کر نکال دیا اور
 اس قوم پر برساتی ایک بکثرت، پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ ۷

فیصلہ صادر ہوا کیونکہ جس قوم کی اجتماعی زندگی میں پاکیزگی کا دوسرا عنصر بھی باقی نہ رہ سکے پھر اسے زمین پر زندہ رکھنے کی کوئی
 وجہ نہیں رہتی۔ مٹے ہوئے پھول کے توڑے میں جب تک چند اچھے پھل موجود ہوں، اس وقت تک توڑ کر دے کر کھا جائے
 ہے، مگر جب وہ پھل بھی اس میں سے نکل جائیں تو پھر اس توڑے کا کوئی مصرف اس کے سامنے نہیں رہتا کہ اسے کسی گھوڑے
 پر لٹا دیا جائے۔

۱۷۷ دوسرے مقامات پر تصریح ہے کہ حضرت ولیدؓ کی بیوی جو غائبہ اسی قوم کی بیٹی تھی اپنے کافر شہرہ داندی کی بیوی
 رہی اور آخر وقت تک اس نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس لیے خدا نے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ولیدؓ کے ایمان کا
 ساقیوں کی ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو ہدایت فرمادی کہ اس عورت کو ساتھ نہ لیا جائے۔

۱۷۸ بارش سے مراد یہاں پانی کی بارش نہیں بلکہ پتھروں کی بارش ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں
 بیان ہوا ہے۔ نیز یہ بھی قرآن میں بارش ہوا ہے کہ ان کی بستیوں اٹھ دی گئیں اور انہیں جھٹک کر دیا گیا

۱۷۹ یہاں اور دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ عملِ قوم کو طایفہ ہدایت میں نہ رہے جس کو پاک
 قوم اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہوئی۔ اس کے بعد یہ بات ہمیں غی علی علیہ السلام کی زندگی سے معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایسا جرم
 ہے جس سے حاضرے کو پاک رکھنے کی کوشش کی حکومت اسلامی کے فرائض میں سے ہے اور یہ کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت
 سزا دی جاتی ہے۔ حدیث میں مختلف روایات جو حضورؐ سے مروی ہیں ان میں سے کسی میں ہم کو یہ افادہ ملتا ہے کہ اقتلوا
 الفاعل والمفعول ہم (فاعل اور مفعول کو قتل کر دو) کسی میں اس حکم پر اتنا اضافہ ہے کہ احصنا اولہ یعنی شادی
 شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ اور کسی میں ہے فاس جعوا الا علی والاسفل (اچھا رہیجے والا دونوں سنگسار کیے جائیں۔
 لیکن جو نہ گزری صلی اللہ علیہ وسلم کے زلمیں دیا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا اس لیے قطعی طور پر یہ بات متین نہ ہو سکی کہ اس کی سزا
 کس طرح دی جائے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ کی رائے یہ ہے کہ جرم کو اسے قتل کیا جائے اور دفن کرنے کے بجائے اس کی
 ہش لٹائی جائے۔ اس رائے سے حضرت ابو بکرؓ نے اتفاق فرمایا ہے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ کسی پر سیہ
 عمارت کے نیچے گھونک کے وہ عمارت میں پڑھادی جائے۔ ان حاس کا متعلق یہ ہے کہ لیتی کی جگہ پہنچی عمارت سے ان کو
 سر کے بل چھینک دیا جائے اور وہ بے ہوش رہے پھر مرنے جائیں۔ فقہاء میں سے امام شافعیؒ نے یہی قول و مفعول واجب قتل ہونے

وَالَّذِي مَدَّ يَدَهُمْ شُغْبًا قَالُوا يَقَوْمُ اَعْبُدُوا اللَّهَ

اور مَدَّ یَدَہُم کی طرف ہاتھ ان کے بھائی شعیب کو بھجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی

شاہی شدہ ہوں یا غیر شاہی شدہ۔ شعیب، زہری مالک اور احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی سزا درج ہے۔ محمد بن قیس، عطار، حسن بصری، ابانیم غنی، مینان ثوری، دودا ذامی رحمہم اللہ کی رائے میں اس جو ہم پر وہی سزا دی جائے گی جو ذاتا کی سزا ہے۔ یعنی غیر شاہی شدہ کو تنکوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کر دیا جائے گا، اور شاہی شدہ کو رم کیا جائے گا۔ امام ابو نعیم کی رائے میں اس پر کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے، جیسے حالات و ضروریات ہوں ان کے لحاظ سے کوئی تعزیر تاک سزا اس پر دی جاسکتی ہے۔ ایک قول امام شافعی سے بھی اسی کی تائید میں منقول ہے۔

معلوم ہے کہ آدمی کے لیے یہ بات قطعی حلام ہے کہ وہ خود اپنی بری کے ساتھ عمل تو م دلو کرے۔ ہو یا وہ دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ملعون من اتی المرأة فی دبرھا۔ ابن ماجہ و مسند احمد میں حضور کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ لا ینظر علیہ ابی اسرجل جاعل امرأۃ فی دبرھا۔ ترمذی میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ من اتی حاکضا ابوا امرأۃ فی دبرھا او کاهنا فصدۃ فہ غنۃ کفر بھا انزل علی محمد۔

۶۹ مَدَّ یَدَہُم کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں پھر امر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ خلتے سینا کے مشرقی مسائل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہ راہ پھر امر کے کنارے نکلتے تین سے کئی فیروز ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی، اور ایک دوسری تجارتی شاہ راہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے عین پورا ہے اس پر اس قوم کی بہتیاں واقع تھیں۔ اسی بنا پر عرب کا کچھ بچہ تہذیب سے واقف تھا اور اس کے منہ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے رہتے رہتے وہ اس کے آہستہ آہستہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

امام مدین کے متعلق ایک اور فرسہ بات جس کو کبھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، یہ ہے کہ یہ لوگ اصل حنوفیہ و اہلیم علیہ السلام کے صاحبزادے ہذیان کی طرف منسوب ہیں جو ان کی تیسری بڑی فکروا کے یمن سے تھے۔ قدیم زمانہ کے قادیان کے مطابق جو لوگ کسی بڑے آدمی کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تھے وہ رفتہ رفتہ اسی کی آل و اولاد میں شمار ہو کر اپنی ظان کھانے لگتے تھے۔ اسی قاعدہ پر عرب کی آبادی کا بیضا حصہ بنی اسرائیل کھلا۔ اور اولاد و بیٹوں کے ساتھ پرشورت و اسلام ہونے والے لوگ سب سب بنی اسرائیل کے حاس نام کے تحت کھپ گئے۔ اسی طرح مدین کے علاقے کی ساری آبادی بھی جو مدیان بن دہاہیم علیہ السلام کے زیر اثر آئی، بنی مدیان کھلائی اور ان کے کھ کا نام ہی مدین یا مدیان مشہور ہو گیا۔ اس تاریخی حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ اس قوم کو دین حق کی آواز پہل مرتبہ حضرت شعیب کے ذریعہ سے پہنچی تھی۔ وہ حقیقت بنی اسرائیل کی طرح ابتداء میں وہ بھی مسلمان ہی تھے اور شعیب علیہ السلام کے ظہور کے وقت ان کی حالت

مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا
الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ شَهِدُوا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصِدُّونَ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُوهَا عِوَجًا وَادْكُرُوا إِذْ

کہو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آگئی ہے،
لہذا وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ نہ دو، اور زمین میں فساد پر پابند کرو
جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن بنو۔ اور زندگی کے
ہر راستہ پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے
لاستے سے روکنے کو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے واسطے جو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ

ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم کی سی تھی جیسی عمرہ دینی علیہ السلام کے وقت نبی امروہیل کی حالت تھی۔ حضرت ہاریم کے بعد چھ سات
سورس تک مشرک اور بلا اخلاق قوموں کے درمیان رہتے دہتے یہ لوگ شرک ہی بیکہ گئے تھے اور بلا اعلیٰوں کی مدد سے جتنا ہو گئے
تھے، مگر اس کے باوجود ایمان کا دعویٰ اور اس پر غرور قرار تھا۔

۱۷۸ اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم میں مدد دہی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک شرک، دوسرے تمہاری معاملات میں
مدد دہی تھی۔ اور انہی دونوں چیزوں کی اصلاح کے لیے حضرت خلیفہ مبعوث ہوئے تھے۔

۱۷۹ اس فقرے کی جامع تفسیر اسی سورۃ الاعراف کے تراویح ۱۷۸ و ۱۷۹ میں گزر چکی ہے۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ
حضرت شیخ کے قول کا اشارہ اس طرف ہے کہ دین حق اور اخلاق صالحہ پر زندگی کا جو نظام نبیائے سابقین کی ہدایت و رہنمائی
میں قائم ہو چکا تھا، اب تم اسے اپنی امتدادی گروہوں اور اخلاقی دنیا ہیروں سے خراب نہ کرو۔

۱۸۰ اس فقرے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود ہی ایمان تھے جیسا کہ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں، یہ مدد مل
جھٹے ہوئے مسلمان تھے اور امتدادی اخلاقی فساد میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر وہ ان کے اندر نہ صرف ایمان کا دعویٰ پائی تھا بلکہ
اس پر انہیں فخر بھی تھا۔ اسی لیے حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے نزدیک شیخ و رسول بھلائی و استغنازی اور وفاق ہیں

كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثُرْتُكُمْ ۚ وَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۶﴾
 وَلَٰنَ كَانَ طَٰغِيَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَٰغِيَةٌ
 لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاَصْبِرْ ۚ وَاَحْسِ يَخُوكُمُ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾
 قَالِ الْمَلَٰٓئِكَةُ الَّذِيْنَ اَسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَخَرَجْنٰكَ لِشَعِيْبٍ
 وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قُرَيْبِنَا اُولَئِكَ نَعُوْذُ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ
 قَالِ اَوْ لَوْ كُنَّا كُرْهِيْنَ ۖ قَدْ اَفْتَرَيْنَا عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا
 اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ بَخَّسْنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۚ وَمَا
 يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْذَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ سَرَبْنَا

تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا، اور انہیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔
 اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم چس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، ایمان لانا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لانا،
 تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔
 اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اپنی بڑائی کے گھنڈ میں مبتلا تھے، اس سے کہا کہ اے شعیب!
 ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو
 ہماری بستی میں واپس آنا ہوگا۔ شعیب نے جواب دیا: کیا زبردستی میں پھیرا جائے گا خواہ ہم
 راضی نہ ہوں؟ ہم اللہ پر محبوس گھڑنے والے ہوں گے اگر تمہاری بستی میں پلٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے تنہا
 دے چکا ہے۔ ہمارے لیے تو اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں والا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔

ہوئی چاہیے اور تمہارا میاں وشران دنیا پرستوں سے خلت ہونا چاہیے جو خدا اور آخرت کو نہیں مانتے۔

۸۶۔ یہ فقرہ اسی معنی میں ہے جس میں بیان شدہ خدا کا حکم دیا جاتا ہے، اور جس کے متعلق سورہ صافات (۱۳) میں

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿۸۸﴾ وَقَالَ
الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيَنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ
إِذَا الْخُسُوفُونَ ﴿۸۹﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي

ہمارے رب کا علم ہر چیز پر جادہی ہے، اسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔ اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے، آپس میں کہا "اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کر لی تو رہا دو جو جادہ گئے۔" مگر بتایا کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے اُن کو آیا اور وہ ارشاد ہوتا ہے کہ کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ نہ کہہ دیا کرو کہ میں ایسا کروں گا بلکہ اس طرح کہہ کر دو کہ اگر اللہ چاہے گا تو ایسا کروں گا۔ اس لیے کہ مومن، جہاں تعالیٰ کی مصلطی و بادشاہی کا اور اپنی بندگی و تابعت کا ٹھیک ٹھیک اور اک رکھتا ہے کبھی اپنے بل بوتے پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں فلاں بات کر کے، بھول گیا فلاں حرکت ہرگز نہ کروں گا، بلکہ وہ جب کے گا تو یوں کہے گا کہ میرا ارادہ ایسا کرنے کا یا نہ کرنے کا ہے لیکن میرے اس ارادے کا پلڑا بتا میرے انک کی نسبت پر جو تو ہے وہ تو نہیں سمجھے گا تو اس میں کا یہاب ہو جاؤں گا ورنہ ناکام رہ جاؤں گا۔

۸۸۔ اس جھوٹے سے فرقے پر سے سرسری حمد پر نہ گور جائیے۔ یہ غیر کہت سوچنے کا مقام ہے۔ مدین کے سردار اور لیڈر وہ ہیں یہ کہہ رہے تھے اسی بات کا اپنی قوم کو بھی یقین دلانا رہے تھے کہ شعیب میں ایسا نداری اور راست بازی کی دعوت دے رہا ہے اور خلاق و دیانت کے جن متعلق اصولوں کی پابندی کرنا چاہتا ہے اگر ان کو مان لیا جائے تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ہماری تمہارت کیسے ہل سکتی ہے اگر ہم بالکل ہی سچائی کے پابند ہو جائیں اور کھرے کھرے سودے کرنے لگیں۔ اور ہم جو دنیا کی دوسرے بڑی تہذیب شاہ وادہوں کے چور رہے ہیں، اور مصر و عراق کی عظیم الشان متمدن مملکتوں کی سرحد پر آباد ہیں، اگر ہم تانوں کو پھیرنا بند کر دیں اور بے ضرر اور پرامن لوگ ہی بن کر رہ جائیں تو جو معاشی اور سیاسی فوائد ہمیں ملنی شروع ہوتے جنرانی پوزیشن سے حاصل ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور اس پاس کی قوموں پر ہماری جو دعوت قائم ہے وہ باقی دوسرے کی۔ یہ بات صرف قوم شعیب کے سرداروں ہی تک محدود نہیں ہے۔ ہر زمانے میں ہر جگہ ہوتے لوگوں نے حق اور راستی اور دیانت کی روش میں ایسے ہی غلط دعوتیں کیے ہیں۔ ہر دور کے مفیدین کا بھی خیال رہا ہے کہ تجارت اور ریاست

كَارِهِمْ جَثِينًا ۝ الَّذِينَ كَذَبُوا شَعْبًا كَانُوا يَكُونُوا

مَعَ ۝ فِيهَا ۝ الَّذِينَ كَذَبُوا شَعْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِ

رَبِّي وَلَصَّيْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ أَسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے جن لوگوں نے شعب کو جھٹلایا وہ ایسے بڑے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بے ہی نہ تھے۔ شعب کے جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہو کر رہ گئے۔ اور شعب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے بھگ گیا کہ "اے مرادوان قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے اور تمہاری بغیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب میں اُس قوم پر کیوں افسوس کروں جو قبولِ حق سے انکار کرتی تھیں۔"

اور دوسرے ذہبی معاملات جھوٹ اور بے ایمانی اور باعلاق کے بغیر نہیں چل سکتے۔ ہر جگہ دعوتِ حق کے مقابل میں جو زبردست جذبات پیش کیے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی رہا ہے کہ اگر دنیا کی جلتی ہوئی راہوں سے ہٹ کر اس دعوت کی پیروی کی جائے گی تو قوم تباہ ہو جائے گی۔

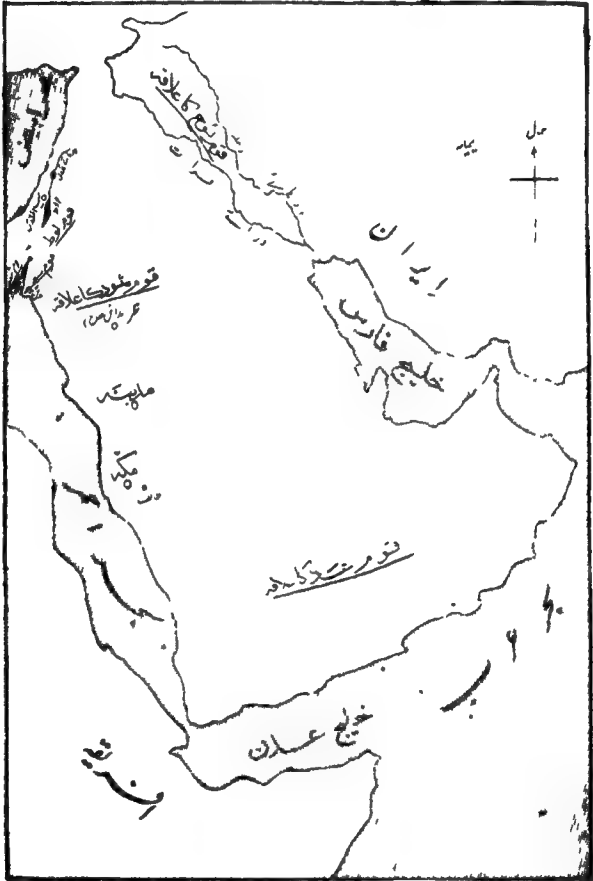
۵۷۔ دین کی یہ تباہی متعلقاتِ دوزخ تک اس لباس کی قوموں میں ضربِ شعلہ ہی ہے چنانچہ زہرِ دوزخ میں ایک جگہ آگ ہے کہ لے خدا انہوں نے ان قوموں کے تیرے خلاف عہد باندا لیا ہے لہذا قرآن کے ساتھ دہی کر جو کرنے دیا ان کے ساتھ کیا (۸۲-۹ تا ۱۰)۔ اور یسعیاہ نبی ایک جگہ بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مشرق و احوال سے نہ ڈرو، اگرچہ وہ تمہارے لیے معرکوں کی طرح ظالم بنے ہمارے میں لیکن کہہ دینے نہ گدے گی کہ رب لا افواج ان پانچا کو تباہ کرے گا اور ان کی دہی حشر ہوگا جو دنیا کا بڑا ایسیا ۱۰: ۱-۱۱: ۲۶)۔

۵۸۔ جتنے جتنے یہاں بیان کیے گئے ہیں ان سب میں "مشرق و احوال" و "دہی" کا اندازِ امتیاز کیا گیا ہے۔ ہر قسم اس معاملہ پر پورا پورا چسپاں ہوتا ہے جو اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان چھٹی آ رہا تھا۔ ہر قسم میں ایک فریقِ نبی ہے جس کی تعلیم جس کی دعوت جس کی نصیحت وغیرہ وہی مادہ جس کی ماری باتیں بیہ نہ دہی ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں۔ اور دوسرا فریقِ حق سے منہ موڑنے والی قوم ہے جس کی اعتمادی گمراہیاں جس کی اخلاقی خرابیاں جس کی جاہلانہ ہٹ دھرمیاں جس کے سرداروں کا استکبار جس کے حکمران کا نفیِ خلافت، ہمارا غرض سب کچھ دہی ہے

ملاحظہ ہو

رہنہ الاعراف (۱۱)
صفحہ ۵۸-۵۹

تفہیم شدہ آن جلد ہم
اُن قوموں کے علاقہ جن کا ذکر سورہ اعراف میں آیا ہے



قرآن مجید میں مذکور اعراف
سورہ اعراف میں مذکور

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قُرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ
وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَضْمَرُونَ ﴿۹۳﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ
الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ
فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۴﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں۔ پھر ہم نے ان کی بدعالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پہلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے ہی رہے ہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ اگر سیتوں کے جو قریش میں پایا جاتا تھا۔ پھر ہر قصے میں عکس قوم کا جو انہما ہمیشہ کیا گیا ہے اس سے واصل قریش کو ہجرت دلائی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے لیے ہوتے بغیر کی بات نہ مانی اور اصلاح حال کا جو موقع نہیں دیا جا رہا ہے اسے اندھی ضد میں مبتلا ہو کر کھو دیا تو آخر کار تمہیں بھی اسی تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا جو ہمیشہ سے گمراہی و فساد پر اصرار کرنے والی قوموں کے حصہ میں آتی رہی ہے۔

﴿۹۵﴾ ایک ایک نبی اور ایک ایک قوم کا معاملہ الگ الگ بیان کرنے کے بعد اب وہ جامع مضابطہ بیان کیا جا رہا ہے جو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے موقع پر اختیار فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی نبی بھیجا گیا تو پہلے اس قوم کے خارجی ماحول کو قبول و عفو کے لیے نہایت سازگار بنایا گیا۔ یعنی اس کو مصائب اور آفات میں مبتلا کیا گیا۔ قطعاً وہ باہر ترقی و ترقی کے لیے جگہ تھکتا یا اور اسی طرح کی کیفیتیں اس پر مانی گئیں۔ تاکہ اس کا دل نرم پڑے۔ اس کی کٹھن اور تکبر سے اکڑی ہوئی گردن و میل ہو۔ اس کا غرور و طاقت اور نشہ و دولت ٹوٹ جائے۔ اپنے ذرائع و وسائل اور اپنی قوتوں اور قابیلیتوں پر اس کا اعتماد شکست ہو جائے، اسے محسوس ہو کہ اوپر کوئی اور طاقت بھی ہے جس کے ہاتھ میں اس کی قسمت کی باگیں ہیں، اور اس طرح اس کے کان فیضیت کے لیے کھل جائیں اور وہ اپنے خدا کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جائے۔ یہ مادہ ہر جگہ ہے۔ پھر جب اس سازگار ماحول میں بھی اس کا دل قبولِ حق کی طرف مائل نہیں ہوتا تو اس کو خوش حالی کے قند میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور یہاں سے اس کی بربادی کی قید شروع ہو جاتی ہے۔ جب وہ غفلت سے مالا مال ہونے لگتی ہے تو اپنے بُرے دن بھول جاتی ہے اور اس کے کچھ نعم رہنا اس کے ذہن میں تازہ نہ رہتا۔ یہاں تک کہ یہاں تک کہ اس کے کلمات کا انکار

الْقَرَأَىٰ آمَنُوا وَانْقَرَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ

لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے

پڑھاؤ اور نعمت کا بناؤ اور جو لوگ کسی حکیم کے انتظام میں اخلاقی بنیادوں پر نہیں ہو رہے بلکہ ایک اندھی طبیعت بالکل غیر اخلاقی اسباب کے کبھی اچھے اور کبھی بُرے دن لاتی ہی رہتی ہے، لہذا مصائب اور آفات کے نازل سے کوئی اخلاقی سبق لینا اور کسی ناسخ کی نعمت قبول کر کے خدا کے اگے ناری و تعترغ کرنے لگنا بجز ایک طرح کی نفسی کمزوری کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ اعتقاد و نیت ہے جن کا نقشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کھینچا ہے: لَا يَزَالُ الْمَلَائِكَةُ بِالْمُؤْمِنِ حَتَّىٰ يَخْرُجَ نَفْسِيَّاهُ مَذْمُومَةٌ وَ الْمُنَافِقُ مُتَكَلِّفٌ كَمَثَلِ الْيَحْدَاسِ لَا يَدْرِي فِيهِمْ سَرَابَطٌ أَوْ هَلْهُ لَا يَضَعُ اسْ سَلَوَا - یعنی مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ سے مراد ہو کر نکلتا ہے، لیکن منافق کی حالت باطل گندے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے کیوں اسے ہاندا تھا اور کیوں اسے چھوڑ دیا۔ پس جب کسی قوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ مصائب اس کا دل خدا کے آگے جھکتے نہ نعمتوں پر وہ شکر گزار ہوتی ہے اور نہ کسی حال میں اصلاح قبول کرتی ہے تو پھر اس کی رہاوی اس طرح اس کے سر پر نڈھالانے لگتی ہے جیسے پرے دن کی ماحولیت کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کلب اس کا وضع عمل ہو جائے۔

یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس ضابطہ کا ذکر فرمایا ہے بیشک یہی ضابطہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر بھی برپا گیا اور شریعت زدہ قوموں کے جن طرز عمل کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، بیشک وہی طرز عمل سورہ اعراف کے نزول کے زمانہ میں قریشی خاندانوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ حدیث میں جہاد اللہ بن مسعود اور جہاد بن جہاد سے دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب قریش کے لوگوں نے آپ کی دعوت کے خلاف سنت روایات پر کٹنا شروع کیا تو حضور نے دعا کی کہ خدایا! ایسے کے زمانہ میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ویسے ہی قحط سے ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد کر چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت قحط میں مبتلا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے، چھوڑے اور ہڈیاں اور ان تک کھا گئے۔ آخر کار مکہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان چہی پیش تھا، حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے خدا سے دعا کیجیے۔ مگر جب آپ کی دعا سے اللہ نے وہ عبادت ٹال دیا اور پچھلے دن کے قحط لوگوں کی گزیریں پہلے سے زیادہ آگونیوں اور جن کے دل تھوڑے بہت پہنچ گئے تھے ان کو بھی امتزاج قوم نے یہ کہہ کر کہ ایمان سے روکن شروع کر دیا کہ میاں! یہ تو زمانے کا تاجر تھا وہ ہے، پہلے بھی آؤ قحط آئے ہی رہے ہیں، کوئی نئی بات تو نہیں ہے کہ اس مرتبہ ایک ہلکا قحط پڑ گیا، لہذا ان چہرہوں سے دھوکا کھا کر عرصہ کے پسند سے میں نہ بچیں جاتا ہے تقریریں اس زمانے میں جو یہی تھیں جب یہ سہ ماہی نازل ہوئی ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی آیات بیشک اپنے موقع پر چاہاں ہوئی ہیں اور اسی میں منظر کو سمجھا دینے سے ان کی مستحیبت ہمدی طرح سمجھیں آسکتی ہے۔

الْأَرْضَ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٧﴾
 أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ
 نَائِمُونَ ﴿٩٨﴾ أَوْ آمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَعْفًا
 هُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٩﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا
 الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٠﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُكِبُونَ الْأَرْضَ مِنْ
 بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنَهُمُ رِجْدُنُوبَهُمْ وَنَطْبَعُ

دروازے کھول دیتے، مگر انھوں نے تو جھٹلایا، لہذا ہم نے اُس بُری کمائی کے حساب میں انھیں پکڑ لیا جو وہ بیٹ رہے تھے۔ پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک اُن پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سوتے پڑے ہوں، یا انھیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی ہلکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں، حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

اور کیا اُن لوگوں کو ہمسائی اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں، اس امواجعی نے کچھ سبق نہیں سیکھا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصودوں پر انھیں پکڑ سکتے ہیں، (مگر وہ حق آموز حقائق سے غافل رہتے ہیں) اور ہم ان کے

۷۸۔ اصل میں فلان مکر استعمال ہوا ہے جس کے معنی عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے ہیں، یعنی کسی شخص کے معاملات میں چال چلن کہ جب تک اس پر فیصلہ کن ضرب نہ پڑ جائے اس وقت تک اسے خبر نہ ہو کہ اس کی شامت آنے والی ہے، بلکہ ظاہر حالات کو دیکھتے ہوئے وہ یہی سمجھتا رہے کہ سب چھا ہے۔

۷۹۔ یعنی ایک گرنے والی قوم کی جگہ جو دوسری قوم اُٹھتی ہے اس کے بے اپنی پیش قدمی کے دوران میں کافی دہنائی ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ اگر اصل سے کام لے تو سمجھ سکتی ہے کہ کچھ مدت پہلے جو لوگ اسی جگہ دلویش دے رہے تھے اور جن کی ملکیت کا جھٹکا

عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰﴾ تِلْكَ الْقُرْآنُ نَقْصُ عَلَيْكَ
 مِنْ أَنْبَاءِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا
 لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۱﴾
 وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿۱۲﴾

دلوں پر ٹھہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنارہے ہیں (تھکے
 سامنے مثال میں موجود ہیں) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر جس چیز کو وہ ایک
 دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اُسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکوبین حق کے دلوں پر ٹھہر لگا دیتے
 ہیں۔ ہم نے ان میں سے اکثر میں کوئی پاس عہد نہ پایا بلکہ اکثر کو فاسق ہی پایا۔

یہاں امر اور نہی کا تضاد نظر آئے گا۔ ان کی کن غلطیوں نے مبرا دیا، اور یہ بھی محسوس کر سکتی ہے کہ میں بالآخر اقدار نے کل انہیں ان کا غلط
 پر پکڑا تھا اور ان سے یہ جگہ خالی کر لی تھی وہ آج کہیں چلا نہیں گیا ہے، نہ اس سے کسی نے یہ تقدیر سمجھیں لی ہے کہ اس جگہ کے
 موجودہ ساکنین، اگر وہی غلطیاں کریں جو سابق ساکنین کر رہے تھے تو وہ ان سے بھی اسی طرح جگہ خالی نہ کر سکے گا جس طرح میں
 ان سے خالی کرائی تھی۔

۱۰ یعنی جب وہ تاریخ سے اور جہز تک آتا، کے مشاہدے سے سبق نہیں لیتے اور اپنے آپ کو خود بھلاہٹے ہیں اُنٹے
 ہیں تو پھر خدا کی طرف سے بھی انہیں سوچنے بجھنے اور کسی ناسخ کی بات سننے کی فرصت نہیں ملتی۔ خدا کا قانون فطرت ہی ہے کہ جو
 اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اس کی دنیا کی تک، تاکہ روشن کی کوئی کرن نہیں پہنچ سکتی اور جو خود نہیں سنا چاہتا اسے پھر کوئی کلمہ
 نہیں سنا سکتا۔

۱۱ پہلی آیت میں جوار شاد تھا کہ ہم ان کے دلوں پر ٹھہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے، اس کی تشریح اللہ
 تعالیٰ نے اس آیت میں خود فرمادی ہے۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دلوں پر ٹھہر لگے سے مراد ذہن انسانی کا
 اُس نفسیاتی قانون کی زد میں آنا ہے جس کی زد سے ایک دفعہ جاہلی تعبصات یا نفسانی اغراض کی بنا پر حق سے منہ موڑ لینے کے
 بعد پھر انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے لہجے اور اُس کی اوجھتا ہی چلا جاتا ہے اور کسی دلیل کسی مشاہدے اور کسی تجربے سے اس کے
 دل کے عدالت سے قبولی حق کے لیے نہیں لگتے۔

۱۲ کوئی نہ اس عہد نہ پایا، نہ اُس غلطی صدمہ کا پاس جس میں پریشانی طور پر

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ فَلَا يَظُنُّهُمْ

پھر ان قوموں کے بعد جن کا ذکر انہوں نے کیا (ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انھوں نے بھی ہماری نشانوں کے ساتھ علم کیا۔

ہر انسان خدا کا بندہ اور پروردہ ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، اس اجتماعی حمد کا پاس جس میں ہر فرد بشر انسانی ہوا کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، اور اس ذاتی حمد کا پاس جو ذاتی اپنی معصیت اور پریشانی کے طور میں یا کسی جذبہ بیکہ کے موقع پر خدا سے بطور خود ہاندھا کرتا ہے، ان ہی تین حدودوں کے توڑنے کو یہاں فسق قرار دیا گیا ہے۔

۱۵۷۰ اور جو قصے بیان ہمکے ان سے تصور یہ ذہن نشین کرنا تھا کہ جو قوم خدا کا پیغام پانے کے بعد اسے مدد کرتی ہے اسے پھر ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑا جاتا۔ اس کے خطاب موسیٰ و فرعون اور بنی اسرائیل کا قصہ کئی رکوعوں تک مسلسل چلتا ہے جس میں اس ضمنوں کے علاوہ چند اور اہم سبق بھی گفتار قریش، یسوع اور دایکان لانے والے گروہ کو دیے گئے ہیں۔

گفتار قریش کو اس قصہ کے پیرائے میں یہ بھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دعوت حق کے ابتدائی مرحلوں میں حق اور باطل کی قوتوں کا جو تناسب بظاہر نظر آتا ہے، اُس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ حق کی قوتوری تاریخ ہی اس بات پر گواہ ہے کہ وہ ایک فی قوم بلکہ ایک فی دنیا کی اقلیت سے شروع ہوتا ہے اور بغیر کسی سوسامان کے اُس باطل کے خلاف لڑائی پھیلتی دیتا ہے جس کی پشت پر بڑی بڑی قوتوں اور سلطنتوں کی طاقت ہوتی ہے، پھر بھی آخر کار وہی غالب آکر رہتا ہے۔ نیز اس قصہ میں ان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حاجی حق کے مقابلہ میں جو چالیں چلی جاتی ہیں اور جن تدبیروں سے اس کی دعوت کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ کس طرح اٹھی اڑتی ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ممکنہ حق کی ہر گت کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے اُن کو کتنی کتنی طویل مدت تک سنبھلنے اور دست ہونے کے مواقع دیتا چلا جاتا ہے اور جب کسی تنبیہ کسی سبق آموز واقعے اور کسی روشن نشانی سے بھی انہیں ہٹتے تو پھر وہ انھیں کیسے جبر تک مزبور کرتا ہے۔

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے ان کو اس قصہ میں مدد ہوا سبق دیا گیا ہے۔ پہلا سبق اس بات کا کہ اپنی قلت و کمزوری کو انہیں غائب حق کی کثرت و شوکت کو دیکھ کر ان کی ہمت نہ ٹوٹے اللہ اللہ کی مدد آنے میں دیر ہونے دیکھ کر وہ دل شکستہ نہ ہوں مدد مبرا سبق اس بات کا کہ ایمان لانے کے بعد جو گروہ یہودیوں کی سی بدش اختیار کرتا ہے وہ پھر یہودیوں کی طرح خدا کی سنت میں گرفتار بھی ہوتا ہے۔

نبی اسرائیل کے سامنے ان کی اپنی جبر تک تاریخ قریش کے انہیں باطل پرستی کے بُرے نتائج پر متنبہ کیا گیا ہے اور اُس پیغمبر پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے جو پچھلے پیغمبروں کے لئے ہونے دین کو تمام آئینہ خدوں سے پاک کر کے بظہر کی اصلی صحت میں پیش کر رہا ہے۔

۱۵۷۱ نشانوں کے ساتھ ظلم کیا، یعنی ان کو نہ مانا اور انھیں مادہ گری قرار دے کر نالائقی کوشش کی جس طرح

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾ وَقَالَ مُوسَى
يُفْرَعُونَ لِنَبِيِّ رَسُولٍ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶۱﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن
لَّا أَقُولُ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ قَدْ جُمِلْتُكُمْ بَيْنَهُ مِّنْ

پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔

موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، میرا منصب
یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے

کسی ایسے شر کو جو شریت کا محلِ خزن ہو جسکے ہندی سے تعمیر کرنا اور اس کا ذوق اٹھانے صرف اس شعر کے ساتھ بلکہ نفسِ شاعری اور
ذوقِ شری کے ساتھ بھی ظلم ہے، اسی طرح وہ نشانیاں جو خود اپنے منِ جانبِ اللہ دے کر پیش کر رہے ہیں اور جن کے
متعلق کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ گمان نہ کر سکتا ہو کہ ہر کے زور سے بھی ایسی نشانیاں ظاہر ہو سکتی ہیں، بلکہ جن کے متعلق خود حق
سحر کے ماہرین نے شہادت دے دی ہو کہ وہ ان کے فن کی دستِ رس سے بالاتر ہیں، ان کو سحر قرار دینا نہ صرف ان نشانوں
کے ساتھ بلکہ عقلِ عظیم اور صداقت کے ساتھ بھی ظلمِ عظیم ہے۔

﴿۶۰﴾ مفسد فرعون کے معنی ہیں مروجِ دینا کی اولاد جسکے اہلِ مصر شریعہ کی جہان کا مادی و دینی رعب، مٹی تھا، سرخ
کتنے تھے اور فرعون اسی کی طرف شرب تھا۔ اہلِ مصر کے اقصائی دو سے کسی فرمانِ دہائی ملکیت کے لیے اس کے سوا کوئی
بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سرخ کا جسمانی مظہر اور اس کا روحی نمائندہ ہو اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسرِ اقتدار تھا،
اپنے آپ کو سورج جی بن کر پیش کرتا، اور ہر فرداں ردا جو تختِ نشین ہوتا، فرعون کا لقب اختیار کر کے باشندگانِ ملک کو زمین
دانا کہ تھا راب الملکی یا مادیوں میں ہوں۔

یہاں یہ بات اور جان لی جانیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعوں کا ذکر آیا ہے ایک
وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے ٹکڑے آپ سے بعدِ رش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور
بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کے پہنچے اور جو باغ و خرق ہوا جو مردہ زمانہ کے تحقیق کا مامِ میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون
عیسٰی دوم تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۵۰ سے ۱۲۵۰ قبلِ مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون جس کا یہاں ان آیات میں ذکر
ہو رہا ہے مفسد یا مفسد تھا اپنے باپ عیسٰی دوم کی زندگی میں ہی شریکِ حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد
سلطنت کا مالک ہوا۔ یہ قیاس بظاہر اس لحاظ سے مستحبِ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے حساب سے حضرت موسیٰ کی تاریخ
وفات ۱۲۵۰ قبلِ مسیح ہے لیکن برہانِ تاریخی قیاسات ہی ہیں اور مصری، اسرائیلی اور یسوی جیسوں کے تلاق سے باطلِ مسیح

زَكُّكُمْ فَلَسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ
فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ
تُغْبَاوُ مُبِينٌ ۖ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِينَ ۖ

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا النِّجْمُ عَلَيْكُمْ لَئِيْلٌ ﴿١٠﴾
 أَنْ يَنْجِيَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١﴾ قَالُوا أَرْجِهْ

اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناً یہ شخص بڑا ماہر ماہر ہو گا ہے، تمہیں
 خصوصی زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے، اب کہو کیا کہتے ہو؟ پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے

مہرلات کے باب میں اہل فہم کن سوال صرف یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلا دینے کے
 بعد بدل چکا ہے اور اب اس جلتے ہوئے نظام میں کبھی کسی طرح بہداشت نہیں کر سکتا، یا وہ بافضل اپنی سلطنت کی نام نہاد
 مانتھ کام اپنے انہیں ملک سے دور کرانے کے حکام اس سلطنت میں نافذ ہوتے ہیں یا اس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ
 اشیاء کی شکل اور اخلاق کی مادی رفتار میں جوئی طور پر یا کسی طور پر بیجا چاہے اور جب چاہے تغیر کر دے، جو لوگ اس سوال کے
 جواب میں ہلکی بات کے قائل ہیں ان کے لیے مہرلات کو تسلیم کرنا غیر ممکن ہے، کیونکہ مہرلات ان کے تصور نظام سے میل کھاتا ہے اور نہ
 تصور کائنات سے، لیکن ایسے لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ فکر ان کی تفسیر و تشریح کرنے کے بجائے اس کا صاف صاف
 انکار کر دیں کہ کائنات نے تو اپنا قانون بیان ہی خدا کے مقدم انکار تصور کا ابطال اور جوہر انکار تصور کا اثبات کرنے پر صرف کیا ہے۔
 مخلوقات اس کے جو شخص فکر ان کے رد فعل سے مطمئن ہو کر دوسرے تصور کو قبول کر لے اس کے بے حوصلے کہ خدا کو تسلیم کرنا کہ مشکل
 نہیں جتنا کہ ظاہر ہے کہ جب آپ کا حقیقت یہی ہو گا کہ اڑو ہے جس طرح پیدا ہوا کرتے ہیں اسی طرح وہ پیدا ہو سکتے ہیں، اس کے سوا
 کسی دوسرے ڈھنگ پر کوئی اڑو پیدا کرنا خدا کی قدرت سے باہر ہے، تو آپ مجبور ہیں کہ ایسے شخص کے بیان کو قطعی طور پر غلط
 دیکھنا کہ کو غور سے دیکھ کر ایک واضح اڑو ہے میں تبدیل ہوئی اور پھر اڑو ہے، واضح بن گئی، لیکن اس کے برعکس اگر آپ
 حقیقت یہ ہو کہ بے جان مادے میں خدا کے حکم سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور خدا جس مادے کو چاہے زندگی عطا کر سکتا ہے،
 اس کے لیے خدا کے حکم سے واضحی کا اڑو اجنا کائنات کی عجیب و غریب طاقت ہے جس کا حکم سے اللہ کے اندر مجرے ہوئے
 چند بے جان مادی کا اڑو اب جاننا تو غیر ممکن ہے، جو بیوقوفی کو ایک طاقتور پیش کش کا مادہ ہے اور دوسرا طاقتور تین مرتبہ پیش
 کیا ایک کو غیر عجیب اور دوسرے کو عجیب بنا دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔

۱۰۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام قوم کا ایک بے سرو سامان آدمی یا ایک اٹھ کر فرعون جیسے بادشاہ
 کے ہمارے جا کھڑا ہوتا ہے تو شاہ سے لینا مانگ اور جوہر دم کے ساحل سے جس کے ایک عظیم الشان ملک کا معرفت ملنے انسان
 بادشاہ بلکہ سرور دنیا ہوتا ہے تو بعض افس کے اس محل سے اتنی بڑی سلطنت کو یہ خطو کیسے وطن ہو جاتا ہے کہ یہ کہیہ انسان سلطنت
 مہر کا تختہ لٹک دے گا اور شاہی خاندان کو مکمل طبعیت کے اقتدار سے بے دخل کر دے گا، پھر یہ سیاسی انقلاب کا خطو
 آخر یہاں کی رشتہ جو ایک اس شخص نے صرف نبوت کا دھڑکا ہوا بی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ ہی پیش کیا تھا اور کئی قسم کی یہاں

وَإِنَّمَا وَاسِعٌ فِي الْمَكَائِينِ خَشَرٌ مِّنْهُ لَئِيَّا تَتْلُوا بَعْضُ السِّجْرِ

اواس کے بھائی کو انتظار میں رکھو اور تمام شہروں میں ہر کام سے بیچ دے کہ ہر ماہر فن ہادوگر

لشکر سے چھڑی ماری نہ تھی

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ نبوت اپنے اندر خود ہی بے سنی رکھتا تھا کہ شخص جو مجھے نعام زندگی کو حیثیت بخشنے کی بات کرنا چاہتا ہے جس میں وہ عادل ملک کا سیاسی نظام بھی شامل ہے۔ کسی شخص کا اپنے آپ کو طبائین کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرنا فاضل طور پر اس بات کو متنبہ ہے کہ وہ انسانوں سے اپنی کلی الامت کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ نبی عالمین کا نمائندہ کسی طبیع اور حیت میں نہ رہنے کے لیے نہیں آتا بلکہ مطلق اور ماحی بننے ہی کے لیے آیا کرتا ہے۔ اور کسی کافر کے جتنی کفرانی کو تسلیم کر لیا اس کی حیثیت رسالت کے قطعاً مافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان سے رسالت کا دعویٰ سننے ہی فرعون اور اس کے اہل ان سلطنت کے سامنے سیاسی و ماحی اور تمدنی انقلاب کا خطرہ نمودار ہو گیا۔ یہی بات کہ حضرت موسیٰ کی اس دعویٰ کو صبر کے دھار شاہی میں اتنی اہمیت دی گئی جبکہ ان کے ساتھ ایک مائی کے سوا کوئی معاون نہ ہوگا اور صرف ایک مانپ بن جانے والی وافی لکھنے والے اٹھ کے سوا کوئی نشان اور سمیت نہ تھا تو میرے نزدیک اس کے مدبّرے سبب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے فرعون اور اس کے درباریوں کو خوب واقف تھے۔ ان کی پاکیزہ اور مضبوط سمجرت ان کی غیر معمولی ولایت اور قیادت و فرمانروائی کی بڑی خاصی ملاحت کا سبب کہ ہم تمام تلمذ و مفسرین کی روایات میں گھر جی تو حضرت موسیٰ نے وہی پیدا مئی قابلیت کے علاوہ فرعون کے اہل علوم و فنون اور حکمرانوں کے والد کی تعلیم و تربیت بھی حاصل کی تھی جو شاہی خاندان کے افراد کو دی جاتی تھی۔ اور نہ ان شاہزادوں کی پیشین گوئی کا ہم پر بار نہ اپنے آپ کا ایک بہترین ہزل بھی ثابت کر چکے تھے۔ پھر وہ توڑی بہت کمزور یاں شاہی مصلوں میں ہدایت پانے اور فرعونی نظام کے اندامات کے مناصب پر سرفراز رہنے کی وجہ سے ان میں باطنی جاتی تھیں، وہ بھی آٹھ دس سال تک کے علاقہ میں گھرائی زندگی گزارنے اور بکریاں چرانے کی ہدایت اور ہونچکی تھیں اور اب فرعون کے سامنے ایک ایسا انسان دیکھ دیکھہ غیر کشور گیر نبوت کا دعویٰ یہی ہونے کے خطر تھا جس کی بات کہ ہر حال باوجود باطنی کچھ کرنا یا نہ جاسکتا تھا۔ اور ہر وجہ یہ تھی کہ عصا اور میوا کی نشانیں دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری صحت مرعوب ہو چکے تھے اور ان کو تھوڑا پانچین ہو گیا تھا کہ بعض فی الواقع کوئی قدری انطری قیادت اپنی پشت پر رکھتا ہے۔ ان کا حضرت موسیٰ کو ایک طرف جا دگر بھی کہنا اور پھر دوسری طرف یہ اندیشہ بھی نظر کرنا کہ ہم کس سوزین کی فرماں روائی سے بخل کرنا چاہتا ہے، ایک مرتبہ تعادلیاں تھیں اور اس کو کھلا ہٹ کا مثبت تھا جو ان پنہوت کے اس تائیدین مظاہرے سے ہماری گھڑی تھی۔ اگر حقیقت میں وہ حضرت موسیٰ کو ہادوگر سمجھتے تو ہرگز ان سے کسی سیاسی انقلاب کا اندیشہ نہ کرتے۔ کیونکہ ہادو کے بل بوتے پر کسی دنیا میں کوئی سیاسی انقلاب نہیں ہوتا ہے۔

عَلَيْهِمْ ۝ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا لَنُحْيِي
الْغُلَّابِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّمَا
أَنْ تُلْقِيَ وَإِنَّمَا أَنْ تَكُونُ مِنَ الْمُسَلِّقِينَ ۝ قَالَ الْقَوَا۟ءُ فَلَمَّا
الْقَوَا۟ءُ سَعَرُوا أَعْيَنَ النَّاسَ وَأَسْرَهُبُوهُمْ وَجَاءُ وَبِشَيْرِ
عَظِيمٍ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَإِذَا هِيَ

لے آئیں۔ چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ گئے۔

انہوں نے کہا اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ فرمودے گا؟

فرعون نے جواب دیا ہاں! اور تم مقرب بارگاہ ہو گئے۔

پھر انہوں نے موسیٰ سے کہا تم بھیکتے ہو یا ہم بھیکیں؟

موسیٰ نے جواب دیا تم ہی بھیکو۔

انہوں نے جو اپنے انچھ بھیکتے تو لگا ہوں کہ مسودہ دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست

جادو بنا لائے۔

ہم نے موسیٰ کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا۔ اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے

۵۹ فرعونی دہاروں کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں خدائی نشان اور ہادہ کے اثر

فرق کا تصور بالکل واضح طور پر موجود تھا۔ وہ ہانتے تھے کہ خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور ہادہ محض نظریہ نفس کو

متاثر کر کے شاید جس ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کرتا ہے۔ ماسی بنا پر انہوں نے حضرت موسیٰ کے ہوائے رسالت کو رد کرنے

کے لیے کہا کہ تجھ باوجود کہ ہے یعنی عصا حقیقت میں سانپ نہیں بن گیا کہ اسے خدائی نشان مانا جائے، بلکہ صرف ہمیں ایسا

نظر آیا کہ وہ گویا سانپ تھا جیسا کہ ہر جادوگر کہتا ہے۔ پھر انہوں نے مشنہ دیا کہ تمام کھٹے ماہر جادو گروں کو بے جا مانا جائے

ان کے ذریعہ سے وہ شیعوں اور رسیوں کو سانپوں میں تبدیل کر کے کوئی کوئی بانیہ جائے تاکہ ہمارا اس کے دونوں میں پیغمبر

مجھ سے جا ہیلت۔ بیچہ گشتی ہے وہ اگر باطل کیلئے دوسرے ہر قوم کو کہ شک میں ہی تبدیل ہو جائے۔

تَلَقَّفْ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۸۸﴾ تَوَقَّعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۹﴾
فَغَلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صُغْرَىٰ ۚ ﴿۹۰﴾ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ
سُجُودًا ۚ ﴿۹۱﴾ قَالُوا أَمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۹۲﴾ دَبَّ مَوْسَىٰ وَ
هَارُونَ ﴿۹۳﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ أَمِنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ فَرَأَىٰ
هَذَا الْمَكْرَ مَكْرًا مُّؤَوِّدًا ۚ فِي الْمَلَأَيْنِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا

اس مجھوٹے علم کے گھٹا چلا گیا۔

اس طرح جو حق متحدہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انھوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔
فرعون اور اس کے ساتھی میدانِ مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور فتح مند ہونے کے بجائے اُلٹے
ذیل ہو گئے۔ اور ہادو گروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انھیں سمجھدے میں گرادیا۔
کنے لگے ہم نے مان لیا رب العالمین کو اس رب کو جسے موسیٰ اور ہارون مانتے ہیں۔

فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجانت دوں، یقیناً یہ کوئی
خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی تاکہ اس کے ماکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔

۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ یہاں لاشعیر، سحر، جادو گروں نے جسکی قیاس اور سادہ اور

اور بعضی نظر آ رہی تھیں۔ قرآن جو کہ کہہ رہا ہے کہ جس نے سادہ بن کر ان کے اس عظیم فریب کو ٹھٹھا شروع
کر دیا جو انھوں نے تیار کیا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سادہ ہر جہرہ کر دیا اس سے جادو کا وہ اثر نکلا
ہوتا چلا گیا جس کی بدولت لاشعیر اور سادہ سادہ کی طرح لہرائی نظر آتی تھیں اور اس کی ایک ہی گردشیں جادو گروں
کی ہر لاشی، لاشی اور ہر دھڑکی، دھڑکی کے گد گئی۔

۹۱۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کی کھال کو اٹھائی پر پٹ دیا۔ انھوں نے تمام کھکے مہر جادو گروں کو کہ

مظہر عام پاس لیے مظاہرہ کر دیا تھا کہ عوام اس میں کو حضرت موسیٰ کے جادو گر ہونے کا یقین دلائیں یا کہ انکم شک ہی میں ٹال
دیجیے۔ اس مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد وہ لوگ کے اپنے ہٹے ہوئے پہنچنے سے ہوا اتفاق فیصلہ کر دیا کہ حضرت یونس
جو میرٹھ کر رہے ہیں وہ ہرگز جادو نہیں ہے بلکہ یقیناً رب العالمین کی طاقت کا کرشمہ ہے جس کے آگے کسی جادو کا اندو نہیں

فَسَوْفَ يَكْفُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَا تَقْطَعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِمَّنْ
خِلَافٍ ثُمَّ لَا صِلَیْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۷﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
مُنْقَلِبُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا نَنْقُصُ مِنْكَ إِلَّا أَنْ أَمْنًا بِأَيِّ رَبِّنَا
لَمَّا جِئْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّئْنَا مَسْلُومِينَ ﴿۳۹﴾

۱۴

اجھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا
دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا "بہر حال ہمیں اپنی رب ہی کی طرف ہے۔ تو جس بات پر ہم سے
انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آئیں تو
ہم نے انھیں مان لیا۔ اسے رب! ہم پر مہربان فیضانِ کراؤ اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم
تیرے فرماں بردار ہوں۔" ع

جیل ملتا۔ ظاہر ہے کہ جادو کو خواہ وہ گروں سے بڑھ کر دیکھ کر جان سکتا تھا ہے جب انھوں نے ملی قمریہ اور آرائش کے
بند شہادت دے دی کہ یہ چیز جادو نہیں ہے، تو پھر فرعون خود اس کے درباریوں کے لیے ہاشم گاہن ملک کو یہ یقین دہانہ پائل
ناممکن ہو گیا کہ کوئی شخص ایک جادوگر ہے۔

۹۲ فرعون نے پانچ پٹے دیکھ کر آخری پال یہ جلی تھی کہ اس سارے ساحل کو مٹی اور جادو گروں کی سازش
قرار دے لے اور پھر جادو گروں کو جسمانی مذابحہ قتل کی دھمکی دے کر ان سے اپنے اس الزام کا اقبال کرائے۔ لیکن یہ حال بھی کٹی
پڑی۔ جادو گروں نے اپنے آپ کو ہر سزا کے لیے پیش کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا سر مٹی علیہ السلام کی صلاحت پر ایمان لانا کسی سزا
کا نہیں بلکہ سچے اعتراف حق کا نتیجہ تھا۔ اب اس کے لیے کوئی چارہ کار اس کے بھرا ہوا قی نہ رہا کہ حق اور انصاف کا ڈھونڈ کر دے
رہنا چاہتا تھا اسے پھر بڑی کرمات صاف ظہور کرتی شروع کر دے۔

اس مقام پر یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ چند گروں کے اندر ایمان نے ان جادو گروں کی سیرت میں کتنا بڑا انقلاب
پیدا کر دیا۔ ابھی قمری دیہ پہلے ان جادو گروں کی وفات کا یہ حال تھا کہ اپنے درخت یا قی کی نصرت و حمایت کے لیے گھوڑوں سے
بلی آئے تھے اور فرعون سے پھر رہے تھے کہ اگر ہم نے اپنے مذہب کو کوئی کے حملہ سے بچایا تو سرکار سے ہمیں انعام تو

وَقَالَ الْمَلَأَمِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا
 فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَالصَّكَاتُ قَالَ سَنَقْتُلُهُمْ وَابْنَاءَ هُمْ
 نَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ
 اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ
 يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۷۷﴾ قَالُوا أَوْذَيْنَا
 مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ

فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اُس کی قوم کو نبی چھوڑنے کا
 کہ ملک میں فساد پھیلانے اور وہ تیری اور تیرے پیروؤں کی ہندگی چھوڑ بیٹھے؟ فرعون نے جواب دیا
 نہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور اُن کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا۔ ہمارے اقتدار کی گرفت
 ان پر مضبوط ہے۔

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اشد سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اشد کی ہے اپنے بندوں میں سے
 جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے
 ہوئے کام کریں۔ اس کی قوم کے لوگوں نے کہا تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے
 اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا تقریباً وہ وقت کہ تمہارا رب
 نے کہا: یا اب جو نعمت ایمان نصیب ہوئی تو انہی کی حق پستی اور اولاد اور اسی میں مدد کو مانگو کہ تمہاری مدد پہلے جس بادشاہ کے
 آگے لائی کہ اس نے تجھے ہار دیا تھے اب اس کی کبریائی اور اس کے جبروت کو ٹھکر مار رہے ہیں اور اُن بدترین سزاؤں کو لگنے
 کے لیے تیار ہیں جن کی دھمکی وہ دے رہا ہے جس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی ملاقا ان پر کل ہوئی ہے۔

۷۷؎ واضح رہے کہ ایک دو تہم وہ تھا جو حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے زمین ثانی کے نامزد ماری ہوا تھا،
 اور وہ سردار و قوم ہے جو حضرت موسیٰ پر اسلام کی جنت کے بعد شروع ہوا۔ وہ دونوں زمانہ بات مشترک ہے کہ نبی اس وقت کے ظہور

أَنْ يَهْضَاكَ عَذُوكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ
 مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿١٧٠﴾ فَاذَا جَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ مَعَهُ
 إِلَّا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٧١﴾
 قَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَخْلَعُ بِأُيُومِنِينَ ﴿١٧٢﴾

تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں غلیف بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔
 ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے۔
 مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں، اور جب بُرا زمانہ آتا تو مومن اور اس کے
 ساتھیوں کو اپنے لیے ظالم بدبھرتے، حالانکہ حقیقت ان کی قابلِ بدتر اندک کے پاس تھی، مگر ان میں سے اکثر ظالم
 تھے۔ انھوں کو کسی سے کہا کہ تو ہمیں سحر کرنے کے لیے خواہ کوئی نشانی لے آئے، ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

کوئل کو ایسا انسان کی زندگیوں کو مچا چھوڑ دیا گیا تاکہ بدستکارین کی نسل کا خاتمہ ہو جائے اور یہ قوم دوسری قوموں میں گم ہو کر رہ جائے۔
 غالباً اسی دور کا ہے وہ کتبہ جو مشرق میں قہم مصری تار کی کھدائی کے دوران میں نکلتا اور جس میں فرعون منساج اپنے کارناموں
 اور فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ابراہیم و اسحاق کو شایا گیا، اس کا بیج تک باقی نہیں ہے۔

۱۶۹ یا انتہائی ہوش و حسی پر مدنی تھی کہ فرعون کے اہل و بار اُس چیز کو بھی جا دو قرار دے رہے تھے جس کے
 متعلق وہ غیبی باتیں جانتے تھے کہ وہ جا دو کا تیر نہیں ہو سکتی، شاید کوئی بے وقوف آدمی بھی یہ باور نہ کرے گا کہ ایک ایسے ملک
 میں طوفانِ ہمارا اور زمین کی پیداوار میں مسلسل مداخلتِ برہان کیسے جا دو کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ اسی بات پر قرآن پھر لکھتا ہے کہ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّسَمَّرٌ
 أَيْتْمَانٌ صَاحِبُونَ قَالُوا هَذَا مِنْصَرَفُكُمْ وَإِنْ جَاءَكُمْ بِهِمْ وَأَسْتَفْتِيَهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
 یعنی جب ہماری نشانیاں عاجزیوں کی نگاہوں کے سامنے آئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھانا جا دے، حالانکہ ان کے دل اندر سے
 تکانی ہو چکے تھے مگر انھوں نے محض ظلم اور سرکشی کی راہ سے ان کا انکار کیا۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَجَوْنَانَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَعْرَ فَاثْنُوا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا آلِهًا كَمَا لَهُم آلِهَةٌ ۚ

اور اُن کی جگہ ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اِس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور پوجتے تھے۔

بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا، پھر وہ چلا اور راستے میں ایک ایسی قوم پر اُن کا گہر بٹھا جو اپنے نبیوں کی گودیدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے، اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معجزہ بنائے جیسے اُن لوگوں کے معجزے ہیں۔

۱۳۶ بنی اسرائیل کو فلسطین کی سرزمین کا وارث بنادیا۔ بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ بنی اسرائیل خود بھی مصر کے ایک بنادیا گئے، لیکن اس معنی کو تسلیم کرنے کے لیے نہ تو قرآن کریم کے اشارات کافی واضح ہیں اور نہ تاریخ کا تاریخی سے اس کی کوئی قوی شہادت ملتی ہے، اس لیے اس معنی کو تسلیم کرنے میں ہمیں ہمتی ہے۔

۱۳۷ بنی اسرائیل نے جس مقام سے ہجر کر کے ہجرت کیا وہ غالباً موجودہ مریوطہ اور مساجیلہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ یورپہ منائے سینا کے مغربی طاقے کی طرف مساعل کے کنارے کے کنارے روانہ ہوئے۔ اُس زمانے میں چریہ منائے سینا کا مغربی اہم شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا، جنوب کے طاقے میں موجودہ شہر طرہ اور الدنئیہ کے درمیان تھانے اور فیونسہ کی کانیں تھیں جن سے دریائے مصریت قائمہ لٹھاتے تھے اور ان کاؤں کی حفاظت کے لیے مصریوں نے چند مقامات پر چھانڑیاں

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۳۸﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَبَرِّئُونَ مَا هُمْ
فِيهِ وَيُلْبِئُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ
أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۴۰﴾ وَ

موسیٰ نے کہا تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے
والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔ پھر موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش
کرتا ہوں؟ خدا کا ذکر وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے

تَاْمُرُكُمْ كَيْفَ تُقْسَمُ اِنِّیْ جَاهِلٌ بِمَا تُقْسَمُ عَلَیْهِ فَاَنْتُمْ لَتَكْفُرْنَ ﴿۴۱﴾
بھی جزیرہ نما کے غزنی غزنی طاغوت پرستے جانتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں تدریم لانے سے سامی قوموں کی چاند
دلی کا بگڑتا تھا۔ غالباً انہی مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو بنی مصریوں کی غلامی نے صورت زندگی
کا اچھا سا گراں گراں لپٹا لگا رکھا تھا ایک مصری زندگی کی صورت محسوس ہوتی ہوگی۔

بنی اسرائیل کی ذہنیت کو اہل مصر کی غلامی نے جیسا کہ بتا دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے آسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر
سے نکل لانے کے بعد حضرت موسیٰ کے عزیز اہل حضرت یونسؑ دن اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے کھج مام سے خطاب
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم خداوند کا خوف اور کھورنیک نجات اور صافیت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو مدد کر دو جن
کی پرستش تمہارے باپ دادا ہی سے دیا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر
خداوند کی پرستش تم کو مری معلوم ہوتی ہو تو آؤ مجھے تم آؤ سے جس کی پرستش کرو گے میں لو اب
میری میری اور میرے گھرانے کی بات سوچو خداوند ہی کی پرستش کرو گے“ (تیسرا ۱۳-۱۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۴۳ سال تک حضرت موسیٰ کی اندر ۱۰ سال تک حضرت یونسؑ کی تربیت و تہذیبی میں
زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فرعون مصر کی زندگی کے دور میں اس کی ملک ملک
کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر یہ کہ یہ لوگ ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد وہ اپنی جو بت کہہ سانسے لگیا تھا اس کو دیکھ کر ان
جگہ سے ہرے مسلمانوں میں سے بتوں کی پشائیاں اُس آستانے پر بکھڑ کرنے کے لیے جیتا بہت جیتا جیتا جس پر وہ
اپنے خدائی آقاؤں کو اتار کر گئے ہونے دیکھ چکے تھے۔

إِذْ أُنْجَيْنَاكَ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُم بِسُوءِ الْعَذَابِ
يَقْتُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ
مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦٦﴾ وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً
أَن نَّمُنَّ بِهَا بَعَثْنَا فَتًى مِّنْ بَنَاتِ آلِ فِرْعَوْنَ لَيَلَةً وَقَالَ

۶۶

وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرعون والوں سے تمہیں نجات دی جن کا مال یہ تھا کہ تمہیں سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔ ۶۶

ہم نے موسیٰ کو تیس شب دو روز کے لیے (کو سینا پہاڑ) طلب کیا اور بعد میں دس دن کا اور اضافہ کر دیا، اس طرح اُس کے رب کی مقرر کردہ مدت پورے چالیس دن ہو گئی۔ اُس نے چلتے ہوئے اپنے

۶۶ سرے سے بچنے کے بعد جہتی اسرائیل کی علامت پابندیاں ختم ہو گئیں اور انہیں ایک خود مختار قوم کی حیثیت حاصل ہو گئی تو حکم خداوندی کے تحت حضرت موسیٰ کو سینا پہاڑ طلب کیے گئے تاکہ انہیں بنی اسرائیل کے لیے شریعت عطا فرمائی جائے۔ چنانچہ یہ طبعی جہاں کو کہاں ذکر کیا ہے، اس سلسلہ کی پہلی طبعی اہل اس کے لیے چالیس دن کی عبادت اس لیے مقرر کی گئی تھی کہ حضرت موسیٰ ایک پورا چار پانچ روز گزرا یہیں اور وہ دن سے لے کر کہ شب دو روز عبادت اور ذکر و دعا کر کے اور دل و دماغ کو کیسے کر کے اس قدر تھک کر اندر کرنے کی استعداد اپنے اندر پیدا کر لیا جہاں پر نازل کیا جانے والا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشاد کی تعمیل میں کوہ سینا جاتے وقت بنی اسرائیل کو اس مقام پر جمع ہوا تھا جو موجودہ نقشہ میں بنی صالح اور کوہ سینا کے درمیان ودی النضج کے نام سے موسوم ہے۔ اس ودی کا وہ حصہ جہاں بنی اسرائیل نے پہاڑ کیا تھا آج کل میدان اللہ کو کہتا ہے۔ ودی کے ایک سرے پر وہ پہاڑی واقع ہے جہاں مقامی رعایت کے بموجب حضرت صالح علیہ السلام ثور کے چلتے سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تھے۔ آج وہاں ان کی یادگاریں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ دوسری طرف ایک دھڑ پھاڑی جبل باند نامی ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کی گرامہ ہستی سے ناخوش ہو کر ہائیٹھے تھے۔ تیسری طرف سینا کا بلند پہاڑ ہے جس کا باہر کی حد اکثر اداوں سے ڈھکا رہتا ہے اور جس کی بلندی ۶۵۹ فٹ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک وہ کھوہ نیات کوہ عام بنی ہوئی ہے جہاں حضرت موسیٰ نے

مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
 سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۷۷﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِيُنْقِذَ أَخَاهُ
 رَبَّهُ قَالَ رَبِّ ارْنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرِنِي وَلَكِنْ
 انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرِنِي فَلَمَّا
 تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا
 أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنكَ بُنْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۸﴾
 قَالَ يُوسَىٰ إِنِّي أَخُطِفْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَ

بھائی ہارون سے کہا کہ میرے پیچھے تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ٹھیک کام کرتے دہناؤ
 بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چلنا۔ جب وہ عمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے
 رہنے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی کہ اے رب مجھے یا اسے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔
 فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ
 تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ اس کے رہنے پہاڑ پر تجلی کی اور اسے دیزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر
 گر پڑا جب ہوش آیا تو بولا پاک ہے تیری فات میں تیرے حضور تو برکرا ہوں اور سب پہلا ایمان
 لانے والا میں ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ! میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کیا کہ میری پیغمبری کرے
 چکا تھا۔ اس کے قریب مسلمانوں کی ایک مسجد میں انہوں کا ایک بڑا موجود ہے اور پہاڑ کے صحن میں دو کاغیز خوشین کے
 نشانہ کی ایک خانقاہ موجود ہے۔

۱۱ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ حضرت موسیٰ سے تین سال بڑے تھے لیکن کبار نبوت میں حرمت موسیٰ کے اعتد
 اور دغا رہے۔ ان کی نبوت قبل از نبی کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعوت کر کے ان کو اپنے دوزخ کی حیثیت سے اٹھا
 تھا مینا کہ تمہارا قرآن مجید میں تصریح بیان ہو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَرْوُوْا سَبِيْلَ الرَّشْدِ لَا يَخْذُوْهُ سَبِيْلًا وَّرٰنْ
يَرْوُوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَخْذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ لَهَا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۱۷

دلائل میں گئے، اگر سیدھا راستہ اُن کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نکلے
آئے تو اس پر چل پڑیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیں کو ٹھٹھا یا اور ان سے بے پروائی
کرتے رہے۔ ہماری نشانوں کو جس کسی نے ٹھٹھا یا اور انہوں کی نشانی کا انکار کیا اس کے سامنے اعمال
مٹ جائیں گے۔ کیا لوگ اس کے سوا کچھ اور چننا پا سکتے ہیں کہ جیسا کریں ویسا بھریں؟ ۷

۱۷ یعنی میرا قیام نہ صرف یہی ہے کہ ایسے لوگ کسی جہت تک میرے جہت اور کسی سنی آزمائش سے سنی حاصل
نہیں کرتے۔

”یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَرْوُوْا سَبِيْلَ الرَّشْدِ“ قرآن مجید اس میں میں استعمال کرتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھنے لگے اور
خدا کے احکام کی کچھ پروا نہ کرے، اور ایسا طریقہ عمل اختیار کرے کہ یا کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور نہ خدا کا بندہ ہے اور نہ خدا کا بندہ ہے اس طرح
کی کوئی حقیقت ایک چند غلط فہمیوں کے سوا نہیں ہے، کیونکہ خدا کی زمین میں رہتے ہوئے ایک بندے کو کسی طرح یہ حق پہنچا ہی نہیں کہ
چونکہ میں کہہ رہا ہوں اسی لیے فرمایا کہ وہ بغیر کسی حق کے زمین میں رہے جتنے ہیں۔

۱۷ نتائج ہو گئے، یعنی باز رہے ہوئے، بغیر غلطیوں کے۔ اس لیے کہ خدا کے ہاں غلطی ہی وہی اصل کے
بار بار ہونے کا اخصار اصل وہاں رہے۔ ایک یہ کہ وہ ہی وہی خدا کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو۔ دوسرے یہ کہ اس حق
میں میں دنیا کے بجائے آخرت کی کامیابی میں غرض نظر ہو یہ وہ شرطیں ہیں جو ہر آدمی کی ہاں لازماً جو اصل واقع ہو گا جس نے
خدا سے ہدایت لیے بغیر کچھ اس سے منہ موڑ کر یا غماز انداز پر دنیا میں کام کیا تھا اس پر یہ کہ وہ غلط کسی اجنبی کی توقع رکھنے لگے
طرح خدا نہیں رہ سکتا۔ اور جس نے سب کچھ دنیا ہی کے لیے کیا، اور آخرت کے لیے کچھ نہ کیا، کھلی بات ہے کہ آخرت میں اسے
کوئی شہر پانے کی امید نہ رکھی جائے اور کوئی رہائش نہیں کہ وہاں وہ کسی قسم کا شہر پائے۔ اگر میری منکر زمینوں کی کوئی شخص میرے نشان
کے غفلت نہ کر سکتا رہا ہے تو وہ مجھے سے مل جائے کہ میرا آخر کار کیا پانے کا حق دار ہو سکتا ہے؟ اور اگر اس زمینوں کے پانے کا صانع
جس کے نام میں اس نے سارا کام خود ہی اس واسطے کے ساتھ کیا ہو کہ جب تک اصل مالک اس کی عزت ہے جسے اس کا حق ہے

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجَلًا جَسَدًا آلَهُ
خَوَارِثًا تَمْشُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا
اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣٨﴾ وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ
رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ

موسیٰ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بھڑے کا پتلا بنایا جس میں
بیل کی سی آواز بجھتی تھی کیا انھیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بڑا ہے نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا
ہے، مگر پھر بھی انھوں نے اسے عبود بنایا اور وہ سنت ظالم تھے پھر جب ان کی قریب خودگی کا ظلم
ٹوٹ گیا اور انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ حقیقت وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ
فرمایا اور ہم سے دگر نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ اُدھر سے موسیٰ غصے اور ناراضی میں بھرا ہوا اپنی قوم کی

اسی وقت تک وہ اس سے فائدہ اٹھانے کا اندھا دک کے بغیر زمین و آسمان چلے جانے کے بعد وہ خود بھی کسی فائدے کا متوقع یا
طالب نہیں ہے، مگر آخر کیا وجہ ہے کہ اس غاصب کے اپنی زمین واپس لینے کے بعد زمین کی پیدائش میں سے کوئی حصہ غلامانہ لے لیا
لے لے یعنی اُن پائیس دلوں کے وعدان میں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افسرِ آسمانی کی لپی پر کھڑے بیٹا گئے ہوئے تھے اور
یہ قوم پہلا کے نیچے میٹھا لاکھ میں ٹھیری ہوئی تھی۔

۳۸۔ یہاں مصریت زدگی کا دوسرا اظہار تھا جسے چلے ہوئے بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے۔ مصر میں لاکھوں کی پشت پر
تقدیر کا جو واقعہ تھا اس سے یہ قوم اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوئی تھی کہ قرآن کتابے کا شیر ڈھاری ٹکڑے بھونچا اور
یعنی ان کے دلوں میں بھولیں کر رہ گیا تھا۔ یہ سب زیادہ حیرت کا مقام ہے کہ ابھی مصر سے نکلے ہوئے ان کو مصرت میں جینے ہی
گورے تھے، مگر اب کھٹنا، ذرا غلامانہ، بن لوگوں کا بیچ پر اس بد نظمی سے بھرا تھا جس کے ٹکڑے کی کوئی امید نہ تھی،
اور اس سلسلے کے دوسرے واقعات ابھی باطل تازہ تھے، اور انھیں خوب معلوم تھا کہ یہ جو کچھ انھیں مصر کی قدرت سے پہچان
کسی دوسرے کی طاقت و قدرت کا اس میں کچھ دخل نہ تھا، مگر اس پر بھی انھوں نے پہلے تو یہ سب سے ایک معنوی خطا طلب کیا، اور
پھر پھر کہ یہ سب تو ہی خود ایک معنوی خرابی اور غلامانہ رویہ نہ ہو سکتا ہے جس پر جس دنیا پر انھیں سوائے اس کے کوئی دیکھ نہ

غَضَبَانَ اَسْفًا قَالَ بِنُسْمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي
 اَعْمَلْتُمْ اَمْرًا رِيكًا وَالْقَى الْاُلُوْاحَ وَاَخَذَ بِرِاسِ اَخِيْهِ يَجْعَلُهٗ
 اِلَيْهٖ قَالَ ابْنَ اَمْرِ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِي وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنِي
 فَلَا تُشْمِتْ بِنِي الْاَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

طرف پلٹا۔ آتے ہی اس نے کہا بہت بُری جاہل بینی کی تم لوگوں نے میرے بعد کیا تم سے اتنا صبر نہ
 ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟ اور تھیں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے بال
 پکڑ کر اسے کھینچنا۔ ہارون نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا
 کہ مجھے مار ڈالتے پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ ملے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔

سے تشبیہ دی ہے جو اپنے شوہر کے سوا ہر دوسرے مرد سے دل نکالتی ہو اور جو شب اولاد ہی بے وفائی سے نہ جھوکی ہو۔

۱۵۔ یہاں قرآن مجید نے ایک بہت بڑا الزام سے نصرت ہارون کی برائت ثابت کی ہے جو یہودیوں نے
 زبردستی ان پر چسپاں کر رکھا تھا بائبل میں بھڑکے کی پرستش کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کو پہانے
 اتارنے میں دو بیٹی تریخی اسرائیل نے بے جا ہر جہر حضرت ہارون سے کہا کہ ہمارے لیے ایک مجھو بنا دو اور حضرت ہارون
 نے ان کی فرمائش کے مطابق سونے کا ایک بھڑا بنا دیا جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکار اٹھتے کہ اے اسرائیل! یہی تیرا وہ خدا
 ہے جو تجھے ملک مصر سے نکال کر لایا ہے۔ پھر حضرت ہارون نے اس کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور اعلان کر کے دوسرے
 روز تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور اس کے آگے قربانیاں چڑھائیں، خروج باب ۳۲- آیت ۱-۶۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات
 پر بصرمت اس غلط بیانی کی تردید کی گئی ہے اور حقیقت واقعہ بتاتی گئی ہے کہ اس جرم عظیم کا مرکز کب خدا کا نبی ہارون نہیں بلکہ
 خدا کا باغی سامری تھا۔

نظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل بن لوگوں کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں ان میں سے کسی کی میرٹ
 کو بھی انھوں نے داغدار کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور داغ بھی دیئے سخت ٹھکے ہیں جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم
 شمار ہوتے ہیں، مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغا بازی اور ایسے ہی دوسرے شدید ماضی جن سے آلودہ ہونا پیغمبر پر گنا
 ایک عمومی نوزن اور شریعت انسان کے لیے بھی سخت خراب گناہ ہے۔ یہ بات بھلے خود نہایت عجیب ہے لیکن بنی اسرائیل کی
 اخلاق تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کئی حقیقت اس قوم کے معاملہ میں ہے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ قوم جب

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا تَجْعَلْ لِي فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ
 أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝۱۵۱ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ
 غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ
 نَجْزِي الْمُفْتَدِينَ ۝۱۵۲ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن
 بَعْدِهَا وَآمَنُوا بِرَبِّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَنَنْفُخَنَّهُمْ فِي جَحِيمٍ ۝۱۵۳
 وَلَنَأْسُكَنَنَّ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخْذَ الْآلِ كَاسٍ وَفِي نُفُسِهِمُ الْهَرَاسَ

تب موسیٰ نے کہا "اے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما" تو
 صبح بڑھ کر رحیم ہے۔ (جواب میں ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے پھرے کو معبود بنایا وہ ضرور اپنے
 رب کے غضب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلیل ہوں گے جھوٹ گھڑنے والوں کو ہم
 ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اور جو لوگ بُرے عمل کوں پھر تو بہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس تو بہ و
 ایمان کے بعد تیرا رب دگر دگر اور رحم فرمانے والا ہے۔

پھر جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے وہ تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ہدایت اور

اخلاقی و مذہبی مضامین ہوتا تھا اور وہ اس سے گزر کر ان کے خواص تک کو حتیٰ کہ علماء و مشائخ اور دینی منصب و ادویٰ کو بھی گزریاں
 اور بد اخلاقیوں کا سیلاب بدلے گیا تو ان کے ہم خمیر نے اپنی اس حالت کے لیے عذرات توڑنے شروع کیے اور اسی سلسلہ میں
 انہوں نے وہ تمام جرائم جو یہ خود کرتے تھے، انہیں اہل علم و اسلام کی طرف منسوب کر ڈیئے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ جب نبی تک ان چیزوں
 سے بچ چکے تو بھلا اور کون ہی سکتا ہے اس معاملہ میں بدیوں کا حال ہندوؤں سے بہتر جلتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی جب
 اخلاقی و اصلاحی مسائل کا پہنچ گیا تو وہ لٹیر تیار ہوتا جس میں دریاؤں کی ریشیوں، مٹیوں اور دوتاؤں کی، غرض جو ہندوؤں کے آئینہ
 قوم کے سامنے ہو سکتے تھے ان سب کی زندگیاں بد اخلاقی کے تارکوں سے سیاہ کر ڈالی گئیں تاکہ یہ کہا جاسکے کہ جب ایسی ایسی
 عظیم الشان برائیاں جن کا قیاس ہی نہ ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم موسیٰ خانی انسان ان میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بد بھگتے ہیں، اور جب
 یہ افعال اتنے اونچے مرتبہ و اعلیٰ کے لیے بھی شرمناک نہیں ہیں تو ہمارے لیے کچھ نہ ہوں۔

رَحْمَةً لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۖ وَاخْتَارُوا مَوْسٰی قَوْمًا سَبْعِينَ
رَجُلًا لِّيُقَاتِلُوْا فَاَلَمْ يَخَذْلُوْهُمُ الرَّحْفَةُ ۚ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
اَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَلَا بَايَ اَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ
وَمَا اَنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ
تَشَاءُ ۚ اَنْتَ وَلِيْنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝۱۵۰

رحمت تھی اُن لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور اُس نے اپنی قوم کے مترادفوں کو منتخب کیا تاکہ وہ (اس کے ساتھ) ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر حاضر ہوں۔ جب ان لوگوں کو ایک سخت زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰ نے عرض کیا "اے میرے سرکار! آپ چاہتے تو پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر سکتے تھے۔ کیا آپ اس تصور میں جو ہم میں سے چند نادانوں نے کیا تھا ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ یہ تو آپ کی ذاتی موتی ایک آزمائش تھی جس کے ذریعے سے آپ جسے چاہتے ہیں مگر ابی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت بخش دیتے ہیں۔ ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں پس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ سب سے بڑھ کر معاف فرمانے والے ہیں۔

۱۵۰۔ اے موسیٰ اس طرح کے چاروں ہی قوم کے۔ مائندہ کہ سینہ بستی خداوندی میں حاضر ہو کر قوم کی طرف سے گواہی دینی کے جرم کی معافی مانگیں اور اس پر زحمت کا عہدہ سوار ہوں۔ بائبل اور تلمود میں اس بات کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ یہ ذکر ہے کہ جو تین سال حضرت موسیٰ نے چوینک کو توڑ دی تھیں ان کے بدلے دوسری تختیاں عطا کرنے کے لیے آپ کو سینا پر بلایا گیا تھا۔ (فروع۔ باب ۳۲)

۱۵۱۔ مطلب یہ ہے کہ ہر آزمائش کا موقع انسانوں کے درمیان فیصلہ کن ہوتا ہے۔ وہ چھاج کی طرح ایک غلط گروہ میں سے کارآمد آدمیوں اور ناکارہ آدمیوں کو ٹھیک کرانگ کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا عین مظہر ہے کہ اچھے مواقع وقتاً فوقتاً آتے ہیں۔ ان مواقع پر جو کامیابی کی ماہ پاتا ہے وہ آخری کی توفیق و رہنمائی سے پاتا ہے اور جو ناکام ہوتا ہے وہ اس توفیق و رہنمائی سے محروم ہونے کی بدولت ہی ناکام ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ کی طرف سے توفیق اور رہنمائی ملنے اور نہ ملنے کے لیے بھی ایک خاص طور سے جو سرور حکمت اور عدل پہنچتی ہے۔ لیکن ہر حال یہ حقیقت اپنی جاگزاہت ہے کہ آدمی کا آزمائش

وَاَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ اِنَّا هَدٰىكَ
 اِلَيْكَ قَال عَذَابِيْٓ اُصِيبُ بِمَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ
 شَيْءٍ فَسَاكُنْهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ
 بِاٰيٰتِنَا مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الَّذِيْ

اور ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی بھی لکھ دیجیے اور آخرت کی بھی، ہم نے آپ کی طرف رجوع
 کر لیا۔ ”جواب میں ارشاد ہوا ”سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی
 ہے۔ اور اُسے میں اُن لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور
 میری آیات پر ایمان لائیں گے۔“

(پس آج یہ رحمت اُن لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی اُنی کی پیروی اختیار کریں جس کا

کے مواقع پر کامیابی کی راہ پانا یا نہ پانا اللہ کی توفیق و ہدایت پر منحصر ہے۔

۱۱۱ یعنی اللہ تعالیٰ جس طریقہ پر خدا کی گراہ ہے اس میں صلہ و رحمت نہیں ہے جس میں کبھی کبھی رحم اور فضل کی نشان
 نوادہ ہو جاتی ہو، بلکہ اہل حیرت ہے جس پر سالانہ نظام عالم قائم ہے اور اس میں غضب صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب بندوں
 کا تردد سے فزوں ہو جائے

۱۱۲ حضرت موسیٰ کی دعا کا جواب اچھے کے فقرے پر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اب موقع کی مناسبت سے فوری نازل
 کو نیکو صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے۔ تقریر کا دعایہ ہے کہ تم پر خدا کی رحمت نازل ہونے کے لیے جو شرائط موسیٰ
 علیہ السلام کے زمانے میں مائدہ کی گئی تھیں وہی آج تک قائم ہیں اور وہ اصل یہ اسی شرائط کا تقاضا ہے کہ تم اس پیغمبر پر ایمان لاؤ۔
 تم سے کہا گیا تھا کہ خدا کی رحمت اُن لوگوں کا حصہ ہے جو نافرمانی سے پرہیز کریں۔ تو آج سب سے بڑی بنیادی نافرمانی یہ ہے کہ جس
 پیغمبر کو خدا نے امر کیا ہے اس کی دہنائی تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے۔ لہذا جب تک اس نافرمانی سے پرہیز نہ کرو گے توفیق کی
 جزئی سروسے سے قائم نہ ہو گی خواہ جزئیات و فروعات میں تم کتنا ہی توفیق بھی گھاسو۔ تم سے کہا گیا تھا کہ رحمت الہی سے
 حصہ پانے کے لیے زکوٰۃ بھی ایک شرط ہے۔ تو آج کسی اتفاق مال پر اس وقت تک زکوٰۃ کی تعریف و مصادیق نہیں آسکتی جب تک
 اقامت دین حق کی اُس مجدد کا ساتھ نہ دیا جائے جو اس پیغمبر کی قیادت میں ہو رہی ہے۔ لہذا جب تک اس راہ میں مال

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ
عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

دیکرائیں اپنے ہاں قرأت اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے،
بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان
پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھوتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

صرف دکر دے زکوٰۃ کی بنیادی استوار نہ ہوگی چاہے کتنی ہی خیرات اور نذر دینا کرتے رہو۔ تم سے کہا گیا تھا کہ اللہ نے اپنی
رحمت صرف ان لوگوں کے لیے لکھی ہے جو اس کی آیات پر ایمان لائیں۔ تو آج جو آیات اس پیغمبر پر نازل ہو رہی ہیں ان کا کھانا
کر کے تم کسی طرح بھی آیات الہی کے ماننے والے قرار نہیں پاسکتے۔ لہذا جب تک ان پر ایمان نہ لاؤ گے یہ آخری سزا بھی پوری
نہ ہوگی خواہ قرآن پر ایمان رکھنے کا تم کتابی دعویٰ کرتے رہو۔

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُچی کا لفظ بہت معنی خیز استعمال ہوا ہے۔ نبی، سربراہ، اپنے سوا دوسری قوموں کو
اُچی (Gentiles) کہتے تھے اور ان کا تو یہ غرور و کسی اُچی کی پیشوائی تسلیم کرنا تو درکنار اس پر بھی تیار نہ تھا کہ میری
کے لیے اپنے برابر انسانی حقوق ہی تسلیم کر لیں۔ چنانچہ قرآن ہی میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے یَسْخَرُونَكَ مِنْهُ وَيَخْتَفُونَ
ذُلًّا عَمَلُهُمْ۔ انہوں نے ہمارے مال مار کھائے ہیں ہم پر کوئی قحط زدہ نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کر کے فرماتا ہے
کہ اب تو اسی اُچی کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے، اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت سے حشر پاؤ گے ورنہ وہی غضب
تمہارے لیے نقد رہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آ رہے ہو۔

۱۱۳۔ مثال کے طور پر قرآن اور انجیل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق
صاف اشارات موجود ہیں: ۱۔ مستشار، باب ۱۸، آیت ۱۵ تا ۱۹، مکی، باب ۲۱، آیت ۳۳ تا ۳۶۔ ۲۔ یوحنا، باب ۱، آیت ۱۹ تا
۲۱۔ ۳۔ یوحنا، باب ۱۳، آیت ۱۵ تا ۱۷، آیت ۲۵ تا ۳۰۔ ۴۔ یوحنا، باب ۱۵، آیت ۲۵ تا ۲۶۔ ۵۔ یوحنا، باب ۱۶، آیت ۷ تا ۱۵۔

۱۱۴۔ یعنی جن پاک چیزوں کو انہوں نے حرام کر رکھا ہے، وہ انہیں حلال قرار دیتا ہے اور جن ناپاک چیزوں کو یہ لوگ
حلال کیے بیٹھے ہیں، انہیں وہ حرام قرار دیتا ہے۔

۱۱۵۔ یعنی ان کے فیصلوں نے اپنی قانونی مرٹگائیجوں سے ان کے روحانی مقتداؤں نے اپنے توجہ کے باطنوں سے
اور ان کے جاہل عوام نے اپنے قربات اور غور ساختہ حدود و ضوابط سے ان کی زندگی کو جن برصوں تلے دھار رکھا ہے اور جن بکربندوں

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ
مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۸﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِلَهُهُ
الْأَحَدُ هُوَ الْحَيُّ وَيُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأَمِينُ الَّذِي
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۹﴾ وَ
مِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٍ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۶۰﴾

لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اے محمد! کہو کہ تم نے انسانوں میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبیؐ پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہِ راست پا لو گے۔

موتی کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق ہی کے مطابق اٹھاتا تھا،

یہ کس دھماکے، پیغمبر و ماسدہ اور دیکھتا ہے اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیتا ہے

۱۵۸۔ اہل سلسلہ کلام بنی اسرائیل سے متعلق چل رہا تھا بیچ میں موقع کی مناسبت سے رسالت محمدی پر ایمان لانے کی دعوت بطور جدوجہد معترضہ ہو گئی۔ اب پھر قرآن کا رخ اسی معنوں کی طرف پھر رہا ہے جو پہلے کئی رکھوں سے بیان ہو چکا تھا۔
۱۵۹۔ پیشتر مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ عربی کی قوم میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کے مطابق ہدایت اور انصاف کرتا ہے، یعنی ان کے نزدیک اس آیت میں بنی اسرائیل کی وہ اخلاقی و دینی حالت بیان کی گئی ہے جو نزولِ قرآن کے وقت تھی۔ لیکن یہاں دساقیہ نظر کرتے ہوئے ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کا وہ حال بیان

مَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۹۰﴾
 وَاذْقِلْ لَهُمْ سُبُوٰاٰهٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
 وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَاَدْخُلُوا الْبَابَ مُجِبِّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئَتَكُمْ
 سَتَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

نہم کو بخشی ہیں۔ مگر اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا تو ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ آپ اپنے ہی اور ظلم کرتے رہے۔

یاد کرو وہ وقت جب ان سے کہا گیا تھا کہ اس بستی میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے اپنے حسب منشا روزی حاصل کرو اور حِطَّةً کہتے جاؤ اور شر کے دروازے میں بھڑپڑے ہوئے داخل ہو، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیک رویت رکھنے والوں کو مزید فضل سے نوازیں گے۔ مگر جو لوگ ان میں سے ظالم تھے انہوں نے اُس بات کو جو ان سے

کا بند بست نہ کیا جاتا تو یہ قوم جس کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی، اس علاقہ میں بھوک پیاس سے بالکل ختم ہو جاتی۔ آج بھی کوئی شخص وہاں جائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا کہ اگر میاں پندرہویں لاکھ آدمیوں کا ایک عظیم الشان قافلہ ایک آٹھیرے تو اس کے پھر پانی، خوراک اور سائے کا آخر کیا انتظام ہو سکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں بڑے جزیرہ نمائی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور آج اس بیسویں صدی میں بھی اگر کوئی سلطنت وہاں پہنچے لاکھ فوج لے جاتا چاہے تو اس کے ہتھوں کو رسد کے انتظام کی فکر میں دو دو سر لاق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے محققین نے جو ن کتاب کو ماتے ہیں اور نہ سمجھتے کہ تسلیم کرتے ہیں، یہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ کبھی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا کے اس حصہ سے گزرے ہوں گے جس کا ذکر بائبل اور قرآن میں ہوا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ شاید یہ واقعات فلسطین کے جزیری اور عرب کے شمالی حصہ میں پیش آئے ہوں گے۔ جزیرہ نمائے سینا کے طبعی اور معاشی جغرافیہ کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات کو بالکل نا قابل تصور سمجھتے ہیں کہ اتنی بڑی قوم یہاں برسوں ایک ایک جگہ ٹھہراؤ کرتی ہوئی گزر سکی تھی، خصوصاً جبکہ مصر کی طرف سے اس کی رسد کا راستہ بھی منقطع تھا اور دوسری طرف خدا اس جزیرہ نمائے مشرق اور شمال میں عہدہ کے قبیلے اس کی مزامت پر آمادہ تھے۔ ان امور کو پیش نظر رکھنے سے صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چند مختصر کتب میں اللہ تعالیٰ نے نبی امراء پر اپنے جہی احسانات کا ذکر فرمایا ہے وہ درحقیقت کتنے بڑے احسانات تھے اور اس کے بعد یہ کتنی بڑی احسان فرمائی تھی کہ اللہ کے فضل حکم کی ایسی صریح نشانیاں دیکھ لینے پر بھی یہ قوم مسلسل اُن نافرمانوں اور غداریوں کی مرتکب ہوتی رہی جن سے اس کی تائید بھری پڑی ہے۔

غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا
كَانُوا يَظْلُمُونَ ﴿٧٧﴾ وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقُرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً
الْبَحْرَ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ
سَبْتِهِمْ شُرَعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كُنَّا لَكُمْ

۷۷

دفعہ لازم

نقلاً

کسی گئی تھی بل ڈالنا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے ظلم کی پاداش میں ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا
اور ذرا ان سے اُس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انھیں یاد دلاؤ
واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت کے دن احکامِ الہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کچھیلیاں سبت
ہی کے دن ابھرا بھر کر سطحِ پُران کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں یہ اس لیے

(مقابل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ، حاشی ۷۷، ۷۸، ۷۹ و ۸۰)

۱۲۰ اب تاریخِ نبی اسرائیل کے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
ذکرہ بالا احکامات کا جواب یہ لوگ کسی کیسی بھڑانہ بے باکیوں کے ساتھ دیتے رہے اور پھر کس طرح مسلسل تباہی کے گڑھے
میں گرتے چلے گئے۔

۱۲۱ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ، حاشیہ ۷۷ و ۷۸۔

۱۲۲ متعین کا غالب میلان اس طرف ہے کہ یہ تمام یا بل یا اربلات یا اربوت تھاجس کی جگہ کج کل عقیدہ کا مشہور
بندہ لگا واقع ہے۔ اس کی جگہ وقوع جو قندرم کی اس شلخ کے انتہائی سرے پہے جو جزیرہ تھے سینا کے شرقی اہل عرب کے
مغربی ساحل کے درمیان ایک بلوئیلج کی صورت میں نظر آتی ہے۔ بنی اسرائیل کے زمانہ عروج میں یہ جزائر تھاجس کی مرکز تھا جس پر
سیلان نے اپنے بھر قندرم کے جنگی و تجارتی بیڑے کا صدر مقام اسی شہر کو بنایا تھا۔

جس واقعہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے اس کے متعلق یہودیوں کی کتب مقدسہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور من
تاویس بھی اس باب میں خاموش ہیں، مگر قرآن مجید میں جس انداز سے اس واقعہ کو یہاں سورۃ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے اس
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نزولی قرآن کے قندرم بنی اسرائیل بالعموم اس واقعہ سے خوب واقف تھے، لہذا یہ حقیقت ہے کہ قندرم
کے یہودیوں نے جو بنی علیٰ اندہ مادہ سلم کی مخالفت کا کرتی توقع ہاتھ سے نہیں دیتے تھے قرآن کے اس بیان پر قطعاً کوئی اعتراض
نہیں کیا۔

النصف نَبَلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۳﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَةٌ مِّنْهُمْ لَمَّا
تَعْطُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا
قَالُوا مَعْذِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَسْفُونَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا آسَوْا مَا
ذَكَرُوا بِآيَةِ الْبُحَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْشُّعْرِ وَأَخَذُوا

ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ اور انھیں یہ بھی
یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت
کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ
سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ
لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔ آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو
انھیں یاد دلائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو پچایا جو بُرائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو

۱۳ سب سے نفرت کے دن کو کہتے ہیں۔ یہ دن بنی اسرائیل کے لیے مقدس قرار دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے
اور اولاد اسرائیل کے درمیان پشت دہشت تک دائمی جدگشتان قرار دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا
جاسکے، محروم میں ہنگام نہ جلائی جائے، جانوروں اور لونڈی غلاموں تک سے کوئی خدمت نہ لی جائے اور نہ ہی جو شخص اس
ضابطہ کی خلاف ورزی کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن بنی اسرائیل نے آگے چل کر اس قانون کی علانیہ خلاف ورزی شروع
کر دی۔ یہ یہاں بنی کے زمانہ میں (جو ۱۳۰۰ اور ۱۳۵۰ قبل مسیح کے درمیان گزرتے ہیں) خاص طور پر شلم کے پانچوں سے لوگ بہت
کے دن مال باجے لے کر گزرتے تھے۔ اس پر بنی جو صرف نے خدا کی طرف سے یہودیوں کو دھکی دی کہ اگر تم لوگ شریعت
کی اس حکم مکمل خلاف ورزی سے باز نہ آئے تو یہود شلم مذہباً قتل کر دیا جائے گا (یہاں ۱۶: ۲۱-۲۲)۔ اسی کی شکایت
عزرائیل بنی بھی کرتے ہیں جن کا دور ۵۹۷ اور ۵۸۶ قبل مسیح کے درمیان گزرا ہے۔ چنانچہ ان کی کتاب میں بہت کی ہے جو عزرائیل
یہودیوں کے قومی جرائم میں سے ایک بڑا جرم قرار دیا گیا ہے (عزرائیل ۲۰: ۱۲-۲۳)۔ ان حوالوں سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے
کہ قرآن مجید یہاں جس واقعہ کا ذکر کر رہا ہے وہ بھی غالباً اسی واقعہ کا واقعہ ہوگا۔

۱۴ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کے لیے جو طریقہ اختیار فرماتا ہے اس میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب

وَأَنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمْ
الضَّالِّحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ
وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ
وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ
سَيَغْفِرَ لَنَا ۖ وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهَا يَأْخُذُوهَا

اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔

ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگ ان میں
نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔ اور ہم ان کو اچھے اور بُرے حالات سے آزمائش میں مُبْتَلَا
کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناعلم لوگ ان کے جانشین
ہوئے جو کتاب الہی کے وارث ہو کر اسی دنیا سے دُنی کے فائدے سیٹے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ
قرع ہے ہمیں معاف کر دیا جائے گا، اور اگر وہی مثلہ دنیا پھر سامنے آتی ہے تو پھر ایک کر اسے لے لیتے ہیں۔

۱۶۸ یتیم بنی اسرائیل کو تقریباً آٹھویں صدی قبل مسیح سے مسلسل کی جارہی تھی۔ چنانچہ یہودیوں کے جوہر کتب

مقدس میں یہودیہ اور یہود اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابیں اسی یتیم پر مشتمل ہیں۔ پھر یہی یتیم مسیح علیہ السلام نے
انجیل کی جیسا کہ انجیل میں ان کی متعدد تقریروں سے ظاہر ہے۔ آخر میں قرآن نے اس کی توثیق کی۔ اب یہ بات قرآن اور اس
پہلے صحیفوں کی صداقت پر ایک بین شہادت ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جہاں
یہودی قوم دنیا میں کہیں نہ کہیں ہندوئی اور پالمین کی جاتی رہی ہو۔

۱۶۹ نیکو کہہ رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ گناہ ہے مگر اس بھروسے پر اس کا اذکار کہہ رہے ہیں کہ یہی تو کسی کیسی طرح بخشش

ہو رہی ہے کہ یہی گناہ ہم خدا کے چہیتے ہیں اور خواہ ہم کچھ ہی کوسں ہر حال ہماری مغفرت ہوئی ضروری ہے۔ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے
کہ گناہ کرنے کے بعد وہ شر مندہ ہوتے ہیں نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں بلکہ جب پھر ویسے ہی گناہ کا موقع سامنے آتا ہے تو پھر اس میں مبتلا ہو جاتے
ہیں۔ بد نصیب لوگ! اُس کتاب کے وارث ہوئے جو ان کو دنیا کا امام بنانے والی تھی، مگر ان کی کم ظرفی اور پست خیالی نے اس
نعمتِ کبریٰ کو ان کے دینا کی صلاح حقیر کرنے سے زیادہ بلند کی چیز کا معاملہ بنایا اور بجاتے اس کے کہ دنیا میں عدل و راستی کے

أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ
 إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَاللَّذَانِ الْأَخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ
 يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ
 وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۴﴾ وَإِذْ
 نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ

کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو، اور یہ خود پہلے
 کچھ ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔ آخرت کی قیام گاہ تو خدا ترس لوگوں کے لیے ہی بہتر ہے، کیا تم اتنی
 سی بات نہیں سمجھتے، جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں اور جنہوں نے نماز قائم رکھی ہے، یقیناً ایسے
 نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔ انہیں وہ وقت بھی کھد یاد ہے جبکہ ہم نے پیارا کر
 ہلا کر ان پر اس طرح چھا دیا تھا کہ گویا وہ چھتری ہے اور یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر آپڑے گا اور اس وقت
 طہر داماد وغیرہ ملاح کے رہتا جتھے، صحن دینا کے تحت ہی کر رہے تھے۔

۱۳۔ یعنی یہ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں کہیں بھی نبی مرسل کے لیے نجات کے غیر شرط و علم والے کا ذکر نہیں ہے۔
 خدا نے کہیں ان سے یہ کہا وہ ان کے پیروں نے کہیں ان کو یہ طینان وہ یا کہ تم جو جاہلوں کہتے ہو ہر حال تمہاری منفعت خدو
 ہوگی پھر انہیں کیا حق ہے کہ خدا کی طرف وہ بات منسوب کریں جو خدا نے کہیں نہیں کی ہلا کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ
 خدا کے نام سے کوئی بات غلط نہ کہیں گے۔

۱۴۔ اس آیت کے دو ترجمہ ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ہم نے حق میں اختیار کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ خدا ترس
 لوگوں کے لیے تو آخرت کی قیام گاہ ہی بہتر ہے۔ پہلے ترجمہ کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مغفرت کسی کا ذاتی یا خاندانی ہمار
 نہیں ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ تم کام تو وہ کہو جو سزا دینے کے لائق ہوں مگر تمہیں آخرت میں جگہ مل جائے گی یعنی
 اس لیے کہ تم یہودی یا اسرائیلی ہو۔ اگر تم میں کچھ بھی عقل موجود ہے تو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ آخرت میں اچھا مقام صرف انہی لوگوں کو
 مل سکتا ہے جو دنیا میں خدا ترسی کے ساتھ کام کریں۔ دوسرا ترجمہ تو اس کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ دنیا اور اس کے فائدوں
 کو آخرت پر ترجیح دینا تو صرف حق لوگوں کا کام ہے جو خدا ترس ہوں، خدا ترس لوگ تو ان دنیا کی مصلحتوں پر آخرت کی مصلحت

خُذْ وَاٰمٰنَتَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷﴾
 وَاِذَا خَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَنْتُمْ
 اَشْهَدُهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ؕ شَهِدْنَا ؕ تَتْلُوْا

ہم نے ان سے کہا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ پھاؤ اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو، توقع ہے کہ تم غلط روئی سے بچے رہو گے۔

اور اے نبی! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ

کہ اور دنیا کے پیش پر آخرت کی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۷؎ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جو موسیٰ علیہ السلام کو شراوت نامہ کی نیکیوں و محبتوں کے جانے کے موقع پر کو سینا کے دامن میں پیش کیا تھا۔ بائبل میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

اور موسیٰ لوگوں کو خیر گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملنے اور وہ پہاڑ کے نیچے آ کر کھڑے ہوئے اور کو سینا اور سے نیچے تک دھڑکیں سے بھر گئی کہ یہ نہ خداوند شہدوں ہو کہ اس پہاڑ اور وہاں تیرے کے دھڑکیں کی طرح دھڑکے گا۔ خداوند خدا اور وہاں پہاڑ اور وہاں سے مل رہا تھا۔ (خروج ۱۹: ۱۶-۱۸)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کتب کی پابندی کا عہد لیا اور عہد لیتے ہوئے خارج میں ان پر ایسا ماحول طاری کر دیا جس سے انہیں خدا کے ہلالی اور اس کی عظمت و برتری اور اس کے عہد کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو اور وہ اس شہنشاہ کائنات کے ساتھ میثاق استوار کرنے کو کوئی معمولی ہی بات نہ سمجھیں۔ اس سے یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ میثاق باطل پر بنا دہہ تھے اور انہیں زبردستی خوف زدہ کر کے اس پر آمادہ کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سب اہل ایمان تھے اور ان میں کہہ میں میثاق باندھے ہی کے لیے گئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے معمولی طور پر ان سے عہد قرار لینے کے بجائے مناسب جانا کہ اس عہد قرار کی اہمیت ان کو بھی طرح مخصوص کر دی جائے تاکہ اقرار کرتے وقت انہیں یہ احساس رہے کہ وہ کس قدر مطلقاً ہر حق پر اقرار کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ بدعہدی کرنے کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل سے خطاب ختم ہو جاتا ہے اور بعد کے دیکھوں میں تقریر کا رخ عام انسانوں کی طرف ہوتا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ دوئے سخن ان لوگوں کی جانب ہے جو خداوند تعالیٰ کے ساتھ عہدوں کے طالب تھے۔

۱۳۳ھ اوپر کہ سلسلہ بیان اس بات پر ختم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بندگی و اطاعت کا عہد لیا تھا۔ اب عام انسانوں کی طرف خطاب کر کے انھیں بتایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، حقیقت، تم سب اپنے خالق کے ساتھ ایک میناق میں بندے ہوئے ہو اور تمہیں ایک عہدِ عظیم دی گئی ہے کہ تم نے اس میناق کی کہاں تک پابندی کی۔

۱۳۴ھ جیسا کہ متعدد حادثات سے معلوم ہوتا ہے یہ معاملہ عقلمندانہ آدم کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسانِ ناول کو سجدہ کروایا گیا تھا اسی طرح آدم کی مخالفت کا اعلان کیا گیا تھا۔ اسی طرح پوری نسلِ آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے ایک وقت دہرہ دہرہ پر امتحان کر کے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ذی بن کبش نے غائب بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

”اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انھیں انسانی صورت دے کر گویائی کی طاقت عطا کی، پھر ان سے عہدِ میناق لیا اور انہیں آپ اپنے اوپر گواہ بنا لئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں، انھوں نے عرض کیا فرود آپ ہمارے رب ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ بنائے گا، میرا تاہل تاکہ تم قیامت کے روز یہ ذکر کرو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی سبقتی عبادت نہیں کرتا اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو یہ عہدِ میناق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو، یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں لکھی جائیں گی۔

اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم کو یہ آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے سجدہ ہیں، آپ کے سوا ذکوئی ہمارا رب ہے ذکوئی ممنود۔“

اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محض کہتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ وہ اصل یہاں قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ انسانی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے، اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک واقعہ جو عالمِ خارجہ میں پیش آیا۔ لیکن ہم اس تلمیذ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اسے باطل ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہی اشارہ ہوتا ہے کہ قیامت کے روز بنی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہدِ اقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔ لہذا ذکوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل ایسی طرح پیش آیا جتنا جس طرح عالمِ خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع اُن تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، ایک وقت زندگی اور خود راہِ گویائی عطا کر کے اپنے سامنے حاضر کیا تھا، اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے ہمہی طرح آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا کوئی رب اور کوئی الٰہ اُس کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے سوا نہیں ہے اور ان کے لیے کوئی صحیح طریقہ زندگی اُس کی زندگی و فرماں برداری و اسلام کے سوا نہیں ہے۔ اس اجتماع کو اگر کوئی شخص عینِ اذعان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے اور نہ حقیقت میں توسلِ انسانی کی موجودہ

أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿۱۱۰﴾ أَوْ
تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ
بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذَلِكَ

کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے، یا یہ نہ کہنے لگو کہ شرک
کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے
پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا۔ دیکھو، اس طرح

تم بھی یہ پیش بینی قریب انساں ہے، اتنی ہی ازل میں ان کا جوئی غمراہ اور اہل ان کا جوئی حشر و نشر بھی قریب انساں
ہے۔ پھر وہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل و شعور اور صاحب تصرف و اختیارات مخلوق کو
زمین پر ہمیشہ غیظ و مرہم کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہ ہی ہٹھے اس اس سے اپنی وفاداری کا اقرار
(Oath of allegiance) سے اس معاملہ کا پیش آنا قابلِ تعجب نہیں، البتہ اگر یہ پیش نہ آتا تو حیرت انگیز
تجربہ ہوتا۔

۱۱۰۔ اس آیت میں دو مضمون بیان کی گئی ہے جس کے لیے ازل میں ہماری ذہنی آدم سے اقرار لیا گیا تھا۔ اور وہ
یہ ہے کہ انسان اس سے جو گناہ اپنے خدا سے بغاوت اختیار کوں وہ اپنے اس جرم کے ہماری طرح ذمہ دار قرار پائیں۔
انہیں اپنی غنالی میں نہ تو فاعلی کا عندیہ پیش کرنے کا موقع ملے اور نہ ساقی نسلوں کو اپنی گمراہی کی ذمہ داری مثال کر خود ہی ہلاک
ہو سکیں۔ مگر یا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس انہی حدود و مشاق کی اس بات کو مدلل قرار دیتا ہے کہ نوع انسانی میں سے ہر شخص
بغیر انہی طور پر اللہ کے لڑا و لڑا و مدینہ عا دہ جوئے کی ضمانت اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور اس بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ
کوئی شخص کال بے خبری کے بجائے یا ایک گمراہ اہل میں پھنس پانے کے سبب اپنی گمراہی کی ذمہ داری سے
بالکل بری ہو سکتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انہی مشاق فی الواقع حمل میں آیا بھی تھا تو کیا اس کی یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں
منظوم ہے، کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی جانتا ہے کہ کتنا کفر و شر میں وہ اپنے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس سے
اسٹ پر کچھ سوال ہوا تھا اور اس نے بھی کیا تھا؟ اگر نہیں تو پھر اس اقرار کو جس کی یاد ہمارے شعور و حافظہ سے عموماً چلی
ہے ہمارے غفلت و بھٹ کے قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس پیشانی کا نقش انسان کے شعور و حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا کی

موجودہ امتحان گاہ میں پہنچا جاتا ہے۔ اس سے فعلی ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد پھر اس آزمائش و امتحان کے کوئی معنی باقی نہ رہ جاتا۔
 انکس انکس کو شعور و عافیت میں تو تازہ نہیں رکھا گیا، لیکن وہ تحت اشعور (sub-conscious mind) اور بطن (Intuition) میں بقیہ محفوظ ہے۔ اس کا حال یہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت اشعوری اور وہابی علوم کا حال ہے۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و معاشیات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک ہر کچھ بھی غور میں آیا ہے و سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوہ (Potentially) موجود تھا۔ خارجی حرکات اور داخلی تحریکات نے بل بل کر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ کچھ بالقوہ تھا اسے بافضل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم کوئی تربیت کوئی ماحولی تاثیر کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی جو اس کے اندر بالقوہ موجود نہ ہو، ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اسی طرح یہ سب اثرات اگر اپنا تمام زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے جو انسان کے اندر بالقوہ موجود ہیں، کسی چیز کو قطعی طور پر زیادہ سے زیادہ ہو کچھ وہ کر سکے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اسے اہل فطرت سے مخرف (Pervest) کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام قرینات و تفسیلات کے باوجود اندر موجود رہے گی، غور میں آنے کے لیے اندر لگائی رہے گی، اور خارجی دلیل کا ہر باب دینے کے لیے مستعد ہے گی۔ یہ معاملہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، ہمارے تمام تحت اشعوری اور وہابی علوم کے ساتھ عام ہے:

وہ سب ہمارے اندر بالقوہ موجود ہیں، اور ان کے موجود ہونے کا تقینی ثبوت ان چیزوں سے نہیں ملتا ہے جو باطن ہم سے ظاہر ہوتی ہیں۔

اتن سب کو غور میں آنے کے لیے خارجی تذکیر (یاد دہانی)، تعلیم تربیت اور تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ ہم سے ظاہر ہوتا ہے اور کچھ حقیقت خارجی اپیل کا جواب ہے جو ہمارے اندر کی بالقوہ موجودات کی طرف سے ملتا ہے۔
 اتن سب کو اندر کی غلط خرابشات اور باہر کی غلط تاثیرات دبا کر پدہ ڈال کر اشعور اور سمع کرنے کا عدم کر سکتی ہیں مگر مکمل معدوم نہیں کر سکتیں اور اسی لیے اندرونی احساس اور بیرونی سعی دونوں سے اصلاح اور تبدیلی (Conversion) ممکن ہوتی ہے۔

ٹیک ٹیک یہی کیفیت اس وجہ سے کہ اس میں کئی بھی ہے جو میں کائنات میں اپنی حقیقی حیثیت اور غائی کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں حاصل ہے:

اس کے موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر فرد میں، زمین کے ہر خط میں، ہر بستی، ہر پشت اور ہر نسل میں ابھرتا رہا ہے اور کبھی دنیا کی کوئی طاقت اسے ٹھوکر دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔

اس کے مطابق حقیقت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ اصرار یا فضل پاری زندگی میں کارفرما ہوتا ہے اس نے صالح اور فساد نتائج ہی پیدا کیے ہیں۔

اس کو ابھرنے اور غور میں آنے اور عملی صورت اختیار کرنے کے لیے ایک خارجی اپیل کی، ہمیشہ ضرورت رہی ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی اور ان کی پیروی کرنے والے ماحولان حق سے کبھی سب یہی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْبَيِّنَاتِ فَأَنْسَلَ مِنْهَا فَاكْبَعَهُ
الشَّيْطَانُ فَلَكَانَ مِنَ الْغَوِينَ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا
وَلَسَكُنَّا أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ
كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ
يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِالْبَيِّنَاتِ

اوسے محمدؐ ان کے سامنے اُس شخص کا حال بیان کر دیا جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے بچل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھیگنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے اُن آیتوں کے ذریعہ سے بندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے چلا رہا، لہذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان نکالے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

۱۳۷۷ یعنی بنیاد و اخراجات کی روش چھوڑ کر زندگی کا طاعت کے رویہ کی طرف واپس ہوں۔

۱۳۷۸ ان الفاظ سے ایسا عزم ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی حسین شخص ہو گا جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی یہ انتہائی اخلاقی بندی ہے کہ وہ جب کسی کسی کی کمائی کو مثال میں پیش کرتے ہیں تو باعوم اس کے نام کی تصریح نہیں کرتے بلکہ اس کی شخصیت پر وہ مثال کو صرف اس کی ہی مثال کا ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس کی رسائی کے بغیر اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ اسی لیے نہ قرآن میں بتایا گیا ہے لہذا کسی صحیح حدیث میں کہ وہ شخص جس کی مثال یہاں پیش کی گئی ہے، مگر نہ تھا۔ مفسرین نے عدد رسالت اللہ اس سے پہلے کی تاریخ کے مختلف اشخاص پر اس مثال کو چسپا کیا ہے۔ کوئی بلعم بن باعور کا نام لیتا ہے کوئی یثیر بن ابی القلت کا اور کوئی مصفیٰ بن ابی اللہ جب کا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خاص شخص تو ہر دو میں سے جو اس مثال میں پیش نظر تھا، البتہ یہ مثال ہر اس شخص چسپاں ہوتی ہے جو اس وقت پائی جاتی ہو۔

۱۳۷۹ ان دو مختصر فقرہ میں جو اہم معنوں ارشاد ہوا ہے جسے ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھ دینا چاہیے۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدَىٰ وَمَنْ يُضِلِّ فَاولِيكَ هُمُ
الضَّالُّونَ ﴿١٤٨﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ
بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٤٩﴾

جسے اللہ ہدایت بخشنے پس وہی راہِ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کرے وہ ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے، ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔

چائے میں شعلہ بہتا ہے۔ پس تشبیہ کا مدعا یہ ہے کہ دنیا بہت آدمی جب علمِ اعلیٰ بیان کی ترقی دیکھ کر ہمت سے ہلاکت سے محروم کی آدمی خواہشات کے ہاتھ میں لپی باگیں دے دیتا ہے تو پھر کتے کی حالت کو پہنچے بغیر نہیں رہتا، ہم تن پیٹ لودہ متن شرابہ۔

﴿۱۴۸﴾ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے ان کو پیدا ہی اس غرض کے لیے کیا تھا کہ وہ جہنم میں جائیں لہذا ان کو وجود میں لاتے وقت ہی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ انہیں دوزخ کا اندھن بنانا ہے بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا تھا دل، دماغ، آنکھیں اور کان دے کر مگر غفلتوں نے ان سے کوئی کام نہ لیا اور اپنی غفلت کا ریل کی بدولت آخر کار جہنم کا اندھن بن کر رہے۔ اس معنی کو ادا کرنے کے لیے وہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جو انسانی زبان میں مبتدائی ہنسوس اور حسرت کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ماں کے متعدد بچے جہاں بچے لڑائی میں ہمارے تھوڑا جملہ ہو گئے ہوں تو وہ لوگوں سے کہتی ہے کہ میں نے انہیں اس لیے پال دیے کہ وہ بڑا کیا تھا کہ وہ بچے اور ماں کے کھیل میں شہم ہو جائیں۔ اس قول سے اس کا مدعا یہ نہیں ہوتا کہ واقعی اس کے ہاتھ پر سنے کی غرض ہی تھی بلکہ اس حسرت بھرے انداز میں دراصل وہ کہنا چاہتی ہے کہ میں نے تو اتنی محنتوں سے اپنا خون بکھریا کہ ان بچوں کو بالآخر غفلان لڑنے والے فرادیوں سے

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِهِ�ْ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام دیکھنے میں راستی سے مغرور ہو جاتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا بدلہ وہ پا کر پھینک دیں گے۔

کچھ کیریئر محنت اور قربانی کے ثمرات میں خاک میں مل کر رہے۔

۱۸۰ اب تقریباً اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے اس لیے فاتحہ کلام پر ہیئت اصطلاحات کے بدلے اے انداز میں لوگوں کو ان کی چند نمایاں ترین گزشتہ کی یاد دہانی ہے اور ساتھ ہی پیغمبر کی دعوت کے مقابلہ میں انکار و دستبردار کا جو ردیہ انھوں نے اختیار کر دکھا تھا اس کی غلطی بھارتے ہوئے اس کے ٹرے انتہا سے انھیں خبردار کیا جا رہا ہے۔

۱۸۱ انسان اپنی زبان میں شیاء کے جن نام رکھتا ہے وہ دراصل اس تصور پر مبنی ہوتے ہیں جو اس کے ذہن میں ان شیاء کے متعلق بڑا کرتا ہے۔ تصور کا نقص نام کے نقص کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ نام کا نقص تصور کے نقص پر دلالت کرتا ہے۔ پھر شیاء کے ساتھ انسان کا تعلق اور معاملہ بھی لازماً اسی تصور پر ہی مبنی ہوا کرتا ہے جو وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق رکھتا ہے۔ تصور کی غرابی تعلق کی غرابی میں رد ہوا ہوتی ہے اور تصور کی صحت و درستی تعلق کی صحت و درستگی میں نمایاں ہو کر رہتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح دنیا کی تمام چیزوں کے معاملہ میں صحیح ہے اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ اللہ کے لیے نام افراد وہ اسماء ذات ہوں یا اسماء صفات (تجزیہ کرنے میں انسان جو غلطی بھی کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی ذات و صفات کے متعلق اس کے عقیدے کی غلطی یا کتبہ ہوتی ہے۔ پھر خود کے متعلق اپنے تصور و عقائد میں انسان جتنی بھی غلطی کرتا ہے اتنی ہی اللہ و وحی کی غلطی اس سے اپنی زندگی کے پورے اخلاقی رویہ کی تشکیل میں بھی سرزد ہوتی ہے کیونکہ انسان کے اخلاقی رویہ کی تشکیل تمام تر منحصر ہے اس تصور پر جو اس نے خدا کے بارے میں اور خدا کے ساتھ اپنے ادراکات کے تعلق کے بارے میں قائم کیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خدا کے نام دیکھنے میں غلطی کرنے سے بچو، خدا کے لیے اچھے نام ہی موزوں ہیں، اور اسے انہی ناموں سے یاد کرنا چاہیے، اس کے نام جو تجھ کو دے میں اللہ کا نام بہت بڑا ہے

۱۸۲ اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن سے خدای کی عظمت بڑھتی ہے، اس کے تقدس اور پاکیزگی، اور اس کی صفات کمالیہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ کے معنی میں واسطے سے مرث جانا، امید سے ٹکڑے سے مغرور ہو جانا، تیر جب شک نشا سے پرہیز کرنے بجائے کسی دوسری طرف جا گنا ہے تو عربی میں کہتے ہیں اَلْحَدُ الْاِسْمُ الْاِحْدُت یعنی تیر نے نشا سے الگ کر دیا۔ خدا کے نام دیکھنے میں اللہ ایسے کہ خدا کا ایسے نام دیے جائیں جو اس کے مرتبے سے فرزد ہوں، جو اس کے ادب کے معانی میں ہوں سے مرث ہو، اور تقاضا اس کی طرف منسوب ہو تے ہیں، یا جن سے اس کی ذات و اقدس و اعلیٰ کے متعلق کسی غلط عقیدے کا اظہار

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨٤﴾
وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿١٨٥﴾ وَأَمَلِي لَهُمُ طَائِفَةٌ لَّا تَكِيدُ لِلْغَافِلِينَ ﴿١٨٦﴾
يَتَفَكَّرُونَ ۖ لَّابِصَرٌ لَهُمْ مِّنْ جَنَّةٍ إِنَّ هُوَ لَا نُذِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٨٧﴾
أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ
اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ

ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے، تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ میں ان کو ٹھیل دے رہا ہوں، میری چال کا کوئی تور نہیں ہے۔

اور کیا ان لوگوں نے کبھی سوچا نہیں؟ ان کے رفیق پر جہنم کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ تو ایک خبردار ہے جو بڑا انجام سامنے آنے سے پہلے صاف صاف متنبہ کر رہا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے انہیں کھول کر نہیں دیکھا؟ اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کی مملکت زندگی پوری ہونے کا وقت رہتا ہو۔ نیز یہ بھی غلامی ہے کہ غلو قات میں سے کسی کے لیے ایسا نام رکھا جائے جو موت غلامی کے لیے موندل ہو جھوٹا فرمایا کہ افر کے نام رکھیں جو لوگ، افر کہتے ہیں ان کو جھٹلادے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ میری طرح جہان سے نہیں سمجھتے تو ان کی جگہ جیٹوں میں تم کو لینے کی کوئی ضرورت نہیں، اپنی گمراہی کا انجام وہ خود دیکھیں گے۔

۱۸۴۔ ربتی سے مراد مطلق اور مطلقہ ہیں۔ آپ انہی لوگوں میں پیدا ہوئے، انہی کے درمیان سے بے بیچے سے جہان احوال سے بڑھے ہوئے۔ نبوت سے پہلے ماری قوم آپ کو ایک نہایت سلیم الطبع و صمیم القلب آدمی کی مشیت

أَجَاهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدُ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا
 هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۸۹﴾ يَسْأَلُونَكَ
 عَنِ السَّلَوةِ أَتَلَا نُمْرَسَهَا قُلْ إِنَّمَا عَلَّمْتُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا
 يُحِيلُهَا لَوْ قُتِلَ إِلَّا هُوَ تَقُلْتُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَقَدْ نَزَّلَ
 لَا تَأْتِيَكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْتَلُونَكُمْ كَأَنَّكَ خَفِئٌ عَنْهَا قُلْ
 إِنَّمَا عَلَّمْتُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾

قریب آگاہ ہو، پھر آخر پیغمبر کی اس تنبیہ کے بعد اور کون سی بات ایسی ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان
 لائیں۔ جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کر دے اس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے اور اللہ انہیں
 ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے دیتا ہے۔

یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب نازل ہوگی؟ کو تو اس کا علم میرے
 رب ہی کے پاس ہے۔ اُسے اپنے وقت پہ وہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت
 وقت ہوگا۔ وہ تم پر پانا تک آجائے گا۔ یہ لوگ اس کے تعلق تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تم اس کی
 کھوج میں لگے ہو۔ مگر کو تو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

سے جاتی تھی۔ نبوت کے بعد جب آپ نے خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو پاک آپ کو جنوں کہنے لگی۔ ظاہر ہے کہ یہ کم جنوں
 ان باتوں پر تھا جو آپ نبی ہونے سے پہلے کہتے تھے۔ بلکہ صحت، نبی باتوں پہ لگا یا جارا تھا جن کے آپ نے نبی ہونے کے بعد تبلیغ
 شروع کی۔ اسی وجہ سے فرمایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی سوچا بھی ہے، انہوں نے باتوں میں سے کون سی بات جنوں کی ہے، لیکن
 بات سب کے سب اہل ذہن و عقل ہے، اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے، یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی متحرک کرنا دیکھتے
 تو ان میں خود معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید و تردید کے اثبات، ہند کی مذہب کی دعوت اور انسان کی ذمہ داری اور صاحب دہی کے
 ہاتھ میں جو کچھ ان کا بھائی یا نہیں بھائی ہے اس کی صداقت پر یہ نظام کائنات اور خلق اللہ کا وہ ذہن شہادت دے رہا ہے۔

۱۰۳۷ یعنی نادان انسان بھی نہیں سوچے کہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، کچھ خبریں کو کہ کس کی اجل آتی ہوگی

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿٨٦﴾
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا
 يَعْلَمُونَ ﴿٨٧﴾ وَأَمَلِي لَهُمْ مُّزَانٌ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٨٨﴾ أَوَلَمْ
 يَتَفَكَّرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا مِن جَنَّاتٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٨٩﴾
 أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ
 ٱللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَءَن عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ

ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے، تو انہیں ہم ہدایت ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، میری چال کا کوئی تور نہیں ہے۔

اور کیا ان لوگوں نے کبھی سوچا نہیں؟ ان کے رفیق پر جنوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ تو ایک خبردار ہے جو بڑا انتہام سامنے آنے سے پہلے اسات صاف متنبہ کر رہا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے انکھیں کھولی کر نہیں دیکھا؟ اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کی مملکت زندگی پوری ہوئے گا وقت ہوتا اور نیز یہ بھی ظاہری ہے کہ مخلوقات میں سے کسی کے لیے ایسا نام رکھا جائے جو صرف خلائی کے لیے نونوں پر چھوڑ دیا کر خدا کے نام رکھنے میں جو لوگ خدا کو تھیں ان کو چھوڑ دو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ میری طرح بھانے سے نہیں سمجھتے تو ان کی کاکھٹوں میں تم کو لٹھنے کی کوئی صورت نہیں، اپنی گمراہی کا انتہام وہ خود دیکھیں گے۔

۱۴۳۳ھ ہجری میں مراد محمد علی اعظم علیہ السلام میں۔ آپ انہی لوگوں میں پیدا ہوئے تھے ماضی کے درمیان سے بے مہجے سے جہان اور جہان سے اترے ہوئے۔ نبوت سے پہلے ماری قوم آپ کو ایک نہایت سلیم الطبع صوفیہ الداعی کی حیثیت

أَجْلَهُمْ قِبَآئِي حَدِيثٌ بَعْدَ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۷﴾ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا
 هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْأَلُونَكَ
 عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا
 يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ تَنَزَّلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴿۱۸۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ
 لَا تَأْتِيَكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْتَلُونَكُمْ كَأَنَّهُمْ كَخَفَىٰ عَنْهَا قُلْ
 إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۹۰﴾

قرب آگاہ ہو، پھر آخر پیغمبر کی اس تنبیہ کے بعد اور کونسی بات ایسی ہو سکتی ہے جس پر یہ ایساں
 ٹھہریں۔ جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کر دے اس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے اور اللہ انہیں
 ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب نازل ہوگی، کہو اس کا علم میرے
 رب ہی کے پاس ہے۔ اُسے اپنے وقت پہنچی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت
 وقت ہوگا۔ وہ تم پر اچانک آجائے گا۔ یہ لوگ اس کے تعلق تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تم اس کی
 کھوج میں لگے ہو۔ کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

سے جاتی تھی۔ نیرت کے بعد جب آپ نے خلا میں پیغام پہنچانا شروع کیا تو کیا کب آپ کو بخون کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کم جنوں
 ان باتوں پر نہ تھا جو آپ ہی ہونے سے پہلے کرتے تھے بلکہ صحت مندی، باطنی باتوں پر لگا ہوا تھا جن کی آپ نے نبی ہونے کے بعد تبلیغ
 شروع کی۔ اسی وہ ہے فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی ہر چاہی ہے، انہوں نے ان باتوں میں سے کونسی بات جنوں کی ہے بھلا
 بات ہے کئی کہ اس میں اور غیر متعلق ہے، اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے، یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی ہیکر مال دیکھتے
 تو ان میں خود معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید و توحید کے اثبات، بندگی و ربوبیت کی رحمت و عذاب انسان کی ذمہ داری و جواب دہی کے
 بالکلے میں جو کچھ ان کا بھائی انہیں بخلا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظام کائنات اور خلق اللہ کا قورہ و درہ شہادت دے رہا ہے۔
 ﴿۱۹۲﴾ یعنی نادان اتنا بھی نہیں سوچتے کہ صحت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، کچھ خبر نہیں کہ کب کس کی اجل سن ہوگی

مَقَاتِلَ

ع ۱۳

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لَوْ
 كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا
 مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ
 جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ
 حَمْلًا خَفِيًّا فَأَمَرَتْ بِهِ فَلَمَّا أَتَتْهُ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا

اے محمد! ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو
 کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، حالانکہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل
 کر لیتا اور مجھے کہیں کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کہنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں
 اُن لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔ ۱۳

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ
 اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیہ حامل
 رہ گیا جسے لیے لیے وہ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ جو حمل ہو گئی تو دونوں نے مل کر اسے اپنے رب کے نام کی

یہ پھر اگر ان میں سے کسی کا آخری وقت آگیا اور اپنے نزدیک اصلاح کے لیے جو مصلحت اسے ملی ہوئی ہے وہ انہی مگر ایسوں اور
 بلا علیہ میں منافع ہو گئی تو اس کا حشر کیا ہو گا۔

۱۳۵ طلب یہ ہے کہ قیامت کی ٹھیک تاریخ دی جاسکتا ہے جسے غیب کا علم ہو، اور میرا حال یہ ہے کہ میں کل
 کے متعلق ہی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ یا میرے بال بچوں کے ساتھ کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ اگر یہ علم مجھے
 حاصل ہوتا تو میں کتنے نقصانات سے قبل از وقت انعام ہو کر نک جاتا اور کتنے فائدے میں جیسی علم کی بدولت اپنی ذات کے لیے
 سیر شدہ پھر یہ تمہاری کتنی بڑی نادانی ہے کہ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی۔

لَیِّنْ اَتَيْنَا صَالِحًا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّكِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا
اَتَاهُمْ صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فَمَا اَنْتُمْ فَعَلُوْا اَللّٰهُ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَیْسُرُ لَكُمْ مَّا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَهُمْ یُخْلِقُوْنَ ﴿۲۰﴾

کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس بخشش و عنایت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھیرانے لگے۔ اللہ بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں،

۱۴۶۶ یہاں مشرکین کی جاننا نہ گرا بیرون تنقید کی گئی ہے۔ تقریر کا مذہب یہ ہے کہ ذہن انسانی کو، بلند و جود بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے جس سے خود مشرکین کو بھی انکار نہیں۔ پھر ہر انسان کو وجہ و عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس بات کو بھی مشرکین جانتے ہیں عورت کے رحم میں نطفے کو ٹھیکڑا، پھر اس خفیہ سے عل کو پھوٹش کر کے ایک زندہ بچے کی صورت دیتا، پھر اس بچے کے اندر طرح طرح کی قوتیں اور قابلیتیں ودیعت کرنا اور اس کو صحیح و سالم انسان بنا کر پیدا کرنا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہی ہے۔ اگر اللہ رحمت کے پیش میں ہندیا سانپ یا کوئی اور عجیب و غریب حیوان پیدا کر دے یا بچے کو پیٹ ہی میں اندھا بنا کر دے، تو وہ ناسو سے یا اس کی جسمانی غذا یعنی اور نفسانی قوتوں میں کئی نقص رکھ دے تو کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ کی اس ساخت کو بدل ڈالے۔ اس حقیقت سے مشرکین بھی اسی طرح آگاہ ہیں جس طرح توحید مان چنانچہ میری وجہ ہے کہ نہاءً محل میں ساری امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہوتی ہیں کہ وہی صحیح و سالم بچہ پیدا کرے گا۔ لیکن اس پر بھی جمالت و ناگہانی کے فیضان کا یہ حال ہے کہ جب نمیدہاؤتی ہے اور چاند سا بچہ نعیب ہو جاتا ہے تو شکر ہے کے لیے نذیریں اور نیازیں کسی دہری، کسی ادا تار، کسی دلی مور کی حضرت کے نام پر چڑھائی جاتی ہیں اور بچے کو ایسے نام دے دیتے جاتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے سما کسی اور کی عنایت کا نتیجہ ہے مثلاً حسین بخش، پیر بخش، عبدالرسول، عبدالعزیز، اور عبد شمس وغیرہ۔

اس تقریر کے سمجھنے میں ایک بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے جسے ضعیف تعلیمات نے اور زیادہ تقویت پہنچا دی۔ چونکہ آغا میں ذہن انسانی کی پیدائش ایک جان سے ہونے کا ذکر آیا ہے جس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور پھر فوادی ایک مرد و عورت کا ذکر شروع ہو گیا ہے جنہوں نے پہلے تو اللہ سے صحیح و سالم بچے کی پیدائش کے لیے دعا کی اور جب بچہ پیدا ہو گیا تو اللہ کی بخشش میں دوسروں کو شریک ٹھیرا، اس لیے لوگوں نے سمجھا کہ یہ شرک کہنے سے مراد جمعی مراد حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہی ہوں گے۔ اس غلط فہمی پسندیات کا ایک خول چڑھ گیا اور ایک پورا قصہ تصنیف

وَلَا يَسْتَبِيعُونَ لَمْ تَصْرًا وَلَا الْقِسْمَ مَصْرُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَإِنْ
تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ

جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں، تم خواہ انہیں پکار دیا خاموش رہو دونوں صورتوں میں نتیجہ

کر دیا گیا کہ حضرت حوا کے بچے پیدا ہو کر مر جاتے تھے، آخر کار ایک بچے کی پیدائش کے موقع پر شیطان نے ان کو کہا کہ اس بات پر تادہ کر دیا کہ اس کا نام جدا عمارت (بندہ شیطان) رکھ دوں، غضب یہ ہے کہ ان دعایات میں سے بعض کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچا دی گئی ہے لیکن درحقیقت یہ تمام دعایات غلط ہیں اور قرآن کی جرات بھی ان کی تائید نہیں کرتی۔ قرآن کو کچھ کہہ رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ نوع انسانی کا پکا جیڑا جس سے آفرینش کی ابتدا ہوئی، اس کا خالق بھی اللہ ہی تھا کوئی دوسرا اس کا پرستار نہیں، شرک نہ تھا، اللہ پھر ہر مرد و عورت کے دل سے جھوٹا پیدا ہوتا ہے اس کا خالق بھی اللہ ہی ہے جس کا اقرار تم سب لوگوں کے دلوں میں موجود ہے، چنانچہ اسی اللہ کی بدولت تم ایندویم کی حالت میں جب دعا مانگتے ہو تو اللہ ہی سے مانگتے ہو لیکن ہمیں جب امیدیں پوری نہ جاتی ہیں تو تمہیں شرک کی سوجھی ہے۔ اس تقریر میں کسی خاص مرد اور خاص عورت کا ذکر نہیں ہے بلکہ مشرکین میں سے ہر مرد اور عورت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اس مقام پاکہ دعایات بھی غلط تو ہے۔ ان دعایات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی خدمت کی ہے وہ حو کے مشرکین تھے انسان کا تصور یہ تھا کہ معج و مسالم وہ پیدا ہونے کے لیے خود ہی سے دعا مانگتے تھے مگر جب پھر یہ پہانا تھا تو اللہ کے اس حلیہ میں دوسروں کو شکر لینے کا حصار نہیں دیتے تھے۔ جہاں شہرہ حالت بھی نہایت ہی تھی، لیکن اب جو شرک ہم کو حید کے حلیوں میں پارس ہے اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ عالم تھا کہ وہ بھی خیروں ہی سے مانگتے ہیں، محل کے نالے ہیں میتیں بھی خیروں کے نام ہی کی مانند ہیں اللہ کچھ پیدا ہونے کے بعد نہایت ہی انہی کے آتوں پر چڑھتے ہیں۔ اس پر بھی زمانہ جاہلیت کے عرب مشرک تھے اور یہ موقوف ہیں، ان کے لیے جو نعم واجب تھی اللہ ان کے لیے نہات کی گارنٹی ہے، ان کی گراہیوں پر تنقید کی نایاب نیز ہیں مگر ان کی گراہیوں کی کوئی تنقید کر دینے تو خدا ہی دہا دلوں میں ہے یہی کی ہر شہ ہاتی ہے۔ اسی حالت کا اتمام ملایہ مرحوم نے اپنی سند میں کیا ہے:-

کہ جب گزرت کی ریا کا کافر جو طہرے بیٹا کا کافر بچہ آگے برہمہ کا کافر کا کافر میں مانے کر شر کو کافر

مگر مومنوں پر کشتادہ ہیں راہیں پستش کو س مشرق سے جس کی جا ہیں

نیکو کہ وہ ہیں خدا رکھیں انوں کا تہی سے شعا ہیں مزابل پہا کے خندیں چوٹا ہیں شیلوں کھا کے کھینچا ہیں

نہ توجہ میں کچھ خل اس سے آئے نہ سلام بگٹے نہ ایمان جائے

أَمَّا أَنْتُمْ صَاحِبُونَ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلَيْسَ يُجِيبُوا أَلَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۱۰۹﴾ أَلَمْ هُمْ الْإِنْسَانُ يَتَّبِعُونَ بِهَآءِ أَمْ لَهُمْ آيَاتٌ يَبْطِشُونَ
بِهَآءِ أَمْ لَكُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآءِ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَآءِ
قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظَرُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّ
وَلِيَّ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۱﴾

تھارے لیے کیا ہی رہتے۔ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم
بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ دیکھو، یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے ہاتھ میں تھکے
خیالات جمع ہیں۔ کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں، کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں، کیا
یہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھیں، کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ اے محمد! ان سے کہو کہ
بالا اپنے ٹھکانے ہوئے شریکوں کو چھوڑ سب مل کر میرے غلات تدبیر میں کرو اور مجھے ہرگز حمت نہ دے
میرا وہی فنا کردہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے۔

۱۰۸۔ یہی وہ شرکین کے سبب وہیں باطل کا حال یہ ہے کہ یہ دیکھنا اور اپنے ہماروں کی رہنمائی کرنا تو دیکھنا
وہ چاہے وہ کسی رہنمائی پر ہی کہنے کے قابل بھی نہیں، حتیٰ کہ کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب تک نہیں دے سکتے۔

۱۰۹۔ یہاں ایک بات عارفانہ طور پر لکھی جا رہی ہے۔ شرک کا مذہب میں تین چیزیں مانگ، ایک پانی جاتی ہیں۔
ایک تو وہ اشیاء تصاویر و علامات جو مرقعہ کوش (Objects of worship) کہلاتی ہیں۔ دوسرے وہ اشخاص یا
ادوار یا سانی جو دراصل سمندر قرار دیے جاتے ہیں اور ان کی نمائندگی انسان اور تصاویر وغیرہ کی شکل میں کی جاتی ہے۔ تیسرے
وہ عقائد جو ان شرک و جہالات و اعمال کی ترس کا فرما ہوتے ہیں۔ قرآن مختلف طریقوں سے ان تینوں چیزوں پر ضرب
لگا رہا ہے، اس مقام پر اس کی تیسرا نمونہ بل جین کی طرف ہے۔ وہ بت عملی و فروعی جن کے سامنے شرکین کو ہضم و
جہالت ادا کرتے اور اپنی مرضیاں اور نیا نہیں پیش کرتے تھے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصَرَكَ وَلَا
 أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹﴾ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا
 وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ خُذِ الْعَفْوَ
 وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۲۱﴾ وَإِنَّمَا يُوَعِّظُكَ
 مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲﴾
 إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا
 فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۲۳﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوهُمْ فِي

بخلاف اس کے تم جنہیں خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد
 ہی کرنے کے قابل ہیں بلکہ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کے لیے کہو تو وہ تمہاری بات سن بھی
 نہیں سکتے۔ بظاہر تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر فی الواقع وہ کچھ بھی
 نہیں دیکھتے۔

اسے نبی! نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ
 الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں
 جو لوگ متقی ہیں اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی بُرا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا
 ہے تو وہ فوراً چوکے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں عافیت نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کا
 کیا ہے۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو وہ انہیں ان کی کج روی میں کھینچنے لیے

۱۱۹ یہ جواب ہے شرکین کی ان دھمکیوں کا جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر تم ہمارے
 ان مہودوں کی مخالفت کرنے سے باز آؤ گے اللہ ان کی طرف سے لوگوں کے عقیدے اسی طرح خراب کرتے رہے تو تم پر ان کا

کہتے ہیں وہ طوطائی کا نام اور اس دھوت کی کھیمائی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ عام انسان خواہ وہ کتنے ہی تعصبات میں مبتلا ہو، جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ایک شریف انفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو عید می عید می بدلتی ہوئی کی دھوت دے رہا ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہرقم کی اخلاق و انسانیت سے لڑی ہوئی تہذیبوں استعمال کر رہے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کے دل خود بخود غائبین حق سے بھرتے اور عالمی حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں یا کھانکے ہوئے کامیاب مقابلوں میں صوفیہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے ذاتی عقائد و نظام باطل کے قیام ہی سے وابستہ ہو کر اپنی پھر جن کے دلوں میں تعصبات و اسباب ہاں تعصبات نے کسی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی ہی نہ چھوڑی ہو یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپ کے بعد حضور ہی کی امت میں اسلام کا عیوب و قریبے لوگوں پر اس طرح پھیل گیا کہ انیس سو فی صدی اور کہیں ۹۰۰-۱۰۰۰ فی صدی باشندے مسلمان ہو گئے۔

(۳) اس دھوت کے کام یہاں یہ بات ضروری ہے کہ کٹاہین غیر کھسوت کی تعین کی جانتے دارین بات لگی اتنی ہی ضروری ہے کہ کہاںوں سے بنا بھجوائے خواہ وہ بھجنے والا بھجانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ عالمی کو اس معاملہ میں سکتا تو طوطا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے ہے جو حقیت کے ساتھ بات کہنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کئی شخص جانتے پڑتے اور محبت بازی، بھگوانوں اور طوطوں کی تسبیح شروع کرے تو عالمی کو اس کا حریت بننے سے انکار دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جگہ کے میں بھجنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان ہے کہ عالمی کی جس قوت کا ثابت دھوت نہ لے لیں نفوس میں خلق ہونا چاہیے اس فخرل کام میں خارج ہوا ہے۔

(۴) خبر میں جو روایت کی گئی ہے اسی کے سلسلہ میں مزید بات یہ ہے کہ جب کسی عالمی حق غائبوں کے نظم اور ان کی شہرت بھان کے باوجود حشرات و الزامات پہاڑی طبیعت میں استعمال عوس کہہ دے تو ابھرنے چاہیے کہ نیک شیطانی یعنی شیطان کی گھبراہٹ ہے اور اسی وقت خدا سے نہا۔ انہی چاہیے کہ اپنے بندے کو اس پرورش میں بھگنے سے بچائے اور اسے قادر ہونے دے کہ اس سے دھوت حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سر نہ دہ جائے۔ دھوت حق کا کام ہر حال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی دم صحیح آٹھ سکتا ہے جو جذبات سے غلبہ ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر غلبہ صحیح ہو کر اٹھایا جائے لیکن شیطان جو اس کام کو فروغ دیتا ہے اس کے کسی نہیں روک سکتا، ہمیشہ اس کو شش دریں نگاہتا ہے کہ اپنے بھائی بھائیوں سے عالمی حق پہاڑی طرح کے چلنے کو اسے نہ بھر بھرنے پر عالمی حق کو کسانے کو اس کے کامیاب تو ضرور ہونا چاہیے۔ یہ ایسا جو شیطان عالمی کے نفس سے کہتا ہے، اکثر ہی پڑی پڑی پر فریب تادیل اور مذہبی اصطلاحوں کے غلاف میں ڈھانپنا ہر تلے ایک اس کی تہذیب و نفسانیت کے دور کو تیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے آخری حجاز میں قرآن کا جو لوگ حق کو اپنی خاطر سے بھگنے کے خواہشمند ہیں وہ تو اپنے نفس میں ہی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی دوسرے خیال کی کشاکش محسوس کرتے ہی تو ہر چارے بھگتے ہو جاتے ہیں اور پھر وہیں صاف خطر آجاتا ہے کہ اس موقع پر دھوت دین کا مفاد کو اس طرح عمل کے اختیار کرتے ہیں کہ اس طرح حق کا قہر اٹھایا ہے کہ وہ لوگ جس کے کام میں نفسانیت کی رنگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شایعین کے ساتھ جانی چکر کا متن ہے، تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلہ میں نہیں شہر سکتے اور اس سے غلبہ ہو کر قطعاً ہل گئے ہیں پھر جس میں عادی

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مَا يُؤْتِي إِلَىٰ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ دُونِ هَذَا
بَصَافٍ مِّن لَّدُنِّي وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

تم نے اپنے لیے کوئی نشانی کیوں نہ انتخاب کر لی؟ ان سے کہو میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو اسے قبول کر لیں۔

میں شیطان چاہتا ہے بغیر اسے پھر تا جب اور کہیں جا کلن کے قدم نہیں رکتے۔ فاعصا کی ہر گئی کے جواب میں ان کے پاس گالی اندر ہر گالی کے جواب میں اس سے ہر حکم حال موجود ہوتی ہے۔

اس ارشاد کا ایک عمومی مضمون بھی ہے اور وہ یہ کہ اہل تعویذ کا طریقہ عام و عمومی زندگی میں فزحقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خلا سے ڈبے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ بُرائی سے بچیں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بُرے خیال کا ایک فوسا خانہ بھی اگر ان کے دل کو چھو جائے تو ان میں ایسی ہی کھٹک محسوس ہوتی ہے جتنی کہ بے حس و تکلیف اُن میں چھو جانے یا انکھ میں کسی نہ کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ اُن سے جفالت، بری خواہشات اور بُری نیتوں سے خوفِ گز نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ چیزوں ان کے لیے، اسی طرح خلاص مزاج برقیوں میں جس طرح اُنکی کے لیے بھانوس یا آنکھ کے لیے ذرہ یا ایک تیس طبع اور مصافی پسند آدمی کے لیے کپڑوں پر سیاہی کا ایک داغ یا گندگی کی ایک جھینٹ۔ پھر جب یہ کھٹک انھیں محسوس ہو جاتی ہے تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بیدار ہو کر اس فسادِ فطر کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے بخلاف اس کے جو لوگ نہ خلا سے ڈبے ہیں نہ ہڈی سے پونا چاہتے ہیں اور جن کی شیطان سے "لگ" لگی ہوئی ہے، ان کے نفس میں بُرے خیالات ہمہ ارادے، بُرے مقاصد کچھ نہ کچھ ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی تڑپاٹ اپنے اندر محسوس نہیں کرتے مگر اسی طرح جیسے کسی گلیچر میں سسکا گوشت پک رہا ہو اور وہ بے خبر ہو کر اس کے اندر کیا پک رہا ہے، یا جیسے کسی جھنگلی کاجو کو اس کے کپڑے خلاصتوں میں لٹھڑے ہوئے ہوں اور اس کے کچھ احساس نہ ہو کہ وہ کن چیزوں میں آلودہ ہے۔

۱۵۱ کنار کے اس سولہویں ایک مربع طعن کا انداز پایا جاتا تھا یعنی اس کے کئے کا مطلب یہ تھا کہ پہلی جس طرح تم ہی میں بیٹھے ہو اسی طرح کوئی محمود بھی نہ تھا نہ کراپنے بیٹے والا کے ہوتے۔ لیکن آگے کا خطہ ہو کہ اس طعن کا جواب اس کس شان سے دیا جا سکے۔

۱۵۲ یعنی میرا منصب یہ نہیں ہے کہ جس چیز کی مانگ ہو یا جس کی میں خود ضرورت محسوس کروں اسے خود ایجاد یا تصنیف کر کے پیش کر دوں۔ میں تو ایک رسول ہوں اور میرا منصب صرف یہ ہے کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اس کی ہدایت پر عمل کروں۔ مجھ سے کہے جانے پر میرے پہنچنے والے نے جو حق پر رساں بھیجی ہے وہ یہی قرآن ہے۔ اس کے اندر بصیرت افزا

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ
تُذَكَّرُونَ ﴿۴۰﴾ وَأَذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَ
دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنا کر رہنا اور خاموش رہنا شاید کہ تم پر بھی
رحمت ہو جائے۔

اے نبی! اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ
اور زبان سے بھی آواز کے ساتھ۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے
روشنیاں مچھ رہیں اور اس کی نمایاں تہن ثوابی یہ ہے کہ جو لوگ اس کو مان بیٹھے ہیں ان کو زندگی کا سیدھا راستہ مل جاتا ہے
اور ان کے اخلاق حسنین و رحمت الہی کے آثار صاف ہو پڑا ہونے لگتے ہیں۔

۱۱۵۳ یعنی یہ جو غضب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم لوگ قرآن کی آواز سنتے ہی کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیتے
ہو اور شور و غل مچا کر تے ہو تاکہ نہ خود سناؤ نہ کوئی دوسرا اس کے اس روش کو چھوڑ دو اور غور سے سناؤ کسی کس میں تسلیم
کیا دی گئی ہے۔ کیا غیب کس کی تسلیم سے واقف ہو جانے کے بعد تم خود بھی اسی رحمت کے حقدار بن جاؤ جو ایمان لانے
والوں کو نصیب ہو چکی ہے۔ مخالفین کی طعن و آمیزات کے جواب میں یہ ایسا لطیف و شیریں جواب دینا کہ سنا کر نہ دانا انا
تبلیغ ہے کہ کسی کو غیبی کسی طرح بیان کی قہر نہیں ہو سکتی جو شخص حکمت تبلیغ سے کھانا پاتا ہو وہ اگر غور کرے تو اس جواب
پر بڑے سچ پائے گا۔

اس آیت کا اصل مد تو وہی ہے جو ہم نے پھر بیان کیا ہے لیکن مضمون اس سے یہ کلمہ بھی نکلتا ہے کہ جب خدا کا
کلام پڑھا جا رہا ہو تو لوگوں کو ادب سے خاموش ہو جانا چاہیے اور توہم کے ساتھ سے رہنا چاہیے۔ اسی سے یہ بات بھی
منتبطہ ہوتی ہے کہ امام جب نماز میں قرائت کی تلاوت کر رہا ہو تو مقتدیوں کو خاموشی کے ساتھ اس کی سماعت کرنی
چاہیے لیکن اس مسئلہ میں اگر کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ امام الامینہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے
کہ امام کی قرائت خواہ جہری ہو یا ستری مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیے۔ امام مالک اور امام احمد کی رائے یہ ہے کہ
صرف جہری قرائت کی صورت میں مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیے۔ لیکن امام شافعی اس طرف لگے ہیں کہ جہری اور ستری
دونوں صورتوں میں مقتدی کو قرائت کرنی چاہیے کہ نہ کہ بعض احادیث کی بناء پر وہ سمجھیں کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھ
اس کی نماز نہیں ہوتی۔

مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۱۵۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
عَنِ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَعِجُونَ وَلَكِنْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۴
۱۵۵
الغافلین

ہوئے ہیں۔ جو فرشتے تھے اے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بخلی کے
گھمنڈ میں اگر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے، اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے
بُجکے رہتے ہیں۔ ۷

۱۵۴ یاد کرنے سے مراد ناز بھی ہے اور دوسری قسم کی یاد بھی خواہ وہ زبان سے ہو یا خیال سے۔ صبح و شام
سے مراد بھی دو دن وقت بھی ہیں اور ان اوقات میں اللہ کی یاد سے مقصود نماز ہے، اور صبح و شام کا لفظ دواؤں کے معنی میں بھی
استعمال ہوتا ہے اور اس سے مقصود ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رہنا ہے۔ یہ آخری نصیحت ہے جو نبی کو ختم کرتے ہوئے
مشافرا فرمائی گئی ہے اور اس کی طرح یہ بیان کی گئی ہے کہ تمہارا حال کیوں غافلوں کا سا نہ ہو جائے۔ دنیا میں جو کچھ گمراہی پھیلی ہے
اور انسان کے اخلاق و اعمال میں جو فساد بھی رونما ہوا ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ خدا
اس کا رب ہے اور وہ خدا کا بندہ ہے اور دنیا میں اس کو آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اور دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد
اسے اپنے رب کو حساب دینا ہوگا۔ پس جو شخص راہِ راست پر چلا اور دنیا کو اس پر چھوٹا چاہتا ہو اس کو سخت اہتمام کرنا چاہیے کہ
بھول نہ کیوں خود اس کو لاحق نہ ہو جائے۔ اسی لیے نماز اور ذکر کو اپنی اور دینی و جہانی اللہ کی بار بار تائید کی گئی ہے۔

۱۵۵ مطلب یہ ہے کہ بخلی کا گھمنڈ و بندگان سے مراد نوازنا مشیاطین کا کام ہے اور اس کا نتیجہ بقی و تضرع ہے۔
سکھت اس کے خدا کے دے جتنا اللہ ہندگی میں ثابت قدم رہنا کوئی فعل ہے اور اس کا نتیجہ ترقی و جنتی اور اللہ سے تقرب ہے۔
اگر تم اس ترقی کے لئے خواہشمند ہو تو اپنے طریق عمل کو شیاطین کے پھانے ٹانگہ کے طریق عمل کے مطابق بناؤ۔

۱۵۶ تسبیح کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا بے عیب اور بے نقص اور بے خطا ہونا، ہر قسم کی کمزوریوں سے
محفوظ ہونا اور اس کا لائق ہونا۔ یہ شے اللہ ہے جتنا ہو نازل سے ملتا ہے اس میں اس کا قرار و وقفات کرتے ہیں اور دنیا
اس کے خلاف: علان میں مشغول رہتے ہیں۔

۱۵۷ اس مقام پر یہ کہ جو شخص اس بیت کو پڑھے یا سنے وہ مسجد کے ناکہ اس کا حال لاٹکے مقربین
کے حال سے مطلع ہو جائے اور ساری کائنات کا انتظام چلانے والے کا رکھ جس خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں اسی
کے آگے وہ بھی اس کے ساتھ جھک جائے اور اپنے عمل سے فواید ثابت کرے کہ وہ نہ کسی گھمنڈ میں مبتلا ہے
نہ کسی ہندگی سے منحور نہ ہے۔

قرآن مجید میں ایسے مقامات ہیں جن میں آیات سماعتی ہیں۔ ان مقامات پر سہرا کا شروع ہونا و تسبیح علیہ ہے

گلاس کے جوہر میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سجدہ تکلیف کو واجب کہتے ہیں اور دوسرے علماء نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے ایک ٹکڑے جمع میں قرآن پڑھتے تھے اور اس میں جب آیت سجدہ آتی تو آپ خود بھی سجدہ میں گر جاتے تھے اور جو شخص جہاں پڑھتا تھا وہیں سجدہ دینا پڑھتا تھا۔ اسی طرح کہنے کے لیے جگہ نشی توڑ دیا۔ اپنے آگے والے شخص کی پشت پر سر رکھ دیتا۔ یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پھر قرآن پڑھا اور اس میں جب آیت سجدہ آئی تو جو لوگ زمین پر گر پڑے تھے انھوں نے زمین پر سجدہ کیا اور جو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے یعنی سواروں پر بھی ہلک گئے۔ کسی آپ نے دورانِ خطبہ میں آیت سجدہ پڑھی ہے تو میرے اثر کر سجدہ کیا ہے اور پھر اوپر کا خطبہ شروع کر دیا ہے۔

اس سجدے کے لیے جو راہی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، یعنی با وضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور نماز کی طرح سجدے میں زمین پر سر رکھنا۔ لیکن جتنی روایت سجدہ ثلاثہ کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں بان شرطوں کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ میں کہ جو شخص جہاں جس حال میں ہو ٹھک جائے، خواہ با وضو ہو یا نہ ہو، خواہ مستقبلی قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو۔ سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل ایسی طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دھوکے بغیر سجدہ تلاوت کرتے تھے۔ اور ابو عبداللہ رحمہ اللہ کی کہ متعلق فتح تھامری میں لکھا ہے کہ وہ راستہ چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے جاتے تھے اور اگر کہیں آیت سجدہ آجاتی تو بس سر جھکا لیتے تھے، خواہ با وضو ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ قبلہ رخ بھی ہوں یا نہ ہوں۔ ان وجہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جو روکے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے علامت نہیں کی جاسکتی، کیونکہ جو روکے تسلک کی تائید میں کوئی سنت ثابت ہو سکتی ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جو روکے مسلک سے مختلف تھا۔

تفہیم القرآن (۲)

الأنفال

(۸)

الأنفال

زمانہ نزول | سورہ شوریٰ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں اسلام کو کفر کی دس پہلی جنگ پر بغیر تبصروں کیا گیا ہے۔ جہاں تک سورہ کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے غالباً یہ ایک ہی تقریب ہے جو ایک وقت نازل ہوئی ہوگی، مگر ممکن ہے کہ اس کی بعض آیات جنگ بدر ہی سے پیدا ہوئے مسائل کے تعلق بعد میں آتی ہوں اور چنانچہ اس سلسلہ تقریب میں مناسب جگہوں پر درج کر کے ایک مسلسل فقرہ بنادیا گیا ہو۔ ہر حال کلام میں کہیں کوئی ایسا جملہ نظر نہیں آتا جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ یہ آگے لگ دو تین غلوں کا مجموعہ ہے۔

تاریخی پس منظر | قبل اس کے کہ اس سورہ پڑھو کیا جائے، جنگ بدر اور اس سے تعلق رکھنے والے حالات پر ایک تاریخی منظر کشی ضرور کی جائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابتدائی دس بارہ سال میں جبکہ آپ کو معظمہ میں مقیم تھے، اس حیثیت سے اپنی جنگی و استقامتی ثابت کر چکی تھی کہ ایک طرف اس کی پشت پر ایک جند سیرت مملکتی فکر اور دانشمند طبع و راہبرد تھا جو اپنی شخصیت کا پورا سرمایہ اس کام میں لگا چکا تھا اور اس کے طرز عمل سے یہ حقیقت بظاہر ظاہر ہو چکی تھی کہ دعوت کو انتہائی کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے اعلیٰ ارادہ رکھتا ہے اور اس مقصد کی راہوں پر خطرے کو اٹھانے اور مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے دوسری طرف اس دعوت میں خود ایسی کشش تھی کہ وہ دلوں کا دھڑکاؤ، حملوں میں سرایت کرتی پہلی جارہی تھی اور حالت و جاہلیت اور تصورات کے حصار اس کی راہ روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے عرب کے پائے تمام جاہلی کی حمایت کرنے والے عناصر جو ابتدائے اس کو امتحانات کی نظر سے دیکھتے تھے، انکی قدر کے آخری زمانہ میں اسے ایک سنجیدہ خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اپنا ہمدردانہ واسطہ کھینچنے میں مصروف کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن اُس وقت تک چند حیثیات سے اس دعوت میں بہت کمزوری باقی تھی:

توہ بیانات، بھی بوری طرح ثابت نہیں تھی کہ اس کو ایسے پیروں کی ایک کافی تعداد ہم پہنچ گئی ہے جو صرف اس کے اٹھنے والے ہی نہیں ہیں اس کے امور کو سچا عشق ہی کہتے ہیں اس کو غالب خاطر کرنے کی سعی میں اپنی ساری قوتیں ادا پانا تمام سرمایہ زندگی کچھ دینے کے لیے تیار ہیں،

اور اس کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر دینے کے لیے دینا بھرے دھمانے کے لیے حتیٰ کہ اپنے عزیز ترین رشتوں کو بھی کاٹ پھینکنے کے لیے آمادہ ہیں۔ اگرچہ مکرمین پیروان اسلام نے قریش کے ظلم و ستم برداشت کر کے اپنی صداقت ایمانی اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کی منبری علی کا اچھا قاصد ثبوت دے دیا تھا مگر ایسی یہ ثابت ہونے کے لیے بہت سی آزمائشیں باقی تھیں کہ دعوت اسلامی کو جان فروش پیروں کا وہ گروہ بیسرا لگے جسے نصیب العین کے مقابل میں کسی چیز کو بھی عزیز تر نہیں رکھتا۔

ثانیاً، اس دعوت کی آواز اگرچہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی، لیکن اس کے اثرات منتشر تھے، اس کی فراہم کردہ قوت سارے ملک میں پکڑ نہ تھی، اس کو وہ اجتماعی طاقت ہم شہنشی تھی جو پراسنے جیسے بڑے نظام جاہلیت سے فیصلہ کن مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھی۔

ثالثاً، اس دعوت نے زمین میں کسی جگہ بھی بڑ نہیں پکڑی تھی بلکہ ابھی تک صرف جو میں سرایت کر رہی تھی۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ قدم جما کر اپنے حوٹ کو مضبوط کرنا شروع کر چکا ہو۔ اس وقت تک جو مسلمان جہاں بھی تھا اس کی حیثیت نظام کفر و شرک میں بالکل ایسی تھی جیسے غالی معدے میں لگنیں کہ معدہ ہر وقت اسے نگل دینے کے لیے زور لگا رہا ہو اور قرار پانے کے لیے اس کو جگہ سے نہ ہٹتی ہو۔

چوتھا، اس وقت تک اس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ جاننا تمدن قائم کر کے تھی، اس نے اپنا نظام معیشت و معاشرت اور نظام سیاست مرتب کیا تھا اور دوسری طاقتوں سے اس کے معاملات صلح و جنگ پیش آتے تھے۔ اس لیے نہ تو ان اصول و اطلاق کا مظاہرہ ہو سکتا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے ہر دے نظام کو قائم کرنا ارادہ لانا چاہتی تھی اور نہ ہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کو اختیار و اس کے پیروں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں خود کس حد تک راست بنا رہے۔

بعد کے واقعات نے وہ مواقع پیدا کر دیے جن سے یہ چاروں یکساں پوری ہو گئیں۔

پہلے کے آخری تین چار سالوں سے پشرب میں انتخاب اسلام کی شامیں مسلسل پہنچ رہی تھیں اور وہاں کے لوگ متفقہ و جمیع سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے۔ بخو کا نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر وہ منظور کیا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں طاور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ کو احباب کے پیروں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی حمایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بٹھا کر پکڑ لیا۔ اہل پشرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھنکھانہ گزیر کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے نام و فرمانروا

کی حیثیت سے جانچے تھے۔ اور اسلام کے پیروں کو ان کا بقا اس لیے نہ تھا کہ وہ ایک ایسی ہی سڑک میں
میں من مہاجر ہوئے کی حیثیت سے جگہ پائیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور غلوں میں
جو مسلمان منتشر ہو رہے تھے وہ شرب میں جمع ہو کر اور شریعتی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم معاشرہ بنیں۔ اس
طرح شرب نے دراصل اپنے آپ کو مدینہ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور یہی علی الشریعہ مسلم نے
اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دارالاسلام بنایا۔

اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے۔ اس کے صاف معنی تھے
کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو ہر سبک کی قیامی اور معاشی و تمدنی بائیکاٹ کے مقابل میں
پیش کر رہا تھا چنانچہ یہ بیت عقبہ کے موقع پر رات کی اُس مجلس میں اسلام کے نئے تین مدافعین (مخضرمین)
نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ میں اس وقت
جگہ بیت ہو رہی تھی، شریعتی وفد کے ایک جوان رکن سعد بن زید نے ہر سب سے مدافعین سب سے
کم سن شخص تھا اُنہ کر کہا:-

ما رویدنا یا اہل یثرب! فاننا لمرضوب الیہ اکباد الابل والادمن ضلرمانہ
رسول اللہ! وان اخراجہ الیوم من اوقاف العرب کافۃ، و قتل خیارساکمہ و قتلکم
السودۃ۔ ناهما انکم قوم تصبرون علی ذلک فخذوا و اجزوا علی اللہ، و اما انکم
قوم تخاصون من انفسکم خیفۃ فخذوا و فبینوا ذلک فخذوا و اجزوا لکم عند اللہ۔
"ٹھیکو اس اہل یثرب! ہم لوگ جہان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے
رسول ہیں اور آج انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب کے دشمنی کو دل لینا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تمہارے
فرمان کی قتل ہونے والے لوگوں میں تم پر برسے گی۔ لہذا اگر تم اس کی روایت کرنا نہ چاہو تو اپنے اندر ہاتھ بڑھ
و ان کا ہاتھ پکڑ لو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر مجھ سے مدد و نصرت ماننا
خدا کرے کہ میں اس وقت خدا کو ماننا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔"

اس بات کو دفتر کے ایک دوسرے شخص عباس بن جراحہ بن قسطل نے دہرایا:

اقلمت من علاہ تمایحون ہذا الرجل (تاکوا انعموا قال) انکم تمایحونہ
علی حرب الاحمر و الاسود من الناس۔ فان کنتم ترون انکم اذا لہکت و اما انکم
مصیبة و اشرافکم مثلا اسلمتھوہ فمن الان قد ہوا، نہو و اہم ان فعلکم
حزبی الدنیا و الاخرۃ۔ وان کنتم ترون انکم و انکم لہ بما دعوتھوہ الیہ علی
فہکۃ الاحوال و قتل الانشراح فخذوا، فہو اللہ علیہ الدنیا و الاخرۃ۔

"جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیت کر رہے ہو؟ تو انہیں، ہاں ہاتھ ہیں، تم اس کے ہاتھ

پر ہیئت کر کے دنیا بھر سے لائی اور لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشرف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو کہ نہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو ہلاک تمہیں شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشرف کی ہلاکت کے باوجود نہاؤ گے تو بے شک اس کا ہاتھ تمام لوگ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اس پر تمام دفعہ نے بالاتفاق کہا فانا ناخذہ، حل مصیبة الاموال و قتل الاشرف ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشرف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ تب وہ مشہور ہیئت واقع ہوئی جسے تاریخ میں ہیئت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

دوسری طرف اہل مکہ کے لیے یہ معاملہ جو مسیبت رکھتا تھا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ دلیل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیتوں سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، لوگ شکنا نہیں سہا کرتا تھا۔ اور ان کی قیادت و رہنمائی میں بیرون اسلام، جن کی حریت و استقامت اور دعائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزما چکے تھے، ایک نظم جتنے کی صورت میں متبع سمجھتے جاتے تھے۔ یہ پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس سخت کے متبع ہونے سے قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ ان سے شام کی طرف جو تہمتی شاہراہ مائل ہو کر مکہ کے کنارے گزرے جاتی تھی اور ان کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مسلمانوں کی زندگی میں ختم ہو جائے گا اور اس شررگ بہا تو قتال کر مسلمان نظام پہلے کی زندگی و ذخائر کا سیکھتے تھے۔ موت اہل مکہ کی وہ تہمت جو اس شاہراہ کے بل پر بل پڑی تھی وہاں لاکھ اشرفی مال ایک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے مساوی تھی۔

قریش بان حجاج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات ہیئت عقبہ واقع ہوئی اسی رات اس معاملہ کی ہنسک اہل مکہ کے کاروں میں بڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ پیسے تو انھوں نے اہل مدینہ کو بھی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی، پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہاں منتقل ہو جائیں گے تو وہ اس خطرے کو دکنے کے لیے ابھی ہانپا تھا، نتیقہ کر لے کر ہاتھ جوڑ گئے۔ ہجرت نبوی سے چند ہی روز پہلے قریش کی مجلس ضروری منعقد ہوئی جس میں بڑی رندوں کے بعد انکار کا یہ طے پا گیا کہ نبی ہاشم کے ساتھ تمام افراد ہائے قریش کا ایک ایک کی چھانچا جائے اور سب رگ لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کھل کر نبی ہاشم کے لیے تمام خاندانوں سے تنہا و متخل ہو جائے اور وہ انعام کے بجائے غنیمت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن خدا کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد اور اللہ تعالیٰ سے یقین کی یہ حال ناکام ہو گئی اور حضور نے ہجرت مدینہ بھیج دی۔

اس طرح جب قریش کو ہجرت کے بدکنے میں ناکامی ہوئی تو انھوں نے مدینہ کے سربراہ عبداللہ بن ابی بکر وجعہ ہجرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے اور جس کی تمناؤں پر حضورؐ کے مدینہ پہنچ جانے اور انھیں وختِ نزاع کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے سے پانی پھر چکا تھا، خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے اہل پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو یا اسے نکال دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمھارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لڑکیاں بنالیں گے۔" عبداللہ بن ابی بکرؓ اس پر کچھ آمادہ شرم نہ کر گئے، صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت اس کے شرکی دھوکہ تمام کر دی۔ پھر مدینہ معاذتیں مدینہ منورہ کے لیے کر گئے۔ دہائی میں حرم کے دروازے پر ابوہل نے ان کو ٹوک کر کہا اَلَا اِنَّكُمْ تَطْلُوْنَ بِمَكَّةَ اٰمِنًا وَاَقْدَامُكُمْ عَلٰی عَمَتِكُمْ اِنَّكُمْ تَنْصُرُوْهُمْ وَتَعِدُوْنَهُمْ لَوْ اَنَّكُمْ مَعِ اٰبِی صَفْوَانَ مَا سَأَلْتُمْ اٰتٰی اَهْلَکُمْ سَالِمًا اَتَمُّ قَوْمٍ مَّا سَأَلْتُمْ دِیْنَ کے مترادف کو پناہ دو اور ان کی لٹاؤ دھات کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے کہیں طواف کرنے دیں؟ اگر تم تمہیں برکت کے صاف نہ ہوتے تو زندہ وہاں سے نہیں جاسکتے تھے۔ مسد نے جواب دیں کہ اِنَّ اللّٰہَ لَشَیْءٌ مُّعْتَقِدٌ عَلٰی لَاحِظَتِکُمْ مَا هُوَ اَشَدُّ عَلَیْکُمْ مِنْہُ، طریقت علی المدینہ دیندار اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اُس چیز سے روک دوں گا جو تمھارے لیے اس سے شدید تر ہے یعنی مدینہ سے تمھاری روک تھام۔ یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے، اور اس کا جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شامی تجارت کا راستہ غافلین اسلام کے لیے خطر ہے۔

اور فی الواقع اس وقت مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں تاکہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا اسلام کو مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ دوا مزاحمت نہ پائیں پانفلوٹائی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچنے ہی کی خاطر علیہ وسلم نے فنیہ اسلامی سوسائٹی کے ابتدائی نظم و نسق اور اطراف مدینہ کی یودی آبادیوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر جو حضرت خرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا اس مسئلے میں ضرور نے دو اہم تدبیریں اختیار کیں۔

ایک یہ کہ مدینہ اور ساحل بحر احمر کے مہمان اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے ان کے ساتھ محض دشمنی شروع کی تاکہ وہ عیقلانہ احتمالاً کم از کم ناظرہ داری کے معاہدے کر لیں چنانچہ اس میں آپؐ کے بعد کی کامیابی ہوئی۔ سب سے پہلے نجد سے، جو ساحل کے قریب پٹاڑی علاقے میں ایک ہم قبیلہ تھا اس کا ناظرہ داری طے ہوا۔ پھر سندھ، جبری کے آخر میں بنی نضیر سے جن کا علاقہ قبیح اور ذوالشیر سے متصل تھا دفاعی مادنت (Defensive alliance) کی قرارداد ہوئی۔ پھر سندھ، جبری کے وسط میں بنی مدلیج بھی اس قرارداد میں شریک ہو گئے کیونکہ وہ بنی حمو کے برائے اور عیقل تھے۔ مزید برآں تبلیغ اسلام نے ان

فریش کی تجارتی شاہراہ



تباہ ہیں، اس قسم کے مایوس اندر بیروں کا بھی ایک اچھا خاصہ اعتراف کر دیا۔
 دوسری تدبیر آجپے یہ امتیاز کی کڑھائی کے قافلوں کو دھکی مہینے کے لیے اس شاہرہ پریم چھوڑ
 چھوڑے دھکتے بیچنے شروع کیے اور بعض دستوں کے ساتھ آپ خود بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سال اس
 طرح کے چار دستے گئے جو مخازی کی کلاہوں میں سرخیز حمزہ، سرخیز عبیدہ بن حاتم، سرخیز سعد بن ابی وقاص
 اور غزوۃ الفلباس کے نام سے موسوم ہیں۔ اور دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاختیں لیں تھیں۔
 ان میں سے ایک کا نام مخازی غزوہ اور دوسرے کا نام سرخیز غزوہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان تمام حصوں کی دو
 خصوصیتیں قابلِ تلاحظہ ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے کسی میں نہ تو کشت و خون ہو اور نہ کوئی قافلہ لٹا گیا جس
 یہ صاف ظہر ہو رہا ہے کہ ان تاختوں کا اصل مقصد قریش کو ہموار کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی
 تاخت میں بھی حضور نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی نہیں لیا بلکہ تمام دستے خاص کی جاہلین سے ہی مرتب
 فرماتے رہے تاکہ حق و باطل کا کشاکش قریش کے اپنے ہی گھروں تک محدود رہے اور دوسرے قبیلوں کے
 اس میں الجھنے سے آگاہ نہیں نہ ہوتے۔ اور ہر سے اہل کعبہ کی طرف غارت گردستے بیچنے رہتے،
 چنانچہ ان میں سے ایک دستے نے کثرین جاہل انبیری کی قیادت میں مدینہ کے قریب ڈاک مارا اور
 اہل مدینہ کے مویشی لوٹ لیے۔ قریش کی کوشش اس سلسلہ میں نہ رہی کہ دوسرے قبیلوں کو بھی کشاکش
 میں الجھا دیں، نیز یہ کہ انہوں نے بات کو محض دھکی تک محدود نہ رکھا بلکہ لوٹ مار تک ذبح و بچاؤ۔
 حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ شعبان سنہ ہجری (فروری یا مارچ ۳۲۳ء) میں قریش کا
 ایک دستہ بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ۱۰ ہزار اشرفی کا مال تھا اندیس چالیس سے زیادہ محافظان تھے،
 شام سے مکہ کی طرف چلنے ہوئے اس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی زمین تھا۔ چونکہ مال زیادہ تھا، محافظان کٹے
 اور باقی حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقتور دستہ اس پر چھاپ نہ مار دے اس لیے
 سرور قافلہ المؤمنین نے اس خطرہ کا قیام سمجھتے ہی ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد
 لے آئے۔ اس شخص نے مکہ پہنچتے ہی حرم کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس
 کی ناک پھیر دی، کھال سے کٹاٹ کر رکھ دیا اور اپنا قیام سمجھتے ہی چھپے سے چھپا کر شور مچانا شروع کر دیا کہ یا
 معشرہ قریش! اللطیفہ اللطیفہ، اور انکھ مع ابی سفیان قد حرم لہا محمد بنی
 اصحابہم، انکار غی ان مدد کر گھو، الغوث، الغوث (قریش والو! اپنے قافلہ کو ہت کی خبر لو
 تھا کہ اسے اہل جاہلیان کے ساتھ ہیں، تمہارے آدمی لے کر ان کے دہے ہو گیا ہے۔ مجھے تمہیں نہیں
 کہتا میں پاس کرے، دھڑ دھڑو مدد کے لیے)۔ اس پر سارے مکہ میں ہرجاں برپا ہو گیا۔ قریش کے تمام
 بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے ۶۰۰ مردہ ہوش
 تھے اور جن میں تیسرا مردی کا رسالہ بھی شامل تھا، پوری شان و شوکت کے ساتھ لڑنے کے لیے چلے۔

اُن کے پیش نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے قافلے کو پہنچائیں۔ بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرے کو پیش نظر رکھ کر اپنے مقصد میں اور دیر نہیں یہ غافل طاقت جو اسلامی فوجی فتح جوئی شروع ہو چکی ہے اسے کھل ڈالیں اور اس فوج کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ پابند کے لیے یہ تھماری راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھڑی پہنچی ہے اور یہ ٹھیک دہرہ وقت ہے جبکہ ایک جبروت اقدام اگر نہ کر ڈالے گا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی بلکہ یہ نہیں کہ اس تحریک کے لیے سوائے اللہ کے کوئی دوسرا قوتور ہو جائے۔
خاتمہ العزت میں آئے، ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہو سکے ہیں۔ جاہلین سے سو مسلمان انصاری بھی نا آزد و مدہ، یہودی قبائل برسرِ مخالفت، خود دین میں منافقین و مشرکین کا ایک اچھا خاصا قوتور مختصر موجود اور اگر وہ پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اندر نہ بیٹھا ان کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش دین پر حملہ آور ہو جائیں تو ہر مسئلہ کی محسوس ہوجاے گی کہ مسلمانوں کی محسوس ہوجاے گی کہ ان کے لیے ایک عملہ نہ کیوں اور صرف اپنے زور سے قافلے کو بھاگ رہی نکال لے جائیں اور مسلمان دیکھ کر ٹھٹھے بجاتے ہیں یہی ایک سخت مسئلہ مسلمانوں کی یہی ہمارا کٹھن ہے کہ عرب کا بچہ بچہ ان کے لیے ہو جائے گا اور ان کے لیے ملک ہجر میں پھر کوئی جگہ نہ پائے باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشرافوں پر کام کن مشورے کو دیں گے۔ دین کے یہودی اور منافقین و مشرکین کی اطلاع سر اٹھائیں گے اور دارالجمہورت میں جینا مشکل کر دیں گے۔ مسلمانوں کو کوئی دھبہ وار نہ ہو گا کہ اس کی جگہ سے کسی کو ان کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے میں تامل ہو۔ اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمایا کہ جو طاقت بھی اس وقت میرے لیے لے کر نکلیں اور مدین میں فیصلہ کریں کہ جینے کا لی ذناکس میں سے کون کس میں نہیں ہے۔

اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں جماعتی قافلہ ہے اور دوسری طرف ہجر ہے قریش کا لشکر ہے آ رہا ہے، لشکر کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا، بتاؤ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قافلہ پر حملہ کیا جائے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کچھ اور تھا اس لیے اپنے اپنا امر ال دہرایا۔
اس پر مہاجرین میں سے عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! احضر لہما امر اللہ و اللہ، انما معک حیثما احببت، لا نقول لك کما قال بنو اسرائیل لہم و علی اذہب انت و
س ہلک فقتلنا انما ھمنا تا علون، و لکن اذہب انت و س ہلک فقتلنا انما معکما
مقتالون ما دامت عیننا قطرفت یا رسول اللہ! ہر ہر آپ کا رب آپ کو کھم ہے کچھ

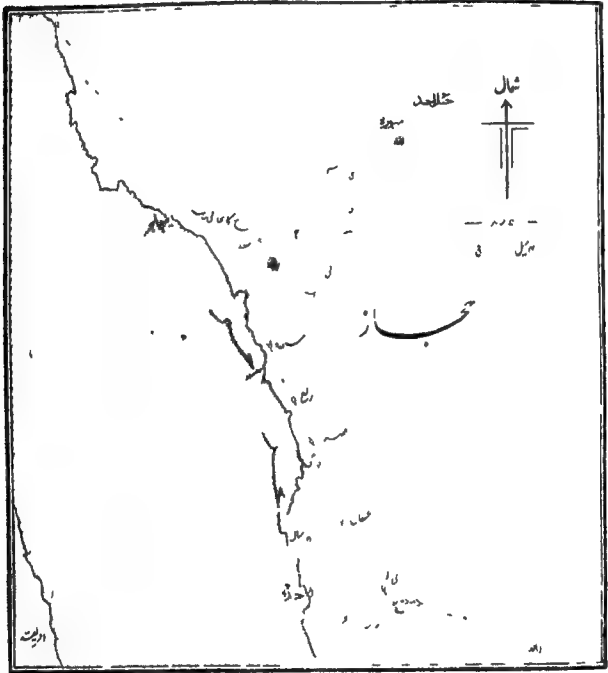
کامون نمونہ

رہنما لاسال

۱۲۰ - ۱۲۱

تعمیرات کے نام

پینے کے پانی تک



اس نقشہ کا مقصد یہ ہے کہ اس علاقہ میں موجود سب سے زیادہ پانی کے ذریعے سے پانی کی قلت کو دور کیا جائے۔

پرنسپل مکتبہ سائنس و ادب

سراہین، لاہور

اسی طرف چلیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ ہمارا حق اور خدا اور خداوندی نہیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہمیں ہم کہتے ہیں کہ چلیے آپ اور آپ کا خدا، دونوں آپ اور ہم آپ کے ساتھ ہمیں مل جائیں گے جب تک ہم میں سے ایک آپ کو بھی گمشدہ کر دے گا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی رائے معلوم کیے بغیر ہمیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ ہمیں ایک فوجی اقتدار میں ان سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی اور ان کے لیے یہ آرائش کا پہلا موقع تھا کہ اسلام کی ہدایت کا یہ ہندو اصول نے اول مدد کیا تھا اسے وہ کمال تک نہ پہنچنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے حضورؐ نے بلا راست ان کو مخاطب کیے بغیر یہاں یہ سوال دوہرایا۔ اس پر سعد بن معاذؓ اٹھے اور انھوں نے عرض کیا: شیعہ حضورؐ کا دوسرے حق ہماری طرف ہے؟ فرمایا ہاں۔ انھوں نے کہا لقد اٰمننا بک وحدتنا۔ وشہدنا ان ما جئتک بہ ہوا الحق واعطیناک عہدنا وعہدنا موثیقنا علی السمع والاطاعة۔ فامض یا رسول اللہ لہا اس مدت۔ فوالذی بھتک بالحق لو سخرت بنا هذا البحر فخضتہ لخنضنا کامعک وما تخلف منا رجل واحد۔ وما انکرہ ان تلقی بنا علونا غدا انا لنصیر عندا المحرب صدق عند اللقاوم ولعل اللہ ینزل منا ما نقر بہ عینک فسرینا علی بركة اللہ۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کرچکے ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے مطاعت کا یہ لازمہ بند باندھ چکے ہیں۔ پس انے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں اسے کر سائے سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم آپ کے ساتھ کریں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپ اپنی قوم کے دشمن سے ہمارے دشمن بن جائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ میں بھی جاں نثاری دکھائیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہم سے وہ کچھ دکھائے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں پھٹیں ہر جائیں، پس اللہ کی رکت کے بعد سے یہ آپ ہمیں ملے ہیں۔“

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بہانے لشکرِ قریشی کے مقابلہ پر چلنا چاہیے۔ لیکن فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا جو لوگ اس جنگ وقت میں لڑائی کے لیے تھے تھے ان کی تعداد ۳ سو سے کچھ زیادہ تھی (۱۱۹ حاجر، ۱۱۰ قبیلہ اوس کے اور ۱۰۰ قبیلہ خزرج کے) جن میں صرف تعداد کے پاس گھوڑے تھے اور باقی آدمیوں کے لیے ۷۰ اونٹوں سے زیادہ نہ تھے جن پر زمین تین چار چاروں خاص باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ سامان جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ۱۰ آدمیوں کے پاس نہیں تھیں۔ اسی لیے چند مرفوش فلاحوں کے موٹر آدمی جو اس خطرناک ہم میں شریک تھے دلوں میں سم بہتے تھے اور انھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جانتے بوجھے موت کے منہ میں جا رہے ہیں مصلحت

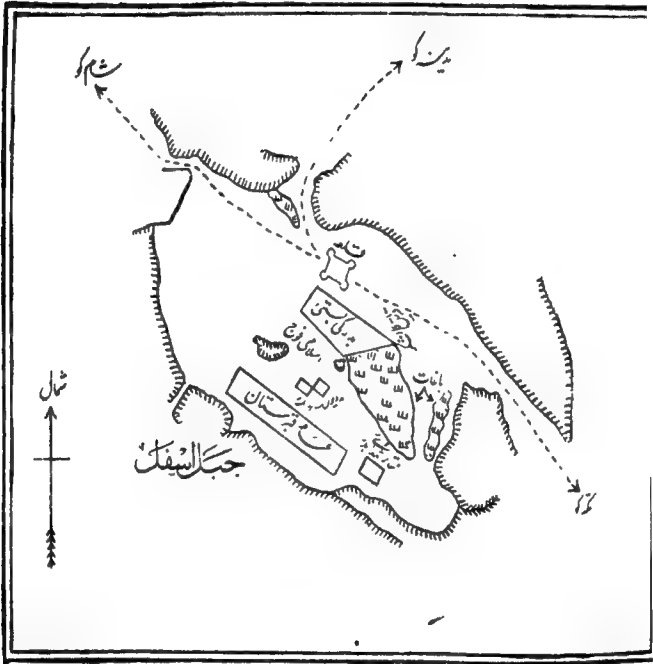
پہلے لوگ جہاد کا حکم اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل دھتے جن میں جان و مال کا
 نمایاں ہوا کسی قسم کو رہا نہ گئی سے تعبیر کر رہے تھے لہذا ان کا خیال تھا کہ دینی جہاد نے ان لوگوں کو پاگل
 بنا دیا ہے۔ مگر نبی اور مومنین عداوتیں یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی لگانے ہی کا ہے اس لیے
 اللہ کے جہاد سے پردہ ہٹا کر کھڑے ہوئے اور انہوں نے یسید بھی جنوب مغرب کی راہ لی بدھ سے قریش
 کا لشکر آ رہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتدائیں قافلے کو واپس مقرر ہو جاتا تو شمال مغرب کی راہ لی جاتی۔

حارہ رمضان کو بدر کے مقام پر فرقہ بین کا مقابلہ ہوا جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے
 مقابل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تین کا فردوں کے مقابلے میں ایک سلطان ہے اور وہ بھی
 پہلی طرح مسلح نہیں ہے تو خدا کے آگے دعا کی کہ اے خدا! میرا دشمن کو خیر و خیر کے ساتھ
 عرض کرنا شروع کیا اللہ عز و جل قریشی قلاتت ہجیلا لہما تحاول ان تکذب رسولک
 اللہم فنعولک الذی وعدتہن اللہم انی قتلک حذک العصابۃ الیوم کا قصد تھا یا!
 یہ ہیں قریش! اپنے سامان غور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کر دیں، خداوند! اس
 اب آجائے تیری وہ مرد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر تجھے یہ مٹھی بھر جماعت ہاک ہو گئی تو
 روئے زمین پر پھرتی جہاد نہ ہوگی۔

اس معرکہ کارزار میں پہلے زیادہ سخت امتحان ماہرین مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی ہندوستان
 منت آ کر تھے۔ کسی کا باپ کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں کسی کا بھائی اس کی اپنی تموار کی زد میں آ رہا
 تھا اور اپنے ہاتھوں میں اپنے بچے کے گلوے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی آزمائش سے صرف وہی لوگ
 گزیر سکتے تھے جنہوں نے پہلی تجدیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہو اور جو باطل کے ساتھ مارے نہ شکتے
 قطع کر ڈالنے پر تیار ہوں۔ اور انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے عرب کے
 طاقتور ترین قبیلے، قریش اور اس کے حلیف قبائل کی دشمنی صرف اسی حد تک مولیٰ تھی کہ ان کے علی الرغم
 مسلمانوں کو اپنے ہاں بچاؤ سے دی تھی، لیکن اب تو وہ اسلام کی حلیت میں ان کے خلاف اٹھنے لگے بھی جگہ
 تھے جس کے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں ہے اسے
 مکہ عرب کے لڑائی مولیٰ ہے۔ یہ جہاد صرف دیکھ لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا

اصحاب یہ بات نقل دے کہ جب مکہ کے حکام میں تبلیغ دینوت کے مسیحا نے سو راویات پر انکار کیا ہے حدیث
 اور منافقوں کی انکار میں مادہ ہوئی تو، لیکن ان مدایات کا خلاصہ قرآن کے کلمات سے نقل کیا جاتا ہے بعض ایسی ہی کی بنا پر جہاد
 کے حق میں کہیں کوئی نہ سمجھتا تھا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حلقہ کار کو کہیں ترانہ بیان ہو رہا تو
 وہ بھی مردہ غفلت ہے کیونکہ وہ ان کے ہمدستی میں تھا اور ان کے حق میں جہاد اور منافقوں کے حق میں کوئی اور نہ تھا۔
 منافقوں اس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہ کلمات رات کو صبح تو قرآن میں نہیں آتے کہ تو یہ کلمات تھے۔

نقشہ جنگ بدر



ایمان لے آئے ہوں کس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر نہیں فساد پر ہمارا دیر ہی ہو۔ آخر کالان و دگر کی صداقت یہ ایمانی خطائی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کاروبار ہو گئی اور قیوش اپنے مسلحہ طور و طاقت کے باوجود ان بے سر و سامان فلاحیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ ان کے مشرکوں یا بے گئے، ۷۰ قید ہوئے لیکن کاسر و سامان قیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آ یا قیوش کے بڑے بڑے سردار ان کے گھمانے سرگردوں اسلام کی حفاظت و تحریک کے لئے روانہ تھے اس معرکہ میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنادیا جیسا کہ ایک مغربی محقق نے لکھا ہے ۷۰ ہمد سے پہلے اسلام محض ایک مذہب اور ریاست تھا مگر بعد کے بعد مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔

مباحثہ ۱۰ | بعد عظیم الشان معرکہ جس پر قرآن کی اس سورہ میں تبصرو کیا گیا ہے کہ اس معرکہ کا نفاذ تمام ان تھوڑے سے مختلف ہے جو خزی ہارشاہ اپنی فوج کی فتحیابی کے بعد کیا کرتے تھے۔

اس میں جسکے پہلے ان خابروں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اطلاقِ حریت سے بھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ کتبہ دینی مزید تکمیل کے لئے بھی کویں۔

پھر ان کو بتایا گیا ہے کہ اس فتح میں تائید الہی کا کتنا بڑا حصہ تھا تاکہ وہ اپنی عزت و شہادت پر نہ پھولیں بلکہ دلائلِ عقل و حدیث اور رسول کی اطاعت کا سبق لیں۔

پھر اس اطلاقِ مقصد کو واضح کیا گیا ہے جس کے لئے مسلمانوں کو یہ معرکہ حق باطل پر پکا کرنا ہے اور ان اطلاقِ صفات کی توضیح کی گئی ہے جن سے اس معرکہ میں انھیں کھیمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر مشرکین و دون فقین اور یہود و ان لوگوں کو جو جنگ میں قید ہو کر آئے تھے نہایت سبق آموز انداز میں خطاب کیا گیا ہے۔

پھر ان احوال کے متعلق جو جنگ میں ہاتھ آئے تھے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ انھیں اپنا مال نہ بھینیں بلکہ خدا کا مال سمجھیں جو کچھ اللہ اس میں سے ان کا حصہ قرار کرے اسے شکر کے ساتھ قبول کر لیں اور جو حصہ اللہ اپنے حکم اور اپنے عزیز بندوں کی امداد کے لئے قرار کرے اس کو مضبوطی گواہ کریں۔

پھر قاتلِ جنگ و صلح کے متعلق وہ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں جن کی توضیح میں مرحلے میں دعوتِ اسلامی کے اعلیٰ ہو جانے کے بعد ضروری تھی تاکہ مسلمان اپنی صلح و جنگ میں جاہلیت کے طریقوں سے پرہیز اور دنیا پرمان کی اخلاقی برتری قائم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اہلِ دوزخ سے اخلاقِ بخشنہ زندگی کی بنیاد رکھنے کی دعوت دے رہا ہے اس کی تصدیق و تعمیل کی زندگی میں کیا ہے۔

پھر اسلامی ریاست کے دستور و قانون کی بنیاد و نہات بیان کی گئی ہیں جن سے دارالاسلام کے مسلمان شاعروں کی اپنی حیثیت میں مسلمانوں سے الگ کر دی گئی ہے جو دارالاسلام کے علاوہ سے باہر پھرتے ہیں۔

ایاتھما، سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَیْنِكُمْ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ
لِنَکُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ

تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن بنو گے سچے اہل ایمان تو وہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر

۱۔ ہر اس شخص کو جس کی عیب قید ہے۔ ہر میں جو مال غنیمت عسکر قریش سے لڑا گیا تھا اس کی تقسیم پر مسلمانوں کے مابین نزاع رہا ہو گئی جو کچھ سلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں کو پہلی مرتبہ پرچم اسلام کے نیچے لڑنے کا اتفاق ہوا تھا اس لیے ان کو سلام و تقاضا کی مسکریں مل گئیں اور اس سے بعد لڑا شدہ مسائل کے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے کچھ ابتدائی ہدایات سے تقاضا و وصول عرصہ دی جا چکی تھیں، لیکن تہذیب جنگ الکی بنیاد بھی رکھنی باقی بہت سے تمدنی مسائل کی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملہ میں بھی کٹھن پڑنے کی جاہلیت ہی کے تقاضات لیے ہوئے تھے اس وجہ سے بعد کی اسلامی جنگوں کی شکست کے بعد بہت لوگوں نے جو کچھ مال غنیمت لڑا تھا وہ مرہ کے پڑاؤ کے طریقہ کے مطابق اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ بیٹھے تھے۔ لیکن ایک دوسرا فرقہ جس نے غنیمت کی خدمت شروع کرنے کے بجائے کفار کا تقاضا کیا تھا اس بات کا مدعی ہوا کہ اس مال میں ہمارا ہول کا حصہ ہے کیونکہ اگر ہم دشمن کو بھیجا کہ اسے دھڑک بھاگ دیتے اور ہماری طرح غنیمت پر ڈٹ پڑتے تو ممکن تھا دشمن ہر لڑکے کو حملہ کر دیتا اور فتح شکست سے بدل جاتی۔ ایک تیسرے فرقہ نے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا تھا اپنے دعویٰ پیش کیے اس کا نتیجہ تھا کہ سب کے لیے ایک ہی نصبت تو اس جنگ میں ہم نے انجام دی ہے۔ اگر ہم رسول اللہ کے گرد بیچ جانوں کا حصہ دیتے ہوئے نہ رکتے اور آپ کو کوئی نقص نہ پہنچ جاتا تو فتح ہی کب عیب ہو سکتی تھی کہ کوئی مال غنیمت ہاتھ نہ آتا اور اس کی تقسیم کا سوال اُٹھتا۔ گمراہ علماء جس فرقہ کے تھے ہیں تھا اس کی لکیت گویا کسی ثبوت کی قلعہ دستی اندوہ دلیل کی طرح مانتے کے لیے تیار نہ تھا کہ ایک امیر واقعی اس کے بعد سے بدل جائے۔ آخر کلاس نزاع نے تمدنی کی صورت اختیار کرنی شروع کر دی اور دونوں سے دونوں تک بدترکی پھیلنے لگی۔

یہ قصہ فہمائی مرقع ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال نازل کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور جنگ پر اپنے ہتھیار کی ابتداء ہی سکے سے کی۔ پھر پہلا ہی فقرہ جو ارشاد مجزا اُسی میں سوال کا جواب موجود تھا۔ فرمایا قسم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں یہ ان سوال کو مختصر ائمہ کے بجائے انفال کے نقطہ سے تعبیر کرنا بجائے خود مسئلے کا فیصلہ اپنے اندر رکھنا تھا۔ انفال جمع ہے نفل کی عربی زبان میں نفل اس چیز کو کہتے ہیں جو واجب سے یا حق سے نام نہ ہو جب یہ نافع کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ رضا کارانہ خدمت ہوتی ہے جو ایک بندہ اپنے آقا کے لیے فرض سے بڑھ کر طوعاً بجا لاتا ہے۔ اور جب یہ مہربان کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ صلۃ اقسام جرتا ہے جو آتا اپنے بندے کو اس کے حق سے نام نہ دیتا ہے۔ پس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ساری رد و کردہ بزرگ اس پر چھو گئے کیا خدا کے بخشے ہوئے نعمات کے بارے میں جو یہی ہے ہمارے بات ہے تو تم لوگ ان کے مالک و مختار کمال بنے جا رہے ہو کہ خود ان کی تقسیم کا فیصلہ کرو۔ اہل جس کا ہتھ بڑا ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ دے دیا جائے اور کرے نہیں۔ اور جس کو بھی دیا جائے اسے کتنا دیا جائے۔

یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی۔ مسلمان کی جنگ دنیا کے مادی فائدے بڑھانے کیلئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے اخلاقی و تمدنی بگاڑ کو اصول حق کے مطابق درست کرنے کے لیے ہے جسے جو لوگ اس وقت اختیار کیا جاتا ہے بلکہ حرام چیزیں، رحمت و تبلیغ کے ذریعے سے اصلاح کرنا ممکن بنا دیں۔ یہی مصلحتیں کی نظر اپنے مقصد پر پھرنے چاہیے نہ کہ ان فائدہ پر جو مقصد کے لیے صحت کرتے ہوئے بطور اقسام خدا کی عنایت سے حاصل ہوں۔ ان فوائد سے اگر اتنا ہی میں ان کی نظر نہ ہادی جائے تو بہت جلدی اخلاقی و اخلاقی اصلاح اور فائدہ کو ہی فائدہ مقصود قرار دیا جائے۔

پھر یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی انتظامی اصلاح بھی تھی۔ قدیم زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جہاں جس کے ہاتھ لگتا ہی اس کا مالک قرار پاتا۔ یا پھر ارشاد یا پھر سالار قلم فن پر تقاضا ہو جاتا پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یا ہار فوجوں کے درمیان اموال غنیمت پر بحث و تنازع ہوتا اور ہار اوقات ان کی خلاف جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی اور مکر صورت میں ہمارے کو جی کا مار جھگڑا جاتا تھا اور وہ خاتم کر جہاں لے کر کوشش کرتے تھے۔ قرآن نے انفال کو اللہ اور رسول کا مالی حق قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ تمام مال غنیمت کا یکم دہکام امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر جو کچھ چل کر اس مال کی تقسیم کا قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب ہندوں کی مدد کے لیے بیت المال میں رکھ دیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی جو۔ اس طرح وہ دونوں خواہشیں جو جاہلیت کے طریقہ میں تھیں۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ذکر میں رہنا چاہیے۔ یہاں انفال کے قصہ کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ یہ ارشاد اور اس کے رسول کے ہیں۔ تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھیڑا گیا تاکہ پہلے تسلیم و اطاعت کمال ہو جائے پھر چند لوگ کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔ اسی لیے یہاں نہیں انفال لکھا گیا ہے اور کوئی عذر نہیں جب تقسیم کا حکم بیان کرنے کی ذمہ داری تو اسی اموال کو خاتم کے نقطہ سے تعبیر کیا گیا۔

وَجَلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاذْأُتِلَتْ عَلَيْهِمْ آيَةُ زَادَتْهُمْ لِسَانًا وَ
 عَلَى رِجْلِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱۱﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيَمْسُرُونَ زُرْقَهُمْ
 يَتَفَقَّهُونَ ﴿۱۲﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ
 رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۳﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ

لرہ جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔
 وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہمارا
 راہ میں اخراج کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے
 درجے ہیں، قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔ (اس مال قیمت کے معاملہ میں بھی ویسی
 ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جبکہ تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے

۱۱۔ جیسا کہ پہلے موقع پر جب کہ کوئی مکمل الی آدی کے سامنے آئے اور وہ اس کی تصدیق کر کے مطاعت بھلا دے،
 آدی کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر اس موقع پر جب کہ کوئی چیز آدمی کی مرضی کے خلاف اس کی رائے اور قصورات و خطرات کے
 خلاف اس کی مانوس مادیوں کے خلاف اس کے مفاد اور اس کی لذت و ہواش کے خلاف اس کی بہتوں اور دوستیوں کے
 خلاف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت میں ملے اور آدمی اس کو مان کر فرمان خدا اور رسول کو بدھنے کے بہلے اپنے
 آپ کو بدل دے اور اس کی قبولیت میں تکلیف انگریز کرے تو اس سے آدمی کے ایمان کو بامیدگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے
 برعکس اگر ایسا کرنے میں آدمی دیر کرے تو اس کے ایمان کی جان بچھنی شروع ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کوئی ماسک و
 جامہ جیڑ نہیں ہے اور تصدیق و عدم تصدیق کا بس ایک ہی ایک مرتبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی نے نہ مانا تو وہ بس ایک ہی نہ مانا
 ہوا اور اگر اس نے مان لیا تو وہ بھی بس ایک ہی مان لینا ہوا۔ نہیں بلکہ تصدیق اور کفار دونوں میں اس خطا اور نشوونما کی صلاحیت
 ہے۔ ہر ایک کی کیفیت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے۔ اور اسی طرح ہر افراد و تصدیق میں ارتقا بھی ہو سکتا ہے اور
 تنزل بھی۔ البتہ فقیہ احکام کے اعتبار سے نظام تمدن میں حقوق اور حیثیات کا تعین جب کیا جائے گا تو تصدیق اور عدم تصدیق
 دونوں کے بس ایک ہی ایک مرتبہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسلامی مومنان میں تمام ماننے والوں کے یقینی حقوق و واجبات
 یکساں ہوں گے خواہ ان کے ایمان ماننے کے مراتب میں کتنی ہی تفاوت ہو۔ اور بد ماننے والے ایک ہی مرتبہ میں ملے

مِنْ بَنِيكَ بِالْحَقِّ وَإِنْ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرْهُونَ ۝
يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝۶ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا

گھر سے نکال لایا تھا اور وہ منوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں
تجھے سے جھگڑ رہے تھے دراصل تجھے کہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ
آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں

یا حنی یا معاہدہ و سالم قرار دیے جائیں گے خواہ ان میں کفر کے اعتبار سے مراتب کا کتنا ہی فرق ہو۔

۷ تصور بڑے سے بڑے اور بتر سے بتر اہل ایمان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں اور جو کچھ ہیں اور جب تک انہیں
انسان سمجھے یہ محال ہے کہ اس کا نام اعمال سراسر میرا ہی کارناموں ہی پر مشتمل ہو اور عرض ملامتی مغای سے بالکل غافل رہے۔
معاہدہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ہے کہ جب انسان زندگی کی لازمی شرائط و روی کر رہا ہے تو اللہ اس کی
کوئی تہمیل سے چشم پوشی فرما رہا ہے اور اس کی خدمات جس صلے کی مستحق ہوتی ہیں اس سے کچھ زیادہ صلہ اپنے فضل سے عطا
کر رہا ہے۔ ورنہ اگر قاعدہ یہ مقرر کیا جاتا کہ ہر قصور کی سزا اللہ ہر خدمت کی جواگاہ ملگدی جانے کو کافی بڑے سے بڑا صانع
بھی سزا دے نہ نکلتا۔

۸ یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے حالانکہ حق کا مطالبہ اس وقت
بھی تھا کہ خطرے کے منہ میں پہلے جائیں۔ اسی طرح آج انہیں مل قیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار رہ رہا ہے حالانکہ حق کا مطالبہ یہی
ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کر دے اور اپنے نفس کی
غلاہش کے بجائے رسول کا کہا مانو گے تو دنیا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے میرا بھی جنگ بدر کے موقع پر دیکھ چکے ہو کہ تمہیں لشکر قریش
کے مقابلہ پر جانا سخت ناگوار تھا اور اسے تم نہایت کامیاب سمجھ رہے تھے لیکن جب تم نے حکم خدا اور رسول کی تعمیل کی تو یہی خطرناک
کام تمہارے لیے زندگی کا پیغام ثابت ہوا۔

قرآن کا یہ ارشاد و مضاف ان روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلہ میں عوام گنبد میرت و نمازی میں نقل
کی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ابتدائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین قافلے کو ٹھٹھنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے، پھر حضرت زبیر
لکے ہاکر جب معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تب یہ مشورہ کیا گیا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے یا

لَكُمْ وَتَوَدُّونَ اَنْ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَهٖ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُخَيِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ۚ لِيُخَيِّقَ الْحَقَّ
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْجَحْرُمُوْنَ ۝ اِذْ تَسْتَغِيثُوْنَ رَبَّكُمْ
فَاَسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّیْ مُسْتَجِبٌۭ بِالْفِیْضِ مِنَ السَّلٰبِ ۚ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا
جَعَلَ اللّٰهُ الْاِبْرٰشِيَّ وَلِتَطْمَیْنُۢ بِهِ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

رَبِّ جَائِئٍۭ كَآتِمٍۭ چاہتے تھے کہ کزور گردہ تمہیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے
حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جبرمٹا دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے
خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

ادردہ موقع جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری
مدد کے لیے پہلے دو پہلے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتادی
کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی
شکر کا مقابلہ اس بیان کے برعکس قرآن یہ بتاتا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تھے اس وقت یہ یسار
آپ کے پیش نظر تھا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ اشارت بھی اسی وقت ہوئی تھی کہ قافلے اور لشکر
میں سے کس کو حملہ کے لیے منتخب کیا جائے۔ اور باوجودیکہ زمین پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ لشکر ہی سے فضا ضروری ہے،
پھر بھی ان میں سے ایک گروہ اس سے بچنے کے لیے جہت کرتا رہا۔ اور بالآخر جب آخری رات یہ قرار پانگئی کہ لشکر ہی کی طرف
چلتا چاہیے تو یہ گروہ مدینہ سے یہ خیال کرتا ہوا چلا کہ ہم سب سے موت کے منہ سے نکلے جا رہے ہیں۔

۵۵ یہی تمہاری فاطمہ یا لشکر قریش۔

۵۶ یعنی فاطمہ جس کے ساتھ صرف تیس چالیس محافظ تھے۔

۵۷ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت فی الواقع صورت حال کیا رہنا ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم نے سورہ کے
دیباچہ میں بیان کیا ہے۔ لشکر قریش کے محل آئے سے مدال میل پر پیدا ہو گیا تھا کہ وحدت اسلامی اور نظام باطلیت دونوں
کس کو عرب میں زندہ رہنا ہے۔ اگر مسلمان اس وقت مروانہ دارِ مقابلہ کے لیے نہ نکلتے تو اسلام کے لیے زندگی کا کوئی موقع

10

عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغَشِّيكُمُ اللَّعَاسُ أَمْنًا
مِّنْهُ وَيُنْزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيَطْبَخَ لَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ
عَنكُم رِّجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ
الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحَىٰ رُبَّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا
الَّذِينَ آمَنُوا سَأَلْتُ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَأَصْرَبُوا

طرف سے ہوتی ہے، یقیناً اشد زبردست اور وانا ہے۔ ع

اور وہ وقت جبکہ اشرافیہ طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان دے رہے غری کی کیفیت طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ٹوٹی ہوئی نجاست دُور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جماد شے۔

اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اپنی ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں پس ظلم کی باقی دو جہتا بغض اس کے مسلمانوں کے تحفظ اور پہلے ہی پھیل رہے اور اس قریش کی طاقت پر کاری جوٹ لگا دینے سے محلات پیدا ہوتے جن کی مدت اسلام کو قدم چمانے کا موقع فراہم کرے جس کے مقابلہ میں نظام جاہلیت پرہیز شکست کھا رہی چلا گیا۔

۱۱؎ یہی آخر مسلمانوں کو آمد کی جنگ میں بھی خبر پڑا یہاں تک کہ سورہ آل عمران کو رکوع ۱۹ میں گزرتا چلا گیا۔ اور وہ دن

مواقعہ بدر میں ایک قسمی کہ کو موقع شدت خوف اور گھبراہٹ کا تھا اس وقت اشرار نے مسلمانوں کے دلوں کو ایسے اطمینان سے بھر دیا کہ ان پر غزوہ کی بھاری پورے لگی۔

[illegible]

قُوَّةَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذَلِكُمْ بِمَا أَنْتُمْ
شَاكِرُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذَلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا الْقِيَمَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا
تُؤَلُّوهُمُ الْأَذْيَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا

گمراہوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسول
کا مقابلہ کیا اور جو خدا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے خدا اس کے لیے نہایت سخت گیر
ہے۔ یہ ہے تم لوگوں کی سزا اب اس کا مزہ چکھو اور تمہیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے
والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

اے ایمان لانے والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے
مقابلہ میں پیٹھ نہ پھيرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری — اے کہ جنگی چال کے طور پر
پاؤں دھسنے لگے۔

شیطان کی ڈالی ہوئی نہایت سے مراد وہ ہوس اور گھبرائش کی کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتداءً ہمتلائے۔
۱۲۔ جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کفر شروع سے قائل میں کام
نہیں لیا گیا ہو گا کہ وہ خود بہد و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی مصدقہ ہوگی کہ کفار پر ہر ضرب مسلمان لکھیں وہ مشتوں
کے مدد سے شیش پیلے اور کاری لگے۔ دانتا علم بالاصواب۔

۱۳۔ یہاں تک جنگ بدر کے جن واقعات کو ایک ایک کر کے یاد دلایا گیا ہے اس سے مقصد وہ اصل نقطہ تھا
کا معنویت واضح کرنا ہے۔ ابتدائیں ارشاد ہوا تھا کہ اس مالِ قیمت کو اپنی جانفشانی کا ثمرہ سمجھ کر اس کے مالک و قاتل کہ اس
بنے جاتے ہو یہ تو دراصل حلیہ لٹی ہے جو حلیہ خود ہی اپنے مال کا مختار ہے۔ اب اس کے ثبوت میں یہ واقعات گنت گنت
ہیں کہ اس شخص میں خود ہی حساب لگا کر دیکھ کر کہہ سکتا رہی اپنی جانفشانی اور جرأت و جسارت کا کتنا حقد تھا اور اللہ کی عنایت
کا کتنا حقد۔

لَقَاتِلْ أُوْمُحْضِرًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ قَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ
 مَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبَشَّ الصَّابِرِينَ ﴿١٧﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ
 اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَ لِيْلِي
 الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءٌ حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨﴾

ایسا کہے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جایگا
 اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں
 پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (اور مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے) تو یہ اس لیے تھا کہ
 اللہ مومنوں کو ایک بہترین آفات سے کالیابی کے ساتھ گزاریے، یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

۱۲۔ عذاب کا رخ ایک کفار کی طرف پھیر گیا ہے جن کے سق سزہ ہونے کا ذکر پہلے کے قمر میں ہوا تھا۔

۱۳۔ دشمن کے شدید باؤ پر مرتب پسپائی (Orderly retreat) اناہز نہیں ہے جبکہ اس کا مقصود اپنے

مخفی مرکز کی طرف پشٹا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصے سے جا ملنا ہو جائے جو چیز عوام کی گئی ہے وہ بھگدڑ (Rout)
 ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے ہڑا کرتی ہے کہ سکوڑے
 آدمی کو اپنے مقصد کی نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم فرماتے ہیں کہ میں گناہ ایسے میں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، لوگ شرک، دوسرے ملاحظ کی قیامی تیرے
 میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔ اسی طرح ایک ماہ حدیث میں آپ نے سات بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کے لیے
 تباہ کن اور اس کے انجام آخری کے لیے فاجہ نگاہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ گناہ بھی ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے
 آگے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ قرار دینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ
 کہ ایک شخص کا بھاگنا پھر بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو لے کر ایک پیش کا منکروں میں ایک پوری فوج کو ہراس کر کے بھاگایا
 اور پھر جب ایک وفد کسی فوج میں بھگدڑ پڑھاتے تو کہا نہیں جاسکتا کہ تباہی کس حد پر کار پھیرے گی۔ اس طرح کی بھگدڑ صرف فوج
 ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے بلکہ اس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج ایسی شکست کھائے۔

ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ۝۱۸ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا
فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَمَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَلَئِنْ
تَعُدُّوا نَعْدًا وَلَكِنْ نُنْغِي عَنْكُمْ فِئَتَكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كُنْتُمْ
وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۹ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتَّبَعُوا مَا يَسْمَعُونَ ۝۲۰
وَلَا تَتَّبِعُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝۲۱

یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے
والا ہے۔ (ان کافروں سے کہہ دو) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب
بلا آجاؤ، تمہارے ہی لیے بہتر ہے، ورنہ پھر پلٹ کر اسی طاقت کا اعادہ کر گے تو ہم بھی اسی سزا کا
اعانہ کریں گے اور تمہاری جمیعت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اللہ و رسول
کے ساتھ ہے۔“ ۱۶

اسے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد
اس سے سرِتابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا لاکر وہ نہیں سنتے۔

۱۷؎ مرکزِ مدینہ میں جب ماؤں اور کنڈر کے ٹکڑے ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور عام نعرہ خود کا مورخ اُٹھ اُٹھ کر
نے غلی بھڑکتے ہاتھوں نے کہ شاہتہ اللجوہ کہنے ہوئے کھانک کی طرف پھینک دیا اس کے ساتھ ہی آپ کے اشارے
سے مسلمان کبار کی کھارچ جملہ کر ہوئے، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۱۸؎ مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین نے مکہ کے پودے پلکڑا دیا، مگر غلی نے ان کو دھوکا دیا کہ وہ جوں جوں سے بہتر
ہے اس کو فتحِ حجاز اور اہلِ مل نے خاص طور پر کہا تھا کہ غلی ہم سے جو بہتر حق پرست ہے اس سے حق و عدل جو بہتر علم پرست ہے اس سے
کہہ دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی وہ عظیم صحت بھرتی ہوئی کہ وہی اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ دونوں میں سے کون اچھا اور

لَئِنْ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ
وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَآسَمَعَهُمْ وَلَوْ أَسَمِعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ
قَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ تَحْشُرُونَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے و گنگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔
اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انھیں سننے کی توفیق دیتا لیکن بھلائی کے
بغیر اگر وہ ان کو سنو تا تو وہ بے رخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے۔

اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی ہکار پر لیک کو جبکہ رسول تمہیں اس چیز
کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے، اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے دریا
مائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ اور سچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر
بہرہ رقی ہے۔

۱۶ ایمان سننے سے مراد وہ سنا ہے جو ماننے اور قبول کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ شاہ اُن منافقین کی
طوف ہے جو ایمان کا اقرار تو کرتے تھے مگر احکام کی اطاعت سے منہ موڑتے تھے۔

۱۷ یعنی جو رخصتے ہیں رخصت رہتے ہیں جن کے کان اور ذوق کے لیے ہرے اور گنگے ہیں۔

۱۸ یعنی جب ان لوگوں کے اندر خود حق پرستی اور حق کے لیے کام کرنے کا جذبہ نہیں ہے تو انہیں اگر عقل مکمل
جنگ کے لیے کمل کسے کی توفیق دے بھی دے جاتی تو یہ خطرے کا سرخ دیکھتے ہی بے تحاشہ ہٹ جاتے اور ان کی اہمیت متعالیہ
لیے یقیناً ثابت ہونے کے بجائے الٹی مغز ثابت ہوتی۔

۱۹ اتفاق کی روش سے انسان کو بچانے کے لیے اگر کوئی سبب زیادہ مؤثر نہ ہو تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ سبب
انسان کے ذہن نشین ہو جائیں۔ ایک یہ کہ معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں کے مالک تک جانتا ہے اور یہاں اذان والی ہے
کہ کوئی پہنچے دل میں جو نہیں، جو خواہش، جو اعتراض و مقاصد اور خیالات چھپا کر رکھتا ہے وہ بھی اس پر عیاں ہیں۔ دوسرے

الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۚ ﴿۱۵﴾ وَأَذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي
الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ

صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی اپنی مدد

یہ کہ جانا بہر حال خدا کے سامنے ہے اس سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ یہ عقیدے جتنے زیادہ پختہ ہوں گے انہی ممالک خفاقی سے دور رہے گا۔ اسی لیے منافقت کے خلاف و غلو و محبت کے سلسلے میں قرآن اہل دو حیدر کو کافر قرار دیتا ہے۔

۱۵۔ اس سے مراد وہ ایسا ہی تھے ہیں جو بوائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہ کا رسوائی میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں۔ قتال کے طور پر اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی شہر میں گنہگاروں کی کئی کئی افروزی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں، ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو۔ لیکن جب وہاں گندگی عام مقامی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا تو اس غلامی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر وہاں اور نہیں اور پانی ہر چیز میں پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو دبا آتی ہے اس کی بیٹھ میں گندگی پھیلانے والے لوگوں رہنے والے اور گندہ، اعلیٰ میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی تماماتوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ غلو کی طور پر بعض افراد میں موجود ہیں اور صلح و رسوائی کے وجہ سے یہی رہیں تو ان کے نقصانات محدود رہتے ہیں، لیکن جب رسوائی کا اجتماعی مفکر کو روکا نہ جاتا ہے جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت افس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان بڑے اور بے حیاء اور منافق لوگ اپنے نفس کی گدگدگیوں کو ظاہر اچھالنے اور پھیلانے لگتے ہیں اور جب اچھے لوگ بے عملی (Passive attitude) اختیار کر کے اپنی افروزی اچھالی پرتا لے لیا اجتماعی برائیوں پر مکت و صامت ہو جاتے ہیں، تو عمومی طور پر پوری رسوائی کی شامت آجاتی ہے اور وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں چنے کے ساتھ گھن بھی لیں ہاں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ایشوا کا مشاہدہ ہے کہ وہ دل میں صلاح و ہدایت کے کام کے لیے اٹھتا ہے اور تمہیں جس قدر باتیں دے گا وہ بے حد کے لیے دے گا یہی وہی میں وحی و حقیقت نفسی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے تمہارے لیے زندگی ہے۔ اگر میں دیکھوں کہ دل سے غصہ نہ لوگے اور ان برائیوں کو جو رسوائی میں پھیل، موتی میں ہواشت کرتے ہو گے وہ فتنہ عام برپا ہوگا

بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ

تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ اسے ایمان لانے والو! جانتے ہو جتنے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں مامان آزمائش ہیں اور اللہ کے

جس کی آفت سب کرپٹ میں لے لے گی، خواہت سے انہو تمہارے دربان جیسے موجود ہوں جو غلطی کرنے اور ہائی جیٹا کے دوسرا نہ ہوں، بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں بھائی ہی لیے ہوئے ہوں۔ یہودی بات ہے جس کو سورۃ احزاب ۷۱ میں اصحاب الثبت کی تاریخ میں شال میں کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے، یہودی وہ نقطہ نظر ہے جسے اسلام کی اصولی جنگ کا نیا ہی نظریہ کہا جا سکتا ہے۔

۳۶۔ یہاں شکر گزاری کا تقاضا کے قابل ہے، بلکہ اس کے سلسلہ فقر کو نظر میں رکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر شکر گزاری کا مفہوم صرف تنہا ہی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کے اس احسان کو مایں کہ اس نے اس کو رزق کی حالت سے انہیں نکالا اور مکہ کی خطر زندگی سے بچا کر اس کی جگہ لے لیا، جہاں حیثیات رزق میں برتر ہو رہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہاں بھی وہی فکر گزاری کے مفہوم میں داخل ہے کہ مسلمان اس خدا کی اولاد اس کے رسول کی اطاعت کو جس نے یہ احسانات اُن پر کیے ہیں، اور رسول کے مشن میں اخلاص و جان نثاری کے ساتھ کام کریں، اور اس کام میں جو خطرات و جنگ اور مصائب پیش آئیں ان کا مردانہ اور مقابلہ اُسی خدا کے جھوسے پر کرتے چلے جائیں جس نے اس سے پہلے ان کو خطرات سے بچا دیا تھا ہے، اور یقین رکھیں کہ جب وہ خدا کا کام اخلاص کے ساتھ کریں گے تو خدا ضرور ان کا وکیل و کیل ہوگا پس شکر گزاری محض اختیاری نوعیت ہی کی مطلوب نہیں ہے بلکہ عملی نوعیت کی بھی مطلوب ہے، احسان کا احترام کرنے کے باوجود محسن کی مٹا ہونے کے لیے کسی ذکر یا اور اس کی خدمت میں مخلص نہ ہونا اور اس کے بارے میں بیشک رکھنا کہ نہ معلوم ہاتھ نہ بھی وہ احسان کو نہ لایا جائیں، ہرگز ہلکا گزاری نہیں ہے بلکہ اٹلی ناخوشی ہے۔

۳۷۔ اپنی امانتوں سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتبار (Trust) کر کے اس کے سپرد کی جائیں، خواہ وہ حمد و ثناء کی ذمہ داریاں ہوں یا اجتماعی معاہدات کی، یا جماعت کے فرائض کی، یا شخصی و اجتماعی اموال کی یا کسی ایسے عہدہ و منصب کی جو کسی شخص پر عہدہ کرتے ہوئے جماعت اس کے حوالے کرے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء۔

عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَ
اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۶﴾ وَاِذْ يَسْكُرُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔ اے ایمان لانے والو! اگر تم خدا ترسی اختیار کر گئے تو
اللہ تمہارے لیے کوئی ٹہم پہنچا دے گا اور تمہاری بُرائیوں کو تم سے دُور کرے گا، اور تمہارے قصور
معاف کرے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکبین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے

(حاشیہ ۱۵)

۱۵۔ انسان کے اندر اس ایماں میں جو چیز یا صوم غل ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافقت، فداکاری
اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے مالی مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ اسی لیے
فرمایا کہ یہ مالی اور اولاد اور جن کی محبت میں گرفتار ہو کر تم غمناک مسخ سے ہٹ جاتے ہو، دراصل یہ دنیا کی استقامت گاہ میں تمہارے
لیے مسلمان آزمائشیں ہیں۔ جسے تم بیٹایا بیٹھی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ دراصل امتحان کا ایک پرہ ہے۔ اور جسے تم جاننا
چاہو کہ اللہ کا رکتے ہوئے بھی درحقیقت ایک دوسرا پرہ امتحان ہے۔ یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہیں، اس لیے گئی ہیں کہ ان کے
ذہب سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق اور حدود کا محالہ کرتے ہو، کہاں تک ذمہ داریوں کا بوجھ لائے ہوئے
ہذبات کی کشش کے باوجود راہِ راست پر چلتے ہو، اور کہاں تک اپنے نفس کو، جہلنِ دنیوی چیزوں کی محبت میں، اسیر ہوتا ہے؟
اس طرح تاہم میں کہتے ہو کہ پوری طرح بندہ حق بھی بنے ہو اور ان چیزوں کے حقوق اس حد تک ادا بھی کرتے ہو جس حد تک
حضرت حق نے خود ان کا استحقاق مفروض کیا ہے۔

۱۶۔ کوئی اُس چیز کو کہتے ہیں جو کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کو نمایاں کرتی ہے یہی مفہوم فرقان بھی ہے،
اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ اس نقطہ سے کیا ہے۔ ارشادِ الہی کا منشا یہ ہے کہ اگر تم جہاں اللہ سے ڈرتے ہو گئے کام کرو اور
تمہاری دلی خواہش یہ ہو کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جسے پائے جو خدا نے الہی کے خلاف ہونا اللہ تعالیٰ تمہارے خلاف
وہ قوت تیز پیدا کر دے گا جس سے قدم قدم پر تمہیں خود یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کونسا دعوہ صحیح ہے اور کونسا غلط، کس دعوہ میں
خدا کی رضا ہے اور کس میں اس کی ناراضی۔ زندگی کے ہر موڑ پر ہر درجہ پر، ہر شیبہ اور ہر فراز پر تمہاری اندرونی بصیرت تمہیں
بتائے گی کہ کھردم اٹھانا چاہیے اور کہ ہر نہ اٹھانا چاہیے، کونسی راہ حق ہے اور خدا کی طرف جاتی ہے اور کونسی راہ

لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَنْكُرُونَ وَيَكْفُرُونَ
 اللَّهُ خَيْرُ الْكَافِرِينَ ۝ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا جَاءَتْ
 قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا

کہ بڑھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی
 چال چل رہا تھا اور اللہ کی چال سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی
 تھیں تو کہتے تھے کہ ہاں سن لیا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی ہی باتیں ہم بھی بنا سکتے ہیں، یہ تو وہی پرانی
 بات ہے اور شیطان سے ملتی ہے۔

۲۵ یہاں سورج کا ذکر ہے بلکہ قریش کا یہ اندیشہ تھیں کہ حد کو پہنچ چکا تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرنے چلے
 جائیں گے۔ اس وقت وہ آپ میں کئے گئے کہ اگر شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قبار سے باہر ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے
 آپ کے معاملہ میں ایک آخری فیصلہ کرنے کے لیے دارالندعہ میں تمام ہڈ سائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر اجماع ہوا
 کہ اگر اس خطرے کا سد باب کس طرح کیا جائے۔ ایک فرقہ کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے
 اور پیچھے جی رہا نہ کیا جائے۔ لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا کیونکہ کئے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی
 قید خانے سے باہر نکلے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب قلابی قوت پکڑیں گے تو اسے چھڑانے کے لیے اپنی جان کی
 بازی لگانے میں بھی مدد فرمائیں گے۔ دوسرے فرقہ کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو۔ پھر جب یہ ہمارے درمیان
 نہ رہے تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظام زندگی میں خلل
 پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اسے بھی یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ شخص جلاوطن ہوا ہی ہے، وہاں کو رہنے میں اسے ملا کا کمال حاصل ہے،
 اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو دہلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیر و پناہ گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلب عرب کو اپنے
 اقتدار میں لانے کے لیے تم پر حملہ آور ہو گا۔ آخر کار ابو بکر نے میدانے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک ٹائی قبیلہ
 تیز دست جو امن متفقہ کیس جلاوطن کر دیا جائے اور اسے قتل کر دیں۔ اس طرح محض کا خون تمام قبیلوں پر
 تقسیم ہو جائے گا اور جو بدعنوان کے لیے نامکون ہو جائے گا کہ سب سے لڑ سکیں اس لیے مجدد انھوں نے ہمارے فیصلہ کرنے کے لیے
 واضح ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لیے آدمی بھی مقرر ہو گئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا، حتیٰ کہ جرات
 اس کام کے لیے مجوز کی گئی تھی اس میں ہر شیک وقت بہتا تھوں گا اگر وہ اپنی ڈیوٹی پہنچ بھی گیا، لیکن ان کا ہاتھ بڑھنے سے پہلے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر قتل کئے۔ لہذا ان کی جی دہائی میں وقت پر ناکام ہو کر رہ گئی۔

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بَعَذَابِ الْيَوْمِ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ

کہانی ہے جو پہلے سے لگ کتے چلے آ رہے ہیں۔ اور وہ بات بھی یاد ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ "خدا یا اگر یہ واقعی حق ہے اور تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر نازل کرے" اُس وقت تو ان شران پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ تو ان کے درمیان موجود تھا۔ اور نہ انہیں کایہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدتے۔ لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں

۱۴۱۔ یہ بات وہ دھوکے طور پر نہیں کہتے تھے بلکہ تبلیغ کے انداز میں کہتے تھے یعنی ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر واقعی یہ حق ہوتا اور خدا کی طرف سے ہوتا تو اس کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برسے اور عذاب الیم پڑے اور ٹوٹ پڑنا۔ مگر جب ایسا نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہ حق ہے نہ میں جانب اللہ ہے۔

۱۴۲۔ یہ ان کے اس سوال کا جواب ہے جو ان کی باپردہ دلی ظاہری دعائیں تھیں تھا جس جواب میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی وہ دردیں کیوں عذاب نہیں بھیجا۔ اس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ جب تک کسی کی ہمت میں وجود ہو اور حق کی طرف سے ہو وہ ہر اس وقت تک کسی کے لوگوں کو صحت دی جاتی ہے اور عذاب بھیج کر قبل از وقت ان سے اصلاح پذیری کا موقع ملتا رہتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک کسی میں سے ایسے لوگ نہ ہوں جو اپنے نیکے چلے آ رہے ہوں جو اپنی سابقہ غفلت اور غلط فہمی پر توبہ ہو کر اللہ سے معافی کی درخواست کرتے ہوں اور اللہ کے لیے اپنے رویہ کی اصلاح کر لیتے ہوں، اس وقت تک کوئی مستحق وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ اس ہمتی کو تباہ کر دے کہ وہ۔ البتہ عذاب کا اصلی وقت وہ ہر توبہ جب نہی اس ہمتی پر توبہ دہری کرنے کے بعد ملاؤں ہو کہ وہاں سے نکل جائے یا محال دیا جائے یا قتل کر دیا جائے، اور وہ ہمتی اپنے طرز عمل سے ثابت کر دے کہ وہ کسی صلاح خیر کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے

وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَائُكُمْ إِلَّا الْمَشْكُونُونَ وَلَكِنْ
 أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
 إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۳﴾
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ

حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں ہیں۔ اس کے جائز متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے بس سیٹیاں بجاتے اور تایاں پیٹتے ہیں پس اب لو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے اُس انکار حق کی پاداش میں جو تم کرتے رہے۔ جو جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے تیار نہیں ہے۔

۳۲ یہ اشارہ اس غلط فہمی کی تردید میں ہے جو لوگوں کے دل میں چھپی ہوئی تھی اور جس سے عام طور پر اہل عرب دھوکا کھا رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قریش پر کبریت اللہ کے عہد اور متولی ہیں اور وہاں عبادت بجالاتے ہیں اس لیے ان پر اللہ کا فضل ہے۔ اس کے رد میں فرمایا کہ معجزہ برکت میں عبادت اور قرابت پا لینے سے کوئی شخص یا گروہ کسی عبادت گاہ کا جائز متولی نہیں ہو سکتا۔ جائز عہد اور متولی تو صرف خدا کا ہے اور پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایک جماعت کو جو خاص خدا کی عبادت کرنے والی ہے اُس عبادت گاہ میں آنے سے روکے ہیں جو خاص خدا کی عبادت ہی کے لیے وقف کی گئی تھی۔ اس طرح یہ متولی اور خادم بن کر رہنے کے بجائے اس عبادت گاہ کے مالک بن بیٹھیں اور اپنے آپ کو اس بات کا خواہ مخواہ سمجھنے لگے ہیں کہ جس سے یہ ناراض ہوں اسے عبادت گاہ میں نہ آنے دیں۔ یہ حرکت ان کے نفع و فساد اور تباہی پر کاربوند کی صریح دلیل ہے۔ رہی ان کی عبادت جو وہ بیت اللہ میں کرتے ہیں تو اس کے اندر نہ خیر و نہ شر ہے نہ توجہ الی اللہ ہے نہ ذکر الہی ہے، بس ایک بے معنی شور و غل اور دھواں ہے جس کا نام انھوں نے عبادت رکھ چھوڑا ہے۔ ایسی نام نہاد خدمت بیت اللہ اور ایسی بھوٹی عبادت کہ تو فیض الہی کے سحق کیسے ہو گئے اور یہ چیز انہیں غضب الہی سے کرب و غم و ناکہ لگتی ہے؟

۳۳ یہ سمجھتے تھے کہ عذاب الہی صرف آسمان سے پتھروں کی شکل میں یا کسی اور طرح تو اسے سختی کے بیان ہی کی شکل میں آیا کرتا ہے۔ مگر یہاں انہیں بتا دیا گیا ہے کہ جنگ میں ان کی فیصلہ کن شکست جس کی وجہ سے اسلام کے لیے زندگی

سَبِيلِ اللَّهِ فَيُنَفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ
يُغْلَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيزَ
اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ
بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَسِرُونَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ
مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يُعْودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ

سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے۔ مگر آخر کار یہی کوششیں
ان کے لیے بھجپتاوے کا سبب بنیں گی، پھر وہ مغلوب ہوں گے، پھر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے
تاکہ اندر گندگی کو باہر کی زندگی سے بچاؤ کر لگ کر اسے اور جہنم کی گندگی کو لاکر اٹھا کرے پھر اس پلندے
کو جہنم میں بھونک دے۔ یہی لوگ اہل دیوار لیے ہیں۔ ع

اے نبی! ان کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے درگزر
کر لیا جائے گا، لیکن اگر یہ اتنی کھلی روش کا اعادہ کریں گے تو گذشتہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے
وہ سب کہ معلوم ہے۔

اسے ایمان لانے والا! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کاپڑ
کا اور قدیم نظام جاہلیت کے بے صورت کا فیصلہ بخرا ہے اور مل جن کے حق میں اللہ کا مذہب ہی ہے۔

تیسرے سے بڑھ کر دینا دین اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان جن ریلوں اپنا تمام وقت، تمام محنت تمام طاقت
اور ہر دوسرا یہ زندگی کچھ اسے اس کی انتہا پہنچ کر اسے معلوم ہو کہ وہ اسے یہی دہی تہا کی طرف لے آئی ہے اور اس ماہ میں
کچھ اس نے کچھ پایا ہے اس پر کوئی سودا منافع پانے کے بجائے اسے اٹل جہاد بھگت پڑے گا۔

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّلَاقِ
الْجَمْعِیْنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدِّیْنِ
وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصُوِّی وَالْزَكٰی اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط وَلَوْ
تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعَدِ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۚ لَیْهَلَکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ

ایمان لائے ہوا تھا پورا اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی ٹکڑ بھیر کے دن ہم نے
اپنے بندے پر نازل کی تھی ﴿۸﴾ تو یہ حصہ خوشی ادا کر دے اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یاد کرو وہ وقت جبکہ تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے
تھے اللہ کا فہم تم سے نیچے (ماہل) کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کے درمیان مقابلہ
کی قرار داد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہنچتی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لیے تھا کہ جس بات
کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے غور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو
تیمم و غفر ہے۔

اس تقسیم میں اللہ اور رسول کا حصہ ایک ہی ہے اور اس سے متصویر ہے کہ جس کا ایک جزو اظہار کلمۃ اللہ ہے امت
وہابی حق کے کام میں صرف کیا جائے۔

رشتہ مابعد سے ملوثی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضور ہی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپ اپنا روادقت
دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ رہا تھا تو اہل عباس کا اتھام
ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی اہل و عیال اور ان دوسرے اقربا کی تین کی کثات آپ کے ذمہ تھی، ضروریات پوری ہوں۔
اس میں آپ کے اقربا کا حصہ رکھا گیا، لیکن اس میں اس احتکاف ہے کہ حضور کی وفات کے بعد مذہبی القوی کا یہ حصہ کس کو
میتا ہے۔ ایک گروہ کی رائے ہے کہ بنی امیہ علیہ السلام کے بعد حصہ شروع ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضور کے بعد
یہ حصہ میں شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضور کی عکس خلافت کی خدمت انجام دے جس سے گروہ کے نزدیک حصہ مابعدیہ
کے تقاریر میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ حالانکہ میں تقسیم کر کے کھول غلطی لا شریک کے زمانہ میں بنی امیہ سے بڑھ چکا تھا۔

وَيُخَيِّئُ مَنْ حَتَّىٰ عَنْ يَّتَنَصَّۃً ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ إِذْ
يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَايِكَ قَلِيلًا ۚ وَلَوِ اذْنَعْتُمْ كَثِيرًا لَّفُتِلْتُمْ
وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ۝۴۱ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ ۚ إِذْ التَّقِيتُمْ فِيْٓ أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا
وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۚ

اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے، یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

اور یاد کرو وہ وقت جبکہ خدا ان کو پیغمبر کے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ انھیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور روانی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے لیکن اللہ ہی نے اس سے بچا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔

اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا، تاکہ جو بات جوئی تھی اسے اللہ ظہور میں لے آئے۔

۴۱ یعنی وہ تائید و نصرت جس کی بدولت تمہیں فتح حاصل ہوئی۔

۴۲ یعنی بہت ہموار ہے کہ جو زندہ رہا اسے زندہ ہی رہنا چاہیے تھا اور جو ہلاک ہوا اسے ہلاک ہی ہونا چاہیے۔

تھا۔ یہاں زندہ رہنے والے اور ہلاک ہونے والے سے مراد افراد نہیں ہیں بلکہ تمام اور جاہلیت ہیں۔

۴۳ یعنی خدا اندھا، بھرا، ہے خبر خدا نہیں ہے مگر دانا رہتا ہے۔ اس کی خدائی میں اندھا و صند کلم

نہیں جو رہا ہے۔

۴۴ یا اس وقت کی بات ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر مدینہ کے محل رہے تھے یا راستہ میں

کسی منزل پہنچے اور یہ متحقق نہ ہوا تھا کہ کفار کا لشکر فی الواقع کتنا ہے۔ اس وقت جنہوں نے خواب میں اس لشکر کو دیکھا

اور جو منظر آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ دشمنوں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہیں ہے یہی

خواب آپ نے مسلمانوں کو سنایا اور اس سے ہمت پاکر مسلمان آگے بڑھتے چلے گئے۔

وَالِی اللّٰهُ تُرْجِعُ الْأُمُورَ ۖ یَاٰیْہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ
فِئۡۃً فَانۡبِئُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۱ وَاَطِیْعُوا
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیۡحُکُمْ وَاصْبِرُوْا
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ۝۱۲ وَلَا تَكُوْنُوْا کَالَّذِیۡنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِیَارِہِمۡ بَطَرًا وَرِیَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور خدا کو سارے معاملات اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۷

اے ایمان لانے والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت
سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور
اپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ فیر سے
کام نہ لےو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگت اختیار کرو جو اپنے
گھروں سے اترتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے کھلے اور جن کی مدوش یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

۱۱۔ یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو تلواریں رکھو۔ جلد بازی، گھبراہٹ، ہراس، طبع افغان سب جوش سے بچو۔
ثبات ملے، صلہ اعلیٰ علی قوت فیصلہ کے ساتھ کام کرو۔ خطرات و مشکلات مانتے ہوئے تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے۔
اشتعال، انگیز، مواقع، شہنائیں، ترغیب و تحسب کا یہاں تم سے کوئی بے عمل حرکت سرزد نہ کرانے پائے۔ مصائب کا حملہ ہو اور
معاذات، جگمگاتے فقر آئے ہوں، قناظ و غلاب میں تمہارے حواس پر لگندہ نہ ہو جائیں، حصول مقصد کے شوق سے بے قیود ہو کر یا
کسی نئے بہشتہ تدبیر کو سرسری نظر میں کارگردیم کر کے اللہ سے اللہ سے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں۔ اور اگر کبھی دشمنی، فائدہ و
منافع اور فطرت نفس کی ترغیبات تمہیں اپنی طرف بھاری ہوں تو ان کے مقابلہ میں ہی تمہارا نفس اس حد تک رو نہ ہو کہ اپنے چاہنے
ان کی طرف کھینچے جاؤ۔ یہ تمام فضیلت صرف ایک نقطہ صبر میں پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام
حیثیات سے صابر ہوں، میری تائید راضی کو حاصل ہے۔

۱۲۔ شاہد ہے کہ کفر و فتنہ کی طرف، جن کا شکر کہ اس شان سے کھاتا کرانے بجائے والی زندگیوں ساتھ
تھیں، جگہ جگہ پھیر کر قصہ و سرود اور شراب نوشی کی مجلسیں برپا کرتے تھے، جو جو قبیلے اور فرقے راستہ میں سے تھے ان کو

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۸۴﴾ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
أَعْمَاءَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ
لَكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ

جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اشد کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

فدا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئی تم پہ غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمناسا مناجزہ اتوار وہ اُٹھے ہاتھ پھر گیا اور کہنے لگا کہ

اپنی طاقت و شجرت اور اپنی کثرت تعداد اور اپنے سرو سامان کا دھبہ جاتے تھے اور وہ ٹیگس مانتے تھے کہ پہلا ہمارے مقابلہ میں کون سر اٹھا سکتا ہے۔ یہ تو سنی بن کی اطلاقی حالت۔ اور اس پر مزید لعنت یہ تھی کہ ان کے نکلنے کا مقصد ان کے اطلاق سے بھی زیادہ ناپاک تھا۔ وہ اس لیے جان و مال کی بازی لگانے نہیں نکلے تھے کہ اپنی اور راستی اور انصاف کا علم بلند ہو کر اس لیے نکلے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے اور وہ اکیلا گروہ بھی جو دنیا میں اس مقصد حق کے لیے اٹھا ہے شتم کو دیا جائے تاکہ اس علم کو اٹھانے والا دنیا بد میں کوئی نہ رہے۔ اس پر مسلمانوں کو تنہہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں ایسے نہ بن جانا جیسے اشد نے ایمان اور حق پرستی کی جو نعمت عطا کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں اور تمہارا مقصد جنگ بھی پاک ہو۔

یہ ہدایت اسی زمانہ کے لیے نہ تھی، بلکہ کے لیے بھی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ کفار کی فوجوں کا جو حال اس وقت تھا وہی آج بھی ہے۔ قہر مانے اور فواش کے اڈے اور شرب کے پیچان کے ساتھ جو بلاینک کی طرح گئے رہتے ہیں۔ غیہ طور پر نہیں بلکہ علی الاطلاق نہایت بے شری کے ساتھ وہ مخلوق اور شراب کا لیا دہ سے زیادہ روشن مانگتے ہیں اور ان کے سپاہیوں کو غلطی قوم ہی سے یہ مطالبہ کرنے میں ہاک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی ضرورت کا کھلونا بننے کے لیے پیش کرے۔ بہر حال کوئی دوسری قوم میں سے کیا امید کر سکتی ہے کہ اس کو اپنی اطلاقی زندگی کی سٹاس پہننے میں کوئی کسر اٹھا کر کہیں گے۔ ما ان کا کھلونا تھا فرقان کے سپہا ہی اور ہر فرقہ کی جال و خال اور ان کا کھلونا میں وہ خلیاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ان میں سے ہر قوم کے مدبرین کی تقریروں میں کا غالب لکھنا اور ہمارے اشد عتقاد قہر کی ڈیگیں سن جا سکتی ہیں۔ ان اطلاقی غماستوں سے زیادہ ناپاک ان کے مقاصد جنگ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حمایت ملنے کے ساتھ ہذا کہ حقیر و لا حق کس کے پیش نظر ان حمایت کی نفع کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر درحقیقت ان کے ہر شکر ایک طرح کی حمایت ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ان کی اطلاقی کا اہل مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی زمین میں جو کچھ ملے اس ان لوگوں کے لیے بڑا کیا ہے اس پر تمہارا

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ
وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۸۰﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُمْ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى
اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۸۱﴾ وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ
كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ﴿۸۲﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

میرا تمھارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو ان کے دین نے غرہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانستہ ہے۔ کاش تم اس حالت کو دیکھ سکتے جبکہ فرشتے مقتول کافروں کی رو میں قبض کر رہے تھے! وہ ان کے چہروں اور ان کے کونھوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: لو اب جلنے کی سزا بھگتو، یہ وہ جزا ہے جس کا مسلمان تمھارے اپنے ہاتھوں نے پیشگی میاں کر رکھا تھا، اور اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا

ان کی قوم متصرف ہر بعد دوسرے اس کے حکم اور دست نگرین کر رہی۔ پس مایا، یان کو قرآن کی وہ وحی ہدایت ہے کہ ان کوئی دھار کے طور پر حق سے بھی بھڑکانے والا نہ ہو۔ ان کا مقصد یہ بھی رہی تھا کہ ان کو اپنے سے بھی بڑھ کر جن کے سے یہ روگ لگتا ہے۔
﴿۸۰﴾ منافقین اور وہ سب لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار تھے، یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی صفیں بھرے ہوئے مسلمانانِ بااعت قزاقوں جی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لیے جا رہی ہے، ان میں کہتے تھے کہ: لوگ اپنے جین چروٹی میں ڈوبانے ہو گئے ہیں، اس کو کہیں ان کی تباہی یقینی ہے مگر اس نئی سزا پر ایسا انھوں نے پہنچا کر رکھا ہے کہ ان کی شکل چھڑ گئی ہے اور ان کا حال دیکھ کر موت کے مزہ میں ملے جا رہے ہیں۔

عَهْدَاتٍ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرْجَةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۸﴾ فَاَمَّا تَثَقَفَتْهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرَّدُوهُمْ

جن کے ساتھ کرنے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور خدا کا خوف نہیں کرتے۔ پس اگر یہ لوگ تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی دشمنی طلب نہیں کیا کرتا۔

۸ یہاں خاص طور پر اشارہ ہے جو وہی طرف۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے انہی کے ساتھ حین جہاد اور باہمی تعاون و مددگاری کا معاہدہ کیا تھا اور اپنی جنگ بندی کو کشش کی تھی کہ ان سے خوفگزار تعلقات قائم رہیں۔ نیز غرضی حیثیت سے بھی آپ کو مدد کو سرزمین کی بہ نسبت اپنے سے قریب تو سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشورہ کے بالمقابل اہل کتاب ہی کے طریقہ کو ترجیح دیتے تھے لیکن ان کے طاعن و شرع کو ترجیح دینا خاص اور اخلاقی مسائل کی وہ تبلیغ اور اعتقاد و عملی گواہیوں پر وہ تکیہ و مذاہمات وین حق کی وہ سی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے، ایک ان ذمہ داری تھی اور ان کو یہیم کو کشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کا بیاب نہ رہے۔ اسی مقصد کے لیے وہ کئی مخالف مسلمانوں سے مذاہم کرتے تھے۔ اسی کے لیے وہ کوس اور خزانج کے لوگوں میں ان پانی علاقوں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے میدان کشت و خون کی موجب بن چکے تھے۔ اسی کے لیے قریش اور دوسرے مخالفانہ قبیلوں سے ان کی خفیہ سازشیں چل رہی تھیں۔ اور یہ سب حرکات انہیں معاہدہ دوستی کے باوجود ہو رہی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے درمیان کھانا چکا تھا جب جنگ ہمدردانہ ہوئی تو بتلائیں ان کو قح تھی کہ قریش کی پہلی جوش اس تحریک کا خاتمہ کر دے گی لیکن جب تیجوان کی قوت کے خلاف ان کو ان کے سینوں کی انتہی حد تک زیادہ جوش دیا۔ انہوں نے اس انداز سے کہہ دی تھی کہ میں اسلام کی قوت کو ایک مستقل مضبوطی دے اپنی مخالفت کو سرشوں کو تیز کر دیا۔ جی کہ ان کا ایک یٹڈ کعب بن اشرف جو قریش کی شکست دیتے ہی علی اٹھا تھا کہ ان زمین کو بیٹھ ہمارے لیے اس کی بیٹھ سے بہتر ہے خود چو گیا اور وہاں اس نے بیجان انگریز سریشے کہہ کر قریش کو انتقام کا جوش دیا۔ اس پر سب ان لوگوں نے بس نہ کی۔ جو وہیل کے قبیلہ بنی نضیر کا نے معاہدہ حسن ہمارے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھوڑنا شروع کیا جو ان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حرکت پر مانت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ یہ قریش ہاشد ہم لٹنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا جانتے ہیں ہمارے مقابل میں آؤ گے تب تمہیں ہر پہلے لاکھ مر دیے جاتے ہیں۔

مَنْ خَلَفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَدْعُونَ ۝۱۰۰ وَامَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ
خِيَانَةً فَاَنْذِرْهُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْخَائِبِينَ ۝۱۰۱ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبْقُوا

ع

اقتدار کرنے والے ہوں ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے۔ توقع ہے کہ بد مصلول کے اس انجام سے وہ سبق میں گئے۔ اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے سامنے پھینک دو یقیناً اللہ فاتحوں کو پسند نہیں کرتا یہ منکوس حق اس غلط فہمی میں نہیں کہ وہ بازی لے گئے

۱۰۰ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم سے ہمارا معاہدہ ہو اور پھر وہ اپنی سادہ ذمہ داریوں کو نہیں پست ڈال کر ہمارے خلاف کسی جنگ میں حصہ لے تو ہم بھی معاہدے کی اخلاقی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جائیں گے اور ہمیں حق ہوگا کہ اس سے جنگ کریں۔ نیز اگر کسی قوم سے ہماری لڑائی ہو رہی ہو اور ہم دیکھیں کہ دشمن کے ساتھ ایک ایسی قوم کے افراد بھی شریک جنگ ہیں جس سے ہمارا معاہدہ ہے تو ہم ان کو قتل کرنے اور ان سے دشمن کا معاملہ کرنے میں ہرگز کوئی تامل نہ کریں گے کیونکہ انہوں نے اپنی انفرادی حیثیتوں اپنی قوم کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھا یہاں تک ان کی جان و مال کے معاملہ میں اس معاہدے کا احترام ملحوظ رکھا جائے جو ہمارے انسان کی قوم کے درمیان ہے۔

۱۰۱ اس آیت کی وجہ سے ہمارے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معاہدہ ہو اور ہمیں اس کے طرز عمل سے شکایت لاحق ہو جائے کہ وہ حملہ کی پابندی میں کوتاہی بہت رہا ہے یا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ خدائی کر دینے کا قہم اپنی دیگر غرضوں سے کر لیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یہاں تک اس کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرتا ضرور کریں جو معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں ہی کیا جاسکتا ہو۔ اس کے برعکس ہمیں بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی حفاظت کا دروازہ کرنے سے پہلے فوج ثانی کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ قائم نہیں رہا ہمارے فوج معاہدہ کا میرا علم ہم کو حاصل ہے وہ ایسی بات کر بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔ اسی فراوان الہی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا مستقل اصول قرار دیا تھا کہ من کان بیینہ و بین قوم عہد فلا یحلن عقدہ و حق ینقضی احدہا و ینفذ الیہم علی سواہ۔ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اسے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے حملہ کا بند نہ کھولے۔ یا نہیں تو ان کا عہد پوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پیٹنگ دے۔ پھر وہی قاعدہ کو آپ نے اور زیادہ پیچھے کر تمام مساعمت میں نام اصل یہ قائم کیا تھا کہ لا تلحق من خانک۔ جو تیری خیانت کہے تو

لَا يَهْمُكَ لَا يُجْزُونَ ﴿۱﴾ وَأَعِذُوا اللَّهَ مِمَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ
وَمِنْ زِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ
الْآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا
مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲﴾

یقیناً وہ ہم کو ہر نہیں سکتے۔

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار رہندے رہنے والے
گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مینا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور
ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ
تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

ان کے ساتھ آپ کے معاہدہ روا بہت ہی قاصر ہیں۔ تمام مدلیات بالاتفاق رہتا ہی ہیں کہ جب ابوسلمہ بن عبد ربیعہ اگر تہذیب
معاہدہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔

حاشائے قریش کے خلاف جنگ کا مدد ہی آپ نے خود کی اور کلم کھلائی کسی ایسی فریب کاری کا خاتمہ تک آپ کے لڑنے
پر نہیں پایا تاکہ آپ نے بغاوت پر عمل اور یا ملن جنگ کا کوئی طریقہ استعمال فرمایا ہو۔

یہ اس معاملہ میں ہی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حسنہ ہے، فقہانیت، مذکورہ بالا کے حکم نامہ سے ہٹ کر اگر کوئی کارروائی
کی جاسکتی ہے تو ایسی ہی ضروری حالت میں کی جاسکتی ہے اور اسی سیدھے سادھے طریقہ نامہ طریقہ سے کی جاسکتی ہے جو حضور
نے اختیار فرمایا تھا۔

عرینہ ہلا اگر کسی معاہدہ قوم سے کسی معاملہ میں جملہ نزع ہو جائے اور ہم دیکھیں کہ گفت و شنید یا بین الاقوامی نا انصافی
کے ذریعہ سے وہ نزع طے نہیں ہوئی یا یہ کر لینی پائی اس کو بند کر کے نہ پرکھا جائے تو ہمارے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ
ہم اس کو طے کر کے جس وقت استعمال کریں، لیکن وقت مذکورہ بالا ہم پر یہ انتظامی ذمہ داری کا حکم ہے کہ ہمارے استعمال کا حق
صاف صاف اعلان کے بعد ہونا چاہیے اور کلم کھانا چاہیے جو وہی چپ چپ جلی کا مدد ایمان کن نامی کا صلیب اقرار کرنے کے لیے
ہم تیار نہ ہوں، ایک وہ اخلاق ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔

۱۵۴ اس سے مطلب یہ ہے کہ تمہارے اس مابین جنگ اور ایک مستقل فوج (Standing army) (جوتہ

ضَعُفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ قَاتِلٌ صَابِرٌ يَغْلِبُوا مَائَتَيْنِ
وَلَنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ
الصَّابِرِينَ ﴿۲۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَكَ اسْمٌ حَتَّى
يُثْبِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ

کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سوا آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر
ہلاک کے حکم سے غالب آئیں گے، مگر اللہ ساتھ انہی لوگوں کا دیا کرتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

کسی نبی کے لیے یہ زیریا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں
دشمنوں کو اچھی طرح کھل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پیش نظر

وہ بے شوری کے ساتھ لڑنے والے آدمی سے کئی گنی زیادہ طاقت رکھتا ہے اگرچہ جہانی طاقت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق
نہ ہو۔ ہر جن شخص کو حقیقت کا شعور حاصل ہو، جو اپنی ہستی اور خدا کی ہستی اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور حیات کی حقیقت اور موت کی
حقیقت اور حیات بعد موت کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہو اور جسے حق اور باطل کے فرق اور غلبہ باطل کے نتائج کا بھی صحیح ادراک ہو،
اس کی طاقت کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو قوت یا دولت یا اجتماعی نزاع کا شعور بچے ہوئے میدان میں آئیں۔ اسی لیے قرآن
ہے کہ ایک کچھ دہر کرکھنے والے مومن اور ایک کافر کے درمیان حقیقت کے شعور اور عدم شعور کی وجہ سے فطرتاً ایک اور دوس کی
نسبت ہے۔ لیکن یہ نسبت صرف کچھ دہر سے قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صفت بھی ایک لازمی شرط ہے۔

۲۷۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ایک اور دوس کی نسبت تھی اور اب چونکہ تم میں کمزوری آگئی ہے اس لیے ایک
دوس کی نسبت قائم کر دی گئی ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اصولی اور معیاری حیثیت سے قرآن ایمان اور کفر کے درمیان ایک
اور دوسری کی نسبت ہے، لیکن چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں ہوئی ہے اور ابھی تک صحاح شعور اور تہذیب کچھ بڑھ
کر ایمان و کفر کی حد کو میں پہنچا ہے اس لیے سردست برائیل تنزل تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دو گنی طاقت سے
محکمہ میں تو قہراً کوئی تامل نہ ہونا چاہیے خیال رہے کہ یہ ارشاد شریف کا ہے جبکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ابھی تازہ تازہ
ہی داخل اسلام ہوئے تھے اور ان کی تربیت ابتدائی حالت میں تھی۔ بعد میں جب جمعی علیہ السلام کی دعوت غنائی میں یہ لوگ مل گئے کہ
پہنچ گئے تو فی الواقع ان کے اندر کفر کے درمیان ایک اور دوسری کی نسبت قائم ہو گئی، چنانچہ جمعی علیہ السلام کے آخری حصہ اور
ظلمتے و اشواق کے زمانہ کی تاریخوں میں بار بار اس کا تذکرہ ہوا ہے۔

الْآخِرَةَ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٧﴾ لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤٨﴾ فَكُونُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَفِيعٌ ذَرِيمٌ ﴿٤٩﴾

آنخت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا ارشاد ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے اس کی پاماش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۴۹۔ اس آیت کی تفسیر میں مابلی تاہولی نے حسیلیات بیان کی ہیں وہ ہیں کہ جنگ بدر میں حضور قریش کے لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے حقوق بدریں مشرہ ہوا کہ ان کے ساتھ کی سلوک کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دیکھ کر غصہ کیا کہ چھڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ قتل کر دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے قبول کی اور غصہ کا ساما طے کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات ابھار دیں۔ مگر مفسرین آیت کے اس فقرے کی کوئی اصول تاہولی نہیں کہہ سکے ہیں کہ اگر اللہ کا فرشتہ پہلے نہ نکلا ہوا چکا ہوتا تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے مولود تھا یعنی ہے کیا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرما چکا تھا کہ اس لڑکا کے لیے قائم کر دیا کہ نہ گائیےں نہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی خدیشی کے ذریعہ کسی چیز کی کہا جاتا تو نہ ہی گئی ہوسکتا یا نہ ہائز نہیں ہوسکتا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت لمبی امتدادی جماعت اس تاہولی کی رو سے گئے گا تو رہا جاتی ہے اور ایسی تاہولی کہ خواہاں کے اختیار قبول کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے۔

میرے نزدیک اس مقام کی معظمت یہ ہے کہ جنگ کے پہلے سورہ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایت دی گئی تھی، ان مردہ اشارہ جہاں تاکہ قَوَادِ الْوَسْطِیِّمُ الْقِدْرِیْنَ لَعَنُوا مَقْعُوبَ الْاِزْقَابِ حَتّٰی اِذَا اَخْتَصِمُوْهُمْ فَتَشَدُّ اَلْاَوْتَكَانُ یَاۤتِیۡنَا مَنَا جَعَدًا وَاَسْأَلُكَ اَنْتَ حَتّٰی نَقْضَ الْحَرْبَ اَوْ تَدْرَا دَعَا۔ اس اشارہ میں جنگی قیدیوں سے غیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ بھی لگائی گئی تھی کہ دشمن کی طاقت کو اتنی طرح کم کیا دیا جائے کہ وہ مزید بڑھانے کی فکر نہ کرے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو غنیمت وصول کیا وہ خدا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کم نہیں کیے جو شرط مقدمہ بھی تھی اسے یاد رکھ کر میں کو کتابی کی گئی۔

جنگ میں جب قریش کی فوج ہجرت مکانی تو مسلمانوں کا ایک طیارہ قنیت رخصتے اور انارک کے درمیان کو پکڑ کر گرانہ صف میں لگ گیا اور ہدایت کم آدھیں نے دشمنوں کا کچھ دھڑک تھا قب کا کیا۔ انارک اگر مسلمان بدری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو غزلی کی طاقت کا اسی عذر تھا مگر یہ کہتا۔ اس بارشہ قرآنی باب فرما رہا ہے اور یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ
 اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرَ
 لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥٠ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ
 خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 حَكِيمٌ ٥١ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

اسے نبی اتم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے لوگوں میں
 کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اُس سے بھلا چٹھہ کر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کر دے گا
 اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر وہ تیرے ساتھ خیانت کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس
 پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں چنانچہ ماسی کی مزار اللہ نے انہیں دی کہ وہ تیرے قابو میں آگئے
 اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ہے۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جائیں لڑائیں اور اپنے

ہمسے۔ فرمان ہدایہ کا قضا ہے کہ ”تم لوگ ابھی غنی کے مشن کو بھی طرح نہیں سمجھ ہو غنی کا اصل کام نہیں ہے کہ وہ بیلاؤ
 غلام وصول کر کے فروانے بھرے بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز بڑا راست قلعہ رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ غنی کی طاقت
 ٹوٹ جائے۔ مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے ظاہر پر حملہ کرنا یا اپنے
 دشمن کا سر کھٹنے کے بجائے قیمت دینے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر قیمت پر جمعہ گونے گئے۔ اگر ہم پہلے خدیہ وصول کرنے کی
 اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر ہمیں سخت متوا دیتے۔ میرا اب جو کچھ تم نے لیا ہے وہ کھلاؤ گے اللہ جیسی روح سے بچتے رہو
 جو خدا کے نزدیک تاپسندیدہ ہے۔ میں اس واسطے پر بھیج چکا تھا کہ تمام شخص کی کتاب احکام القرآن میں یہ دیکھو کہ مجھے مزید لایا
 حاصل ہوا کہ امام مصروف بھی اس تادیب کو کہ انہم کتابی کا قرضہ مفاد دیتے ہیں۔ پھر ہمت دین ہشام میں یہ روایت تفر سے گزری
 کہ میں وقت جاہد بن سلام مالی قیمت دینے اور کفار کے آدمیوں کو بکڑھ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ کے پیچھے کھڑے تھے کہ کھڑے تھے۔ حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم سے سعد اسلام ہوتا ہے کہ
 لوگوں کی یہ کاروائی تمہیں پسند نہیں آ رہی ہے۔ انہوں نے عرض کیا ”جی ہاں یا رسول اللہ یہ کام میرے لیے جس میں اللہ تعالیٰ

وَأَنْفُسُهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا
لَكُمْ مِنْ وَلَا يَتِيهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا وَإِنْ

مال کھائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک
دوسرے کے دلی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان ترے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) نہیں گئے
تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ

نہایتی فکر کر شکست دلائی ہے، اس مرتبہ باخیں تہدی بنا کر ان کی ہائیں پچھنے سے زیادہ دوسرے تھا کر ان کو خوب کھیل ڈالا
جہاں (جلد ۲، صفحہ ۲۸۰-۲۸۱)

نہ یہ آیت اسلام کے دستور کا قانون کی ایک اہم دفعہ ہے۔ اس میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ "ولایت کا تعلق
صرف ان مسلمانوں کے درمیان ہوگا جو یا دارالاسلام کے باشندے ہوں، یا اگر باہر سے آئیں تو ہجرت کر کے آجائیں۔ باقی ہے
وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدود ارضی سے باہر ہیں، تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور قائم رہے گی، لیکن مولایت کا
تعلق نہ ہوگا، اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق نہ رہے گا جو ہجرت کر کے نہ آئیں، بلکہ دارالکفر کی رعایا ہونے کی
حیثیت سے دارالاسلام میں آئیں۔" ولایت کا مفہوم عربی زبان میں محلت، نصرت، مدد گاہی، پشت پناہی، دوستی، قربت سرپرستی
اور اس سے جتنے تفہیمات کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اس نکتہ کے مطابق حواقی میں مرتب کردہ اس سے مراد وہ رشتہ
ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے اور دوسروں کا اپنی ریاست سے اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ پس یہ آیت
"دستوری و سیاسی ولایت" کو ریاست کے ارضی حدود تک محدود کرتی ہے، انسان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص
رشتہ سے خارج قرار دیتی ہے۔ اس عدم ولایت کے قانونی نتائج بہت وسیع ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کا یہاں موقع
میں ہے مثال کے طور پر صرف اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ اسی عدم ولایت کی بنا پر دارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے
کے عداوت میں ہو سکتے، ایک دوسرے کے قانونی ولی (Guardian) نہیں بن سکتے، باہم شادی بیاہ نہیں کر سکتے
اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارالکفر سے شیت کا تعلق نہ ڈالا
جو۔ علاوہ بریں یہ نیت اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی بڑا اثر پڑتی ہے۔ اس کی مدد سے دولت اسلامیہ کی ذمہ داری
ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لیے کسی ذمہ داری کا ہمارا اس کے سر
میں ہے۔ یہی وہ بات ہے جو عربی سنی مشرکین علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ انا ہر یمن من کل مسلمین

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي
 الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا
 وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرَوْا أُولَٰئِكَ
 هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ
 مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ
 إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

پنج

وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں، اگر تم (اہل ایمان ایک دوسرے کی حمایت نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بھٹانسا دوہرا ہوگا۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جد و جہد کی اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے عطاواں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمھارے ساتھ مل کر جد و جہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اور اسلام کے صحابہات کی پابندیاں صرف ان مسلمانوں پر ہی مائدہ ہوں گی جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہیں ہی دائرہ سے باہر دنیا کے باقی مسلمان کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں میں شریک نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں جو صلح نئی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے کی تھی اس کی بنا پر کوئی پابندی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی اور ان دوسرے مسلمانوں پر نہیں ہوئی جو دارالاسلام کی رعایا نہ تھے۔

۱۶۳ عرابع ہے کہ اسلامی جماعتی جماعت کی تباہی ویرانی قائم نہ ہوگی اللہ وہ حقوق جزا و سبب اور مصالحت کے

تعلق کی بنا پر غائب ہوتے ہیں، یعنی بھائیوں کو ایک دوسرے کے مسائل میں حاصل ہوں گے۔ ان امور میں مسلمانوں کے
 بھائیوں کو شریعت داری کا تعلق ہی قانونی حقوق کی بنیاد ہے گا۔ یہ ارشاد اس بنا پر فرمایا گیا ہے کہ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو موافقہ کرانی تھی، اس کی دہر سے بعض لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ دینی
 بھائی ایک دوسرے کے معاملہ میں بھی ہوں گے۔



تفہیم القرآن (۲)

التوبہ

(۹)

التوبہ

نام | یہ سورہ دو ناموں سے مشہور ہے۔ ایک التوبہ دوسرے البراءۃ۔ توبہ اس کا طے سے کہ اس میں ایک جگہ بعض اہل ایمان کے قصوروں کی صفائی کا ذکر ہے۔ اور البراءۃ اس لحاظ سے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے۔

بسم اللہ نہ کہنے کی وجہ | اس سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی جاتی۔ اس کے متعدد وجہ مفسرین نے بیان کیے ہیں جن میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ مگر صحیح بات وہی ہے جو امام رازی نے لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی اس لیے صحابہ کرام نے بھی نہیں لکھی بلکہ بعد کے لوگ بھی اسی کی پیروی کرتے رہے۔ یہ اس بات کا مزید ایک ثبوت ہے کہ قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جوں کا توں لینے اور عیاں کرنا ہی اس کو محفوظ رکھنے میں کس درجہ احتیاط و اہتمام سے کام لیا گیا ہے۔

نام نہ نزول و اجزاء سورہ | یہ سورہ تین تقریروں پر مشتمل ہے:

پہلی تقریر آغاز سورہ سے پانچویں رکوع کے آخر تک چلتی ہے۔ اس کا آغاز نزول ذی الحجہ ۶۱۰ء یا اس کے کچھ بعد تک ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حضرت ابو بکرؓ کو یہ راجع مقرر رک کے کہ مدائن کے لیے تھے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور حضورؐ نے فوراً میدان ملی رضی اللہ عنہ کو ان کے چچے حبیب بن اسد کے موقع پر تمام عرب کے ممتاز علماء و مشائخ میں اسے سنائیں اور اس کے مطابق جو طریقہ عمل تجویز کیا گیا تھا اس کا اعلان کر دیں۔ دوسری تقریر رکوع ۱ کی ابتدا سے رکوع ۹ کے اختتام تک چلتی ہے اور یہ وجہ بسم اللہ یا اس کے کچھ پہلے نازل ہوئی جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ اس میں اہل ایمان کو جلدیہ اسکا پایا ہے اور ان لوگوں کو سختی کے ساتھ طاقت کی گنجی ہے جو فحاشی یا نصف ایمان یا سستی و کلامی کی وجہ سے راہ خلاص جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے ہی چمک رہے تھے۔

تیسری تقریر رکوع ۱۰ سے شروع ہو کر سورہ کے ساتھ ختم ہوتی ہے اور یہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں متعدد حکمرانوں سے بھی لوگوں کو اپنی پیام میں خشک مواقع پر اترے اور ہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ افغانی سے ان سب کو کچل کر کے ایک سلسلہ تقریریں منسلک کر دیں۔ مگر جو کلمہ ایک ہی حضورؐ کو ایک ہی سلسلہ واقعات سے متعلق ہیں اس لیے یہ تقریریں کس قدر غلط نہیں پایا جاتا۔ اس میں

مناقیق کی حرکات پر تنبیہ، غور وہ تو کچھ سے پیچھے رہ جانے والوں پر نہ جو تو بیخود مان صادق ایمان و گروں پر
وامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے جو اپنے ایمان میں کچھ تو تھے مگر عداوتی سبیل اللہ میں حصہ لینے سے
باز رہے تھے۔

ترجمہ ترتیب کے لحاظ سے پہلی تقریر رب سے تاخیر میں آئی چاہیے تھی لیکن مضمون کی اہمیت کے لحاظ
سے دہی صوبے مقدم تھا اس لیے مصنف کی ترتیب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہلے لکھا اور بقیہ دونوں
تقریریں کو مؤخر کر دیا۔

تاریخ کی پس منظر | ارماء نزول کی قیمن کے بعد ہمیں اس سرور کے تاریخی پس منظر پر ایک نگاہ ڈال کرنی چاہیے
جس سلسلہ واقعات سے اس کے مضامین کا تعلق ہے اس کی ابتدا صلیع حدیبیہ سے ہوتی ہے۔ حدیبیہ تک چھ
سال کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہو چکا تھا کہ عرب کے تقریباً ایک تہائی حصہ میں اسلام
ایک نظم مومنانہ کا دین، ایک مکمل تہذیب و تمدن اور ایک کامل با اختیار ریاست بن گیا تھا۔ حدیبیہ کی
صلح جب واقع ہوئی تو اس دین کو یہ موقع بھی حاصل ہو گیا کہ اپنے اثرات نسبتاً زیادہ امن و اطمینان کے
ماحول میں برجہاظر و پیشہ آگے۔ اس کے بعد واقعات کی رفتار نے دو بڑے راستے اختیار کیے جو آگے
چل کر نہایت اہم نتائج پر منتہی ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تعلق عرب سے تھا اور دوسرے کا سلطنت
دوم سے۔

عرب کی تسخیر | عرب میں حدیبیہ کے بعد دعوت و تبلیغ اور استحکام قوت کی جو تہذیبیں اختیار کی گئیں
ان کی بدولت دو سال کے اندر ہی اسلام کا دائرہ اثر آس پاس پھیل گیا اور اس کی طاقت اتنی زبردست ہو گئی کہ
پرانی جاہلیت اس کے مقابل میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ آخر کار جب قریش کے زیادہ پرورش عناصر نے بازی ہوتی
دیکھی تو انھیں یا اسے ضبط نہ رہا اور انھوں نے حدیبیہ کے معاہدے کو توڑ ڈالا۔ وہ اس بندش سے آزاد ہو کر
اسلام سے ایک آنحضرت فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس عجز شکنی کے
بدان کو سنبھالنے کا کوئی موقع نہ دیا اور اچانک کمر ہر حملہ کر کے رمضان شہر میں اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد
تھرم جاہلی نظام نے آنحضرت کو سخت دوجی ٹھٹھیں کے میدان میں کی جہاں ہر دو دن ایک نئی فوج اٹھتی تھی اور بعض
دوسرے جاہلیت پرست قبائل نے اپنی ماری ملاقات کا کمر بند کر دیا تاکہ اس اصلاحی انقلاب کو دیکھیں جو
فتح مکہ کے بعد مکہ کے مرنے پہنچ چکا تھا۔ لیکن یہ حرکت بھی ناکام ہوئی اور جنین کی شکست کے ساتھ عرب
کی قسمت کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ اب وہ دارالاسلام بن کر نہ رہا ہے۔ اس واقعہ پر پورا ایک سال بھی نہ گزرنے
پایا کہ عرب کا بیشتر حصہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گیا اور نظام جاہلیت کے صرف چند پانچ پانچ حصہ اور کچھ

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دریاچہ سورۃ النہ۔

۲۔ دیکھو سورۃ انفال۔ حاشیہ ۱۵۵۔

مختلف گوشوں میں باقی رہ گئے۔ اس قبیلہ کے حکم ال تک پہنچنے میں ان مملکتوں سے اور زیادہ مدد ملی
 جو شمال میں سلطنت روم کی سرحد پر پڑی نائن میں کہیں آ رہے تھے۔ وہاں حمیرا کے ساتھ نبی مصطفیٰ
 علیہ السلام ۳۰ ہزار کا زبردست لشکر لے کر گئے اور وہیں نے آپ کے مقابلہ کرنے سے پہلے ہاتھی کر کے جو
 کزوری دکھائی اس نے تمام عرب پر آپ کی اور آپ کے دین کی دھماک بٹھادی اور اس کا خرماسا صوم
 میں ظاہر ہوا کہ ترک سے واپس آئے ہی حضور کے پاس عرب کے گوشے گوشے سے دھڑ دھڑاتے فروع
 ہم گئے اور اسلام و ملامت کا اقرار کرنے لگے۔ چنانچہ اسی کیفیت کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اِذَا
 جَاءَ تَحْمِلُ الشُّوْ وَالْقَتْمَ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِنَا اَلْوَفُوْا جَاءَ جِبَالُ الشُّوْ
 وراہتی اور فتح نصیب ہوئی اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج و فروع اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

خبرۂ قحوک | اردی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتداء فتح مکہ سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ نبی مصطفیٰ علیہ السلام
 نے مدینہ کے بعد اسلام کی دعوت پیچھنے کے لیے جو وفود عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے ان میں سے
 ایک شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قائل میں بھی گیا تھا۔ یہ رگ نیا دہر میاں تھے اور مدنی سلطنت
 کے زیر اثر تھے۔ ان لوگوں نے ذات اطلع (یا ذات اطلح) کے مقام پاس دھڑ کے آدھریوں کو قتل
 کر دیا اور صرف رئیس و مذکب بن غیر خناری بنی کر واپس آئے۔ اسی زمانہ میں حضور نے نصری کے رئیس
 قحوک بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا، مگر اس نے آپ کے اچھی عمارت میں ٹھکر کر قتل
 کر دیا۔ یہ رئیس بھی میاں تھا اور بادشاہت خیر روم کے احکام کا تابع تھا۔ ان وجہ سے نبی مصطفیٰ علیہ
 وسلم نے جمادی الاولیٰ ۳۱ میں تین ہزار چار ہزارین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف بھیجی تاکہ آئندہ کے لیے
 یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے پرکاش ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو بے زعمہ گردان پر زیادتی کرنے کی
 جرات نہ کریں۔ یہ فوج جب حمان کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ شرییل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ
 آورہا ہے۔ خود خیر روم جنس کے مقام پر موجود ہے اور اس نے اپنے بھائی خیر روم کی قیادت میں ایک لاکھ
 کی عرصہ فوج روانہ کی ہے۔ لیکن ان خوفناک اطلاعات کے باوجود ۲۰ ہزار سر فروعوں کا لشکر دستہ آگے
 بڑھتا چلا گیا اور مؤثر کے مقام پر شرییل کی ایک لاکھ فوج سے ہانکرا یا۔ اس خونخوار قبیلہ پرنا چاہیے تھا کہ
 جاہلین اسلام باطل میں جاتے، لیکن ماسا عرب اور تمام مشرقی قریب یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ ایک اور
 ۳۲ | اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی چیز تھی جس نے تمام اسلام سے متعلق بڑے ملے
 نیم آنا دعویٰ قائل کو الجھڑان کے قریب رہنے والے گھڑی قبائل کو بھی جو کفر کی زیر اثر تھے اسلام کی
 طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بنی شیم (جی کے سرور اور اس بن ہزاروں کی تھے

۱۷ | ان میں نے اس وقت جو قبائل اسلام اور حوک کے خود کو لاکر کہا ہے ان کی جبری تعداد ۱۰ لاکھ تک پہنچی ہے جو عرب کے
 شمال، جنوب مشرق، مغرب و علاقے سے آئے تھے۔

جلافتون محفوظ

برائے سولہ لوبہ
۱۹۹-۱۷۸

غزوہ تبوک کے زمانے کا عرب

تہذیب و تمدن جلد دوم



○

چکر دیوبند کتب خانہ اسلامیہ
سراہنہ نویسی

•

اور شیخ اور قطعان اور یونانیوں اور کراڑ، کھوکھاسی زمانہ میں داخل اسلام ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں سلطنت دوم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر قزوہ بن عمرو انجمنی مسلمان ہوا جس نے اپنے ایمان کا ایسا زہر دست ثروت دیا کہ گرد و پیش کے سارے علاقے اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ یہ کہ جب قزوہ کے قبل اسلام کی اطلاع ملی تو اس نے انھیں گرجا کر کے اپنے دربار میں بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ چیزوں میں سے ایک کو منتخب کرو۔ یا ترکہ اسلام جس کے نتیجہ میں تم کو نہ صرف، بلکہ جانے کے باوجود تمہیں اپنے جہد سے بھی بحال کر دیا جائے گا، یا اسلام جس کے نتیجہ میں تمہیں سزائے موت دی جائے گی۔ انھوں نے تختہ سے دل سے اسلام کو چن لیا اور واہ حقیر جان دے دی۔ یہی واقعات تھے جنھوں نے قیصر کو اس خطرے کی حقیقی اہمیت محسوس کرائی جو عرب سے اس کی سلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دوسرے ہی سال قیصر نے مسلمانوں کو قزوہ نمونہ کی سزا دینے کے لیے سرد شام پر فوجی تیار کیاں شروع کر دیں اور اس کے ماتحت فسطائی اور دوسرے عرب سردار فوجیں اکٹھی کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے قزوہ تھے۔ آپ ہر وقت ہر اس چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی خبردار رہتے تھے جس کا اسلامی تحریک پر کچھ بھی مافوقیہ مخالف اثر پڑتا ہو۔ آپ نے ان تیاریوں کے سنی فوراً سمجھ لیے اور بغیر کسی تاخیر کے قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس موقع پر ذہن پر ابھی گزرنے والی دکھائی جاتی تو سارا بنانا یا کھیل کر مبالغہ، ایک طرف عرب کی دم توڑی ہوئی جاہلیت جس پر شین میں آغری ضرب لگائی جا چکی تھی، پھر یہ اٹھتی۔ دوسری طرف مدینہ کے منافقین، جو عامراہجکے واسطے سے سفارن کے کھوسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے، اور جنھوں نے اپنی ریشہ و فانیل پر دین داری کا پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ سے متصل دی مسجد مزاد تعمیر کر رکھی تھی، ان میں سے کچھ گھونپ دیتے۔ مانعے سے قیصر جس کا وہ بہرہ لہانوں کی شکست دینے کے بعد مقام دودھ نوزیک کے علاقوں پر چھا گیا تھا، حملہ آور ہو جاتا۔ اور ان میں نہایت خطروں کی متحدہ پورٹ میں اسلام کی بڑی ہوئی بازی کا یک نیت کھاجاتی۔ اس لیے ماہر دوس کے کوکب میں قلعہ سازی تھی، مگر یہ کرم سے شباب پر تھا، انھیں پکھنے کے قریب تھیں، ساریوں اور سرداروں کی انتظام سمیت جھل تھا، سرمایہ کی بہت کمی تھی اور دنیا کی دوسب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک کا مقابلہ پیش تھا، فلاکے ہی نے یہ دیکھ کر کہ وہ جب حق کے لیے زندگی و موت کے فیصلہ کی گھڑی ہے، اسی حال میں تیاری جنگ کا اعلان عام کر دیا۔ پہلے تمام غزوات میں دشمن کا قاعدہ تھا کہ آخر وقت تک ہی کوڈرتا تھے کہ کدھو جانا سہاؤ کس سے مقابلہ پیش ہے، بلکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد ہی منزل قصر دکی طرف سیدھا راستہ اختیار کر کے نہ کے پہلے پیر کی راہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس موقع پر پہلے یہ پردہ بھی نہ دکھا اور سنا صاف بتا دیا کہ دوم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف ہاتا ہے۔

اس موقع کی نزاکت کو عرب میں مسیحی عیسوی کر رہے تھے۔ جاہلیت قدیر کے بچے کچھ ماضیوں

کے لیے یہ ایک آخری شلیح اُمید تھی اور روم و اسلام کی اس فکر کے نتیجہ پر وہ بے مپنی کے ساتھ ٹکا ہوا تھا۔
 ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اس کے بعد پھر کہیں سے اُمید کی جھلک نہیں دکھائی دینی ہے۔
 منافقین نے بھی اپنی آخری بازی اسی پر لگا دی تھی اور وہ اپنی مسجد منار بنانا اس انتظار میں تھے کہ شام کی
 جنگ میں اسلام کی قسمت کا پانسہ پڑے تو اصرار اندرون ملک میں وہ اپنے فتنہ کا علم بلند کر سکیں۔ یہی نہیں بلکہ
 انھوں نے اس ہم کو ناکام کرنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں بھی استعمال کر ڈالیں۔ اور عرب زمین و مادیات کی
 بھی بڑا احساس تھا کہ جس تحریک کے لیے ۲۲ سال سے وہ سرگرم تھے یہاں اس وقت اس کی قسمت
 قازم میں ہے، اس موقع پر جو اُت دکھانے کے معنی ہیں کہ اس تحریک کے لیے ماری و دینا
 پر چھا جانے کا دعوہ اُت کھل جائے، اور کڑی دیکھنے کے معنی ہیں کہ عرب میں بھی اس کی بڑا ٹاٹ
 جائے۔ چنانچہ اسی احساس کے ساتھ ان غائبان حق نے انسانی جوش و خروش سے جنگ کی تیاری کی۔
 سرور مابین کی فراہمی میں ہر ایک نے اپنی بڑا سے بڑھ کر کھدیا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہؓ بن جعفر
 نے بھی بڑی دقتیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی عمر بھر کی کمائی کا آدھا حصہ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی
 ماری پر بھی نذر کر دی۔ عرب صحابیوں نے فتنہ مزدوری کر کے جو کچھ کیا لاکھ ماضی کر دیا۔ عورتوں نے
 اپنے زین و ماتا مار کر دے دیے۔ سر فرور شاہان و اشرافوں کے لشکر کے لشکر ہر طرف سے، مثل انڈیا کے شروع
 ہوئے اور انھوں نے تمام دنیا کی کاسٹرو اور راریوں کا انتظام برقرار رکھا۔ جہاں جہاں رہنے کو ماضی میں جن کو
 صحابیوں نے لی سکیں وہ روئے تھے اور اپنے انھوں کی بے تابیوں کا اظہار اس طرح کہتے تھے کہ رسول پاکؐ
 دل بھرا آسمان پر مرقع مظاہر اور تفاق کے سیتل کی کسٹی میں گیا تھا حتیٰ کہ اس وقت بھیجے وہ جانے
 کے معنی یہ تھے کہ اسلام کے ساتھ آدمی کے قتل کی عداوت ہی مشتبہ ہو جائے چنانچہ تحریک کی طرف جاتے
 ہوئے نقصان سفر میں جو شخص بھیجے وہ جانا تھا صحابہ کرامؓ علیؓ علیہ السلام کی فریاد تھی اور
 صحابہ میں حضورؐ پر جنت فرماتے تھے کہ دعوہ خان یک فیہ خیر و فساد حقیقۃً اللہ بکرم و ان یک
 خیر و ذلک فقد اسراراً حکم اللہ منہ یہ جانے دو مگر اس میں کچھ بھلائی ہے تو انہیں اس پر تمنا ہے
 ساتھ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ دوسری حالت ہے تو فکر کرو کہ اللہ نے اس کی جوئی نفاقت سے جسیں سلامتی بخشتی۔
 وہ یہ سلامتی میں علیؓ علیہ السلام ۳۰ ہزار صحابہؓ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے ہیں
 دس ہزار دس تھے۔ انھوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔
 اس پر لڑائی کی شدت اور بانی کی قلت متوازن مگر میں حرم صادق کا ثبوت اس نازک موقع پر حاصل ہوا ہے۔
 مابین اس کا بڑا بڑا بیچ کر انھیں نقد مل گیا۔ دس بیچ کر انھیں معلوم ہوا کہ قیصر ہند اس کے تابعین نے مقابلہ پر
 آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹا لی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔

حیرت بخورای عوام اس واقعہ کو اس انداز سے کہہ جاتے ہیں کہ اگر یاد دہیزی سے غلط فہمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ردی افواج کے اجتماع کے متعلق تھی۔ حالانکہ دراصل واقعہ یہ تھا کہ قیصر نے، جبکہ افواج شریعہ کیا تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی مقابلہ پر پہنچ گئے تو اس نے سرحد سے فوجیں ہٹا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا، غزوہٴ مؤتہ میں ۱۲ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلہ کی برخلاف ۵۵ دیکھ چکا تھا اس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود بھی کی قیادت میں جہاں ۳۰ ہزار فوج آ رہی ہو وہاں وہ لاکھ دو لاکھ آدمی لے کر میدان میں آجائے۔

قیصر کے دل میں طرح دسے جانے سے جو اخلاقی فتنے حاصل ہوئی اس کو بھی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلے پر کافی سمجھا اور یہاں سے اس کے کہ تو کہہ آگے بڑھ کر سرد شام میں داخل ہوتے آہٹے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فتح سے انتہائی ممکن سیاسی و عربی فوائد حاصل کر لیں چنانچہ آپ نے ترک میں ۲۰ دن ٹھہر کر ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ہر سلطنت دوم اور دوا الاسلام کے درمیان واقع تھیں اور اب تک دوسروں کے زیر اثر رہی تھیں، فوجی دھمکے سے سلطنت اسلامی کا باجگزار و تابع امر بنایا۔ اس سلسلہ میں آدھ ہزار کے عیسائی رئیس آئینہ بدین و ہلال ملک کندی، آئینہ کے عیسائی رئیس و حنا بن مؤذر، اسی طرح عقاب و بکر اور آئینہ کے اعرابی رؤسائے بھی چھوڑے اور ان کے مدینہ کی تابیت قبول کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود اقتدار بڑھ کر ولایت مدی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گئے اور عرب قبائل کو قیصر دوم اب تک عرب کے غلامات استعمال کرتے رہے تھے اب ان کا بیشتر حصہ دوسروں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا معاون بن گیا پھر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سلطنت دوم کے ساتھ ایک طویل کشمکش میں مجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا بہتر موقع مل گیا۔ جبکہ اس فتح بلا جگہ سے عرب میں ان لوگوں کی مکرر قیامی وجاہت تک جاہلیت قدیمہ کے بحال ہونے کی اس گمانے بیٹھے تھے، خواہ وہ طائیفہ شرک ہوں یا اسلام کے پورے میں منافق بنے ہوں۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر و بیشتر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ بچنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر غرضت ایمانی سے بھرہ در دیکھی ہوں تو کم از کم ان کی آئندہ نفسیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم ایک بلاتے ناہایت شرک و جاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی، وہ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اس مصلحتی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہو سکتی تھی جس کے لیے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا تھا۔

مسائل و مباحث | اس میں منظر نگار ہیں رکھنے کے بعد ہم آسانی اُن بڑے بڑے مسائل کا احصاء کر کے دے جس پر اس وقت دلچسپی تھی اور جن سے عورت قیوم میں تعرض کیا گیا ہے:

(۱) اب جو کہ عرب کا نظم و نسق یا کلیات یا ایمان کے ساتھ میں آگیا تھا اور تمام مرام طائفتیں نے اس پر بھی ختم اس لیے وہاں ایسی واضح طور پر سامنے آجانی چاہیے تھی جو عرب کو مکمل مدد اسلام بنانے کے لیے

انفیذ کرنی ضروری تھی چنانچہ وہ حسب ذیل صورت میں پیش کی گئی:

الحق - عرب سے شرک کو قطعاً مٹا دیا جائے اور قدیم شرک کا نظام کا کلی استعمال کر ڈالا جائے تاکہ مرکز اسلام حبشہ کے لیے خاص اسلامی مرکز ہو جائے اور کئی دوسرے غیر اس کے اسلامی مزاحم میں داخل نہ ہوں۔
یہ نئے اور کسی خطرے کے موقع پر اندرونی فتنہ کا موجب بن سکے۔ اسی غرض کے لیے مشرکین سے ہدایت اعلان کے ساتھ صلہ اعلیٰ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

ب۔ کہہ کا انتظام اعلیٰ ایمان کے ائمہ میں آجائے کے بعد یہ بالکل نامناسب تھا کہ جو گھر خاص خدا کی پرستش کے لیے وقف کیا گیا تھا اس میں بدستور شرک ہوتا رہے اور اس کی تربیت بھی مشرکین کے قبضہ میں رہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ آئندہ کہہ کی تربیت بھی اہل توحید کے قبضہ میں رہنی چاہیے اور بیت خدہ کے حدود میں شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں بھی زور نہ دیکر رہنی چاہئیں، بلکہ اب مشرکین اس گھر کے قریب پہنچنے بھی نہ پائیں تاکہ اس بنائے ہوئے جگہ کے آلودہ شرک ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ج۔ عرب کی تمدنی زندگی میں رسوم جاہلیت کے جو آثار ابھی تک باقی تھے ان کا جدید اسلامی دور میں جاری رہنا کسی طرح درست نہ تھا اس لیے ان کے استعمال کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نئی لگاؤ اور ان رسوم میں سب سے زیادہ بدنام تھا اس لیے اس پر براہ راست ضرب لگائی گئی اور اسی ضرب سے مسلمانوں کو بتایا گیا کہ بقیہ آثار جاہلیت کے ساتھ انھیں کیا کرنا چاہیے۔

د۔ عرب میں اسلام کا مشن پائیدگی کیلئے کو پہنچ جانے کے بعد دوسرا اہم مرحلہ جو سامنے تھا وہ تھا کہ عرب کے باہر عربی حق کا دائرہ اثر پھیلایا جائے۔ اس معاملہ میں دوم دایمان کی سیاسی قوت سب سے بڑی ستون تھی۔ مگر اگر یہ تھاکہ عرب کے کام سے فارغ ہو تے ہی اس سے تصادم جو نیز آگے چل کر دوسرے غیر مسلم سیاسی و تمدنی نظاموں سے بھی اسی طرح سابقہ پیش آتا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ عرب کے باہر جو لوگ عربی حق کے پیرو نہیں ہیں ان کی خود مختار اور فرماں برداری کو زور دینا شروع کر دینا تاکہ وہ اسلامی اقتدار کے تابع ہو کر رہنا قبول کر لیں۔ جہاں تک دین حق پر ایمان لانے کا تعلق ہے ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر اپنا حکم جاری کریں اور اس کی سرسائیٹھوں کی تمام کاروائی اپنے ائمہ میں رکھ کر اپنی گروہیوں کو خلق خدہ اور ان کی اپنے ذاتی مفادات پر زور دیتی مسخر کرتے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ جس آزادی کے استعمال کا انھیں اختیار دیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ خود گروہ رہنا چاہتے ہیں تو یہیں بشرطیکہ جو یہ دے کہ اسلامی اقتدار کے وسیع بنے رہیں۔

۳۔ دوسرا اہم مسئلہ مقتدین کا تھا جن کے ساتھ اب تک واقعی مصارع کے لاکھ بچے شہر و دیہات کا معاملہ کیا جا رہا تھا۔ اب یہ گھبرائی غلط کام تھا کہ باؤ کہہ رہا تھا بلکہ گویا انھیں رہا تھا اس لیے حکم دیا گیا کہ

آئندہ ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے اور وہی حالت بتاؤ ان چھپے ہوئے حکموں حق کے ساتھ بھی ہو جو کھلے منکوں حق کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ یہی پالیسی تھی جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاری کے نامہ میں منوعہ کے گھر میں آگ لگا دی ہمارے منالقیں کا ایک گروہ اس فرض سے معیت ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو شرکت جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کرے، اور اسی پالیسی کے تحت تبرک سے واپس تشریف لاتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبیہ کو ڈھانے اور جلادینے کا حکم دے دیا۔

(۴) مومنین صادقین میں اب تک جو تھوڑا بہت غضب عوام باقی تھا اس کا علاج بھی ضروری تھا کیونکہ اسلام نامہ گھر جو وہاں کے سرحد میں داخل ہونے والا تھا اور اس سرحد میں جبکہ ایک مسلم عرب کو پوری غیر مسلم دنیا سے ٹکراتا تھا، غضب ایمان سے بڑھ کر کوئی اندوہ فی خطو اسلامی جو اس کے لیے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے تبوک کے موقع پر سستی اور کوتاہی دکھائی تھی ان کو نہایت شدت کے ساتھ سخت کی گئی، پیچھے جانے والوں کے اس فعل کو کہ وہ بلا غلظہ مقول کیجیے وہ گئے بجائے خود ایک ناقص اور مفلک اور ایمان میں ان کے نادمہ ہونے کا ایک بین ثبوت قرار دیا گیا، اور آئندہ کے لیے پوری صفائی کے ساتھ یہ بات واضح کر دی گئی کہ اس نے کتنا شدید حدود اور گرفت اسلام کی کشمکش رہی وہ اصل کو سنی ہے جس پر عرصہ کا وہ اپنے ایمان پر کھانچا جائے گا۔ جو اس آؤزش میں اسلام کے لیے ہمارے مائل اور وقت و فرصت صرف کرنے سے بھی چرائے گا اس کا ایمان مستحضر ہی نہ ہو گا اور اس پہلو کی کسر کسی دوسرے غلطی عمل سے پوری نہ ہو سکے گی۔

ان امور کو نظر میں رکھ کر سورۃ توبہ کا ملاحظہ کیا جائے تو اس کے تمام مضامین ہماری ہی آہستہ آہستہ

آیاتھا ۱۲۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

بَوَّاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اعلان برائت ہے اشد اور اس کے رسول کی طرف اُن مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔

۱۔ جیسا کہ ہم سورہ کے دو پارہ میں بیان کر چکے ہیں، یہ خطبہ رکوع ۵ کے آخر تک مشرکوں میں اس وقت نازل ہوا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو حج کے لیے مدعا کر چکے تھے۔ ان کے پیچھے جب یہ نازل ہوا تو صحابہ کرام نے حضرت سے عرض کیا کہ اسے ابوبکر کو بھیج دیجیے تاکہ وہ حج میں اس کو سنا دیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان میری طرف سے میرے ہی گھر کے کسی آدمی کو کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو اس خدمت پر مامور کیا، اور اس قدر ہی ہدایت فرمادی کہ جیلوں کے لیے ماموں میں اسے سنانے کے بعد حسب ذیل چار باتوں کا بھی اعلان کر دیں: (۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہو گا جو زبان اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے۔ (۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔ (۳) بیت اللہ کے گرد ہر نہر طواف کرنا منع ہے۔ (۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کا معاہدہ ہوا ہے، یعنی جو نقض عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں ان کے ساتھ مدت مقرر تک جنگ و فساد کی جائے گی۔

اس مقام پر یہ جان لینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ فتح مکہ کے بعد وہ اسلامی کا پہلا حج شدہ میں قوم پر طریقے پر ہوا۔ پھر مشرکوں نے یہ دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقے پر کیا اور مشرکین نے اپنے طریقے پر۔ اس کے بعد عیسائی مشرکوں میں فاضل اسلامی طریقہ پر ہوا اور یہی وہ مشرکوں ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دو سال حج کے لیے تشریف نہ لے گئے۔ تیسرے سال جب بالکل مشرک کا استیصال ہو گیا تب آپ نے حج ادا فرمایا۔

۲۔ سورہ کا مختار رکوع ۱ میں گورچکا ہے کہ جب تمہیں کسی قوم سے خیانت (نقض عہد اور غداری) کا اندیشہ ہو تو علی الاعلان اس کا معاہدہ اس کی طرف پھینک دو اور اسے خبردار کر دو کہ اب ہمارا تم سے کوئی معاہدہ باقی نہیں ہے۔ اس اعلان کے بغیر کسی معاہدہ قوم کے خلاف جنگی کارروائی شروع کر دینا خود خیانت کا مرتکب ہونا ہے۔ اسی ضابطہ اخلاق کے مطابق مساجدات کی منسوختی کا یا باطلان ماموں تمام قبائل کے خلاف کیا گیا جو عہد و میمان کے باوجود ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے تھے اور موقع پاتے ہی باس عہد کیا اسے طاق رکھ کر دشمنی پراڑتے تھے۔ یہ کیفیت یہی کہانہ خود ہی مقررہ اور شاید ایک آدھ اور قبیلہ کے سوا باقی تمام اُن قبائل کی تھی جس وقت تک مشرک پر قائم تھے۔

اس اعلان پر اہل عرب میں مشرک اور مشرکین کا وجود گویا عملاً خلافت کا فاون (Outlaw) ہو گیا اور ان کے لیے سارے ملک میں کوئی جگہ نہ رہی اور نہ ہی ملک کا غالب حصہ اسلام کے زیر حکم پہنچا تھا۔ یہ لوگ تو یہی لوگ اس بات کے منکر تھے کہ وہم و فساد کی طرف سے اسلامی سلطنت کو جب کوئی آغزو نہ تھا تب بھی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں تو یہ لوگ تقویٰ عہد کے

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُحْزِي الْكَافِرِينَ^(۱) وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ

پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل چھڑو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ کہ اللہ مکررین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔

اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن تمام لوگوں کے لیے کہ اللہ

ملک میں خاندان جنگی رہا کر دیں۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول نے ان کی ماعت منکرو آنے سے پہلے ہی مہا طعن بالٹ دی اور طعن برات کر کے ان کے لیے اس کے سر کوئی چارہ کار باقی نہ رہنے دیا کہ یا تو اگلے روز یا ہر ماہ میں اور اسلامی طاقت سے ٹھکرا کر مغرب حق سے مٹ جائیں، یا ملک چھوڑ کر محل جائیں، یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو اسی اپنے طاقتور کو اس نعم و نسیب کی گرفت میں دے دیں جو ملک کے بیشتر حصہ کو پہلے ہی منہ بند کر چکا تھا۔

اس عظیم الشان تدبیر کی بروی مکتبہ نبوی وقت سمجھ سکتی ہے جبکہ ہم اس وقتہ امتداد کو تلویش رکھیں جو اس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے مختلف گوشوں میں برپا ہوا جس نے اسلام کے زخمیر قعر کو طینت تھریل کر دیا۔ اگر کہیں مشرق کے اس اعلان بات سے شرک کی ظلم طاقت ختم نہ کر دی گئی ہوتی اور بدلے ملک پر اسلام کی قوت تھا ہوا کا امتیاز پہلے ہی مکمل نہ ہو چکا ہوتا تھا امتداد کی شکل میں جو وقتہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے آغاز میں اٹھا تھا اس سے کم از کم دس گنی زیادہ طاقت کے ساتھ جہاد اور فائدہ جنگی کا وقتہ اٹھتا اور شاید تاریخ اسلام کی شکل اپنی موجودہ صورت سے بالکل ہی مختلف ہوتی۔

۱۷۵ یہ اطلاع ارضی الجبر کو ہڑا تھا۔ اس وقت سے۔ اور صبح انسانی تک چار مہینہ کی مہلت ان لوگوں کو دی گئی کہ اس عدلان میں اپنی پوزیشن پر اچھی طرح غور کریں۔ ورنہ تیر تو طوفانی کے لیے تیار ہو جائیں۔ ملک چھوڑنا ہو تو اپنی جانے پہنچاؤ تلاش کریں۔ اسلام قبول کرنا ہو تو سوچ سمجھ کر قبول کریں۔

۱۷۶ یعنی ارضی الجبر سے یہ ہم انظر کئے ہیں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جبہ اور ادریس بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے ہوئے حاضرین سے یہ پوچھا کہ کیا وہ اس سے غرض کیا کر رہے۔ فرمایا ہذا ایوہما الجبر الا کہ یہ۔ یہ حج کا بیڑا دیکھتے ہوئے لوگ غلطی سے درم الجبر کا کہہ کر معنی حج اکبر کا دن سمجھتے ہیں اور پھر ان کے لیے خواہ مخواہ یہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ حج اکبر سے مراد کون سا حج ہے۔ حالانکہ اسلام میں حج اکبر کی کوئی اصطلاح موجود نہیں ہے۔

بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُوا الْإِهْلَامَ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا حُيُوتَهُمْ وَقَاتِلُوا

مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمہارے ہی لیے بہتر ہے اور جو منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور اسے نبی! انکار کرنے والوں کو سخت عذاب کی خوشخبری سنا دو، بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی بہت معاہدہ تک و فاکر کیونکہ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔

پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات

میں ہاتھ دلو تو ان کے خلاف جہاد کی جہتوں نے تم سے کوئی حد لگائی نہیں کی ہے ان سے تم حد لگائی کرو۔ اللہ کے

نزدیک ہے یہ حدیں صرف وہی لوگ ہیں جو ہر حال میں توبہ فرماتے ہیں۔

۱۷۹۔ یہاں حرام مہینوں سے اصطلاحی شہر ٹوٹ مراہیس ہیں جو حج الاکبر کے لیے حرام قرار دیے گئے ہیں۔ بلکہ اس جگہ

۱۷۹۔ چار مہینے ملا ہیں جن کی مشرکین کو ممانعت دی گئی تھی۔ چونکہ اس ممانعت کے نام میں مسلمانوں کے لیے ہائے مذمت کا مشرکین پر علاوہ

ہو جاتے اس لیے انہیں حرام مہینے فرمایا گیا ہے۔

لَهُمْ كُلٌّ مَرَصِدٌ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
فَخَلَوْا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ
الشُّرَكِيَّةِ اسْتِجَارَكَ فَبِجْرَةٍ حَتَّى يَبْعَثَ اللَّهُ تَمِيمًا
مَّا مَنَّهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ كَيْفَ يَكُونُ لِلشُّرَكِيَّةِ
عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ خَفَعْتُمْ يَدَكُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

میں ان کی خبر لینے کے لیے بھیجو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں
چھوڑ دو۔ اللہ وہ گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ
مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کام نہ لے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا
کلام سن لے پھر اسے اس کے پاس تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ ناچاہیے کہ لوگ علم نہیں رکھتے۔
ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہو سکتا ہے
۔۔۔ بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا، تو جب تک وہ

عہد یعنی مکہ کو مشرک سے ملنا جائیں یہ عہد قبول کر کے نہ اور زکوٰۃ کی پابندی اختیار کریں یا باعقاد دیگر اسلامی
قلم بندگی میں جذب ہو جائیں تو پھر ان سے کوئی عہد نہ کیا جائے۔ اسی آیت سے حضرت بکر رضی اللہ عنہ نے قندوس
کے زمانہ میں اسد بن ابی ساریہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جس لوگوں نے قندوس کا حکم سنا ان میں سے ایک گروہ کو قاتل
ہم اسلام کے منکر میں ہیں، نماز بھی فرماتے کے لیے تیار ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یہاں تک کہ ہم یہ پتہ نہ لے سکیں کہ ان
ایسے لوگوں کے خلاف آواز کیے انسانی جا سکتی ہے بلکہ حضرت بکر نے اس آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ان لوگوں کے چھوڑ
دینا حکم صحت میں اور اس میں دیگیا تھا بلکہ مشرک سے توبہ کیا، عہد قائم کریں اور ان کو دوسرے گروہ میں سے نہیں فرمادیں گے
ایک شرط اس عہد میں ہے کہ پھر انہیں ہم کیسے چھوڑ دیں۔

عہد یعنی وہ لوگ ہیں جو کوئی دین سے عہد کر کے ہم اسلام کو ماننا چاہتا ہیں تو اس کو ماننا
کہ سے ملان دے کر انہیں آئے اس وقت ان کو خدا سے کھانا نہیں پھر اگر توبہ نہ کرے تو اسے پناہ نہ دے اس کے قتل کا
نہیں جس سے پناہ دیں۔

فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ
 كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا ذِمَّةً
 يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَهِهِمْ وَتَابَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ
 فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اِشْرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدَّوْا
 عَنْ سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾

تمہارے ساتھ سیدھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو کیونکہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ مگر ان کے
 سوا دوسرے مشرکین کے ساتھ کوئی حد کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ان کا مال یہ ہے کہ تم پر قابو پا جائیں تو نہ تنگ
 سادہ میں کسی قربت کا لحاظ کریں نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ وہ اپنی زبانوں سے تم کو راضی کرنے کی
 کوشش کرتے ہیں مگر دل ان کے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے
 بدلے تھوڑی سی قیمت قبول کر لی پھر اللہ کے راستے میں سدا رہا بن کر کھڑے ہو گئے بہت بڑے کرتوت بھی یہ کرتے تھے۔

۱۔ یعنی نبی کریم ﷺ اور نبی محمد ﷺ اور نبی عیسیٰ ﷺ۔

۲۔ یعنی اظہارِ زور و مسلح کی شریعت سے کہتے ہیں مگر دلوں پر محمدی کا ارادہ ہوتا ہے اور اس کا ثبوت تمہارے اس طرح
 قرار ہے کہ جب کبھی انہوں نے معاہدہ کیا تو ٹوٹنے ہی کے لیے کیا۔

۳۔ یعنی ایسے لوگ ہیں جنہیں نہ اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس ہے اور نہ اخلاق کی پابندیوں کے ڈھلنے میں کوئی ہلک۔
 ۴۔ یعنی ایک طرف اللہ کی آیات ان کو مصلحتی اور مصلحتی طور پر ان کی پابندی کا کارواں دے دی ہیں۔ دوسری طرف
 دنیوی زندگی کے وہ چند ذرائع و فائدے تھے جو خواہش نفس کی بے حکام بیرونی سے حاصل ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں
 کا موازنہ کیا اور پھر پہلی کو چھوڑ کر دوسری چیز کو اپنے لیے چن لیا۔

۵۔ یعنی ان ظالموں نے اپنے ہی بے اعتدال کیا کہ بہانے کے برائے گمراہی کو فروغ دینے کے لیے نہ کر لیا بلکہ اس سے منگے بڑھ کر
 انہوں نے کوشش کی کہ دعوت حق کا کام کسی طرح چھپنے نہ پائے۔ نیز مصلحت کی اس پھر کو کوئی سنبھالتے ہوئے منہ ہی بند کر دیے
 جائیں جس سے پھر بلند ہوتی ہے جس صالح زندگی کا اللہ تعالیٰ زمین میں قائم کرنا چاہتا تھا اس کے قیام کو روکنے میں انہوں نے
 دیکھی جتنی کا ننگ دیا انسان لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جو اس نظام کو حق پاکر اس کے متبع بنے تھے۔

لَا يَرْجُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا زَلَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَتَدُونَ ﴿٩﴾
 فَلَنْ تَأْتُوا وَاقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَا نَكُمْ فِي
 الَّذِينَ وَنَفَصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾ وَإِنْ تَكُونُوا
 أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا
 أَهْلَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١١﴾

کسی مومن کے معاملہ میں ذیہ قرابت کا لحاظ کرنے میں اور نہ کسی عہد کی ذمہ داری کا۔ اور زیادتی ہمیشہ
 انہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ پس اگر اب یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے
 دینی بھائی ہیں۔ اور ہانسنے والوں کے لیے ہم اپنے احکام واضح کیے دیتے ہیں۔ اور اگر مد کرنے کے
 بعد پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں کے
 جنگ کرو کیونکہ ان کی تمسوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید کہ پھر تلواریں کے زور سے وہ باز آئیں گے۔

۱۰۔ اے جاننے والوں سے مراد وہ ہیں جو اللہ کی نافرمانی کا انجام جانتے ہیں اس میں کچھ غوث اپنے طبعی لکھنوی۔
 اور جو خیر بایا گیا اگر ایسا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ شرط پوری کرنے کا توجہ صرف
 یہی نہ ہو گا کہ تمہارے لیے ان پر ہاتھ اٹھانا اور ان کے جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو جائے گا۔ بلکہ یہ وہاں اس کا فائدہ
 بھی ہو گا کہ اسلامی موسسات میں ان کو برابر کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ معاشرتی تبدیلی اور قانونی حیثیت سے وہ تمام دیگر
 مسلمانوں کی طرح ہوں گے کوئی فرق و امتیاز ان کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو گا۔

۱۱۔ اس آیت کے الفاظ سے نظام تو یہ لگتا ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے عہد توڑ دیں تو ان سے اللہ کی عتاب کا کام ہو
 تو کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عہد سے مراد اسلام اور امت اسلام کا عہد ہے۔ کیونکہ معاہدات کو تو پہلے ہی ساتھ
 کیا جا چکا تھا اور اب آئندہ ان سے کوئی معاہدہ کرنا سرے سے پیش نظر ہی نہ تھا۔ لہذا یہاں غلط فہمی پیدا کرنے کا کوئی سوال
 پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ آیت اور دوالی آیت کے معاہدہ کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز نہ کر لائیں یا پندی قبول
 کر لیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ اگر۔۔۔ یعنی تمہیں تو ڈوبی صاف ٹھہر رہے معنی رکھتا ہے کہ اس سے مراد
 ان کا اسلام قبول کرنے اور اسلامی نظام جماعت کی پابندی کا مسکن کرنے کے بعد پھر سے توڑنا ہے۔ حال اس حدیث میں اس

اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اٰیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاَخْرَاجِیْ

کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے

نظم و ستاد کی طرف اشارہ ہے جو ہر چار سال بعد مکہ طائف مدینہ یثرب کی ابتدا میں ہر چار اجزاء حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس موقع پر جو طویل بیعت کیا وہ شیک اس ہدایت کے مطابق تھا جو اس بیعت میں چلے ہی دی جا چکی تھی۔

۱۱۔ اب تقریر کا رخ مسلمانوں کی طرف پھر تباہی کے اعلان کو جنگ پر ابھارنے اور دین کے معاملہ میں کسی رشتہ و قرابت اور کسی دینی مصلحت کا لحاظ نہ کرنے کی ترغیب و تلقین کی جاتی ہے۔ اس حدیث تقریر کی پہلی روایت کو کہنے کے لیے پھر ایک مرتبہ اس صورت حال کو سامنے رکھنا چاہیے جو اس وقت پیش تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ پر ایسا ظالم و ستم کی کوئی ایسی برائی طاقت مذہبی تھی جو اس کو وحوت پر ملالت دے سکتی لیکن پھر بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی عقل و فطرت پر اس موقع پر اٹھایا ہوا تھا اس کے اندر بہت سے خطرناک پہلوں کا ہونا چاہیوں کو نظر آسکے تھے:

۱۔ وہ تمام مشرک قبائل کو ایک وقت میں ہدایت کی سرسبز کھلیج دے دینا، پھر مشرکین کے حج کی بندش، کعبہ کی توحید میں غیر اسلام و رسم جاہلیت کا کوئی استناد پرستی رکھنا تھا ایک مرتبہ اسے ملک میں آگ سی لگ جانے اور مشرکین و منافقین اپنا آخری نظریہ خون خشک اپنے مفادات اور تعصبات کی حفاظت کے لیے ہمارے پیچھے آمادہ ہو جائیں۔

۲۔ تباہی کا صورت اہل ذمہ کے لیے مخصوص کر دینے اور مشرکین پر کعبہ کا راستہ بند کر دینے کے معنی یہ تھے کہ ملک کی آبادی کا ایک حصہ ہر حکم کی طرف جس نکل و حرکت سے باندھ جانے و موقوف مذہبی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ ماضی حیثیت سے ہی عرب میں پھر ماضی حیثیت رکھتی تھی اور میں بائیں مذاہن میں عرب کی ماضی زندگی کا بہت بڑا انحصار تھا۔

۳۔ تباہی جو لوگ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے ان کے لیے یہ معاملہ بڑی کڑی آزمائش کا تھا کیونکہ ان کے بہت سے بھائی بھائی و اقارب ابھی تک مشرک تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے مفاد قدیم نظام جاہلی کے مناسبت سے وابستہ تھے۔ اب یہ ظاہر تمام مشرکوں عرب کا تیس تیس کر لے لے کی تیاری کی جا رہی تھی اس کے معنی یہ تھے کہ نئے مسلمان خود اپنے ہاتھوں اپنے بھائی بھائی اور اپنے بھائی بھائی کو بھائی بھائی کر کے ہمارے منسوب اور مددگار کے قائم شدہ امتیازات کا خاتمہ کر دیں۔

اگرچہ فی الواقع یہی وہی صورت تھی کہ وہ تمام اعلان و بلاوت سے ملک میں عرب کی ایک آگ بھڑکنے کے بجائے یہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہہ دیا تھا کہ تمام اعلان و حکمت عرب کے لیے کچھ مشرک قبائل اور امراء و لوگوں کے ذہن نے شروع ہو گئے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام و اطاعت کا عہد کیا اور ان کے اسلام قبول کر لینے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو اس کی پوزیشن پر بحال رکھا۔ لیکن جس وقت اس نبی بائیں کا اعلان کیا ہوا تھا اس وقت تو ہر حال کوئی بھی اس خیمہ کو چھٹی دیکھ سکتا تھا نیز وہ کہ اس اعلان کے ساتھ ہی اگر مسلمان اسے خود زانو کر کے کے لیے یہی طرح تیار نہ ہوجاتے تو شاید یہ خیمہ ہرگز نہ ہی د

الرَّسُولَ وَهُمْ بَدَأُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَنْ تَخْشَوْهُمْ فَاَللَّهُ
 أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ
 اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ وَيَضْرِكُّ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِ صُلُوحَ
 قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَيَذْهَبُ غَيْظُ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ
 عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۹﴾ أَمْ
 حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا

نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم
 مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔ ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو
 سزا دلوانے کا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا اور ان کے مقابل میں تمہاری مدد کرے گا اور تم سے
 مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے قلوب کی جبلت مٹا دے گا، اور جیسے چاہے گا تو ہر کی تفریق
 بھی دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا ہے۔ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کوئی چھوڑ دے
 جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ

ہوتا۔ اس لیے حرمی حاکم مسلمانوں کو اس طرح یہ ہدائی سبیل اللہ کی ہر جوش ملیح کی ہدائی اور ان کے کاموں سے سبکی تمام
 اندیشوں کو دور کیا، جو اس مہاشی بطن کر کے میں ان کو لنگر آ رہے تھے اور ان کو ہدایت کی ہدائی کہ اللہ کی مرضی پسند کرنے میں
 انہیں کسی چیز کی ہدایت کرنی چاہیے، یہی مضمون اس مقرر کا موضوع ہے

۱۷۔ یہ ایک ہلکا سا اشارہ ہے اس مکان کی طرف جو آگے چل کر واقعی صحت میں خود بخود مسلمان ہو کر رہے
 تھے کہ بس اس مکان کے ساتھ ہی مکہ میں خوراک کی تعلیمیں ملتی ہیں اس کی اس خطی کو حد کرنے کے لیے شانہ نفس بتایا گیا
 ہے کہ مہاشی اختیار کرنے میں رسول اس کا مکان ہے کہ مکہ کے جنگجو ہر ایک کا مکان اس کا بھی مکان ہے کہ لوگوں کو توبہ کی تلقین
 عیب پر مائل کی سبکی اس اشارہ کو زیادہ نمایاں میں یہ ہیں کی کہ یہ کرنے سے ایک طرف تو مسلمانوں کی تباہی جنگ

ج

وَمِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ
وَلِئَلَّا يَكُنَّ لِلَّهِ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ مَا كَانَ لِلْمُشْكِكِينَ
أَنْ تَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ
أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ۝

میں اجاں نشانی کی اور اللہ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بنایا، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

مشکین کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدوں کے مہلور و خادم بنیں وہ ان کا ایک اپنے آپ پر وہ خود کو فخر کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں انھیں ہمیشہ رہنا ہے۔

بہی بھاتی اور دوسری ملوث مشرکین کے لیے اس کو مکہ کا پہلو بھی ٹھینٹا جاتا جس نے انھیں اپنی ہی جگہ کی کسانیاں بھی پیش کی نہ کہتے ہوئے کہنے اور باقونظام اسلامی میں مذہب جو جانے پہچانے کا۔

۱۸۱۔ خطاب سے ملنے والوں سے براہِ قرب کے زمانہ میں اسلام لائے تھے۔ ان سے اللہ اور اللہ کے حبیب تک تم اس زمانہ میں سے گزر کر بیٹاتے ہو کہ وہ گھر کو کہہ کر ذاتی تم خلاص اس کے دین کو اپنی جان وال اور اپنے بھائی بھائیوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہو، تم سب مومن قرار نہیں دیے جا سکتے۔ اب تک تو ظاہر کے لحاظ سے تمہاری پوزیشن یہ ہے کہ اسلام چونکہ مومنین و مومنہ اور سابقین و متبعین کی ہائشانیوں سے غالب آیا اور ملک چھا گیا اس لیے تم مسلمان ہو گئے۔

۱۹۱۔ یعنی جو مساجد اللہ کے واحد کی عبادت کے لیے بنائی گئیں، ان کے متعلق یہ مہلور و خادم اور آباد کار بننے کے لیے وہ لوگ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے جو خدا کے ساتھ خداوندی کی صفات و حقوق اور امتیازات میں دوسروں کو شریک کرنے والے ہیں جو کہ وہ خود بھی توحید کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں اور انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جنگی و عبادت کو ایک خدا کے لیے خاص کر چھوڑتے ہیں تو انھیں کیا حق ہے کہ کسی ایسی عبادت گاہ کے متعلق بنے ہیں جو صرف خدا کی عبادت کے لیے بنائی گئی تھی۔

یہاں اگرچہ بات عام کی گئی ہے اور یہی حقیقت کے لحاظ سے عام ہے، لیکن خاص طور پر یہاں اس کا ذکر کرنے کے مقصد سے ہے کہ خدا نے کچھ اور مہلور و مومنہ کے مشرکین کی قرابت کا فائدہ نہ دیا ہے اور اس ہمیشہ کے لیے اہل توحید کی قرابت قائم کر دی جائے۔

لِنَسْأَلَ يَوْمَ يَجِدُ اللَّهُ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
 أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ
 أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝١٨ أَجَعَلْتُم سِقَايَةَ الْحَاجِّ
 وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
 وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا
 يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٩ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا

وَالَّذِينَ

اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مہاجر و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر کو مانیں اور
 نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہی سے یہ توقع ہے کہ یہ بھی سادہ رہیں گے۔
 کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی مہاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے
 برابر ٹھہرایا ہے جو ایمان لایا اللہ پادہ روزِ آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں، اللہ کے
 نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ان خواص لوگوں کا
 منہ یعنی برحق و حق پرست، واقعی خدمتِ اللہ کی انجام دی ہوئی اس دور سے خارج ہو گئی کہ یہ لوگ اس کے

ساتھ شریک اور ہمارے طریقوں کی آبریز کر رہے ہیں۔ ان کی قدمی بھلائی کو ان کی بہت بڑی برائی سمجھتی ہے۔

اللہ یعنی کسی زیارت گاہ کی سادہ نشیمنی، مہاوری یا چند غلط فہمی، منکر اعمال کی بجائے وہی جس پر دنیا کے سطح پر لوگ
 باعوم و شرف اور تقدس کا عالم رکھتے ہیں، خطہ کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی۔ اصلی تدبیر و حقیقت ایمان اور راہِ خدا میں
 قربانی کی ہے۔ ان صفات کا جو شخص بھی حامل ہو وہ قیمتی آدمی ہے، خواہ وہ کسی دوسرے خاندان سے تعلق نہ رکھتا ہو مگر جو نام کے
 امتیازی طے سے اس کو کھٹے ہوئے نہیں لیکن جو لوگ ان صفات سے غافل ہیں، وہ حضرات اس لیے کہ بزرگ زاد ہیں، مہاراجہ ہیں، ان کے
 خاندان میں ہاتھوں سے بچاؤ ہو رہا ہے اور خاص خاص موقعوں پر کچھ مذہبی مراسم کی نمائندگی بھی شان کے ساتھ کر دیا کرتے ہیں،
 نہ کسی مرتبے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور نہ یہ جان بوجھ کر رکھا ہے کہ ایسے بے حقیقت و سوجھ بوجھ کی تسمیہ کر کے مقدس مقامات اور
 غریبی اور سگان تالاق لوگوں کے کھاتوں میں رہنے دیے جائیں۔

وَجَهْدُ فِی سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةً
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۳۱﴾ يَبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۲﴾ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَلَا إِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ لِمَن
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ
وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

در درجہ ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اُس کی راہ میں گھروں اور چھوٹے سے بڑے ہاتھ باندھ لیاں کیں۔
دینی کامیابی میں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا
ہے جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ ہیں گے۔ عین اللہ کے
پاس خدمات کا عمل دینے کو بہت کچھ ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر
کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔ اے نبی! کہہ دو کہ
اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز
اقارب اور تمہارے اعمال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے نام نہ ہونے کے

وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ
ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتًا عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ
جُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ
الْكَافِرِينَ ۝۳۶ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۷ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الشِّرْكُ
بَحْسٌ فَلَا تَقْرَأُوا السَّبْعَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَائِمِهِمْ هَذَا

نہ آتی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھے پھیر کر جھاگ نکلتے پھر اللہ نے اپنی
سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ شکر انا سے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور مکہ میں حق
کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح
سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق بھی بخش دیتا ہے، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم
فرماتے والا ہے۔

۱۔ مسلمان لانے والو! مشرکین ناپاک ہیں لہذا اس سال کے بعد یہ ہر مہرالم کے قریب نہ پہنچنے پائیں۔

اور انہی کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ دوبارہ فرج کی ترتیب قائم ہو کر امداد باقی فرج مسلمانوں کے ساتھ رہی۔ درج مذکور کے جو کچھ
حاصل ہوا تھا اس سے بہت زیادہ جہنم میں کھودینا پڑتا۔

۲۳۳۔ خود حسین میں حق حاصل کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ جس نے صغیر
کریم انصاف کا ہوتا دیکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے جیسے آدمی مسلمان ہو گئے۔ اس مثال سے مسلمانوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ
تم نے یہی سونپا دیکھا ہے کہ میں اب ہمارے دشمنوں کو ہنس کر ڈالے جائیں گے۔ نہیں پہلے کے جہرات کو دیکھتے ہوئے
تو تم کو یہ توقع ہونی چاہیے کہ جب نظام جاہلیت کے فروغ و بھلائی کوئی میدان لوگوں کو ہائی نہ رہے گی اور وہ ہمارے حق پر جانیں گے
جن کی وجہ سے یہ اب تک جاہلیت کو چھٹے جہتے ہیں تو خود بخود یہ اسلام کے حامی رحمت میں پناہ لینے کے لیے آجائیں گے۔

۲۳۵۔ یہی آئندہ کے لیے ان کا چلن اور ان کی زیارت ہی جہنم میں بلکہ سب جہنم کے حدود میں ان کا داخلہ ہی مذہب کا

وَلَنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَتَوْفِ بِغْنِيكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ
 شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾ قَالُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
 بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو میرے نہیں کا خدا ہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے،
 اللہ علیم و حکیم ہے۔

جنگ کربلا میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اشد اور ذرا سخر پر ایمان نہیں لاتے
 اور جو کچھ اشد اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو بنا دین نہیں بناتے۔

شرک و جاہلیت کے عبادہ کا کوئی امکان الٰہی نہیں ہے۔ تاہم جو لوگ جو اپنے سے ملوا جاتے ہیں کہ وہ ہات خود بنا پاکیں بلکہ اس کا
 مطلب یہ ہے کہ ان کے اعتقادات ان کے اعتقاد سے کہ اصل اعلان کے باوجود طریق زندگی ناپاک ہیں اور اسی نہایت کی بنیاد
 حدود حرم میں ان کا داخلہ نہ کیا گیا ہے یا ماضیہ کے نزدیک اس سے ملوا صرف ہے کہ وہ حج اور عمرہ اور مراسم جاہلیت
 اور کرنے کے لیے حدود حرم میں نہیں جاسکتے امام شافعی کے نزدیک اس حکم کا منشاء ہے کہ وہ مسجد حرام میں جا ہی نہیں سکتے اور
 امام مالک سے رائے رکھتے ہیں کہ صرف مسجد حرام ہی نہیں بلکہ کسی مسجد میں بھی ان کا داخلہ نہ ہوتا ہے۔ لیکن آفری مائے موت
 نہیں ہے کہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد نبوی میں ان لوگوں کو داخلے کی اجازت دی تھی۔

۱۰ اگرچہ اہل کتاب خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے کے معنی میں یقین فی الواقع نہ دیکھ سکتے ہیں مگر خدا پرست
 پر ایمان رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی بس اس بات کو مان لے کہ خدا ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں کہ کوئی خدا کو اور خدا پرست کو
 تسلیم کرے اور اس کی ذات، اس کی صفات، اس کے حقوق اور اس کے غیبات میں نہ خود شریک بنے نہ کسی کو شریک ٹھہرائے
 لیکن نصاریٰ اور یہود دونوں اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسا کہ بعد والی آیات میں بتدریج بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ
 خدا کو ماننا ہے معنی ہے اور اسے ہرگز ایمان یا شریعت میں کہہ سکتا۔ اسی طرح آخرت کو ماننے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ کوئی
 یہ بات مان لے کہ ہم مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے کہ اس کے ساتھ یہ اتنا بھی مفہوم ہے کہ وہاں کوئی بھی سفارش کوئی نیک
 اور کسی بزرگ سے منتحب ہر کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کسی کا نگارہ بن سکے گا۔ خدا کی عدالت میں بے لاگ انصاف ہوگا اور آدمی کے
 ایمان و عمل کے سوا کسی چیز کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ اس عقیدے کے بغیر آخرت کو ماننا حاصل ہے۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اسی پہلو

حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ ذَاكِرُونَ ﴿۱۸﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

ہاں سے لڑیں یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور پھر ٹہن کر رہیں یا یہودی کہتے ہیں کہ

مجھے جسے کوٹاہ کر لیا ہے۔ لہذا ان کا ایمان بالآخرت بھی مسلم نہیں ہے۔

۱۷ یعنی اس شریعت کی پانچ ذنوب زندگی نہیں بناتے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے نازل کی ہے۔

۱۸ یعنی وہ اپنی ذات کی قیامت نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور وہ حق کے پیروں میں جائیں بلکہ اس کی قیامت یہ ہے کہ ان کی اور ان کی والدہ کی قوم جو ماننے والے ہیں ان میں ماکہ اور مدینہ میں رہنے والے ہیں جن کی تمام زندگی کی باہمی مصروفیت و حمایت کے مقدمات جیسے وہی حق کے احوال میں بدل اور وہ ان کے ماتحت تابع و مطیع نہ رہیں۔

جسے بدل ہے اس میں اس وقت کا یہودیوں کو اسلامی حکومت میں شامی جانے لگی۔ نیز وہ طاقت سے اس امر کی کہ جو لوگ تابع امر بنتے رہا تو اس سے جزیہ دینے کا مہم سیدھی طرح ملیطانہ خان کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہے۔ اور جو ٹہنے ہو کر رہتے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں جزیہ نہ دیں بلکہ وہ اپنی ایمان دہے ہوں جو خلافتِ اعلیٰ کا فرض، انجام دہے ہوں۔ ابتدائی حکم یہ وہ نصاریٰ کے متعلق دیا گیا تھا، لیکن آگے چلی کر خود ہی علی الاثر علیہ وسلم نے جو جس سے جزیہ لے کر نہیں لیتی کیا اللہ اس کے بعد صاف کلام لے بالاتفاق یہ وہ عرب کی تمام قوموں پر اس حکم کو عام کر دیا۔

۱۹ جزیہ وہ چیز ہے جس کے لیے بڑی بڑی صدقہیں یا عیسوی کے آؤ و ذلت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اس میں مذکر کی یادگار رکھ کر اب بھی جو عیسوی دینے میں آگے نہیں آتے۔ لیکن خدا کو اس سے بہت بالا درجہ ہے۔ اسے خدا کے ہاتھوں کے سامنے صحت پیش کرنے کی کوئی حاجت نہ ہو۔ یہی اللہ صاف بات ہے کہ جو لوگ خدا کے ہیں کہ انہیں نہیں کہتے اور اپنی یاد دہوں کی بخالی ہوتی خدا دہوں پہنچتے ہیں وہ ہر سے عدلیں انھیں ہی آزادی کے حق میں کہ خود جو ظلمی کرتا چاہتے ہیں کریں، لیکن انھیں اس کا تصور کرنی حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ بھی اقتدار و فرمانہائی کی باہمی دہی کے اصول کیا ہوں اور وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گراہیوں کے مطابق قائم کریں اور چاہیں۔ یہ چیز ہاں کہیں نہ کہ حاصل ہوگی، خدا و نہا پر کا اسلامی ایمان کا فرض ہے کہ ان کو اس سے پہلے دخل کرنے اور انھیں نظامِ صالح کا مطلع بنانے کی کوشش کریں۔ اسبابِ رابہ سوال کہ یہ جزیہ آخر کسی چیز کی قیمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس آزادی کی قیمت ہے جو انھیں اسلامی اقتدار کے تحت ملتی گراہیوں کا قیام دینے کے لیے دی جاتی ہے، اور اس قیمت کو اس صالح نظامِ حکومت کے نظم و نسق پر صرف ہونا چاہیے جو انھیں اس آزادی کے استعمال کی مجازت دیتا ہے سلطان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کا یہ لائق دہا کہ جو زیادہ کہتے وقت ہر سال دہیں اور اس کا یہ جزیہ ہے کہ خدا کی ماہ میں ذکر و دینے کے خوف سے عیسویوں کو اس کا لے کر دہیں کہ قیمت ادا کرنا انھیں ہی دہتی ہے جس میں وہ ہتھیاریں۔

عَزَّيْرُ ابْنِ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ
قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ
قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ لَتُخَذُوا أَحْبَارُهُمْ وَرُهَبَانُهُمْ
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا

عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ
اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں اُن لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا
کی مائیدان پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ
کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک مجبور کے

۱۸۹ عزیر سے مراد عوراء (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ مسیح قبل مسیح کے
گھ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو خدا کا چنا ہوا نبی اسرائیل پر آیا، اس میں
نہ صرف یہ کہ قرآن دینا سے گم ہو گئی تھی بلکہ بائبل کی امیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان
جو اپنی ملک سے نا آشنا کر دیا تھا، خود کارامی ہو کر یا عوراء نے بائبل کے پڑانے خدا کے کرب کیا، اور شریعت کی تجدید
کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گردہلوں نے ان کو اپنی اللہ
تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے اڑا کا قصور یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عوراء کا کہنا کہ خدا کا بیٹا بنا لیا ہے بلکہ قصور
یہ بتاتا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو غرائی دھنسا ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عوراء کو خدا کا بیٹا قرار دینے لگا
بھی ان میں پیدا ہوئے۔

۱۹۰ یعنی مصر و لبنان، اردن، ایران اور مصر کے ممالک میں جو قریں پہلے گمراہ ہو چکی تھیں ان کے نقصانوں کو دیکھ کر
تخلیقات سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے بھی ویسے ہی گمراہانہ عقیدے ایجاد کر لیے۔

۱۹۱ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کما حقہ حاضر ہو کر
حضرت محمد اسلام آئے تو انھوں نے جھوٹا اور سوائے کے ایک یہ حال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پہنچے علماء اور درویشوں کو
خدا بنانے کا جو الزام ٹانگا گیا ہے اس کی امیت کیا ہے۔ جو اب میں حضور نے فرمایا کیا وہ حاضر نہیں ہے کہ جو کچھ وہ لوگ حرام
قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو خود

لَا يَغْبِطُ الَّذِينَ هَاهُنَا وَاحِدًا وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُفْعَلُ عَمَّا يُشْرُكُونَ
يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ
يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۶﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے
ان مشرکان بائیں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے
بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو
اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ہر دین پر غالب ہو سکے

ہم کہتے رہے ہیں، فرمایا بس یہی ان کو خدا بنانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب مصلحیہ کے غیر وہ لوگ مسلمان زندگی کے
سچے ماننے والے ہونے کی حدود و مقررات سے ہیں وہ اصل خلائی کے تمامہ غم غم و محنت ہوتے ہیں اور جہان کے سب ہی شریعت مانی
کو تسلیم کرتے ہیں وہ انھیں خدا بناتے ہیں۔

یہ دونوں امور ہماری کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا، اللہ کی کوششیں سازگی کا حق دے دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کیے
گئے ہیں کہ وہ لوگ ایمان باللہ کے دوسرے چھوٹے چھوٹے خدا کی ہستی کو چاہے یہ ماننے والے ہوں مگر ان کا تصور خدا ہی اس قدر غلط ہے
کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کا ماننا نہ کرنے کے لئے جبرگاہ ہے۔

۱۶۔ جن میں دین کا نظام استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہم نے جنس دین کیا ہے۔ دین کا لفظ عیسائی کہ ہم پہلے ہی بیان
کے کچے ہیں، یعنی زمانہ میں نظام زندگی یا طبعی زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو خدا اور مطلق تسلیم
کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔ پس بشت رسول کی فرض میں ہی بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے
دیا ہے اسے دین کی ذیبت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بشت کسی میں
طریق کے لیے ہمیں برقی کو نظام زندگی کے کہہ دیا ہے وہ کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع اور اس سے مغلوب نہ کر اور اس کی
دی جہتی رعایت نہ کر گناہوں میں مبتلا کر دے۔ بلکہ بدو شاہ و برحق دہا کہ غاصبہ میں کرنا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظام حق کو
غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظام زندگی دنیا میں ہے بھی تو اسے خلائی نظام کی غنمی ہوئی گنجائشوں میں سمٹ کر دینا
چاہیے جیسا کہ جزیرہ دار کرنے کی صورت میں ذیلوں کا نظام زندگی ہے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ حٰقِقِيْنَ
 بِالْاٰجِرِ وَالْزُهْبَانِ لِيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْباطِلِ وَيَصُدُّوْنَ
 عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْتٰزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا
 يَنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ يُجْعَلِ
 عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فُتُوٰى بِهَا جَبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ
 هٰذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَفْقَهُوْا فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْتٰزُوْنَ ﴿۳۳﴾

خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ اے ایمان لانے والو! ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور محدثین
 کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے
 ہیں۔ دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ
 میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکاٹی جائے گی اور پھر
 اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ عذاب
 جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب اپنی سببی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

ﷺ کا علم صرف ہی تم نہیں کرتے کہ فوسے بیچتے ہیں، دھوکے کھاتے ہیں، نذرانے دیتے ہیں، ایسے ایسے
 مذہبی ضابطے اور مراسم ایجاد کرتے ہیں جن سے لوگ اپنی نہات ان سے خریدیں اور ان کا مرتابینا اور شادی و طہم کچھ بھی ان کو
 کھانے ضرور ہو سکے اور وہ اپنی قسبیں بنانے اور بچانے کا طہیکہ داران کو کھلیں۔ بلکہ یہ ہاں اپنی انہی اخلاص کی خاطر بعض
 غریب خدا کو گراہوں کے چکر میں جھنسانے رکھتے ہیں اور جب کسی کوئی دعوت حق و اصلاح کے لئے اٹھتی ہے تو سب سے
 پہلے ہی اپنی مالدار غریب کاریوں اور کاروں کے جہلے لے لے کر اس کا راستہ روکنے کھڑے ہر جاتے ہیں۔

إِنَّ عَذَابَ الشُّمُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ
يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حَرْمٌ ذَلِكَ
الَّذِينَ الْقِيَمَةُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا
الشُّرَكِيَّ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا
يُجَاهِلُونَكَ عَمَّا يُحْجِرُ مَوْتَهُ عَمَّا لِيُوا طَوَا عَذَابَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ

حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اُنہ کے
رشتے میں بارہ ہی تھے، اودان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔ لہذا ان چار
مہینوں میں اپنے اور ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح مناسب مل کر تم سے ہوتے
ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔ کسی تکفیر میں ایک مہینہ کا فرائز حرکت ہے جس سے
یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو مٹا کر لیتے ہیں اور کسی سال
اُس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بڑھ دی بھی ہو جائے اور

اللہ عزوجل نے اللہ نے جتنا صومہ اور زکوٰۃ کو خلق کیا ہے اسی وقت سے یہ صاحب بھی جلا کر ہے کہ مہینے میں
ایک ہی دفعہ جائے بالین کر طلعہ ہوتا ہے اور اس صاحب کے سال کے ۱۲ ہی مہینے جلتے ہیں۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ
حرم کے لوگ نبی کی خاطر مہینوں کی تعداد ۱۲ یا ۱۳ بنا لیتے تھے، تاکہ میں باوجود حرام کو انھوں نے طلال کر لیا تھا سال کی چیزی
میں کچھ پاسکیں۔ اس ضرورت کی تشریح آگئے آئی ہے۔

ظلم یعنی جو مصالح کی بناء پر مہینوں میں جنگ کر حرام کیا گیا ہے ان کو خارج ذکر اور اس مقام میں اس میں اضافہ کیا گیا کہ

اپنے اور ظلم نہ کرو۔

یعنی اگر شریکین ان مہینوں میں بھی لڑنے سے باز آئیں تو جس طرح وہ متفق ہو کر تم سے لڑنے میں تم بھی متفق

فَمَعِلُوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ

اللہ کا حرام کیا ہوا احلال بھی ہو جائے ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔ اور اللہ منکرین حق کو مدایت نہیں دیا کرتا۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں

ہو کر ان سے لڑو، اس ارشاد کی تفسیر وہ آیت ہے جو سورۃ البقرہ رکوع ۲۴ میں آتی ہے اَسْقُوا الشَّعْثَ وَالشَّجَرَةَ بِمَاءِ الْاَرْضِ وَلَا تَجْعَلُوا لَهَا غَلًّا ۚ اِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جنگ و جدل اور غارت گری اور خون کے اشتقاق یعنی خطر کی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے۔ اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کہہ کر عوام مہینوں کی تعداد بڑھا کر دیتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ تقریباً سال کو نوٹھی سال کے مطابق کرنے کے لئے اس میں کسی ایک مہینے بڑھا دیتے تھے تاکہ سچ ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے۔ اور وہ ان زمیتموں سے بے جا ہیں جو قری حساب کے مطابق مختلف مہینوں میں سچ کے گردش کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ۳۴ سال تک سچ اپنے پہلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں بڑھا رہا تھا اور ہفت تینتیسویں سال ایک مرتبہ مہل ذی الحجۃ ۹۔ ۱۰ مابریخ کو ادا ہوتا تھا یہی وہ بات ہے جو حجتہ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لجنہ خبیثین فرمائی تھی کہ ان الرضوان فدا اسند ان کھیتہ نوم خلق الله السموات والارض یعنی اس سال سچ کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک کہ اپنی اس تاریخ پر آیکے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔

اس آیت میں نبی کو حرام اور منوع قرار دے کر مجلسِ عرب کی ان دونوں اغراض کو باطل کر دیا گیا ہے پہلی غرض
تظاہر ہے کہ صریح طور پر ایک گناہ تھی۔ اس کے تو معنی بنی تھے کہ خدا کے حرام کیسے ہوئے کو حاصل بھی کر لیا جائے اور دوسرے حلیہ بازی
کر کے پابندیِ قانون کی ظاہری شکل بھی بنا کر رکھ دی جائے۔ بنی دوسری غرض تو دوسری تھا وہ معصوم اور بی بی برصطوت
نظر آتی ہے لیکن درحقیقت وہ بھی خدا کے قانون سے بغاوت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکم و فرائض کے لئے شمسِ حساب کے بجائے
قریٰ حساب جن اہم مصالح کی بنا پر اختیار کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے زمانے کی تمام گردشوں میں، قسم
کے حالات اور کیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خواہ کر ہوں۔ مثلاً رمضان ہے تو وہ کبھی گرمی میں اور کبھی
برسات میں اور کبھی سردیوں میں آتا ہے اور اہل ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزے رکھ کر فرمانبرداری
کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں۔ اسی طرح حج بھی قریٰ حساب مختلف کموں میں آتا ہے
اور ان سب طرح کے اچھے اور بُرے حالات میں خدا کی رضا کے لیے سفر کر کے بدلے بدلے خدا کی آزمائش میں پڑے بھی آتے
ہیں اور بندگی میں بھی محکم بھی حاصل کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی گروہ اپنے سفر اور اپنی تجارت اور اپنے میلوں میلوں کی سہولت کی خاطر حج کو

انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا
قَلِيلٌ ۝ لَا تَنْفِرُوا يَعْذِبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ وَيَسْتَبْدِلْ

نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا بھلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو

کسی خوفناک موسم میں ہمیشہ کے لئے قائم کر دے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کوئی کانفرنس کر کے طے کر لیں کہ آئندہ سے رمضان کا مہینہ دسمبر یا جنوری کے مطابق کروا جائے گا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بندوں نے اپنے خدا سے بغاوت کی خود مختار ہو گئے۔ اور اس کی بالآخر مصلحتوں کو اپنی پست اغراض اور خواہشات پر قربان کر دیا۔ انہی وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سزا کی کو زیادہ نی انکفر قرار دیا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نبی کی مسوغی کا یہ اعلان سلسلہ ہجری کے حج کے موقع پر کیا گیا اور اگلے سال مسند کالج ٹھیک ان تاریخوں میں ہوا جو قری حساب کے مطابق تھیں۔ اس کے بعد سے آج تک حج اپنی صحیح تاریخوں میں ہوا ہے۔

۹؎ یہاں سے وہ خطبہ شروع ہوتا ہے جو غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں نازل ہوا تھا۔ ۹؎ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ عالم آخرت کی بے پایاں زندگی اور دواں کے بے حد حساب سانسوں کا کو جب تم دیکھو گے تب تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کے تھوڑے سے عرصہ حیات میں اُٹلے اندوز کی کچھ بڑے سے بڑے امکانات تم کو حاصل تھے اور زیادہ سے زیادہ جو اسباب عیش تم کو میسر تھے وہ ان فیرمعد امکانات اور اس نعم و ملک کیسر کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور اس وقت تم کو اپنی اس ناقابل اندیشی و کم نگاہی پر انہوں ہو گا کہ تم نے کیوں ہمارے سمجھنے کے باوجود دنیا کے عارفی اور ذلیل منافع کی خاطر اپنے آپ کو ان ابدی اور کثیر منافع سے محروم کر لیا۔ دوسرے یہ کہ ستارہ حیات دنیا آخرت میں کام لے نہ والی چیز نہیں ہے۔ یہاں تم خواہ کتنا ہی سروسامان دہتا کرو موت کی آغوش اپنی کمانہ ہتھ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اور سرحد موت کے دوسری جانب جو عالم ہے وہاں ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے ساتھ نہ ہوگی۔ وہاں اس کا کوئی حصہ اگر تمہاں لے جاتا ہے تو صرف وہی جسے تم نے خدا کی رضا پر قربان کیا ہو اور جس کی محبت پر تم نے خدا کو اس کے دین کی محبت کو ترجیح دی ہو۔

۱۰؎ اسی سے یہ مسئلہ نکلا کہ جب تک غیر عام (مکلی خدمت کے لئے عام ملاوا) نہ ہو یا جب تک کسی علاقہ کی

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
إِلَّا تَتَصَدَّقُوا فَقَدْ أَصْرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَلَاثِينَ اثْنِينَ إِذَا هُمَا فِي الْعِلَادِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْشَنَ إِنَّ
اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُودِهِ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

اٹھائے تھے اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ بد نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکے ہیں جب کافروں نے اسے محال دیا تھا، جب وہ صرف دوسری کا دوسرا تھا، جب وہ دو قول نما میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ”ختم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اُس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا

مسلم آبادی یا مسلمانوں کے کسی گروہ کو ہمارے لیے نکلے لکھ کر دیا جائے، اس وقت تک تو خدا و فریق کھایا، جلسہ، بین اگر کچھ لوگ سے ملے کہتے، ہیں قرآنی و گزشتہ سے اس کی غرضت ملاحظہ ہوتی ہے۔ لیکن جب امام مسلمین کی حرکت مسلمانوں کو ہمارا کام بلانا ہو جائے، یا کسی خاص گروہ کو ہمارا کام ملے یا کسی کو ہمارا کام دیا جائے تو پھر ہمیں ملنا اور لایا، ہوان پر جہاد فریق میں ہے، حتیٰ کہ جو شخص کسی ملحق مسلمان کے پیروں سے ملے اس کا ایمان تک منہ نہیں ہے۔

۱۹۵۰ء میں خدا کا کام کچھ تم پر ختم نہیں ہے کہ تم کہتے تو یہ کہہ نہ سکتا۔ درحقیقت یہ تو خدا کا فضل و احسان ہے کہ وہ انہیں پسند نہیں کی خدمت کا دین ہو قح دے رہا ہے۔ اگر تم اپنی کاروائی سے اس سوئے کو کھو دو گے تو خدا کسی امداد قوم کو اس کی توفیق بخش دے گا اور تم نامزد و جاؤ گے۔

۱۹۵۱ء میں اُس موقع کا ذکر ہے جب کفار کہنے لگے اے رسول اللہ طیب سلیم کے قتل کا تہیہ کر لیا تھا، آپ میں اس رات کو جو قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی مگر سے قتل کر دینے کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد وہ دھار جہاد کے چلے ہو مدینہ جا چکی تھی۔ مگر میں صرف وہی مسلمان رہ گئے تھے جو بالکل بے بس تھے یا منافق ایمان رکھتے تھے انسان پر کوئی بھروسہ نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس حالت میں جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے قتل کا یہ عمل ہو چکا ہے آپ صرف ایک ملحق حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر سے نکلے اور اس خیال سے کہ آپ کا کتاب ختم کیا جائے گا، آپ نے یہ کیلادہ چھڑے جو شمالی کی جانب تھے جنہوں کی راہ اختیار کی یہاں میں دین تک پہنچا، خدا نے جسے رہے، غریب کے پیادے دشمن آپ کو ہر طرف ڈھکے پھرتے

كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۳۸ لَانْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۳۹
لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَا تَبَعُوكَ
وَلَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۗ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ
اسْتَطَعْنَا أَنْخِرَاجًا مَّعَكُمْ يَهْلِكُ كُونًا أَنْفُسُهُمْ ۗ وَاللَّهُ

بول بچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور مانا دینا ہے۔ مٹو، خواہ
چلے ہو یا جو جھل، اور جہاد کو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لیے
بتر ہے اگر تم جانو۔

اسے نبی! اگر فائدہ سبب الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمہارے پیچھے چلتے پر آمادہ
ہو جلتے، مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کشن ہو گیا۔ اب وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم
چل سکتے تو یقیناً تمہارے ساتھ چلتے! وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ غریب

پھر رہے تھے۔ اطراف مکہ کی دادیوں کا کوئی گوشہ انھوں نے ایسا نہ چھوڑا جہاں آپ کو تلاش نہ کیا ہو۔ سب سلسلہ میں ایک مرتبہ
ان میں سے چند لوگ بین اُس غار کے دہانے پر بھی پہنچ گئے جس میں آپ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر کو سخت غصہ لاحق
ہوا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ذرا آگے بڑھ کر غار میں جھانک لیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
اطمینان میں ذرا فرق نہ کیا اور آپ نے یہ کہہ کر حضرت ابو بکر کو تسکین دی کہ ”ختم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

۳۸ چلے اور بول کے الفاظ بہت وسیع مفہوم رکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب نکلے گا حکم ہو گا ہے تو ہر حال
مکمل نہ کرنا چاہیے خواہ رضاد و بخت خواہ بکراہت، خواہ غرضی میں خواہ تنگ دستی میں، خواہ ماند سامان کی کثرت کے ساتھ
خواہ بے سروسامانی کے ساتھ خواہ واقف حالات میں خواہ ناموافق حالات میں، خواہ جوان و مسند دست خواہ ضعیف و کمزور۔

ج

يَعْلَمُ اَنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ﴿۳۷﴾ عَفَا اللهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنْتَ لَهُمْ
 حَتَّى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَتَعْلَمُ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾
 لَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ
 يُجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۹﴾
 اِنَّمَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
 الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۰﴾

جاتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ۷

اسے نبی! اللہ تعالیٰ معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دیدی، (تمہیں چاہیے تھا کہ
 خود رخصت نہ دینے) تاکہ تم پر کھل جائے کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو کبھی تم جان چکے ہو لوگ
 سچے بول سے اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انہیں
 اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ایسی
 درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں رکھتے جن کے دلوں میں
 شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متروک ہو رہے ہیں۔

۳۷ یعنی یہ دیکھ کر کہ بتا رہے ہیں کہ اللہ عفو کرنے والا ہے اور کہ میں تمہارا پیغام اور سننے
 سال کی فصلیں، جن سے اس کی جوتی تھی، کٹنے کے قریب ہیں، ان کو نیک کام سفر سے ہی گراں نہ سمجھو۔
 ۳۸ یعنی متقیوں نے بناوٹی عزت میں کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود کہ وہ حسن بھائی کے کہہ رہے ہیں ان کو رخصت عطا فرمادی تھی، اس کو اللہ تعالیٰ نے
 پسند نہیں فرمایا اور آپ کو تنبیہ کی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے۔ رخصت دے دینے کی وجہ سے ان منافقوں کا اپنے فتنان پر
 پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اگر انہیں رخصت نہ دی جاتی تو ہجرہ مگر چھوڑ دیتے تو ان کا جھوٹا رخصت یہاں بے فائدہ ہوتا۔
 ۳۹ اس سے مندرجہ بالا کہ وہ اسلام کی کشمکش ایک کسوٹی ہے جو حکمرانوں اور گروہوں کی ایمان کے فرق کو

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ
فَتَبَطَّهْمُ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْفَعِيدِينَ ﴿۳۷﴾ تَوَخَّرُوا فِيكُمْ مَا
زَادُوكُمُ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعِفُوا خَلْقَكُمْ يَبْغُوا بِكُمْ الْفِتْنَةَ
وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۳۸﴾
لَقَدْ ابْتِغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ
حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرَاهُونَ ﴿۳۹﴾

اگر واقعی ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کے لیے کچھ تیاری کرتے۔ لیکن اللہ کو ان کا ٹھٹھا پسند ہی نہ تھا اس لیے اس نے انہیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیشمار ہر بیٹھے والوں کے ساتھ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ وہ تمہارے درمیان فتنہ بازی کے لیے دُور و دُور سوچ کھتے، اور تمہارے گرد و کمال یہ ہے کہ ابھی تمہیں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اشرارِ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمہیں ناکام کرنے کے لیے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا آلٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ ان کی مرضی کے خلاف حق آگیا اور اللہ کا کام ہو کر رہا۔

مان کھول کر رکھ دیتی ہے جو شخص اس کشمکش میں مل جاتا ہے اسلام کی وحدت کے ساتھ اپنی مذہبی طاقت اور مقام فلاح اس کو سر بلند کرنے کی سعی میں بکھڑے اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرے وہی بہارِ حق ہے۔ بخلاف اس کے جس کشمکش میں اسلام کا رخ دینے سے ہی جہالت و کفر کی سرخوردگی کا غلط راستہ دیکھتے ہوئے بھی اسلام کی سر بلندی کے لیے جان و مال کی بازی کھیلتے پرتوتی کرے اس کی یہ مددیں خود اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں کہ اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔

۳۷ یعنی باطل طاقت اٹھانے اور کھیندنہ تھا کہ جو جب وہ حرکت نہ کر سکے نہ نہایت سے غالی تھا اور کچھ اندرونی کی سر بلندی کے لیے جہل فتنائی کرنے کی کوئی خواہش نہ تھا تو وہ مومن مسلمانوں کی خواہش سے مدد کی کہ ساتھ کچھ ضرورت کی بات سے مستعدی کے ساتھ تائید ہے یہ چیز ہر طرف سے ان کی وجہ سے ہی آگیا کہ ظالم و حق سے توجہ دلا دیا گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اخَذَنِي وَلَا تَقْبِضُنِي ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ
سَقَطُوا ۚ وَاِنْ جَهَنَّمُ لَخَيِطَةٌ ۖ بِالْكَافِرِيْنَ ۝۳ اِنْ تُصِيبَكَ
حَسَنَةٌ تَّسُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِيبَكَ مُصِیْبَةٌ يَقُوْلُوْا قَدْ
اَخَذَنَا اَمْرًا مِّنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرَحُوْنَ ۝۴
قُلْ لَّنْ یُّصِیْبُنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ

ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت نہ دیجیے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالئے
— سن رکھو! فتنے ہی میں تو یہ لوگ بڑے ہرے ہیں اور جہنم نے ان کا فoul کو گھیر رکھا ہے۔
تھارا بھلا ہوتا ہے قرائیں سبج ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ منہ پھر کر
خوش خوش پلٹے ہیں اور کہتے ہاتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ ٹھیک کر لیا تھا۔ ان
کو وہ ہیں ہرگز کوئی (مذابی یا بھلائی) انہیں پہنچتی گمراہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا سرگ

۱۹۹ جو منافق ہائے کر کے مجھے شیرمانے کی اہازیں مانگ رہے تھے ان میں سے بعض ایسے بیاک بھی تھے جو
راہِ حق سے ہم چھٹے ہونے کے لیے مذہبی و اخلاقی ذمیت کے چیلے تراشتے تھے چنانچہ ان میں سے ایک شخص ہدیہ میں سے
مشق مذاہات میں آیا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں ایک مسجد است کوئی ہوں وہ میری قوم
کے لوگ میری اس کمرہ سے واقف ہیں کہ عورت کے معاملہ میں مجھ سے میرے بیویوں کو ملتا ہوں کہ کہیں وہی حد توں کو کر کے
میرا دم بھل نہ جائے۔ لہذا آپ مجھے فتنے میں نہ ڈالیں اور اس ہوا کی حرکت سے مجھ کو سزا نہ دیں۔

۲۰۰ یعنی نام آرتھ سے پہلے کا لیتے ہیں اگر وہ حقیقت نفاق اور قیورٹ اور دیا ان کی کا فتنہ میں طرح میں پڑا ہے۔
لہذا نہ دیکھ کہتے ہیں کہ جو بڑے چور نے فتنوں کے مکان سے بیڑائی و خوف کا اظہار کر کے ہر بڑے فتنے کیلئے جہنمے جا ہے
ہیں۔ مالا گئی ہوا حق کو اسلام کی فضا کو کھنکھس کے موع پر اسلام کی وحدت سے پہلو تکی کر کے یا جتنے بڑے فتنے میں جھگڑا ہے
ہیں جس سے وہ کسی فتنہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۰۱ یعنی قرنی کی اس نفاق نے ان کو جہنم سے دور نہیں کیا بلکہ نفاق کی اس صفت نے انہیں جہنم کے کچل میں

ان پھنسا دیا۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ
بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنَيْنِ ۖ وَلَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ

اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ان سے کہو: تم ہمارے معاملہ میں جس چیز کے منظرِ ہودہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ بھلائی میں سے ایک بھلائی ہے۔ اور ہم تمہارے معاملہ میں جس چیز کے منظرِ ہودہ یہ ہے کہ

۱۵۰ میں دنیابرست اور دنیابرست کی دہشت کے فرق کا واضح کیا گیا ہے۔ دنیابرست جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کو خدا کے لیے کرتا ہے اور اس کے نفس کی خوشی بمعنی دنیوی مقاصد کے حصول پر مشغول ہوتی ہے۔ یہ مقاصد سے حاصل ہوجائی تو وہ قبول ہوتا ہے اور حاصل نہ ہوں تو اس پر ہرجائی چھا جاتی ہے۔ پھر اس کا سہارا تمام تر دنیوی اسباب پر ہوتا ہے۔ وہ سارا کچھ اپنی قوس کا دل بڑھانے لگتا ہے اور ناماڈگار چرتے نظر آتے ہیں تو اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے غلوپرست انسان جو کچھ کرتا ہے اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور اس کام میں اس کا بھروسہ اپنی قوت یا مادی اسباب پر نہیں لگا، اللہ کی قیادت پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے حق میں کام کرتے ہوئے اس پر مصائب نازل ہوں یا کامیابیوں کی بادشہ ہو، دونوں صورتوں میں وہ ہر گھٹنا ہے کہ جو کچھ اللہ کی مرضی ہے وہ پوری پوری ہے۔ مصائب اس کا دل نہیں توڑ سکتے اور کامیابیاں اس کو تڑپٹ میں مبتلا نہیں کر سکتیں کیونکہ اول تو وہ ان کو وہ اپنے حق میں خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسے ہر حال میں یہ نہ لگے کہ جو کچھ ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی ہوتی ہے نہ انسانی نفس سے بیزاریت گزرتا جائے۔ دوسرے اس کے پیش نظر دنیوی مقاصد نہیں ہوتے کہ ان کے لحاظ سے وہ اپنی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ کرے۔ اس کے سامنے نور دہائے اخلاقی کا مقصد درجہ ہوتا ہے اور اس مقصد سے اس کے قریب یا دور ہونے کا پیمانہ کسی دنیوی کامیابی کا حصول یا عدم حصول نہیں ہے بلکہ صرف یہ امر ہے کہ راہ خدا میں ہان والی کی ہانسی دہانے کا جو ذوق اس پر عائد ہوتا تھا اسے اس نے کہاں تک انجام دیا۔ اگر یہ فرق اس نے سمجھا تو کچھ اور خواہ دنیا میں اس کی ہانسی یا کھلی ہرجائی ہو جس سے اسے پورا بھر درد نہ تھا ہے کہ جس خدا کے لیے اس نے مال کھپایا اور ہان دی ہے وہ اس کے ابو کو خدا کی طرف سے دانا نہیں سمجھو گی، اسباب سے وہ اس کی نہیں لگا تا کہ ان کی سازگار یا نام سازگاری اس کو خوش یا غمیدہ کرے۔ اس کا سارا اعتماد خدا پر مرکوز ہوا عالم اسباب کا کام ہے اور اس کے اندر درودہ ناماڈگار حالات میں بھی عموماً دہشت کے ساتھ کام کیے جاتے ہیں کہ ان کا دل دنیا سے صرف ناماڈگار حالات ہی میں ہکا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ من دنیابرست منافقین سے کہو کہ ہمارا معاملہ خدا کے صلہ سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ جس قدر خوشی و رنج کے تو فیصلہ کچھ نہ ہیں اور ہم سب کچھ اللہ پر توکل ہیں ان سے اطمینان کی کمی اور اندھے سے بچنے پر اور ہم کسی اور خدا سے۔

۵۲۔ منافقین حسب عادت اس موقع پر بھی کفر و اسلام کی اس گنجشکریں صریحہ کے بہانے اپنی دانستہیں کمال

يُصِيبُكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ يَأْتِيَنَّاسُ
فَلَرَبُّوْا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾ قُلْ أَتَقِفُوْنَ طَوْعًا أَوْ
كَرْهًا لَّن يَتَقَبَّلَ مِنْكُمُ إِن كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۳﴾ وَ
مَا مَنَعَهُمْ أَن تَقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا
بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ

اگر خود تم کو سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں دلوں میں ہے، اچھا تو اب تم بھی استغفار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

ان سے کہو تم اپنے مال غنماہِ راحی خوشی فرج کر دیا بکر بہت بہر مال وہ قبول کیسے جائیگے
کیونکہ تم فاسق لوگ ہو ان کے دیے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہے
کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، نماز کے ایسے نہیں تو کسماتے ہوئے آتے ہیں

والمعدی کے ساتھ وہ بیٹھے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے کہ کس کس کا انجام کیا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کر
آتے ہیں یا رومیوں کی فوجی طاقت سے نکلا کر ہاشم پاش پڑھاتے ہیں اس کا جواب نہیں دیا گیا کہ میں دنیویوں میں سے ایک کے
ظہور کا نہیں انتظار ہے، اہل ایمان کے لیے تو وہ دونوں ہی سرسری لائی ہیں۔ وہ اگر فریاد ہیں تو اس کا بھلائی پر ناظر ہو رہی ہے۔
لیکن اگر اپنے قصص کی راویں ہائیں لڑاتے ہوئے دہرے کے سب پر نیرنگ ہو جائیں تب بھی دنیا کی عمارتیں ہلے گی یہ انتہائی ناگہانی
ہو مگر حقیقت میں یہ بھی ایک دوسری کامیابی ہے۔ اس لیے کہ میں کی کامیابی دنیا کی کامیابی کا سیارہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی ملک
فتح کیا یا نہیں یا کوئی حکومت قائم کر دی یا نہیں بلکہ اس کا سیارہ ہے کہ اس نے اپنے خدا کے لئے کچھ کر کے دے دیے اپنے
دل و دماغ اور جسم و جان کی ساری قوتیں نثار دیں یا نہیں یہ کام اگر اس نے کر دیا تو وہ حقیقت وہ کامیابی ہے خواہ دنیا کے
مقابلہ سے اس کی کسی کا تیوہر فری کیوں نہ ہو۔

اللہ جس مانتی ایسے ہی تھے چاہے آپ کو خطرے میں ڈالے کے لیے قیامت تھے عزیر بھی نہ پاہنتے تھے کہ
اس جہاد اور اس کی سعی سے بالکل کام نہ کر سکیں کی گواہیں اپنی ساری دقت کھو دیں اور اپنے فانی کو لایہ ظاہر کریں
اس لیے وہ کہتے تھے کہ ہم بھی نبوتِ اکرام دینے سے تو اس دقت محنت چاہتے ہیں۔ لیکن مال سے مدد کرنے کے پھانسی۔

وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ ۖ فَلَا تَجْعَلْ لَمْوَالِهِمْ
وَلَا أَوْلَادِهِمْ إِمَامًا يَرِيذَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

اور راہ غلامیں خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں۔ ان کے مال و دولت انسان کی کثرت اور کم و بیش کر دھوکا نہ کھاؤ، اللہ تو ان چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی ہی میں جلائے عذاب کرنے والا ہے۔ اور یہ جان بھی دیں گے تو انکار حق ہی کی حالت میں دیں گے۔

۵۴ یعنی اس مال و دولت کی نسبت میں گرفتار ہو کر منافق دنیا میں نے اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے مسلم سوامی میں یہ استغاثہ ذلیل و خوار ہو کر رہی گئے اور وہ مادی دنیا کی عبادت اور عزت و ناموری اور عزت و محبت جو ایک عریض و صاف مقام میں حاصل کر رہی ہے اسے ملوث و تھکا ہوا بناتی ہے وہ خاک میں مل جاتی ہے۔ کوئی کوئی نظام انہیں نام لے کر کھڑی کر دیتا ہے مگر وہ جہنم کے انہیں لے کر جاتا ہے، انہیں لے کر جاتا ہے، انہیں لے کر جاتا ہے، انہیں لے کر جاتا ہے۔

اس کیفیت کا ایک دلچسپ نمونہ واقعہ ہے جو ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں پیش ہوا۔ قریش کے چند بڑے بڑے شخص اور جن میں عیسیٰ بن عمرو اور عائشہ بن جہم بھی تھے، حضرت عمرؓ سے ملنے گئے۔ وہاں یہ صورت پیش آئی کہ عائشہ اور جہم بنی میں سے کوئی اصولی آدمی بھی آتا تو حضرت عمرؓ سے اپنے پاس بلا کر بٹلاتے اور ان سے بڑے سے کہتے کہ اس کے لیے جگہ خالی کر دو، تھوڑی دیر میں یہ فریاد پڑی کہ یہ حضرات سرکتے سرکتے پانچویں مجلس میں پہنچ گئے۔ باہر نکل کر عائشہ بن جہم نے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگوں نے رکھا آج ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے؟ عیسیٰ بن عمرو نے کہا اس میں عمرؓ کو کچھ قصور نہیں تھا، اس لیے کہ جب ہمیں اس کی طرف دعوت دی گئی تو ہم نے نہ مڑا اور یہ لوگ اس کی طرف دھڑکائے پھر بددعا دی، وہ ہمارے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عمرؓ کی آواز ہم نے آپ کا سلوک کیا، احکم جلتے ہیں کہ یہ ہانی بھی کرتا ہوں گا، نتیجہ یہ کہ اب اس کی صفائی کی کوئی صورت ہے، یہ حضرت عمرؓ نے لبان سے کہہ کر اب جہم اور عمرؓ سر عیدوم کی طرف بٹلا کر دیا، مطلب یہ تھا کہ اب یہاں جہم اور عمرؓ میں جہم کا حق ہے اور عمرؓ کا حق ہے۔

۵۵ یعنی اس ذات درحالی ہے کہ یہ شخصیت اس کے لیے یہ چاہتی کہ میں منافقنا اوصاف کو بچانے اندر یہ شخص کو دیکھوں اس کی بدولت انہیں مرتعہ تک صدقہ ایمانی کی توفیق نصیب ہوگی، یعنی دنیا و آخرت کے لیے اس حال میں دنیا سے رخصت ہوں گے کہ آخرت میں خواب بھر خواب تہمیل۔

وَيَخْلُقُونَ بِاللَّهِ اِثْمَهُمْ لَيْسَ لَكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ
يَفْرُقُونَ ۝ كُوَيْبِدُونَ مَجْأً اَوْ مَغْرَابٍ اَوْ مَدَّ خَلًا لَّوَلَوْ اَنَّ
الْيَتَّى وَهُمْ يَجْعَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ

وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہی میں سے ہیں، مالا لاکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں یہاں
میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف نہ دیں۔ اگر وہ کوئی جائے پناہ یا پلین یا کوئی کھوہ یا گسٹ بھیجنے
کی جگہ تو جھاگ کر اُس میں جا چھپیں۔

اے نبی! ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں۔

۵۶۔ مزید کے بعد ماقبلاً زیادہ بکثرت نام زد افراد میں سے ایک لوگ تھے۔ ان کی کثیر تعداد ان میں ان کی معرفت
ہی ہے جس میں صحت ایک نوجوان کا ذکر ہے کہ وہ عرب میں سے کوئی گناہ نہیں۔ یہ لوگ مدینہ میں جا کر رہے تھے
کہ وہ ہمارے تھے اور جا کر رہ گئے تھے ان کو مصلحت بہت بناوا تھا۔ اسلام جب مدینہ پہنچا اور آدمی کے ایک بڑے حصے
پہلے سے خلاص ہو کر ایمانی کے ساتھ اسے قبول کر دیا، تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو ایک عجیب نفس میں مبتلا پایا، انہوں نے
دیکھا کہ ایک طرف تو وہ ان کے اپنے قبیلوں کی اکثریت بلکہ ان کے میٹروں اور مشیرین تک کو اس نئے دین نے ایمان کے لئے سے
سزا کر دیا ہے۔ ان کے خلاف گروہ گروہ کا رپہ قائم رہتی ہیں تو ان کی ریاست صحت و صحت سب خفا میں ہی باقی ہے حتیٰ کہ
ان کے اپنے گروہوں میں ان کے خلاف بغاوت برپا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ دوسری طرف اس دین کا ساتھ دینے کے معنی میں کہ
وہ سارے عرصے تک بلکہ اطراف و اوارح کی فوجوں اور لشکروں سے بھی لڑائی میں لجنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مگر ان مسلمانوں کی زندگی
سے معاملہ کسی پہلو پر نظر کرنے کی استعداد تو ان کے اندہ باقی ہی نہیں رہنے دی تھی کہ ان صدقات کے بجائے خود بھی کوئی قیمتی
چیز جس کے حق میں انہوں نے غلطیوں میں لے کر کیا ہے ان میں مال کی قربانیاں گوارا کر سکتا ہے۔ وہ دنیا کے سارے معاملات و
مسائل پر صرف خدا اور مصلحت ہی کے خلاف سے بھاڑنے کے خواہش رکھتے تھے۔ اس لیے ان کا اپنے خدا کے حفظ کی ہر چیز پر
یوں تھوڑی سی کامیابی کا دعویٰ کرنا تاکہ اپنی قوم کے دین میں اپنی ظاہری صحت و اصلاحی ہادوں اور اپنے کاروبار کو برقرار رکھ سکیں،
مگر خدا دیکھ دیا کہ وہ غلط کر رہے تھے تاکہ ان غلطیوں و نقصانات سے دو چار نہ ہوں جو انہوں نے کیا تھا بلکہ اسے سزا دینا پیش آنے لگے۔
ان کی اسی غلطی کی وجہ سے ان میں اس طرح ایمان بکھینچا گیا ہے کہ حقیقت میں یہ لوگ تمہارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ نقصانات کے فوٹے
انہیں لہر دیتی تھی اسے ساتھ ساتھ حد پایا ہے جو چور نہیں اس بات پر مجبور رہتی ہے کہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرنا وہ غرض
یہ خود ہے کہ دین میں یہ جتنے بڑے خلاف فیض علم کن کر دیں تو جہاد و عزت و غیرت جتنی جہاد ہی یہ ہیں بلکہ سے نقصان قطع ہو جائے

فَإِنْ أَعْطُوا مِنْهَا رِضْوَانًا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ
يَسْخَرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا

اگر اس مال میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں، اور نہ دیا جائے تو گرنے لگتے ہیں۔
 کیا اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول نے جو کچھ بھی انھیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ

ہی۔ سید نہ کہ چھوڑ دیں تو اپنی جان وادی اور خوارقوں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اور ان کے اندر کر کے لیے بھی بتاوا نہیں کہ
کہ اس کی خاطر وہ ان نقصانات کو برداشت کرنے پر تیار ہو جائیں۔ اس شخص نے انھیں کہہ دیا یہاں اس رکابہ کہ جو ہر وقت زمین
چلے ہوئے ہیں، بادل، ناخواسہ غائبی پتھر رہے ہیں اور کوہ کا۔ جو مانہ ہو سکتا رہے ہیں۔ ورنہ ان کے دل بے جا اور آئے دن کی کدھی
خونگ خوشی کے مقابلے اور تنے دن جان وادی کی قربانیوں کے طلبے کی "مسمیت" ان پر پڑی ہوئی ہے اس سے بچنے کے لیے
اس قدر بے چین ہیں کہ ان کو کرنی شواہر مالی بھی دیکھنا نظر آئے جس میں انھیں اس نے کی امید ہو تو یہ بے باک کہ اس میں گھس مٹیں۔

۱۷ عرب میں یہ چار سو تھیں تاکہ ملک کے تمام ماہرین باشندوں پر جو ایک مقررہ انداز سے نامہ مال رکھنے سے ماہانہ دھوکہ خاندان کی گئی تھی اور وہ ان کی زندگی پیداوار سے ان کے حویشوں سے ان کے اموال تجارت سے ان کے کاموں کے مفادات سے اور ان کے سونے چاندی کے ذخائر سے ۲۰ فی صدی، ۱۰ فی صدی اور ۲ فی صدی کی مختلف شرحوں کے مطابق وصول کیا جاتی تھی۔ یہ سب اموال زکوٰۃ کے نام پر جمع کیے جاتے اور ایک مرکز پر جمع ہو کر نظم طریقہ سے خرچ کیے جاتے۔ اس طریقہ میں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملک کے اطراف سے آتی دولت جمع کرتا تھا۔ آپ کے ہاتھ میں جمع ہوتی تھی جو ہر ایک لوگوں کے کسی اس سے پہلے کسی ایک شخص کے ہاتھوں میں اور تقسیم ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ دنیا پرست منافقین کے ہمنواں اس دولت کو دیکھ کر بڑی بیخودیا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بچے کو جسے وہ سامان کو وہاں پر رکھنے کا سوچ لے کر بے گناہ لڑکے والا خود دینے اور اہل چاہے مشفقین پر اس دنیا کے ایک ایک حق سے محروم کر دیا اور کوئی یہ توقع نہ کر سکتا تھا کہ اس کے ہاتھوں سے مسحق لوگوں کے سما کی اصلاح کے سبب تک نام نہ ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین بھی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات کو دیکھ دیکھ کر دل میں ٹھٹھٹے تھے اور تقسیم کے موقع پر آپ کو عرض کرنے کے انومات سے محض کرتے تھے۔ حال شکایت تو انھیں یہ تھا کہ اس مال پہ ہمیں دست دراز کی جا سوچ میں دیا، اگر کسی جتنی شکایت کو چاہا کر دینا نام پر دیکھتے تھے کہ ان کی تقسیم انسانیت سے انہیں کی جاتی تھی اور اس میں جانتا تھا

۱۵۵۰ھ میں ان مصلحتین سے یہ مصحفی مصلیٰ اشرف علیہ السلام کو دے دیں یہ سہ تاقادر ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کچھ
 ڈرو گمان ہے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ذرا غور فرمائیے جو خوشگوار طریق میں ہے اس کی پہچان لینے کافی ہے۔

حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُوفِيْنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ
رَاغِبُونَ ﴿۱۰﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهِمَا

ع
۱۳

۱۰ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی ہم پر عنایت فرمائے گا، ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں،

۱۱ یہی رکات کے ۱۰۰ جو مالِ حکومت کے خزانے میں نہیں گئے ہیں سے سب محتاجانِ لوگوں کو کسی طرح استفادہ کا موقع حاصل ہے گا جس طرح اب تک ہوا ہے۔

۱۲ یعنی ہماری نظر دنیا اللہ اس کی منہ جھیر نہیں بلکہ اللہ اس کے فضل و کرم پر ہے۔ کسی کی خوشنودی ہم چاہتے ہیں۔ اسی سے امید رکھتے ہیں۔ جو کچھ وہ دے گا اس پر راضی ہیں۔

۱۳ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لیے وہ سوسے کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ نظامِ حاجت منہل کیلئے عام ہے خواہ وہ ہمانی نفس یا جہلے کی دوسرے مستقل طور پر محتاج اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو ان کے چل کر اپنے پاؤں کی کڑی ہو سکتے ہوں مثلاً تیسہ بچے، بڑے عورتیں، سیدھا گاروگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔

۱۴ مسکنت کے فقرا میں مایوسی و ناامیدی، بے چارگی اور دولت کے منومات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مسکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت منہل کی نسبت زیادہ شستہ حال ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فنڈ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مستحق امداد ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائعِ زیاہ سے چاہے ہوں اور سخت تنگ حال ہیں مگر نہ تو ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے گا بھارت ویتی چلے جان کی نظر ہے بلکہ زمین ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند نہ سمجھے کہ ان کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے چنانچہ حدیث میں اس کی تشریح یوں آئی ہے کہ المسکین الذی لا یجد علیہ غنیہ ولا یجلی لہ فیصدق علیہ ولا یقوہ فیصدق اللہ اس مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت پھر مل نہیں پاتا، امداد چھانچا جائے کہ اس کی مدد کی جائے، امداد نہ کرنا ہو کہ لوگوں سے ملتا ہے۔ اگر مایہ یک ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہو۔

۱۵ یعنی وہ لوگ جو صدقات وصول کر لے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کر لے اور ان کا حساب کتاب کیجئے اور انہیں تقسیم کر کے حکومت کی طرف سے استعمال کیے جائیں۔ ایسے لوگ خواہ فقیر و مسکین نہ ہوں، ان کی خواہشیں ہر حال صدقات ہی کی مدد سے ہی پائیں گی۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ اعلیٰ اپنے خاندان (یعنی نبی و انبیاء) پر نہ لگا کر ان

وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرَمِينَ وَ

اہل ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہے۔ نیز جو گروہوں کے جوڑے اس کے اور فرض حاصل کی مدد کے ہیں۔

مقدم فرمادیا تھا چنانچہ آپ نے خود بھی صدقات کی تحصیل و تقسیم کا کام بہ خصوص صلوات علیہ و آلہ و سلم کے لیے ہی بہ خاص طور پر فرمایا۔ اس خدمت کو چاروں طرف سے جاری رکھا۔ آپ نے کئی خدمت کرنا ان کے لیے بھی ضروری سمجھا۔ آپ کے تابعین کے دل اگر صاحب نصاب ہوں تو زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے لیکن اگر وہ غریب و مسکین یا غرض دلوں یا مسافروں کی زکوٰۃ لینا ان کے لیے عوام ہے البتہ اس امر میں متکلف نہ ہو کہ خود بھی زکوٰۃ بھی ان کے لیے بھی عوام میں عام اور صرف کی دے دے کہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر زکوٰۃ اس کو بھی ہاؤ نہیں دے سکتے۔

۳۳۳۔۔۔ تالیف قلب کے معنی ہیں دل جو ہمارے حکم سے مطمئن رہے کہ جو رنگ اسلام کی عظمت میں سرگرم ہو اور مال دے کہ ان کے گوشِ حلیت کو شہد کیا گیا ہو یا جو لوگ کفار کے کھپڑوں میں لے جوں کہ کمال سے انہیں توڑا ہائے زورٹ کو سناؤں کہ مددگار بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان کی ماقہ عدالت کی مان کی کر دیوں یا جو کچھ عیسائی اور یہودیہ کہ کمال سے ان کی احتمالات کی نفی تو ظہور کر کر پٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل و طاقت یافتہ بنانے کے لیے اسلام کا حامی و مددگار یا مسیح و فرمان بردار بن کر ہم چلنا شروع کرنا چاہئے۔ اسی مدینہ قائم اور مدینہ عذراۃ عالمی سے ہی مایہ فرمایا جائے کہ اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی دے سے ہی۔ اسی لیے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ فقیر و مسکین و مسافر ہوں تب ہی ان کی مدد زکوٰۃ سے کیا جاسکتی ہے بلکہ وہ مالدار اور ریشہ ور نہ ہوں یہی زکوٰۃ دینے والے کے سنی ہیں۔

یہ امر وقتی طور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو تالیف قلب کے لیے دینی اور عیسائی دین دینے والے تھے لیکن اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ زکوٰۃ آپ کے لیے بھی صدقاتی ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحب کما تے یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے سے یہ مساندہ ہو گئی ہے اور اب مولانا الطوب کو کچھ بتایا ہے کہ یہ امام شافعی کی رائے ہے کہ کما تے مسلمانوں کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کی دے دیا جائے کہ جو لوگ کفار نہیں۔ اور بعض دوسرے فقہائے زہریک مولانا الطوب کا حقہ اب بھی باقی ہے کہ اس کی ضرورت ہو۔

خبر یہ کہ اس بار اس وقت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد پندرہ سو برس میں اور آٹھ سو برس میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے تھے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی۔ آپ نے ان کو حلیہ کا فرمان کر دیا۔ انہوں نے پالا کر دیا۔ پھر ان کے لیے دوسرا عیال عمارتیں بنوائیں اور ان پر گواہیاں ثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی پڑ گئیں۔ کچھ یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس گئے وہاں پہلے گئے تو انہوں نے فرمان پر کڑھ کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے رکھا کہ گروہ اور ان سے کہہ کر کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تابع و تابع کے لیے تھے دیکھتے تھے کہ گروہ اسلام کی کوری کا زنا تھا اب اللہ نے اسلام کو تھپے لوگوں سے لینا شروع کر دیا ہے۔ اس پر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اس کا جواب کو حلیہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ حضرت ابوبکرؓ نے اس پر

کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ اس سے حقیقہ یہ دلیل ملتے ہوئے کہ کج مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب بانی نہیں، اس کی وجہ تو ابتداً نزولِ افلاک کا حصہ رکھا گیا تھا اس لیے باجماع صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گیا۔

امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ تالیف قلب کے لیے کفار کو مالِ زکوٰۃ دینا ہی علی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت نہیں ہے جتنے واقعات حدیث میں ہم کو ملتے ہیں ان میں سے ہی معلوم ہو تب کہ کھڑے کفار کو تالیف قلب کے لیے جو کچھ دیا وہ مالِ غنیمت سے دیا نہ مالِ زکوٰۃ سے۔

ہمارے نزدیک حق ہے کہ نوافل انقلاب کا حصہ قیامت تک کے لیے ساتھ ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کہہا وہ بالکل صحیح تھا اگر اسلامی حکومت تا بعین قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اس پر سختی نہیں کی کہ ضروری اس میں کچھ نہ کچھ صرف کرے لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گناہ رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کا اجماع اس امر پر ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں جو حالات تھے ان میں تا بعین قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس مدد قیامت تک کے لیے ساتھ کر دیا جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی۔

امام شافعی کی رائے تو وہ اس حد تک توضیح معلوم ہوتی ہے کہ جب حکومت کے پاس دوسری عداوت آمدنی سے کافی مال موجود ہو تو اسے تالیفِ قلب کی مد پر زکوٰۃ کا مال صرف نہ کرنا چاہیے۔ لیکن جب زکوٰۃ کے مال سے اس کام میں مد لینے کی ضرورت پیش آجائے تو پھر یہ تعریف کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ خاسقوں پر اسے صرف کیا جائے اور کارفروں پر نہ کیا جائے۔ اس لیے قرآن میں مطلقاً القلوب کا جو حصہ رکھا گیا ہے وہ ان کے دعوائے ایمان کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ اسلام کو اپنے مصلح کے لیے ان کی تالیفِ قلب مطلوب ہے اور وہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ ان کی تالیفِ قلب صرف مال ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ حاجت اور یہ صفت جہاں بھی متحقق ہو وہاں امام المسلمین بشرطِ ضرورت زکوٰۃ کا مال صرف کرنے کا از روئے قرآن مجاز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس مد سے کفار کو کچھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس دوسری عداوت کا مال موجود تھا۔ در نہ آپ کے نزدیک کفار برا سے مال صرف نہ کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس کی تشریح فرماتے۔

۱۷۷۰ء کو دہلی چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔ اس کی دوسری بات یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں اتنی رقم تمہیں ادا کر دوں تو تم مجھے آزاد کر دو گے اس کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مدد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ ان میں سے پہلی صورت پر تو سب فقہاء متفق ہیں لیکن دوسری صورت کو حضرت علیؑ، سعید بن جبیرؓ، یونسؓ، ثوریؓ، ابراہیمؓ، محمد بن سیرینؓ، حنفیہؓ اور شافعیہؓ ناجائز کہتے ہیں۔ اور ابن عباسؓ، مالکؓ، احمد اور ابو ثورؓ جائزہ دیتے ہیں۔

لے یعنی ایسے قرضہ اور جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرضہ چکا دیں تو ان کے پاس قرضہ مضامین سے کم ان کے لئے سکتا ہو مگر وہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾ وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ

بہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنی باتوں سے نبی کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص

کی جاسکتی ہے مگر متعدد دفعہ کہا کہ اسے کہ جس شخص نے بد اعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو تفرصاری میں مبتلا کیا ہو، اس کی مدد نہ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔

۱۰ واہ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیک کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہاں کے ظاہر کی تہ کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے لیکن حق یہ ہے اور سلف کی پرمی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں بی سبیل اللہ مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی وہ جہاد جس میں مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ ظلم اسلامی کو قائم کرنا ہو۔ اس جہاد میں جو لوگ کام کریں ان کے سفر خرچ کے لیے سواری کے لیے آلات اسلحہ اور سودا سامان کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے خواہ وہ بجائے خود دکھاتے پتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ رضا کارانہ اپنی تمام خدمات اور اپنا تمام وقت، عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کے لیے دیں، ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ سے وقتی یا استراری اعانتیں دی جاسکتی ہیں۔

یہاں یہ بات اور سمجھانی چاہیے کہ سلف کے کلام میں بالعموم اس موقع پر غزوہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قتال کا ہم معنی ہے اس لیے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کی جہاد مدد رکھی گئی ہے وہ صرف قتال کے لیے مخصوص ہے، لیکن حقیقت جہاد فی سبیل اللہ قتال سے وسیع تر چیز کا نام ہے اور اس کا اطلاق ان تمام کوششوں پر ہوتا ہے جو کلمہ کفر کو مٹانے اور ظلم خدا کو بلند کرنے اور اللہ کے دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کے لیے کی جائیں۔ خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے میں ہوں یا قتال کے آخری مرحلے میں ہوں۔

۱۱ مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالت سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مدد کی جائے گی یہاں بعض فقہانے یہ شرط لگائی ہے کہ جس شخص کا سفر مصیبت کے لئے نہ ہو صرف وہی اس آیت کی رو سے مدد کا مستحق ہے مگر قرآن وحدیث میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں ہے اور دین کی اصولی تعلیمات سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدد کا محتاج ہو اس کی مدد گیری کرنے میں اس کی گناہ کاری مانع نہ ہونی چاہیے، بلکہ فی الواقع گناہ گاروں اور اسلافی پستی میں گرے ہوئے لوگوں کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ان کو سہارا دیا جائے، اور جن سلوکات ان کے نفس کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے

أَذِّنْ قُلْ أَذِنُ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ
وَرَحْمَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ
يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا

کا نزل کا کچھ ہے۔ کہو، ”وہ تمہاری بھلائی کے لیے ایسا ہے، اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہل ایمان پر
اعتماد کرتا ہے اور مسرت و مسحت ہے ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایمان داریں۔ اور جو لوگ اللہ کے
رسول کو دھوکہ دیتے ہیں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔“

یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر دے، حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ
اور رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ
جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

۶۹ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبر سے ستم کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی کہتی کہ حنظلہ بن ابی ریحان
جیسے تھے اور ہر ایک کو ہتھکڑیاں لگنے کا موقع دیا کرتے تھے۔ یہ یونانیوں کی نگاہ میں خوب متنی۔ کتے تھے کہ آپ کا نزل کے کچے ہیں
جس کو پی جاتا ہے آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے میں اس کو چاہتا ہوں آپ کے کان بھڑکے، اور آپ اس کی بات مان لیتے ہیں۔ ہر نام
کچھ چلے گا اور اس دور سے کیا جاتا تھا کہ سچے ہیں منافقین کی سازشوں اور ان کی شرارتوں اور ان کی خاندانوں کی
مالیاتی سلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا کرتے تھے اور اس میں بھی سچا ہونا پڑتا تھا کہ آپ ہم جیسے شرعاً اور دیناً کے خلاف ہر کچھ
اور ہر قسم کی دیہاتی غیروں پر بھی کرتے ہیں۔

۷۰ عہد میں ایک صاحب اتنا نادان تھا کہ اپنے امداد دہیلا رکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ خدا اور شرک کی بات
ملا کر دیکھتا ہے بلکہ صرف انہی باتوں پر توجہ کرتا ہے جس میں خود بھلائی ہے اور میں کی طرف التفات کی ناکامی کہ بہتر یا بد میں
کی مصلحت کے لیے مفید ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا لہجہ ہوتا تھا کہ میرے لیے بھلائی ہے۔ اگر وہ ہر ایک کی سچی لینے والا اور
ضبط و تحمل سے کام لینے والا آدمی نہ ہوتا تو ایمان کے وہ جوئے دعوے اور خیر مرگلی کی وہ غمناخی باتیں اور راہِ خلا سے بھاگنے کیلئے

ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿۳۱﴾ يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ اَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ
سُورَةٌ تَنْبِيْهِهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ اَسْتَهْنِءُوا ۚ اِنَّ
اللّٰهَ فَخْرُجٌ مَّا يَحْذَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَٰكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا
كُنَّا غَوًىٰٓ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبٰلَٰهُ وَاَيْتِهٖٓ وَرَسُوْلُهٗ

اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے؛

یہ منافق ڈر رہے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے عید
کھول کر رکھ دے۔ اے نبی! ان سے کہو! اذ ذاقُوا اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے
کھل جانے سے تم ڈرتے ہو۔ اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے، تو جھٹکے دیں گے کہ ہم تو
ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو کہ تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور

وہ عذرات لگ رہی ہیں کہ وہ انھیں مبرے سنے کے جانے تمہاری خبر لے گا اور تمہارے لیے دین میں جہاد ضرور ہوتا ہے۔ پس
اس کی یہ صفت تو تمہارے حق میں بھی ہے نہ کہ کبریٰ۔

۳۱۔ یعنی تمہارا خیال غلط ہے کہ وہ ہر ایک کی بات پر یقین سے آتا ہے۔ وہ چاہے مناسب کی ہو مگر احماد و مصلحتی لوگوں
پر کہتا ہے جو سچے مومن ہیں۔ تمہاری حق شناسی کی خبریں اس تک پہنچیں اور اس نے ان پر یقین کیا وہ بالاطلاق جھوٹوں کی پہچانی ہوئی
نہ تھیں مگر صالح اہل ایمان کی پہچانی ہوئی تھیں اور اسی قابل قیس کسان پر احماد کیا جاتا۔

۳۲۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر سہا ایمان تو نہیں رکھتے تھے لیکن وہ حجرات انھیں بچلے آٹھ ذریعہ کے
دوران میں ہر کچھ تھے ان کی بنا پر انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ آپ کے پاس کوئی نئی فوق العظمیٰ ذریعہ صدمات منور ہے
جس سے آپ کو ان کے پڑیہ و زائد تک کی خبر پہنچ جاتی ہے اور بات بات قرآن میں (جسے محمد کی اپنی خدمت سمجھتے تھے)
آپ ان کے فحاشی اور ان کی ماز شنی کو بے نقاب کر کے دکھا دیتے ہیں۔

۳۳۔ طرہٴ تبرک کے زمانہ میں ناقص اکثر اپنی جملوں میں جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے
اپنی ٹھیکے ان لوگوں کی ہمیں بہت کمزوری کے گوشن کرتے تھے جنہیں وہ ایک جتنی کے ساتھ آمادہٴ جہاد ہاتے چنانچہ روایات میں
ان لوگوں کے بہت سے اقوال منقول ہوئے ہیں مثلاً ایک مغل میں چند منافق بیٹھے گپ لڑا رہے تھے۔ ایک نے کہا تم لوگو! کہ
جی تم نے کچھ عربوں کی طرح محمد کا ہے، لی کہہ لو کہ یہ سرحدوں کے مشرکوں کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے نہ کہ ہمارے لیے نہ کہ ہمارے لیے۔

كُنْتُمْ تَسْتَهِنُّوْنَ ۚ لَا تَعْتَدُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ اِنْ تَعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ يُعَذِّبْ
طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶ الْمُنْفِقُوْنَ
الْمُنْفِقَتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَّامُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ

عج
وقف لازم

اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات نہ تراشیں، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم نے
تم میں سے ایک گروہ کو صحت کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔
منافی مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور
بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ غیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اشرک بھول گئے تو اللہ نے

دوسرا لفظ ”نسا“ جو ہر سے سو کو کہے بھی لگائے گا حکم ہو جائے گا، ایک اور منافق نے حضور کو جنگ کی سرگرم کاریاں کرنے دیکھ کر
اپنے بارہ دوستوں سے کہا: آپ کو دیکھیے، آپ دم و خشم کے لہجے سے فرم کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو عقل سے نوازا ہے، ہم نے جو صحت دے دی ہے، لیکن جن لوگوں نے جانتے بوجھ کر ایمان لایا ہے، لیکن ان کی طبیعت
ان کے نزدیک دنیا میں کوئی چیز قیمتی ہے، لیکن جن لوگوں نے جانتے بوجھ کر ایمان لایا ہے، لیکن ان کی طبیعت
ان کے لئے ہوئی ہے، اپنے دوائے ایمان کے باوجود ایک منکر سمجھتے ہیں، اور جن کے اس حق کا اہل مدعا ہے کہ اہل ایمان کی باتیں
بست ہوں اور وہ پھر ہی قوت کے ساتھ ہمدی کی تیسری ذکر کریں، ان کو تو جو صحت ہمیں کی جا سکتا ہے، مگر وہ نہیں بلکہ
عمر ہیں۔

۱۱۱ یہ تمام منافقین کی مشترک خصوصیت ہے، ان سب کو برائی سے دلچسپی اور بھلائی سے غارت ہوتی ہے، کوئی شخص
بلا کام کرنا چاہے تو ان کی ہمدردیاں ان کے مشورے، ان کی نصیحت، ان کی باتیں، ان کی مشقیں، ان کی توفیقیں اور
سرزبان سب اس کے لیے وقت ہوں گی، دل وہاں سے خود اس لئے کام میں شریک ہوں گے، اور وہ اس کو اس سے بچنے کی
ترغیب دیں گے، کہنے والے کی ہمت بڑھائیں گے، احوال کی پروا سے یہ ظاہر ہو گا کہ اس مٹائی کے بعد ان چہنچہ سے کچھ ان کے
دل کو راحت اور ان کی آنکھوں کو ٹھنک بڑھتی ہے۔ بخلاف اس کے کوئی بھلا کام ہو رہا ہو تو اس کی خبر سے ان کو صدمہ ہوتا ہے، اس کے
نفس سے ان کا دل رگھتا ہے، اس کی بجز رنگ انھیں گوارا نہیں دیتی، اس کی طرف کسی کو دھتے دیکھتے ہیں تو ان کی روح بے چین

فَنَسِيَهُمُ إِنَّا الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵﴾ وَعَدَ اللَّهُ
 الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
 هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۶﴾ كَالَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَكَثُرَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ
 فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَائِقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَائِقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَائِقِهِمْ وَخُضِعْتُمْ كَالَّذِينَ خَاضُوا أُولَئِكَ
 حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۷﴾

بھی انھیں بھلا دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔ ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی ان کے لیے موزوں ہے۔ ان پریشانی پریشانہ ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔ تم لوگوں کے رنگ و صفت وہی ہیں جو تمہارے پیش روؤں کے تھے۔ وہ تم سے زیادہ زور آور اور تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والے تھے۔ پھر انھوں نے دنیا میں اپنے حصہ کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انھوں نے لوٹے تھے، اور ویسی ہی بھٹول میں تم بھی پڑے ویسی بھٹول میں دوسرے تھے، سو ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہی اب خسارے میں ہیں۔

ہونے لگتی ہے، ہر ممکن طریقہ سے اس کی دلیں روٹنے لگتے ہیں اور ہر تدبیر سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح وہ اس جگہ سے باز آجائے اور ہاں نہیں آتا تو اس کام میں کیا یا اب نہ ہو سکے۔ پھر وہ بھی ان سب کا مشترک خاصہ ہے کہ ان کی کے کام میں خرچ کرنے کے لیے ان کا ہاتھ کسی جیب میں نکلتا۔ غراہ وہ کچھ نہیں بولی یا جسے خرچ کرنے والے بہر حال ان کی دولت یا کو بھریوں کے لیے ہوتی ہے یا پھر حرام راستوں سے آتی اور حرام ہی کے راستوں میں پہنچتی ہے۔ وہی کے لیے چاہے وہ اپنے وقت کے تادمین ہوں مگر ان کی کے لیے ان سے زیادہ غصہ کوئی نہیں ہوتا۔

أَلَمْ يَأْتِهِمُ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ
 وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ
 رُسُلُهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا
 أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ⑤ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ
 أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
 وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ

کیا ان لوگوں کو اپنے پیش رسول کی تاریخ نہیں پہنچی، نوح کی قوم، عاد، ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے لوگ اور وہ بستیوں جنہیں اٹل دیا گیا۔ اُن کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر یہ اشد کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اشد اور اس کے رسول کی اطاعت

۱۷ سنہ سنہ کا قاتلانہ ذکر کرتے کرتے ایک ایک سے علاوہ دست خطاب شروع ہو گیا ہے۔

۱۸ یہاں سے پھر ان کا قاتلانہ ذکر شروع ہو گیا۔

۱۹ اشد ہے قوم و ملکی بیوروں کی طرف۔

۲۰ یعنی ان کی تباہی و بربادی اس جہ سے نہیں ہوئی کہ اللہ ان کے ساتھ تھکائی و دشمنی علیٰ ہر وہ چاہتا تھا کہ انہیں تباہ کرے۔ بلکہ اہل انہوں نے خود ہی اپنے لیے دھڑ دھڑائی پیدا کر لی جو انہیں بربادی کی طرف لے جانے والا تھا اشد نے تو انہیں سوچنے بجھانے سے منع کیا اور حق دیا، ان کی فحاشی کے لیے رسول بھیجے، رسولوں کے ذریعے سے ان کو خطا دی کہ کڑے نتائج سے آگاہ کیا اور انہیں کھول کھول کر مذمت و ملامت کے طریقے سے تباہ کیا کہ ان کے لیے ظلم کا راستہ کو نہا ہے اور ہر ایک کو یاد دلائی کہ اگر وہ انہیں نے ملامت حال کے کسی موقع سے نکال دیا تو اشد کا دھوکہ دہائی پر اشد نے انہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے ہی کیا۔

رَسُولُهُ ۖ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾
وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٢﴾

۹۶

کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکم و
مانا ہے۔ ان مؤمن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے
نہوں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان مسکن طیبہ میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں
ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انھیں حاصل ہوگی یہی بڑی کامیابی ہے۔ ع

نفسہ جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح ہل یا مان بھی ایک الگ امت ہیں۔ مگر چاہا ان کا ظاہری اقرار
اسلام کی پیروی کا ظاہری اقرار دونوں گروہوں میں مشترک ہے لیکن دونوں کے مزاج، اخلاق، اطوار، عادات اور طرز فکر عمل ایک
دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاں زمان پر ایمان ملاوٹی ہے گروہ ہے ایمان سے خالی ہیں وہاں زندگی کا ساوانگ و شگایا
ہے جو ایمان کو ایک ادا سے دھوئے ایمان کی کلیب کر رہا ہے۔ ماہر کے لیل پر تو کھا ہے کہ یہ شک ہے کہ لیل کے نیچے پر کچھ ہے وہ
اپنے پورے وجود سے شرت کر رہا ہے کہ یہ گروہ کے ساتھ کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے حال ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے
وہاں شک اپنی صورت سے، اپنی خوشبو سے، اپنی ناصیحتوں سے ہرگز انش اور ہر حال میں اپنا شک ہر نا کھلے دے رہا ہے۔
اسلام و ایمان کے عرفی نام کے ظاہر و دونوں گروہوں کو ایک امت بنا رکھا ہے مگر فی الواقع مائع مائع مسلمانوں کا اخلاقی مزاج اور
ذہنی طبیعت کچھ اور ہے اور مادی ایمان مسلمانوں کا کچھ اور۔ اسی وجہ سے مانتا نہ خدائے رکھنے والے مودون ایک الگ امت تھے
ہیں جو کہ خدائے مختلف، برائی سے دلچسپی رکھتی تھے، بعد از حیرت عدم تہاوں کی مشترک خصوصیات نے ایک دوسرے سے
وابستگی اور اہل ایمان سے علیحدگی قائم کر رکھا ہے۔ اور دوسری جانب کچھ مومن مردوں نے ایک دوسرے کو دہن گئے ہیں جس کے ساتھ
افراد میں یہ خصوصیات مشترک ہے کہ کچھ اور ہے وہ دلچسپی رکھتے ہیں، ہمدی سے نفرت کوستے ہیں، خدائی یادانی کے لیے غذا کی طرح
زندگی کی ناگوار خصوصیات میں مشغول ہے، لہذا خلائق خدائے کئے کے لیے ان کے دل ابد با تھ کھلے جاتے ہیں، اور قضا اور بدل
کی اہمیت ان کی زندگی کا تیرہ ہے۔ اس مشترک اخلاقی مزاج اور طرز زندگی نے انھیں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور
حافقین کے گروہ سے توڑ دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کر اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

۱۷۷۱ یہاں سے وہ تیسری تقریر شروع ہوتی ہے جو خودہ توبہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔

۱۷۷۲ اس وقت تک منافقین کے ساتھ زیادہ تر وہ گورکھ کا معاملہ ہو رہا تھا اور اس کے دو وجہ تھے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی طاقت ابھی اتنی مضبوط نہ ہوئی تھی کہ باہر کے دشمنوں سے لڑنے کے ساتھ ساتھ گھر کے دشمنوں سے بھی لڑائی شروع کرنے کے لئے دوسرے یہ کہ ان میں سے جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے ان کو ایمان و یقین حاصل کرنے کے لیے کافی رفق دینا مقصود تھا۔ یہ دونوں وجہ اب باقی نہیں رہے تھے۔ مسلمانوں کی طاقت اب تمام عرب کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی اور عرب کے باہر کی طاقتوں سے کشمکش کا سلسلہ شروع ہو رہا تھا اس لیے ان مسلمانوں کے سامنے ان کا سر کھٹا اب ممکن بھی تھا اور ضروری بھی ہو گیا تھا۔ ان کا یہ لوگ نہ ہوتی طاقتوں سے ساز باز کر کے ملک میں کوئی تشدد نہ کھڑی کر سکیں۔ پھر ان لوگوں کو پورے ۹ سال تک سوچنے، سمجھنے اور دین حق کو پرکھنے کا موقع بھی دیا جا چکا تھا جس سے وہ قائدہ و حاشا بھٹکے ہوئے گمراہوں میں داخل بھی نہ ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک مزید ہدایت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے یہ حکم ہذا کہ کفار کے ساتھ ساتھ اب ان منافقین کے خلاف بھی جہاد شروع کر دیا جائے اور جو نرم دہیں اب تک ان کے معاملہ میں اختیار کیا جاتا رہا ہے، اسے ختم کر کے اب ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے۔

منافقین کے خلاف جہاد اور سخت برتاؤ سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ واصل اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی مخالفت و دشمنی سے جو چیزیں اب تک رہتی تھیں وہ اس کی وجہ سے یہ مسلمانوں میں بے جا رہے اور انعام و صلہ ان کو اپنی ہی سہولتوں کا ایک جز سمجھتے رہے اور ان کو جماعت کے معاملات میں دخل دینے اور سہولتوں میں اپنے حقوق کا زبردستی لے کر وقوع پیدا ہوا، اس کو ہٹانے کے لیے ختم کر دیا جائے۔ اب جو شخص بھی مسلمانوں میں شامل رہ کر منافقانہ روش اختیار کرے اور اس کے طرز عمل سے بھی یہ ظاہر ہو کہ وہ خدا اور رسول اور اہل ایمان کا منہ نہیں ہے، اسے کلمہ کھلائے بغیر قہار کیا جائے، علانیہ اس کو کلامت کی جائے اور سہولتوں میں اس کے لیے عورت و عابد کا کوئی مقام باقی نہ رہنے دیا جائے۔ معاشرت میں اس سے قطع تعلیق ہو جائے اور سہولتوں سے وہ الگ رکھی جائے، علانیہ اس کی شرادات غیر مستحکم ہو جائیں اور اس کا دھانہ اس کے لیے ہٹا دیا جائے، مظلوموں میں اسے کوئی منہ نہ لگائے، ہر مسلمان اس سے ایسا برتاؤ کرے جس سے اس کو خود معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی ہمدردی میں کہیں بھی اس کا کوئی دفاع نہیں اور کسی حل میں بھی اس کے لیے احترام کا کوئی گوشہ نہیں۔ پھر اگر کسی میں سے کوئی شخص کسی صریح نغز یا کاسر تکبیر جو تو اس کے جرم پر پردہ نہ ڈالا جائے۔ منہ سے معاف کیا جائے، بلکہ اگر وہ اس پر بدعت مقرر کیا جائے اور اسے قرار واقعی منہ دی جائے۔

یہ ایک نہایت اہم ہدایت تھی جو اس طریقہ پر مسلمانوں کو دی جاتی تھی۔ اس کے بغیر مسلمانوں کی ہمدردی اور اہل ایمان کے اندرون ان کے لیے سخت دشمنی رکھا جاتا تھا۔ کوئی جماعت جو اپنے اندر منافقوں اور بدعتوں کو پرورش کرتی ہے اور ان میں گھڑیلو

بَخُلُوْا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۹۱﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا
 فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَى يَوْمٍ يَلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَقُوا اللّٰهَ مَا
 وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۹۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ
 اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ
 الْغُیُوْبِ ﴿۹۳﴾ الَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمَطْوَیِّیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
 فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے وعدے سے ایسے پھرے کہ انھیں اس کی پروا تک نہیں تھی۔ یہ یہ نکلا کہ
 ان کی اس بدعتی کی وجہ سے جو انھوں نے اللہ کے ساتھ کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے
 رہا اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی مٹھی کے دن تک ان کا پیچھا نہ
 چھوڑے گا۔ کیا یہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو ان کے خفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں
 اور وہ تمام عیب کی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے؟ (وہ خوب جانتا ہے اُن کو جس دولت مندوں کو) جو
 برفضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں
 جن کے پاس (راہِ خدا میں دینے کے لیے) اُس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر شقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔

شرح رہنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہی پر انھیں شرم دلانا ہے کہ ہمارے نبی پر تعالیٰ نے عذر کیا اسی قصور کا ہوا دشمن ہے کہ اس کی بدعت چلتی
 تھیں یعنی کہیں!

۹۱۔ اور کہی کہتے ہیں ان منافقین کی جس کا فرضی دھوکہ کئی پر امت کی گئی تھی اس کا ایک اور ثبوت خود ان ہی کی زندگیوں
 سے پیش کیے یہاں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اصل پر دگ مادی مجرم ہیں، ان کے مذاہب کا عقائد میں فکر احترام و محنت اور پاس عہد و عہد
 غیروں کا کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

۹۲۔ خود ہجو کے مروج ہر جہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جندے کی اہل کی توڑے بڑے حال دار و ناغی ہوا ہر دے
 بیٹہ رہے۔ مگر غیب نفس اہل ایمان خود ہجو کہندے دینے گئے تو ان لوگوں نے کس باتیں چھانٹ کر شرمائیں کوئی ذی استطاعت

فَيَسْتَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
 اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
 سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا
 بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
 فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
 اَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا
 لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُجَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا

اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ اے نبی! تم
 خواہ ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی
 درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول
 کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہایت نہیں دکھاتا۔

جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور
 گھریٹھے رہنے پر غور ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے
 لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔ ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے کاش انہیں

مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق یا اس سے بڑھ کر کرتی جی رقم پیش کرتا تو یہ اس پر دیا کاری کا انعام لگاتے، اور اگر کوئی غریب
 مسلمان اپنا اور اپنے مال بچوں کا بیٹ کاٹ کر کرتی چھوٹی کسی رقم حاضر کرنا یا رات بھر محنت مزدوری کر کے کچھ بچھریں حاصل کر
 اور وہی کارکنین کر دیتا تو یہ اس پر آواز دے کہتے کہ وہ بڑی کی ٹانگ بھی آگئی ہے تاکہ اس سے روم کے تھے مع
 کیے جائیں۔

يَقْعَرُونَ ﴿۸۷﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۸﴾ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ
فَأَسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تُخْرَجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ
تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا
مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿۸۹﴾ وَلَا تُصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا
تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوْأَمَهُمْ فُتُونُ ﴿۹۰﴾

اس کا شعور ہوتا۔ اب چاہیے کہ یہ لوگ ہنسنا کم کریں اور روناں زیادہ، اس لیے کہ جہادی یہ کہاتے
رہے ہیں اس کی جزا ایسی ہی ہے کہ انہیں اس پر پناہ چاہیے۔ اگر اللہ ان کے درمیان تھیں واپس
لے جائے اور آئندہ ان میں سے کوئی گروہ جہاد کے لیے نکلنے کی تم سے اجازت مانگے تو صاف کہہ دینا
کہ اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں مل سکتے اور نہ میری محبت میں لڑ سکتے ہو، تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند
کیا تھا تو اب گھر بیٹھے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کسی اس کی قبر پر کھڑے ہونا
کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔

۸۸۔ جو کہ وہ دلوں پر کچھ زیادہ رحمت و مہربانی تھی کہ کھڑے ہو کر انہیں اپنی رحمت سے لگا کر ان کے لیے عذاب و عذاب و عذاب
تھیں مسلمانوں سے تھے، لیکن اللہ علیہ السلام کی رحمت میں حاضر ہوئے اور ان میں گناہ کے لیے توبہ کا راستہ کھول دیا اور
کے ساتھ حکام و پھر انھوں نے وہ رحمت کی کہ آپ ہی اس کی نجات دہندہ تھیں۔ آپ اس کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ حضرت عمر نے
ہامد بن عمار کو لایا کہ آپ اللہ کا آپ اس شخص پر نازل ہوا ہے جس کے لیے عذاب ہے۔ اگر حضور کی یہ سب باتیں سن کر مسکراتے
سے لہذا اپنی اس رحمت کی بنا پر وہ رحمت و رحمت میں ہے عام حقیقی، آج کل اس قدرین و دشمن کے حق میں بھی رحمت کے تحت میں
حال دیکھا۔ اگر جب آپ اللہ کے کھڑے ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ بارہا رحمت و رحمت اللہ علیہ سے آپ کو مدد دیا گیا۔
کیونکہ اب یہ مشکل بائیس مقرر کی جا چکی تھی کہ مسلمانوں کی جماعت میں منافقین کو کسی طرح بچھڑنا دیا جائے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کر سکیں

وَلَا تُحِبُّكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ
يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۰﴾
وَإِذَا أَنْزَلْتَ سُورَةَ أَنْ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ
اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّلُوفِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ
الْقُعُودِينَ ﴿۸۱﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۲﴾ لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

ان کی مال داری اور ان کی کثرت اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس
مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔
جب کبھی کوئی سورۃ اس مضمون کی نازل ہوتی کہ اللہ کو نارا اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ کر جہاد
کو تو تم نے دیکھا کہ جو لوگ ان میں سے صاحب مقدرات تھے وہی تم سے درخواست کرنے لگے کہ انہیں یہاں
کی شرکت سے معاف دکھا جائے اور انہوں نے کہا کہ میں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہیں۔
ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والوں میں شامل ہونا پسند کیا اور ان کے دلوں پر پھپھہ لگا دیا گیا اس لیے ان کی سمجھ
میں اب کچھ نہیں آتا۔ بخلاف اس کے رسول نے اور ان لوگوں نے جو رسول کے ساتھ ایمان لاتے تھے
جس سے اس کردہ کی بہت افزائی ہو۔

اسی سے پسندو علاقہ کہ فراق اور فساد مشورہ لایق لوگوں کی نازیحانہ مسلمانوں کے امام اور سربراہان دینہ لوگوں کو نہ
پڑھائی جائے دیکھنی چاہیے۔ ان آیات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو گیا تھا کہ جب آپ کو کسی جگہ سے پر تشریف
لے کر چلے کیا جاتا تو آپ پہلے مرنے والے کے ساتھ حق دریافت فرماتے تھے کہ کس قسم کا آدمی تھا، وہاں کس طرح ہوتا کہ بڑے چلن کا
آدمی تھا تو آپ اس کے گھر والوں سے کہہ دیتے تھے کہ تمہیں شک ہے جس طرح ہا ہوا سے دن کرو۔

۸۰ یعنی اگرچہ یہ نبی شرم کے قابل بات ہے کہ کچھ خاصے ہٹے تھے، متعدد صاحب مقدرات لوگ یہاں کا وقت
رکھنے کے باوجود کام کا وقت گنہ پر میدان میں نکلنے کے بجائے گھروں میں گھر بیٹھیں اور ان لوگوں میں جا شامل ہوں یا کچھ چاروں

جَهْدًا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَوْلِيَّكَ لَهُمُ الْخَيْرُ وَأُولَئِكَ
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۳۹﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّبُونَ
 مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۰﴾

اپنی جان و مال سے ہمارا کیا اور اس ساری بھلائیوں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔
 اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ٹھہر گئے
 یہ ہے عظیم نشانِ کامیابی۔ ۴۰

بدوی عربوں میں سے بھی بہت سے لوگ آئے جنہوں نے فساد کے تاکہ انہیں بھی پیچھے رہ جائے
 کی اجازت دی جائے۔ اس طرح بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا
 جھوٹا عہد کیا تھا۔ ان بدویوں میں سے جن جن لوگوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا ہے عنقریب وہ دردناک
 سزا سے دوچار ہوں گے۔

لوگوں نے خود جان و جمعہ کر اپنے لیے یہی مدبر پسند کیا تھا اس لیے قانونِ ظلم کے مطابق ان سے وہاں کی ساری اقسام میں سے چنے
 جن کی بدولت آدمی ایسے ذلیل اور ماتحت کر کے میں شرم محسوس کیا کرتا ہے۔

۴۱ بدوی عربوں سے مراد دین کے اطراف میں رہنے والے وہاں کی اور صحرائی عرب ہیں جن میں عام طور پر بد مذہبیت کا
 انتہائی مظاہرہ ایمان جس کی تہذیبی و اخلاقی تصدیق، تقسیم، انصاف اور طاقت نہ ہو اور جس کے ظاہری اقدار کے
 بارے میں خدا اور اس کے دین کی بہ نسبت اپنے فساد و داخلی زہریں دہلیزیوں کو عرض ترک تھا، اصل حقیقت کے اعتبار سے کفر
 انگریز ہے۔ خدا کے ان ایسے لوگوں کے ساتھ جو دنیا پر گناہوں اور ملامتوں کے ساتھ ہوگا چاہے دنیا میں اس قسم کے
 لوگ کافر نہ ہوں گے مانتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا معاملہ ہوتا رہے۔ اس زہریں زندگی میں جس کا قانون پر مسلم
 سوسائٹی کا نظام قائم کیا گیا ہے اور جس ضابطہ کی بنیاد اسلامی حکومت اور اس کے تاحقی احکام کی تفسیر کرتے ہیں، اس کے خلاف
 تو نہ مختلف پرکھ یا اشتباہ کفر کا حکم صرف انہی صدقوں میں ٹھیکھا جاسکتا ہے جبکہ کفارہ بنات یا فساد دین کے خلاف کا مظاہرہ

لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ
مَا يَقْتُفُونَ حَرْجًا إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لیے زار و راہ نہیں پاتے، اگرچہ وہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ غلو میں مل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر طور پر ہو جائے۔ اس لیے منافقت کی بہت سی صورتیں اور حالتیں ایسی رہ جاتی ہیں جو قصائے شرعی میں کفر کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔ لیکن قصائے شرعی میں کسی منافق کا حکم کفر سے بچ نکلتا یہ سنی نہیں رکھتا کہ قصائے خداوندی میں بھی وہ اس حکم اساس کی سزا سے بچ نکلتا۔

۱۹۲ھ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بظاہر مسعودیوں میں ان کے لیے بھی ضروری دیاری یا بعض دیاری کا کافی و درممانی بنیں بلکہ ان کی یہ خبر ریال حروف میں صحت میں ان کے لیے درممانی ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے سچے وفادار ہوں۔ وہ اللہ کا دیاری موجود نہ ہو تو کوئی شخص حروف اس لیے صحت میں کیلئے اسکا کہ وہ اللہ کے فرض کے موقع پر بیمار یا ناتواں تھا۔ خدا صحت ظاہر کو نہیں دیکھتا ہے کہ ایسے سب لوگ جو دیاری کا نبی حلاوت نامہ یا اوصاف اور جسمانی نقص کا عذر پیش کریں لیکن بالکل کامل مسعودی قرار دے دیے جائیں اور ان پر سے بلا پر میں ساقط ہو جائے۔ وہ تو ان میں سے ایک ایک شخص کے دل کا بازو ہے گا اس کے پر سے غنی و ظاہر برتاؤ کو دیکھے گا، اندر یہ جانے گا کہ اس کی مسعودی ایک دکان دکان سے کسی مسعودی تھی یا ایک خدا اور باطن کی سی۔ ایک شخص ہے کہ جب اس نے فرض کی پکارت تو دل میں کہہ گا کہ شکر الہی کہ مجھے بچے موقع پر میں بیمار ہو گیا صحت پر کسی طرح ملے نہ ملے، ذلتی اور غرہ نماہ مصیبت جھگڑتی پڑتی یہ دوسرے شخص نے یہی پکار سنی تو تھکا اٹھا کہ ملے، کیسے موقع پر اس کفایت دیاری نے ان پر چاہو وقت میدان میں ٹل کر خدمت انجام دینے کا تمامہ کس بڑی طرح یہاں بستر پر ضائع ہو رہا ہے۔ ایک نے اپنے لیے تو خدمت سے بچنے کا بہانہ پایا ہی تھا اس کے ساتھ اس نے دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کی۔ دوسرا اگر چلا بستر عیالات کو مجبور پڑا پڑا تھا گردہ برا بھانپنے میں مل و دھڑلے اور بھائی کو جہاد کا جوش دلا تا رہا اور اپنے بیمار مادیوں سے بھی کتا رہا کہ میرا اللہ اک ہے، دعا دار دو کا انتقام کسی نہ کسی طرح ہو ہی جائے گا، مجھ کیلئے انسان کے لیے تم اس قیمتی وقت کو ضائع نہ کر دے جسے دین کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے۔ ایک نے دیاری کے عذر سے گھر بیچ کر سارا زمانہ بھنگ، بدلی پھیلانے، بری چرس، اٹانے، بجلی سامی کو خراب کوئے اور ہمارے ان کے پیچھے ان کے گھر لگانے میں صرف کیا۔ دوسرے نے یہ دیکھ کر کہ یہاں میں ہانے کے شرف سے وہ محروم ہو گیا ہے، اپنی دوکان پوری کوشش کی کہ گھر کے گاؤ (Home-front) کو مضبوط رکھنے میں جو زیادہ سے زیادہ خدمت اس سے بن آئے اسے انجام دے۔ ظاہر کے اقتباس سے تو یہ دونوں ہی مسعودی ہیں، مگر خدا کی محبت میں وہ مختلف قسم کے عذر کی طرح یکساں نہیں ہو سکتے۔ خدا کے ان صفاتی لفظ سے تو صرف دوسرے شخص کے لیے رہا یہ شخص

مَنْ سَبِيلٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا
 اتُّوْكَ لِقَوَاهُمْ قُلْتُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالُوا وَاعْتِزُّمْ
 بِنَفْسِكُمْ مِنَ اللَّهِ مَعَ حَزَنًا الْإِلَهِ يُفْقُونَ ﴿۱۰﴾ إِنَّهَا
 السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَا رِضْوَانُ
 يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

اعتراف کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود اکر تم سے درخواست کی تھی کہ تم اس لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بظاہر بخ تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک ہمارا ہونے کی مقدت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور پھر بھی تم سے درخواستیں کرتے ہیں کہ انہیں شرکت ہمارے ساتھ رکھا جائے۔ انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر شہید لگا دیا، اس لیے اب یہ کچھ نہیں جانتے۔

تو وہ اپنی عذوری کے باوجود بخاری و نافرمانی کا مجرم ہے۔

۹۳۔ اے لوگ جو خدمت دین کے لیے تہ تاب ہل اور اگر کسی حقیقی میری کے سبب یا نفع کے لیے کسی سے عداوت نہ کر لیں قرآن کے دل کو اتنی ہی سخت صدر ہو جتنا کسی دنیا پرست کو دنگار چھوٹ جانے یا کسی شے سے نفع کے موقع سے محروم رہ جانے کا بھڑکنا ہے، ان کا شمار خدا کے اہل خدمت، انجام دینے والوں میں ہی ہو گا اگرچہ انہوں نے عداوت کوئی خدمت انجام نہ دی ہو۔ اس لیے کہ وہ چاہے اتنے پاؤں سے کام نہ کر کے ہل لیں دل سے تو وہ ہر خدمت ہی سے ہیں۔ یہ بات ہے حضورؐ جبکہ سے واپس پائے سوس ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقا کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی کہ ان ہاں بعدینۃ اقاما صا سرور صبرا ولا قطع ہاد یا الا کا خوا معکرتہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی مادی شے نہیں لیا کہ کوئی کچ نہیں لیا جس میں وہ تمہارے ساتھ ساتھ نہ رہیں، صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ ساتھ نہ رہتے ہوئے فرمایا، اہل اللہ

الجن

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لِي
 نُوْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأْنَا اللَّهَ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ
 وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلَىٰ عَلَيْهِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳﴾ سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ
 لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاغْرَضُوا عَنْهُمْ لِيُخْبِرُوا عَنْهُمْ رَجُلٌ وَمَا أُوْمِرَ بِهِمْ
 جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۴﴾ يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ
 فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۵﴾

تم جب پلٹ کر ان کے پاس پہنچے تو یہ طرح طرح کے عذرات پیش کریں گے۔ مگر تم مان
 کہہ دینا کہ ہم نے نہ کرو، ہم تمہاری کسی بات کا اعتبار نہ کریں گے۔ اللہ نے ہم کو تمہارے حالات
 بتا دیے ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھے گا۔ پھر تم اس کی طرف پلٹے جاؤ گے
 جو کھلے اور چھپے سب کا ہلنے والے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ تمہاری والدہ کی
 یہ تمہارے سامنے قیام کھائیں گے تاکہ تم ان سے صرف نظر کرو۔ تو بے شک تم ان سے صرف نظری
 کرو، کیونکہ یہ ایک گندگی ہیں اور ان کا اصلی مقام جہنم ہے جو ان کی کمائی کے بدلے میں انہیں نصیب
 ہوگی۔ یہ تمہارے سامنے قیام کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ حالانکہ اگر تم ان سے راضی
 ہو بھی گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

یہ میں رہتے ہوئے۔ کیونکہ مجھ پر ہی نے انہیں روک لیا تھا ورنہ وہ خود رکھنے والے نہ تھے۔

۹۴ پہلے فقرے میں صرف نظر سے مراد درگزر ہے اور دوسرے فقرے میں قطع حق یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان سے صرف
 نہ کرو، مگر یہ ہے کہ تم ان سے کوئی واسطی نہ رکھو اور تمہارے ان سے کٹ گئے ہو۔ تم سے۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ الْأَعْلَامُ حُدُودًا
أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۹۵

یہ بدوی عرب کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملہ میں اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ اُس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانہ ہے۔ ان میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہ خدا میں کچھ

۹۵۔ مہیا کر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہاں بدوی عربوں سے مراد وہ دیہاتی و صحرائی عرب ہیں جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ یہ لوگ مدینہ میں ایک مضبوط اور نظم و طاقت کوٹھٹھے دیکھ کر پہلے تو مرعوب ہوئے۔ پھر اسلام اور کفر کی آویزشوں کے صلے میں ایک مدت تک موقع شناسی و این الرقعی کی روش پر چلتے رہے۔ پھر جب اسلامی حکومت کا اقتدار تھما دیا تو نجد کے ایک بڑے حصہ پر انکیا اور مخالفت قبیلوں کا زور اس کے مقابلہ میں ٹوٹنے لگا تو ان لوگوں نے مسیحیت و دقت اسی میں دیکھی کہ وہ آئندہ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن ان میں کم لوگ ایسے تھے جو اس دین کو دین حق سمجھ کر کچھ دیر سے ایمان لائے ہوں اور غلط فہم سے اس کے تفاضل کو پہچاننے پر آمادہ ہوں۔ بیشتر بدویوں کے لیے قبول اسلام کی حیثیت ایمان و اعتقاد کی نہیں بلکہ محض مصلحت و دنیاوی کی تھی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کے حصر میں صرف وہ فائدہ آجائیں جو برسر اقتدار جماعت کی کنیت اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی ہو گا۔ اعلیٰ پادشاهی جو اسلام ان پر نافذ کرنا تھا، وہ تھانہ روزے کی پابندیاں جو اس دین کو قبول کرتے ہی ان پر لگ جاتی تھیں، وہ ناکارہ جو باقاعدہ تحصیل دادوں کے ذریعہ سے ان کے غلط فہم افکار و ان کے گلوں سے وصول کی جاتی تھی، وہ، منجملہ نظم جس کے نتیجے میں وہ اپنی تائید میں پہلی مرتبہ کئے گئے تھے، وہ ہاں دھال کی قربانیاں جو لوٹ، مال کی رٹاؤں میں نہیں بدنامی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ان سے پہچان چھڑانے کے لیے ہر طرح کی پابانیاں اور برباد سازیاں کہتے رہتے تھے۔ ان کو اس سے کچھ بیش نہ تھی کہ حق کیا ہے انسان کی اور تمام انسانوں کی حقیقی صلاح کس چیز میں ہے۔ ان میں کچھ بھی دیکھ سکتی تھی وہ اپنے حاشی معارف و اپنی تائید، اپنی، میں، اپنے اہل و عیال کو بلے اور اپنے شیخے کے اس پاس کی محدود دنیا سے تھی۔ اس سے ہاں کس چیز کے ساتھ، انہیں طرح کی حقیقت تو کچھ سمجھنے تھی۔ یہی چیز ان ذہنیاتوں سے رکھی باقی ہے کہ یہ ان کے آگے نہ رہتا تھا۔ انہیں کوئی امداد اس کے عوض تھی روزگار و ملاقات ہے۔ تنقلاً: ایسی ہی دوسری مغرائین کے لیے ان کو توفیق نہ دے دیں انسان کے لیے دلائل کریں لیکن ایسے ہیادہ امتداد دے دیے وہ تیار نہ تھے جو ان کی پوری تمدنی و معاشی اور معاشرتی زندگی کو مطلق و مطلقانہ کے خلاف میں کس سے اللہ عز و جل ایک بلکہ انہیں اصل حق مشن کے لیے ان سے جان دھال کی قربانیاں بھی مطالبہ کرے۔

ان کی اسی حالت کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شرلوں کی چھبھتہ تیراکی و شرابی ٹھنڈا ہوا منافقانہ رویہ

مَنْ يَتَّخِذْ مَا يُبْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصْ بِكُمْ الدَّوَابُّ
 عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۹۸
 الْأَعْرَابُ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذْ مَا يُبْفِقُ
 قُرْبًى عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبًى
 لَهُمْ سَيَذِخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۹۹

ع

خرج کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی جتنی بگھتے ہیں اور تمہارے حق میں نمانہ کی گردشوں کا خطا کر رہے ہیں کہ تم کسی چکر میں پھنسو تو وہ اپنی گردن سے اس نظام کی اطاعت کا قاعدہ تار چھینکیں جس میں تم نے انہیں کس دیا ہے۔ حالانکہ ہدی کا چکر خود انہی پر مسلط ہے اور اللہ سب کو جانتا اور جانتا ہے۔ اور انہی بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ خرج کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دمائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

رکھتے ہیں اور حق سے انکار کی طبیعت ان کے اندر زیادہ پائی جاتی ہے۔ پھر اس کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ شہری لوگ قرآنِ عظیم اور اہل حق کی صحبت سے مستفید ہو کر کچھ دین کو اور اس کی حدود کو جان بھی لیتے ہیں مگر یہ بدی تو نہ کہ ماری ماری پر بالکل ایک عاشقِ حیران کی طرح شب و روز رنق کے پھیر کی میں پڑے رہتے ہیں اور حیرانی زندگی کی ضروریات سے باز نہ کسی چیز کی طرف توجہ کرنے کا انہیں موقع ہی نہیں ملتا اس لیے دین اور اس کے حدود سے ان کے ناواقف رہنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

یہاں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری نہ ہو گا کہ ان آیات کے نزول سے تقریباً دو سال بعد حضرت امیرِ مومنین کی خلافت کے ابتدائی عرصہ میں متباد اور منہ زکوٰۃ کا حوض خان برپا ہوا تھا اس کے سبب میں ایک جڑا سبب یہ تھا جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

۹۹ مطلب یہ ہے کہ جو زکوٰۃ ان سے وصول کی جاتی ہے اسے یہ ایک جرمانہ سمجھتے ہیں۔ مسافروں کی نیازت و محتاجی کا جو حق ان پر عائد کیا گیا ہے وہ ان کو بڑی طرح کھنکھاتا ہے۔ اور اگر کسی جنگ کے موقع پر یہ کوئی چندہ دیتے ہیں تو اپنے

وقف مع

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ
لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ حَوَّلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۝
وَمَنْ أَهْلُ الْمَدِينَةِ ۚ مَرَدُّوا عَلَى الْفِرَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ
نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

وہ ماجرہ انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر ایک کھنہ میں سبقت کی، نیز وہ جو
بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے،
اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ
ریں گے یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

تھکے گروہ پیش جو بدوی رہتے ہیں ان میں بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے
باشندگان میں بھی منافق موجود ہیں جو فراق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے
ہیں۔ قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو وہ ہری مزا دیں گے، پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لیے واپس
لائے جائیں گے۔

دل جذبہ سے رننے، ان کی خاطر نہیں دیتے بلکہ بادل ناخواستہ اپنی وفاقاری کا تین روئے کے لیے دیتے ہیں۔

۹۶؎ میں نے اپنے فراق کو چھاپنے میں وہ اتنے شاق ہو گئے ہیں کہ طوفانی مٹی اللہ علیہ السلام بھی اپنی کمال مدد کے قوت
کے باوجود ان کو نہیں پہچان سکتے تھے۔

۹۷؎ وہ ہری سزا سے مراد یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ دنیا جس کی محبت میں مبتلا ہو کر انہوں نے ایمان و انعام کے بجائے
منافقت اور فداکاری کا وہ یہ اختیار کیا ہے ان کے لہو سے جیسے ہی حوری الہیہ و جہاد اور رحمت حاصل کرنے کے پہلے انہی ذات

وَاٰخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَسِيْئًا
 عَسَىٰ اَللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ خُذْ مِنْ
 اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ
 صَلٰوةَكَ سَكَنٌ لَّہُمْ وَاَللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ
 يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
 الرَّحِيْمُ ﴿۵۵﴾ وَقُلْ اَعْمَلُوْا فَاَسِيْرِي اللّٰهَ عَمَلَكُمْ وَّرَسُوْلُهُ وَاَلْمُؤْمِنُوْنَ

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسے نبی! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (شکل کی رامیں) انہیں برحقاد، اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے وہم تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے؟ اور اسے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم عمل کرو، اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب یکمیں گئے کہ تمہارا طرز عمل اب کیا رہتا ہے۔

دعا دہی پائیں گے۔ دوسری طرف جس متن کو یہ ناکام دیکھنا اور اپنی ہال بازاریوں سے ناکام کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی خواہشوں اور کوششوں کے علی الرغم ان کی آنکھوں کے سامنے قریب مانے کا۔

۹۹۔ ہمارے جیسے دینی ایمان اور گناہوں کا فرق صاف صاف واضح کر دیا گیا ہے۔ جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر فی الواقع خدا اور اس کے دین اور حقاقت مومنین کے ساتھ کوئی خاص نہیں رکھتا اس کے عدم انتظامیہ، نفرت، اگر اس کے طرز عمل سے مل جائے تو اس کے ساتھ سختی کا رونا دیکھا جائے گا۔ خدا کی راہ میں قرب کرنے کے لیے وہ کوئی مالی پیش کرے تو اسے دو کر دیا جائے گا، مرنے تو نہ مسلمان اس کی نماز پڑھنا نہ چاہیں گے اور نہ کوئی مومن اس کے لیے دعا سے نفرت کرے گا۔ اس کا باپ یا بھائی ہی کہیں نہ ہو۔ بخلاف اس کے جو شخص مومن ہو اور اس سے کوئی غیر مخلصانہ طرز عمل سرزد ہو جائے وہ، اگر اپنے قصور کا اعتراف کرے تو اس کو

صاف نہی کیا جائے گا، اس کے عداوت بھی قبول کیے جائیں گے اور اس کے لیے عدائے وقت بھی کی جائے گی۔ اب یہی بات کہ کس شخص کو غیر خصمانہ طرز عمل کے مورد کے باوجود منافق کے بہتے خص منہ کا رومن سمجھا جائے گا، تو یہ تین مبادوں سے پرکھی جائے گی جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) وہ اپنے تصور کے لیے جذبات، رنگ اور تاویلات و توجہات پیش نہیں کرے گا بلکہ جو تصور بہتا ہے اسے یہی طریق صاف صاف مان لے گا۔

(۲) اس کے مطابق طرز عمل پر نگاہ ڈال کر دیکھنا جائے گا کہ یہ عدم انطام کا مادی جرم تو نہیں ہے۔ اگر پہلے وہ جماعت کا ایک صالح فرد رہا ہے اور اس کے کارنامہ زندگی میں خصمانہ جذبات، ایثار و قربانی، اور سبقت الی الخیزات کا ریکارڈ موجود ہے تو پھر دیکھ لیا جائے گا کہ اس وقت جو تصور اس سے سرزد ہوا ہے وہ ایمان و اخلاص کے عدم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بعض ایک کڑی ہے جو وقتی طور پر دونا ہو گئی ہے۔

(۳) اس کے آئندہ طرز عمل پر نگاہ رکھی جائے گی کہ آیا اس کا اعتراف تصور بعض زبان سے یا فی الواقع اس کے اندر کوئی گہوا خاص ندامت موج دے۔ اگر وہ اپنے تصور کی طافی کے لیے سبے تاب نظر آئے اور اس کی بات بات سے ظاہر ہو کہ جس نقیب ایمانی کا نقش اس کی زندگی میں، جس روتا تھا اسے مٹانے اور اس کا تدارک کرنے کی وہ سخت کوشش کر رہا ہے تو سمجھا جائے گا کہ حقیقت میں نادم ہے اور یہ ندامت ہی اس کے ایمان و اخلاص کی دلیل ہوگی۔

مؤمن نے ان آیات کی شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے یہ معصن آئندہ کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیات ابولہاب بن عبدالمطلب و ہاشم کے چچا خیموں کے معاملہ میں نازل ہوئی تھیں۔ ابولہاب ان لوگوں میں سے تھے جو مسیحیوں کے موقع ہجرت سے پہلے اسلام نہ تھے۔ پھر جنگ بدر، جنگ احد اور دوسرے سرگرمیوں میں برابر شریک رہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر نفس کی کڑواہی نے غلبہ کیا اور یہ کسی عذر شرعی کے بغیر بیٹھے رہ گئے۔ ایسے ہی نفس ان کے دوسرے سابق تھے۔ اسی لیے ان سے بھی کڑواہی نے غلبہ کر دی سرزد ہو گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے اسی دن ان کو حکم ہوا کہ پیچہ ہلے ہالوں کے مشق و اندازہ رسول کی کیا رائے ہے تو انھیں سخت ندامت ہوئی۔ قبل اس کے کہ کوئی باز پرس ہوتی انھوں نے عہد ہی اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا کہ ہم پر غواب و خود غرام ہے جب تک ہم صاف نہ کہ دیے جائیں یا پھر ہم مر جائیں۔ چنانچہ کئی دن وہ اسی طرح بے آب و دانہ اور بے خواب بندھے رہے حتیٰ کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر کار جب انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور رسول نے تمھیں صاف کر دیا تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر کی آسائش نے ہمیں فتنے کاغذ کیا اسے اور اپنے تمام مال کو نہا کی راہ میں دے دیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال دینے کی ضرورت نہیں۔ صحت ایک متاع کافی ہے چنانچہ وہ انھوں نے اسی وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ اس تصور پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے اہل صفائی کس قسم کی کمزوریوں کے لیے ہے۔ یہ سب حضرات مادی غیر خلص نہ تھے بلکہ ان کا پھیکا کارنامہ زندگی ان کے انطام ایمانی پر دلیل تھا۔ آج سے کسی نے خطبات نہیں سنا ہے مگر اپنے تصور کو خود ہی تصور مان لیا۔ انھوں نے اعتراف تصور کے ساتھ اپنے طرز عمل سے مثبت کر دیا کہ وہ واقعی ندامت نادم اور اپنے اس منہ کی صفائی کے لیے سخت بے چین ہیں۔

وَسُئِرْدُونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيَنْبَغُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ وَأُخْرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْهِيًّا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْوَصَّادِ الْمُنِ حَادِبِ اللَّهِ

پھر تم اُس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کچھ اور چھپے سب کو جانتا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے، چاہے انہیں سزا دے اور چاہے اُن پر از سر نو مہربان ہو جائے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانائے۔

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوت حق کی نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں، اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اُس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے

اس سلسلہ میں ایک اور مفید نگہ نظر پر بھی توجہ دینی چاہیے حورانِ یات میں ارشاد ہوا ہے۔ وہ یہ کہ گناہوں کی تلافی کے لیے زبان اور قلب کی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی توبہ بھی ہونی چاہیے اور عملی توبہ کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں مال و غیرت کو اس طرح وہ گمندی جو نفس میں پردہ کش یا دہی نشی اور جس کی بدولت آدمی سے گناہ کا مدد و ہوا تھا، دور جو جاتی ہے اور غیر کی طرف پلٹنے کی استعداد بخشتی ہے۔ گناہ کرنے کے بعد اس باعتراف کرنا ایسا ہے جیسے ایک آدمی جو گڑھے میں گر گیا تھا، اپنے گرنے کو فراموش کر لے پھر اس کا اپنے گناہ پر شرمسار ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس گڑھے کو اپنے لیے نہایت سری ہائے قرار رکھتا ہے اور اپنی اس حالت سے سخت تکلف میں ہے۔ پھر اس کا مدد و غیرت اور دوسری نیکیوں سے اس کی تلافی کی سعی کرنا گناہ گار گڑھے سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اس لیے باغرض اگر کوئی شخص دنیا میں اپنے نفاق کو چھپائے یا کامیاب ہو جائے، اور انسان جن میادوں پر کسی کے ایمان و اخلاص کو پرکھ سکتے ہیں ان سب پر بھی ہمارا اثر ہوتا ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ فحاش کی سزا پانے سے بچ سکے۔

وَرَسُولُهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفَنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لِّلْمَسْجِدِ الَّذِیْ
عَلٰی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحٰی اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ رِجَالٌ
يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَّخِهُرُوْا ۝ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَهَّرِیْنَ ۝

خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ فرود قسبیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کئی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اشد گروہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اشد کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

۱۱۱۔ یہ لوگ ایسے تھے جن کا معاملہ مشکوک تھا۔ ان کے منافق ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر وہ گاروں میں ہونے کا۔ ان دو فلاحیہ جہروں کی علامات ابھی پوری طرح ظاہر نہیں تھیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ کو فوری رکھ دیا۔ اس معنی میں کہ اگر ان کے خلاف کے سامنے معاملہ مشکوک تھا، مگر اس میں کسی شخص یا گروہ کے معاملہ میں باہما طرز عمل اس وقت تک نہیں نہ کرنا چاہیے جب تک اس کی پوزیشن ابھی علامات سے واضح نہ ہو جائے جو طرفیت نہیں بلکہ جس اور مقل سے جا بھٹی جاسکتی ہوں۔

۱۱۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنیے تشریف لے جانے سے پہلے قبیلہ خزرج میں ایک شخص اور امرائے قبیلہ جو زنا پر ثابت ہو چکے تھے، ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کا شمار اہل کتاب میں ہوتا تھا اور ریاست کی وجہ سے اس کے علمی و فاضل کے ساتھ ساتھ اس کی درویشی کا سکہ بھی حسینے اور اطراف کے جاہل عوام میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے پہنچے تو اس کی شہادت دیاں خوب چل رہی تھیں۔ مگر یہ علم اور یہ درویشی اس کے اندر حق شناسی اور حق پرستی پیدا کرنے کے بجائے اُنہی اس کے لیے ایک ذریعہ دست و پاؤں بن گئی اور اس صاحبِ کاتبہ پر بڑا کہ ضرور کی تشریف آوری سے بعد وہ قسمتِ ایمان ہی سے محروم نہ رہا۔ مگر آپ کا اپنی شہادت کا حریف اپنے اپنے کاروبار پر درویشی کا دشمن سمجھ کر آپ کی اور آپ کے کام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ پہلے دو سال باہر سے یہ امید رہی کہ کفار قریش کی طاقت ہی اسلام کو مٹانے کے لیے کافی بہت ہوگی۔ لیکن جنگ بدر میں جب قریش نے شکست فاش کھائی تو اسے اپنے اپنے ضبط نہ رہا۔ اسی سال وہ مدینہ سے نکل کھڑا ہوا اور اس نے قریش اور دوسرے عرب قبائل میں اسلام کے خلاف تبلیغ شروع کر دی۔ جنگِ ٔندھ جن لوگوں کی سی سے برباد ہوئی ان میں سے بھی شامل تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُن کے میدانِ جنگ میں بھی نہ وہ کوڑھے کھدوانے تھے جو ان سے ایک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گرز زخمی ہونے پر جنگِ احزاب میں جو لشکر ہر طرف سے دیز پر چلائے تھے ان کو چڑھانے

أَفَمَنْ آسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ

پھر تمھارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر

میں بھی اس کا حصہ بنایاں خدا اس کے بعد جنگ حق و باطل کے معنی ان دنیاوی مشرکوں عرب اور مسلمانوں کے درمیان جو ہیں ان سب میں یہ عیسائی دہریہ اسلام کے خلاف شرک کا سرگرم حامی رہا۔ آخر کار اسے اس بات سے ایسی برائی ہو گئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے خلاف کر دے سکے گی۔ اس لیے عرب کو بھڑکاس سے دم کاٹ کر لیا تاکہ غیر کراس منظر سے ٹھکاکہ کو جسے عرب سے سر اٹھا رہا تھا یہ وہی موقع تھا جب مدینہ میں یہ طاقتیں عرب کو قیصر عرب چڑھائی کی تیاریاں کر رہے تھے اور اسی کی روک تھام کے لیے نبی کریم ﷺ کو نبوک کی مہم پر جانا پڑا۔

ابو عامر راہب کی یہ مہم سرگرمیوں میں مدینہ کے منافقین کا ایک گروہ اس کے ساتھ شرکیہ سازش تھا اور اس نفوذی تھوڑے ہی عرصے میں یہ لوگ اس کے ہنراتے کہ وہ ہندو بھی شرک پرست تھے اور ان کے اسلام کے خلاف قیصر روم اور شمالی عرب کی عیسائی ریاستوں سے فوجی امداد حاصل کرے۔ جب وہ مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگا تو اس کے حواری منافقوں کے درمیان یہ قرارداد ہو گئی کہ مدینہ میں یہ لوگ اپنی ایک لگ سہ ہڈیاں لگے تاکہ عام مسلمانوں سے بچی کر منافق مسلمانوں کی خدمت جتھ بندی اس طرح کی جاسکے کہ اس پر مذہب کا پردہ چڑھے اور کہانی سے اس پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے، اور وہاں نہ صرف یہ کہ منافقین منظم ہو سکیں اور آئندہ کارہائوں کے لیے شور سے کر سکیں بلکہ اہل عام کے پاس سے جو بیٹ خبریں اور ہدایات ملے کہ ان میں وہ بھی غیر شبہ فتنہ والوں اور منافقوں کی پیشکش اس مسجد میں تھیں۔ یہ سچی وہ نا پاک سازش جس کے تحت وہ مسجد تیار کی گئی تھی جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں۔ ایک مسجد نبویہ جو شہر کے مسافعات میں تھی دوسری مسجد نبویہ جو شہر کے اندر تھی ان دو مسجدوں کی موجودگی میں ایک تیسری مسجد بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور وہ زمانہ ایسی حفاظت و محبت کا نہ تھا کہ مسجد کے نام سے ایک عمارت بنا دینا بھانے خود کا دروہ ہو قطع نظر اس سے کہ اس کی ضرورت بھی نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ایک نئی مسجد بننے کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں غم و غمناہ تفریق و ناہمواری پیدا ہو جائے۔ ایک صالح اسلامی نظام کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ اسی لیے یہ لوگ مجبور ہوئے کہ اپنی خدمت مسجد بنانے سے پہلے اس کی ضرورت ثابت کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس تعمیر کے لیے یہ ضرورت پیش کی کہ ہمارے اشرار میں اور بھارتیوں کی دالوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً ضعیفوں اور مسکینوں کو جو ان مسجدوں سے دور رہتے ہیں، باہر آجوں وقت حاضری دینی شکل ہوتی ہے۔ منام ہم محض نمازیوں کی آسانی کے لیے یہ ایک نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

ان پانچوں افرادوں کی منافقت کے ساتھ جب یہ مسجد جزیرین کریم ہوئی تو اشرار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اچھے و خیرات کی کہ آپ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرما دیں۔ جس نچنے کے کہ کھل گیا ان میں تو یہ جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہوں اور ایک نئی مہم مدینہ میں ہے۔ اس مہم سے ہمیں رکھ کر کیوں گا۔ اس کے بعد اب شرک کی طرف

أَمْرٌ مِّنْ أَشْسَ بُنْيَانِهِ عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَامٍ فَأَنْهَارِهِ
فِي تَارِحَتِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾ لَا يَزَالُ

رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک داوی کی کٹو کھلی بے ثبات لگ کر پھاٹائی اور وہ اسے لے کر
سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؛ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کسی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یہ عمارت

معاشرہ تھے اور آپ کے پیچھے لوگ اس سیدھی اپنی جتنی بندی اور سازش کرتے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک لے کر کیا کہ پھر
وہ میں کے اکتوں مسلمانوں کا قلع قمع ہو اور اور اور ہی بدلا شہرین آئی کے سر پر تلج شہری رکھ دیں۔ لیکن تو کہ میں جو مسلمان پیش
آیا اس نے ان کی ماری میمون پر پانی پھر دیا۔ وہی پھر جہنمی علی اللہ علیہ وسلم عزیز کے قریب ہی تھان کے مقام پر پہنچے تو یہ آیات
نازل ہوئیں اور آپ نے اسی وقت چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیج دیا تاکہ آپ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے پھنسنے وہ اس
مسجد ہزار کو سار کر دیں۔

۱۹۔ حق میں غلط محضو استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق عربی زبان میں کسی نندی یا دریا کے کسی کنوے پر ہوتا ہے
جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کٹ کٹ کر بہا دیا ہو اور اوپر کا حصہ بے سارا کھڑا ہو۔ جو لوگ اپنے عمل کی بنیاد نہ اسے بے عرفی
اور اس کی رہنمائی نہ کیا تو یہ دیکھتے ہیں ان کی تعمیر حیات کو یہاں اس عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایسے ایک گھوکھٹے بے ثبات
کنارہ پر اُٹھائی گئی ہو۔ یہ ایک بے نظیر تشبیہ ہے جس سے نیا دہ بستر شہر سے اس صحت حال کی تشبیہ کشی نہیں کی جاسکتی۔ اس کی
پوری صورت ذہن نشین کرنے کے لیے میں کچھ دینی زندگی کی وہ ظاہری سطح جس پر عوام، منافق، کافر، صالح، ناجور، فاجر، تمام
انسان کام کرتے ہیں، مٹی کی اس اوپر ہی تہ کے مانند ہے جس پر دنیاوی ماری محلاتیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ تہ اپنے اندر خود کوئی پائیداری نہیں
رکھتی، بلکہ اس کی پائیداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے شوش زمین موجود ہو۔ اگر کوئی تہ ایسی ہو جس کے نیچے کی زمین کسی چیز، مثلاً
وہیلے پانی، سہکٹ بجلی، برقی توانا واقع انسان اس کی ظاہری حالت سے دھوکا کھائے کہ اس پر اپنا مکان بنائے گا اسے وہ اس کے
مکان میرت سے بیٹھے گی اور وہ نہ صرف عوام، بلکہ ہر ایک انسان کا پائیدار بنیاد و پائیدار کردار کے اپنا جو کچھ سرمایہ زندگی وہ اس حالت میں
جمع کرے گا وہ بھی برباد ہو جائے گا۔ باطل اسی مثال کے مطابق حیات دنیا کی وہ ظاہری سطح بھی جس پر ہم سب اپنے کائنات زندگی کی محلات
اُٹھاتے ہیں، ایسا تہ خود کوئی ثبات و قرا نہیں رکھتی بلکہ اس کی مضبوطی و پائیداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے خدا کے خوف،
اس کے حضور تہجد ہی کے احساس اور اس کی مرضی کے اتباع کی خصوصیات موجود ہو۔ جو نادان آدمی منہ حیات دنیا کے ظاہری پہلو
پر تھکا کر لیتا ہے اور دنیا میں نہ اسے بے خوف اور اس کی رہنمائی سے بے ہوا ہو کہ کام کرتا ہے وہ دراصل خود اپنی تعمیر زندگی کے نیچے سے
اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور اس کا آخری انتہام اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بے بنیاد سطح جس پر اس نے اپنی عمر بھر کا سرمایہ عمل جمع
کیا ہے ایک دن پتھر کے گرنے اور اس سے اس کے ہمارے سرمایہ میرت لے بیٹھے۔

بَنِيَانَهُمُ الَّذِي بَنَوْا رَبِّكَ فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ

جو انھوں نے بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی (جس کے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں)۔ بے گناہ کے کہ ان کے دل ہی پارسہ پار ہو جائیں گے۔ اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے قرآن اور

۱۹۰۰ مسیحی ماہ یعنی وہ ماہ جس سے انسان امداد پر مشتمل کامیابی کی منزل پر پہنچتا ہے۔

۱۹۰۰ یعنی ان لوگوں نے منافقانہ کردار کے اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر کے اپنے دلوں کی ہمیشہ پیش کے لیے اپنی اس صلاحیت سے محروم کر لیا ہے اور بے ایمانی کا دو گنا اس طرح ان کے دلوں کے ریشے پیچھے میں پیوست ہو گیا ہے کہ جب تک اس کی دل باقی ہیں یہ لوگ جس میں ہیں محروم رہے گا۔ خلا سے کٹر کرنے کے لیے جو جنس طاغیرت خاندان سے نکلا اس کے دلوں سے دھلنے کے لیے کہ کم کما سوچے اور دھن سے تیار کر کے اس کی ولایت کو کسی دیکھی وقت ممکن ہے کہ یہ دیکھ کر اس کے اندر تبدیلی، انکسار اور اس کی قوت کو دیکھ کر زیادتی طور پر بخود دہتا ہے جو حق پرستی کے لیے بھی اسی طرح کام آسکتا ہے جس طرح باطل پرستی کے کام آتا ہے۔ لیکن جو بھلا، جسٹس اور کائنات کا انسان کنٹر کے لیے سہارا کے لئے خدا کے دین سے لڑنے کے لیے ناپرستی کا پر فریب لہانہ اللہ سے اس کی سیرت کو نقصان کی دیکھ کھا چکی ہو تو ہے۔ اس میں یہ طاقت ہی کہاں باقی رہ سکتی ہے کہ غرضانہ ایمان کا یہ سہارا رکھے۔ ۱۹۰۰ یہاں ایمان کے اس معاملے کو جو خدا اور بندے کے درمیان ملے ہوتا ہے، اب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ ایمان محض ایک مابعد اسیمالی حقیقت نہیں ہے بلکہ اپنی الوجود ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خدا کے اختیار و قدرت کو دیتا ہے اور اس کے معاوضے میں خدا کی طرف سے اس کو دے کر تیر کی کریتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے جنت عطا کرے گا۔ اس معاہدے میں ان کے تضادات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس بیخ کی حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

ہمارے ایک اصل حقیقت کا تعلق ہے، اس کے علاوہ تو انسان کی جان و مال یا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ گندی نہیں کا

اگرچہ ساری چیزوں کا خالق ہے جو اس کے پاس ہیں اسی لئے وہ سب کچھ اسے بخشتا ہے جس پر وہ تصرف کر رہا ہے۔ لہذا اس حقیقت کے
توضیح و فروخت کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ انسان کا پناہ کہہ کر دوسرے سے، ذکوئی چیز فدا کی کیفیت سے خارج ہے کہ وہ
اسے خریدے۔ لیکن ایک چیز انسان کے اندر ایسی بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کبھی اس کے حوالے کر دیا ہے، اور وہ ہے اس کا اختیار یعنی اس کا
اپنے انتخاب و ارادہ میں آزاد ہونا (freewill and freedom of choice)۔ یہ اس اختیار کی بنا پر حقیقت نفس الامری تو
فیس بدلتی مگر انسان کو اس امر کی خود بخود ہی اجال ہو جاتی ہے کہ یہ ہے حقیقت کو تسلیم کرے وہ نہ انکار کر دے۔ بالکل دیکھو اس نتیجہ
کے معنی یہ نہیں اس کہ انسان فی الحقیقت اپنے نفس کا ارادہ نہیں دیکھ کر اس کی قوت کا اعلان اقتضات کا جو اسے دنیا میں حاصل ہیں،
بلکہ جو یہ کہ ہے اور اسے یہ حق مل گیا ہے کہ ان چیزوں کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسے اس امر کی
آزادی دے دی گئی ہے کہ فدا کی طرف سے کسی جبر کے بغیر وہ خود ہی اپنی ذات پر اور اپنی ہر چیز پر خدا کے حقوق کا کتنا تسلیم کرنا چاہے تو
کس حد تک آپ ہی اپنا مالک بن بیٹھے اسے اپنے زعم میں یہ خیال کرے کہ وہ خدا سے ہے یا نہ ہو کر اپنے حدود و اختیارات میں اپنے حسب مشا
صوت کئے کا حق رکھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے بیچ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ دراصل یہ بیچ اس معنی میں نہیں ہے کہ جو چیز انسان کی
ہے خدا سے خریدنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ کی جامع ذمیت یہ ہے کہ جو چیز فدا کی ہے اور جسے اس نے انسانیت کے طور پر انسان کے حوالے
کیا ہے اور جس میں اس نے اپنے یا فاقین میں ہانے کی آزادی اس نے انسان کو دے رکھی ہے، اس کے بارے میں وہ انسان سے ملنا پڑا
ہے کہ تو برضا و رغبت دے دے یا نہیں، میری چیز کو میری چیز مان لے اور زندگی ہر اس میں خود مختار مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس پر
کی حیثیت سے تصرف کا قبضہ کر لے خدا کی عزت کی جانتا ہی نہیں ہے اس سے خود بخود دست بردار ہو جا۔ اس طرح اگر تو دنیا کی اچھڑ
مادری زندگی میں اپنی خود بخود ہی حاصل کر دے نہیں بلکہ میری ہڈیاں (ہے) میرے ہاتھ فروخت کر دے گا تو میں تجھے یہ کی
ہوادہائی زندگی میں اس کی قیمت بہر صورت جنت و عذابوں کا جو انسان خدا کے ساتھ بیچ کا یہ معاملہ کرے کہ وہ ممکن ہے اور ایمان و ارسل
اسی بیچ کا وہ سرمایہ ہے۔ اور جو شخص اس سے انکار کر دے یا اقرار کرنے کے باوجود ایمان دیر اختیار کرے جو بیچ نہ کرنے کی صورت بھی میں
اختیار کر لیا جاسکتا ہے، وہ کاہن ہے اور اس بیچ ہی سے گریز کا اصطلاحی نام کفر ہے۔

بیچ کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس کے خصائص کا تعریف کیجیے:

(۱) اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت بڑی آزمائشوں میں ڈالا ہے۔ پہلی آزمائش اس امر کی کہ آزاد ہو کر اپنے جانے
پر اپنی شرائط دکھاتا ہے یا نہیں کہ مالک ہی کہ مالک کے ورثہ کو اپنی وراثت پر نہ آتا ہے۔ دوسری آزمائش اس امر کی کہ اپنے
خدا پر اتنا اعتماد کرے کہ یہ یا نہیں کہ جو حقیقت بیچ نقد نہیں مل رہی ہے بلکہ خریدنے کے بعد دوسری زندگی میں اس کے ادا کرنے کا فدا کی طرف سے
وہ وہ سچاس کے عرض اپنی حق کی خود بخود ہی اور اس کے نرسے بیچ دینے پر جو خوشی و اطمینان دے جائے۔

(۲) دنیا میں جس قسمی قانون پر اسلامی سوسائٹی مبنی ہے اس کی رو سے تو ایمان میں چند عقائد کے اقرار کا نام ہے جس کے بعد
کوئی قاضی شرع کسی کے بغیر ہوسکتا ہے خدا کے عزت ہونے کا حکم نہیں لے سکتا جب تک اس امر کا کوئی حرج و مرج نہ ملے کہ وہ
اپنے اقرار میں جو نہ مانے لیکن خدا کے الٰہی ایمان مستبر ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ خیال و ارسل دونوں میں اپنی آزادی خود بخود
کو خدا کے اقرار کے ساتھ اس کے حق میں اپنے ادا کرنے کیلئے سے کبھی دست بردار ہو جائے۔ پس اگر کوئی شخص کو اسلام کا اقرار

کنا تہ اور موسم و مسرت و جزوا احکام کا بھی پابند ہو چکے ہیں اپنے جسم و جان کا ۱۰ بچے دل و دماغ صحت کی قوتوں کا اپنے مال و دروس و مسائل و ذرائع کا ۱۰ اور اپنے قبضہ و اختیار کی ساری چیزوں کا ہلک سا پتہ آپ ہی کر چکے ہیں اور ان میں اپنے حسب مشاقت کرنے کی آزادی اپنے لیے محفوظ رکھتے ہیں تو ہر مسئلہ کے دنیا میں وہ مومن سمجھا جاتا رہے مگر خدا کے ہاں یقیناً وہ غیر مومن ہی قرار پائے گا مگر کیا اس نے خدا کے ساتھ بھی کمال دوسرے سے کیا ہی نہیں جو قرآن کی دوسرے ایمان کی اصل حقیقت ہے۔ جہاں خدا کی مرضی ہو وہاں جان و مال کھانے سے روکنا اور جہاں اس کی مرضی نہ ہو وہاں جان و مال کھنا تا یہ دونوں طرز عمل ایسے ہیں جو اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ دینی ایمان نے یا قرآن و مال کو خدا کے ہاتھ میں نہیں ہے یا کھجکا کا عابدہ کر لینے کے بعد بھی وہ کچھ بڑی چیز کو بدستور اپنی نگہ رہا ہے۔

(۲) ایمان کی حقیقت اسلامی روئے زندگی اور کافرانہ روئے زندگی کو شروع سے آشوب کا نکل ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ مسلم جو صحیح معنی میں خدا پر ایمان لایا ہو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی مرضی کا تابع بن کر کام کرتا ہے دوس کے رویے میں کسی گمراہ بھی خود دینی کارنگ نہیں آئے پاتا۔ الّا یہ کہ عارضی طور پر کسی وقت اس پر غفلت طاری ہو جائے اور وہ خدا کے ساتھ اپنے عابدہ بیچ کو قبول کر کے خود غفلت ماند حرکت کر بیٹھے۔ اسی طرح جو گمراہ اہل ایمان سے مرکب ہو وہ اجتماعی طور پر بھی کوئی پالیسی کوئی سیاست کوئی طرز تمدن و تہذیب کوئی طریق معیشت و معاشرت اور کوئی بین الاقوامی روئے خدا کی مرضی اور اس کے تاؤن شرعی کی پابندی سے آزاد ہو کر غفلت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی عارضی غفلت کی بنا پر غفلت کر بھی جائے تو جس وقت اسے غفلت ہو گا وہی وقت وہ آزادی کا دریا چھوڑ کر بندگی کے دریا کی طرف پلٹ جائے گا۔ خدا سے نادم ہو کر کام کرنا اور اپنے نفس و تعلقات نفس کے ہاتھ سے خود غفلت کرنا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں ہر حال ایک کافرانہ روئے زندگی ہے خواہ اس پر چھپنے والے لوگ مسلمان کے نام سے موسوم ہوں یا غیر مسلم کے نام سے۔

(۳) اس بیچ کی دوسرے خدا کی جس مرضی کا اتباع آدمی پر لازم آتا ہے وہ آدمی کی اپنی تہذیب کردہ مرضی نہیں بلکہ وہ مرضی ہے جو خدا خود بتائے۔ اپنے آپ کسی چیز کو خدا کی مرضی ٹھہرانا اور اس کا اتباع کرنا خدا کی مرضی کا نہیں بلکہ اپنی مرضی کا اتباع ہے اور یہ عابدہ بیچ کے قطعی خلاف ہے۔ خدا کے ساتھ اپنے عابدہ بیچ پر صرف دینی شخص اور دینی گروہ قائم سمجھا جائے گا جو اپنا پورا روئے زندگی خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی ہدایت سے اندک کرنا ہو۔

یہ اس بیچ کے تغیرات ہیں اور ان کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کسی غریب و فروخت کے ساتھ میں قیمت دینی جنت کا موجودہ دنیوی زندگی کے مقابلہ پر کیوں روک لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت صرف اس مقرب کا عائد نہیں ہے کہ "ہائے نے اپنا نفس و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیا" بلکہ وہ اس عمل کا صلہ ہے کہ "بات بیچ دینی دنیوی زندگی میں اس بیچ بھاری چیز پر خود غفلت نہ صرف چھوڑ دے اور خدا کا ایمان بن کر اس کی مرضی کے مطابق تصرف کرے۔ لہذا یہ فردت کمال ہی اس وقت ہو گی جب کہ بات بیچ دنیوی زندگی ختم ہو جائے اور دینی الواقعہ ثابت ہو کر اس نے عابدہ بیچ کرنے کے بعد سے اپنی دنیوی زندگی کے آخری ٹھیک بیچ کی شرفا برداری کی کہیں۔ اس سے پہلے وہ اندرون سے خدا کی قیمت پائے گا مستحق نہیں ہو سکتا۔

ایں آدمی کو بیچ کے ساتھ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس سلسلہ ایمان میں یہ ضروری کس مناسبت سے ملتا ہے۔ اور یہ سلسلہ

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي بَايَعْتُمُوهُ وَذَلِكَ هُوَ الْقَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١﴾ التَّائِيُونَ

اپنے اس سوئے پر جو تم نے خدا سے چکایا ہے، یہی سب بڑی کامیابی ہے۔ اشد کی طرف بار بار پلٹنے والے

تو لات میں متعدد مقامات پر ہم کو یہ مضمون ملتا ہے :

”میں نے سرکھل، اعداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ماری جان اور اپنی

ماری طاقت سے خداوندنا چنے خدا سے محبت کر“ (استثنا ۶: ۴، ۵)

اور یہ کہ :

”کیا وہ تعالٰیٰ پ نہیں جس نے تم کو فرمایا ہے، اسی نے تم کو بنایا اور قیام بخشا“ (استثنا ۱۰: ۳۷-۳۸)

لیکن اس موقع ہاشمی جو جڑیاں بکھرتی ہے وہ یہ ہے کہ تم اُس ملک کے ملک ہو جاؤ گے جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے، یعنی فلسطین۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو راہ جس صورت میں اس وقت پائی جاتی ہے اولیٰ تو وہ پردی نہیں ہے، بلکہ چرو غاص کام بھی ہو بہو پیش نہیں ہے بلکہ اس میں بہت مانتیری کام خدا کے کام کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کے اندر یہ دیہی کی قومی دعائیات، ان کے نسلی تعصبات، ان کے اہام، ان کی آرزوؤں اور منافق، ان کی غلط فہمیوں اور ان کے فحشی اجتماعات کا ایک مستندہ صحرانیکہ سلسلہ جماعت میں کام اُٹھانے کے ساتھ کہ اس طرح دل لگی ہے کہ اکثر زنا مائے حاصل کام کو ان روایت سے مجبور کرنا قطعاً غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران، عاصیہ ۷۸)

۱۱۔ تائون میں ﴿تَآتِيَنَ﴾ استعمال ہوا ہے جس کا فاعل ”موجہ“ تو ہونے والے ہے۔ لیکن جس خدا کا حکم میں یہ نفاذ مستعمل کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہنا اہل ایمان کی مستقل بات میں سے ہے، اس لیے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ تو نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ توہر کرتے دہتے ہیں۔ اور وہ کہنے کے اصل فی وجہ اس نے پائینے کے ہیں، لہذا اس فطری حقیقی صراح کا ہر کہنے کے نتیجہ میں اس کا تشریحی ترجمہ ہو گیا ہے کہ وہ اشد کی طرف بار بار پلٹتے ہیں۔ مگر اگر چاہنے پر سے شعور و ادا کے ساتھ اشد غالی سے اپنے نفس مال کی بجائے معاملہ کرتا ہے، لیکن چونکہ تاہر حال کے لحاظ سے عروس ہی ہوتا ہے کہ نفس اس کا اپنا ہے اور مال اُس کا پسنا ہے، اور یہ بات کہ اس نفس مال کا کل مالک اشد تعالیٰ ہے ایک امر عروس نہیں بلکہ عین ایک مقتول ہے، اس لیے عروس کی زندگی میں بار بار ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جگر وہ ماضی خود ہر خدا کے ساتھ اپنے معاملہ کی جو قبول جانا ہے اور اس سے غفلت ہو کر کہی ہوئی غلطیوں کا طرز عمل اختیار کر دیتا ہے۔ مگر کیا حقیقی عروس کی منت یہ ہے کہ جب بھی اس کی یہ ماضی قبول اور جوتی ہے وہ وہ اپنی غفلت سے چھٹتا ہے اور اس کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ غیر شعوری طور پر وہ اپنے ہمدلی خلاف وندی کر گزرا ہے تو اسے مذمت لاحق ہوتی ہے، شرمندگی کے ساتھ اپنے خدا کی طرف پلٹتا ہے، معافی مانگتا ہے اور اپنے عہد کو پھر سے تازہ کر دیتا ہے۔ یہی بار بار کی توہر دوری و کر خدا کی طرف پلٹنا ہے، بلکہ ہمیشہ عروس کے عہد و قادری کی راہ پر اس آج بھی ایمان لے وہام و ثبات کا خاص ہے۔ وہ خدا ان جن بشری کز رویوں کے ساتھ پہنچا گیا ہے، جان کی مرز و گریز بات اس کے عین میں نہیں ہے کہ نہ کہ آواز ایک دفعہ نہ ہو۔ لہٰذا وہی کے عہد میں یہاں شوری

الْعَبِيدُ وَالْحَمْدُ وَالسَّامِعُونَ الرَّكْعُونَ السَّامِعُونَ الْأَمْرُ وَالْ
بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ

اُس کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گُن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، ہدی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے، (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے غریب و فروخت کا

حالت میں وہ اس بیچ کے قحطیوں کو چاروں طرف سے اور کسی وقت بھی غفلت و نسیان اس پر بھاری نہ ہونے پائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ مومن کی ترغیبات میں یہ جیس فرماتا کہ وہ بندگی کی راہ پر ناکہ کبھی اس سے پھلتی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تعاقب صحیح صحت پر قرار دیتا ہے کہ وہ پھل پھل کر بار بار اسی راہ کی طرف آتا ہے، اور یہی وہ جیس ہے جیسی خیریت ہے جس پر انسان قادر ہے۔

پھر اس موقع پر مومنین کی صفات میں سے پہلے قرۃ کا ذکر کرنے کی ایک اور مصلحت بھی ہے۔ وہ یہ ہے جو مسئلہ کلام چار آیتا ہے۔
اس میں وہ سب سن اُن لوگوں کی طرف سے ایمان کے حنائی اذلال کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا ان کو ایمان کی حقیقت احساس کا بڑا دلی متمسک
بنانے کے بعد اب یہ یقین جاری ہے کہ ایمان لانے والوں میں لازمی طور پر جو صفات ہونی چاہئیں ان میں سے تعین صفت یہ ہے کہ
جب بھی ان کا تہمیدوار بندگی سے پہل جائے وہ فوراً اس کی طرف پلٹ آئیں، نہ کہ اپنے انحراف پر ہمہ گیر اعد زیادہ دیر نہ نکلتے
چلے جائیں۔

۱۹۹۰ میں غلامیہ لٹون استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصائمون (روزہ رکھنے والے) کے لیے کی ہے۔

لیکن سیاحت کے معنی مفاد، گمانی مافی ہیں۔ اصل نعت میں اس کے معنی نہیں ہیں۔ اور جس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس فن کے معنی ارشاد فرمائے ہیں، اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس فن کو اصل معنی میں ہی سمجھنا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ پھر جس طرح قرآن میں بکثرت مواقع پر مطلقاً اتفاق کا اظہار استعمال ہوا ہے جس کے معنی فرج کرنے کے ہیں اور اس سے راہ خلاص فرج کرنا ہے، اسی طرح یہاں بھی سیاحت سے مراد معنی گھومنا پھرنا نہیں ہے، بلکہ ایسے مقاصد کے لیے ہیں جس میں نقل و حرکت کرنا ہے جو پاک اور بلند ہوں اور جن میں شکر کی رضا مطلوب ہو۔ مثلاً اقامت دین کے لیے جہاد، کفر زدہ علاقوں سے ہجرت، دعوت دین، اصلاح خلق، طلب علم، صلح، شاپہ آمانائی، اور تلاش رزق معال۔ اس صفت کو یہاں متن کی صفات میں خاص طور پر اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود جہاد کی ہمارے گھروں سے تیار نہ تھے تھے ان کو یہ اتنا ضرور ہے کہ حقیقی نرسن ایمان کا دعویٰ کر کے اپنی جگہوں سے مینا انیس رہ جاتا بلکہ وہ خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد اس کا پرلانا لکھنے کیلئے اتنا کھڑے رہے کہ اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے دنیا میں دھڑ دھوپ اور سی و جد کہ بھرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قاری جمہات، اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، سیاست و عدالت اور صلح جنگ کے مسائل میں

وَيُثِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ
يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۲۲﴾ وَمَا كَانَ

یہ معاملہ طے کرتے ہیں، اور اسے نبی مان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔

نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زربا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں،
چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ ابراہیمؑ

جو حدیث مقرر کی ہیں وہ ان کو پوری پابندی کے ساتھ ٹھہرا رکھتے ہیں، اپنے انفرادی و اجتماعی عمل کو اپنی حدود کے اندر محدود رکھتے
ہیں، اور کہیں ان سے تجاوز کر کے نہ تو سن، مانی کارروائیاں کرنے لگتے ہیں اور نہ خدائی قوانین کے ہمارے خود ساختہ قوانین یا انسانی
ساخت کے دوسرے قوانین کو اپنی زندگی کا ضابطہ بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ خدا کے حدود کی مخالفت میں یہ منہم ہر قسمی مثال ہے
کہ ان حدود کو قائم کیا جائے اور انہیں ڈٹنے نہ دیا جائے۔ لہذا سچے الی ایمان کی تعریف صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خود حدود اللہ
کی پابندی کرتے ہیں بلکہ مزید اس کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں،
ان کی کھالی کرتے ہیں اور اپنا چھانڈا اس میں لگا دیتے ہیں کہ یہ حدیں ڈٹنے نہ پائیں۔

اللہ کی شخص کے لیے معافی کی درخواست لازماً یہ معنی رکھتی ہے کہ قبل تو ہم اس کے ساتھ ہمدردی و محبت رکھتے ہیں،
دوسرے یہ کہ ہم اس کے تصور کو قابل معافی سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اس شخص کے معاملہ میں تو درست ہیں جو وہ فادوں کے منہ
میں مثال ہر اور صرف گناہ گار ہو۔ لیکن جو شخص کھلا جہا جہی ہو اس کے ساتھ ہمدردی و محبت رکھنا اللہ اس کے جرم کو قابل معافی سمجھنا
نہ صرف یہ کہ نہ صرف خطا ہے بلکہ اس سے خود تادی و تنبی و عقاباری مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر ہم محض اس بنا پر کہ وہ ہمارا رشتہ دار ہے
یہ چاہیں کہ اسے معاف کر دیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک رشتہ داری کا تعلق خدائی و فاداری کے حقیقیات کی
ہر نسبت زیادہ قیمتی ہے، اور یہ کہ خدا اللہ اس کے دین کے ساتھ ہماری محبت ہے، وگ نہیں ہے، اور یہ کہ ہر لاگ ہم نے خدا کے باخیر
کے ساتھ لگا رکھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ خدا خود بھی اسی لاگ کو قبول کرے اور ہمارے رشتہ دار کو تو خود بخود دے فراہم اسی جرم کا عطا
کرنے والے دوسرے جرموں کو جن میں جبر و کج ہے۔ یہ تمام باتیں غلط ہیں، انسانی حدود و فاداری کے خلاف ہیں اور اس ایمان کے
ممانی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ خدا اللہ اس کے دین کے ساتھ ہماری محبت بالکل بے لاگ ہو، خدا کو دست ہمارا دست ہمارا اس کا دشمن
ہو اور اس اسی بنیاد پر خدائی نے زمینیں فرمایا کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کر دو۔ بلکہ یوں فرمایا ہے کہ تم خدا سے لیے یہ زیارتیں
کو تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کر دو یعنی ہمارے منع کرنے سے اگر تم ہاتھ نہ دیکھو بات نہیں، تم میں تو خود و فاداری کی کس اتنی تیز

اسْتَغْفَارُ لِأَبْنِهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ لِأَبْنِهِمْ لَكَاوًا حَلِيمًا

اپنے باپ کے لیے جو دعائے مغفرت کی تھی وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے
باپ سے کیا تھا، اگر جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار
ہو گیا، حتیٰ یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑا رقیق القلب و خفا ترس اور بدو بار آدمی تھا۔

ہونی چاہیے کہ بڑا ہانا باغی ہے اس کے ساتھ ہمدردی رکھنا اور اس کے جرم کو قابلِ معافی سمجھنا تم کو اپنے لیے نازیبا محسوس ہو۔

یہاں اتنا اور کچھ فرمایا ہے کہ خدا کے باخبروں کے ساتھ جو ہمدردی متورع ہے وہ صرف وہ ہمدردی ہے جو دین کے سلسلہ
میں داخل و خارج ہوتی ہو۔ یہی انسانی ہمدردی اور انسانی تعلقات میں سلسلہ بھی، مہمساۃ، اور دست و شلقت کا برتاؤ، تو یہ موعود میں ہے
بلکہ محدود ہے۔ دشتہ دار خواہ کافر ہو یا مومن، اس کے دشمنی حقوق مظلوم، اکیسے جانیں، گمے، مصیبت زدہ انسان کی بہر حال مدد کی جائے گی۔
صاحبِ مصلحت کی کہ ہر صورت سہارا دیا جائے گا۔ یہاں اور بھی کئی مصلحت ہمدردی میں کوئی گمراہی اندر رکھ جائے گی کہ تمہیں کس پر بیعت
شلقت کا ہاتھ دکھا جائے گا۔ ایسے معاملات میں ہرگز یہ امتیاز نہ کیا جائے گا کہ کون کون سے ہو، روکن غیر مسلم۔

۱۱۳ اشادہ ہے اس بات کی طوط، اپنے مشرک باپ سے تعلقات منقطع کرتے ہوئے حسرت ابراہیمؑ نے بھی تھی کہ
سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ ذَنْبِي إِنَّكَ تَكُنْ مِنْ حَمِيكُمَا (مریم - ۳) آپ کو سلام ہے میں آپ کے لیے اپنے رب سے
دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے، وہ میرے اوپر نہایت مہربان ہے۔ اور لَا سَتُغْفِرُ لَكَ ذَنْبًا وَمَا أَمْلَكُ لَكَ مِنْ دَلِيلٍ
مِنْ رَبِّي (الممتحنہ - ۱۷) میں آپ کے لیے صافی مظلوم ہوں گا، اور میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے کہ آپ کو خدا کی کچھ سے بچا
لوں، چنانچہ اسی وعدے کی بنا پر انجناب نے اپنے باپ کے لیے یہ دعا مانگی تھی کہ: وَاعْظِرْ لَكَ ذَنْبًا إِنَّكَ تَكُنْ مِنْ حَمِيكُمَا
وَلَا تُغْفِرُ لَكَ ذَنْبًا يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَشْجَارُ يَوْمَ لَا يُنْقَمُ مَالٌ وَلَا نَفْسٌ ۚ يَوْمَ لَا يَمْنَعُ الْغَنَى ۚ يَوْمَ لَا يَكْفُرُ لَكُمْ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ شَيْئًا ۚ يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ كُنُوزُهُمْ أَكْثَرُ مَا كَسَبُوا وَلَا يُمْسِكُهُمْ أَصْلَابُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ أَوْلَاؤُهُمْ ۚ كُلٌّ فِي أَعْيُنِنَا ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ كُنُوزُهُمْ وَلَا يُمْسِكُهُمْ أَصْلَابُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ أَوْلَاؤُهُمْ ۚ كُلٌّ فِي أَعْيُنِنَا ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ كُنُوزُهُمْ وَلَا يُمْسِكُهُمْ أَصْلَابُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ أَوْلَاؤُهُمْ ۚ كُلٌّ فِي أَعْيُنِنَا ۚ

۱۱۴ تہذیب اقاوا اور حلیم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اقاوا کے معنی بہت آہیں بھرنے والا، لڑائی کرنے
والا، ٹھنڈے والا، حسرت کرنے والا۔ اور حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مزاج پر قابو رکھتا ہو، نہ سختے اور نہ نرمی اور مخالفت میں لپکتے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمَ مَا
يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ مُجِيٌّ وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۶﴾

اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا کرے جب تک کہ
انہیں صاف صاف بتانہ دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا چاہیے۔ درحقیقت اللہ ہر چیز کا علم رکھتا
ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ ہی کے قبضہ میں آسمان و زمین کی سلطنت ہے، اسی کے اختیار میں
زندگی و موت ہے، اور تمہارا کوئی حامی و مددگار ایسا نہیں ہے جو تمہیں اس سے بچا سکے۔

باجہر، دھت اور دھت اور قلیل خاطر میں حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ یہ دونوں نقصان منہم پر وہ برے معنی دے رہے ہیں۔
حضرت ہر اہم نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی کہ اگر وہ نہایت رقیب القلب آدمی تھے، اس خیال سے کہ اپنے اٹھے تھے کہ
میرا یہ باپ جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ اور حلیم تھے، اس ظلم و ستم کے باوجود جو ان کے باپ نے مقام سے ان کو روکنے کے لیے
ان پر ڈھایا تھا، ان کی زبان اس کے حق میں دعائی کے لیے کھلی پھر انھوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کا باپ خدا کا دشمن ہے اس سے متنبی
کی کہ اگر وہ خدا سے ڈرنے والے انسان تھے اور کسی کی محبت میں حد سے تجاوز کر کے مارے نہ تھے۔

﴿۱۷﴾ یعنی اللہ اپنے لیے بتا دیتا ہے کہ لوگوں کو کن خیالات، کن اعمال اور کن طریقوں سے بچنا چاہیے۔ پھر جب وہ انہیں
آتے اور غلط فکری و غلط کاری ہی پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی ہدایت و رہنمائی سے اکتفا کھینچتا ہے اور اُنہیں
غلط راہ پر انھیں دھکیل دیتا ہے جس پر وہ خود جانا چاہتے ہیں۔

یہ ارشاد ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے جس سے قرآن مجید کے تمام مقامات اہمی طرح سمجھے جاسکتے ہیں یہاں ہدایت
دینے اور گمراہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ضابطہ بنایا ہے۔ خدا کا ہدایت دینا یہ ہے کہ وہ صحیح طریق فکر و عمل اپنے انبیاء و راسخین کتابوں کے
ذہن سے لوگوں کے سامنے واضح طور پر پیش کر دیتا ہے، پھر جو لوگ اس طریقے پر خود چلنے کے لیے آمادہ ہوں انہیں اسی کی توفیق بخشتا
ہے۔ اور خدا کا گمراہی میں ڈالنا یہ ہے کہ جو صحیح طریق فکر و عمل اس نے بتا دیا ہے اگر اس کے خلاف چلنے ہی پر کوئی اصرار کرے اور
میدان چلتا چلا جائے تو خدا اس کو زبردستی و سستہ میں اذیت و رنج نہیں بنانا بلکہ مدد و خود جانا چاہتا ہے، اسی طرف اس کو
چلنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

اس خاص مسئلہ کا نام میں یہ بات جس مناسبت سے بیان ہوئی ہے وہ کچھلی تقریر، بعد کی تقریر پر غور کرنے سے ہامانی
کھینچا جاسکتی ہے۔ یہ ایک طرح کی تنبیہ ہے جو نہایت نوزدوں طریقہ سے کچھلے بیان کا غائیہ قرار پاسکتی ہے اور اگر جہر بیان

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ
فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فِرْعَوْنَ مِنْهُمْ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ
خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا
ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کچی کی طرف مائل ہو چلے تھے، (مگر جب انہوں نے
اس کچی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ ہی دیا تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ بے شک اُس کا معاملہ
ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔ اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو
ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں
آ رہا ہے اس کی تہید بھی۔

۱۱۵ یعنی مزید ترک کے سلسلہ میں جو چھوٹی چھوٹی فتنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ہوئیں ان
سب کو اللہ نے ان کی اپنی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فتنہ ہوئی تھی اس کا ذکر ساتویں
دکوع کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ یعنی یہ کہ جن لوگوں نے استطاعت رکھنے کے باوجود جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگی تھی
ان کو آپ نے اجازت دے دی تھی۔

۱۱۶ یعنی بعض شخص صحابہ بھی اس سخت وقت میں جنگ پر جانے سے کچھ دیکھی حد تک ہی جرات لگے تھے، مگر چونکہ ان کے
دلوں میں ایمان تھا اور وہ کچھ دل سے دین حق کے ساتھ جہت رکھتے تھے اس لیے آخر کار وہ اپنی اس کمزوری پر غائب ہو گئے۔

۱۱۷ یعنی اب اللہ اس بات پر اس سے مٹاؤ نہ کرے گا کہ ان کے دلوں میں کچی کی طرف یہ میلان کیوں پیدا ہوا تھا۔
اس لیے کہ اللہ اس کمزوری پر گرفت نہیں کرتا جس کی انسان نے خود اصلاح کر لی ہو۔

۱۱۸ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ترک کے مزید دلائل پیش فرماتے تو وہ لوگ معذرت کہنے کے لیے حاضر ہوئے جو پیچھے
لہ جھٹے تھے۔ ان میں ۸۰ سے کچھ زیادہ منافق تھے اور کچھ مومن بھی تھے۔ منافقین جو اللہ نے معذرت پیش کرتے گئے اور ضرر ان کا
معذرت قبول کرتے چلے گئے۔ پھر ان تینوں بزمینوں کی باری آئی اور انہوں نے معاف صاف اپنے تصور کا احترام کر لیا۔ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان تینوں کے معاملہ میں فیصلہ کر ملتوی کر دیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تک خدا کا حکم نہ آئے ان سے

عَلَيْكُمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٨﴾

۱۲
۱۳

جی ان پر بارہونے لگیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جگہ نہ پناہ خود انہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پشیمان کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا مہربان کرنے والا اور رحیم ہے۔ ۱۸

کسی قسم کا مشرقی تعلق نہ دکھا جائے۔ اسی سال کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ (یہاں یہ بات پیش نظر ہے کہ ان تین اصحاب کا سامان سات اصحاب سے مختلف ہے جن کا ذکر حاشیہ ۱۱ میں کر دیا ہے۔ انہوں نے باز پرس سے پہلے ہی خود اپنے آپ کو سزا سے لی تھی)

۱۹ یہ تینوں صاحب کعب بن مالک بن نوید اور حرار بن نضیر تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں تینوں بچے رہے تھے۔ اس سے پہلے اپنے اہل گھر کا بار بار توبہ سے بچتے تھے۔ قرآن ان کو بچے تھے۔ آخر اللہ کا صاحب توبہ ہر کے شرکاء میں سے تھے جن کی عداوت ایسا ہی شریعت سے بالاتر تھی۔ اہل اللہ کے نزدیک اگرچہ بدی نہ تھے لیکن ہر کے سوا ہر دوسری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ان عداوت کے باوجود مسیحی اس نازک موقع پر جبکہ تمام کابل جنگ اہل ایمان کو جنگ کے لیے بلاتے تھے حکم دیا گیا تھا ان حضرات نے دیکھا تو اس پر سخت گرفت کی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے واپس تشریف لاکر مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی ان سے سلام کا بند نہ کرے۔ ۱۰ دن کے بعد ان کی بیروں کو بھی ان سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فی الواقع مٹنے کی سبقت میں ان کا وہی حال ہو گیا تھا جس کی تصویر اس آیت میں کھینچی گئی ہے۔ آخر کار جب ان کے مقابلہ کو ۵۰ دن ہو گئے تب حلفی کا یہ حکم نازل ہوا۔

ان تینوں صاحبوں میں سے حضرت کعب بن مالک نے اپنا تفریق تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو غایت درجہ سہجہ و سادہ ہے۔ اپنے بڑے صاحب کے نام میں جبکہ دوسرے کے ساتھ ساتھ ہے جو ان کا اہل بڑا کر انہیں بتلایا کرتے تھے، یہ قسم خود بیان کیا:

مخبرہ جو کہ کی تیار کی کہ نام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مسلمانوں سے حرکت جنگ کی اہل کرتے تھے میں اپنے دل میں ارادہ کر لیتا تھا کہ جنگ کی تیار کر دوں گا مگر ہر وہاں پر مسیحی کر گیا تھا اور کہا تھا کہ ابھی کیا ہے جب پلنے کا وقت آئے گا تو تیار رہتے کیا رہتے تھے۔ اسی طرح بات لکھی رہی میں اب تک کہ جنگ کی دعا کی کا وقت آ گیا اور میں تیار رہتا میں نے دل میں کہا کہ کٹ کر چلے دو، میں ایک دو روز بعد راستہ میں اس سے جا ملوں گا۔ مگر وہی مسیحی مانع ہوئی حتیٰ کہ وقت نکل گیا۔

اس زمانہ میں جبکہ میں مدینہ میں رہ رہا ہوں یہ دیکھ کر دیکھ کر افسوس تھا کہ میں پہلے ہی لوگوں کے ساتھ رہ گیا ہوں وہ باقری مانتے ہیں یا وہ ضعیف اور مجبور لوگ جن کو اللہ نے معذور رکھا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سے واپس تشریف لائے تو حسب معمول آپ نے پہلے مسجد اکبرہ کو درگاہ نماز پڑھی، پھر لوگوں سے حفاظت کے لیے بیٹھے۔ اس مجلس میں منافقین نے آپ کو اپنے مفادات ملی جوڑی قسموں کے ساتھ پہنچانے شروع کیے یہ ۸۰ سے زیادہ آدمی تھے۔ حضور نے ان میں سے ایک ایک کی بناوٹی باتیں سنیں۔ ان کے ظاہری مفادات کو قبول کر لیا، لیکن باطن کو خدا پر چھوڑ کر فریاد اٹھیں صاف کہہ دیں۔ پھر میری باری آئی میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ”تشریف لائیے“ آپ کو کس چیز نے روکا تھا آپ نے عرض کیا: خدا کی قسم اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کے سامنے جاؤں ہوا پرنا تو ضرور کوئی مذکور کوئی بات بنا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا، باتیں بناتی تو مجھے بھی آتی ہیں، مگر آپ کے متعلق میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی بھی مجھ کو مدعو کرے کہ میں نے آپ کو راضی کر بھی دیا تو اللہ فرمادے گا کہ میں نے آپ کو راضی کر دیا ہے۔ اب اگر سچ کہوں تو چاہے آپ ناراض ہی کیوں نہ ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لیے معافی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی غلط نہیں ہے جسے پیش کر سکوں میں جانتے پہنچتے ہی طرح یاد کرتا تھا: ”اس پر حضور نے فرمایا یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔“ اچھا، اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو کہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ میں کوئی فیصلہ کرے۔ میں اللہ اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔ یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے بہت طاقت کی کہ تو نے کوئی غلطیوں نہ کر دیا۔ یہ باتیں سن کر میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہوئے لگا کہ پھر حاضر ہو کر کوئی بات بنا دوں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور صالح آدمیوں (امراء بن مسیح اور ہلال بن اسد) نے بھی میری بات کہی ہے جو میں نے کہی تھی، تو مجھے تسکین ہو گئی اور میں اپنی سچائی پر حار ہوا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کہے۔ وہ دونوں تو گھر بیٹھ گئے مگر میں اللہ تعالیٰ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا ہزاروں میں چلتا پھرتا تھا اور کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرزمین باطل بدل گئی ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں اور اس بستی میں کوئی بھی میری ہوا وفاق نہ کرے۔ یہاں نماز کے لیے جانا تو حسب معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا، مگر میں انتظار ہی کرتا تھا کہ جو اللہ کے لیے آپ کے ہوش و نبش کوں۔ نماز میں نظروں چرا کر حضور کو دیکھتا تھا کہ آپ کی صفائیں مجھ پر کبھی پڑتی ہیں۔ مگر وہاں حالی یہ تھا کہ جب تک میں نماز پڑھتا تھا آپ میری طرف دیکھتے رہتے اور جہاں میں نے سلام کیا پھر اگر آپ نے میری طرف سے نظر پڑائی۔ ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچا زاد بھائی ابو جحش کے یاد اور نشانہ کے پاس گیا اور ان کے ہاتھ کی دیو پر چڑھ کر انہیں سلام کیا۔ مگر اس اللہ کے بندے نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا ”یوقتاہ“ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا؟ وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب میں نے تم سے کہی سوال کیا تو انہوں نے میں نے اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے اس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اللہ میں دیر سے اترا آیا۔ انہی دنوں ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کے ظہور میں ایک شخص مجھے ملا اور اس نے شاہ خٹان کا خطا میری پٹا ہوا مجھے دیا میں نے کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے، تم کوئی ذلیل آدمی نہیں جو اس لائق ہو کہ تمہیں ضائع کیا جائے، ہمارے پاس آ جاؤ ہم

تھادی تذکر میں تھے۔ میں نے کہا یہ ایک اور جانا نزل ہوئی، اسی وقت اس غلطی سے مجھے میں بھونک دیا۔

جائیں دن اس حالت پر گزر چکے تھے کہ نئی صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی حکم لے کر آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کیا حلاق دے دوں؟ جواب ملا نہیں، بس تنگ رہو چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے بچے چلی جاؤ اور اسکار کرو یہاں تک کہ اللہ اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔

پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ ایک کس شخص نے پکار کر کہا "مہارک ہو کسب ان ملک" میں یہ سنتے ہی سمجھے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ میری صافی کا حکم ہو گیا ہے۔ پھر توفیع در فوج لوگ بھاگے چلے آئے تھے اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مار مار مار دے دیا تھا کہ تیری تو قبول ہو گئی۔ میں، اللہ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ میں نے سلام کا تو فرمایا "تجھے بلکہ ہوں؟ دن تیری زندگی میں مجھے بہتر ہے" میں نے پوچھا یہ صافی حضور کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟ فرمایا خدا کی طرف سے، اللہ آیات سنائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری تو بہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سامان خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ فرمایا کچھ رہتے دو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے اس ارشاد کے مطابق اپنا خیر کا حصہ رکھ لیا، باقی سب صدقہ کر دیا۔ پھر میں نے خطا سے عذر کیا کہ جس راسخ گفتاری کے سلسلے میں اللہ نے مجھے صافی دی ہے اس پر تمام عمر قائم رہوں گا چنانچہ کچھ دن تک میں نے کوئی بات جان بوجھ کر خلاف افواہ نہیں کہی اللہ خدا سے عذر رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے اس سے پہلے گا؟

یہ قصہ اپنے اندر بہت سے بہت رکھتا ہے جو ہر کون کے دل نشین ہونے چاہئیں:

میں نے پہلی بات قرآن مجید میں مذکور ہے کہ وہ اسلام کی کشمکش کا معاملہ تھا تاہم اور کتنا آؤ کہ ہے کہ اس کشمکش میں کڑو کا ساتھ دینا تو درکنار جو شخص اسلام کا ساتھ دینے میں بدعتی سے کبھی نہیں نیکو سنتی سے تمام عمر بھی نہیں کسی ایک مرتبہ ہی پکڑ لیا جیت جاتا ہے اس کی زندگی بھر کی عبادت رائیاں اور نیکواریاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں، حتیٰ کہ ایسے عالی قدر لوگ بھی گرفت سے نہیں بچتے جو بدو و اعداء اور اہل احزاب و جنین کے سخت محروکوں میں جانا نازی کے جوہر دکھا چکے تھے اور جن کا انعام و ایمان ذرا بھی مشتبہ نہ تھا۔

دوسری بات، جس سے کچھ کم اہم نہیں یہ ہے کہ دائے فریق میں قبائلی کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ رسالت کا حق قبائل ہی قبائل میں آدمی کسی ایسے قصور کا مرتکب ہو جاتا ہے جن کا تباہی گن ہوں میں جیتا ہے، اللہ اس وقت ہر بات اسے بکڑ سے نہیں بچا سکتی کہ اس نے اس قصور کا اہکاب بدعتی سے نہیں کیا تھا۔

پھر یہ قصہ اس سرسائی کی شمع کو بڑی غریبی کے ساتھ ہمارے سامنے بے غلبہ کرتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تھی، ایک طرف منافقین میں جن کی فداویاں سب پر دکھارا ہیں، مگر ان کے ظاہری مذہب نے لے جاتے ہیں اور دوسری طرف ہے کہ ان کے اندر کچھ گمان سے غرض کی امید ہی کب تکی کہ اب اس کے عدم کی شکایت کی جاتی۔ دوسری طرف ایک آزمودہ کار کو میں ہے جس کی ہاں نشانہ پر شہرہ تک کی گنجائش نہیں، اور وہ چھوٹی باتیں بھی نہیں بنانا، صاف صاف قصور کا اعتراف کرتا ہے، مگر اس غصہ کی بادشہ برسادی جاتی ہے، اس بنا پر کہ اس کے کون سے نہیں کوئی شہرہ ہو گیا ہے بلکہ اس بنا پر کہ اس نے

وہ کام کیں کیا جو منافقوں کے کرنے کا محتاط طلب یہ تھا کہ زمین کے ملک تو تم ہو، تم سے بھی اگر لکھنی حاصل نہ ہو تو پھر لوگوں
 کہاں سے آئے گا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس مہارے قنبر میں یلڈ جس شان سے مزا دیتا ہے اور ہر جس شان سے اس مزا کو جنت جا
 اور ہر ہی جماعت جس شان سے اس مزا کا نذر کرتی ہے اس کا ہر پہلو نے نظیر ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کسی کی زیادہ
 قربت کی جائے۔ لہذا نہایت صحت مزا سے رہا ہے کہ غصے اور نفرت کے ساتھ نہیں، مگر یہ جنت کے ساتھ دے رہا ہے۔ باپ
 کی طرح خط بارگاہ میں ایک گوشہ ہر وقت، ہر دے رہا ہے کہ جنت سے دشمنی نہیں ہے بلکہ تیرے قصور پر تیری ہی غافری دیکھا
 تو صحت ہو جائے تو یہ سینہ بچنے بچانے کے لیے ہے چمن ہے۔ پیر و مزا کی سختی پر تپ رہا ہے مگر صوفی نہیں کہ اس کا قدم
 مادہ اطاعت سے ایک ٹکڑے کے بھی نہیں ڈگتا، اور صوفی نہیں کہ اس پر دوزخ و جنت اور حیرت و جاہلیہ کا کوئی وعدہ نہیں پڑتا
 اور طمانیہ انگہ مارا کرتا تو دکان دہ دل میں اپنے محبوب لیلہ کے خط کوئی شکایت تک نہیں آئے دیتا بلکہ اس کے ہر کس وہ
 یلڈ کی جنت میں اور زیادہ مشرار ہو گیا ہے۔ سزا کے ان پورے پیاس دوزخ میں اس کی نظریں سبک زیادہ بے تاب کی کے ساتھ
 جس چیز کی کشش میں رہیں وہ بھی کمر و لکڑی آکھوں میں وہ گوشہ اشقات اس کے لیے باقی ہے یا نہیں جہاں اس کی امیدوں کا آخری
 سہارا ہے۔ گویا وہ ایک قلعہ زدہ کسان تھا جس کا سارا سرمایہ امیدیں ایک دھماکا لگا کر ابر سے تاج و تاج کے کنارے نظر آتا تھا پھر
 جماعت کو دیکھے تو اس کے ڈھیلے اور اس کی صالح اخلاقی اس پر آشوبش پر آشوبش کر جاتا ہے۔ ڈھیلے کی حال کو دھر یلڈ کی
 زمان سے بانیات کا حکم صلا دھر ہر جماعت نے جہرم سے نکالیں پھیلے۔ جلوت تو دکان رفعت تک میں کوئی قرب سے
 قریب رشتہ دار اور کوئی گھر سے گرا دوست بھی اس سے بات نہیں کرتا یہی ایک ساس سے الگ ہو جاتی ہے۔ خدا کا واسطہ
 دے کہ کچھ جتنا ہے کہ میرے غلوں میں تو تم کو جہر نہیں ہے، مگر وہ لوگ بھی وحدت امر سے اس کو غصے جانتے تھے، صاف
 کہ دیتے ہیں کہ ہم سے نہیں، خدا اور اس کے رسول سے اپنے غلوں کی سند حاصل کرو۔ دوسری طرف اخلاقی اس پر آشوبش اتنی بلند
 پاکیزہ کہ ایک شخص کو چھی ہدی گمان اتنے ہی مرد اور غلوں کا کوئی نگہ اس کا گوشت روچنے اور اسے پھاڑ کھانے کے لیے
 نہیں پکڑا بلکہ اس پر سب زنا و عذاب میں جماعت کا ایک ایک فرد اپنے اس متروک بہائی کی مصیبت پر رنجیدہ اور اس کو پھر سے
 اشکار کئے گئے گئے کے لیے ہے تاب رہا ہے اور صافی کا اعلان ہوتے ہی لوگ دوڑ پڑتے ہیں کہ جلدی سے جلدی پہنچ کر اس سے
 میں اور اسے خوشخبری پہنچائیں۔ یہ نمونہ ہے کس صالح جماعت کا جسے قرآن دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس میں منظر یہ جب ہم آیت لایہ و جنت کہ دیکھتے ہیں تو ہم پر یہ بات خارج ہو جاتی ہے کہ ان صاحبوں کو اللہ کے دہار
 جو صافی ملی ہے اور اس صافی کے انظار بیان میں جو رحمت و شفقت چمکی پڑ رہی ہے اس کی وجہ ان کا وہ اخلاص ہے جس کا ثبوت
 انہوں نے پیاس دن کی سخت سزا کے دوران میں دیا تھا۔ اگر قصور کہ کہہ لیتے اور اپنے یلڈ کی ناراضی کا جواب غصے اور
 حاد سے دیتے اور سزا سننے پر اس طرح پھرتے جس طرح کسی خود پرست انسان کا خود نفس زخم کھا کر کھڑا ہے، اور متواضع کے
 دوران میں ان کا طرز عمل یہ تھا کہ ہمیں جماعت سے کٹ جانا ناگوار ہے مگر اپنی خودی کے ٹپ پر چوٹ کھانا ناگوار نہیں ہے، اور اگر وہ
 سزا کا لہذا زیادہ اس دوڑ و صوب میں گزارنے کے جماعت کے اندر وہ دل چیلانیں اور وہ دل وگوں کو دھونڈ دھونڈ کر اپنے ساتھ
 نہیں تاکہ ایک سختی تیار ہو تو صافی گئی، انہیں تو باقی جماعت سے کاشہ پھینکا جاتا اور اس سزا کے بعد ان کی اپنی منہ مانگی سزا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۸۱﴾ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا فُتْرَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ نِيلًا إِلَّا لَكَيْبٌ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور مجھے لوگوں کا ساتھ دو۔ سہنے کے باشندوں اور گرد و نواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیارت نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے اور اس کی طرف سے بے پروا ہو کر اپنے اپنے نفس کی فکریں لگ جاتے۔ اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہو گا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں، اور منکبین حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں، اور کسی دشمن سے (عداوت حق کا) کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے

ان کو یہ وی جانی کہ باوجود اپنی غری کے بُت ہی کر رہتے رہو، ملاحظہ الحق کی ہمدرد میں حصہ لینے کی سادت بہ تمام غیب میں کمی نہ ملے گی لیکن ان تینوں صاحبوں نے اس کڑی آزمائش کے موقع پر یہ دستہ اختیار نہیں کیا، اگرچہ یہ بھی ان کے لیے کھلا ہوا تھا اس کے برعکس انہوں نے وہ دوش اختیار کیا جو ابھی آپ دیکھ آئے ہیں وہ اس دوش کو اختیار کر کے انہوں نے ثابت کر دیا کہ خدا پرستی نے ان کے سینے میں کوئی بت باقی نہیں چھوڑا ہے جسے وہ پرہیز و اہل اپنی ہمدردی طبیعت کو انہوں نے وہ خدا کی ہمدرد میں جھونک دیا ہے اور وہ اپنی واپسی کی کشتیاں اس طرح جلا کر اسلامی جماعت میں آئے ہیں کہ اب یہاں سے پٹ کر کہیں اور نہیں جاسکتے یہاں کی ضروری کمائیں کے گریس مریں گے اور کہیں گے۔ کسی دوسری جگہ جڑی سے جڑی قوت بھی ملتی ہو تو یہاں کی دلت چھوڑ کر اسے لینے نہ جائیں گے اس کے بعد انہیں، خاک سینے سے لے لیا جانا تو بعد کیا جہنم تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مافیہ کا ذکر ایسے شفقت بھرے لافانوں میں فرماتا ہے کہ ہم ان کی طرف پہنچے تاکہ وہ ہماری طرف پٹ نہ لائیں، ان چند نظروں میں اس بات کی تعمیری کھینچ دی گئی ہے کہ آٹانے پہلے تو ان بندوں سے نظر پھری تھی، مگر جب وہ جگہ نہیں جگہ دل غلستہ ہو کر کسی کے در پر بیٹھ گئے تو ان کی شان و فاداری دیکھ کر آٹانے سے خود نہ رہ گیا۔ جوشِ محبت سے بے قرار ہو کر وہ آپ علی آیا تاکہ انہیں سدائے سے اٹھا لائے۔

لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْحَسَنِينَ ﴿۱۳۰﴾
وَلَا يُلْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ
وَلَدِيًّا إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن
كُلِّ فِرْقَةٍ فَرِيقَةٌ ۖ فَهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲

حق میں ایک عمل صالح نہ کھا جائے۔ یقیناً اللہ کے اس عمنوں کو حق النہایت مامور نہیں جاتا ہے۔
اسی طرح یہ بھی کہیں نہ ہوگا کہ اگر اہل ایمان اتھوٹا یا بہت کوئی خرچ وہ اٹھائیں اسلامی جہاد میں کوئی دیر
وہ ہاں کریں ایمان کے حق میں اسے کھنڈ لیا جائے تاکہ اہل ایمان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں
عطا کرے۔

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی محل کھنڈ ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوگا کہ
ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے
کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ روش سے پرہیز کرتے۔

ﷺ اس آیت کا منشا سمجھنے کے لیے رکوع ۱۲ کی آیت پیش نظر رکھنی چاہیے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:
”ہمدی عرب کفوف لفق من ذیادہ تحت ہی الامان کے معاملہ میں اس امر کے مصلحت نہ پادھیں کہ اس دین کی حدود سے نکلتا
رہیں چاہتے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔“

وہاں صرف اتنی بات بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا تھا کہ دارالاسلام کی حیاتی آبادی کا بیشتر حصہ مرضی تقاضا میں اس وجہ سے
منتقل ہے کہ یہ سارے کے سارے لوگ نہایت میں چلے جاتے ہیں، علم کے مرکز سے وابستہ نہ ہونے اور اہل علم کی بہت سی سوانح
کی وجہ سے اکثر کے لئے کی حدود ان کو موقوف نہیں ہیں۔ یہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہاں آبادی کو اس حالت میں نہ ہٹانے دینے دیا جائے
بلکہ ان کی جہالت کو دور کرنے ایمان کے اندر شعور اسلامی پیدا کرنے کا اب باقاعدہ انتظام ہونا چاہیے۔ اس فرض کے لیے یہ کچھ

ضروری نہیں ہے کہ تمام دینیاتی عرب اپنے اپنے گھروں سے نکل کر دینے آجائیں اور یہاں علم حاصل کریں۔ اس کے بجائے ہوتا یہ چاہیے کہ ہر دینیاتی ملاتے اور ہر ترقی اور تخیل سے چند آدمی نکل کر علم کے مرکزوں، شاخہ دینے اور اسکے ادراک سے ہی دوسرے عقائد میں انہیں ماہر بنائیں دین کی کھجور پراگھیں، پھر اپنی اپنی میتوں میں جائیں جہاں انہیں ہر حد واسطہ اس کے اندر بیدار و چھلانے کی کوشش کریں۔ یہ ایک نہایت اہم ہدایت تھی جو تحریک اسلامی کو مستحکم کرنے کے لیے ایک سرخ پر دی گئی۔ ابتدا میں جب اسلام دوسری ہاں بنایا تھا اور انتہائی شدید مخالفت کے ماحول میں آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا اس ہدایت کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ اس وقت تو اسلام قبول کرتا ہی وہ شخص تھا جو ہر ہی طرح اسے سمجھ دیتا تھا اور ہر پہلو سے اس کو جاننے پر کھڑے نہ ملے جو جاتا تھا اگر جب یہ تحریک کامیابی کے سر ملوں میں داخل ہوئی اور زمین میں اس کا اندازہ قائم ہو گیا تو آبادیاں کی آبادیاں فوج و فوج اس میں شامل ہونے لگیں جن کے اندر کم و گم ایسے تھے جو اسلام کو اس کے تمام عقائد کے ساتھ سمجھ کر اس پر ایمان لاتے تھے، ورنہ بیشتر لوگ اس وقت کے سیلاب میں غیر ضروری طور پر بے چلے آ رہے تھے۔ دوسلہ آبادی کا یہ تیز رفتار پھیلاؤ ظاہر و باطن کے لیے سبب قوت تھا کیونکہ یہ وہاں اسلام کی تعداد بڑھ رہی تھی، لیکن فی الحقیقت اسلامی نظام کے لیے ایسی آبادی کسی کام کی نہ تھی، بلکہ بالکل نقصان دہ تھی جو شعور اسلامی سے بخالی ہو اور اس نظام کے اخلاقی مطالبات پھر سے کہنے کے لیے تیار نہ ہو جتنا چند یہ نقصان خودہم کی تیار ہی کے موقع پر مکمل کر سامنے آ گیا تھا۔ اس لیے میں وقت پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی کہ تحریک اسلامی کیلئے توسیع جس وقت اس کے ساتھ ہو رہی ہے اسی کے مطابق اس کے استحکام کی تدبیر بھی ہونی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ہر حصہ آبادی میں سے چند لوگوں کو لے کر تعلیم و تربیت دی جائے اور وہ اپنے اپنے ممالک میں جا کر عوام کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیں یہاں تک کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلام کا شعور اور دھڑ دھڑ کا علم پھیل جائے۔

یہاں اتنی بات اور سمجھنی چاہیے کہ تعلیم و تربیتی کے جس نظام کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے اس کا اصل مقصد واسطہ ان مسائل کا حل خاندان بنانا اور ان میں کتب خوانی کی تربیت کا علم پھیلاتا نہ تھا بلکہ واضح طور پر اس کا مقصد تربیتی تئیں کی گئی تھا کہ لوگوں میں دینی سمجھ پیدا ہو اور ان کو اس خاک ہوشیار اور خود را کر دیا جائے کہ وہ غیر مسلمانہ رویہ زندگی سے بچنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی تعلیم کا مقصد ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے اور ہر تعلیمی نظام کو اسی لحاظ سے جاننا چاہئے کہ وہ اس مقصد کو کتنا تک پورا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام لوگوں میں نشت و نماز اور کتب خوانی اور شرعی علوم کی تعلیم پھیلا دینا چاہئے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام لوگوں میں ایسی تعلیم پھیلا دینا چاہئے جو ہر حصہ کے خدا کشیدہ مقصد تک پہنچاتی ہو۔ ورنہ ایک ایک شخص اگر اپنے وقت کا ان مشاغل اور فرائض پورے کر لے لیکن دین کے فہم سے غافل ہو اور غیر مسلمانہ رویہ زندگی کا جھنڈا ہر جا پر اسلام کی تعلیم پر لٹکتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صاف صاف اللہ دین جو استعمال ہوا ہے اس سے حد کے لوگوں میں ایک عجیب غریب تعلیمی پیدا ہو کر رہا نہ رہے اخلاقیات ایک مدت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم بلکہ ان کی مذہبی زندگی پر بھی بڑی طرح چھانے ہوئے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے وقت و مقام فی اللہ دین کو تعلیم کا مقصد بنایا تھا جس کے معنی ہیں دین کو سمجھنا، اس کے نظام میں بیعت حاصل کرنا، اس کے مزاج اور اس کی شعور آشنایا ہونا اور اس قابل ہو جانا کہ اگر عمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان یہ جان سکے کہ کونسا طریقہ نیک اور کونسا طریقہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا
فِيكُمْ غُلَظَةً وَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ

اسے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان منکوفین حق سے جو تمہارے پاس ہیں۔ اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ جب کوئی نئی سورت

روح دین کے مطابق ہے۔ لیکن آگے چل کر جو فانی علم، اصطلاحات کے نام سے موسوم ہوا اور رفتہ رفتہ اسلامی زندگی کی ضمن صورت (مقابلہ روح کا تفصیل طہین کر دیا، لوگوں نے مشترک فطری کی بنا پر بھریا کہیں ہی وہ چیز ہے جس کا حاصل کن حکم انہی کے مطابق تعلیم کا منتہائے مقصود ہے۔ حالانکہ وہ کل مقصود نہیں بلکہ محض ایک جزو و قصود تھا۔ اس عظیم الشان غلط فہمی سے جو نقصانات دین پر وارد ہوئے ان کا کفر نہ لینے کے لیے تو ایک کتاب کی دست درکار ہے، اگر یہاں ہم اس پر تنبیہ کرنے کے لیے مختصر اتنا اشارہ کیے دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو جس چیز نے روح دین سے خالی کر کے محض جسم دین اور شکل دین کی تشریح پر مرکوز کر دیا، اور بالآخر جس چیز کی بدولت مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی بے جان ظاہر داری اور دین داری کی آخری منزل میں کر رہ گئی، وہ بڑی حد تک یہی غلط فہمی ہے۔

۱۲۱ عام طور پر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں دو چیزوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا، ایک کس وقت اسلامی مروجہ سے متصل دینی کفار کا، دوسرا کفار کا، لیکن ہمیں اس تفسیر سے اختلاف ہے، کیونکہ اس کے بعد کی ساری تشریحات متعین سے متعلق ہے، یہاں کلام پر غور کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں کفار سے مراد وہ منافق لوگ ہیں جن کا انکار حق پوری طرح نمایاں ہو چکا تھا اور جن کے اسلامی سوسائٹی میں غلط فہمیوں سے سخت نقصانات پہنچ رہے تھے۔ دیکھو، ابی بنیامین بھی جہاں سے اس سلسلہ تقریر کا آغاز ہوا تھا، پہلی بات یہی کہی گئی تھی کہ اب ان استہین کے سامنے کفار کا استعمال کرنے کے لیے باقاعدہ جہاد شروع کر دیا جائے۔ دوسری بات اب تقریر کے اختتام پر تاکید کے لیے پھر دہرائی گئی ہے تاکہ مسلمان اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور ان منافقوں کے معاملہ میں حق مسل و نسبی اور معاشرتی تعلقات کا لحاظ نہ رکھیں جو ان کے اعدائوں کے درمیان حاشیائی کے موجب بنے ہوئے تھے۔ وہاں ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں اس سے شدید تر لفظ "قتال" استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ان کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے، کوئی کسر ان کی سرکوبی میں اٹھانہ رکھی جائے۔ وہاں "کفار" اور "منافق" دو الگ نظر دے گئے تھے، یہاں ایک ہی لفظ "کفار" پر استکمال کیا گیا، تاکہ ان لوگوں کا انکار حق، جو صریح طور پر ثبات ہو چکا تھا، ان کے ظاہری اقرار ایمان کے پردے میں چھپ کر کسی رعایت کا مستحق نہ سمجھا جاسکے۔

۱۲۲ یعنی اہل بد مذہب ملوک ختم ہو جانا چاہیے، اب تک ان کے ساتھ ہڑتال رہا ہے، یہی بات دیکھو، ابی بنیامین کسی گئی تھی کہ وہ غلط طریقہ ہے۔ ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔

سُورَةً فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَجِزْكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا
الَّذِينَ آمَنُوا فَرَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَأَمَّا
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ
وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۳۳﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ
مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۱۳۴﴾

نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ (مذاق کے طور پر مسلمانوں سے) پوچھتے ہیں کہ کہو تم میں سے کس کے ایمان میں اس سے اضافہ ہوا؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں تو فی الواقع بہر نازل ہونے والی سورت نے) اضافہ ہی کیا ہے اور وہ اس سے دل شاد ہیں، البتہ جن لوگوں کے دلوں کو (نفاق کا) دھوکا لگا ہوا تھا ان کی سابقہ نجاست پر (ہر نئی سورت نے) ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کفر ہی میں مبتلا رہے۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

۱۳۳ اس تنبیہ کے دو مطلب ہیں اور دونوں یکساں طور پر مدوح ہیں۔ ایک یہ کہ ان منکرین حق کے معاملے میں اگر تم نے اپنے شخصی اور خانہ دانی اور معاشی تعلقات کا لحاظ کیا تو یہ حرکت تقویٰ کے خلاف ہوگی، کیونکہ متقی ہونا اور خدا کے دشمنوں سے لاگ لگائے رکھنا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا خدا کی مدد اپنے شامل حال رکھنا چاہتے ہو تو اس لاگ پیٹ سے پاک رہو۔ دوسرے یہ کہ یہ سختی اور جنگ کا جو حکم دیا جا رہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ سختی کرنے میں اخلاق و انسانیت کی بھی ساری صریح توہین و ذلی جائز نہیں۔ حدود و اشک کی نگہداشت تو ہر حال تنہا ہی ہر کامدعا فی میں خود رکھنی ہی چاہیے۔ اس کو اگر تم نے چھوڑ دیا تو اس کے سنی یہوں گے کہ اگر خدا واسطہ چھوڑ دے۔

۱۳۴ ایمان اور کفر و نفاق میں کی بیشی کا کیا مفہوم ہے اس کی تشریح کے لیے احقر ہر سورۃ انفال، حاشیہ ص ۷۰۔

۱۳۵ یہ سن کر کئی سال ایسا نہیں گزرا ہے جبکہ ایک دو مرتبہ ایسے حالات نہ پیش آجاتے ہیں جن میں ان کا دھوکا ایمان آزمائش کی کسوٹی پر کھاندا جاتا ہو اور اس کی کھوکھ کا نازناش نہ ہو جاتا ہو۔ کسی قرآن میں کوئی ایسا حکم آتا ہے جس سے ان کی خواہش نفس پر کوئی نیکی باندی مائد ہو جاتی ہے، کبھی دین کا کوئی ایسا مطالبہ سامنے آتا ہے جس سے ان کے مفاد بہرہ فریبی ہے، کبھی

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۸﴾

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چپکے سے محل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں کیونکہ یہ نا سمجھ لوگ ہیں۔

کوئی اندرونی تفسیر یا رد نہا ہر جانا ہے جس میں یہ امتحان مضمر تھا ہے کہ ان کو اپنے دنیوی تعلقات اور اپنے شخصی و خانہ داری اور قبائلی و گھمبیریوں کی ہمت غذا احواس کا رسل انداس کا دین کس قدر عزیز ہے، کبھی کوئی جنگ دیسی نہیں آجاتی ہے جس میں یہ آزمائش ہوتی ہے کہ جس میں ایمان والے کا دعویٰ کسے ہے، اس کی خاطر جان، مال، وقت اور صحت کا کتنا اٹھارہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ایسے تمام مواقع پر صرف یہی نہیں کہ منافقت کی وہ گندگی جہان کے جھوٹے اقوال کے نیچے چھپی ہوئی ہے محل کو نظر مام رہا جاتی ہے بلکہ ہر مرتبہ جب یہ ایمان کے تقاضوں سے منہ موڑ کر بھاگتے ہیں تو ان کے اندر کی گندگی پہلے سے کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۱۲۶ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے اجتماع کا اعلان کرتے اور مجمع عام میں اس سورہ کو غلطے کے طور پر پڑھاتے تھے۔ اس محل میں اہل ایمان کا حال تو یہ ہوتا تھا کہ جہت حق گوش ہو کر اس غلطے کو سننے اور اس میں مستغرق ہو جاتے تھے، لیکن منافقین کا رنگ ڈھنگ کچھ اور تھا۔ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ کر ماضی کا حکم تھا اور اجتماع میں شریک نہ ہونے کے معنی اپنی منافقت کا ماز خود فاش کر دینے کے تھے۔ مگر اس غلطے سے ان کو کوئی لکھی نہ ہوتی تھی۔ نہایت بد دل کے ساتھ اُٹھتے ہوئے بیٹھے بہتے تھے اور اپنے آپ کو حاضرین میں شام کرالینے کے بعد انھیں بس یہ فکر لگی رہتی تھی کہ کسی طرح جلدی سے جلدی بیاباں سے صباگ نکلیں۔ ان کی اسی حالت کی تصویر یہاں کھینچی گئی ہے۔

۱۲۷ یعنی بے وقوف خود اپنے مفاد کو نہیں سمجھتے۔ اپنی ظارح سے غافل اور اپنی بہتری سے بے فکر ہیں۔ ان کو اس میں نہیں ہے کہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اس قرآن اور اس پیغمبر کے ذریعے سے ان کو دی جا رہی ہے۔ اپنی چھٹی ٹی دنیا اور اس کی نہایت گھٹیا قسم کی دلچسپیوں میں یہ کہیں کے مینڈک ایسے فرق ہیں کہ اس فطرتی علم اور اس زبردست رہنمائی کی قدر و قیمت ان کی سمجھ میں نہیں آتی جس کی بدولت وہ دیکھتے ہیں کہ اس سنگ و تار یک گوشے سے اٹھ کر تمام عالم انسانی کے امام و پیشوا بن سکتے ہیں اور اسی دنیاوی دنیا میں نہیں بلکہ بعد کی لا ذوال ابدی زندگی میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ اس نادانی و حماقت کا فطری نتیجہ ہے کہ اگرچہ انہیں استفادہ کی توفیق سے محروم کر دیا ہے جب ظارح و کامرانی اور قوت و عظمت کا یہ نزاع طفت لٹا ہوا چلتا ہے اور خوش نصیب لوگ اسے دھڑلے دھڑلے سے اٹھ رہے ہوتے ہیں اس وقت ان بد نصیبوں کے دل کی اس اور طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انھیں شرمگاہ میں ہوتی کہ کس دولت سے محروم ہو گئے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزَايُهُ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
 حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۸﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا
 فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ
 رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

۱۶
۵

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں
 بڑا ناس پر شاق ہے، تمہاری اطلاع کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم
 ہے۔۔۔۔۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اسے نبی! ان سے کہہ دو کہ میرے لیے
 اللہ بس کتنا ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔

1

1

تفسير القرآن (٢)

يونس

(١٠)

یونس

نام | اس سورہ کا نام حسب دستور مفسر ملامت کے طور پر دوسری رکوع کی اس آیت سے لیا گیا ہے جس میں اشارۃً حضرت یونس کا ذکر آیا ہے۔ سورہ کا موضوع بحث حضرت یونس کا قصہ نہیں ہے۔

مقام نزول | روایات سے معلوم ہوتا ہے اور مفسر مضمین سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ یہی سورۃ تھی جس میں نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اس کی بعض آیتیں مدنی مدنی ہیں، لیکن یہ مفسر ایک سطحی قیاس ہے۔ مسئلہ کلام پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ غفلت تقریر میں یا غفلت موقع پارتی ہوئی آیتوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ شروع سے آخر تک ایک ہی موضوع تقریر ہے جو بیک وقت نازل ہوئی ہوگی، اور مضمون کلام اس بات پر مروج دلالت کرتا ہے کہ یہ کی مدد کا کام ہے۔

زمانہ نزول | زمانہ نزول کے متعلق کوئی محدثت میں نہیں ملی، لیکن مضمون سے ایسی ظاہر ہوتا ہے کہ سورۃ زمانہ قیام تک کے آخری مدد میں نازل ہوئی ہوگی، کیونکہ اس کے آغاز کلام سے شروع طور پر محسوس ہوتا ہے کہ مخالفین دعوت کی طرف سے مزاحمت دہری شدت اختیار کر چکا ہے، وہ غی اور پروان غی کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان سے اسبہ امید باقی نہیں رہی ہے کہ تقسیم زمین سے راہ راست پتہ چائیں گے، اسباب، نہیں، اس انجام سے شرمناک کرنے کا موقع آگیا ہے جو غی کو آخری اور قطعی طور پر روک دینے کی ضرورت میں، انھیں، زمانہ دکھانا ہوگا۔ مضمون کی یہی خصوصیات میں بتاتی ہیں کہ کسی سورت میں کہ کے آخری دور سے خلق رکھتی ہیں۔ لیکن اس سورہ میں، ہجرت کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، اس کا زمانہ ان سوروں سے پہلے کا سمجھنا چاہیے جن میں کوئی نہ کوئی غمی یا جمل اشارہ ہم کو ہجرت کے متعلق ملتا ہے۔ زمانہ کی اس قسم کے بعد تاریخ میں منظر بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس دور کا تاریخی پس منظر سورۃ اہام اور سورۃ اعراف کے دیباچوں میں بیان کیا جا چکا ہے۔

موضوع | موضوع تقریر و رحمت، آسمانی اور تنبیہ ہے۔ کام کا آفاقی اس طرح ہوتا ہے کہ:

لوگ ایک انسان کے بنیام ثروت میں کسے تھیں ان میں ہوا سے خواہ مخواہ سامی کا انہام ہے جس میں، حالانکہ جہات دہشتی کر رہا ہے اس میں کوئی تیز بخیر نہ موجب ہی ہے اور نہ محرومات ہی سے خلق رکھتی ہے۔ وہ تو دہشتہ جہتوں سے کم کر گاہ کر رہا ہے۔ ایک یہ کہ جو خدا اس کائنات کا خالق ہے اور اس کا انتظام مطلق چلا رہا ہے صرف وہی تھا اور ملک و ممالک اس کا یہ حق ہے کہ تم اس کی بندگی کرو۔

دوسرے یہ کہ موجودہ دنیوی زندگی کے بعد زندگی کا ایک اور دور آئے گا جس میں تم دوبارہ پیدا کیے جاؤ گے اپنی موجودہ زندگی کے پورے کارنامے کا حساب دو گے اور اس دنیاوی سال پر جو ناپا سزا ہو گے کہ تم نے کسی خدا کو اپنا آقا مان کر اس کے منہ کے مطابق نیک مدعیہ اختیار کیا یا اس کے ظلمات میں کسے دے۔ یہ دونوں حقیقتیں، جو وہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے، بھانے خود امر واقعی ہیں عوام تو مایوسہ مازہ وہ تھیں دیکھ دیتا ہے کہ تم انہیں مان لو اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق بنا لو۔ اس کی یہ دعوت اگر تم قبول کر دو گے تو تمہارا اپنا انتہام بہتر ہو گا ورنہ خود ہی برا نتیجہ دیکھو گے۔

مباحثہ | اس قہید کے بعد صوبہ ذیل مباحثہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آئے ہیں:

(۱) وہ دلائل جو توحید و ربوبیت اور حیاتِ آخری کے باب میں ایسے لوگوں کو عقل و ضمیر کا اہینا بن بخش سکتے ہیں جو جاہلانہ تعصب میں مبتلا نہ ہوں اور انہیں بحث کی حاجت کے بجائے اصل فکر اس بات کی ہو کہ خود غلط فہمی اور اس کے بُرے نتائج سے بچیں۔

(۲) اُن غلط فہمیوں کا ازالہ اور اُن غلط فہمیوں پر تنبیہ جو لوگوں کو توحید اور اخوت کا عقیدہ تسلیم کرنے میں مانع ہو رہی تھیں (اور ہمیشہ ہوں گے)۔

(۳) اُن شبہات اور اعتراضات کا جواب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے لئے ہونے پیغام کے بارے میں پیش کیے جاتے تھے۔

(۴) دوسری زندگی میں جو کچھ پیش آئے گا اس کی پہلی خبر تاکہ انسان اس سے ہوشیار ہو کر اپنے آج کے طرز عمل کو درست کرے اور بعد میں پچھتانے کی فریٹ نہ آئے۔

(۵) اس امر پر تنبیہ کہ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی زندگی ہے اور اس امتحان کے لیے تمہارا حساب اس ہی اہمیت ہے جب تک تم اس دنیا میں مانس لے رہے ہو۔ اس وقت کو اگر تم نے ضائع کر دیا اور نبی کی ہدایت قبول کر کے امتحان کی کامیابی کا سامان نہ کیا تو پھر کوئی دوسرا موقع تمہیں نہ پیش ہو سکتا اور اس قرآن کے ذریعہ تم کو علم حقیقت کا ہم پہنچایا جاتا وہ بہترین اور ایک ہی موقع ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو بعد کی ابدی زندگی میں ہمیشہ پچھتاؤ گے۔

(۶) اُن کھلی کھلی جہالتوں اور ضلالتوں پر اشارہ جو لوگوں کی زندگی میں صرف اس وجہ سے پائی جاتی ہیں: تمہیں کہ وہ خلائی ہدایت کے بغیر رہے تھے۔

اس سلسلہ میں فوج علیہ السلام کا قصہ، نوح علیہ السلام کا قصہ، موسیٰ علیہ السلام کا قصہ، ذوالقرنین کا قصہ، یونس کا قصہ، اور اس سے چار باتیں ذہن نشین کرنی مطلوب ہیں۔ پہلی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ تم لوگ کر رہے ہو وہ اس سے متاثر ہے جو نوح اور موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تمہارے پیش رو کر چکے ہیں اور یونس رکھو کہ اس طرز عمل کا جو انجام وہ دیکھ چکے ہیں وہی تمہیں بھی دیکھنا پڑے گا۔ دوم یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور

ان کے ساتھیوں کو آج جس سب سے بدکردی کے حال میں تم دیکھ رہے ہو اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا کہ مصیبت
حالی ہمیشہ جی رہے گی۔ جیسے خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں کی پشت بدوسی خدا ہے جو رسول و اہل حق کی پشت بد
تھا اور وہ ایسے طریقہ سے حالات کی بگاڑاٹھ دیتا ہے جس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ سو تم یہ کہہ سنبھلنے
کے لیے جو ملت خدا تمہیں دے رہا ہے اسے اگر تم نے ضائع کر دیا اور پھر فرعون کی طرح خدا کی پکڑ میں
آجھانے کے بعد میں آخری لمحے پر قوم کی توسل نہیں کیے جاؤ گے۔ چارم یہ کہ جو لوگ محصل اذلیہ
و علم پر ایمان لائے تھے وہ مخالفت ماحول کی انتہائی شدت اور اس کے مقابلہ میں اپنی ہمت و ہمتی دیکھ کر انہیں
نہوں اور انہیں معلوم ہو کہ ان حالات میں ان کو کس طرح کام کرنا چاہیے۔ نیز وہ اس امر پر بھی متنبہ
ہو جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی اس حالت سے نکال دے تو کہیں وہ اس روش پر نہ پل پڑیں
جو بنی اسرائیل نے مصر سے نجات پا کر اختیار کی۔

آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ عقیدہ اور یہ مسک ہے جس پر چلنے کی اللہ نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی
ہے، اس میں قصا کوئی ترمیم نہیں کی جا سکتی، جو اسے قبول کرے گا وہ اپنا بھلا کرے گا اور جو اس کو چھوڑ کر
غفلت اور جبر میں پڑے گا وہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا۔

ایاتھا ۱۰۹ سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ رَكْعَاتُهَا ۱۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمٰنُ رَتَاكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ
اَوْحَيْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنْ اَنْذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

آل ر، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت و دانش سے بہرہ لے رہے۔

کیا لوگوں کے لیے یہ ایک عجیب بات ہو گئی کہ ہم نے خدا انہی میں سے ایک آدمی کو شاہ
کیا کہ (غفلت میں پڑے ہوئے) لوگوں کو جو بھلا دے اور جو مان لیں ان کو خوشخبری دیدے کہ
لے اس حیدری حق سے نہ ایک لطیف تنبیہ ضرور ہے۔ تاہن درگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پیغمبر قرآن کے نام سے جو حکم الہی
سن رہا ہے وہ صرف زبان کی جاودہ گری ہے، شاہد ہر دعا قبول ہے اور کچھ کاموں کی طرح عالم بالا کی انگلی ہے۔ اس پر انہیں متنبہ
کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ تم کہنا کر رہے ہو یہ معجز نہیں ہے۔ یہ تو کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ ان کی طرف توجہ نہ کرو گے تو حکمت سے

وَقَالَ الْمَلِكُ
مُتَّبِعِينَ ۝

اَنْ لَهُمْ قَدَمٌ صَدِيقٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ اِنَّ هَذَا السَّحَرُ
مُتَّبِعِينَ ۝ اِنْ رَكَّبَكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ

ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچی عزت و سرفرازی تھے؟ کیا یہی وہ بات ہے جس پر
منکرین نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں

مردم رہ جاؤ گے۔

۷ یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے انسان مقرر کیا جاتا تو کیا فرشتہ
یا جن یا حیران مقرر کیا جاتا؟ اور اگر انسان حقیقت سے غافل ہو کر غلط طریقے سے زندگی بسر کر رہے ہوں تو تعجب کی بات یہ ہے کہ
ان کا خالق دہر و درگا را ضعیفان کے حال پر چھوڑ دے یا یہ کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی انتظام کرے؟ اور اگر خدا کی
طوت سے کوئی ہدایت آئے تو عزت و سرفرازی ان کے لیے ہونی چاہیے جو اسے مان لیں یا ان کے لیے جیسے وہ کریں؟ پس
تعجب کرنے والوں کو مرجھاؤ چاہیے کہ آفریدہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کر رہے ہیں۔

۸ یعنی جادوگر کی صحبتی قواؤں نے اس پر کس دی گریہ دسوا چاکہ وہ چہاں بھی ہوتی ہے یا نہیں صرف یہ بات کہ
کوئی شخص، مفعی درجہ کی خطابت سے کام لے کر دلوں اور دماغوں کو سحر کر رہا ہے، اس پر یا الزام ماننا کہ دینے کے لیے تو کافی نہیں
ہو سکتا کہ وہ جادوگر ہی کر رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس خطابت میں وہ بات کیا کہتا ہے، کس غرض کے لیے قوت تقریر کو استعمال کر رہا
ہے اور جو اثرات نثر قریب ہے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ اس نوعیت کے میں جو غلیب کسی نا جادو غرض کے لیے جادو بیانی کی طاقت استعمال کرتا ہے؟
تو ایک منہ پھٹ، بے لگام، غیر ذمہ دار مقرر ہوتا ہے۔ حق اور صداقت اور انصاف سے آزاد ہو کر وہ بات کہہ ڈالتا ہے جو میں سننے
والوں کو متاثر کر دے، خواہ بھائے خود کتنی ہی جھوٹی، بھانڈی، آئینہ اور غیر مضمانہ ہو۔ اس کی باتوں میں حکمت کے بجائے حوام قریبی ہوتا
ہے کہ یہ غلط فکر کے بجائے تناقض اور نا بھاری ہوتی ہے۔ اقدال کے بجائے بے اعتدالی بننا کرتی ہے۔ وہ تو محض اپنا سا کہانے
کے لیے زبان درازی کرتا ہے یا پھر لوگوں کو لڑانے اور ایک گروہ کو دوسرے کے مقابل میں، بھارنے کے لیے خطابت کی شراب
پلاتا ہے۔ اس کے اثر سے لوگوں میں مذکور کی اخلاقی بندی پیدا ہوتی ہے، نہ ان کی زندگیوں میں کوئی مفید تغیر رونما ہوتا ہے اور
کوئی صالح فکر یا صالح عملی حالت وجود میں آتی ہے بلکہ لوگ پہلے سے بدتر صفات کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہاں تم دیکھو کہ
جو کہ غیر جو کام میں کر رہا ہے اس میں حکمت ہے، ایک متناسب نظام فکر ہے، غایت درجے کا اقدال اور حق و صداقت کا
سخت اصرار ہے، لفظ صفا چٹا، احادیث بات کا شے کی قول پوری ہے۔ اس کی خطابت میں تم خلق خدا کی اصلاح کے سوا کسی
دوسری غرض کی نشان دہی نہیں کر سکتے جو کہ وہ کہتا ہے اس میں اس کی اپنی ذاتی یا خاندانی یا قومی یا کسی قسم کی دنیوی غرض کا

أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدِيرُ الْأُمُورَ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا
مِنْ بَعْدِ أِذْنِهِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾

پیدا کیا، پھر تختِ حکومت پر جلوہ گر ہوا اور کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں ہے الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔ یہی اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ اسی کی عبادت کرے۔ پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟

کوئی شائبہ نہیں یا با جانہ۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ جس غفلت میں ڈھے ہوئے ہیں اس کے لئے نتائج سے ان کو خبردار کرے اور انہیں اُس طریقے کی طرف بلائے جس میں ان کا اپنا بھلا ہے۔ پھر اس کی تقریر سے جو امثال تشریف ہوئے ہیں وہ بھی جاہل گروں کے امثال سے بالکل مختلف ہیں۔ یہاں جس نے بھی اس کا اثر قبول کیا ہے اس کی زندگی سونپ گئی ہے، وہ پہلے سے زیادہ بہتر ملاقا کا انسان بن گیا ہے اور اس کے سارے حوصلے میں خیر و صلاح کی شان نمایاں ہو گئی ہے۔ اب تم خود ہی صبح لڑاؤ جاہل گروں کی ہیبتیں کرتے ہیں اور ان کا جاہل ایسے ہی نتائج دکھایا کرتا ہے؟

لکھ لینی پیدا کر کے وہ مصل نہیں ہو گیا بلکہ اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے تحت مصلحت پر وہ خود ممکن ہوا اور اب مائے جہان کا انتظام مٹاؤں گے یا نہیں ہے۔ نامان لوگ سمجھتے ہیں خدا نے کائنات کو پیدا کر کے بڑی چھوڑ دیا ہے کہ خود میں طرح طرح جلتی رہے، یہ یاد مردوں کے والے کر دیا ہے کہ وہ اس میں بیٹھا چاہیں تصرف کریں۔ قرآن اس کے دھوکے پر حقیقت پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی اس پوری کارگاہ پر آپ ہی مگرزی کر رہا ہے تمام اختیارات اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں، اس کی ذمہ داری وہ خود کا ہی ہے، کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت ہر آن جو کچھ ہوتا ہے ہر وقت اس کے حکم یا اذن سے ہوتا ہے، اس جہان ہستی کے ساتھ اس کا تعلق صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ کسی اسے وجود میں لایا تھا، بلکہ ہر وقت وہی اس کا مدبر و منتظم ہے، اسی کے قائم رکھنے سے یہ قائم ہے، اور اسی کے چلنے سے یہ چل رہا ہے۔ (لاحظہ ہو سورہ اعراف، ص ۱۷ و ۱۸)

۳۰ یعنی دنیا کی تدبیر و انتظام میں کسی آدمی سے کا دخل ہونا تو حد تک کوئی بات اختیار بھی نہیں رکھتا کہ خدا سے سفارش کر کے اس کا کوئی فیصلہ بدو اسے یا کسی کی قسمت، بڑا دے یا بگڑا دے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی جو کچھ کر سکتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ خدا سے دعا کرے، مگر اس کی دعا قبول ہو یا نہ ہو ناچار مصلِ خدائی پر منحصر ہے۔ خدا کی صفاتی میں اتنا خود دار کوئی نہیں ہے کہ اس کی امت میل کر رہے اور اس کی سفارش نہ لے سکے اور وہ عرض کا پایہ پکڑ کر بیٹھ جائے اور اپنی بات مٹا کر ہی رہے۔

۳۱ اہلِ حق میں حقیقت نفسِ لامری کا بیان تھا کہ فی الواقع خدا ہی تھا اور اب ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کی مداخلت کی ضرورت میں خدا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے جبہ و تہ پہنچے کہ بدستِ باطنی نہ کی ہے تو اس کا وہی کتا خایہ ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو پھر جس طرح بدستِ کائنات میں منہمات مشتمل ہے، یعنی تدبیرِ مطلقہ کی، اسی و آفاقی، اور قرآنِ عطا کی، اسی طرح

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۰﴾

اسی کی طرف تم سب کو بلٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک پیدائش کی ابتدا
دی کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کو
بہرے انصاف کے ساتھ جزا دے اور جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا وہ کھوتے ہوئے پانی پییں اور دردناک
سزا جلتیں اس انکار حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہتے۔

اس کے باقی اہل عبادت کا حکم بھی عین معصومات پر مشتمل ہے۔ یعنی پرستش، غلامی و اطاعت۔

خدا کے واحد پروردگار ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اسی کا شکر گزار ہو، اسی سے دعائیں مانگے اور اسی کے لئے محبت و
نیکی سے سر جوگائے۔ یہ عبادت کا پہلا مفہوم ہے۔

خدا کے واحد پاک و آقا ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اس کا بندہ و غلام بن کر رہے، اس کے مقابل میں خود غلام و بندہ
ہو اختیار کرے اور اس کے سر کسی اور کی ذہنی یا عملی غلامی قبول نہ کرے۔ یہ عبادت کا دوسرا مفہوم ہے۔

خدا کے واحد پروردگار ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اس کے حکم کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کو بے مزہ و لذت
مکمل بنے اور اس کے سر کسی دوسرے کی حاکمیت تسلیم نہ کرے۔ یہ عبادت کا تیسرا مفہوم ہے۔

۱۰۔ یعنی جبہ حقیقت تمہارے سامنے کھلی دی گئی ہے اور تم کو صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ اس حقیقت کی مراد کی ہیں
تمہارے بے صحیح طرز عمل کیا ہے، دیکھا اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں گی اور نہ ہی غلامیوں میں رہے رہ گئے ہیں کی بنا پر تمہاری زندگی
کا پورا مادہ اب تک حقیقت کے ظلمت میں ہے۔

۱۱۔ یعنی یہی تعلیم کا دوسرا بنیادی اصول ہے۔ اصل بقول یہ کہ تمہارا لب صرف اشارے ہے لہذا اسی کی عبادت کرو۔ اور اصل مقصد
یہ کہ تمہیں اس دنیا سے واپس جا کر اپنے رب کو حساب دینا ہے۔

۱۲۔ فقرہ دوسرے صاف دلیل و دلائل کا مجموعہ ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ خداوند بارہ انسان کو پیدا کرے گا اور اس پر دلیل یہ دی گئی ہے
کہ اسی نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا جو شخص یہ تعلیم کہتا ہو کہ خدا نے خلق کی ابتداء کی ہے اور اس سے جبرائیل و میکائیل کے جو شخص پھر ایک
نور سے جہان کے بے خلق بے حلق جیسے امتداد نظر ہے کو دیکھنے پر آمادہ ہو گئے اور ان انکار کر سکتا ہے کہ وہ اس بات کی ناک
بابیدانہ قسم قرآن میں دے سکتا کہ وہی خدا اس خلق کا پیرا و مادہ کرے گا۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ
يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اِنْ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝

وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں
ایسی ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں کہ تم اسی سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرتے ہو۔ اللہ نے یہ
سب کچھ اکھیل کے طور پر نہیں بلکہ ہر مقصد ہی بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے
اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے
زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے، نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غلط بینی و غلط روی سے بچنا
چاہتے ہیں۔

۱۰۔ یہ ضرورت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور جو دلیل دی گئی وہ یہ بات ثابت کرنے
کے لیے کافی تھی کہ خلق کا مادہ ممکن ہے اور اسے مسجد بگھنا درست نہیں ہے۔ اس لیے بتایا جاتا ہے کہ یہ مادہ خلق عقل و نفس
کی دو سے ضروری ہے اور یہ ضرورت تخلیقِ ثانیہ کے سرکاری دوسرے طریقے سے پوری نہیں ہو سکتی، خدا کا اپنا واحد رب ان کو ہر دو
صحیح زندگی کا دیر اختیار کرے وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان میں اپنے اس بھائے زحل کی پوری پوری جڑا لے۔ اور جو لوگ حقیقت سے
انکار کر کے اس کے خلاف زندگی بسر کریں وہ بھی اس کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے اس بھائے زحل کا راتیمہ دیکھیں۔ یہ ضرورت اگرچہ
دوسری زندگی میں پوری نہیں ہو رہی ہے (اور شخص جو ہر وقت دھرم میں ہے جاتا ہے کہ نہیں جو رہی ہے) تو اسے یاد کرنے کے لیے
یقیناً دوبارہ زندگی ناگزیر ہے۔ (مرحہ تشریح کے لیے جلد چودہ سورہ اعراف، حاشیہ ۱۰۰ و سورہ ہود، حاشیہ ۱۰۱)

۱۱۔ یہ حیدرہ آخرت کی عیسوی دلیل ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جو کام ہر طرف نظر آ رہے ہیں، ان کے بڑے بڑے
نشانات سورج اور چاند اور اہل دنیا کی گردش کی صحت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں، ان سے اس بات کا ثبوت واضح ہوتا
ہے کہ اس عظیم الشان کارخانہ پرستی کتنا قوی کتنی پیچیدہ ہے جس نے صحت کھینے کے لیے ہر سب کچھ بنایا جو اور ہر دہل بھر لینے کے
بعد بھی اس گھر سے کوڑا پھوڑ ڈالے۔ ہر طرح سے نظر کرنا کہ اس کے ہر کام میں نظم ہے، حکمت ہے، مصلحتیں ہیں، اور فائدے

قرآن کی پیدائش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ ہمیں جب وہ حکیم ہے، اور اس کی حکمت کے آثار و مظاہر ہم تصادم سے سامنے ملنا نہ ہو رہیں، تو اس سے تم کیسے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاقی حسن اور آزاد ذمہ داری اور تصرف کے امتیازات بخشنے کے بعد اس کے کارنامہ منہ گئی کا حساب کسی دے گا اور عقلی و اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر جزا و سزا کا جو استحقاق لازماً پیدا ہو جاتا ہے اسے اپنی عقل چھوڑ دے گا۔

اس طرح ان نکات میں حقیقتہً آخرت پرستی کرنے کے ساتھ اس کی حینِ دلیلیں شہک شیک مغلفی ترتیب کے ساتھ دی گئی ہیں :

اول یہ کہ دوسری زندگی ممکن ہے کیونکہ پہلی زندگی کا امکان واقعہ کی صورت میں موجود ہے۔

دو یہ کہ دوسری زندگی کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ زندگی میں انسان اپنی اخلاقی ذمہ داری کو صحیح یا غلط طور پر جس طرح ادا کرتا ہے اور اس سے نرا اور جزا و سزا کا مستحق پیدا ہوتا ہے اس کی بنا پر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویہ کا وہ نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

تیسرے یہ کہ جب عقل و انصاف کی دوسری زندگی کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت یقیناً پوری کی جائے گی کیونکہ انسان اور کائنات کا خالق حکیم ہے اور حکیم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ حکمت و انصاف جس چیز کے تقاضا میں جوں اس قدر وہ ہٹ جائے۔

خود سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ زندگی بعد موت کو استدلال سے ثابت کرنے کے لیے ہمیں حینِ دلیلیں ممکن ہیں اور یہی کافی بھی ہیں۔ ان دلیلوں کے بعد اگر کسی چیز کی کسرا باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ انسان کو آنکھوں سے دکھایا جائے کہ جو چیز ممکن ہے جس کے وجود میں آنے کی ضرورت بھی ہے اور جس کو وجود میں لانا خدا کی حکمت کا تقاضا بھی ہے، وہ دیکھ کر یہ تیرے سامنے موجود ہے۔ لیکن یہ کس پرہیزگاری اور خیریت زندگی میں پوری نہیں کی جائے گی، کیونکہ دیکھ کر ایمان لانا کافی معنی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کا جو امتحان لینا چاہتا ہے وہ تو یہ ہی یہ کہ وہ جس بلکہ خدا پرست سے بااثر حقیقتوں کو خاص نظر رکھ کر استدلال و معیج کے ذریعہ سے ماننا ہے یا نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک خطِ مضمون بھی بیان فرمادیا گیا ہے جو گہری توجہ کا مستحق ہے۔ فرمایا کہ ”اخذ اپنی نشانیں کو کھول کھول کر دیکھیں کہ اے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں“ اور ”اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غلط بین و غلط فہم سے ہیں چاہتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخذ تعالیٰ نے نہایت یکسر طریقے سے زندگی کے مظاہر ہر قطرہ آثار و کھیلوں کے ہیں جو ان مظاہر کے پیچھے چھپ کر برائی حقیقتوں کی مانت مانت نشان دہی کر رہے ہیں لیکن ان نشانوں سے حقیقت تک صرف وہ لوگ رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کے اندر یہ دو صفات موجود ہوں :

ایک یہ کہ وہ چاہا نہ تصبات سے پاک ہو کہ علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے کام لیں جو اللہ نے انسان کو دیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اندر خرد و عبادتِ موجودہ کو عقلی سے نہیں اور معیج و مستور سے نکال کر رکھی۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
واطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ ۝ اُولَٰئِكَ
مَأْوَهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں، اور جو لوگ ہماری نشانہوں سے غافل ہیں، اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہو گا اُن برائوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اس غلط عقیدے اور غلط طرز عمل کی وجہ سے) کرتے رہتے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ایمان لائے (یعنی جنہوں نے اُن صداقتوں کو قبول کر لیا جو اس کتاب

۱۲۔ یہاں پھر دوسرے کے ساتھ ساتھ اس کی دلیل بھی اشارۃً بیان کر دی گئی ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ عقیدۂ نبوت کے انکار کا

فازی اور قطعی قیہو جہنم ہے، اور دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے سے منکر یا غالی الذہن ہو کر انسان اُن برائیوں کا اکتساب کرتا ہے جن کی کڑا جہنم کے سرا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے اور ہزاروں سال کے انسانی ڈیٹے کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔ جو لوگ خدا کے سامنے اپنے آپ کو دوسرا اور جواب دہ نہیں سمجھتے، جو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے کہ انہیں کس آؤ کا رخصتا کر اپنے پورے کا ناز و نیاز کا حساب دینا ہے، جو اس مفروضے پر کام کرتے ہیں کہ زندگی بس ہی دنیا کی زندگی ہے، جن کے نزدیک کایمانی دنیا کی کایا سیرت یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی نے کس قدر خوشحالی، آسائش، شہرت اور طاقت حاصل کی، اور جو اپنے انہی مادہ پرستانہ تخیلات کی بنا پر آیات الہیٰ کرنا فانی قیہ سمجھتے ہیں، ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ دنیا میں شہرہ ہمارے کو دہتے ہیں، نہایت برے اخلاق و اوصاف کا اکتساب کرتے ہیں، خدا کی زمین کو غسمل و فساد اور فتن و فحش سے بھر دیتے ہیں، اور اس بھارت جہنم کے مسکن بن جاتے ہیں۔

۱۳۔ عقیدۂ آخرت پر ایک اور نوعیت کی دلیل ہے۔ پہلی تین دلیلیں عقل استدلال کے قبیل سے تھیں، اور یہ تہرٹی استدلال کے قبیل سے ہے۔ یہاں سے صرف اشارۃً بیان کیا گیا ہے، مگر قرآن میں مختلف مواقع پر ہمیں اس کی تفصیل ملی ہے۔ اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا انفرادی عروج و انوارانی گدہوں کا اجتماعی رویہ کسی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک یہ شعور اور یقین انسانی سیرت کی بنیاد پر نیست و بیکار نہ ہو کہ ہم خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اب جو مطلب یہ ہے کہ خود کیا کیوں ہے، کیا وجہ ہے کہ اس شعور و یقین کے غائب یا کمزور ہوتے ہیں انسانی سیرت و کردار کی کوشی برائی کی راہ پر چل پڑتی ہے اگر عقیدۂ آخرت نہ ہو، نہایت نفس غامری کے مطابق نہ ہوتا انطاس کا انکار حقیقت کے خلاف نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اتوار و انکار کے پرتاؤ ایک منہ دی شان کے ساتھ مسلسل ہمارے تجربے میں لگے۔ ایک بکا چیز سے ہم صحیح سانچے کا برا نہ ہوتا اور اس کے دم سے

نتائج کا ہمیشہ غلط ہو جانا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ وہ چیز جہاں سے طرد صحیح ہے۔

اس کے جواب میں بسا اوقات یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ سب سے بڑی بات اخوت ایسے ہیں جن کا فائدہ اخلاق اور دوسرے عمل سرگرمی و بہت و مائدہ پرستی پر مبنی ہے پھر بھی وہ ابھی خاصی پاکیزہ رہ سکتے ہیں اور ان سے علم و فہم اور فہم و فہم کا مجموعہ نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے معاملات میں نیک و اچھے خدائے خدمت گزار رہتے ہیں۔ لیکن اس مسئلہ کی کردی باندی، عمل واضح و مجاہداتی ہے۔ تمام مائدہ پرستانہ و دینی عقول اور تعلیمات علمی کا چیلنج پر مثال کے دیکھ لیا جائے۔ کہیں ان اخلاقی طریقوں اور عملی نیکیوں کے لیے کوئی بنیاد نہ ملے گی جن کا مزاج عقیدتیں ان میں کچھ کاور دہرہاں کر دیا جاتا ہے۔ کسی عقلی سب سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان لادینی عقولوں میں راست بازی، امانت، دیانت، وفا، خدمت، عدل، رحم، فیاضی، ایثار، ہمدردی، ضبط نفس، عفت، حق پرستی اور ادا دینے والے حقوق کے لیے محرکات موجود ہیں۔ خدا اور اخوت کو نظر انداز کر دینے کے بعد اخلاق کے لیے اگر کوئی قابل عمل نظام نہیں مل سکتا ہے تو یہ صرف اخوت، مادیت (Utilitarianism) کی بنیادوں پر ہی ہو سکتا ہے۔ باقی تمام اخلاقی فلسفے محض فرضی اور انسانی ہیں۔

ذکر عملی اور اخلاقیات جو اخلاق پر کیا کرتی ہے اسے خواہ کتنی ہی درست دی جائے بہر حال وہ اس سے آگے نہیں جانا کہ وہ دینی کام کے میں کا کوئی فائدہ اس دنیا میں اس کی ذات کی طرف یا اس معاشرے کی طرف جس سے وہ تعلق رکھتا ہے پلٹ کر آنے کی توقع ہو۔ یہ وہ چیز ہے جو فائدہ کے اس امید اور تفصیل کے اندیشے کی بنا پر انسان سے بچا اور جو بڑے سے بڑے اخلاقیات کا بہترین نمونہ موجود ہے۔ لہذا دنیا اور خدا انصاف اور فہم، فرض پرستی کا اس کی خدا کا حسب موقع و مکان کا سکتی ہے۔ وہ ان اخلاقیات کا بہترین نمونہ موجود ہے۔ لہذا دنیا کا نظریہ قوم ہے جس کی اکثر اس امر کی مثال پیش کی جا رہی ہے کہ مائدہ پرستانہ نظریہ حیات رکھنے والا اخوت کے تصور سے خالی ہونے کے باوجود اس قوم کے افراد بالعموم دوسروں سے زیادہ بچے، اچھے، مہربان، ایماندار اور اللہ کے باوجود انصاف پسندانہ معاملات میں قابل اعتماد ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نادینی اخلاقیات کی تائید یا ردی کا سب سے فراوانہ بنیاد علمی و فہمی اس عقیدے اور ایمان پر مبنی ہوتی ہے کہ یہ میں مٹا ہے۔ اگر فی الواقع انگریزوں کی جہانی انصاف پسندی اور استبدادی اور مذہبی یا جہی اس عقیدے اور ایمان پر مبنی ہوتی ہے کہ یہ صفات مجھے خود مستقل اخلاقی خوریاں ہیں تو آخر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک ایک اگرچہ کچھ شخص کی ہر دین میں ان کا حال بہتر ہو مگر ساری قوم لی کر ان لوگوں کی پناہ نہ لے سکے اور اپنے جماعتی کام کو سر لے کر نہ دے سکیں۔ یہ وہ سب سے زیادہ سب سے کام لیتے ہوئے دینی قوم کا اعتماد بین الاقوامی معاملات کے چلانے میں علامہ جبروت، ابد عہدی، عقلم، بے انصافی اور بدعادتوں سے کام لیتے ہوئے دینی قوم کا اعتماد ان کو حاصل رہتا ہے کیونکہ اس بات کا مزاج ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ مستقل اخلاقی قاعدوں کے قائل نہیں ہیں بلکہ دینی فائدہ سے اور تفصیل کے لحاظ سے ایک وقت دو متضاد اخلاقی رویے اختیار کر لے ہیں اور کر سکتے ہیں۔

تاہم اگر کوئی منکر ضابطہ اخلاق فی الواقع دنیا میں ایسا موجود ہے جو مستقل طور پر بعض نیکیوں کا یا بعض اوصافِ بلیوں سے عقب ہے تو وہ حقیقت اس کی یہ نیک اور پرہیزگاری اس کے مادہ پرست اندازِ فکر و حیات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان مذہبی باطنیات کا نتیجہ ہے جو غیر شعری اور ہر پاس کے نفس میں ممکن ہیں۔ اس کا اعتقاد صحابہ مذہب سے چھڑایا جاتا ہے اور اس کو وہ اندازِ طریقے سے لانا ہی میں استعمال کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اخلاقی و مادہ پرستی کے خزانے میں اس صراطِ کے اخلاقی نشانِ دہی ہرگز نہیں کر سکتا۔

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيْهُمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعَوْهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ
اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

میں بیش کی گئی ہیں، اور نیک اعمال کرتے رہے انہیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی
راہ چلائے گا، نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہیں گی، وہاں ان کی صدیہ ہوگی کہ پاک ہے
اے خدا، ان کی دعا یہ ہوگی کہ مسالمتی ہو اور ان کی ہر بات کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ ساری تعریف اللہ

۱۳۔ اس جملہ پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے۔ اس کے مضمون کی ترتیب گہری قرعہ کی سمت ہے:

ان لوگوں کو آخرت کی زندگی میں جنت کیوں ملے گی؟ — اس لیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں سیدھی ماہ چلے۔ ہر کام میں اس
شعور سے زندگی میں ہر انفرادی و اجتماعی معاملے میں انہوں نے برحق طریقہ اختیار کیا اور باطل طریقوں کو چھوڑ دیا۔

یہ ہر ہر قدم پر زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر دور اس پر ان کو صحیح اور غلط، حق اور باطل، راست اور نامست کی تمیز کیسے حاصل
ہوئی؟ اور جو اس تمیز کے مطابق راست روی پر ثبات اور صحیح روی سے پرہیز کی طاقت انہیں کہاں سے ملی؟ — ان کے کعبہ کی
طرف سے، لیکن وہ بھی علمی رہنمائی اور عقلی توفیق کا منبج ہے۔

ان کا رب انہیں یہ ہدایت اور یہ توفیق کیوں دیتا رہا؟ — ان کے ایمان کی وجہ سے۔

یہ نتائج جو اب بیان ہوتے ہیں کس ایمان کے نتائج ہیں؟ — اُس ایمان کے نہیں جو مضمون مان لینے کے معنی میں ہوا
بلکہ اُس ایمان کے جو سیرت و کردار کی اصلاح میں جانے اور میں کی طاقت سے اخلاق و اعمال میں صلاح کا طور پورے لگے۔ اپنی
جسمانی زندگی میں آپ خود دیکھتے ہیں کہ بقائے حیات، تمدنی اور قوت کا رادہ لذت زندگی کا حصول صحیح قسم کی غذا پر عرقوت
ہوتا ہے، لیکن یہ نتائج اُس تقدیر کے نہیں جو مضمون کھا لینے کے معنی میں ہو بلکہ اُس تقدیر کے ہوتے ہیں جو ہم ہمہ جو کھوں بنے
اور رنگ رنگ میں کھیں کہ ہر حصہ جسم کو وہ طاقت بخشنے جس سے وہ اپنے جسم کا کام فیک فیک کرنے لگے۔ بالکل اسی طرح اخلاقی
زندگی میں بھی ہدایت دینی، راست بینی، راست روی اور باوقار و فلاح مکالماتی کا حصول صحیح عقائد پر عرقوت ہے، مگر یہ نتائج اُن عقائد
کے نہیں ہیں جو مضمون زبان پر جاری ہوں یا دل و دماغ کے کسی گوشے میں بے کار پڑے ہوتے ہوں، لیکن ان عقائد کے ہیں جو نفس کے
اندھ جذبہ پر جوت ہو گا غنا و ملکہ اور فلاحی طبع اور افتاد و مزاج میں جائیں اور سیرت و کردار اور رویہ زندگی کی صورت میں نمایاں ہوں۔
خدا کے توفیق و عطا میں وہ شخص جو کما کر دکھائے والے کی طرح رہے، اُن اخلاقیات کا مستحق نہیں ہوتا جو کما کر دکھائے والے کے لیے
دئے گئے تھے، لیکن جو کھوں توفیق کی جائے کس کے توفیق اخلاقی میں وہ شخص جو ان کرنا نہنے والے کی طرح رہے، ان اخلاقیات کا مستحق

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٠﴾ وَكَوَيْعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِجْعَالَهُمْ

رَبِّ الْعَالَمِينَ ہی کے لیے ہے۔۔۔

اگر کیش اشد لوگوں کے ساتھ برہمچالہ کرنے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی وہ ان کے ساتھ

ہر مکتبہ پر جہان کو صانع ہفتہ والے کے لیے رکھے گئے ہیں۔

۱۲۔ یہاں ایک لطیف غلامیوں سے بتایا گیا ہے کہ دنیا کے دارالافتحان سے کامیاب ہو کر نکلنے اور نصرت بھری جنتی میں پہنچ جانے کے بعد یہ نہیں ہو گا کہ لوگ ہر دہائی پہنچتے ہی سلمان پیش پیش ہو کر ان کی طرح ٹوٹ پڑیں گے اور ہر طرف سے کامیابوں کا شرب اور بے چراغ دیاباب کی عداوتیں بلند ہونے لگیں گی، جیسا کہ جنت کا نام سننے ہی بعض کے فہم حضرات کے ذہن میں اس کا نقشہ گھونٹنے لگا ہے۔ بلکہ وہ حقیقت صالحہ اہل ایمان دنیا میں انکار عالیہ اور اخلق فاضلہ اختیار کر کے اپنے جذبات کو سزاوارتہ جنتی خواہشات کو سزاوارتہ اور اپنی سیرت و کردار کو پاکیزہ بنا کر جن قسم کی بلند ترین شخصیتیں اپنی ذات میں ہم پہنچائیں گے وہی دنیا کے ماحول سے مختلف جنت کے پاکیزہ ترین ماحول میں اور زیادہ گھر کر آجوتیوں کی اداوائی کے دیہی اوصاف و عداوتیں انھیں سنبھالنے کی تھیں وہاں اپنی پوری شان کے ساتھ ان کی سیرت میں جلوہ گر ہوں گے۔ ان کا محبوب ترین مشغلہ دینی، اللہ کی حمد و ثناء میں ہو گا جس سے دنیا میں وہ مانوس تھے، اداوائی کی سوزناکائی میں وہی ایک دوسرے کی سلامتی چاہتے کا ہندو کا فرما ہو گا جسے نبیائیں انھوں نے اپنے اجتماعی روح پر چھک کر بتایا تھا۔

۱۵۔ اور ہر کے تہذیبی فحشوں کے بعد اب نصیحت اور تعلیم کی تقریر شروع ہوتی ہے۔ اس تقریر کو پڑھنے سے پہلے اس کی بنیاد پر سے متعلق دو باتیں پیش کرنا ضروری نظر کر گئی ہیں:

ایک یہ کہ اس قدر کہ جسے تحریری دست پہلے سات سال کا وہ مسلسل اندازت کا دیگر ختم ہوا تھا جس کی مصیبت سے ابلی کہ
جتنی اٹھے تھے۔ اس خط کے ذمہ نے جس قریب کے حکمران کی اکڑی ہوئی گرو میں بہت جھک گئی تھیں۔ وہ عائنیں اور دنیاں کہتے تھے،
بہت ہی سہی کی یہ انکی تھی، خدا نے واحد کی طرف رجوع کرنا تھا اور نہت یہ انکی تھی کہ آؤ کہ اب یہ سہا ہے۔ ان کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم
سے درخواست کی کہ آپ خدا سے اس کا کوٹا لے کے لے دے مگر یہی عجب قحط اور ہو گیا، باور میں نہ گئیں اور خوشحالی کا ڈھکا کا تو
ان لوگوں کی وہی سرکشیاں اور ہلا علیاں، اور دین حق کے خلاف وہی سرگرمیاں پھر شروع ہو گئیں اور جو مل خلیک طرف رجوع کرنے
گئے تھے وہ یہ بھی ساری غفلتوں میں ڈوب گئے۔

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ان لوگوں کو انکار حق کی پاداش سے ڈراتے تھے تو یہ لوگ جواب میں کہتے تھے کہ تم جس مطالبہ الٰہی کی وجہ کیاں دیتے ہو وہ اس کو نہیں نہیں جانتا، اس کے آسنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے۔

اسی پر فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں پر رحم و کرم فرمائیے میں جتنی جلدی کرتا ہے ان کے سزا دینے اور ان کے گنہگاروں پر پکڑ لینے میں اتنی جلدی نہیں کرتا۔ تم چاہتے ہو کہ جس طرح اس نے قصاصی دھماکیں مکن کرانے کے لئے جلدی سے دھڑک دیا، اسی طرح وہ تمہارے

بِالْخَيْرِ لَقَضِيَ لِيَوْمِ اجْلَاسِهِمْ فَذَرِ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
 فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا
 لِخَبْرِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ
 كَانُ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضُرِّهِ مَسَّهُ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ
 مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ

بھلائی کرنے میں جلدی کرتا ہے تو ان کی صلت عمل کسی کی ختم کر دی گئی ہوتی۔ (مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے) اس لیے ہم اُن لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اُن کی سرکشی میں جھکنے کے لیے چھوٹ دے دیتے ہیں۔ انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے، مگر جب ہم اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو ایسا پل نکلتا ہے کہ گویا اس نے کبھی اپنے کسی بُرے وقت پر ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ اس طرح حد سے گزر جانے والوں کے لیے ان کے کرتوت خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔ (لوگو! تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے اپنے زمانہ میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا

جو بیخ کنی اور تھاری سرکشاں دیکھ کر غضب بھی فوٹا بیج دے۔ لیکن خدا کا طریقہ یہ نہیں ہے۔ لوگ خواہ کتنی ہی سرکشاں کچے ہوں وہ ان کو پکڑنے سے پہلے سنبھلنے کا کافی موقع دیتا ہے یہیم تنبیہات میرتا ہے اور ہر ڈھیلی بھڑے رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دعایت کی حد پہنچاتی ہے تب پاداشِ عمل کا قانون نافذ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہے خدا کا طریقہ۔ اور اس کے برعکس کم ظرف انسانوں کا طریقہ وہ ہے جو تم نے اختیار کیا کہ جب مصیبت آئی تو خدا یا دانے لگا بیٹھا نا اور گھٹنانا شروع کر دیا، اور جہاں ملاحت کا معدا آیا کہ سب کچھ بھول گئے یہی وہ چمن ہیں جن سے قوریں اپنے آپ کو غضب افی کا مستحق بناتی ہیں۔

۱۰ اصل میں لفظ ”قرن“ استعمال ہوتا ہے جس سے مواد عام طور پر تو عربی زبان میں ایک ”عہد کے لوگ“ ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس انداز سے مختلف مواقع پر اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اس سے اب محسوس ہوتا ہے کہ ”قرن“ سے مراد وہ قوم ہے جو اپنے عہد میں برسرِ عروج اور کئی یا جنی طور پر امامتِ عالم پر سرِ فرائز رہی ہو۔ ایسی قوم کی ہلاکت کا لازمی معنی نہیں دیکھتی کہ اس کی نسل کو بالکل غارت ہی کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا مقام عروج و ملامت کے گرا دیا جاتا ہے اس کی تہذیب و تمدن کا تہا ہر جاتا اس کے تشخص کا مٹ جانا اور اس کے اجوار کا بجا رہ پارہ ہر کر دوسری قوموں میں گم ہو جانا یہی حاکمیت ہی کی ایک صحت ہے۔

لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا
كَذَلِكَ يُخْرِى الْقَوْمَ النُّجُومِينَ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ
مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا اسْتَأْذَنَّا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا
بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا
أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَيْتُهُ

جب انھوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور ان کے رسول ان کے پاس مکمل کھلی نشانیاں لے کر آئے اور
انھوں نے ایمان لا کر بھی نہ دیا۔ اس طرح ہم مجرموں کو ان کے جہازم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اب ان کے بعد
ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔

جب انھیں ہماری صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے غنے کی توقع نہیں
رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرلو۔ اے محمدؐ، ان سے کہو "میرا یہ
کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں۔ میں تو میں وحی کا پیروں اور میری پاس

۱۲۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ وہی وہی ہے جو عام طور پر اس سے منسوب ہوتے ہیں بلکہ یہ ان تمام گناہوں پر حاوی ہے
جس میں اللہ کی حد سے گزر کر کرتا ہے۔ (تفسیر کے لیے ملاحظہ فرمائیے)

۱۳۔ غرض کہ یہ کہ خطاب اہل عرب سے ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا ہے کہ بچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانے میں کام
کرنے کا موقع دیا گیا تھا، مگر انھوں نے اس کا موقع و نجات کی روش اختیار کی اور انہیں ایمان کو راستہ دکھانے کے لیے بھیجے گئے
تھے ان کی بات انھوں نے نہ مانی اس لیے وہ ہمارے امتحان میں ناکام ہوئیں اور ایمان سے ہٹادی گئیں۔ اب اسے اہل عرب تھا کہ
انہیں کوئی ہے جسے ان کی جگہ کا کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تم اس امتحان کا وہی کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہو کر
نکلے جا چکے ہیں۔ مگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا انجام ہمیں وہی ہو جو ان کا تھا تو اس موقع سے جو تمہیں دیا جا رہا ہے اسے صحیح فائدہ اٹھاؤ
بچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی کی وجہ بنیں۔

۱۴۔ ان کا یہ قول اہل اہل قوم سے مطعونہ یعنی تم کو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خبریں کر رہے ہیں، لیکن انھوں نے ان سے نہیں بے فکر
ان کے اپنے مانا کی تصنیف ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر کے انھوں نے صرف اس سے پیش کیا ہے کہ ان کی بات کا وزن ہو

إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ رَافِي الْأَخَافِ إِنَّ عَصِيَّتَ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ
 قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ
 لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ فَسَنَ

آتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے جہنم کے عذاب کا ڈر ہے۔ اور کہو
 ”اگر اللہ نے یہ نہ چاہا ہوتا کہ میں یہ قرآن تمہیں سناؤں تو میں کہیں نہ سناسکتا تھا بلکہ تمہیں اس کی خبر نہ دے سکتا
 تھا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ پھر اس سے

جائے دوسرے ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ تم نے توحید اور اخلاق یا بندوبست کی بحث کیا جیسے وہی، اگر ہمتائی کے لیے اٹھے ہو تو
 کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس سے قوم کا بھلا ہو اور اس کی دنیا بنی نظر آئے۔ تاہم اگر تم اپنی اس دھت کو باطل نہیں دیکھتا ہے تو کم از کم
 اس میں اتنی چمک ہی پیدا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کم و بیش پر مصالحت ہو سکے کچھ ہم تمہاری باتیں کچھ تم ہماری باتیں لو۔
 تمہاری توحید میں کچھ ہمارے شرک کے لیے تمہاری خدا پرستی میں کچھ ہماری نفس پرستی اور دنیا پرستی کے لیے اور تمہارے عید و آہوت
 میں کچھ ہماری ان عیدوں کے لیے جی گھنٹاؤں میں چاہیے کہ مضامین ہم جو چاہیں کرتے ہیں، آہوت میں ہماری کسی نہ کسی طرح نہات
 مزدور ہر جائے گی۔ پھر تمہارے یہ قطعی اور حتمی اخلاقی اصول بھی ہمارے لیے ناقابل قبول ہیں۔ ان میں کچھ ہمارے قصبات کے لیے،
 کچھ ہمارے دم و روان کے لیے، کچھ ہماری شخصی اور قومی اغراض کے لیے، اور کچھ ہماری خواہشات نفس کے لیے بھی جملہ بخشنی چاہیے۔
 کہیں دلیا ہو کہ دین کے مطالبات کا ایک مناسب دائرہ ہماری اور تمہاری رضا مندی سے ملے جو جائے اس میں ہم خدا کا حق ادا کر لیا
 کوں، اس کے بعد میں آنا اور چھوڑ دیا جائے کہ جس طرح اپنی دنیا کے کام چلانا چاہتے ہیں چلائیں۔ مگر تم یہ غضب کہہ رہے ہو کہ پوری
 زندگی کا دوسرا حصہ مسالحت کو توحید و اخلاق کے عقیدے اور شریعت کے ضابطہ سے کس دینا چاہتے ہو۔

۱۷ یہ ادھر کی دفعی باتوں کا جواب ہے۔ اس میں بھی کہ دیا گیا کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں مگر یہ وہی کھنڈے
 سے ہے جس سے اس آئی ہے جس میں کسی بعد بدل کا مجھے اختیار نہیں۔ اور یہ بھی کہ اس معاملہ میں مصالحت کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے، قبول
 کرنا ہر قسم سے دین کو جو ان کا قائل قبول کرے اور نہ پورے کو وہ کر دو۔

۱۸ یہ ایک نہایت دلیل ہے ان کے اس خیال کی تردید میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خود اپنے دل سے نکل کر خدا
 کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوے کی تائید میں کہ وہ خدا اس کے مصنف نہیں ہیں بلکہ خدا کی طرف سے
 بذریعہ وحی ان کی نازل ہو رہا ہے۔ دوسرے تمام مبالغہ و ترسب و تدریج چیز تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان لوگوں کے سامنے
 کی چیز تھی، بہت سے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزرا ہے تھے۔ ان کے شر میں پیدا ہوئے تھے، ان کی آنکھوں کی

سامنے پہن گندا، جوان ہونے، اور میر طر کر بیچے۔ دہنا سنا، ملنا جلتا، میں دین، شادی بیاہ، مرفض، قسم کا معاشرتی قتل، اسی کے ساتھ تھا اور آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہ تھا۔ ایسی جانی بھی اور دیکھی سالانہ چیز سے زیادہ مکمل شہادت اور کیا ہو سکتی تھی۔

آپ کی اس زندگی میں دو باتیں بالکل عیاں تھیں جنہیں مکہ کے لوگوں میں سے ایک ایک شخص جانتا تھا:

ایک یہ کہ نبوت سے پہلے کی باری چالیس سالہ زندگی میں آپ نے کوئی ایسی تعلیم اور تربیت اور محنت نہیں پائی جس سے آپ کو وہ معلومات حاصل ہو جن میں گمے چھپے ہو یا ایک دھولے نبرد کے ساتھ ہی آپ کی زبان سے جو نئے خروار ہو گئے۔ اسی کبھی آپ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے، اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے تھے جو اب قرآن کی ان پہ در پہ سورہ قلم میں زیر بحث آ رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ اس بارے میں چالیس سال کے دوران میں کبھی آپ کے کسی گھر سے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ والے بھی آپ کی باتوں اور آپ کی حکایتوں اور حکمت میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اُس عظیم الشان رجوت کی تہدیکھا جاسکتا جو جو آپ نے پہلے چالیسوں سال کو بیچ کر دینی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ قرآن آپ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ فارغ سے آپ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے کہ انسانی دماغ اپنی حرکت کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش کر سکتا جس کے نشرو مفاد اور ارتقاء کے خارج نشانات اُس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے بعض چالاک لوگوں۔ نجیب خود محسوس کر لیا کہ قرآن کو آپ کے دماغ کی پیداوار قرار دینا صریح طور پر ایک لغو الزام ہے تو آخر کو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی اور شخص ہے جو محمد کو یہ باتیں سکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ دوسری بات پسلی بات ہے جسے زیادہ غور سے دیکھ کر کوئی نہ چاروں سو سے عرب میں کوئی اس قابلیت کا آدمی نہ تھا جس نے اُنھی کو کہہ دیا تھا کہ یہ اس کام کا مصنف ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایسی قابلیت کا آدمی کسی سوامائی میں چھپا کیسے ہو سکتا ہے۔

دوسری بات جو آپ کی سابقہ زندگی میں بالکل غایاں تھی، وہ یہ تھی کہ جموت، فریب، جمل، مکاری، جباری اور اُس قبیل کے دوسرے لوگوں میں سے کسی کا ادنیٰ شائبہ تک آپ کی بھرت میں نہ پایا جاتا تھا۔ پوری سوامائی میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ اس چالیس سال کی بکلیاتی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تقرب و استعدا ہے۔ برعکس اس کے ہم جن لوگوں کو بھی آپ نے ساتھ پیش کیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے دماغ، استقامت (امین) انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ نبوت سے پہلے ہی مال پہلے فقیر کے سلسلے میں مشہور و معروف تھا۔ چنانچہ تھا جس میں ہجر اسود کو نصب کرنے کے معاملہ پر قریش کے فطرت خاندان جو مگر نہ تھے اور آپ میں طے ہوا کہ اگر کس بیچ پہا شخص جرم میں داخل ہو گا اسی کو بیخ خان لیا جائے گا۔ دوسرے دوزخ و شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو وہاں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب لوگ پار اٹھے، ہذا الامین، سر حنیفا، اذن محمد۔ یہ بالکل مستان آدمی ہے۔ ہم اس پر طوطی ہیں۔ یہ تو محمد ہے۔ اسی طرح آپ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے انہوں نے ہی پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپ کے "امین" ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے بچہ کو نہ سنا تھا، جس نے جموت، فریب، جمل، مکاری، جباری اور اُس قبیلہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ اس چالیس سال کی بکلیاتی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تقرب و استعدا ہے۔ برعکس اس کے ہم جن لوگوں کو بھی آپ نے ساتھ پیش کیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے دماغ، استقامت (امین) انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ نبوت سے پہلے ہی مال پہلے فقیر کے سلسلے میں مشہور و معروف تھا۔ چنانچہ تھا جس میں ہجر اسود کو نصب کرنے کے معاملہ پر قریش کے فطرت خاندان جو مگر نہ تھے اور آپ میں طے ہوا کہ اگر کس بیچ پہا شخص جرم میں داخل ہو گا اسی کو بیخ خان لیا جائے گا۔ دوسرے دوزخ و شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو وہاں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب لوگ پار اٹھے، ہذا الامین، سر حنیفا، اذن محمد۔ یہ بالکل مستان آدمی ہے۔ ہم اس پر طوطی ہیں۔ یہ تو محمد ہے۔ اسی طرح آپ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے انہوں نے ہی پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپ کے "امین" ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے بچہ کو نہ سنا تھا، جس نے جموت، فریب، جمل، مکاری، جباری اور اُس قبیلہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ اس چالیس سال کی بکلیاتی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تقرب و استعدا ہے۔ برعکس اس کے ہم جن لوگوں کو بھی آپ نے ساتھ پیش کیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے دماغ، استقامت (امین) انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ نبوت سے پہلے ہی مال پہلے فقیر کے سلسلے میں مشہور و معروف تھا۔ چنانچہ تھا جس میں ہجر اسود کو نصب کرنے کے معاملہ پر قریش کے فطرت خاندان جو مگر نہ تھے اور آپ میں طے ہوا کہ اگر کس بیچ پہا شخص جرم میں داخل ہو گا اسی کو بیخ خان لیا جائے گا۔ دوسرے دوزخ و شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو وہاں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب لوگ پار اٹھے، ہذا الامین، سر حنیفا، اذن محمد۔ یہ بالکل مستان آدمی ہے۔ ہم اس پر طوطی ہیں۔ یہ تو محمد ہے۔ اسی طرح آپ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے انہوں نے ہی پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپ کے "امین" ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی

أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُعْلِمُ الْجَاهِلُونَ^(۱۵)

بڑھ کر ظالم اور کون بڑھ کر جو ایک جھوٹی بات گھر کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

کر نہ۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان کے اس بیہودہ الزام کے جواب میں ان سے کہو کہ اللہ کے بند کچھ فعل سے تو کم لوئیں کوئی باہر سے آیا ہوا انجینی آدمی نہیں ہوں، تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک ٹکڑا بچا ہوں، میری سابق زندگی کو دیکھتے ہوئے تم کیسے یہ توقع محض سے کر سکتے ہو کہ میں خدا کی تعلیم اور اس کے حکم کے بغیر یہ قرآن تمہارے سامنے پیش کر سکتا تھا۔

۲۲۔ مئی اگر یہ آیات خدا کی نہیں ہیں اور میں انہیں خود تصنیف کر کے آیات الہی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں تو مجھ پر ظالم کوئی نہیں۔ اور اگر یہ واقعی اللہ کی آیات ہیں اور تم ان کو محض اس لیے جھوٹا کہہ رہے ہو تو پھر تم سے بڑا بھی کوئی ظالم نہیں۔

۲۳۔ جسٹس نادان لوگ "فلاح" کو طویل مزایا دینی خوشحالی یا دنیوی فروغ کے معنی میں لے لیتے ہیں، اور پھر اس پر کہتے ہیں تجوہان چاہتے ہیں کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر کے جیتا رہے، یا دنیا میں پھلے پھولے، یا اس کی دعوت کو فروغ نصیب ہو اسے نبی حق یا نبی من چاہیے کیونکہ اس نے فلاح پائی۔ مگر وہ نبی حق نہ ہوتا تو جہنم دعوئی کہتے ہی ماندلا جاتا، یا بھوکوں مار دیا جاتا اور دنیا میں اس کی بات چلنے میں نہ پاتی۔ لیکن یہ عقائد استدلال صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو نہ تو قرآنی اصطلاح "فلاح" کا مفہوم جانتا ہو نہ جس قانون و اسلئے واقف ہو جو قرآن کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے لیے مقرر فرمایا ہے، اور نہ ہی سمجھتا ہو کہ اس مسئلہ بیان میں یہ فکرو کس معنی میں آیا ہے۔

اول تو یہ بات کہ "مجرم فلاح نہیں پاسکتے" اس سیاق میں اس حیثیت سے فرمائی ہی نہیں گئی ہے کہ یہ کسی کے دھانے عزت کر کے کہنے کا معیار ہے جس سے عام لوگ جاچ کر خود فیصلہ کر لیں کہ جو کسی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہو اس کے دعوے کو مانیں اور جو فلاح نہ پا رہا ہو اس کا انکار کریں۔ بلکہ یہاں تو یہ بات اس معنی میں کہی گئی ہے کہ "میں نبیین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی اس لیے میں خود تو یہ جرم نہیں کر سکتا کہ نبوت کا سموننا دعویٰ کر دوں، البتہ تمہارے تعلق مجھے یقین ہے کہ تم سے ہی کو جھٹلانے کا جرم کر رہے ہو، اس لیے تمہیں فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔"

پھر فلاح کا لفظ بھی قرآن میں دنیوی فلاح کے محدود معنی میں نہیں آیا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ پائیدار کامیابی ہے جو کسی خیران پر منتج ہونے والی ذمہ داری، قطع نظر اس سے کہ وہی زندگی کے دوسرے ایوان میں اس کے اندر کامیابی کا کوئی ہیوسہ مرید نہ ہو۔ جو ہو سکتا ہے کہ ایک دینی شخصیت دنیا میں مٹنے سے بچے، خوب پھلے پھوسے اور اس کی گمراہی کو فراموش نصیب ہو، مگر یہ قرآن کی اصطلاح میں فلاح نہیں، یہی خیران ہے۔ اور یہی ہو سکتا ہے کہ ایک دینی حتیٰ و قیاس نہ تھی صیبتوں سے دوچار ہو، شدت آلام سے ڈھکا

هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَنْبِئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ
 فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾
 وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
 سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِي مَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد! ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جیسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟ پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے اس شرک جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
 ابتداءً سے انسان ایک ہی امت تھے، بعد میں انھوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنائے، اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

اس چیز سے جو وہ پس کر رہا ہو ممکن نہ ہوتی تو ایسے غیر معقول معیار تجویز کرنے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔

۲۲ کی جگہ اللہ کے علم میں نہ ہونا یہی رکھتا ہے کہ دوسرے سے جو وہی نہیں ہے اس لیے کہ سب کچھ جو موجود ہے اللہ کے علم میں ہے۔ پس مخالفینوں کے مدد و ہونے کے لیے یہ ایک نہایت لطیف تدبیر بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ تعجالتاً نہیں کر زمین یا آسمان میں کوئی اس کے حضور تصاری سفارش کرنے والا ہے، پھر یہ تم کن مخالفین کی اس کو غمزدہ رہے ہو؟

۲۵ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ ۳۳۔

۲۶ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو حقیقت کا انسانوں کے حواس سے پوشیدہ رکھ کر ان کی عقل و فہم اور تیز و دھواں کرنا آتش میں ڈال دیتا، اور جو اس آتش میں ناکام ہو کر غلط راہ پر جاتا چاہیں گے، انہیں اس راہ پر جلتے اور چلنے کو قوت دیا جائے گا، تو حقیقت کو آج بھی بے نقاب کر کے مساوی اختلافات کا فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔

یہاں یہ بات ایک بڑی غلط فہمی کو رخ کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے۔ عام طور پر آج بھی لوگ اس آئینوں میں ہیں اور نزول قرآن کے وقت بھی تھے کہ دنیا میں بہت سے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب والا اپنے پی مذہب کو حق سمجھتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر اس فیصلے کی ضرورت کیا ہے کہ کون حق ہے اور کون نہیں۔ اس کے معلق فرمایا جا رہا ہے کہ یہ اختلاف مذاہب و مذہبوں کی جڑ پر پیدا ہے۔ دنیا میں تمام فرقہ وارانہ مذاہب ایک قصور و عیب مذہب حق تھا، پھر اس حق میں اختلافات ہو گئے کہ لوگ مختلف عقیدے اور مذاہب بناتے چلے گئے۔ اب اگر اس جگہ نہ مذہب کا فیصلہ تھا تو نہ ایک عقل و شعور کے صحیح استعمال کے بجائے صرف مٹی کی طرح ہوسکتا

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغِيبُ لِلَّهِ
فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ وَلَا تَأْخُذْ بَعْدَ ذَلِكَ
رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِذَا هُم مَّسْتَهْزِئُونَ ۝ إِذَا هُم مَّسْتَهْزِئُونَ ۝

اور یہ جودہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ آئی، تو ان سے کہو
”غیب کا مالک وہ خداوند ہی ہے“ اچھا، انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ع

لوگوں کا حال یہ ہے کہ نصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو فوراً ہی وہ
بہماری نشانوں کے معاملہ میں چال بازیوں شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے کہو! اشد اپنی چال میں تم سے
ہے کہ خداوند حق کو یہ کتاب کہہ کے سامنے لے آئے تو یہ موجدہ و مبدی زندگی میں نہیں ہوگا۔ دنیا کی یہ زندگی تو ہے ہی امتحان کے لیے
اور یہاں سارا امتحان اسی بات کا ہے کہ تم حق کو دیکھو بغیر عقل و شعور سے پہچانتے ہو یا نہیں۔

۵۷۷ یحییٰ اس بات کی نشانی کہ یہ واقعی نبی و حق ہے اور جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات
پیش نظر رہے کہ نشانی کے لیے ان کا یہ مطالبہ کھاس بنا پختہ تھا کہ وہ کچھ نئے سے دعوت حق کو قبول کرنے اور اس کے تقاضوں کے
مطابق اپنے اخلاق کو کمالات کو، نظام معاشرت و تمدن کو طوطی اپنی پوری زندگی کو ڈھال لینے کے لیے تیار رہتے اور اس وجہ سے
شیرے جوتے تھے کہ نبی کی تائید میں کوئی نشانی، ایسی ضرورت تھی کہ وہ اسے دیکھی تھی جس سے انہیں اس کی قدرت کا یقین آجائے۔ اصل
بات یہ تھی کہ نشانی کا یہ مطالبہ اصل ایمان لانے کے لیے ایک جہانے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ جو کچھ یحییٰ کو کھایا یا پانی اس کے پیو
یہی کہتے کہ کوئی نشانی تو ہم کو دکھائی ہی نہیں گئی اس لیے کہ وہ ایمان لاتا چاہتے تھے۔ دوسری زندگی کے ظاہری پہلو کو اختیار کرنے
میں یہ جتنا نادیہاں کہہ حاصل تھی کہ نفس کی خواہشات و رغبات کے مطابق جس طرح چاہیں کام کریں اور جس چیز میں لذت یا فائدہ محسوس
کریں اس کے پیچھے لگ جائیں اس کا چھوڑ دیکر وہ ایسی ہی چیزیں (توحید و اخوت) کرانے کے لیے تیار نہ تھے جنہیں مان لینے کے
بہان کو بہا سارا نظام حیات مستقل مطابق اصولوں کی بندش میں باندھنا پڑ جاتا۔

۵۷۸ یحییٰ جو کچھ اشرار نے تیار کیا وہ اسے تو میں نے پیش کر دیا، اور اس نے نہیں مانا اور میرے اور تمہارے لیے غیب ہے
جس پر سارے خدا کے کچھ کا اختیار نہیں، وہ چاہے تو تیار رہے اور نہ چاہے تو نہ مانے۔ اب اگر تمہارا ایمان اتنا ہی پر محقق ہے کہ
جو کچھ خدا نے نہیں اتنا رہے وہ اترے تو اس کے انتظار میں بیٹھے رہو، میں بھی دیکھوں گا کہ تمہاری یہ ضلالتی کی جاتی ہے یا نہیں۔

۵۷۹ یہی جو عقلی طرف مشاہدہ ہے جس کا ذکر دوسرے مکتع میں گذر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نشانی تو نہیں منست
اگتے ہو۔ اسی جو قیام کر رہا ہے اس میں تم نے نہ تو سمجھو اس سے کہ میں جو کچھ تجھے نہیں مانتے اشرار کے پاس اپنا سوشل فیلڈ رکھا

أَسْرِعْ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُوبُونَ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرِينَ بَحْمٍ يَرْجُمْ
طَيْبَةً وَفِرْحَانَهَا جَاءَ تَهَاوِينٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمُ احْبِطَ بِهِمْ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ هَلْ لَيْنَ أَجْبَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۶۲﴾

زیادہ تیز ہے اس کے فرشتے تمہاری سب محکموں کو قلم بند کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شادیاں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھمیدہ طے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں بھر گئے اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی سے لینے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ”اے تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔“

تھا اور جن کے مشق کار کرتے تھے کہ دلائلِ مستند کی نثار تو میرے ہفت سب اوروں دلوں پر نہ تھا واپس جانے کی ویسے کہ مراد باقی ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ ان نام نہادوں کے دلوں میں کچھ نہیں ہے اور سارے انقباضات کا مالک صرف اللہ ہے۔ اسی وجہ سے تو آخر کار تم اللہ ہی سے دعائیں مانگے تھے۔ نئے کیا یہ کئی فضا کی ذی کہ تمہیں اس قیام کے برحق ہونے کا یقین آجاتا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے رہا ہے۔ اس پر مٹاؤ کہ ”بکہ“ (تم نے کیا کیا) یہ بھی نہ کہنا اور نہ جانا اور بلاں رحمت نے تمہاری مصیبت کا خاتمہ کر دیا۔ تم نے اس بلا کے آئے اور پھر جس کے۔ جو تم نے کے مشق ہزار قسم کی تو یہیں اور تا وہیں (چاہا زبان) اگر فی ضرورت کروں تاکہ تو میرے ماننے سے نفع نہ ہو۔ یہ نہ کہہ سکتا۔ اب جن لوگوں نے اپنے تئیں کراں درجہ غلاب کیا ہو انہیں آخر کو کون سی نشانی دکھائی جائے گی اس کے دکھانے سے حاصل کیا ہے؟

۱۔ اللہ کی مثال سے مراد یہ ہے کہ اگر تم حقیقت کو نہیں مانتے اور اس کے مطابق اپنا رویہ درست نہیں کرتے تو وہ تمہیں اسی ایذا نہ دے گا کہ پتھر پھینک دے گا کہ تم کہتے ہو کہ اللہ ہی ہے جو تمہیں موت دے گا اور اس موت کے بعد تمہیں جہنم میں جو کچھ کر گئے وہ سب اللہ کے فرشتے خاموشی کے ساتھ بیٹھے رکھ دیں گے۔ مگر اللہ کی مثال یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو تمہیں موت دے گا اور تم اپنے کو تو قتل کا سبب دینے کے لیے دھر لے جاؤ گے۔

فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْعُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا
مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۰﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا
يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ
ازْدَيَّتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا
فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں لوگو! تمہاری یہ بغاوت اُلٹی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے، دنیا کے چند روزہ مزے ہیں (نوٹ ہو) پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ دنیا کی ہر زندگی (جس کے نشے میں مست ہو کر تم ہماری نشانیوں سے غفلت برت رہے ہو) اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار جیسے آدمی اور جانور سب کھاتے ہیں، شرب گھنی ہو گئی، پھر زمین اُس وقت جبکہ زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری، کھڑی تھیں اور ان کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم ان کا فائدہ اٹھانے پر تیار ہیں، یکایک رات کو یا دن کو ہمارا حکم آگیا اور ہم نے اسے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو

۳۰۔ تہجد کے وقت پڑھنے کی نشانی ہر انسان کے فطری موجد ہے۔ جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں، انسان خدایک

بھولا اور دنیا کی زندگی پر بھولا رہتا ہے۔ جہاں اسباب نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سامعین کے لیے ہی رہا تھا نوٹ لے، پھر کئے سے کئے مشرک اور سخت سے سخت دہریہ کے قلب سے بھی یہ شہادت اعلیٰ شروع ہو جاتی ہے کہ اس سامعے عالم اسباب کو کتنی خدا

کار فرما رہا ہے۔ ایک ہی فعل، تم، نہ ہو تو آواز نہ ہو۔ (علامہ محمد باقر اعظمی حاشیہ ۲۹)

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۷﴾ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ
ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَانَمَا أَغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قُطْعًا
مِّنَ النَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

سوچنے سمجھنے والے ہیں۔ (تم اس ناپائیدار زندگی کے قریب میں مبتلا ہو رہے ہو) اور اللہ تعالیٰ
دلائل اسلام کی طرف دعوت دیتے رہا ہے۔ (ہدایت اس کے اختیار میں ہے جس کو وہ چاہتا ہے
سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے بھلائی ہے اور
مزید فضل۔ ان کے چہروں پر روشنی سیما ہی اور ذلت نہ چھائے گی۔ وہ جنت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ
رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے برائیاں کیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی بدلہ پائیں گے، ذلت
ان پر مسلط ہوگی، کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہوگا، ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوگی جیسی
جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں، وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۳۶ یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے اس طریقے کی طرف جماعت کی زندگی میں تم کو اسلام کا مستحق بنانے والا اللہ
سے مراد جنت ہے اور اس کے مستحق ہیں مسلمان کا گھروہ جگہ جہاں کوئی آفت، کوئی نقصان، کوئی رنج، کوئی تکلیف نہ ہو۔
۳۷ یعنی ان کو صرف ان کی نیکی کے مطابق ہی اجر نہیں ملے گا بلکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید انعام بھی بخشنے کا۔
۳۸ یعنی ان کی کاروں کے برعکس ہر کاروں کے ساتھ معاملہ ہو گا کہ جتنی بدی ہے اتنی ہی سزا ملے گی جتنی بدی ہے اتنی ہی سزا ملے گی۔
۳۹ کچھ سے ذرا بڑی زیادہ سزا دی جائے۔

۴۰ نہ تاریکی جو جہنم کے چہرے پر پکڑے جائے اور سچاؤ سے لاپرواہی جو جانے کے بعد چھو جاتی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ
وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَلَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَائُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّاكَ
تَعْبُدُونَ ۖ فُكِّفِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ابْيَنَّا وَيَسْئَلُونَ كُنَّا عَنْ
عِبَادَتِكُمْ لَغَوِيْلِينَ ۚ هُنَا لَكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا آسَفَتْ وَ
رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

۱۰

جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ (اپنی عدالت میں) اکٹھا کریں گے، پھر ان لوگوں سے جنہوں نے
شرک کیا ہے کہیں گے کہ پھر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شرک بھی، پھر ہم ان کے درمیان سے
اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شرک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے، ہمارے
اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو ہم تمہاری اس
عبادت سے بالکل بے خبر تھے، اس وقت ہر شخص اپنے کیے کا مزا چکھ لے گا، سب اپنے حقیقی مالک کی
طرف پھیر دیے جائیں گے اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے۔

۱۱ متن میں فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَبْتِغُونَ كَيْدَ الظَّالِمِينَ اس کا معنی معنی مفسرین نے یہ لیا ہے کہ ہم ان کا باجی رابطہ تو بن گئے ہیں
تا کہ کسی قسم کی تباہی نہ ہو، ایک دوسرے کا غلط کاموں میں ملوث ہونے کے مواقع نہیں ہیں۔ عاصیوں کی دوستی اس کا معنی
مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے درمیان تین پیدا کریں گے، یا ان کو ایک دوسرے سے بیز کر دیں گے۔ اسی معنی کا مارکے کے یہ ہم نے
یہ طریق بیان اختیار کیا ہے کہ ان کے درمیان سے اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے، یعنی مشرکین انسان کے سمجھوتے سے مارنے کوٹھے پر لگے
اور وہ وہاں رہ کر ہر کی امتیازی حیثیت ایک دوسرے پر واضح ہو گئی، مشرکین جان میں گئے کہ یہ ہیں وہ جن کو ہم دنیا میں سب سے بڑے سمجھتے
تھے، اور ان کے سمجھوتہ جان میں گئے کہ یہ ہیں وہ جنہوں نے ہمیں اپنا سمجھوتہ بنا رکھا تھا۔

۱۲ متن میں وہ تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پوجا گیا، اور وہ تمام جنت، ابرار، اسلاف، اجداد،
انبیاء، اولیاء، شہداء وغیرہ جن کو خلائی صفات میں شرک خیر کر کے حقوق انہیں داد کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے
پہنچنا بدل سے صاف کہہ دیں گے کہ میں تو فرشتہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجا لا رہے ہو۔ تمہاری کوئی دعا، کوئی استغاثہ، کوئی پکار اور
فریاد، کوئی نذر دینا، کوئی پڑھنا دے کی چیز کوئی تعریف و مدح اور عبادت نام کی چاہ، اور کوئی سہمہ دینا وہ جتنا بھی دینا چاہی

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ
الْأُمُورَ فَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ فَذَلِكُمْ اللَّهُ
رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾
كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

ان سے پوچھو کہ کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، یہ سمجھتا ہے اور مینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جان دے گا اور جان دے گا؟ یہ بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس فطیم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کہو، پھر تم تحقیق کے خلاف چلنے سے کپڑے نہیں کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد کڑائی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟ (اسے نبی! دیکھو) اس طرح نافرمانی اختیار کرنے والوں پر تمہارے رب کی بات صادق آگئی کہ وہ مان کر نہ رہیں گے۔

ہم تک نہیں پہنچی۔

۳۱۔ یہی اگر یہ سارے کام اللہ کے ہیں، جیسا کہ تم خود مانتے ہو، تب تو تمہارا حقیقی پروردگار مالک آسمان اور زمین کی عبادت کا حق دار اللہ ہی ہے۔ یہ دوسرے جن کا ان کا قول میں کوئی حشر نہیں، آخر وہ یہیں کس سے تریک ہو گئے؟

۳۲۔ خیال رہے کہ خطاب عام لوگوں سے ہے اور ان سے سوال یہ نہیں کیا جا رہا ہے کہ تم کدھر سے جبرے جاتے ہو؟ بلکہ یہ کہ تم کدھر سے جبرے جاتے ہو؟ اسی پر لوگوں سے پہلے یہ کیا جارہا ہے کہ تم اندھے بن کر غلط رہنمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جا رہے ہو اپنی نگاہ کی غفلت سے کام لے کر سوچو، کیوں نہیں کہ جب حقیقت یہ ہے، تو آخر یہ تم کو کدھر نکلیا جا رہا ہے۔ یہ طرز سوال جگہ جگہ ایسے مواقع پر قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، اور ہر جگہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا نام یہی ہے کہ وہ ان کے پروردگار سے چھپا لیا گیا ہے تاکہ ان کے عقیدہ میں ٹھنڈے دل سے اپنے غلط پیر کو رکنیں، اور کسی کو یہ کہہ کر انہیں اشتعال دلائے، وہ ان کا مافی تو ان پر ٹھونکے ہوئے کو موقع ملے کہ وہ جو یہ سارے ہر مکوں اور مشیروں پر جو عین کی جانتا ہیں، اس میں حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پسندیدہ ہے جس سے غافل

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ
 قُلْ اللَّهُ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ فَأَنْتَ تُؤْفَكُونَ ﴿۳۱﴾
 قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ

ان سے پوچھو، تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہو اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے؟ — کہودہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی، پھر تم یہ کس اٹلی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟

ان سے پوچھو تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ — نہ بنانا چاہیے۔

۳۰ یعنی ایسی کبھی کبھی اور عام فہم لیوں سے بات سمجھائی جاتی ہے، لیکن جنہوں نے زمانے کا فیصلہ کر لیا ہے وہ اپنی ضد کی بنا پر کسی طرح مان کر نہیں دیتے۔

۳۱ تخمین کی بنا کے متعلق دشمنین استہزیائی تھے، یہ صرف اللہ کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں، وہ تخیق کا اعادہ تو خاہر ہے، جو ابتداء پیدا کرنے والا۔ نہ ہی اس عمل پر دانش کا اعادہ بھی کر سکتا ہے، مگر جو ابتداء ہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادہ پیدا کر سکتا ہے؟ یہ بات اگرچہ ہر ایک معتدل بات ہے، اور جو دشمنین کے دل میں بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات، اس کا شک نہ تھا، لیکن انہیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تامل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکار آخرت مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر کے سوالات پر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خود کہیں گے کہ یہ کام اللہ کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے کہ تم دُشمن کی جھوٹ کو کہو کہ یہ ابتداء سے خلق، اعادہ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔

۳۲ یعنی جب تمہاری امت کا سر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور تمہارا سر بھی اسی کے ہاتھ میں، تو خود اپنے بفر خواہ بن کر ذرا سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باد کرنا چاہا ہے کہ اس دونوں سروں کے تحت میں اللہ کے سوا کسی اور کو تمہاری زندگیوں اور مائتوں کا خلق سمجھو گے۔

۳۳ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے جس کو ذرا غور سے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔ دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے کہ اس کو کھانے پینے، پہننے اور زندگی بسر کرنے کا سامان ہو پنے اوقات، حساب، اور قصاصات سے وہ محروم رہے۔ بلکہ اس کی ایک ضرورت (اور حقیقت ہے) یہ بھی ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کر کے صحیح طریقہ معلوم ہو جائے کہ اپنی ذات کے ساتھ اپنی قوتوں اور تابلیتوں کے ساتھ اس مروجہ انسان کے ساتھ جو دوسرے زمین پر اس نے معرفت میں ہے، ان

قُلْ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ

کہو وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا کیا بدلہ

بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے اور عروجی طور پر اس نظام کائنات کے ساتھ جس کے ہمتہ کہی بہر حال اس کو کام کنا ہے، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کہ جس سے اس کی زندگی بحیثیت عروجی کا عریاب ہو اور اس کی کرشمیں اور جنسین غلطیوں میں صرف تھوکتا ہی دہرایا ہو منع نہ ہوں۔ اسی صحیح طریقہ کا نام حق ہے اور جو رہنمائی اس طریقہ کی طرف انسان کو لے جاتے وہی ہدایت حق ہے۔ اب قرآن تمام شرکین سے اعلان سب لوگوں سے جو غیر کی تعلیم کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، یہ پوچھتا ہے کہ تم فلا کے سوا جن جن کی ہندگی کرتے ہو ان میں کوئی ہے جو تمہارے لیے ہدایت حق حاصل کرنے کا ذریعہ بنا ہو یا میں مکتا ہوں؟ — ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان خدا کے صاحب کی ہندگی کرتا ہے وہ وہی تمام پرستہ ہیں؛

ایک وہ دیوال، دینے والا اور زندہ یا مردہ انسان جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ سوان کی طرف تو انسان کا جمع صرف اس غرض کے لیے ہوتا ہے کہ لوگوں کو اطاعتی طریقے سے وہ اس کی حاجتیں پوری کر دے اور اس کو کائنات سے بچائیں۔ رہی ہدایت حق، تو وہ کبھی ان کی طرف سے نہ آئی، نہ کبھی کسی شرک نے اس کے لیے ان کی طرف جمع کیا، اور نہ کوئی شرک یہ کہتا ہے کہ اس کے یہ صودہ اسے اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، سیاست، قانون، عدالت وغیرہ کے اصول سکھاتے ہیں۔

دوسرے وہ انسان جن کے ہنڈے ہوئے عمروں اور قوانین کی پیروی و اطاعت کی جاتی ہے۔ سودہ رہنا ضروری ہو تو اس لیے کہ یہ کسی کی انصاف سے حق بھی ہیں یا جو کہتے ہیں، کیا ان میں سے کسی کا علم بھی تو تمام حقائق پر مادی ہے جن کو جانتا انسانی زندگی کے صحیح اصول وضع کرنے کے لیے ضروری ہے؟ کیا ان میں سے کسی کی نظر بھی اس پورے دائرے پر پڑتی ہے جس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل پھیلے ہوئے ہیں؟ کیا ان میں سے کوئی بھی ان کو دروں سے، ان تعصبات سے، ان شخصی یا گروہی دھیروں سے، ان خواہش و خواہشات سے، اور ان محاکات و جبلات سے بالاتر ہے جو انسانی معاشرے کے لیے مضحکہ خیز قوانین بنانے میں ملوث ہوتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی صحیح الصانع آدمی ان سوالات کا جواب انبات میں نہیں دے سکتا تو آخر یہ لوگ "ہدایت حق" کا سرچشمہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

اسی بنا پر قرآن یہ سوال کرتا ہے کہ لوگو! تمہارے ان مذہبی جمودوں اور تمدنی غلاظتوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو ارادہ و راستہ کی نظر تمہاری رہنمائی کرنے والا ہو، اور اگر نہیں ہے، تو سوالات کے ساتھ دل پر یہ بھی سوال دینا چاہیے کہ تمہارے کئے کا فیصلہ کرتا ہے۔ انسان کی مذہبی ضرورتیں مذہبی نوعیت کی ہیں۔ ایک نوعیت کی ضروریات ہیں کہ کوئی اس کا پروردگار ہو، کوئی عبادت گاہی ہو، کوئی دعاؤں کا سننے والا اور حاجتوں کا پرکار کرنے والا ہو جس کا مستقل سارا اس عالم ہا کے نہات مساویوں کے درمیان رہتے ہوئے وہ تمام کے سرور پرک سوالات نے فیصلہ کر دیا کہ اس ضرورت کو پرکار کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دوسری نوعیت کی ضروریات صحیح ہیں کہ کوئی ایسا

أَنْ يُثَبِّعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي لِي إِلَّا أَنْ يَهْدِيَ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٥٠﴾ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٥١﴾ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو رہنمائی نہیں کر سکتا اللہ یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے، آخر تمہیں ہو کیا لگتا ہے، کیسے اُٹھے اُٹھے فیصلے کرتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں بحال ان گمان علم حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

ادور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے۔ بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آپ کا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔

وہ جہاں جو دنیاوی زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتاتے اور جس کے بعد یہ جو نئے قوانین حیات کی پیروی پر اسے اہل اہل ایمان کے ساتھ کی جائے۔ سو اس پر ہی سالہا سال نے اس کا فیصلہ کیا کہ یہ اللہ ہی طرف سے ہے۔ اس کے بعد خداوند مٹ و صری کے ساتھ کی پیروی کی نہیں رہ جاتی جس کی بنا پر انسان مشرک و کافر بن گیا اور دنیوی (Secular) اصولی تمدن و مطلق دیست سے بچتا رہے۔

اس کے بعد بھی جنہوں نے مذہب بنائے جنہوں نے غلط تصنیف کیے اور جنہوں نے قوانین حیات تجویز کیے انہوں نے بھی یہ کچھ علم کی بنا پر نہیں بلکہ گمان و قیاس کی بنا پر کیا اور جنہوں نے ان مذہبی اور دنیوی مضامین کی پیروی کی انہوں نے بھی جان کر اور سمجھ کر نہیں بلکہ محض اس گمان کی بنا پر کیا کہ اللہ ہی اللہ ہے اور یہ اللہ ہی ہے کہ جسے جس اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اسے ہی کہتا ہے۔

۵۱۔ جو کچھ پہلے آچھا تھا اس کی تصدیق ہے یعنی ابتدا سے ہماری تعلیمات دنیا و تعلیم اسلام کی معرفت انسان کو بھیجی جاتی رہی ہیں یہ قرآن کو نہ صرف کئی چیزیں پیش کر رہا ہے بلکہ ان کی تصدیق و توثیق کر رہا ہے۔ اگر یہ کسی نے دیکھا ہے یا نہ دیکھا ہے تو اللہ کے ساتھ کئی چیزیں پیش کر رہا ہے اور اس میں ضرور یہ کوشش پائی جاتی کہ پرانی حدیثوں کے ساتھ کچھ اپنا نارا رنگ بھی ملا کر اپنی شان و عظمت میں کچھ اضافہ کرے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۵﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِهِمْ فَيُحِيطُوا بِعَلَمِهِ لَكُنَّا يَوْمَهُمْ نَادُوا يَكْفُورًا ﴿۳۶﴾ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ بغیر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے، کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلاؤ۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مال بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انھوں نے (غواہ خواہ انگلی پتھر) جھٹلادیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں،

”الکتاب کی تفصیل ہے، یعنی اس مصلحت کو جو تمام کتب آسمانی کا لب لباب (الکتاب) ہیں، اس میں پھیلا کر دلائل و شواہد کے ساتھ تحقیق و تفسیر کے ساتھ، تشریح و توضیح کے ساتھ، اود علی حالات و لطایق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔“

۳۶ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ جلیل معنی قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی انبی غریبوں کے لحاظ سے ضلالت و غرور پر جس انداز سے پیش کی گئی ہیں اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ بعد ہی میں ہے کہ اس قرآن کا نظام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یگانگی و بے نظیری کے واسطے کی بنیاد میں اپنے فطری حسن و برکت کے ساتھ ہر قرآن پائی زبان کے لئے کئے گئے ہیں۔ اس میں اعجاز کے چیز میں کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسانی دماغ میں کتاب تصنیف نہیں کر سکتا اس کے معانی اور اس کی تعبیرات ہیں۔ اس میں اعجاز کے جو پہلو ہیں اور جن وجہ سے ان کا من جانب اللہ ہونا یقینی اور انسانی کا ایسی تصنیف پر قادر ہونا غیر ممکن ہے ان کو خود قرآن میں مختلف مواقع پر بیان کر دیا گیا ہے اور ہم ایسے تمام مقامات کی تشریح پہلے ہی کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ اس لیے یہاں بخلاف طوالت اس بحث سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

۳۷ کلمہ بیاں یا تو اس بنیاد پر کی جاسکتی تھی کہ ان لوگوں کو اس کتاب کا ایک جلی کتاب ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا۔ یا پھر اس بنیاد پر کہ جس قدر کہ جس قدر کہ اس میں بیان کی گئی ہیں وہ جو خبریں اس میں دی گئی ہیں وہ غلط ثابت ہو جائیں۔ لیکن ان دونوں نیز، کلمہ بیاں میں سے کوئی وجہ بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ نہ کوئی شکی یہ کہ سکتا ہے کہ وہ انھوں نے علم کا تس ہے کہ یہ کتاب کلمہ بیاں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ نہ کسی نے پروردگار کے جیسے جیسے کہ یہ دیکھ لیا ہے کہ کد اقیامت سے خداوندی اور عظیم اور عظیم خداوند ایک خدا کی خبر بتا رہی ہے، یا انی الواقع خدا اور فرشتوں اور وحی و خبر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کتاب میں خواہ مخواہ افسانہ بنایا گیا ہے۔ نہ کسی نے مرکز دیکھ لیا ہے کہ دوسری زندگی اور اس کے حساب کتاب اور جزا و سزا کی ساری خبریں جو اس کتاب میں دی گئی ہیں غلط ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نہ سے شک اور گمان کی بنیاد پر اس میں اس کی تکذیب کی جا رہی ہے کہ کہ کیا حقیقت ہے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ
بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ۝
وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلٌ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ
مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝

پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائیں گے اور کچھ نہیں لائیں گے، اور تیرا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر یہ تجھے بھٹلاتے ہیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے ہے، جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم نہ ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں نہ ہوں۔

ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تیری باتیں سنتے ہیں مگر کیا تو بہروں کو سنائے گا خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں؟

اس کے جلی اور غلط کرنے کی تہنیت کی گئی ہے۔

۱۰ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ "غلاہن مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔" یعنی وہ دنیا کا منہ تو یہ باتیں ہنکر بند کر سکتے ہیں کہ صاحب ہماری کچھ بات نہیں، تو اس لیے ایک ذہنی کے ساتھ ہم اسے نہیں مانتے، لیکن خدا جو قلب و ضمیر کے سچے ہونے والوں سے واقف ہے وہ ان میں سے ایک ایک شخص کے متعلق جانتا ہے کہ کس کس طرح اس نے اپنے دل و دماغ پر عمل کرنا اپنے آپ کو غفلتوں میں گم کیا، اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دیا، اپنے قلب میں حق کی شہادت کو اُٹھرنے سے روکا، اپنے ذہن سے قبول حق کی صلاحیت کو مٹا دیا، سن کر نہ سنا، سمجھنے نہ سمجھے، کی کوشش کی اور حق کے مقابلہ میں اپنے قصبات کو اپنے ذہنی مفاد کو اپنی ہوا بل سے اُٹھائی جوئی اغراض کو اور اپنے نفس کی خواہشوں اور بہتوں کو ترجیح دی۔ اسی بنا پر وہ "مفسد" کہلائے گا۔ انہیں جس بلکہ درحقیقت مفسد ہیں۔

۱۱ یعنی خواہ مخواہ جوڑنے والے کی پیشان کرتے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر میں اختراہ و ادائی کر رہا ہوں تو اپنے عمل لایم نڈر ذمہ دار ہوں تم پاس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور اگر تم کچھ بات کو جھٹلاتا رہے ہو تو میرا کچھ نہیں بگاڑتے، اپنا ہی کچھ بگاڑ رہے ہو۔

۱۲ ایک مسافر اس طرح کا ہو سکتا ہے جیسے جاؤ ریحی آواز سن رہے ہیں۔ دوسرا سناؤ رہتا ہے جس میں مٹی کی طرف توجہ نہ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۰﴾

ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں، مگر کیا تو اندھوں کو راہ بتائے گا خواہ انھیں کچھ نہ سمجھتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (آج یہ دنیا کی زندگی میں

اور یہ آماجگاہی ہستی پر محرمات، اگر مستعمل ہوگی تو اسے مان لیا جائے گا۔ جو لوگ کسی تعصب میں مبتلا ہوں، اور جنہوں نے پہلے سے فیصلہ کر لیا ہو کہ اپنے مروجہ عقیدہ اور نظریوں کے خلاف اعداد اپنے نفس کی رفعتوں اور مذہبی عقیدوں کے خلاف کوئی بات، غرض وادیس ہی مقبول ہو، مان کر نہ دیں گے، وہ سب کچھ سن کر بھی کچھ نہیں سنتے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی کہ جن کہیں میت پر وہ نمایاں ہمارے دل کی طرح عظمت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور نہ ہونے گھننے کے سوا کسی چیز سے کوئی دھمکی نہیں رکھتے، یا فاضل کی لذتوں اور خواہشوں کے پیچھے اپنے رستہ ہوتے ہیں کہ انھیں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کہ ہم جو کہہ کر رہے ہیں یہ سچ ہے یا نہیں، یہ سب لوگ کافروں کے توہرے نہیں سمجھتے مگر دل کے ہر سے ہوتے ہیں۔

۱۰۔ ہاں یہی بات فرمائی گئی ہے؟ اور یہ کہ فقرے میں ہے۔ مگر کی آنکھیں کھلی جو نے سے کچھ فائدہ نہیں، مان سے تو ہاں ہی آخر دیکھتا ہی ہے۔ اصل چیز دل کی آنکھوں کا کھلا ہونا ہے۔ یہ چیز اگر کسی شخص کو داخل نہ ہو تو وہ سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہیں سمجھتا۔ ان دونوں چیزوں میں خطاب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر ذمت ان لوگوں کی کہ باری ہے جن کی اصلاح کے ایک درجے تھے۔ اور اس حالت کی طرف بھی محض رحمت کرنا نہیں ہے، بلکہ شر کا تیز خستہ اس لیے پہنچایا جا رہا ہے کہ ان کی سرتی ہوئی انسانیت اس کی پہچان سے کچھ بیدار ہو اور ان کی چشم و گوش سے ان کے دل تک پہنچے۔ اور اگر وہ مستعمل بات اور وہ مفاد و منیت وہاں تک پہنچ سکے یہ انازہ بیان کچھ اس طرح کا ہے جیسے کوئی نیک آدمی بڑے بڑے ہونے والوں کے درمیان جہد ترین اخلاقی ہیئت کے ساتھ جہاد اور غایت انسانیت و دردمندی کے ساتھ، ان کو ان کی کائنات میں جوتی، ان کے احساس و ادراک جو جس میں وہ رہے ہوئے ہیں اور ان کی عظمت و ہیبت کے ساتھ انہیں جھانسنے کی کوشش کر رہا ہو کہ ان کے نفوس زندگی میں کیا غرائی ہے اور صحیح طریق زندگی کیا ہے مگر کوئی نہ تو اس کی پاکیزہ زندگی سے سبق لیتا ہو اس کی زبان غیر خواہانہ فیضیوں کی طرف توجہ کرتا ہو۔ اس حالت میں بین اس وقت جبکہ ان لوگوں کو جہان میں سے انھیں جہاد اور اس کی باتوں کو مانجھنی کیے جا رہے ہیں، اس کو کوئی درست اگر اس سے کہ کہیاں ہے تم کہ جنہوں کو مناسب ہو اور ان اندوہ کو لا ستر و اتنا چاہتے ہو ان کے قلوب کے کان بند ہیں یا زبان کی۔ جس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ یہ بات کہنے سے اس وقت ہمت نہیں ہو کہ وہ مرد و مصلحت اپنی کسی اس طرح سے ہاتھ جلائے۔ بلکہ وہ اس کی غرض یہ ہوگی کہ شاید اس خطر و خطرات میں سے ان غم کے قلوب کو کچھ خوش آجائے۔

۱۱۔ یہی اللہ نے تو انہیں کہیں تھا کہ وہ اپنے میں اور اپنے میں۔ دل ہی اس سے اپنی زنت سے کوئی ایسی چیز نہ کوہینے

وَيَوْمَ يُنْشَرُهُمْ كَانَ لَمْ يُلْبَسُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ
يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا
كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۵﴾ وَإِنَّمَا تَرِيَّتْكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ
تَتَوَفَّيْتَنَّا فَإِنَّمَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ ﴿۶﴾
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

مست ہیں) اور جس روز انہیں اٹھا کرے گا تو یہی دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی گویا یہ محض ایک گھڑی بھرا پس میں جان پہچان کرنے کو ٹھہرے تھے۔ (اس وقت تحقیق ہو جائے گا کہ انی الواقع صحت کھائے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہ راست پر نہ تھے۔ جن بُرے نتائج سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں ان کا کوئی حصہ ہم پر رہے جیسے جی دکھادیں یا اس سے پہلے ہی تجھے اٹھائیں، بہر حال انہیں اتنا ہماری ہی طرف ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس پر اشد گواہ ہے۔

ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجائے تو اس کا

بُخل نہیں کیا ہے جو حق و باطل کا فرق دیکھے اور سمجھے کہ بے ضروری تھی۔ مگر لوگوں نے خواہشات کی زندگی اور دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو کر آپ ہی اپنی آنکھیں پھمڈی ہیں اپنے کان پر سے کیے ہیں اور اپنے دلوں کو تاسخ کر لیا ہے کہ ان میں مجھے ہرے کی تیز بینی و سماعت کے فہم اور ضمیر کی زندگی کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

۳۵۵ یعنی جب ایک طرف آخرت کی سہ پایاں زندگی ان کے سامنے ہوگی اور دوسری طرف یہ پلٹ کر اپنی دنیا کی زندگی پر رجوع واپس آئیں گے تو انہیں مستقبل کے مقابل میں پتا نہ پائے گا کہ ماضی حیات حیر محسوس ہو گا۔ اس وقت وہ ان کا مذاق ہر گاہ انہوں نے اپنی ماضی زندگی میں تھوڑی سی باتوں اور غصتوں کی خاطر اپنے اس ابدی مستقبل کو خواب کر کے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا ہے۔

۳۵۶ یعنی اس بات کو کہ ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

۳۵۷ ”امت“ کا مفہوم اس شخص قوم کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ایک رسول کی آمد کے بعد اس کی وحدت میں جن لوگوں تک پہنچے وہ سب اس کی امت ہیں نیز اس کے لیے یہی ضروری نہیں ہے کہ رسول ان کے درمیان زندہ موجود ہو، بلکہ رسول کے بعد بھی جب تک اس کی تعلیم موجود ہے اور ہر شخص کے لیے یہ معلوم کرنا ممکن ہو کہ وہ درحقیقت کس چیز کی تعلیم دیتا تھا، اس وقت تک دنیا کے

بِالْقُسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ
 إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
 إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا
 يَسْتَخْرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَنُكَلِّمُ

فیصلہ پر سے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر زور برا بظلم نہیں کیا جاتا۔

کہتے ہیں اگر تمہاری یہ دھمکی سچی ہے تو آخر یہ کب پوری ہوگی، کو تو میرے اختیار میں نفع و ضرر کچھ
 بھی نہیں، سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہر امت کے لیے حمت کی ایک مدت ہے جب یہ مدت
 پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر بھی نہیں ہوتی۔ ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ کا

سب لوگ اس کی امت ہی قرار پائیں گے، اعلان پر وہ حکم ثابت ہو گا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 تشریف آوری کے بعد تمام دنیا کے انسان آپ کی امت ہیں اور اس وقت تک کہ آپ کے جب تک قرآن اپنی خاص صحت میں شائع
 ہوتا رہے گا۔ اسی دور سے آیت میں سے نہیں فرمایا گیا کہ ہر قوم میں ایک رسول ہے، بلکہ اشارہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک رسول
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول کی رحمت کا کسی گروہ انسانی تک پہنچا گیا اس گروہ یا اللہ کی رحمت کا پورا ہوتا ہے۔ اس کے

بعد صرف فیصلہ ہی باقی رہ جاتا ہے کسی طریقہ تمام حمت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور یہ فیصلہ غایت دہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا
 ہے جو لوگ رسول کی بات مانیں اور اپنا رویہ درست کریں وہ اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اور اس کی بات نہ مانیں وہ
 ظلم کے مستحق ہو جاتے ہیں، غم وہ عذاب دنیا اور آخرت دونوں میں دیا جائے یا صرف آخرت میں۔

۳۰ یعنی میں نے یہ ایک کہا تھا کہ فیصلہ میں چکاؤں کا فائدہ ماننے والوں کو اس عذاب میں اس لیے مجھے سے کیا اور مجھے
 پر کو فیصلہ چکاتے ہوئے دھمکی کب پوری ہوگی۔ دھمکی تو اللہ نے دی ہے، وہی فیصلہ چکاتے ہوئے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ فیصلہ
 کب کے بارے میں صحت میں جس کو تمہارے سامنے لائے۔

۳۱ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جلد از میں ہے اس کا یہ طریقہ میں ہے کہ جس وقت رسول کی رحمت کی قسم پائی گئی
 کہ نبی امی وقت ہوا ایمان لے آیا جس وقت کہ مستحق قرار پایا اور جس کسی نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تاثر کیا اس کو
 قرآن عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا نہیں، اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد وہم و فکد اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق
 اور ہر گروہ اور قوم کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے سمجھنے اور سمجھنے کے لیے کافی وقت دیتا ہے۔ یہ رحمت کا نواز

عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْجَحْرُمُونَ ﴿٥٠﴾
 إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنُكُمْ بِهِ آلَتُنَّ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾
 ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ
 إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَلِيمُونَكَ أَخِي هُوَ قُلُوبِي وَرَبِّي
 إِنَّهُ لَحَقِّي وَمَا أَنْتُمْ بِبَعْجَيْنِ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا
 فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوِ الْعَذَابَ

وَقَالَ النَّبِيُّ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ

عذاب اچانک مات کو یاد دل کو آہائے (تو تم کیا کر سکتے ہو)۔ آخر یہ ایسی کوئی چیز ہے جس کے لیے
 ہر دم جلدی جائیں؛ کیا جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے؟ — اب سچا چاہتے ہو
 حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے! پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ
 کے عذاب کا مزہ چکھو، جو کچھ تم کاتے رہے ہو اس کی یاد دل کے سوا اور کیا بدلہ تم کو دیا جاسکتا ہے؟

پھر لپچھتے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے جو تم کہہ رہے ہو؟ کہو میرے رب کی قسم یہ باطل سچ ہے
 اور تم اتنا بل بوتہ نہیں رکھتے کہ اسے غمروں میں آنے سے روک دو۔ اگر ہر کس شخص کے پاس جس نے
 ظلم کیا ہے، روئے زمین کی دولت بھی ہو تو اس عذاب سے بچنے کے لیے وہ اسے فدیہ میں دینے پر
 آمادہ ہو جائے گا۔ جب یہ لوگ اُس عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے مگر

بہاوت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا کہ اس بات کو شرعی جبروت تھا کہ کس کو کتنی صلت ملنی چاہیے پھر جب وہ صلت چھوڑ کر
 انصاف کے ساتھ اس کے پیچھے لگتی تھی پوری ہر بات تھی اسے اسے اس شخص یا گروہ اپنی یا خاندان و دل سے ہر چیز آتا تھا
 اور قاضی اس کا پانی فیصلہ نہ کرتا تھا۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ کی مقرر کی ہوئی صلت سے نہ لڑ کر گھڑی پہلے آسکتا ہے اور وقت
 آہائے کے بعد ایک لمحہ کے لیے ٹل سکتا ہے۔

۵۹ جس چیز کو مقرر ہوتا ہے، جسے جبروت کہہ کر اس کی زندگی غلاموں کی جگہ کے اندر کی جڑیں ملے

وَفُتِحَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۸﴾ اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ اَلْزَمُوْهُمْ لَا
 يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ هُوَ اُنّٰى وَيُؤْتِىْ وَيُخَيِّتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۶۰﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
 قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاوَةٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ
 وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۱﴾ قُلْ يَفْضِلُ اللّٰهُ وَ
 بِرَحْمَتِهِ فِىْ ذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۶۲﴾
 قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

ان کے درمیان پر دے انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا، کوئی ظلم ان پر نہ ہوگا۔ سنو! آسمانوں اور زمین میں
 جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ جس رکھو! اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر انسان جانتے نہیں ہیں۔ وہی زندگی بھستا ہے اور
 وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم سب کو بلاتا ہے۔

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض
 کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اسے نبی کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس
 کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھی، اس پر تو لوگوں کو خوشی مانی چاہیے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں
 لوگ سمیٹ رہے ہیں۔ "اے نبی ان سے کہو تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے اتارا تھا

پیلروں کو طرح طرح کے انعام دیتے رہے وہی چیز جب ان کی توقعات کے باطل خلاف اچانک سامنے آکر ٹھری ہوگی تو ان کے ہاؤں تلے
 سے زمین نکل جائے گی۔ ان کا خیر نہیں خود تمہارے گا کہ جب حقیقت یہ سچی ہو کہ وہ دنیا میں کہے آئے ہیں اس کا انجام اب کیا ہوتا ہے۔
 خود کو نہ ملاحظہ نہ کیے۔ زبانیں بند نہ ہو گی اور اندامات و صورت سے دل اندر ہی اندر بیٹھ جائے اور ہر گے جس شخص نے قیاس و گمان
 کے سوسے پہلے ہی ماری ہو چکی لگا دی ہو اور کسی غیر خواہ کی بات مان کر نہ وہی مجددہ دلہا لے سکنے کے بعد خود اپنے سوا اور کسی کی شکایت
 کر سکتا ہے۔

فَجَعَلْنَاهُ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اَللّٰهُ اٰذَنَ لَكُمْ

اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا! ان سے پہچو، اللہ نے تم کو اس کی امانت دی تھی؛

۴۰۔ اور زبان میں لذت کا اطلاق صرف کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہاں گرفت صرف اس قانون سازی پر کی گئی ہے جو دسترخوان کی چھوٹی سی دنیا میں مذہبی اودام یا رسم و عروج کی بنا پر لوگوں نے کر ڈالی ہے۔ اس غلط فہمی میں جلا اور حرام میں یہی علیحدگی ہوتی ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں لذت معنی خوراک کے معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ عطا اور بخشش اور نصیب کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دینا پس انسان کو دیا ہے وہ سب اس کا لذت ہے، حتیٰ اگر وہ ایک لذت ہے۔ اس امر حال کی کتابوں میں کثرت راویوں کے نام لذت اور لذتِ حق اور لذتِ اللہ لکھتے ہیں جس کے معنی تقریباً یہی ہیں جو اردو میں اللہ دیے کے معنی ہیں۔ مشہور ہے اللہ ماں اور ناالحق حقاً ماں دھنا انتباہ یعنی ہم پر حق واضح کر دیا میں اس کے تبار کی ترفیق دے۔ عاویس میں روایات سے ترفیق علماء و علما شخص کو علم دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حالہ کے پیش میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ پیدا ہونے والے کا لذت اور اس کی مدت علم اور اس کا کام لکھ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں لذت سے مراد صرف وہ خوراک ہی نہیں ہے جس سے کوئی زندہ شے حالی ہے بلکہ وہ سب کچھ ہے جو اسے دنیا میں دیا جائے گا۔ خود قرآن میں ہے وَوَسَّعْنَا دُفْعُ فَنُفُوسِهِمْ يَنْوَعُونَ، جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں پس لذت کو معنی دسترخوان کی مراد تک محدود سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اُن پانچوں اور آٹھوں پانچوں میں سے جو کھانے پینے کی چیزوں کے معاملہ میں لوگوں نے جلا خود اختیار کر لی ہیں سخت غلطی ہے۔ اللہ کو کوئی معمولی فعلی نہیں ہے۔ اس کی ہدایت خدا کے دین کی ایک بہت بڑی اصولی تعلیم لوگوں کی نگاہوں سے اوچھل ہو گئی ہے۔ یہی غلطی کا تو تجربہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں صلت و حرمت اور حلال و حرام اور حلال و حرام کا معاملہ ایک دینی معاملہ سمجھا جاتا ہے، لیکن تمدن کے وسیع تر معاملات میں اگر یہ اصول طے کر لیا جائے کہ انسان خود اپنے لیے حدود مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے، اور اسی بنا پر خدا اور اس کی کتاب سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کی کر جانے لگے، تو قوامی تو دنیا دار علماء نے یہ وفیتانِ سرخ تین اور مفسرینِ قرآن و شیعہ حدیث تک کہ یہ احساس نہیں جتنا کہ یہ چیز بھی دین سے اسی طرح نکلتی ہے جس طرح مالکات و مستورات میں شریعتِ الہی سے بے نیاز ہو کر جائز و ناجائز کے حدود و حدود خود مقرر کر لیا۔

۴۱۔ یعنی تم میں کچھ احساس بھی ہے کہ یہ کتنا سخت باخیزاں جرم ہے جو تم کر رہے ہو۔ لذت یا لذت کا ہے علم خدا اللہ کے ہوا پھر حق و تقویٰ کمال سے حاصل ہو گیا کہ اللہ کی ہلاک میں اپنے تصرف، استعمال اور امتناع کے لیے خود حدیں بنائیں مقرر کرو، کوئی ڈر اگر یہ دیکھ کر کہ کمال کا مال میں اپنے تصرف اور امتیارات کی حدیں سے خود مقرر کر لینے کا حق ہے اور اس معاملہ میں آقا کے کچھ روئے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے تو اس کے متعلق تصاری کی رائے ہے، انصار اپنا فہم اگر گناہ سے گھوڑیں اور انصار سے گھر کی سب چیزوں میں اپنے عمل و استعمال کے لیے اس آزادی و خود بخودی کا دعویٰ کرے تو تم اس کے ساتھ کیا معاملہ کر گے؟ اس ڈر کا معاملہ تو دوسرا ہی ہے جو سرے سے یہی نہیں جانتا کہ وہ کسی کا ذکر ہے اللہ کوئی اس کا آقا بھی ہے اللہ یہ

أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۱۰﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا

یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو جو لوگ اللہ پر یہ جھوٹا افترا باندھتے ہیں ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے روز ان سے کیا معاملہ ہوگا، اللہ تو لوگوں پر مہربانی کی نظر رکھتا ہے مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو شکر نہیں کرتے۔ ۱۰

اسے نبی! تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو، اور لوگو! تم بھی

کسی اللہ کا مال ہے جس کے تصرف میں ہے۔ اُس پر بلاشبہ غاصب کی پوزیشن یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ یہاں سوال اس ذکر کی بلنیشن کا ہے جو خدا کا مال ہے کسی کا ذکر ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ مال اُسی کا ہے جس کا وہ ذکر ہے اور پھر کہتا ہے کہ اس مال میں اپنے تصرف کے حدود مقرر کر لینے کا حق مجھے آپ ہی حاصل ہے اور آقا سے کچھ بچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۱۔ بین تصادی یہ پوزیشن صرف کسی صورت میں صحیح ہو سکتی تھی کہ آقا نے خود تم کو مجاز کر دیا ہو تا کہ میرے مال میں تم جس طرح چاہو تصرف کرو اپنے محل اور استعمال کے حدود، قوانین، ضوابط سب کچھ بنا لینے کے جملہ حقوق میں نے تجھیں بخشے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا تصادس پاس واقعی اس کی کوئی سند ہے کہ آقا نے تم کو یہ اختیارات دے دیے ہیں، یا تم بغیر کسی سند کے یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ وہ تمام حقوق تجھیں سرپیش کیا ہے، اگر پہلی صورت ہے تو بلا شک و شکوک و دودھ بھرتی دیکھ کر یہ کھل پٹ ہے کہ تم بغاوت پر مجبوث اور افترا پر مادی کا مزید عزم کر رہے ہو۔

۱۲۔ یعنی یہ تو آقا کی کمال درجہ مہربانی ہے کہ وہ ذکر کو خود بتاتا ہے کہ میرے کھریں اور میرے مال میں اور خود اپنے فخر میں ذکر کو نہ مل، اختیار کرے گا تو میری خوشنودی اور انعام اور ترقی سے سرزد ہو گا، اور کسی طریق کار سے میرے غضب اور عزا اور تہذیب کا مستوجب ہو گا۔ مگر بت سے بے وقوف ذکر کیا ہے جس پر اس حمایت کا شکریہ ادا نہیں کرسکتے۔ گویا ان کے نزدیک بھناہے چاہیے تھا کہ آقا ان کو جس اپنے کھریں ملا کر چھوڑ دیتا اور سب مال ان کے اختیار میں دے دینے کے بعد ٹھپ کر دیکھتا تھا کہ کوئی ذکر کیا کرتا ہے، پھر جو بھی اس کی مرضی کے خلاف — جس کا کسی ذکر کو علم نہیں — کوئی کام کرتا تھا وہ مزاح سے قانا۔ حالانکہ اگر آقا نے اپنے ذکر کو ان کے لئے سنت، استعانت میں ڈالا ہوتا تو ان میں سے کسی کا بھی مزاح سے بچ جانا ممکن نہ تھا۔

تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ لَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ
وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالٍ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۳۱﴾
إِنَّا أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۲﴾ الَّذِينَ
آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۳۴﴾ وَلَا
يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا عِزَّةٌ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

جو کچھ کرتے ہو اس سبکے دوران میں ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے، نہ چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔ سزا جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اسے نبی! جو باتیں یہ لوگ تمہارے بتاتے ہیں وہ تجھے رنجیدہ نہ کریں، عورت ماری کی ماری خدا کے اختیار میں ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

۳۱۔ یہاں سات بات کا ذکر کرنے سے مقصود نبی کو نیکین دینا اور نبی کے مخالفین کو تنبیہ کرنا ہے۔ ایک طرف نبی سے اڑنا اور دوسرے کہ پیغام حق کی تبلیغ اور حق اللہ کی اصلاح میں جس حق دہی و حال فحاشی اور جس ضرر و غفل سے تم کام کر رہے ہو وہ ہماری نظروں پر۔ دوسرا یہ ہے کہ اس نظر پر کام یا موروں کے ہم نے تم کو تمہارے حال پر چھوڑ دیا ہو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ بھی ہم دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں۔ دوسری طرف نبی کے مخالفین کو انکار کیا جا رہا ہے کہ ایک اعلیٰ حق اور غیر خدا حق کی اصلاح کو اختیار میں رہو گے انکار تمہیں یہ نہ سمجھنا کہ کوئی تمہاری ان حرکتوں کو دیکھنے یا مانیں ہے اور کبھی تمہارا ہر قول کی بالائی سے سہیگی، خوددار ہو، وہ سب کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اور خدا کے دفتر میں ثبت ہو رہا ہے۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَشْعُرُ
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءُ لَنْ يَسْمَعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
وَلَنْ هُمْ اِلَّا يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَيْلَ لِتَسْكُنُوْا
فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتْلُوْهُ اِلَّا قَوْمٌ يَّتَمَسَّحُوْنَ ﴿۳۲﴾

آگاہ رہو! آسمان کے بنے والے ہوں یا زمین کے، سب اللہ کے ملوک ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ (اپنے خود) ساختہ شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں کون حال کرو اور دن کو روشن بنایا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو دکھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو سنتے ہیں۔

۳۱ یہ ایک تشریح طلب معنوں ہے جسے بہت مختصر مفرد میں بیان کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ تجسس، جس کا مقصد یہ جاننا ہے کہ اس کائنات میں بظاہر کچھ ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے پیچھے کوئی حقیقت پوشیدہ ہے یا نہیں اور ہے تو وہ کیا ہے، دنیا میں ان سب لوگوں کے لیے جو دینی والد امام سے باہر راست حقیقت کا علم نہیں پاتے، مذہب کے متعلق رائے قائم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ کوئی شخص بھی، خواہ وہ دہریت اختیار کرے یا شرک یا خدا پرستی، ہر حال ایک ذہنی طرح کا فلسفیانہ تجسس کیے بغیر مذہب کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور پیغمبروں نے جو مذہب پیش کیا ہے اس کی جانچ بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنی بساط پر، فلسفیانہ غور و فکر کے الطینان حاصل کر لے کی کوشش کرے کہ پیغمبر ہمیں مظاہر کائنات کے پیچھے حقیقت کے مستور ہونے کا پتہ دے رہے ہیں وہ دل کو کھتی ہے یا نہیں۔ اس تجسس کے صحیح یا غلط ہونے کا تمام تقاضا طریق تجسس پر ہے۔ اس کے غلط ہونے سے غلط رائے اور صحیح ہونے سے صحیح رائے قائم ہوتی ہے اب خدا جائزہ لے کر دیکھے کہ دنیا میں مختلف گروہوں نے اس تجسس کے لیے کون کون سے طریقے اختیار کیے ہیں:

شرکین نے فاعل وہم یا اپنی تلاش کی بنیاد رکھی ہے۔

آشرافیوں اور جرنیلوں نے اگر حیرانہ کا ڈھونگ رچایا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ہم ظاہر کے پیچھے جھانک کر باطن کا شہادہ کر لیتے ہیں لیکن فی الواقع انھوں نے اپنی اس سرخ رسانی کی بنا گمان پر رکھی ہے۔ وہ مراقبہ واصل اپنے گمان کا کرتے ہیں، اور کچھ وہ کہتے ہیں کہ میں نظر آتا ہے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ گمان سے جو خیال حاصل نے قائم کر لیا ہے اسی پر عمل کرتے

جہاں سے اور پھر میں نے زمین کا دھاؤڑا لے کر وہی شمال چلتا ہوتا نظر کرنے لگا ہے۔

اصطلاحی غلطیوں نے قیاس کو ہلکے تحقیق بنایا ہے جو اصل میں تو گمان ہی ہے لیکن اس گمان کے شکوک و محسوس کر کے انھوں نے منطقی استدلال کو معنوی عقل کی میاں کھول پر اسے چلانے کی کوشش کی ہے اور اس کا نام قیاس رکھ دیا ہے۔
سائنس دانوں نے اگرچہ سائنس کے دائرے میں حقیقتات کے لیے علمی طریقہ اختیار کیا، مگر باوجود طبیعیات کے حدود میں قدم رکھتے ہی وہ بھی علمی طریقہ کو چھوڑ کر قیاس و گمان اور اندازے اور تخمینے کے پیچھے چل پڑے۔

پھر ان سب گمراہوں کے لوہام اور گدگدوں کو کسی دیکھی طرح قصب کی بیماری بھی لگ گئی جس نے انھیں دوسرے کی بات نہ سننے والا بنی ہی محبوب ماہ پر مڑنے، اور سر ہلنے کے بعد مڑے رہنے پر مجبور کر دیا۔

قرآن اس طریق تجسس کو بنیادی طور پر غلط قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم لوگوں کی گواہی کا اصل سبب یہی ہے کہ تم کاشی حقیقت کی بنا گمان اور قیاس آرائی پر رکھتے ہو اور پھر قصب کی وجہ سے کسی کی معقول بات سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی دھڑلے فطری نتیجہ ہے کہ تم سارے لیے خود حقیقت کو پالینا تو ناممکن تھا ہی، انبیاء کے پیش کردہ دین کو جانچ کر صحیح دانے پر پہنچنا ہی بغیر ممکن ہو گیا۔

اس کے مقابلہ میں قرآن فلسفیانہ تحقیق کے لیے صحیح علمی طریقہ یہ بتاتا ہے کہ پہلے تم حقیقت کے متعلق جان و گروں کا بیان کئے گا اور اسے، بلا تعصب منہج و دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قیاس و گمان یا مراقبہ و استدلال کی بنا پر نہیں، بلکہ ”علم“ کی بنا پر تعین بتا رہے ہیں کہ حقیقت یہ ہے۔ پھر کائنات میں جو آثار یا مصلوح قرآن تشریحات (تفسیر) کے مشاہدے اور تجربے میں آتے ہیں ان پر طور و مکان کی شہادتوں کو مرتب کر کے دیکھو، اور تلاش کرتے چلے جاؤ کہ اس ظاہر کے پیچھے حقیقت کی نشان دہی ہے وگ کہہ رہے ہیں اس کی طرف اشارہ کرنے والی علامات تم کو کس ظاہر میں ہیں یا نہیں۔ اگر ایسی علامات نظر آئیں اور ان کے اشارے بھی واضح ہوں تو پھر کرتی وجہ نہیں کہ تم خواہ مخواہ ان لوگوں کو جھٹکاؤ جن کا بیان آثار کی شہادتوں کے مطابق پایا جا رہا ہے۔ یہی طریقہ فلسفہ اسلام کی بنیاد ہے جسے چھوڑ کر انھوں نے کہ مسلمان فلاسفہ افلاطون و ارسطو کے نقش قدم پر چل پڑے۔

قرآن میں جو جگہ نہ صرف اس طریق کی تلقین کی گئی ہے، بلکہ خود آثار کائنات کو پیش کر کے ان سے تعبیر نکالنے اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی گریہ کا قاعدہ تربیت دی گئی ہے تاکہ سمجھنے اور تلاش کرنے کا یہ ڈھنگ ذہنوں میں واضح ہو جائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی مثال کے طور پر صرف دو آثار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یعنی رات اور دن۔ یہ انقلاب پسند شمار و دلیل سورج اور زمین کی نسبتوں میں انتہائی باضابطہ تغیر کی وجہ سے دہا ہوتا ہے۔ یہ ایک فائیکر ناظم اور ساری کائنات پر غالب اقتدار کھٹنے والے حاکم کے وجود کی مرتبہ علامت ہے۔ جس میں مرتبہ حکمت اور مقصدیت بھی نظر آتی ہے کیونکہ تمام موجودات زمین کی بنیاد پر حقیقتیں اسی گردشِ دلیل و شمار کے ساتھ قائم رہتی ہیں۔ اس میں مرتبہ رویت اور حقیقت اور پھر حد و گام کی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اگر اس پر ثبوت ملتا ہے کہ جس نے زمین پر یہ موجودات پیدا کی ہیں وہ خود ہی ان کے وجود کی ضروریات بھی فراہم کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ فائیکر ناظم ایک ہے، اور یہی ہے کہ وہ کھٹکنا نہیں، بلکہ حکیم ہے اور ہر مقصد کا کام کرتا ہے۔ اسی لیے کہ وہی من و مولیٰ ہونے کی حیثیت سے عبادت کا مستحق ہے، اور یہی ہے کہ گردشِ دلیل و شمار کے تحت جو کچھ بھی ہے وہ بے ادب نہیں مر رہا ہے

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُولُوْنَ

لوگوں نے کہا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اللہ سبحانہ! وہ تو بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ تمہارے پاس اس قول کے لیے آخر دلیل کیا ہے، کیا تم اللہ کے متعلق یہ نہیں غم ہے۔ ان ہی مشاہدوں کے مقابلہ میں مشرکین نے گمان و قیاس سے جذباتی ایسا دیکھ لیا وہ خود کس طرح صحیح ہو سکتے ہیں۔

۱۰۶۔ ہر کی آیات میں دلوں کی اس ہاریت پر ٹوکا گیا تھا کہ بچے مذہب کی بنیاد کے ہوتے قیاس و گمان پر رکھتے ہیں اور ہر کس عملی طریقہ سے حقیقت کو نہ کی ہی کوشش نہیں کرتے کہ ہمیں مذہب پر چلے جا رہے ہیں اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا نہیں۔ اب اسی سلسلہ میں یہاں دوسرے اہل مذہب کی اس نادانی پر ٹوکا گیا ہے کہ انھوں نے محض گمان سے کسی کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔

۱۰۷۔ سبحان اللہ! اگر کچھ کس طرح کسی انکار و جبروت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اور کبھی اس کے ذاتی معنی ہی مراد نہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نترہ ہے یہاں یہ کلمہ دونوں معنی دے رہا ہے۔ لوگوں کے اس قول پر انکار و جبروت بھی مقصود ہے۔ اعلان کی بات کے جواب میں یہ کہنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تو بے عیب ہے، اس کی طرف بیٹے کی نسبت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

۱۰۸۔ یہاں ان کے اس قول کی تردید میں تین باتیں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ اللہ بے عیب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بے نیاز ہے۔ تیسرے یہ کہ آسمان و زمین کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں۔ یہ مقررہ آیات تھوڑی سی تشریح سے پوری سمجھ میں آسکتے ہیں:

ظاہرات ہے کہ بیٹا یا تو جسمی ہو سکتا ہے یا جتنی۔ اگر یہ لوگ کسی کو خدا کا بیٹا جسمی معنی میں قرار دیتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو اس جہاں پر قیاس کرتے ہیں جو شخصی حیثیت سے خالی ہوتا ہے اور جس کے وجود کا تسلسل بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا کہ اس کی کوئی جنس ہو اور اس جنس سے کوئی اس کا جوڑا ہو اور ان دونوں کے صفی تعلق سے اس کی اولاد ہو جس کے ذریعہ سے اس کا نوری وجود اور اس کا کام ہوتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ اس معنی میں خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں کہ اس نے کسی کو جتنی بنایا ہے تو یہ درحال سے ظاہری نہیں۔ یا تو انھوں نے خدا کو اس انسان پر قیاس کیا ہے جو اولاد ہونے کی وجہ سے اپنی جنس کے کسی فرد کو اس لیے بیٹا بنانا چاہے کہ وہ اس کا مادہ ہر ادا اس نقصان کی وجہ سے بے اولاد نہ جانے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے، بہانے نام ہی سہی، کچھ تو کہانی کر دے۔ یا پھر آقا کا گمان یہ ہے کہ خدا بھی انسان کی طرح جذباتی میلانات رکھتا ہے اور اپنے بے شمار بندوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کو کما ہی جنت ہو گئی ہے کہ اس نے سے بیٹا بنایا ہے۔

ان تینوں معنیوں میں سے جو صحت بھی ہو بہر حال اس عقیدے کے بنیادی ضرورت میں خلاف بہت سے عیب و خرابیاں

عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۵۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنذِرُهُم الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۶۰﴾ وَآتِلْ عَلَيْهِم نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَتُومُونَ إِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكَّرِي

وہ باتیں کہتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں ہیں؛ اے محمد! کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتراء باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی میں مزے کر لیں، پھر ہماری طرف ان کو پلٹنا ہے پھر ہم اس کفر کے بدلے ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

ان کو نوح کا قصہ سناؤ، اُس وقت کا قصہ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے برادران قوم! اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنانا کہ تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے

مکرم درپل، بہت سے فتنوں اور بہت سی جھگڑوں کی قہمت لگی ہوئی ہے۔ اسی بنا پر پہلے فقرے میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام عظیم فتنوں اور کڑیوں سے پاک ہے جو تم اس کی طرف منسوب کر رہے ہو۔ دوسرے فقرے میں ارشاد ہوا کہ اُن حاجتوں سے بھی بے نیاز ہے جن کی وجہ سے غامی السائلوں کو دلاؤ کی یا بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور تیسرے فقرے میں صاف کہہ دیا گیا کہ زمین وہ آسمان میں بس اللہ کے بندے اور اس کے ملوک ہیں، ان میں کسی کے ساتھ بھی اللہ کا ایسا کوئی خصوصی ذاتی تعلق نہیں ہے کہ سب کو چھوڑ کر اسے وہ اپنا بیٹا یا اکھڑا یا ولی مقرر کر دے۔ لے صفات کی بنا پر بے شک اللہ بعض بندوں کو بعض کی نسبت زیادہ محبوب رکھتا ہے، مگر اس محبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی بندے کو بندگی کے مقام سے اٹھا کر غلامی میں شرکت کا مقام دے دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے کی ایک بات میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو ایمان لائے اور مصلحت نے غمناکی کا دیہہ اختیار کیا ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں، دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔

۶۹ یہاں تک ترانہ کوئی کہ حق تعالیٰ کو کھنے والے نعاغ کے ساتھ سمجھایا گیا تھا کہ ان کے فتنانہ خیالات اور فتنوں میں غلطی کیا ہے، اور وہ کیوں غلط ہے، اور اس کے مقابلہ میں صحیح کیا ہے اور وہ کہیں صحیح ہے۔ اسباب ان کے اُس طرز عمل کی طرف توجہ منطقت ہوئی ہے جو وہ اس لیے ہی صحت اور صاف تعلیم و تعقیق کے جواب میں اختیار کر رہے تھے۔ دس گیارہ سال سے ان کی بددشورتی کہہ جاتے تھے کہ اس حق تعالیٰ سے اللہ کی رحمت کے لیے گواہوں پر نظر ثانی کہتے

يَا أَيُّهَا اللَّهُ فَكُلِّي اللَّهُ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمَعُوا أَمْرَكُمْ وَشَرَّكَاءَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ عُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ⑩
فَلَنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑪ فَكَذَّبُوا فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ
مَعَهُ فِي الْفَلَاحِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَةً وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

نا قابل برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے، تم اپنے ٹھیسے ہوئے شرکیوں کو ساتھ لے کر
ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری
ننگاہ سے پوشیدہ نہ رہے، پھر میرے خلاف اس کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔
تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا کیا نقصان کیا)۔ میں تم سے کسی اجر کا طلبگار نہ تھا، میرا اجر تو
اللہ کے ذمہ ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے) میں خود مسلم بن کر رہوں۔
انھوں نے اسے جھٹلایا اور تیغیہ بڑھا کہ ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے،
بچایا اور انہی کو زمین میں باقی رکھا اور ان سب لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

اُسے اُن شخص کی جان کے دشمن ہو گئے تھے جہاں باتوں کو اپنی کسی ذاتی فرض کے لیے نہیں بلکہ انہی کے لیے جس کی رہا تھا وہ
دلیل کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دے رہے تھے۔ اپنی بقی میں ایسے شخص کا دعوادان کے لیے
سخت ناگوار بلکہ ناقابل برداشت ہو گیا تھا جو غلو کو غلط کہنے والا ہوا اور صحیح بات بتانے کی کوشش کرتا ہو۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ
ہم اندھوں کے درمیان جوا نکھوں والا پایا جاتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے بجائے اپنی آنکھیں بھی بند کر لے، اور نہ ہم
زبردستی اس کی آنکھیں کھول دیں گے تاکہ بنیائی عیسیٰ جیز ہماری سرزمین میں نہ پائی جائے۔ یہ طرز عمل جو انھوں نے اختیار کر
رکھا تھا، اس پر کچھ اور فرمانے کے بجائے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ انہیں روح کا قصہ سنا دو، اسی قصہ میں وہ اپنے
اور تمہارے مسائل کا جواب بھی پائیں گے۔

تھو یہ جلیغ تھا کہ میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا، تم میرے خلاف جبر کچھ کرنا چاہتے ہو مگر گزند، میوہ ہر دوسرے

اللہ پر ہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ
رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِهَا
كَذَّبُوا بِهَا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۲﴾
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ مُوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿۵۳﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ مُبِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ مُوسَى

پس دیکھ لو کہ جنہیں متنبہ کیا گیا تھا (اور پھر بھی انہوں نے مان کر نہ دیا) اُن کا کیا انجام ہوا۔

پھر نوح کے بعد ہم نے مختلف پیغمبروں کو اُن کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس کئی کئی
نشانیوں لے کر آئے، مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلادیا تھا اسے پھر مان کر نہ دیا۔ اس طرح ہم حد سے
گزر جانے والوں کے دلوں پر ٹھہر لگا دیتے ہیں۔

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں
کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے پس جب ہمارے
پاس سے حق ان کے سامنے آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا دھوکہ ہے۔ موسیٰ نے کہا:

اِنَّہٗ ہر سے گور جانے والے لوگ وہ ہیں جو ایک مرتبہ غلطی کر جانے کے بعد ہمیشہ اپنی بات کی کج اور ضدِ احدیث و حری
کی وجہ سے اپنی اپنی غلطی پرانے سے دہرتے ہیں۔ اور جس بات کو ماننے سے ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں، اسے پھر کسی نمائش، کسی تعین، اور کسی
مقول سے مقول دلیل سے بھی مان کر نہیں دیتے۔ ایسے لوگ ہیں جو کافرانہ کی ایسی پیشکش کرتے ہیں کہ انہیں پھر کبھی ملوگ راستہ پر
آنے کی توقع نہیں تھی۔

۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ اس سورج پانچ حواشی کو اپنی نظر رکھا جائے جو ہم نے سورہ احزاب (۱۳ تا ۲۱) میں قصہ موسیٰ و فرعون پر
لکھے ہیں۔ جن امور کی تشریح وہاں کی جا چکی ہے ان کا اعادہ یہاں نہ کیا جائے گا۔

۵۵۔ ۵۶۔ انہوں نے اپنی عدالت و حکومت اور طاقت و عظمت کے نفع میں مددشہر ہر کرنا نہ کہ کب کی بندگی کے مقام سے

اتَّقُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسْمُهُ هَذَا وَلَا يُفْلِحْ

تم حق کو یہ کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے سامنے آگیا، کیا یہ ہادوسہ ہے، حالانکہ ہادوگر غلط نہیں

ہاں تاہم یہ ایسا طاقتور سر جھکا دینے کے بجائے کھڑا کھائی۔

۱۰؎ یعنی حضرت موسیٰ کا پیغام سن کر وہی کچھ کہا جو کفار کو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر کہا تھا کہ چشمنِ حق کو کمال ہادوگر ہے۔ (لاحظہ ہو اسی سورہ یونس کی دوسری آیت)۔

یہاں مسئلہ کام کو سمجھ میں رکھنے سے یہ بات مرتب طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ وادون میں اسلام بھی دراصل اسی قدرت پر مامور ہوئے تھے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے تمام انبیاء، سینا اور صلی اللہ علیہ وسلم تک، مامور رہتے رہے ہیں۔ اس سورہ میں باقی سے ایک ہی حضرت چلا آ رہا ہے اور وہ یہ کہ صرف اللہ رب العالمین کا اپنا رب اور لا مافادریہ تسلیم کرو کہ تم کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں اللہ کے سامنے حاضر ہونا اور اپنے عمل کا حساب دینا ہے۔ پھر جو لوگ پیغمبر کی اس دعوت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے ان کو بھیجا جا رہا ہے کہ نہ صرف تمہاری مظلوم کا بکھر چیرے سے تمام انسانوں کی مظلوم کا انحصار اسی ایک بات پر رہا ہے کہ اس عقیدہ و حیدرِ اخوت کی دعوت کو جسے ہر زمانے میں خدا کے پیروں نے جس کیسے، قبول کیا ہے اسے اور اپنا یہ نظام زندگی اسی بنیاد پر قائم کر لیا جائے۔ کفار صرف انھیں نے ہائی جنھوں نے یہ کام کیا، اور جس قوم نے بھی اس سے انکار کیا وہ خود کار تباہ ہو کر رہی۔ یہی اس سورہ کا مرکزی مضمن ہے، اور اس مباحث میں جب تاریخی نظائر کے طور پر دوسرے انبیاء کا ذکر آیا ہے تو انہیں بھی یہی معنی ہیں کہ جو دعوت اس سورہ میں دی گئی ہے وہی ان تمام انبیاء کی دعوت تھی، اور اسی کو نے کہ حضرت موسیٰ وادون بھی فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس گئے تھے۔ اگر قدرہ ہو تب جو میں لوگوں نے گمان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ وادون کا مشن ایک خاص قوم کو دوسری قوم کی غلامی سے، اگر نا تھا، تو اس مباحث و مباحث میں اس قدر کہ تاریخی نظائر کے طور پر پیش کرنا باطل ہے جو کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ ان دونوں حضرات کے مشن کا ایک چیز یہ بھی تھا کہ نبی اسرائیل (ایک مسلمان قوم) کو ایک کافر قوم کے تسلط سے راہ گہ اپنے کفر پر قائم رہے، انہماک دلائل، لیکن یہ ایک ضمنی مقصد تھا کہ اصل مقصد بھشت۔ اصل مقصد تو وہی تھا جو قرآن کی دوسرے تمام انبیاء کی بھشت کا مقصد رہا ہے اور وہ یہ تا زمانہات میں جس کو صاف طور پر بیان ہی کر دیا گیا ہے کہ اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ كَاٰفٍ فَكُلُّ هَلْ كَاٰفٍ اِنَّ تَكْرٰوْا وَ اَهْلٰی بِلٰكٍ اِنِّیْ سَرَّحٰہُ فَتَخْشٰی۔ ”فرعون کے پاس جا کہہ کہ وہ قد بندی سے گن گرا اور اس سے کہہ کہ اس کے لیے یہ تباہی کہ مدد مر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تو اس سے ڈرے؟“ مگر چونکہ فرعون اور اس کے ایمان و سلطنت نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور آؤ کا حضرت موسیٰ کہیں کرنا چاہا کہ اپنی مسلمان قوم کو اس کے تسلط سے نکال لے جائیں، اس لیے ان کے مشن کا بھی جو تاریخی میں نمایاں ہو گیا اور ان دونوں میں بھی اس کو یہاں بھی نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے کہ وہ تاریخ میں فی الواقع ہے جو مشن قرآن کی تفصیلات کو اس کے کلیات سے جدا کر کے دیکھنے کی فطری نہ کرتا ہے، بلکہ انھیں کلیات کے تابع کہہ کر دیکھتا ہے، جیسا کہ ہم سمجھ رہے ہیں، اس غلط فہمی میں ہمیں پرسن کا ایک قدم کی رہائی کسی نبی کی بھشت کا ہمیں قتل

الشَّعْرُونَ ﴿۵۰﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتْنَا عَنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا
وَتَكُونُ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۱﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ اانْتَوْنِي بِكُلِّ سُجْرٍ عَلِيمٍ ﴿۵۲﴾ فَلَمَّا
جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمُ مُوسَى الْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۵۳﴾
فَلَمَّا الْقُوا قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُم بِهِ السَّحَرُ إِنَّ اللَّهَ

پایا کرتے تھے۔ انھوں نے جواب میں کہا "کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے بھروسے جس پر
ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے، تمہاری بات تو ہم
ماننے والے نہیں ہیں۔" اور فرعون نے (اپنے آدمیوں سے) کہا کہ "ہر ماہر فنِ جادوگر کو میرے پاس
حاضر کرو۔" جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا "جو کچھ تمہیں بھینکنا ہے بھینکو، پھر جب
انھوں نے اپنے انچھر بھینک دیے تو موسیٰ نے کہا "یہ جو کچھ تم نے بھینکا ہے یہ جادو ہے، انسان بھی

اور دین حق کی دعوت بعض ایک معنی مقصد نہ کہتی ہے۔

۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳
سب سے پہلے یہ ہے کہ قلم نظر میں جادو اور جڑے کے درمیان جو شبہت ہوتی ہے اس کی تباہی تم لوگوں نے بے محنت
اسے جادو قرار دے دیا، مگر نادانو! تم نے یہ نہ دیکھا کہ جادو گر کس سیرت و اخلاق کے لوگ ہوتے ہیں، ہر کس مقاصد کے لیے جادوگری
کیا کرتے ہیں۔ کیا کسی جادوگر کا یہی کام ہوتا ہے کہ بے غرض اور بے دھڑک ایک جبار فرمانروا کے دربار میں آئے اور اسے اس کی گلابی
بھروسہ پیش کرے اور خدا پرستی اور طاعت نفس اختیار کرنے کی دعوت دے؟ قصائدے ہاں کوئی جادوگر آتا ہے تا تو پہلے درباریوں کے پاس
عشا میں کرتا پھر تاکہ ذرا سرکاریں مجھے اپنے کمالات دکھانے کا موقع دلاؤ، پھر جب اسے دربار میں رسائی نصیب ہوتی تو عام و خاص
سے بھی کچھ جھڑکنت کے ساتھ سلامیاں بجاتا، سچے بچے کو دلائی عرواں کی دعا میں دیتا، بڑی مت سماجت کے ساتھ دعوت
کرتا کہ سر کا کچھ خدای کے کمالات، بھی ملاحظہ فرمائیں، اور جب تم اس کے قماشے دیکھ لیتے تو اُدھ بھڑکتا کہ جس کچھ انعام ملی جانے۔
اس پر اسے مغرور کہ صرف ایک فقرے میں سرٹ دیا ہے کہ جادو گر کا یہ دانت انسان نہیں بن سکتا۔

۵۴
ظاہر ہے کہ اگر حضرت موسیٰ وادان کا اہل مطالبہ رانی بنی اسرائیل کا پوتا تو فرعون واداس کے دربار میں کوئی اندیشہ
کونے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ ان دونوں بزرگوں کی دعوت پہنچنے سے سرزمین مصر کا دین بدل جانے کا وہ دھوکا دینے کے لیے

سَيَبْطِلُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ وَيُخَوِّثُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٣١﴾ فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ مِمَّنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن

یہ باطل کیے دیتا ہے، مفسدوں کے کام کو اشد مدھرنے نہیں دیتا، اور اللہ اپنے فرماؤں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ ۳۰

(پھر دیکھو کہ) موسیٰ کو اس کی قوم میں سے چند فوجداروں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ٹڈے اور خود اپنی قوم کے سربراہ آوردہ لوگوں کے ڈر سے (جنہیں خوف تھا کہ) فرعون ان کو عذاب میں

دین کی ڈائی قائم کر جائے گی، ان کے اس اندیشے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت موسیٰ اہل معرکہ بندی کی قیادت و قوت میں سے تھے اور اس سے وہ مشترک نظام خطرے میں تھا جس پر فرعون کی بادشاہی اور اس کے سرداروں کی سرداری اور مذہبی پیشواؤں کی پیشوائی قائم تھی۔

۳۱ میں جاوردہ نہ تھا جو میں نے دکھایا تھا، جاوردہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

۳۲ میں میں فقط دُجینہ استعمال کرتا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ فرجان کیا ہے مگر اصل اس خاص فعل کے استعمال سے جہاتِ قرآن میں بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر خطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور طبر و ملو حق کو اپنا مذہب تسلیم کرنے کی جرات چند لوگوں اور دیکھوں نے تو کی تھی مگر ان لوگوں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیاوی خواہش کی زندگی اور منافقت کو شکی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پر نظر آ رہا تھا، بلکہ وہ اُن سے فرماؤں پر کھڑے رہے کہ نبی کے قریب نہ جاؤ و نہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہو گے اور ہم پر بھی آفت لاؤ گے۔

یہ بات خاص طور پر قرآن نے نمایاں کی کہ اس لیے پیش کی ہے کہ کہی آبا دی میں سے بھی جو مصلیٰ اندیشہ رکھتا تھا دینے کے لیے جو لوگ آگے بڑھے وہ خود کم کے بڑے بڑے اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے بلکہ چند باہمت و فرجان ہی تھے۔ وہ ابتدائی مسلمان جن آیات کے نزول کے وقت ماری قوم کی شدید مخالفت کے مقابلے میں صداقت اسلامی کی حمایت کر رہے تھے اور ظلم و ستم کے اس طوفان میں جن کے سنے اسلام کے لیے پہنچنے ہوئے تھے ان میں مصیبت کو شکر و رضا کوئی نہ تھا ابھی سب جوان لوگ ہی تھے۔ علی بن ابی طالب، جعفر طیار، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عتبہ بن جحش، عتبہ بن مسعود جیسے لوگ قبل اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر کے تھے عبدالرحمن بن عوف، بلال، اور عتبہ کی عمریں ۲۰ اور ۲۰ کے درمیان تھیں۔

يَقْتَتِلُهُمْ وَلَٰكِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٢١﴾

مبتلا کرے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رُکتے نہیں بیٹھ۔

ابو عبیدہ بن الجراح، زید بن عاصہ، عثمان بن عفان اور عمر فاروق ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان عمر کے تھے۔ ان سے زیادہ سن رسیدہ اور بزرگ حدیث سننے والے اور ان کی عمر بھی ایمان لانے کے وقت ۳۸ سال سے زیادہ تھی۔ ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام نہیں ملتا ہے جس کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھی یعنی حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی۔ اور غالباً پورے گروہ میں ایک ہی صحابی حضور کے ہم عمر تھے، یعنی عمار بن یاسرؓ۔

۱۷۹ قن میں قَتْلًا اَمِّنَ یعنی مرنے کے اسناد ہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو شبہہ ہو گا شاید بنی اسرائیل کے سبک فرستے اور ابتداء ان میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے۔ لیکن ایمان کے ساتھ جب لام کو پسند آیا، ہے تو وہ بالعموم اطاعت و انقیاد کے معنی دیتا ہے، یعنی کسی کی بات ماننا اور اس کے کئے پر چلنا۔ پس دراصل ان الفاظ کا معنوم یہ ہے کہ چند فوجداروں کو جو ہر گز بنی اسرائیل کی پوری قوم سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کو اپنا رہبر و پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور اس دعوت اسلامی کے کام میں ان کا ساتھ دیتا۔ پھر بعد کے فقرے نے اس بات کو واضح کر دیا کہ ان کے اس طرز عمل کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں حضرت موسیٰ کے صادق اور ان کی دعوت کے حق پر ہونے میں کوئی شک تھا، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر و مشران، حضرت موسیٰ کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سنت گیری کے خطر میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر یہ یہ لوگ نسل و مذہبی دونوں حیثیتوں سے ابراہیم، اسماعیل، یعقوب اور یوسف علیہم السلام کے امتھی تھے اور اس بنا پر بخدا ہرے کے سب سلطان تھے۔ لیکن ایک مدت دراز کے اخلاقی انحطاط طے اورد اس پست، ہمتی نے جو زیر و قی سے پیدا ہوئی تھی، ان میں اتنا بل بوتہا باقی نہ چھوڑا تھا کہ کبر و مصلحت کی فرما زوائی کے متاثرہ بنی اسرائیل ہدایت کا فہم لے کر غور نہ کرتے یا جو انھیں تھا اس کا ساتھ دیتے۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کی اس کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا، اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے

ہو سکتا ہے:

”جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون کلمات کے لیے دانت پر کھڑے تھے۔

تب انھوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمھارا انتھاکہ ہے، تم نے تو ہم کو فرعون اور اس کے فلاحوں کی

نگاہوں میں ایسا گھڑنا کیا ہے کہ کھاتے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے“ (خروج ۶: ۲۰-۲۱)

تکو میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہتے تھے:

”ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جڑ بیٹے نے بکری کو بچھا اور ہر جواب نے اگلاس کو بچانے کی کوشش کی اور

دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ پس یہی طرح تمھاری اور فرعون کی کشمکش میں ہمارا کام ہو کر رہا۔“

وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ رَانَ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا وَإِنْ
 كُنْتُمْ مَّسْلُومِينَ ﴿٥٧﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
 لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان
 ہو۔ انھوں نے جواب دیا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اسے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے
 فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو کافروں سے نجات دے۔

ابھی باقر کی طرف سورہ اعراف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ قَبْلَ اَنْ
 تَاْتِيَنَّاهُ وَهِيَ عَهْدٌ مَا جِئْتَنَا (دکھ ۱۵)

۵۷۔ جن میں اللہ مقرر فرمایا ہے جس کے منیٰ میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ گناہ مطلق تب سے اس کی
 اصل روح نمایاں نہیں ہوتی۔ سر فہن سے مراد اصل وہ لوگ ہیں جو اپنے مطلب کے لیے کسی جیسے سے بُرے طریقے کو بھی اختیار
 کر لے ہیں تاہی نہیں کرتے کسی ظلم اور کسی باظفوقی اور کسی وحشت و ہریت کے درمیان میں جو کتے۔ اپنی خواہشات کے پیچھے ہر
 انتہا تک جا سکتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی حد نہیں جس پر جا کر وہ ٹک جائیں۔

۵۸۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی کافر قوم کو خطاب کے نہیں کئے جا سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد صاف بتا رہا ہے کہ
 بنی اسرائیل کی پوری قوم اس وقت مسلمان تھی، اور حضرت موسیٰ ان کو یہ یقین دہا رہے تھے کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو، یہی اللہ تعالیٰ کا
 ہے، تو فرعون کی طاقت سے خوف نہ کیا، بلکہ اللہ کی طاقت پر بھروسہ کرو۔

۵۹۔ یہ جواب ان فرماؤں کا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ یہاں قاتلوں کی خیر قوم کی طرف
 نہیں بلکہ دسایہ کی طرف پھردی ہے جیسا کہ یہاں کلام سے خود ظاہر ہے۔

۶۰۔ ان صادق ایمان والوں کی یہ دعا کہ ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا، بڑے وسیع مفہوم پر مبنی ہے۔
 کوئی بھی کام غلبہ و تسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ قیام حق کے لیے جھگڑتے ہیں تو ان میں مختلف قسم کے غلطیوں سے مبتلا ہوتے
 آتا ہے۔ ایک طرف باطل کے اصلی علمبردار ہوتے ہیں اور دوسری طاقت سے ان صاحبان حق کی کھل دینا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف
 نام نہاد حق پرستوں کا ایک بچھا خا صا گروہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر باطل کی تابانہ فرماں برداری کے مقابلہ
 میں طاقت حق کی کسی کو جرح و جواب دلا صا صل، یا طاقت مجتہد ہے اور اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی اس مخالفت کو جو
 دو حق کے ساتھ کر رہا ہے کسی نہ کسی طرح درست ثابت کر دے اور ان لوگوں کو ان پر باطل ثابت کر کے اپنے خیر کی جس طرح

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّءَ الْقَوْمَ كَمَا يُبَوَّءُ
الْبَنُونَ لِبُيُوتِهِمْ قَبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَابْرِئُوا السُّوءَاتِ ۖ

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو اشارہ کیا کہ تمہاری چند مکان اپنی قوم کے لیے بیکار کرو اور
اپنے ان مکانوں کو قبلہ بنو اور نماز قائم کر اور اہل ایمان کو بشارت دے دو۔

کون کون کی دعوت، قاصد وین حق سے اس کے دل کی گہرائیوں میں جلی باغی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ تیسری طرف مانتہ
ہوتے ہیں جو الگ گہرے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ان کا وہ آفر کا رسی طاقت کے حق میں پڑا کرتا ہے جس کا پیر جانی ہے
خدا وہ طاقت حق پر باطل۔ اس صورت حال میں ان دو اجماع حق کی ہر ناکامی، ہر نصیب، ہر غلطی، ہر کردار اللہ غالی ان مختلف
گروہوں کے لیے مختلف طور پر قہر میں جاتی ہے۔ وہ پہلے ٹالے جائیں یا شکست کھا جائیں تو پہلا گروہ کتا ہے کہ حق ہمارے ساتھ
تھا کہ ان بے وقوفوں کے ساتھ جو ناکام ہو گئے۔ دوسرا گروہ کتا ہے کہ دیکھ لیا، ہم نہ کہتے تھے کہ ایسی ہی بڑی طاقتوں سے
ٹھکانے کا حاصل چند قسمی جائز کی پاکت کے ساتھ نہ ہوگا، اور آؤ گا اس ٹکڑے میں اپنے آپ کو ڈالنے کا، ہمیں شریعت کے خلاف
کہ کیا تھا وہیں کے کم سے کم خودی مطالبات قرآن عقائد و اعمال سے پہلے سے ہو رہے تھے جن کی اجازت خداوند تعالیٰ
میں دیکھی تھی۔ تیسرا گروہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ حق وہی ہے جو غالب ہوا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی دعوت کے کام میں کوئی غلطی کر گیا
یا مصائب و مشکلات کی سہارہ بننے کی وجہ سے گمراہی دکھا جائیں یا ان سے، بلکہ ان کے کسی ایک فرد سے کسی ایسی غلطی کی وجہ سے
صدور ہوجائے، تو بہت سے لوگوں کے لیے باطل سے چٹے رہنے کے بدلہ ہمارے عمل کہتے ہیں اور ہم اس دعوت کی ناکامی کے
بعد مٹا سے دوا رنگ کسی دوسری دعوت حق کے اُٹھنے کا امکان باقی نہیں رہتا، ہمیں بڑی سختی و عافیت جو مرنے والے اسلام کے
ان ماضیوں نے ملگنی تھی کہ غلبہ ہم پر یا بفضل فرما کہ ہم کالوں کے لیے قہر میں کردہ جائیں۔ یعنی ہم کو غلیبوں سے غامضوں سے
گمراہیوں سے پرہیز جاری رہی کہ دنیا میں ہمارا دور کر دے، تاکہ ہمارا وجہ تیری خلق کے لیے سبب حیرت بنے کہ کالوں کے لیے
مسجد شہر۔

۸۴ اس نیت کے مضمون میں مضمون کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کے الفاظ پر اس ماحول پر مبنی یہ الفاظ اشارت
فرماتے تھے، حق کر کے سے میں یہ بھیجا ہوں کہ قابضہ مصر میں حکومت کے تشدد سے خود کو دینی امور کیلئے اپنے شخصت اپنی
کی وجہ سے اس کی خودی و جلالوں کے اس شاز با جماعت کا نظام ختم ہو چکا تھا اور یہ ان کے شیرازے کے بکھر جانے کی
یعنی مدح پر مبنی طاری ہوجانے کا ایک بہت بجا سبب تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ کو مکہ میں لایا گیا اس نظام کی دوسری قائم کر دیا
مصر میں چند مکان اس فرض کے لیے تعمیر یا جوڑ کر لیں کہ وہاں اجتماعی نماز ادا کی جائے۔ کیونکہ ایک ٹکڑی ہوئی اور بکھری
ہوئی مسلمان قوم میں دینی مدح کو جو سے ذبح کر لے اور اس کی مشترک طاقت کو دوسری جمع کر لے کے لیے اسلامی طرز پر جو کوشش

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً وَ
 أَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوهُنَّ عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ
 عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا
 الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿١٠٠﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَ

موسیٰ نے دعا کی کہ اے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور
 امثال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب! کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے جھٹکائیں؟ اے
 رب! ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک
 عذاب نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ”تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔“ ثابت قدم رہو اور

بھی کی جائے گا اس کا پہلا قدم لازماً یہی ہو گا کہ اس میں نماز باجماعت کا نظام قائم کیا جائے۔ ان مکانوں کو قبلہ ٹھیرانے کا منہم سیر
 نزدیک یہ ہے کہ ان مکانوں کو مادی قوم کے لیے مرکز اور مرجع ٹھہرایا جائے۔ اس واسطے کہ بعد ہی ”فنا زمانہ کر دو“ کہنے کا مطلب یہ ہے
 کہ متفرق طہار پانچ اپنی جگہ نماز پڑھ لینے کے بجائے لوگ ان مقرر مقامات پر جمع ہو کر نماز پڑھا کریں، کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں
 ”اقامت صلاۃ“ جس چیز کا نام ہے اس کے منہم میں لانا نماز باجماعت ہی شامل ہے۔

۱۰۰ یعنی اہل ایمان پر پابندی، مرغوبیت اور پڑھو گی کی جو کیفیت اس وقت چھائی ہوئی ہے اسے دور کر دینا
 پر اہمید بناؤ۔ ان کی ہمت بندھاؤ اور ان کا حوصلہ بڑھاؤ۔ بشارت دینے کے لفظ میں یہ سب معنی شامل ہیں۔

۱۰۱ اور پھر آیات حضرت موسیٰ کی دعوت کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ دعا زمانہ قیام مصر کے بالکل آخری
 زمانے کی ہے۔ بیچ میں کئی برس کا طویل فاصلہ ہے جس کی تفصیلات کو یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرے مقامات پر قرآن مجید
 میں اس بیچ کے دور کا بھی مفصل حال بیان ہوا ہے۔

۱۰۲ یعنی خاصہ، شان و شوکت اور تمدن و تہذیب کی وہ خوش منائی جس کی وجہ سے دنیاؤں کا اعلان کے طور پر
 ہر جگہ جتنی ہے اور ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ وہ ایسا ہی بن جائے جیسے وہ ہیں۔

۱۰۳ یعنی خدائے احد رسالہ جن کی فرائض کی وجہ سے وہ اپنی تدبیروں کو عمل میں لانے کے لیے ہر طرح کی آسانیاں رکھتے
 ہیں اور جن کے فقدان کی وجہ سے اہل حق اپنی تدبیروں کو عمل میں لانے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔

۱۰۴ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ دعا حضرت موسیٰ نے زمانہ قیام مصر کے بالکل آخری زمانے میں کی تھی، اور اس وقت

لَا تَسْبِغْنَ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَآئِيلَ
الْخَرْقَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجَنُودَهُ بَغْيًا وَعَدًّا وَحَاقَ بِآدَمَ آذْرُكُهُ
الْغَرَقُ قَالَ أَمْنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو
إِسْرَآئِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۰﴾ أَلَتْنِ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ

اُن لوگوں کے طریقے کی ہرگز پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے۔ حتیٰ کہ جب فرعون ٹوبہ لگا تو بل اٹھا۔ میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں بھی سراطاعت جھکا دینے والا ہوں۔ (جواب دیا گیا) اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا

کی تھی جب پہلے درپے نشانات دیکھ لینے اللہ میں کی حجت پوری ہو جانے کے بعد بھی فرعون اور اس کے ایمان سلطنت حق کی دشمنی پر اتھارٹی ہٹ دھرمی کے ساتھ جے رہے۔ ایسے مروج پرستیں جو بددعا کرتا ہے وہ ٹشک ٹشک دیکھ مونی ہے جو کفر پر اصرار کرنے والوں کے ہاں سے میں خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، یہی دیکھ کر پھر نہیں ایمان کی توفیق نہ بخشی جائے۔

تفسیر: وہ حقیقت کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے وہ باطل کے مقابل میں حق کی کڑھری اور اللہ تعالیٰ حق کے لیے سب سے بڑے مالوں کی مسلسل ناکامیوں، اور اللہ تعالیٰ کے شاہد اور ان کی دنیوی سرقرانیاں دیکھ کر یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ اس کے باطنی دنیا پر چھائے دیں اور شاید حضرت حق خود ہی باطل کے مقابل میں حق کی تائید کرنا نہیں چاہتے پھر وہ نفاق و کفر کا لاپتہ بدگمانوں کی نہ پر یہ قیہ نکال بیٹھتے ہیں کہ اقامت حق کی سعی بلا حاصل ہے اور اب مناسب یہی ہے کہ اس فدا سی دینداری پر لائق ہو کر شہید ہو جائے جس کی اجازت کفر و فسق کی سلطانی میں مل رہی ہو۔ اس نکت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اور ان کے پیروں کو اسی غلطی سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہے کہ ممبر کے ساتھ حواسی ناسوئی حالات میں کام کیے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ قصص بھی وہی غلط فہمی ہو جائے جیسے حالات میں جاہل اور نادانوں کو ملتا ہے جو جاہل کرتی ہے۔

تفسیر: بالکل اس بات کو کوئی ذکر نہیں ہے مگر تلو میں تشریح ہے کہ وہ بے وقت فرعون نے کہا میں تم پر ایمان

مجلس

وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝۱۱ فَالْيَوْمَ نُجْزِيكَ بِمَا نَكَرْتَ لَنَا لَمَّا كُنْتَ
لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً طَوْرًا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنِ الَّتِي نَاغَفَلُونَ ۝
وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مَبَآئِدَ صِدْقٍ وَقَرَرْنَا لَهُم مِّن
الطَّبَئِيتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي

اور فساد پر پا کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت رہے۔ اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانہوں سے غفلت برتتے ہیں۔

ہم نے نبی اسرائیل کو ہمت اچھا ٹھکانا دیا اور نہایت عمدہ وسائل زندگی انھیں عطا کیے۔ پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ علم ان کے پاس آچکا تھا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے

آلات ہیں، اے خلافت! تیرے سوا کوئی خدا نہیں؟

۹۲۔ آج تک وہ مقام پر پہنچا ہے جس کی خاطر اس نے جو عرصہ وہاں گزارا ہے اس میں اس نے نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنے شاگردوں کے لیے بھی ایک نیا ہیرو بن کر رہا ہے۔ اس کی زندگی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ ایک نیا ہیرو بن گیا ہے۔ اس کی زندگی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ ایک نیا ہیرو بن گیا ہے۔ اس کی زندگی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ ایک نیا ہیرو بن گیا ہے۔

اگر یہ فائدہ والا وہی فرعون منتقلہ ہے جس کو مذکورہ حال کی تحقیق نے فرعون مرئی قرا لیا ہے تو اس کی لاش راجح تک
 کھرو کے جانب غائب ہونے میں موجود ہے۔ مسئلہ وہیں سرگزشت ایڈسٹسٹو نے اس کی ٹی پی سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی
 لاش پر تک کی ایک تہجی ہوتی پائی گئی تھی تو یہ کسائی پائی میں اس کی خرقائی کی ایک کھلی علامت تھی۔

بڑی جبر تانک شانی کرو کہ کہہ ہی ان کی تانکھیں نہیں کھلتیں۔

۹۴۔ یعنی مصرے بچنے کے بعد ارض فلسطین۔

حکم مطلب یہ ہے کہ بعد میں انھوں نے اپنے دین میں جو تفرقہ رہا کیے وہ نے نئے مذہب کا اسے اس کی وجہ یہ نہ تھا کہ ان کو جو حق کا علم نہیں دیا گیا تھا اور نہ انہیں توحید کے بارے میں انھوں نے سمجھ دیا تھا بلکہ ان کی احمقیت پر سب کچھ ان کے

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۹﴾ فَاِنْ كُنْتُمْ فِي
شَكٍّ مِمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَسَلِّ الْذِّينَ يَقْرءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ
لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنُ مِنَ الْمُسْتَضِلِّينَ ﴿۴۰﴾
وَلَا تُكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُوْنُ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۱﴾
لِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾

روزان کے درمیان اُس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔
اب اگر تجھے اُس ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے بتیر پر نازل کی ہے تو اُن لوگوں
سے پوچھ لے جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ فی الواقع یہ تیرے پاس حق ہی آیا ہے تیرے رب کی
طرف سے لہذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور ان لوگوں میں نہ شامل ہو جنہوں نے ان کی آیات
کو جھٹلایا ہے، ورنہ تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں پر تیرے رب کا قول راست آگیا ہے ان کے سامنے خواہ کوئی نشان

اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔ خدا کی طرف سے تو انہیں واضح طور پر بتا دیا تھا کہ وہ حق ہی رہے یہ اس کے اعمال ہیں، یہ
اس کے تھکنے اور ملالے ہیں، یہ کھوسلاہ کے استعاری مدد ہیں، ناحت اس کو کہتے ہیں، سمیت اس کا نام ہے، ان چیزوں
کی بارہا اس خدا کے ہاں ہوتی ہے، اور یہ وہ قادیان ہیں جن پر دنیا میں تباہی و تباہی کا نام ہوتی ہے۔ گمان، طعن، مانع، ہاتھ کے
باوجود انہوں نے ایک دین کے پیچھے دین نہ دیا، لے اور خدا کی دی ہوئی دنیا میں کچھ نہ کر کے دوسری دنیا میں پہنچ
نہیں فرق کی ساریں کھڑی کیں۔

۹۶ یہ خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر دراصل بات ان لوگوں کو سنائی کہ وہ اپنے رب کی دعوت
میں شک کر رہے تھے۔ اور اصل کتاب کا حال اس لیے دیا گیا ہے کہ عرب کے عوام قاسمی کہوں کے علم سے بے بہرہ تھے
ان کے لیے یہ آواز ایک نئی آواز تھی، مگر اصل کتاب کے علم میں سے جو لوگ تین دنوں میں مر جاتے تھے، اس امر کی تادیق
کہتے تھے کہ جس چیز کی دعوت قرآن سے رہا ہے وہی چیز ہے جس کی دعوت تمام پچھلے انبیاء دیتے رہے ہیں۔

۹۷ یہ قول کہ جو لوگ خود طالب حق نہیں ہوتے، جو اپنے دلوں پر بند و قسب اور ہوش و بصری کے قتل و کشت

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۚ فَلَوْلَا
كَانَتْ قَرْيَةً أَمِنَتْ فَتَنْفَعَهَا إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنْ قَوْمٍ يَكُونُ لَكُمُ
أَمْنٌ وَكُفُّوا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ

آجہائے وہ کبھی ایمان لا کر نہیں دیتے جب تک کہ دردناک عذاب سامنے آتا نہ دیکھ لیں۔ پھر کیا
ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے نفع بخش
ثابت بن جائے اور یونس کی قوم کے شرکار اس کی کوئی نگیر نہیں وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو البتہ
ہم نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب نال دیا تھا اور اس کو ایک مدت تک زندگی سے
رکھتے ہیں اور جو دنیا کے عقیدے بدعتوں اور عادت سے بے فکر ہوتے ہیں انہیں ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

۹۸ یونس علیہ السلام (جن کا نام بائبل میں یوناہ ہے اور جن کا زمانہ مسیح سے قبل مسیح کے درمیان بتایا جاتا
ہے) اگرچہ اسرائیلی نبی تھے مگر ان کو آشور (اسیریا) والوں کی ہدایت کے لیے عراق بھیجا گیا تھا اور اسی بنا پر آشوریوں کو یہاں قوم
یونس کہا گیا ہے۔ اس قوم کا مرکز اس زمانہ میں نینوی کا شہر مشرق تھا جس کے وسیع گھنڈرات آج تک دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے
پر موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں اور اسی علاقے میں یونس نبی کے نام سے ایک مقام بھی موجود ہے۔ اس قوم کے
مروجہ گناہ اور اس سے بے پروا ہونے کا دلائل سلطنت نینوی کی تقریباً ۶۰ میل کے دور میں پھیلا ہوا تھا۔

۹۹ قرآن میں اس قصہ کی طرف دو تین جگہ صرف اشارات کیے گئے ہیں، کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ اس لیے یقین
کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قوم کن خاص وجوہ کی بنا پر خدا کے اس قانون سے استثنیٰ کی گئی کہ عذاب کا فیصلہ ہو جائے کے بعد
کسی کا ایمان اس کے لیے نافع نہیں ہوتا۔ بائبل میں یوناہ کے نام سے جو مختصر سا مضمون ہے اس میں کچھ تفصیل تو ملتی ہے مگر وہ
چند ن قابل اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو وہ آسمانی مضمون ہے، نہ خود یونس علیہ السلام کا اپنا حکما ہوا ہے، بلکہ ان کے چار پانچ سو
برس بعد کسی نامعلوم شخص نے اسے تاریخ یونس کے طور پر لکھ کر نبوخذ نصر کے مکتوب مقدس میں شامل کر دیا ہے۔ دوسرے اس میں بعض غریب
صلاحت بھی پائے جاتے ہیں جو ماننے کے قابل نہیں ہیں۔ تاہم قرآن کے اشارات اور مضمون یونس کی تفصیل پر مزید کرنے سے اتنی
بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی امید میں کچھ کوتاہیاں جو ممکن تھیں اور غالباً انہوں نے بہر
ہر قبل از وقت اپنا ستر بھی چھڑ دیا تھا، اس لیے جب آثار عذاب دیکھ کر آشوریوں نے تو براستقامت کی فلاح تعالیٰ نے انہیں
معاف کر دیا۔ قرآن مجید میں خدا کی دستور کے جواہر و کلیات بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی بشارتیں برسی نہیں کرتی۔ پس جب نبی ادا سے رسالت میں کوتاہی

إِلَىٰ حِينٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَكُمَنَّ مِنَ الْبَرِيَّةِ مُجْعًا
أَفَأَنْتُمْ تُكْفِرُوا النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ
بِهِرْمَةٍ أَنْ يَأْتِيَ الْقَوْلَ بِشَآءٍ ۚ

اگر تیرے سبب کی مشیت یہ جوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرمانبردار ہی ہوں) تو مارے
اہل زمین ایمان لے آئے جوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں، مگر تو متفلسطہ
کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا، تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس کی قوم کو عذاب دینا لگایا
دیکھا کہ یہ کس اس پر اتمام حجت کی قانونی شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں۔

تھ جب قوم ایمان لے کر اس کی ملت عرض اضافہ کر دیا گیا۔ ہمیں اس نے پھر خیال و عمل کی گزریاں اختیار
کرنی شروع کر دیں۔ تاہم نبی (ﷺ) نے اسے مسترد کر دیا، مگر کوئی اثر نہ ہوا، پھر ضعیفہ نبی (ﷺ) نے اسے
نے اس کو اپنی تنبیہ کی۔ وہ بھی لاگو نہ ہوئی۔ آخر کار مستحق م کے گھ بھگ زمانے میں اللہ تعالیٰ نے یثیبا والوں کو اس پر مسلط
کر دیا۔ یثیبا کا بادشاہ ہابیل والوں کی مدد سے اشور کے علاقے پر چڑھ آیا۔ اشوری لڑج شکست کھا کر یثوبی میں مصور ہو گئی۔ جب مدت
تک اس نے سخت مقابلہ کیا، پھر دھچ کی طیفانی نے فیصلہ شہر توڑ دی اور حملہ آور اندھ گھس گئے۔ پورا شہر ہلاک خاک سیاہ کر دیا گیا۔
گرد و پیش کے علاقے کا بھی ہی حشر ہو کر اشور کا بادشاہ خود اپنے محل میں آگ لگا کر اہل مراہر اس کے ساتھ ہی اشوری سلطنت اور
تغذیب بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ زمانہ سال میں آثار قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ہیں ان میں آتش زدگی کے نشانات
کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اللہ میں اگر اللہ کی خواہش یہ جوتی کہ اس کی زمین میں صرف طاعت گزار و فرمانبردار ہی ہوں اور کفر و نافرمانی کا سرے
سے کوئی وجود ہی نہ ہو تو اس کے لیے یہ نہ شکل تھا کہ وہ تمام اہل زمین کو مومن و مطیع پیدا کرنا اور نہ ہی شکل تھا کہ سب کے دل اپنے بیکار
کون بنی اشارے سے ایمان و طاعت کی طرف پھیر دیتا۔ مگر ذرا انسانی کے پیدا کرنے میں جو حکیمانہ غرض اس کے پیش نظر ہے وہ
خلیقی دیکھ کر حیرت کے متحمل سے فوج ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ خود ہی انسان کو ایمان لانے یا نہ لانے اور طاعت اختیار کرنے
یا نہ کرنے میں آزاد رکھنا چاہتا ہے۔

۱۰۲۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا
کے سے روک رہا تھا۔ دراصل اس فقرے میں وہی اخلاقیات بیان کیا گیا ہے جو قرآن میں جبروت مقامات پر ہمیں ملنے کے علاوہ
بظاہر قرنی صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا ہے مگر اصل میں لوگوں کو وہ بات سنائی مقصود ہے تو ہے جو نبی کو خطاب کے کے فرمانی ہوتی ہے۔
یہاں جو کچھ کہنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کو اجت اور دلیل سے ہدایت و عنایت کا فرق کمال کر دینے اور راہ راست طاعت

يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوا
إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ كُنْخِي رَسُولَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا
كَذَلِكَ خَافُوا عَلَيْنَا لَنُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ
فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُورِثُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾

اور کسی چیز کے منتظر ہیں کہ وہی برسے دن دیکھیں جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں؛
ان سے کوئی اچھا، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر جب ایسا وقت آتا ہے تو
ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں جو ایمان لائے ہوں۔ ہمارا یہی طریقہ ہے۔

ہم پر یہ حق ہے کہ مومنوں کو بچالیں۔ ع

اے نبی! کہہ دو کہ لوگو! اگر تم ابھی تک میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو سن لو کہ تم
اللہ کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا بلکہ صرف اسی خدا کی بندگی کرتا ہوں جس
قبضے میں تمہاری زندگی و موت ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

۵۔ یہ ان کے اس مطالبے کا آخری اور اسی جواب ہے جو وہ ایمان لانے کے لیے ضرور کے طور پر پیش کرتے تھے کہ ہمیں کوئی
نشانی دکھانی جائے جس سے ہم کو یقین آجائے کہ تمہاری نبوت سچی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہارے اندر حق کی
طلب اور قبول حق کی آمادگی ہو تو وہ ہے عدد حساب نشانیاں جو زمین و آسمان میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں جن میں پیغام محمدی کی منت
کا اعلان و لانے کے لیے کافی سے زیادہ ہیں صرف ان انگلیں کھول کر انہیں دیکھنے کی ضرورت ہے لیکن اگر یہ طلب اللہ و آمادگی
ہی تمہارے اندر ہو جن میں ہے آپ کرئی نشانی بھی، غراہ وہ کسی ہی غایتی عادت اور عجیب غریب جو، کم کو منت ایمان سے بہرہ
نہیں کر سکتی۔ ہر مجتہد کو دیکھ کر تم فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرح کو گم کہ یہ تو جاہد مری ہے۔ اس طرح میں جو لوگ
جدا ہوتے ہیں ان کی انگلیں صرف اس وقت کھلا کرتی ہیں جب خدا کا قدر و غضب اپنی روانہ سخت گیری کے ساتھ قہر و قہر و قہر
ہے جس طرح فرعون کی انگلیں دوڑے وقت کھلی تھیں۔ مگر میں گرفتاری کے موقع پر جو قہر کی جانے لگی کوئی قیمت نہیں۔

۶۔ جس معصوم سے قہر کی ہمتا کی گئی تھی اس پر اب قہر کو ختم کیا جا رہا ہے۔ تعالٰی کے بے پندہ کرنے کے معصوم

وَأَنْ أَقْرَ وَنَجَّكَ لِلدَّائِنِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

اور مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ تو کیسے ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک اس دین پر قائم کر دے، اور ہرگز ہرگز

ہر ایک نظر ڈال لی جائے۔

کَلِمَاتٍ میں مقدار تینوں فقرہ ہے جس کا مفی ترجمہ ہے جو تیس موت دیتا ہے۔ لیکن اس مفی ترجمے سے اصل مدح ظہر نہیں ہوتی۔ اس ارشاد کی مدح یہ ہے کہ وہ جس کے تجلیں تصادی جان ہے جو تم پر ایسا مکمل حاکم از اقتدار رکھتا ہے کہ جب تک اس کی مرضی ہو اسی وقت تک تم ہی سکتے ہو بعد میں وقت اس کا اشارہ ہو جائے اسی آن تھیں اپنی جان اس جان آفرین کے حواسے کر دیتی پڑتی ہے، اس صوفی کی پرستش اولیٰ کی بندگی و غلامی اولیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا قائل ہوں۔ یہاں اتنا اور سمجھ لینا چاہیے کہ مشرکین کہ یہ مانتے تھے اور آج بھی ہر جم کے مشرک تسلیم کرتے ہیں کہ موت صرف اللہ رب العالمین کے اختیار میں ہے، اس پر کسی دوسرے کا قابض نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جن زندگوں کو یہ مشرکین خدائی صفات و اختیارات میں مشرک غیر تسلیمی ان کے متعلق بھی وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی خدا پائی موت کا وقت نہیں ڈال سکا ہے۔ جس بیان دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے کسی دوسری صفت کو ذکر کرنے کے بجائے یہ خاص صفت کو وہ جو تیس موت دیتا ہے یہاں اس لیے انتخاب کی گئی ہے کہ پناہ ملک بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھیج ہونے کی دلیل بھی دے دی جائے یعنی سب کو چھوڑ کر اس کی بندگی، اس لیے کہ تاہم کو زندگی و موت پر تنہا ماسی کا اقتدار ہے۔ اس کے سوا دوسرے کی بندگی، آؤ کیوں کر دل جب کہ وہ خود اپنی زندگی و موت پر ہی اقتدار نہیں رکھتے کہا کہ کسی ایسی زندگی و موت کے متعارفوں پر کمال باطلت یہ ہے کہ وہ جو بچے موت دینے والا ہے کہنے کے بجائے وہ جو تیس موت دیتا ہے فرمایا۔ اس طرح ایک ہی نظائیں دیکھیں۔ عا۔ وکیل دعا اور موت الی المدعی، تیوں فائدہ صبح کر دے بھی گئے۔ اگر فرمایا جاتا کہ میں اس کی بندگی کرنا ہوں مجھے موت دینے والا ہے تو اس سے صرف یہی معنی سمجھتے کہ مجھے اس کی بندگی کرنی ہی چاہیے اب جو یہ فرمایا کہ میں اس کی بندگی کرنا ہوں جو تیس موت دینے والا ہے، تو اس پر یہ معنی سمجھ کر بھی ہی نہیں، تم کو بھی اس کی بندگی کرنی چاہیے اور تم پر غلبی کر رہے ہو کہ اس کے سوا دوسروں کی بندگی کیے جاتے ہو۔

مُطْلَعًا اس سلاطین کی شدت قابل غور ہے۔ بات ان الفاظ میں بھی ادا ہو سکتی تھی کہ تو اس دین کو اختیار کر کے یا اس دین پر چل یا اس دین کا پیروں جا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو بیان کے یہ سب پیرا یہ دیکھنے ڈھانے نظر آئے۔ اس دین کی جیسی سنت اور ٹھکی لکھی ہوئی بیرونی طوط ہے اس کا اعتراف ان کلمہ الفاظ سے نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش فرمایا کہ اَوْفَر وَجْهَكَ لِلدَّائِنِ حَنِيفًا۔ اقد و جھٹ کے مفی معنی ہیں اپنا چہرہ جامد ہے۔ اس کا معنوم یہ ہے کہ تیرا رخ ایک ہی طرف قائم ہو۔ ڈھنگا نا اور ہل و ٹٹ نہ ہو۔ کبھی چہرے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں نہ مڑتا رہے۔ بالکل ٹانگ کی سیدھا کسی مانتے پر نظر جمائے دست پر ہل جو تجھے دکھا دیا گیا ہے۔ یہ بندش بجائے خود بہت محبت تھی مگر اس پر بھی اکتفا نہ کیا گیا۔ اس پر ایک اور قید چلیھا کی بڑھا لی گئی۔ نیست اس کہ گتے ہیں جو سب طرف سے مڑنا ایک طرف کا ہو اور جو سب طرف سے مڑا اس کو نہ

الشِّرْكُ كُفْرٌ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ

مشرکوں میں سے نہ ہو۔ اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارا جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔

اس بندگی خدا کے طریقے کو، اس طرز زندگی کو کہ پرستش، بندگی، غلامی، اطاعت، فرمانبرداری سب کچھ صرف اللہ سب اعلا میں ہی کی جائے، ایسی کسوٹی کے ساتھ امتیاز کر کہ کسی دوسرے طریقے کی طرف ذرہ برابر میلان درجھان بھی نہ ہو، اس مادہ پر اگر ان غلط دلوں سے کچھ بھی لگا دیا تو نہ رہے جنہیں قہر و کڑا یا ہے اور ان میں سے راستوں پر ایک غلط آغاز و مقام بھی نہ پڑے جن پر دنیا پہلی جا رہی ہے۔

۱۹ حق تعالیٰ ان لوگوں میں ہرگز مثال نہ پیدا فرمائی ذات میں، اس کی صفات میں، اس کے حقوق میں، اور اس کے انقیاد میں کسی طور پر حق تعالیٰ کو شریک کہتے ہیں۔ ۱۹۰۰ء نیز خدا اس کا پناہ پس ہو، یا کوئی دوسرا انسان نہ، یا انسانوں کا کوئی مجموعہ نہ یا کوئی نوع ہو، چنانچہ ہر فرشتہ ہو، یا کوئی مادی یا خیالی یا وہی وجود ہو۔ اس معاملہ صرف اس ایمانی صورت ہی میں نہیں ہے کہ توحید خالص کا راستہ پوری استقامت کے ساتھ نہایت کر۔ مگر یہ جلیو نہت سے ہی ہے کہ ان لوگوں سے الگ ہو چاکو کی شکل اور کسی ڈھنگ کا شرک کرنے والے۔ ایک سب سے زیادہ صاف ہے، یعنی اللہ ۱۹۰۰ء۔ مگر یہ میں نہیں، اجتماعی نظام حیات میں بھی، مبدل اور پرستش کا ہر بھی میں نہیں، اور نہ ہر میں ہی، حلاوت خالص میں بھی، قانون مادی کی مجلسوں میں بھی، سیاست کے نظاموں میں بھی، حیثیت کے پاناموں میں بھی، ان میں ہر تکراروں لوگوں کے حسیات سے اپنا طریقہ الگ کر کے حصوں نے اپنے افکار و اعمال کا پورا نظام خدا پرستی اور خدا پرستی کی آئینہ نشی پرتہ کر کے اسے۔ توحید کو ہر زندگی سے کسی پہلو اور کسی شعبے میں بھی شرک کی راہ چلنے والوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر میں نہل سک، کچھ نہ آئے وہ ہوں اور پیچھے یہ اور پھر بھی اس کی توحید پرستی کے تقاضے انسان سے پورے ہوتے رہیں!

پھر مطالعہ شرک جلی ہی سے پر میز کا نہیں ہے بلکہ شرک خلی سے بھی کال اور سخت اجتناب کا ہے۔ بلکہ شرک خلی زیادہ خوفناک ہے اور اس سے جو شکار رہنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ بعض مادیوں لوگ "شرک خلی" کو "شرک خفیت" سمجھتے ہیں اور ان کا گمان ہے کہ اس کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا شرک بلی کا ہے۔ حالانکہ خلی کے معنی خفیت کے نہیں ہیں، پوشیدہ و مستور کے ہیں۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ جو دشمن منہ کھول کر دن و رات سے سامنے آجائے وہ زیادہ خطرناک ہے یا وہ جو آستین میں چھپا ہوا جو یادوست کے پاس میں محافظہ کر رہا ہو، بیماری وہ زیادہ تکلف ہے جس کی علامات بالکل نمایاں ہوں یا وہ جو دھڑوں تک محدود ہے کہ وہ جس کے اندر بھی خدمت کی حرکت کو چلی کرتی ہے، جس شرک کو ہر شخص ایک نظر دیکھ کر کہہ دے کہ یہ شرک ہے اس سے تو دین و توحید کا تضاد بالکل کھلا ہوا ہے۔ مگر جس شرک کو سمجھنے کے لیے گری کا تھا، اور تنبیہات توحید کا مینوس فہم دکھایا، وہ اپنی غیر مرنی جڑوں کے نظام میں اس طرح پھیلا تا ہے کہ عام اہل توحید کو ان کی غیر تک میں جوتی اور رفتہ رفتہ لیے غیر محسوس طریقے سے دین کے منہ کو کھاتا ہے کہ کہیں خطرے کا اہرام بھگنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنْ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ يَنْسَسْكَ اللَّهُ
 بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ
 لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ
 الرَّحِيمُ ﴿۱۸﴾ قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ
 فَتَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا
 يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۹﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ
 إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَخُذَكَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۲۰﴾

ع
۱۶

اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہو گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا
 کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ہٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے
 فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے
 نوازتا ہے اور وہ دیگر نہ کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اے محمد! اُکھڑو کہ ”لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے۔ اب جو
 سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اسی کے لیے مفید ہے اور جو گمراہ رہے اس کی گمراہی
 اسی کے لیے تباہ کن ہے۔ اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں۔“ اودا سے نبی! تم اس
 ہدایت کی پیروی کیجے جاؤ جو تمہاری طرف ہندیرہ وحی بھیجی جا رہی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ
 فیصلہ کر دے، اور میری بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ۷

تفسير القرآن (٢)

هُود

(١١)

مُود

نمائندہ نزول | اس سورہ کے مضمون پر غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسی قدر میں نازل ہوئی ہوگی جس میں سورہٴ یونس نازل ہوئی تھی۔ بعید نہیں کہ یہ اس کے ساتھ متعلق ہی نازل ہوئی ہو، کیونکہ موضوع تقریبی ہے، مگر تنبیہ کا انداز اس سے زیادہ صحت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ بڑے ہوتے جا رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا **لَقَدْ بَشَّرَنِي هُودٌ وَأَخْطَا تَحْصَا**، ”مجھ کو سورہٴ ہود احوال کی ہم مضمون سورتوں نے بڑھا کر دیا ہے“ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ زمانہ کیسا سخت ہو گا جبکہ ایک طرف کفار قلوب اپنے تمام ہتھیاروں سے اس دعوت حق کو پھیلنے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بڑے بڑے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں، ان حالات میں آپؐ کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہو گا کہ کیسے اللہ کی دی ہوئی ہمت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت داخل نہ ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے۔ فی الواقع اس سورہ کے پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک سیلاب کا بند ٹوٹنے کو ہے، اور اس نازل آبادی کو جو اس سیلاب کی زد میں آئے، نالی ہے، آخری تنبیہ کی جا رہی ہے۔

موضوع اور مباحث | موضوع تقریباً جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے، وہی ہے جو سورہٴ یونس کا تھا یہی دعوت، تمناؤں اور تنبیہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ سورہٴ یونس کی نسبت یہاں دعوت مختصر ہے، فحاشا میں استدلال کم اور وعظ و نصیحت زیادہ ہے، اور تنبیہ مفصل اور پر زور ہے۔

دعوت یہ ہے کہ پیغمبر کی بات مانو، شرک سے باز آؤ، سبکی ہندگی چھوڑو، اللہ کے بندے ہو اور اپنی فطری زندگی کا سارا انتظام آخرت کی خواہش کے احساس پر قائم کرو۔

تمناؤں یہ ہے کہ حیات دنیا کے ظاہری میل پرامنہاد کے لیے جن قومن نے اللہ کے رسول کی دعوت کو ٹھکرایا ہے وہ اس سے پہلے نہایت بڑا انجام دیکھ چکی ہیں، اب کیا ضرور ہے کہ تم بھی اسی راہ چلو جسے تاریخ کے مسلسل تجربات قطعی طور پر بتا رہی ہیں کہ وہ ثابت کر چکے ہیں۔

تنبیہ یہ ہے کہ عذاب کے آنے میں جتنا غیر ہریرہؓ ہے یہ دراصل ایک ملت ہے جو خدا اپنے فضل سے تمہیں بھلا کر رہا ہے۔ اس ملت کے اندر اگر تم نہ سنبھلو تو وہ عذاب آئے گا جو کسی کے ٹھنڈے دل کے لیے اور اہل ایمان کی کسی بھرپور جماعت کو چھوڑ کر تھکادی مادی قوم کو مضمون ہستی سے مٹا دے گا۔

اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے براہ راست خلاصہ کی نسبت قوم فوج، عاودہ و قوم اور صاحب
 یقین اور قوم فرعون کے قصوں سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ان قصوں میں خاص طور پر ہجرت نیاں کی گئی ہے
 وہ یہ ہے کہ خدا جب فیصلہ چکا نے پر آتا ہے تو پھر بالکل بے لاگ طریقہ سے چکاتا ہے۔ اس میں کسی کے ساتھ
 ذرہ برابر رعایت نہیں ہوتی۔ اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون کس کا بیٹا اور کس کا عزیز ہے۔ رحمت صرف
 اس کے حصہ میں آتی ہے جو راہ راست پر آگیا ہو، ورنہ خدا کے غضب سے نہ کسی پیغمبر کو بیٹا سمجھتا ہے اور نہ کسی پیغمبر کی
 بیوی۔ یہی نہیں بلکہ جب ایمان و کفر کا دو ٹوک فیصلہ ہو رہا ہو تو دین کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ خود موسیٰ ہی
 باپ اور بیٹے اور شوہر اور بیوی کے دشمنوں کو وصول جائے اور خدا کی شہر عدلی کی طرح بالکل بے لاگ ہو کر
 ایک رشتہ حق کے ساتھ دوسرے رشتے کو کاٹ پھینکے۔ ایسے موقع پر خون اور نسب کی رشتہ داریوں کا ذرہ
 برابر بھی لحاظ کرنا اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ یہی وہ تعلیم تھی جس کا پورا پورا مظاہرہ تین چار سال بعد
 مکہ کے ہابو مسلانوں نے جنگ بدر میں کر کے دکھا دیا۔

آیاتھا ۱۳ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الرَّٰحِیْمُ ۝ اٰتٰیكَتُبُ اَحْكَمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝
 اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ وَبَشِیْرٌ ۝

۱۔ فرمان ہے جس کی آیتیں سنجیدہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک دانا اور بانجھ سستی کی طرف
 سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی میں اس کی طرف سے تم کو خبردار کرنے والا بھی ہوں اور بشارت دینے والا
 ۲۔ کتاب کا ترجمہ یہاں انداز بیان کی مناسبت سے "فرمان" لیا گیا ہے عربی زبان میں یہ لفظ کتب اور نسخے
 ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ حکم اور فرمان شاہی کے معنی میں بھی آتا ہے اور خود فرمان میں متعدد مواقع پر یہ لفظ ایسی ہی استعمال ہوا ہے۔
 ۳۔ میں اس فرمان میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی اور اٹل ہیں۔ خوب چھی ٹکی میں۔ بڑی فاعلی نہیں ہے۔ غلطی کی
 مادی جو قیل کی شاعری نہیں ہے۔ شیک و تیک حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو حقیقت سے کم
 یا زیادہ ہو۔ پھر یہ باتیں مفصل بھی ہیں۔ ان میں ایک ایک بات کھول کھول کر واضح طریقے سے ارشاد ہوئی ہے۔ بیان ابھی بڑا،
 گنجگ اور ہم نہیں ہے۔ ہر بات کو انک انک، صاف صاف سمجھا کر بتا دیا ہے۔

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُبْتَغِمْ مَتًّا حَسَنًا
إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي

بھی۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت تک تم کو چھاسا ملے
زندگی دے گا اور صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہارے

۳۔ یعنی دنیا میں تمہارے شیرے کے لیے جو مدت مقرر ہے اس مدت تک وہ تم کو یہی طرح نہیں بلکہ بھی طرح
دے گا۔ اس کی نعمتیں تم پر پسلیں گی۔ اس کی برکتوں سے سرفراز ہو گے۔ خوش حال و فادہ دار اہمال ہو گے۔ زندگی میں امن اور
پہنچیں نصیب ہوگا۔ ذلت و فحاشی کے ساتھ نہیں بلکہ عزت و شرف کے ساتھ جبرے گے۔ یہی مضمون دوسرے موقع پر اس طرح اور شاذ و نادر
ہے کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَهُ الْوَعْدُ فَلْيَحْذَرِهَا فَإِنَّهَا لَشَدِيدَةٌ (۱۳)۔ جو شخص بھی ایمان کے
ساتھ نیک عمل کرے گا، عہد مردہ ہوا صحت، ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرنا پس گئے۔ اس سے لوگوں کی اس عام غلط فہمی کو مٹانے کا
مقصود ہے جو شیطان نے ہر نادان و دنیا پرست آدمی کے کان میں پھونک دیا ہے کہ خدا تو یہی اور راستباز اور احساس و صدامی
کا طرہ اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت بچی ہو تو مٹی ہو، مگر دنیا ضرور مل جائی ہے۔ اور یہ کہ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں
فائدہ مستحق و مستحقہ طالع کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے کہ اس راہ راست کو اختیار نہ کرنے سے
تمہاری صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا بھی بنے گی۔ آخرت کی طرح اس دنیا کی حقیقی حیات دکانیابی بھی ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے
جو نیک و صالحہ عمل کے ساتھ صراطِ زندگی بسر کریں، جس کے انفاق پاکیزہ ہیں، جن کے معاملات درست ہیں، جن پر ہر معاملہ میں ہر دوسرے
کیا جائے، جن سے ہر شخص بھلائی کا متوقع ہو اور جن سے کسی انسان کو یا کسی قوم کو شر کا اندیشہ نہ ہو۔

اس کے علاوہ متاعِ حسن کے الفاظ میں ایک اور پہلو بھی ہے جو نگاہ سے ہو بھول ڈرہ جانا چاہیے۔ دنیا کا مسلمان
دمیت قرآن مجید کی رو سے دو قسم کا ہے۔ ایک دوسروں میں ہے جو خدا سے پھرے ہوئے لوگوں کو فتنے میں ڈالنے کے لیے
بھیجا جاتا ہے اور جس سے دوسروں کو کہہ لے کہ تمہارے آپ کو دنیا پرستی و خدا فراموشی میں اور زیادہ کم کر دیتے ہیں۔ یہ بظاہر تو
نعمت ہے مگر باطن خدا کی پیکار اور اس کے غضب کا جہنم خیمہ ہے۔ قرآن مجید میں کوئی صانع حق و دے کے الفاظ سے یاد کرتا ہے
وہم را وہ مردمان ہے جس سے انسان، شیطان، آدمی، و ہر کہ سنہ نہا کہ اور زیادہ شکر گزار بننا ہے، خدا اس کے بندوں
کے اور نودا بننے نفس کے حقوق زیادہ اچھی طرح ادا کرتا ہے، خدا کے دیے ہوئے وسائل و طاقت پاکر دنیا میں غیر صلاح
کی ترقی اور شر و فساد کے وسیع مجال کے لیے زیادہ کارگر کو مشغول کرنے عطا ہے۔ یہ قرآن کی زبان میں صانعِ حسن ہے،
یعنی جیسا چھاسا مان زندگی پر محض جہنم و نیلای رنج نہیں ہو جاتا بلکہ نفع میں بھی آخرت کا بھی ذریعہ بننا ہے۔

۴۔ یعنی جو شخص اس وقت حال میں مستجاب بھی ہے کہ جسے گا، اللہ اس کو اتنا بھی زیادہ عطا کرے گا۔ اللہ کے ہاں کسی کی

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ
لِيَسْخَفُوا مِنْهُ الْأَحْيِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا
يُسْرُونَ وَمَا يَعْلَنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ۚ

الجزء

حق میں ایک بڑے بڑا دن کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تم سب کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

دیکھو ایسے لوگ اپنے سینوں کو مٹاتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں۔ خبردار! جب یہ کپڑے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں، اللہ ان کے چھپے کو بھی جانتا ہے اور کھلے کو بھی، وہ تو ان بیدلوں سے بھی واقف ہے جو زمینوں میں ہیں۔ زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے لئے نہ ہو۔

خوبی پہانی نہیں پھیلاتا، اس کے ہاں ہر طرح برائی کی تدبیر ہے اسی طرح صلاح کی تاقدری بھی نہیں ہے، اس کی سلطنت کا دوسرے نہیں ہے کہ

اسپ تازی شدہ مجروح پر ہلاں طوق نڈیں ہر دو گردن خرم بنیم

ہاں تو شخص بھی اپنی برکت کو داسے اپنے آپ کو جس فضیلت کا مستحق ثابت کر دے گا وہ فضیلت اس کا خود

دی جائے گی۔

۵۷۷ عیسٰی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا ہوا تو بہت سے لوگ وہاں ایسے تھے جو مخالفت میں دیکھتے بہت زیادہ سرگرم نہ تھے مگر آپ کی دعوت سے سخت بیزار تھے۔ ان لوگوں کا رویہ تھا کہ آپ سے کتراتے تھے، آپ کی کسی بات کو سننے کے بجائے تاملتے تھے کہیں آپ کو بیٹھے دیکھتے تو اٹھ پٹوں پر جاتے، اللہ سے آپ کو کہتے دیکھتے تو رخ بدل دیتے یا کپڑے کی اوٹ میں منہ چھپا لیتے تاکہ اس سامنا نہ ہو جائے اور آپ انھیں خطاب کر کے کچھ اپنی باتیں نہ کہنے لگیں۔ اسی قسم کے لوگوں کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے کہ یہ لوگ حق کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں اور شرع کی طرح منہ چھپا کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، غالباً جو کچھ حق سے انھوں نے منہ چھپایا ہے۔ حالانکہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے اور وہ یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ یہ برقوق

يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلُّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦﴾
 وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَ
 كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ

جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے، سب کچھ ایک کتاب
 و دفتر میں درج ہے۔

اور ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جبکہ اس سے پہلے اس کا
 عرش بانی پر تھا۔ تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اب اگر اے محمد! تم
 اس سے بچنے کے لیے مزہ چھانے بیٹھے ہیں۔

۱۔ یہی جس خدا کے علم کا حال یہ ہے کہ ایک ایک چڑیا کا گھونسلہ اور ایک ایک کیڑے کا بیل اس کو معلوم ہے اور وہ
 اسی کی جگہ پر اس کو سامان زینت پہناتا ہے اور جس کو ہر آن اس کی خبر ہے کہ کونسا جاندار کہاں رہتا ہے اور کہاں اپنی جان ہلا
 آفوس کے ہر دور کہرتا ہے اس کے متعلق اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ اس طرح مزہ چھا چھا کر یا کافروں میں بنگھیاں شہر نس کر یا انکھوں
 پر پردہ ڈال کر تم اس کی خبر سے بچ جاؤ گے تو سخت نادان ہو۔ ماضی حق سے تم نے مزہ چھا بھی لیا تو آخراں کا حاصل کیا ہے و کیا
 خدا سے بھی تم چھپ گئے و کیا غدا یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ ایک شخص قبیلہ مدحیٰ سے آگاہ کہلے میں لگا ہوا ہے اور تم یہ کہشش کر لے چکے
 کہ کسی طرح اس کی کوئی بات تمہارے کان میں نہ پڑنے پائے و

۲۔ جہلم متر فہم ہے جو غالباً لوگوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آسمان و زمین اگر پہلے نہ تھے اور ہم میں
 پیدا کیے گئے نہ پہلے کیا تھا، اس سوال کو یہاں نقل کیے بغیر اس کا جواب اس فقرے سے فقرے میں دے دیا گیا ہے کہ پہلے پانی
 تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس پانی سے مواد کیا ہے۔ یہی پانی جسے ہم اس نام سے جانتے ہیں، یا یہ لفظ صحن استعمال کے طور پر
 ماؤسے کی اُس مائع (Fluid) حالت کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو موجودہ صورت میں ڈھالے ہانے سے پہلے تھی؟
 راہبہ دشاؤ خدا کا عرش پہلے پانی پر تھا تو اس کا منہم ہمارا کچھ میں یہ آتا ہے کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی۔

۳۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اس لیے پیدا کیا کہ تم کو (یعنی انسان کو) پیدا کرنا مقصود
 تھا، اور جس میں سے پیدا کیا کہ تم پر اخلاقی و معاشی کا پانڈا ڈھالے بغیر کو عاقبت کے اختیارات سپرد کیے جائیں اور پھر دیکھا جائے
 کہ تم میں سے کون ایسے اختیارات کو اس اخلاقی ذمہ داری کے برعکس کو کس طرح نبھاتا ہے۔ اگر اس تخلیق کی تین یہ مقصد ہوتا
 اگر اختیارات کی تفویض کے باوجود کسی امتحان کا کسی خاصہ ادا نہ پڑے گا اور کسی جہاد و مزاح کوئی سوال ذہن نامہ اور انسان کو

قُلْتُ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
 إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ
 إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولَنَّ مَا يَجِبُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝
 لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِئُونَ ۝
 وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَكْفُرُ
 بِكُفْرٍ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَسَّئَةٍ لَيَكْفُورَنَّ
 ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي ۝ إِنَّهُ لَفَرِحَ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ

کہتے ہو کہ لوگوں نے کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے تو منکروں فوراً بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح
 جادوگری ہے۔ اور اگر ہم ایک خاص مدت تک ان کی سزا کو ٹالتے ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ آخر
 کس چیز نے اُسے روک رکھا ہے؟ منو! جس روز اس سزا کا وقت آگیا تو وہ کسی کے پھیرے نہ پھرے گا
 اور وہی چیز ان کو اٹھیرے گی جس کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں۔ ۷

اگر کسی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا
 ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور اگر مصیبت کے بعد ہم اسے نعمت کا مواجہہ کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ میرے تو
 سارے دلکد پار ہو گئے، پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اڑنے لگتا ہے۔ اس جیسے پاک اگر کوئی میں تو بس لوگوں
 اخلاق ذمہ داری کا حامل ہونے کے باوجود ریاضی بنے بیہ مرکز نبی ہو جانا ہی ہوتا، تو پھر یہ سارا اہر تعلق باطل ایک محل کھیل تھا اس
 تمام نگاہ مروجہ کی کوئی حیثیت ایک نخل بہت کے سوا نہ تھی۔

۹ یعنی ان لوگوں کی نادانی کا یہ حال ہے کہ کائنات کو ایک کھلنے والے کا ٹھکانہ دیکھ کر وہ اپنے آپ کو اس کے جی ہلانے
 کا کھانا بچے بیٹھے ہیں اور اس کا عقائد تصور میں آتے ہیں کہ جب تم انھیں اس کا کھانا دیا جائے گا تب وہ خدا کا بندہ اور خدا کے بندے
 کی مسئول غرض و نفاذ سمجھتے ہو تو فقہ لگاتے ہیں اور تم پر مصیبت کتنی ہے کہ شخص تو خدا کی ہی باتیں کرتا ہے۔

صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ
كَبِيرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ وَ

صبر کرنے والے اور نیکو کار ہیں اور وہی ہیں جن کے لیے درگزر بھی ہے اور بڑا اجر بھی۔

تو ایسے بغیر! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان چیزوں میں سے کسی چیز کو چھوڑ دو جو تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہیں اور

۱۱۔ انسان کے چھ پر ہیں، سلیبی، اور قلت تدبر کا حال ہے جس کا شاہد ہر وقت زندگی میں ہوتا رہتا ہے اور جس کو عام طور پر لوگ اپنے نفس کا حساب لے کر خود اپنے اندر بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ آج جو خیال اور ذرا آدرشیں تو اکثر یہ ہیں، غور کر رہے ہیں، مادیات کے اندر سے کی طرح ہر طرف ہر راہی ہر نظر آ رہا ہے اور خیال تک نہیں آتا کہ کسی اس بہار پر مثال ہی آسکتی ہے۔ کل کی مصیبت کے پھر میں، کئے تو بلبل آئے، حسرت دیا جس کی تصویریں کہہ گئے، اور بہت تھلائے تو خدا کو گالیاں دے کر لڑا اس کی فدا کی باتوں کو کہ غم نکلنے لگے۔ پھر جب بڑا وقت گزر گیا اور جیسے دن آئے تو وہی اکڑا دی ڈیگیں اور منت کے نشے میں ہی سرسبزیاں پھر شروع ہو گئیں۔

انسان کی اس ذلیل صفت کا یہاں کہیں ذکر ہوا ہے؟ اس کا فرض ایک نسلات صلیت انسان میں لوگوں کو اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آج انسان کے ماحول میں جب ہمارا پیغمبر نہیں خود اکرنا ہے کہ خدا کی نافرمانیاں کرتے رہو گے تو یہ بظاہر آئے گا کہ تم اس کی بات سن کر ایک ذرا کا اٹھا مارو گے اور کہتے ہو کہ تم دوانے دیکھتے نہیں کہ ہم پر جنوں کی بارش ہو رہی ہے، ہر طرف ہانپا ہوا ہے، پھر سے آڑ رہے ہیں، اس وقت تجھے دی دہاؤ سے یہ ڈانڈنا خوب کیسے نظر آگیا کہ کوئی مذہب ہم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے، تو ماحول پیغمبر کی نصیحت کے جواب میں تمہارا یہ اٹھا مارا ہی ذلیل صفت کا ایک ذیل تر مظاہرہ ہے۔ خدا تو تمہاری گرامیوں اور بدکاریوں کا ہر شخص اپنے مذہم و کم سے تمہاری عزت میں تاج کر رہا ہے تاکہ تم کسی طرح ہنس مل جاؤ، مگر تم اس صفت کے زمانے میں یہ سوچ رہے ہو کہ ہماری خوش حالی کیسی پائیدار بنیادوں پر قائم ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ اس پر غماں آنے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔

۱۲۔ یہاں مبر کے ایک اور منہم پر مدد بھی چڑھتی ہے۔ مہر کی صفت اس پیغمبر پر اپنی خدمت میں جس کا ذکر ہو گیا گیا ہے۔ صابر و شفیق ہے جو زمانہ کے بدستے ہوئے حالات میں اپنے ذہن کے توازن کو برقرار رکھے۔ وقت کی ہر گردش سے اثر نہ کر اپنے مزاج کا رنگ بدلتا نہ چلا جائے بلکہ ایک معمولی صانع ہو رہے ہر حال میں قائم رہے۔ اگر کسی حالات سازگاروں اور وہ دولت مندی، اقتدار اور ناممندی کے آسافوں پر چڑھا چلا جا رہا ہو تو بڑائی کے نشے میں مست ہو کر پکے نہ لگے۔ اور اگر کسی دوسرے وقت مصائب و مشکلات کی بجلی اسے پیسے ڈال رہی ہو تو اپنے جہر و شایستگی کو اس میں ضائع نہ کر دے۔ خدا کی طرف سے آزمائش خواہ نعمت کی صورت میں آئے یا مصیبت کی صورت میں، دونوں صورتوں میں اس کی ہدایا اپنے حال پر قائم رہے اور اس کا حرف کسی چیز کی بھی جھوٹی یا بڑی تعداد سے چٹک نہ پڑے۔

صَاحِبِ رِبِّهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا أَوَّلًا أَنْزِلْ عَلَيْهِ كُتْرًا أَوْ جَاءَ
مَعَهُ مَلَكَ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ

اس بات پر دل تنگ ہو کر وہ کہیں گے اس شخص پر کوئی فرزند کیوں نہ آتا دیکھا، یا یہ کہ اس کے
ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، تم تو معصی خیردار کرنے والے ہو، آگے ہر چیز کا حالہ دالہ اللہ ہے۔

۱۱۔ بین اللہ ایسے لوگوں کے تصور صاف بھی کرتا ہے احسان کی بے لایوں پرانہ بھی دیتا ہے۔

۱۱۔ اس ارشاد کا مطلب سمجھنے کے لیے ان حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک ایسے
قبیلے کا صلہ نظام ہے جو تمام عرب پر اپنے مذہبی اقتدار اپنی دولت و قہارت اور اپنے سیاسی و مذہبی کی وجہ سے چھایا ہوا ہے میں
اس حالت میں جب کہ ایک پہلے استانی مذہب پر بھی اس ہی کا ایک آدمی اٹھ کھڑا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ جس مذہب کے
تم پیشابوہد سوسم گر گرجی ہے جس نظام قدس کے تم سر دوزخ، اپنا چڑ تک لگا کر مرنا چاہتا نظام ہے، خدا کا عذاب تم پر نازل ہونے
کے لیے تیار کھڑا ہے اور تمہارے لیے اس سے پہلے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اس مذہب حق اور اس نظام صالح کو قبول
کر لو جو میں خدا کی طرف سے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اسی شخص کے ساتھ اس کی پاک سیرت اور اس کی معقول باتوں کے ساتھ
کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس سے عام لوگ اسے مومن اللہ سمجھیں۔ اور کہ وہ پیش کے حالات میں بھی مذہب و اخلاق اور
تمدن کی گہری بنیادی فراہمی کے سوا کوئی ایسی ظاہری علامت نہیں ہے جو نزول عذاب کی نشاندہی کرتی ہو بلکہ اس کے برعکس تمام
نہایاں علامتیں بھی ظاہر کر رہی ہیں کہ ان لوگوں پر خدا کا رحمان کے عقیدے کے مطابق اور باتوں کا ہم فضل ہے اور جو کچھ وہ کر رہے
ہیں شیک ہی کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ بات کہنے کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کے سوا کچھ ہوسکتا نہیں سکتا، اگر چند نیاں بھی لڑائی
اور حقیقت اس لوگوں کے سوا ہستی کے سب لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ کوئی کلمہ دہم سے اس کو دہنا چاہتا ہے۔ کوئی جھوٹے
الزامات اور اچھے اعتراضات سے اس کی ہوا اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی متصباذیہ رشتی سے اس کی ہمت شکنی کرتا ہے۔
اور کوئی مذاق اڑا کر آواز سے ہود بیتان کی کہ وہ ہنسنے لگا کر اس کی باتوں کو براہیں اڑا دینا چاہتا ہے۔ یہ استقبال چوکی کمال
بلکہ اس شخص کی دعوت کا ہوتا دہتا ہے جیسا کہ وہ دل شکن اور بارہ کن جو ممکن ہے، ظاہر ہے۔ میں ہی صورت حال ہے جس میں اللہ
تعالیٰ اپنے پیغمبر کی ہمت بند ممالے کے لیے تلقین فرماتا ہے کہ پیچھے حالات میں بھول جانا اور تمہارے حالات میں مایوس ہو جانا چھوڑ
لوگوں کا کام ہے۔ ہماری صفحہ میں قیمتی انسان وہ ہے جو نیک ہو اور نیک کے راستے پر بروقیات اور ہماروی کے ساتھ چلنے والا ہو بلکہ
جس شخص کے جس بے لگنی سے، جس شخص کے راستہ سے اور جس جاہلانہ اعتراضات سے تھا اور غافل کیا جا رہا ہے ان کی وجہ سے
تمہارے پاسے ثبات میں خدا تعالیٰ نے دے پاسے۔ جو صداقت ہم پر بذریعہ وحی تکلف کی گئی ہے اس کے اظہار و اعلان میں اور
اس کی طرف دعوت دینے میں تمہیں قطعاً کوئی ہاک نہ ہو۔ تمہارے دل میں اس خیالی کا کبھی گزرنے نہ ہو کہ غلام بات کہنے کوں بلکہ

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَةٌ
 اَدْعُوا مِمَّنْ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ۝ فَاَلَمْ يَسْتَعْبِدُوا لَكُمْ فَاَعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ
 اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو: اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی
 دس سو تیس تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو روح (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم
 (انہیں معبود سمجھتے ہیں) سچے ہو۔ اب اگر وہ (تمہارے معبود) تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ
 کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم (اس امر حق کے سوا)
 سر تسلیم خم کرتے ہو؟

”لوگ سنتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے تھے ہیں، اور ظاہر حقیقت کا اظہار کیسے کر دیں جبکہ کوئی اس کے سننے تک کا وہاں نہیں ہے کوئی
 ماننے یا نہ ماننے تم جسے حق مانتے ہو اسے بلکہ دو کلامت اور بے خوف بیان کیے جاؤ آگے سب معاملات اللہ کے حوالہ دیں۔
 ﷺ یہاں ایک ہی دلیل سے قرآن کے کلام الہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور توحید کا ثبوت بھی۔ استدلال کا
 خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اگر تمہارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر نہ کرنا چاہیے، لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ میں نے اسے
 خود تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم ایسی ایک کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر میرے بارہا عرض کیے
 یہی تم سب مل کر اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے تو یہ راہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں بلکہ یہ اللہ کے حکم
 نازل ہوئی ہے۔

(۲) پھر جبکہ اس کتاب میں مضامین معبودوں کی بھی تکلم کلام اللہ کی گئی ہے اور صفات صفات کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت
 چھوڑ دو کیونکہ اوپریت ہیں اہل کا کوئی حصر نہیں ہے، تو ضرور ہے کہ تمہارے معبودوں کو بھی (اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے)
 برے و خیر کے کا جو اثر نجات کرنے اور اس کتاب کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ اس فیصلے کی گھڑی میں بھی
 تمہاری مدد نہیں کرتے اور تمہارے مذکورہ ایسی طاقت نہیں جو کہ تم اس کتاب کی نظیر بنا کر لوگوں کو اس سے صفات ثابت کرنا چاہتا
 کہ تم نے خواہ مخواہ ان کو معبود بنا رکھا ہے اور نہ حقیقت ان کے اندر کوئی قوت کوئی اثر الہی نہیں ہے جس کی بنا پر وہ معبود

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَتْهَا نَافِلًا لِّمَنْ اَعْمَا لَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَشُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ مَوْجِطًا مَّا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَطِلَ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

جو لوگ بس دنیوی زندگی اور اس کی خوشنمایوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں تھے۔ (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ٹیبا میٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

ہونے کے مستحق ہوں۔

اس آیت سے صفحہ ۱۱ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ سورہ ترتیب نزول کے اعتبار سے سورہ یونس سے پہلے کی ہے۔ یہاں اس بات پر بنا کر لائے کا جملہ دیا گیا ہے اور جب وہ اس کا جواب نہ دے سکے تو سرسورہ یونس میں کہا گیا کہ اچھا ایک ہی سورت اس کے مانند تصنیف کر لاؤ۔ (دکتر ۴)

۱۵ اس سلسلہ کا کام میں یہ بات اس مناسبت سے فرمائی گئی ہے کہ قرآن کی دعوت کو جس قسم کے لوگ اُس زمانہ میں روک رہے تھے اور آج بھی روک رہے ہیں وہ زیادہ تر وہی تھے اور جس کے دل و دماغ پر دنیا پرستی چھائی ہوئی ہے۔ خدا کے پیغام کو روک کرنے کے لیے جو دلیل بازیال وہ کرتے ہیں وہ سب توجہ کی چیزیں ہیں۔ پہلی چیز جو اس کا اہل سبب ہے وہ ان کے نفس کا یہ فیصلہ ہے کہ دنیا اور اس کے مادی فائدوں سے باز نہ کوئی شے قابل قدر نہیں ہے اور یہ کران فائدوں سے متنع ہونے کے لیے ان کو چوری آزمادی حاصل رہنی چاہیے۔

۱۶ یعنی جس کے پیش نظر محض دنیا اور اس کا فائدہ مجزودہ اپنی دنیا بنانے کی جیسی کوشش یہاں کرے گا وہ یہی اس کا پھل اسے یہاں مل جائے گا۔ لیکن جبکہ آخرت اس کے پیش نظر نہیں ہے اور اس کے لیے اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی دنیا طلب سامع کی ہمارے آدھی کا سلسلہ آخرت تک دواں ہو۔ دلائل پہلے پانے کا امکان نہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ دنیا میں آدمی کی سعی ان کاموں کے لیے ہو جو آخرت میں بھی نافع نہ ہوں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص چاہتا ہے کہ ایک شاندار مکان اسے دہنے کے لیے ملے اور وہ اس نے بے لگن تدابیر کو عمل میں لانا ہے جس سے یہاں مکان بنا کر تے ہیں تو ضرور ایک مالی شان ملے گی کہ اس کو دے دے گا اور اس کی کوئی اینٹ بھی محض اس بنا پر جتنے سے انکار نہ کرے گی کہ ایک کا فر اسے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اس شخص کو لپٹا ہی ملے گا اور اس کا سارا سرو سامان موت کی آغوش بکلی کے ساتھ ہی اس دنیا میں چھوڑ دینا

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّن مَّبُتُونَ قَبْلِهِ كَتَبَ
مُوسَىٰ إِنَّمَا وَرَحْمَةً أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ

پھر بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا، اس کے بعد
ایک گواہ بھی بد روگار کی طرف سے (اس شہادت کی تائید میں) آگیا اور پہلے موسیٰ کی کتاب دیکھا اور
رحمت کے طور پر آئی ہوئی بھی موجود تھی (کیا وہ بھی دنیا پرستوں کی طرح اس سے انکار کر سکتا ہے؟)۔
اے لوگ تو اس پر ایمان ہی لائیں گے۔ اور انسانی گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے

پڑے گا اور اس کی کوئی چیز ہی ۱۵۶۱ اپنے ساتھ دوسرے عالم میں دے جائے گا۔ اگر اس نے آخرت میں عمل خیر کرنے کے لیے کچھ نہیں
کیا ہے تو کوئی عقل مند نہیں کہ اس کا عمل دہاں اس کے ساتھ منتقل ہو۔ وہاں کوئی نل وہ پاسکتا ہے صرف اس صورت میں پاسکتا
ہے جبکہ دنیا میں اس کی سچی امن کاموں میں جو جن سے قانون الہی کے مطابق آخرت کا عمل بنا سکتا ہے۔

اب سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس دلیل کا تقاضا صرف اتنا ہی ہے کہ وہاں سے کوئی عمل نہ ملے مگر یہ کیا بات ہے کہ عمل کے
بجائے وہاں اسے آگ ملے گی، اس کا جواب یہ ہے (اللہ قرآن ہی کا جواب ہے جو مختلف مواقع پر اس نے فرمایا ہے) کہ جو شخص
آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیا کے لیے کام کرتا ہے وہ لازماً غلطاً ایسے طریقوں سے کام کرتا ہے جن سے آخرت میں عمل کے
بجائے آگ کا آلودہ ہوتا ہے۔ (علامہ محمد سعید بن مسعود رحمہ اللہ)

۱۵۷ یعنی جس کو خدا چاہے وہ جو دین و دامن کی ممانعت میں اللہ کا شہادت کے تقاضے میں اس میں ہر کی کھلی شہادت ملے گی
یعنی کہ اس دنیا کا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم و قاضی اور امر و نہی کا مناسبت ہے، اور پھر ان شہادتوں کو دیکھ کر اس کا دل بھی ہی پہلے
ہی سے دے اور اس کا اس زندگی کے بعد کوئی اللہ زندگی ضرور ہونی چاہیے جس میں انسان اپنے خدا کو اپنے مثال کا صاحب دے اور اپنے
کے لیے کی جہاد سزا پائے

۱۵۸ جس فرقان جس نے اگر اس فطری و عقلی شہادت کی تائید کی اور اسے بتایا کہ فی الواقع حقیقت وہی ہے جس کا نشان
آفاق واقف کے آثار میں تو نے پایا ہے۔

۱۵۹ مسدود کلام کے لئے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو پاداس کی خوش فانیہ لہ
فریغ میں ان کے لیے تو فرقان کی دعوت کو رد کر دینا آسان ہے۔ مگر وہ محض جوابی توجہ میں اس کا نشان کے تقاضے میں پہلے سے توجہ
آخرت کی کھلی شہادت پاداس، پھر قرآن نے ہر جگہ وہی بات کہ جس کی شہادت وہ پہلے سے اپنے اند میں ہی پاداس تھا اور باہر بھی
اور جس کی مزید تائید قرآن سے پہلے آئی ہوئی کتاب آسمانی میں اسے ملتی تھی، انہوں نے اس طرح اپنے ذہن پرست شہادتوں کی طرف سے
آنکھیں بند کر کے ان حکم کو کام نہ ہو سکتا ہے، اس ارشاد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو عملی اللہ علیہ السلام نے ان لوگوں سے پہلے

فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ^{۱۷} وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ^{۱۸} الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا

تو اس کے لیے جس جگہ کا وعدہ ہے وہ دوزخ ہے۔ پس اسے پیغمبر! تم اس چیز کی طرف سے کسی شک میں نہ پڑنا، یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔ ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور گواہ شہادت دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔ سو خدا کی لعنت ہے ظالموں پر۔ اُن ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں

ایمان یا کفر کی منزل سے گور چکے تھے۔ جس طرح سورۃ انفاح میں حضرت ابولہب کے متعلق بتایا گیا ہے کہ نبی ہونے سے قبل ان کا گھر کھانا کے شہلے سے بھرا ہوا تھا اور وہ توحید کی معرفت حاصل کر چکے تھے، اسی طرح یہ آیت بتا رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود مکہ سے اس حقیقت کو پایا تھا اور اس کے بعد قرآن نے اگر اس کی نصیحت تصدیق و توثیق کی مگر آپ کو حقیقت کا ہموار راستہ علم بھی عطا کر دیا گیا۔

۱۷ یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ خدا کی اور استحقاق زندگی میں دوسرے بھی شریک ہیں یا یہ کہ خدا کو اپنے بندوں کی ہدایت و نصیحت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور اس نے کوئی کتاب اور کوئی نبی ہماری ہدایت کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ جس اور جگہ پر دیا ہے کہ جو خدا کا ہے اپنی زندگی کے لیے اختیار کر لیں۔ یا یہ کہ خدا نے ہمیں یہ نبی مکمل کے طور پر پیدا کیا اور یہی ہم کو ختم کر دیا کوئی خدا بدی نہیں اس کے سامنے نہیں کرتی ہے اور کوئی جزا و سزا نہیں دیتی ہے۔

۱۸ یہ تاہم آخرت کا بیان ہے کہ وہاں یہ اعلان ہوگا۔

۱۹ یہ جملہ ستر ستر ہے کہ جن ظالموں پر دلائل خدا کی لعنت کا اعلان ہوگا وہ وہی لوگ ہیں جو آج دنیا میں عداوت کرتے ہیں۔

۲۰ یعنی وہ اس سیدھی راہ کو جو ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ یہ راہ کھان کا طریقہ بن جائے۔

ع ۶۶

وَالْبَصِيرَ وَالسَّمِيعَ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۷﴾
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۳۸﴾
أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْيَوْمِ ﴿۳۹﴾
فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَأْتِيكَ إِلَّا بَشْرًا
مِثْلُنَا وَمَا نَزَلَكَ إِلَّا فَنَاءُكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاؤُنَا بِإِدْعَىٰ

دوسرا ہود دیکھنے اور سننے والا کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم (اس مثال سے) کوئی سبق

نہیں لیتے؟ ۶۷

(اور ایسے ہی حالات تھے جب) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ (اس نے کہا) ”میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ہر ایک دوزخ و دناک عذاب آئے گا۔“ جواب میں اس کی قوم کے سردار جنہوں نے اس کی بات ٹانے سے انکار کیا تھا، بولے ”ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہو جو ہم جیسے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے جو لوگ کمین اور جھوٹے تھے ان کے سوا کسی نے بھی تمہاری پیروی بھی نہ کی۔“

جی غلطی کے حامل ہونے کی بدولت کے بلکہ یہی قائم کیے تھے۔

۳۷۔ یہاں عالم آخرت کا بیان ختم ہوا۔

۳۸۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ کا طریق عمل اللہ کا اور وہی ہے جو ہر ایک کو دکھاتا ہے وہ ہر ایک کے جو شخص ضرورت دیکھتا ہے اور کسی ایسے شخص کی بات ہی سنتا ہے جس سے راستہ بتا رہا ہو وہ ضرور کہیں شکر کھائے گا اور کہیں کسی سخت حادثے سے مددگار ہو گا۔
اس کے جو شخص خود بھی راستہ دیکھ رہا ہو اور کسی واقعہ دہائی روایات سے بھی ناواقف نہ ہو وہ ضرور اپنی منزل پر سلامت پہنچ جائے گا۔
یہی فرق ان لوگوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک اپنی آنکھوں سے بھی کائنات میں حقیقت کی نشان دہی کا حادہ کرتا ہے اور
غصے سے ہمیشہ بے ہوشوں کی بات ہی سنتا ہے۔ دوسرا سردار خود بھی کہنا نہیں سکتا کہ خدا کی نشان دہی سے نظر نہیں ملتا
پھر ہر ایک کی بات ہی سن کر دیتا ہے کہ ممکن ہے کہ زندگی میں اس دونوں کا طریق عمل یکساں ہو اور اچھا کرنا ہو کہ اس کے

انجام میں فرق نہ ہو۔

الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾
 قَالَ يَقَوْمِ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَنِي رَحْمَةً
 مِّنْ عِنْدِهِ فَعُصَيْتُمْ عَلَيَّكُمْ اَنْزِلْ مَكُوهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ﴿۲۷﴾

نہیں کی۔ اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو بلکہ ہم تو تمہیں
 جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا اے بلوڑان قوم! ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک
 کھلی شہادت پر قائم تھا اور پھر اس نے مجھ کو اپنی خاص رحمت سے بھی نواز دیا مگر وہ تم کو نظر نہ آتی تو
 آخو ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ تم اتنا نہ چاہو اور ہم زبردستی اس کو تمہارے سر چپک دیں؟

۲۶۔ مناسب ہو کہ اس موقع پر سورۃ اعراف کے وحشی جتنی نظر کے جاویں۔

۲۷۔ یہ دنیا بات ہے جو اس سورہ کے آغاز میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوئی ہے۔

۲۸۔ یہی ماہنامہ اعراف انور کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہر میں پیش کرتے تھے کہ شخص عادی ہی طرح کا ایک
 معمولی انسان ہے، کھانا پیتا ہے، چلا پرتا ہے، سوتا اور جاگا ہے، بال بچے رکھتا ہے، آخر ہم کیسے ان میں کہ نہ خدا کی طرف سے
 پیغمبر مقرر ہو کر آیا ہے۔

۲۹۔ یہی وہی بات ہے جو کہ کے ہنسے لوگ ادا دینے لگے مائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے کہ ان کیسے
 ہے کہ دنیا و آخرت میں ہرے لڑکے کی جتنی دنیا کا کچھ خبر نہیں کیا کچھ غلام ادا دینے لگے کے عوام میں جو صلے کے کہ وہ اس حدیث کا
 ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۃ انفاس، وحشی ص ۳۳ تا ۳۴ سورۃ یونس حاشیہ ص ۳۴)

۳۰۔ یعنی جو تم کہتے ہو کہ ہم پر نہ کوئی فضل ہے اور اس کی رحمت ہے اور وہ لوگ خدا کے غضب میں مبتلا ہیں جنہوں نے
 ہمارا راستہ اختیار نہیں کیا ہے وہ اس کی کوئی علامت ہمیں نظر نہیں آتی فضل اگر ہے تو ہم پر ہے کہ مال و دولت اور خدم و خرم کتنے
 ہیں اور ایک دنیا ہماری سرداری، ان ساری ہے۔ تم ٹٹ پر نیچے لوگ آؤ کہ جس چیز میں ہم سے بڑھے ہوئے ہو کہ تمہیں خدا کا جیتنا
 سمجھا جائے۔

۳۱۔ یہی بات ہے جو اسی پچھلے رکوع میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہرائی جا چکی ہے کہ پہلے میں غرناقا و فاضل
 میں حاکم بنایا اور دیکھ کر حیدر کی حقیقت تک پہنچ چکا تھا، پھر نہ دے اپنی رحمت دینی، یعنی وہی جسے نمازا اور ان حققتوں کا براہ
 راست علم تھے جن دیا جن پر ہر اہل پسے سے کوئی دے با تھا۔ اس سے یہی معلوم ہو کہ اسامہ بن جریج نبوت سے قبل اپنے طور
 فکر سے ایمان بالغیب حاصل کر چکے ہوتے تھے۔ پھر مشرقی ان کو منصب نبوت عطا کرتے وقت ایمان بالہمداءہ حاکم تھا۔

وَيَقَوْمًا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَا لَنَا أَجْرَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا
بِطَارِدٍ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَلَكِنَّ آيَاتِنَا تُنْكِرُ قَوْمًا
يَجْهَلُونَ ۝۱۹ وَيَقَوْمٍ مِّنْ يَّتَصَّرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدْتُهُمْ
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝۲۰ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا
أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ

اور اسے برادران قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی ماں نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور
میں ان لوگوں کو دھکے دینے سے بھی رہا جنہوں نے میری بات مانی ہے، وہ آپ ہی اپنے رب کے
حضور جانے والے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جماعت بہت رہے ہو۔ اور اسے قوم! اگر میں
ان لوگوں کو دستکاروں تو خدا کی کپڑے کون مجھے بچانے آئے گا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں کیا اتنی بات
بھی نہیں آتی؟ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی
علم رکھتا ہوں، نہ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور یہ بھی میں نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو

۱۹۔ یعنی میں ایک بے فرق تابع ہوں۔ اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی بچنے کے لیے یہ ساری باتیں
اور تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں۔ تم کسی ایسے ذاتی مفاد کی خاطر ہی نہیں کر سکتے جو اس امر کی دعوت دینے میں اور اسی کے لیے
ہاں تو رہیں گے اور مصیبتیں جھیلنے میں میرے پیش نظر ہو۔

۲۰۔ یعنی ان کی قدر و قیمت جو کچھ بھی ہے وہ اس کے رب کو معلوم ہے اور اسی کے حضور جا کر دکھائی۔ اگر یہ قریبی ہمارے
ہیں تو میرے ہاتھ سے چھین کر دینے سے ہمت نہ ہائیں گے۔ اور اگر یہ بے قیمت ہوں تو ان کے مالک کو اتنا ہمت ہے کہ انہیں
جہاں چاہے پیٹے۔

۲۱۔ اس بات کا جواب ہے جو مخالفین نے کہا تھا کہ ہمیں تو تم بس اپنے ہی ایسے ایک انسان نظر آتے ہو اور یہ
حضرت نوح فرماتے ہیں کہ واقعی میں ایک انسان ہی ہوں میں نے انسان کے سوا کچھ اور نہ کادوئی کب کیا تھا کہ تم مجھ پر اعتراض
کرتے ہو میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ خدا نے مجھے علم و عمل پر مہندہ راستہ دکھایا ہے۔ اس کی آزمائش تم جس طرح
چاہو کرو۔ مگر اس دعوے کی آزمائش کا آخر یہ کہنا طریقہ ہے کہ کہیں تم مجھ سے غیب کی خبریں نہ چنتے ہو، اور کبھی ایسے ایسے غیب

تَزِدَّرِي أَعْيُنَكُمْ لَنِ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا مِّنْهُمَا إِنِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي
 أَنْفُسِهِمْ ۚ إِنِّي إِذًا لِّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا يَنْبَغُ قَدْ جَدَلْنَا
 فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾
 قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾
 وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ
 اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾

تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی۔ ان کے نفس کا جال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا۔

آہو کاران لوگوں نے کہا کہ اے فرح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا۔ اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو۔“ فرح نے جواب دیا ”وہ تو اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم اتنا بل بوتہ نہیں رکھتے کہ اسے روک دو۔ اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری غیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جبکہ اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔“

ملاحظہ کرتے ہو کہ گویا خدا کے خزانوں کی ساری کنہیاں میرے پاس ہیں، انہیں اس بات پر اعتراض کرتے ہو کہ میں انسان کی طرح کہتا ہوں اور چلت پھرتا ہوں، گو یائیں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس آدمی نے خداوند، اخلاق اور تمدن میں صحیح دہری کا دعویٰ کیا ہے اس سے ان چیزوں کے متفق ہو چاہو پوچھو، مگر تم عجیب لوگ ہو جو اس سے بڑھتے ہو کہ ظن شخص کی بھینس کٹر لہجے کی یا پٹیا بگیا انسان کی زندگی کے لیے صحیح امور، اخلاق و تمدن بنانے کا کوئی فن بھینس کے محل سے بھی ہے، راجحہ ہو سورہ انعام ۱۱۷

ملاحظہ، ص ۱۱۷

۱۱۷۔ یہی مگر اللہ نے تمہاری بہت دھمکی، شہسندی اور غیر سے بے نتیجی دیکھ کر فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں دامت دہی کی توہین نہ ملے اور جس دہول میں تم خود بھٹکنا چاہتے ہو انہیں تم کو بھٹکا دے۔ اب تمہاری بھلائی کے لیے میری کوئی کوشش کا ناگزیر

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ ذُرِّيَّتِي وَإِنِّي
بِرَبِّیْ مُؤْتِمِنٌ ۝۱۰ وَأُوحِيَ إِلَيَّ نُوحٌ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ
قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝۱۱
وَاصْنَعِ الْفُلَکَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا وَلَا تَخَاطِبُنِي فِي الَّذِینَ ظَلَمُوا

اے ہود! کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ سب کچھ خود گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہہ کر
میں نے یہ خود گھڑا ہے تو مجھ پر اپنے جرم کی ذمہ داری ہے، اور جو جرم تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری
میں بری ہوئی۔ ۱۰

نوح پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ لاچکے باب کوئی فائدہ
نہیں ہے۔ ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑو اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی
بنانی شروع کرو۔ اور دیکھو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے حق میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرو
نہیں ہو سکتی۔

۱۱ انازلہ کام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حضرت نوح علیہ السلام سے سننے والے
ظالمین نے اعتراض کیا ہو گا کہ ہود یہ قصہ بنا کر اس لیے ہمیں کہتا ہے کہ ان میں ہم چسپاں کرے۔ جو ہمیں وہ ہم پر ہر بات
نہیں کرنا چاہتا ان کے لیے ایک قصہ گھڑتا ہے اور اس طرح ہمیشہ دیگر ان کے انداز میں ہم پر چٹ کرتا ہے۔ لہذا اس
کام کو ذکر ان کے اعتراض کا جواب اس فقرے میں دیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گھٹیا قسم کے لوگوں کا ذہن ہمیشہ بات کے تہہ پہلو کی طرف ہلکا کرتا ہے ایسا چھائی سے انہیں کوئی
مذہبی پس منظر کی بات کے لیے پتہ پران کی نظر جاکے۔ ایک شخص نے اگر کوئی نکتہ کی بات کہی ہے وہ انہیں کوئی دلیل
سبق دے رہا ہے یا امتداد کی عقل پر کم کر تہہ کر رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی اصلاح کرے۔ گھٹیا آدمی ہمیشہ اس میں
برائی کا کوئی ایسا پتہ تلاش کرے کہ اس سے نکتہ نصیحت پائی جیسے بعد صرف خدا ہی بتائی ہے کہ تم ہے کہ تم قائل کہ تم
میں کوئی کچھ برائی نہ تھے۔ جیسے بہتر نصیحت بھی صانع کی جا سکتی ہے اگر غصہ ملا اس سے غصہ کی بجائے بحث تاکہ حق میں
سے اس میں کوئی بھی عقل کے اس میں دلائل کے بجائے برائے کی طرف جلیں گے۔ جو اس قسم کے لوگ، بیخود ہیں مگر

إِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۵﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلَ ۚ وَكَلَّمَا مَرْعِيَهُ
مَلَائِكَةً مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا
نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۶﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ
يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُثْقَلٌ ﴿۳۷﴾

یہ سارے کے سارے اب ڈوبنے والے ہیں۔

نوح کشتی بنارہا تھا اور اس کی قوم کے سرداروں میں سے جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ اس نے کہا ”اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنس رہے ہیں، عنقریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو سوا کرے گا اور کس پر وہ بلا ٹوٹ پڑتی ہے جو نالے نہ ٹیگی۔“

کی بنا ایک بنیادی ہدگانی پر رکھتے ہیں جس بات کے حقیقت واقعی ہوئے اور ایک بنیادی داستان ہونے کا یکساں امکان ہو کر وہ ٹھیک ٹھیک تھا سارے حال پر چیاں ہمدردی ہمدردی میں تباری کسی غلطی کی نشاندہی ہوتی ہو، تو تم ایک دانش مند آدمی ہو مجھے اگر ایک واقعی حقیقت سمجھ کر اس کے سین آئندہ پہلو سے ٹاٹ دے گا غلطی اور مرض ایک ہمدانہ دیکھ نظر آتی ہے اگر کسی ثبوت کے بغیر یہ الزام لگا دیکھ کر نالے میں سے ہم چیاں کرنے کے لیے یہ قہر تعین کر لیا ہے۔ اسی بنا پر یہ فرمایا کہ اگر یہ داستان میں سے ٹھڑی ہے تو اپنے ہر دم کا میں ذمہ دار ہوں، لیکن جس جرم کا تم از کتاب کر رہے ہو وہ تو اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی ذمہ داری میں تم ہی بڑے جاؤ گے نہ کہ میں۔

۳۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی کا پیغام کسی قوم کو پہنچ جائے تو اسے صرف اس وقت تک ملت ملتی ہے جب تک اس میں کچھ بدلے آویں گے نکل آنے کا امکان باقی ہو مگر جب اس کے صلحہ اجزاء سب نکل چکے ہیں مگر صرف نامزد عناصر ہی کا مجموعہ رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو پھر کوئی ملت نہیں دیتا اور اس کی رحمت کا تھا خاصا بھی ہوتا ہے کہ مشرک ہونے والوں کے اس ٹوکے کو وہ دیکھ چیک دیا جائے تاکہ وہ اچھے پھلوں کو بھی غراب نہ کر دے۔ پھر اس پر دم کھانا ساری دنیا کے ساتھ اور آنے والی انسانی نسلوں کے ساتھ ہے۔

۳۶۔ ایک عجب معاملہ ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے ظاہر سے کس قدر دھوکا کھاتا ہے جب نوح علیہ السلام مدیا سے بہت دور ٹھیک پر اپنا جہد بنا رہے ہوں گے تو فی الواقع لوگوں کو یہ ایک نہایت معجزہ خیر معلوم ہوتا ہے نہ کہ وہ ہنس ہنس کر کہتے ہوں گے کہ بڑے میاں کی دروغی بہت کہ یہاں نکستہ بھی کہ اب یہ ٹھیک میں جہاز چلائی گے

اصول فقہاء
نہ الطوطہ ۱۲

مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ وَقَالَ اارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ جَحْرَهَا وَفَرَسَهَا
لَئِنْ رَأَيْتُمْ أَخْفَوْهُ تَرْجِمُوهُ ۝ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ
وَتَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ اارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ
مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَارُوْنِي اِلَى جَبَلٍ يَعْصِي أَمْرِي مِنَ الْمَاءِ

لوگ تھے جو نوح کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ نوح نے کہا "سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ ہی کے نام سے
ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھیرنا بھی، میرا سب بڑا غفور و رحیم ہے۔"

کشتی ان لوگوں کے لیے چلی جا رہی تھی اور ایک ایک سوچ پہاڑ کی طرح اٹھ رہی تھی۔ نوح کا
بیٹا دود قاصط پر تھا۔ نوح نے پکار کر کہا "بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جا، کافروں کے ساتھ نہ رہ۔
اس نے پلٹ کر جواب دیا "میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھا جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچائے گا۔"
سے صوفت ہو گیا۔

۱۱۳۷ میں نے اسے گھر کے کچھ افراد کے متعلق چھلپتایا تھا پتا ہے کہ وہ کافر تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں
غیر کشتی میں نہ بٹھاؤ۔ غالباً یہ وہی شخص تھے۔ ایک حضرت نوح کا بیٹا جس کے غرق ہونے کا یہی ذکر آیا ہے دوسری حضرت نوح
کی بیوی جس کا ذکر سورہ تحریم میں آیا ہے۔ لیکن ہے کہ دوسرے افراد غافلان بھی ہوں مگر قرآن میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

۱۱۳۸ اس سے اُن خود فریب اور علم و انساب کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے جو تمام انسانی نسلوں کا شجر نسب حضرت نوح
کے تین بیٹوں تک پہنچاتے ہیں۔ دواصل اسرائیل روایات نے یہ غلط فہمی پسلا دی ہے کہ اس طرح ان سے حضرت نوح انسان کے
تین بیٹوں انسان کی پہلیوں کے سوا کسی نہ بچا تھا (۱: ۱۸: ۶ و ۱۹: ۵ و ۱۹: ۱۱)۔ لیکن
قرآن حرمہ معاملات بالاس کی تصریح کرتا ہے کہ حضرت نوح کے خاندان کے سوا ان کی قوم کی ایک معتدہ تعداد کو بھی، اگرچہ وہ
تھوڑی تھی، شرف خاندان سے بچا یا تھا نیز قرآن جسکی انسانی نسلوں کو صرف نوح کی اولاد نہیں بلکہ ان سب لوگوں کی اولاد قرار
دیتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کشتی میں بٹھایا تھا، اذْهَبْ اَنْتَ وَاهْلُكَ فِیْهَا مِمَّنْ هُمْ اَمَمٌ ثُمَّ جَاءَ رِجَالٌ مِّنْ ذُرِّیَّتِہِۦ بِآثَرِ مَعْنٰی
سَمَلْنَا مَعَهُ نُوْحًا۔

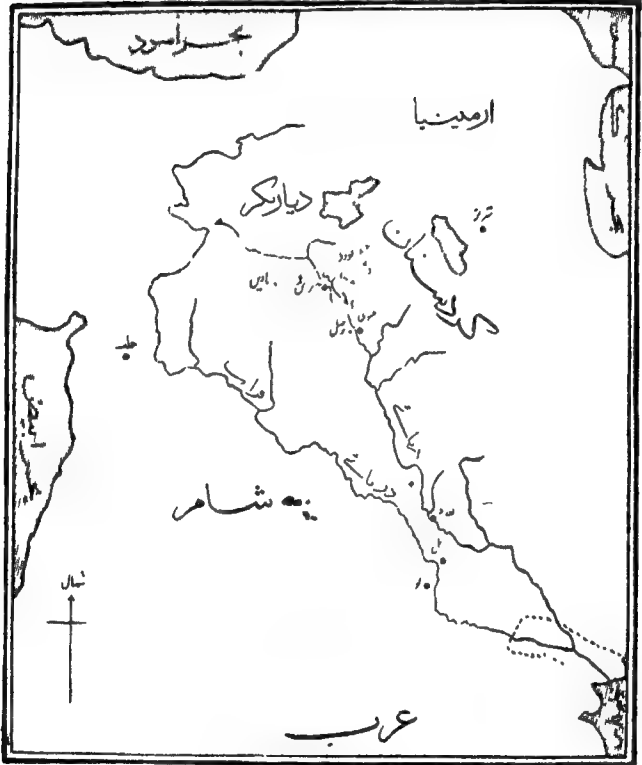
۱۱۳۹ یہ ہے مومن کی اصلی شان۔ وہ عالم مہذب میں مادی تغایر کا خون خلوت کے سلطان کی طرف انتہا تک جس
شرح اہل دینار کے تھے کہ اس کا جو سراپا تبدیل میں نہیں رکھا اندہ ہوتا ہے: نہ شرب۔ نہ کھانے کی کوئی تفریق نہ کھانے

تفہیم شکران جلد دوم

خلاصہ تفسیر

سورۃ ہود (۱۱)
صفحہ ۳۴۱

قوم نوح کا علائقہ اور جبل بودی



چکر دیو ملکیت عتہ الاسلامیہ
ترامپون دیو بی

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجَعَ وَحَالَ
بَيْنَهُمَا السَّوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُعْرِقِينَ ﴿۳۶﴾ وَقِيلَ يَا رَجُلُ الْبَلْعَى
مَا أَكَلْتَ وَلَيْسَ بِمَا أَقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَ
اسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾

الرج

رج نے کہا آج کرتی چیز اللہ کے حکم سے بچانے والی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔ اتنے میں ایک سورج دونوں کے درمیان مائل ہو گئی اور وہ بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔

حکم ہوا اے زمین! اپنا سارا پانی بھل جا اور اے آسمان! رگ جا۔ چنانچہ پانی زمین میں خیز گیا فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جو دی ہنگ گئی، اور کھردیا گیا کہ دور ہوئی ظالموں کی قوم!

شروع ہو سکتی ہے۔ فیک ہل سکتی ہے اور ہڈی مطلب تک پہنچ سکتی ہے جب تک کہ فاضل ہوس کا دم و دم شامل حال نہ ہو۔

جہودی یادگاران کے حلقہ میں جہودی: این ٹرک شمالی مشرقی جانب واقع ہے۔ ایک میل میں اس کشتی کے ٹھیرنے کی جگہ یاد آتی ہے۔ جہودی کے ایک ایک نام ہیں۔ ایک مسٹر کوستان کا نام ہے۔ مسٹر کوستان کے سنی ہیں جس کو ارادہ کرتے ہیں۔ اور بیانی کے رخ سے شروع ہو کر کتبہ میں کرستان تک پہنچا ہے۔ جہودی اسی سلسلے کا ایک ہاڑ ہے۔ جہودی بھی جہودی کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم تاریخوں میں کشتی کے ٹھیرنے کی جگہ بتائی گئی ہے۔ چنانچہ مسیح سے ڈھائی سو برس پہلے: بی کے ایک مذہبی پیشاویروس (Beranus) نے پانی ٹھکانی روایات کی بنا پر اپنے ملک کی جو تاریخ لکھی ہے اس میں اس کشتی کے ٹھیرنے کے ٹھیرنے کا مقام جہودی بتاتا ہے۔ اس طرح شاگرد ابیلروس (Abydenus) بھی اپنی تاریخ میں اس کی تصدیق کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے زمانہ کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بت سے دو گروں کے پس اس کشتی کے ٹھیرنے کے ٹھیرنے میں جہودی گھول گھول کر تیار ہواں کو پاتے ہیں۔

یہ طوفان جہودی کا جہودی کا کیا ہے۔ مالگیر طوفان قلیا اس طوفان سے ملتا ہے۔ جہودی حضرت نوح کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک ایسا سال ہے جس کا فیصلہ کچھ نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہ ہے کہ یہ طوفان تمام متمدنہ زمین پر لگایا (یہاں ۱۸۰۰ ق م) مگر قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کی گئی ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ نوح مصلوہ ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی

وَنَادَىٰ نُوحٌ زَوْجَهُ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي مِنْ أَهْلِكَ وَكَذَلِكَ
الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكِيمِينَ ﴿۷۵﴾ قَالَ يَنُوحُ إِنَّكَ لَيْسَ مِنْ
أَهْلِكَ إِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ

نوح نے اپنے رب کو کہا۔ کہا: اے سب! میرا بیٹا میرے گھروالوں میں سے ہے احتیار اوروں
سچا ہے اور تو سب ماکول سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا اے نوح! تیرے گھروالوں
میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، لہذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت

نہیں ماضی لوگوں کی امداد سے ہیں جو طوفان نوح سے بچا لیے گئے تھے، یہی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام بدست زمین پر آیا ہو،
کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خط تک محدود رہی جو جہاں طوفان آیا تھا، اور طوفان
کے بعد جو نہیں پیدا ہوئی ہیں وہ بدست تمام دنیا میں پھیلی گئی ہیں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ
فرات کی سرزمین میں تو ایک مذہب و طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے، آثار قدیمہ سے اور طبقات اللہ فی سے ملتا ہے لیکن
بدست زمین کے تمام خطوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالمگیر طوفان کا جین کیا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ بدست زمین
کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانے سے شہور ہیں، حتیٰ کہ آسٹریلیا، امریکا اور انگریزی ہندوستان وغیرہ
کی پانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ کسی وقت میں سب قوموں کے آبادی ایک ہی خطہ
میں آباد ہوئے تھے جہاں یہ طوفان آیا تھا۔ اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ
گئیں۔ (ماظہ ص ۵۵۷، احواف، حاشیہ ۵۵۸)

﴿۷۶﴾ یعنی تو نے وہہ کیا تھا کہ میرے گھروالوں کو اس تباہی سے بچا لے گا، تو میرا بیٹا بھی میرے گھروالوں میں سے
ہے، لہذا اسے بھی بچا لے۔

﴿۷۷﴾ یعنی تیرا فیصلہ آخری فیصلہ ہے جس کا کوئی اپیل نہیں۔ اور تو جو فیصلہ بھی کرتا ہے خالص علم اور کمال انصاف کے
ساتھ کرتا ہے۔

﴿۷۸﴾ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کے جسم کا کوئی عضو مڑ گیا، جو اور ڈاکٹر نے اس کو کاٹ پھینکنے کا فیصلہ کیا ہو، اب
وہ مریض ڈاکٹر سے کہتا ہے کہ یہ تو میرے جسم کا ایک حصہ ہے اسے کیوں کاٹتے ہو۔ اور ڈاکٹر اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ
تھا اسے جسم کا حصہ نہیں ہے، یہ مڑ گیا ہے۔ اس جواب کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ فی الواقع وہ مڑا ہوا عضو جسم سے کوئی فائدہ نہیں
دے سکتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مڑا ہوا عضو جسم کے لیے جو اعضا مطلوب ہیں وہ متعدد اور کارآمد اعضا ہیں، نہ کہ مڑا ہوا

بِهِ عَلِمْتُ اِنِّيْ اَعْطٰكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَهْلِيْنَ ۝۱۱۰ قَالَ

تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو ماہل کی طرح نہ بنائے۔ نوح نے فوراً عرض کیا

اعضا جو فوجی کسی کام کے نہ ہوں اور باقی جسم کو بھی خواب کر دینے والے ہوں۔ لہذا جو عضو بگڑ چکا ہے وہ اب اس مقصد کے لحاظ سے تمہارے جسم کا ایک حصہ نہیں رہا جس کے لیے، اعضاء سے جسم کو حلقہ مطلوب ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک صلہ باپ سے یہ کہنا کہ یہ بیٹا تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے کہ چونکہ اختلاف و جمل کے لحاظ سے بگڑ چکا ہے، یہی نہیں رکھتا کہ اس کے بیٹے ہونے کی نفی کی جا رہی ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ بچہ جو انسان تمہارے صلہ خاندان کا فرد نہیں ہے۔ وہ تمہارے بی بی خاندان کا ایک رکن ہو تو ہوا کرے مگر تمہارے اتفاق خاندان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ اور کچھ جو فیصلہ کیا جا رہا ہے وہ کسی نسلی یا قومی نزاع کا نتیجہ ہے کہ ایک نسل والے بچائے جائیں اور دوسری نسل والے خاندان کے حصہ جائیں، بلکہ یہ کہ وہ ایمان کی نزاع کا فیصلہ ہے جس میں صرف صالح بچائے جائیں گے اور فاسق مٹا دیے جائیں گے۔

بچے کو بچنا بڑا کام کہہ کر ایک اور اہم حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ ظاہر میں مادی اولاد کو صرف اس لیے ہر وقت کرتا ہے اور اسے محبوب رکھتا ہے کہ وہ اس کی شلہ سے یا اس کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ صالح ہو یا غیر صالح، لیکن عروس کی نگاہ حقیقت پر جو بی بی چاہیے۔ اسے تو اولاد کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ یہ چند انسان ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے فطری طریقہ سے میرے پھر کیا ہے تاکہ ان کو پال کر اور تربیت کے لئے تمہارے گھر میں کے لیے تیار کر دوں جس کے لیے اللہ نے دنیا میں انسان کو پیدا کیا ہے۔ اب اگر اس کی تمام کوششیں اور محنتوں کے باوجود کوئی شخص جو اس کے گھر پر پیدا ہوا تھا اس مقصد کے لیے تیار نہ ہو سکا اور اپنے اس رب ہی کا وفادار خادم نہ بنا جس نے اس کو روٹی پانچے کے لئے پیدا کیا تھا، تو اس باپ کو یہ کہنا چاہیے کہ اس کی مادی محنت کو کوشش نتائج ہو گئے پھر کوئی دوسرے نہیں کر ایسی صلاح کے ساتھ اسے کوئی دلی سببی ہو۔

پھر جب یہ معاملہ اولاد میں ہی عورت پر ترین چیز کے ساتھ ہے تو دوسرے رشتہ والوں کے متعلق عروس پر ہفتہ نظر ہو چکا ہے۔ کتنا ہے؟ ظاہر ہے۔ ایمان ایک گہری اخلاقی صفت ہے، عروس ہی صفت کے لحاظ سے عروس کہلاتا ہے۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ ان صفت کی حیثیت سے اس کا کوئی رشتہ بجز اخلاقی و ایمانی رشتہ کے نہیں ہے۔ گوشت پرست کے رشتہ دار اس صفت میں اس کے ساتھ شریک ہیں تو یقیناً وہ اس کے رشتہ دار ہی نہیں، لیکن اگر وہ اس صفت سے خالی ہیں تو عروس میں گوشت پرست کی وہ ایک اس سے تعلق رکھے گا، اس کا بھی درجہ صفت ایمان سے نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایمان کو کفر کی نسل میں دوسروں کے ساتھ مقابل آئیں تو اس کے لیے وہ اولاد کو کفر کیاں ہوں گے۔

۱۱۰ اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہان نہ کہے کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کئی حق ایمان کے بیان میں باہلیت کو کئی شاخ تھیں، اصل بات یہ ہے کہ ایمان بھی انسان ہی ہوتے ہیں، اور کوئی انسان بھی اس پر قائم نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بندہ قریب حیا رکمال پر قائم رہے جو عروس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک فنیسیائی موقع پر بھی جیسا اہل ماحرفت انسان ہی

رَبِّ اِلٰی اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَّ اَلَا
تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَنْ اَكُنْ مِنَ الْخٰمِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ
مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْنَا وَ عَلٰى اُمُوْرٍ مِّنْ مَّعَكَ وَاُمْرٌ سَنَنْتَهُمْ
لَمْ يَسْمَعْهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ رٰلَكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَاَلَا قَوْمُكَ مِنْ

تو میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز جو سے انگوں میں کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے
مجھے صاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں بہاد ہو جاؤں گا۔

حکم ہوا اے نوح! اتر جا، ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں تجھ پر ادا ان گروہوں پر جو تیرے
ساتھ ہیں، اور کچھ گروہ ایسے بھی ہیں جن کو ہم کچھ مدت سامان زندگی بخشیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے
وہ دنیا کا عذاب پہنچے گا۔

اے محمد! یہ غیب کی خبریں ہیں جو تم ہماری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے

نوحی کے لیے ایک بشری گروہ سے مطلب ہو جاتا ہے۔ لیکن جوئی کر اسے یہ احساس ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کا خوف سے احساس کر لیا جاتا
ہے کہ اس کا قدم ہمارے مطلب سے نیچے چلا ہے، وہ فوراً ذکر کتابہ اور اپنی عقلی کی اصلاح کرنے میں اسے ایک لمحہ کے لیے بچا لیں
ہوتا حضرت نوح کی انصافی وقت کا اس سے رزائوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جان و جان بیا آنکھوں کے سامنے فرق تھا ہے تو اس
نکار سے کچھ نہ کر سکتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ میں نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو صحت پر
وہاں جتنا کہ وہ تمہاری ملنے کے پیرا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے بہا ہو کر اس طرف نکل
خون پٹا لگتے ہیں جو اسلام کا تقاضا ہے۔

اھم سرور کا یہ تصدیق کر کے اللہ تعالیٰ نے نہایت خوش ہوا ہے میں یہ بتایا ہے کہ اس کا اخلاق کس قدر بے گناہ
اس کا فیصلہ کیا اور لوگ ہوتا ہے۔ رشکین کر رہے تھے کہ ہم غوا کیسے ہی کام کوں، مگر یہ خدا کا غضب نازل نہیں ہو سکتا کیونکہ
ہم حضرت ابراہیم کی اطاعت و نکل نکل دیویں اور دیناؤں کے متحمل ہیں۔ محدودوں اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی کچھ گناہ تھے
اور ہیں۔ اور بہت سے غلام و مسلمان بھی اس قسم کے جھوٹے بھروسوں پر تکیہ کے بھٹے ہیں کہ ہم ان حضرات کی بدلتا دھنڈا

جمع روز بد وقت علی فا شیعہ
احسن والیق ۱۲

قَبْلَ هَذَا فَاَصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۰﴾ وَ اِلَى عَلُو
اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اِنَّ
اَنْتُمْ لَا مُفْتَرُونَ ﴿۱۱﴾ يَقَوْمِ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اٰخِرَى الْاٰفَلِ
الَّذِي فَطَرَنِي اَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾ وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُكُمْ وَارْتَبِكُمْ ثُمَّ

اور نہ تمہاری قوم میں صبر کرو! انجام کار متقین ہی کے حق میں ہے۔

اور عباد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا "اے براہِ مان قوم! انکی
بندگی کرو، تمہارا کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔ تم نے معص جھوٹ گھر رکھے ہیں۔ اے براہِ مان
قوم! اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا
ہے کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے، اولے میری قوم کے لوگو! اپنے رب کے معافی چاہو، پھر

حضرت کے اس گرفتہ ہیں، ان کی سفارش ہم کو خدا کے اصناف سے چاہے گی۔ لیکن یہاں یہ مفکر دکھایا گیا ہے کہ ایک جیل افتد
پیر لائی آنکھوں کے سامنے اپنے لبت بکر کھدے ہوئے دیکھتا ہے اور عقبہ کی پیشگی صفائی کے لیے درخواست کرتا ہے، ایسی
دبا درضا نہ دے سے اٹھی اس پر ڈانٹ پڑھاتی ہے اور آپ کی پیروی کی ایک جیل بھیجے کہ خطاب سے نہیں چکا سکتی۔

۵۲ صحنہ اس پہاڑ سے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔

۵۳ یعنی جس طرح نوح اللہ کے ساتھیوں کی آواز کو نہ سنی بلکہ اسی طرح تمہارا اللہ تمہارے ساتھیوں کا بھی جواب
خاک کا فن ہی ہے کہ ابتدا میں جس دشمنان حق خواہ کتنی ہی کامیاب ہوں گے تاوی کامیابی صرف حق لوگوں کا حصہ ہوتی ہے اور خدا
نہ کر کے مل کی فطرت اہل سے بچتے ہوئے تصدیق کے لیے کام کرتے ہیں۔ لہذا اس وقت جو مصائب و شدائد تم پر گزرتے ہیں یہی ان
مطہات سے تم دوچار ہو رہے ہو اور وہ قلعہ و محنت کو رہائے میں تمہارے مخالفوں کو رکھا ہوا کامیابی جھٹی نظر آ رہی ہے اور یہ بدل
نہ ہو کہ محنت اللہ صبر کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جاؤ۔

۵۴ سورۃ اعراف رکوع ۷ کے حاشیہ میں تحریر ہیں۔

۵۵ یعنی وہ تمام دوسرے جو وہ ہیں کہ تمہاری پرستش کر رہے ہو حقیقت میں کسی قسم کی بھی خدائی صفات اور طاقتیں
نہیں رکھتے۔ ہر گز پرستش کا کوئی امتناع ان کو حاصل نہیں ہے۔ تم نے خواہ تمہارا کو کس حد تک کتا ہے اور اللہ جو ان سے
ماہیت و ذات کی اس لئے بیٹھے ہو۔

تَوْبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَ

اس کی طرف پلٹو، وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔ مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔

انھوں نے جواب دیا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی صریح شہادت لے کر نہیں آیا ہے، اور

۱۵۵ یہ نہایت لطیف فقرہ ہے جس میں ایک بڑا استدلال سیٹ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری بات کو جس طرح سرسری طور پر تم غور نہ کر رہے ہو اس میں یہ غیبت کی سبب نہیں کرتے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ اگر تم عقل سے کام لیتے دھارے مرنے کو ضرور سمجھے کہ جو شخص اپنی کسی ذاتی فرض کے بغیر رحمت و تبلیغ اللہ تکبر و صیحت کی یہ سبب نہیں جھیل رہا ہے جس کی اس تک و دو میں تم کسی شخصی یا خانہ دانی مخالفت کا شائبہ تک نہیں پا سکتے۔ وہ ضرور اپنے پاس لائقین مادہ عام کی کوئی ایسی دنیا و دوزخ کے امتیاز کی کوئی ایسی دھڑکتا ہے جس کی بنا پر اس نے پناہ پیش وادام چھوڑ کر اپنی دنیا بندے کی جگہ سے بڑھا ہو گا اپنے آپ کو اس جو حکم میں شامل ہے کہ حدوں کے بجائے اور ہے جسے خداوند، رسوم اور طریقہ زندگی کے خلاف آواز اٹھائے اور اس کی بدلت دیا ہو کہ دشمنی مول لے۔ ایسے شخص کی بات کم از کم اتنی بے فائدہ نہیں ہو سکتی کہ بغیر سچے کلمے سے یہ بھی ٹال دیا جائے کہ اس پس منظر پر ضرور فکر کی فلاحی حقیقت بھی ذہن کر نہ دی جائے۔

۱۵۶ یہ وہی بات ہے جو پہلے ذکر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کمرانی گئی تھی کہ: ”اے نبی رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ تم کی چھاسا مان زندگی دے گا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں جی نہیں اس دنیا میں بھی قوموں کی قسمتوں کا اتنا ریزہ اور اختلافی بنیادیں ہی پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عالم پر جو فراز وانی کر رہا ہے وہ اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے نہ کہ ان طبعی اصولوں پر جو اخلاقی غیر و شر کے امتیاز سے بنی ہوئی ہیں۔ یہ بات کئی مقامات پر قرآن میں فرمائی گئی ہے کہ جب ایک قوم کے پاس نبی کے اندر سے خدا کا پیغام پہنچتا ہے تو اس کی قسمت اس پیغام کے ساتھ ملتی ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں اور برکتوں کے دھارے کو نازل فرماتا ہے۔ اگر رد کر دیتی ہے تو اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ گویا ایک دفعہ یہ اس اخلاقی قانون کی جس پر اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے۔ اسی طرح اس قانون کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو قوم دنیا کی خوشحالی سے غریب کیا کہ نظم و مصیبت کی راہوں پر چل سکتی ہے اس کا انجام بہا دی ہے۔ لیکن میں اس وقت جبکہ وہ اپنے اس بے انجام کی طرف بگ بٹ چلی جا رہی ہو، اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی بگ بٹ چلے آئے تو اس کی قسمت بدل جاتی ہے، اس کی جنت محل میں اضافہ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ میں اس کے لیے مذہب کے بھانے انجام برقی اور سر فرازی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

مَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝
 اِنْ نَقُولُ اِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوِّ قَالَ اِنِّي اَشْهَدُ اللّٰهَ
 وَاَشْهَدُ اَنْ اَنْتَ بَرِيٌّ ۝ وَمَا تَشْرِكُوْنَ ۝ مَنْ دُوْنَهُ فَاَكِيدُ نُؤْفَى
 جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ۝ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ
 مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا ۝ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ

تیرے کہنے سے ہم اپنے مجبوروں کو نہیں چھوڑ سکتے، اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے مجبوروں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔

ہود نے کہا میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں۔ تم کہے سب ال کر میرے خلاف اپنی کنی میں کسر نہ اٹھا رکھو اور مجھے خدا ملت نہ دو میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو، بے شک میرا رب یہی ہے۔
 ۱۱۱۱ میں یہی کوئی کمال است یا میں کوئی مبالغہ و دل میں سے بہرہ فرشتہ طہ پر سلام کہیں کہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔
 حیات تہذیبی کر رہا ہے۔

۱۱۱۱ میں نے کسی دیوی یا دیوتا یا کسی حضرت کے آستانے پر کچھ گستاخی کی ہوگی، اسی کا عیازہ ہے جو تھکتا ہوا ہے کہ یہی سبکی باتیں کرنے لگا ہے اللہ ہی استیاں میں کی رحمت کے ساتھ تھا تا کہ جان کا یوں اور شہروں سے نہ رہی تاسخ ہوتا ہے۔

۱۱۱۱ میں نے تمہارے ہر گھر کوئی شہادت لے کر نہیں آیا، مگر چھوٹی چھوٹی شہادتیں پیش کرنے کے بجائے میں جو سب سے بڑی شہادت اس خدائی پیش کرتا ہوں جو اپنی مادی خدائی کے ساتھ کائنات ہستی کے ہر گھر کے اور ہر جگہ سے جس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جو حقیقت میں نے تم سے بیان کی ہیں وہ سراسر حق ہیں، ان میں جو دے کوئی شہادت تک نہیں، وہ جو حقیقت تم نے قائم کر رکھے ہیں وہ بالکل انصاف ہیں، چھائی ان میں فہم ہوا بھی نہیں۔

۱۱۱۱ یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ تیرے کہنے سے ہم اپنے مجبوروں کو چھوڑ نہ سکتے تھے تا کہ نہیں ہیں۔

مُسْتَقْدِمٌ ۵۱) فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا إِنْ رُبِّيَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ حَفِظٌ ۵۲) وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ
آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ خَلِيفٌ ۵۳)
وَتِلْكَ عَادٌ تَحَدُّوا يَأْتِيهِمُ رِجْسُهُمْ فِئَافَ مِثْقَالٍ وَأَتَّبَعُوا آفَرَ
كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۵۴) وَأَتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

ماور ہے۔ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو۔ جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا تھا وہ میں پہنچا چکا ہوں۔ اب
میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو اٹھائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز
پر نگران ہے۔

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان
لائے تھے نہات دے دی اور ایک سخت عذاب سے انہیں بچالیا۔

یہ ہیں عاد! اپنے رب کی آیات سے انہوں نے انکار کیا، اس کے رسولوں کی بات نہ مانی اور
ہر چار دشمن حق کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار اس دنیا میں بھی ان پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے بعد بھی۔
پانچ سو رکھو کرتا ہے ان مردوں سے میں قتل ہیڈ ہوں۔

۵۲) ان کے اس فقرے کا جواب ہے کہ ہمارے سمجھ دوں کی تمہارا ہڈی ہے۔

۵۳) میں وہ جو کچھ کرتا ہے صحیح کرتا ہے۔ اس کا ہر کام سیدھا ہے اس کے ہاں اندھیر مگر نہیں ہے بلکہ وہ سرسبز
اور مدلل کے ساتھ نکلی گرا ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ اور ہر جہاں ظلم پاؤ، اور میں راستہ اندھیر کا نہیں ہوں
پھر ڈٹے میں نہیں۔

۵۴) یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ تم تمہارا ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

۵۵) اگرچہ ان کے پاس ایک ہی رسول نکلا تھا، مگر جس چیز کی طرف اس نے دعوت دی تھی وہ وہی ایک دعوت تھی

الَا اِنْ عَادَ الْغَرَوَارِثُ اِلَّا بَعْدَ الْعَادِ قَوْمٌ هُوْدٌ وَّ
 اِلٰى شُوْدٍ اَخَاهُمْ صِلٰمًا قَالَ يَقَوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
 اِلٰهٍ غَيْرِهٖ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا
 فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَّبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۱۱﴾

سفر امداد نے اپنے رب کو فرمایا۔ سفر امداد بھینک دیے گئے عاد، ہود کی قوم کے لوگ۔
 اور شرو کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگ!
 اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا
 اور یہاں تم کو رہا ہے۔ لہذا تم اس سے معافی پاؤ گے اور اس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب
 ہے اور وہ دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔

یہ ہمیشہ زمانے سے ہر قوم میں خدا کے رسول جیسا کہتے رہے ہیں، اسی لیے ایک رسول کی بات نہ ماننے کے سوا کسی اور معذرت کی ضرورت نہیں۔

۱۱۔ اعراف ۱۰۰ کے مطابق جیسا نظر میں۔

۱۱۔ یہ دلیل ہے اس وجہ کی جو پہلے فقرے میں گائی تاکہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی خدا نہ ہو جس کی جتنی ضرورتیں ہیں۔
 مشرکین غریبوں کی بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان کا تعلق اللہ سے ہے، اسی سرِ حقیقت پر ہلنے سے متدلل تاہم کہ حضرت صالح ان کو
 سمجھاتے ہیں کہ جب وہ اللہ ہی سے جس نے زمین کے لیے جان وادوں کی تخلیق کی ہے، اس کی حمد و ثناء، اور وہ بھی اللہ ہی سے جس نے
 زمین میں تم کو آباد کیا، وہ تمہارا اللہ کے سوا کونسا اللہ کی ہر شے کی ہر شے کو ہر شے حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اس کی بندگی
 نہ کرتے ہو۔

۱۱۔ یعنی ایک ہر قوم و سرور کی بندگی و پرستش کرتے رہے جو اس کی اپنے رب سے معافی مانگو۔

۱۱۔ یہ مشرکوں کی ایک بہت بڑی غلط فہمی کا وہ ہے جو باعہم ان سب میں باہمی مافی ہے اور ان کا ہم سب میں
 ایک ہے جس نے ہر زمانہ میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو اپنے راہوں و مالاہول اور دنیا و پانی پر تکیہ
 کرتے ہیں جو حقیقت سے دور اپنے غلوں میں عادی ہو چکے ہیں جن کے خدا تک عام دعا یا جس کے کسی کی معافی نہیں ہو سکتی
 جن کے حضور میں کوئی درخواست یا پناہی جو تو مقرر نہیں ہوا، وہ کسی کا ماننا یا پناہ ہے اور پھر اگر خوش قسمتی سے کسی کی

قَالُوا اِصْرُكُمْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا

انھوں نے کہا اے صلح! اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں اُن مجرّموں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے

دعوت ان کے آستانہ بندہ پہنچ بھی جاتی ہے تو ان کا پندار نہایت ہی گوارا نہیں کرتا کہ خدا اس کو جواب دیں، بلکہ جواب دینے کا کام مغربی ہی میں سے کسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس خدا گمان کی وجہ سے یہ لوگ جیسا سمجھتے ہیں، ہر ہر شیار و لوگوں نے ان کو ایسا سمجھا کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوند عالم کا آستانہ ہمیں امام انسانوں کی دست دوس سے بہت ہی دور ہے۔ اس کے عباد تک بھلا کسی عامی کی پہنچ کیسے ہو سکتی ہے۔ وہاں تک دعاؤں کا پہنچنا ان پھر ان کا جواب دینا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ پاک و مولا کا وسیلہ نہ ضرور تھا جائے اور اُن فی ذمہ منصب ماموں کی خدمات نہ حال کی جائیں جو ان پر تک نذیر انبیاء میں دو عرضاں پہنچانے کے منصب جانتے ہیں۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے ہندو کے اندھا کے درمیان بہت سی جوتھوٹے مجرّموں اور عبادوں کا ایک جم غفیر کرنا کر دیا اور اس کے ساتھ منت گری (priest hood) کا وہ نظام پیدا کیا جس کے توسط کے بغیر عالمی مذاہب کے پیرو پریدائش سے لے کر موت تک اپنی کوئی مذہبی رسم بھی انجام نہیں دے سکتے۔

حضرت صالح علیہ السلام جاہلیت کے اس پلہ سے ظلم و کفر و دوغلوں سے توڑ بیٹھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اشرقرب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ عجیب ہے۔ یعنی تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تمہارا دست اس کو پکڑ کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اگرچہ بہت بالا درجہ پر ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ایک ایک شخص اپنے پاس ہی اس کو پا سکتا ہے اس سے سرگوشی کر سکتا ہے، غلوں اور جلوت دونوں میں ملائی بھی اور بیعت و ملائی بھی عرضاں خدا اس کے حضور پیش کر سکتا ہے۔ اور پھر وہ براہ دست اپنے ہونڈے کی دعاؤں کا جواب خود دیتا ہے۔ پس جب سلطان کائنات کا دربار عام ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا ہے اور ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو یہ تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ اس کے لیے واسطے اور وسیلے و موزنٹے پھرتے ہو۔ (فیض ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کا حاشیہ پر مشتمل)

نیکو یعنی تمہاری خوشنودی، ذکاوت، فراست، ہمدردی، دانات اور ہر قدر شخصیت کو مدد کہ ہم یہ امیدیں لگانے پہنچے تھے کہ بڑے آدمی ہونگے۔ اپنی دنیاوی خوب بناؤ گے اور میں بھی دوسری قوموں اور قبیلوں کے مقابلے میں تمہارے مذہب سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔ مگر تم نے یہ توحید و اخوت کا نیا رنگ بھیج کر تو ہماری ساری امیدوں کو پاٹی پیر دیا۔ یا دوسرے کہ ایسی ہی کچھ باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہیں تو آپ کے ہم قریب میں پاتے جاتے تھے۔ وہ بھی نعمت سے پہلے آپ کی بہترین تائید و اعتراف کے معترف تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص ایک بہت بڑا تاجر ہے گا اور اس کی بڑا ضروری سے ہم کس بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔ مگر جب ان کی توقعات کے خلاف آپ نے توحید و اخوت اور کام مطلق کی دعوت دینی شروع کی تو وہ آپ سے نہ ٹھہرے بلکہ بڑا بد گئے اور کہنے لگے کہ یہاں قاصدا کام کا آدمی تھا، تمہارا جانے اسے کیا جنون لاحق ہو گیا کہ اپنی زندگی بھی ہمارے

أَبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ۚ قَالَ يَقَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَيْنِي مِنْهُ رَحْمَةً
فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۚ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ

باپ دادا کرتے تھے، تو جس طریقہ کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے
جس نے ہمیں ظہان میں ڈال رکھا ہے :-

صلح نے کہا اے براہدان قوم! تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے
ایک صاف شہادت رکھتا تھا، اور پھر اس نے اپنی رحمت بھی مجھ کو نواز دیا تو اس کے بعد خدا کی پکڑ سے
مجھے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تم میرے کس کام آ سکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ

اور ہماری امیدوں کو بھی خاک میں ملا دیا

۱۱۷ گریا دہل ہے اس امر کی کہ یہ موجود ہیں عبادت کے مستحق ہیں اور ان کی ہاں لے لے جوتی رہتی ہے۔ یہاں
جاہلیت اور اسلام کے طرزت رال کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت صالح نے کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے
اور اس پر دلیل یہ دی تھی کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور زمین میں آباد کیا ہے۔ اس کے جواب میں ان کی مشرک قوم کہتی ہے کہ ہمارے
یہ معبود بھی مستحق عبادت ہیں اور ان کی عبادت ترک نہیں کی جاسکتی۔ کچھ باپ دادا کے عقیدے سے ان کی عبادت جوتی رہتی ہے۔
یعنی کبھی کبھی صرف اس لیے ساری جاتی رہتی ہے کہ بتائیں کسی بیوقوف نے اس جگہ کبھی مار دی تھی، اسباب اس مقام پر کسی
ماتے رہنے کے لیے اس کے سوا کسی معقولی وجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہاں عقل سے کسی مادی باری ہے۔

۱۱۸ یہ شبہ اور یہ ظہان کس امر میں تھا، اس کی کوئی تصریح یہاں نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہان میں ازب نہ تھے
تھے، مگر ہر ایک کا ظہان ایک نوع کا تھا۔ یہ دعوت حق کی ضروریات میں سے ہے کہ جب وہ اشیاء تھے تو لوگوں کا ظہان ایک
وضعت پر جاتا ہے اور ایک عام بے گلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے احساسات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر اس
بے گلی میں سے سب کو کچھ نہ کچھ متاثر مل کر رہتا ہے۔ اس سے پہلے میں اطمینان کے ساتھ لوگ اپنی نظائروں میں متعلق
رہتے تھے اور کبھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، وہ اطمینان اس دعوت کے اٹھنے کے بعد
باقی نہیں رہتا اور زمین و ملک کا نظام جاہلیت کی کردہ رہی ہو جاتی تھی کہ بے رحم تقصد و شہادت حق کے لیے اس کے مذہب اور اصول
گھٹے و لافٹ پھر اس کے لئے ادا حق، اس کا عزم، اس کا علم، اس کی شرافت، اس کا نہایت کھرا اور دستاورداد دینے اور
اس کی بددست و گھمراہان جس کا سکہ بڑے سے بڑے ہٹ دھرم مخالف کے دل پر بھی بیٹھ جاتا ہے، یہ دعوت کی ہر مانتی

تَحْسِيرٍ ۚ وَيَقَوْمِ هَٰذِهِ نَافَاةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَنذَرُوهَا نَآكِلٍ مِّنْ
 أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝۱۴
 فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعَدٌ
 خَيْرٌ مَّكَذُوْبٍ ۝۱۵ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَٱلَّذِيْنَ آمَنُوا
 مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيٍ يُؤْمِنُوْنَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ ٱلْقَوِيُّ

خمارے میں ڈال دو۔ اسے ہماری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی نوٹنی تمہارے لیے ایک نشان ہے۔
 اسے خدا کی زمین میں چرنے کے لیے آنا دیکھو۔ اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ کچھ نیا وعدہ نہ گننے کی
 کہ تم پر خدا کا عذاب آجائے گا۔

مگر انھوں نے ان نوٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالح نے ان کو خبردار کر دیا کہ بس اب تین دن اپنے
 گھروں میں اوردہ رہو۔ یہ ایسی میا د ہے جو جھوٹی نہ ثابت ہوگی۔

آؤ کہ جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے
 ساتھ ایمان لائے تھے بچایا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا۔ بیشک تیرا رب ہی دراصل طاقتور

ہم سے بہتر ہے۔ ظالموں کا سامنا کرتے چلے جانا انھوں کی زندگیوں میں رحمت حق کی تاثیر سے غیر معمولی انصاف، دیکھا
 یہ ساری چیزیں لی جلی کر ان سب لوگوں کے دلوں کو کہہ دین کہ واقعی میں جو حق آجائے کے بعد میں ہونی کا ہایت کا بدلہ ہلا کرنا
 چاہتے ہیں۔

۱۴۔ یعنی اگر میں اپنی بیعت کے خلاف اور اس علم کے خلاف جو اللہ نے مجھے دیا ہے، محض تم کو خوش کرنے کے لیے
 گمراہی کا طریقہ اختیار کر دوں تو میں نہیں کہ خدا کی پکڑ سے تم بچاؤ نہ سکے۔ بلکہ تمہاری وجہ سے میرا عہد زیادہ ٹھیک ہوگا
 اور اللہ تعالیٰ مجھے اس بات کی مزید سزا دے گا کہ میں نے تم کو سید عمارت بنانے کے بجائے تمہیں جان بوجھ کر گمراہ کر رکھا۔
 ۱۵۔ جبریل علیہ السلام نے یہاں میری دعوت میں ان سے سہمہ ہوتا ہے کہ جب تمہارے خطاب یا تو صرف صالح
 ہجرت کے لیے چلے گئے تھے۔ چنانچہ صرف میری دوسرے بھائی کے قریب ہی ایک پناہی کا نام ہی صالح ہے اور کچھ اتنا ہے کہ
 یہی جگہ آجنگاہ کی جائے قیام تھی۔

الْعَزِيزُ ﴿۳۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْغَةَ فَاصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
 جِثْمِينَ ﴿۳۷﴾ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا اَلَا اِنَّ شَوْدَا كُفْرًا رَّكِبَهُمْ لَا
 بَعْدَ التَّمُودِ ﴿۳۸﴾ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبَشٰرَى قَالُوْا
 سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لِيْثَ اَنْ جَاؤْ بِعِجْلٍ حَنِيدٍ ﴿۳۹﴾ فَلَمَّا رَا
 اَيْدِيَهُمْ لَا تَفْعَلْ اِلَيْهِ نَكِرَ هُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً
 قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْ قَوْمِ لُوطٍ ﴿۴۰﴾ وَاَمْرًا اَنْهٰ قَابِلًا

اور بالادست ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھریا اور وہ
 اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت ٹپٹے کے پڑے کہ گئے کہ گویا وہاں بھی پسے ہی نہ تھے۔

سودا ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سودا اور بھینک دپے گئے ثمود ۷

اور دیکھو، ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لیے ہوئے پہنچے۔ کہا تم پر سلام ہو۔ ابراہیم نے
 جواب دیا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچہ (ادان) کی ضیافت کے لیے لے آیا۔
 مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گیا اور دل میں ان سے خوف محسوس
 کرنے لگا۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم کی بڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔

۷۷۷ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضرت ابراہیم کے ہاں مہمانی محبت میں پہنچے تھے اور جلد انہوں نے چنانکالت نہیں

کراؤ تھا اس لیے حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ وہ کوئی ایسی جان ہیں اسان کے آتے ہی فرماؤ ان کی ضیافت کا انتظام فرمایا۔

۷۷۸ مہن مہنوں کے نزدیک یہ خوف اس بنا پر تھا کہ جب ان ایسی قوموں سے ملنے میں تاں کیا تو حضرت ابراہیم

کو ان کی نیت پر شبہ ہونے لگا اہل اس خیال سے اندیشہ تاک ہوئے کہ کہیں وہ کسی دشمنی کے واسطے سے تو نہیں آئے ہیں، کیونکہ

جب میں جب کوئی شخص کسی کی ضیافت قبول کرے اسے اٹھارن تو اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کی محبت سے نہیں آیا بلکہ

کل وفات کی نیت سے آیا ہے۔ لیکن یہی ایک ایسی تصویر کی تائید نہیں کرتی۔

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿۱۱﴾
قَالَتْ يَوْنِيكُنِي الْعَالِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا ۚ لَئِنْ هَذَا

وہ یہ سن کر ہنس دیتی پھر ہم نے اُس کو اسحاق کی اطلاع دے کر بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ وہ بولتی ہائے
میری کم تنہائی کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا پھونس ہو گئی ہا وہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں تو

۱۱۔ اس آغاز کا مسموع معاف ظاہر ہوتا ہے کہ کھانے کی طرف من کے ہاتھ نہ ڈھنسنے سے ہی حضرت ابراہیم کا نہ گئے
تھے کہ یہ فرشتے ہیں۔ اور جو کفر و شرک کا مظاہرہ انسانی شکل میں آتا ہے مولیٰ حالات میں ہی نہ آتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم کو خوف
جس بات پر غما وہ دہل چکی کہ میں آپ کے گھروالوں سے یا آپ کی بیٹی کے دلوں سے یا خود آپ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا ہے
جس پر گرفت کے لیے فرشتے اس صورت میں بھیجے گئے ہیں۔ اگر بات مدہ ہوتی جو بعض مفسرین نے بھی ہے تو فرشتے ہوں گے کہ
ڈرو نہیں ہم تمہارے دہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ لیکن جب انھوں نے آپ کا خوف مدد کرنے کے لیے کہا کہ ہم تو دم و
کی طرف بھیجے گئے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا فرشتہ ہوتا تو حضرت ابراہیم جان گئے تھے، البتہ پریشانی اس بات کی تھی کہ
یہ حضرت اس تھے، لہذا آزمائش کی شکل میں جو شریعت لاتے ہیں تو خود بد نصیب گن ہے جس کی شامت آنے والی ہے۔

۱۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے انسانی شکل میں آنے کی خبر سنتے ہی سارا گھر پریشان ہو گیا تھا اور حضرت ابراہیم کی
اہلیہ بھی گھبرائی ہوئی باہر نکل آئی تھیں۔ پھر جب انھوں نے سن لیا کہ ان کے گھر یا اس کی بیٹی پر کوئی آفت آنے والی نہیں ہے
تب کہیں ان کی جان میں جان آئی اور وہ خوش ہو گئیں۔

۱۳۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے بھائے حضرت مارد کو یہ خوشخبری اس لیے سنائی کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم کے
ہاں تو ان کی دوسری بیٹی حضرت اجمرہ سے یہ سنا تھا۔ لیکن یہ سلام پیدا ہونے کے تھے مگر حضرت مارد اس وقت تک کہ اولاد نہیں ملے
اس بنا پر دل انہی کا زیادہ ٹھنک گیا تھا۔ ان کے اس حکم کو مدد کرنے کے لیے فرشتوں نے انھیں حضرت یوسف کی خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں
اسحاق جیسا جلیل القدر بیٹا پیدا ہوگا بلکہ یہی بتایا کہ اس بچے کے بعد پرتا بھی یعقوب جیسا جلیل القدر بیٹا ہوگا۔

۱۴۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت مارد فی الواقع اس پر خوش ہونے کے بجائے اس کو کم ہمتی سمجھتی تھیں۔
بلکہ دہل یا اس قسم کے افتاد میں سے ہے جو خود میں یا عموم قہر کے مواقع پر ہوا کرتی ہیں اللہ ہی سے غریبی مولا نہیں ہوتے بلکہ مصلحت
اور تعجب متصور ہوتا ہے۔

۱۵۔ انیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ۱۰۰ برس اور حضرت مارد کی عمر ۹۰ برس

کی تھی۔

لَشَيْءٍ عَجِيبٍ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَ
 بَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ
 عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَارَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝
 إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ أَخْرِضْ عَنْ
 هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْعَذَابِ غَيْرُ مُرْجُوٍّ ۝

بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، ابراہیم کے گھر والے تو لوگوں پر تو اللہ
 کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور (اولاد کی بشارت سے) اس کا دل خوش ہو گیا تو اس نے
 قوم لوط کے معاملہ میں ہم سے جھگڑا شروع کیا حقیقت میں ابراہیم ہر جا صلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں
 ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔ (آخر کار) ہم سے فرشتوں نے اس سے کہا اے ابراہیم، اس سے باز آ جاؤ، تمھارا
 رب کا حکم ہو چکا ہے اولاد ان لوگوں پر وہ عذاب اگر رہے گا جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا۔

۸۲۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم مادہ اس شخص انسان کے ہاں اودھ نہیں بڑا کرتی، لیکن اللہ کی قدرت سے ایسا بڑا
 کچھ پیدا ہو نہیں ہے۔ اور جب کہ یہ خوشخبری تم کو اللہ کی طرف سے دی جا رہی ہے تو کوئی دہر نہیں کہ تم جیسی ایک مرد اس پر
 تعجب کہے۔

۸۳۔ ”جھگڑنے کا مفاد اس موقع پائیں انتہائی محنت و نفاذ کے مطلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم اپنے خدا کے ساتھ
 رکھتے تھے۔ اس مفاد سے تعبیر یہ نکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے کہ ہم سے اور خدا کے درمیان بڑی دیر تک جدوجہد جاری رہی ہے
 بندہ اصرار کر رہا ہے کہ کسی طرح قوم لوط پر سے غائب ٹال دیا جائے۔ خدا جواب میں کہہ رہا ہے کہ یہ قوم اب خیر سے باطل خال ہو چکی
 ہے اور اس کے جو اہم اس حد سے گزر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے، مگر بندہ ہے کہ جیسی کہ جاتا ہے کہ وہ خدا
 اگر کچھ تھوڑی سی بھلائی بھی اس میں باقی ہو تو اسے اور ذرا محنت دے دے شاید کہ وہ بھلائی پہلے سے کہنے یا عمل میں اس جھگڑنے
 کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے، لیکن قرآن کا عمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنی و دست رکھتا ہے۔ (مقابل کے لیے
 ۸۴۔ ظہر کتاب پیش کش، باب ۱۸۔ آیت ۶۳-۶۴)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِجِّيًا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَضَحَّتْ بِهَمْ ذُرِّيَّتَهُ

اور جب ہم اے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا اور

۱۷۷ اس سلسلہ بیان میں حضرت ابراہیم کا یہ واقعہ، حضور ماقوم لوط کے قصے کی تہید کے طور پر بظاہر کچھ بھیڑا محسوس ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ اس مقصد کے لحاظ سے نہایت بریل ہے جس کے لیے کچھ ہی تاریخ کے یہ واقعات یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔ اس کی مناسبت سمجھنے کے لیے حسب ذیل دو باتوں کو پیش نظر رکھیے:-

(۱) مخاطب قریش کے لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمام عرب کے پیر زادے اکابر اللہ کے ہمارے مذہبی و اخلاقی اور سیاسی و تمدنی پیشرو کیے کے مالک بنے ہوئے ہیں اور اس گھنٹے میں بتلا ہیں کہ ہم پر خدا کا غضب کیسے نازل ہو سکتا ہے جبکہ ہم خدا کے اُس پیارے بندے کی اولاد ہیں اور وہ خدا کے دہار ہیں ہماری سفارش کرنے کو موجود ہے۔ اس پند اہل نظر کو ڈر دینے کے لیے پہلے قریش میں نظر دکھایا گیا کہ حضرت نوح جیسا عظیم الشان پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بچے بگڑ گئے کو ڈر دیتے دیکھ رہا ہے اور پھر خدا سے دعا کرتا ہے کہ اس کے بیٹے کی پکارا جائے مگر صرف ہی نہیں کہ اس کی سفارش بیٹے کے کچھ کام نہیں آتی، بلکہ اس سفارش پر باپ کو اٹنی ڈانٹ سننی پڑتی ہے۔ اس کے بعد اب یہ دوسرا منظر خود حضرت ابراہیم کا دکھایا جاتا ہے کہ ایک طرف تو ان پر بے پایاں مہربانیاں ہیں اور نہایت پیار کے انداز میں ان کا ذکر ہو رہا ہے، مگر دوسری طرف جب وہی ابراہیم خلیل انصاف کے معاملہ میں داخل دیتے ہیں تو ان کے اصرار و احتجاج کے باوجود اللہ تعالیٰ محرم قوم کے معاملہ میں ان کی سفارش کو رد کر دیتا ہے۔

(۲) اس تقریر میں یہ بات بھی قریش کے ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ قاریب مہربان ہے جس سے یہ لوگ بالکل بے خوف اور مطمئن بنیں ہوئے تھے، کس طرح تاریخ کے دوران میں مسلسل ہدایا کا دعائی کے ساتھ ساتھ ہر بڑا ناما ہے اور خود ان کے گرد و پیش اس کے کیسے کئے کئے آثار موجود ہیں۔ ایک طرف حضرت ابراہیم ہیں جو حق و صداقت کی خاطر گھر سے بے گھر ہو کر ایک، جیسی ملک میں مقیم ہیں اور بظاہر کوئی طاقت ان کے پاس نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حق میں کام کرتا ہے کہ ان کے بعد جو کسی کے پیٹ سے بڑھ چاہے ہیں، اسحاق علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں، یسوعا کے ہاں یعقوب علیہ السلام کی پیدائش ہوتی ہے اور ان سے بنی اسرائیل کی وہ عظیم شان منسلب ہوتی ہے جس کی عظمت کے ڈنگے صدیوں تک اسی عظیم و شام میں پہنچتے رہے جہاں حضرت ابراہیم ایک بے خاتماں مہاجر کی حیثیت سے آگے بڑھ گئے تھے۔ دوسری طرف قوم لوط ہے جو اسی سرزمین کے ایک حصہ میں اپنی خوشحالی پر مگن اور اپنی بدکاریوں میں مست ہے۔ وہ وہ تک کہیں بھی اس کو اپنی شامت، محال کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اور لوط علیہ السلام کی نصیحتوں کو وہ چٹکوں میں اٹھا رہی ہے۔ مگر جس تاریخ کو ابراہیم کی نسل سے ایک بڑی ہی مثال مند قوم کے اٹھائے جانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، خشک وہی تاریخ ہے جب اس بدکار قوم کو دینے عیست نثار دکنے کا فرمان نافذ ہوتا ہے اور وہ ایسے عبرتناک طریقہ سے فنا کی جاتی ہے کہ آج اس کی بستیوں کا نشانہ نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

قَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۖ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ
 قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ يَاقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ
 لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَلَا تَخْزَوْا فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
 تَشِيرُ ۖ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۖ

کہنے لگا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ (ان معانوں کا آنا تھا کہ) اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔ پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خوگر تھے۔ لوٹنے ان سے کہا بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے معانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہا کوئی حد نہیں ہے۔

۵۵ سورہ اعراف رکوع ۱۰۔ اس کے حاشی پیش نظر ہیں۔

۵۵ اس قصے کی جو تفصیلات قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ان کے فوائے کام سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ یہ فرشتے خواہرورتوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں پہنچے تھے اور حضرت لوط اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ فرشتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ ان معانوں کی آمد سے آپ کو سخت پریشانی و دل تنگی لاحق ہوئی۔ اپنی قوم کو جانتے تھے کہ وہ کسی بدکار اور کشتی بے حیا ہو چکی ہے۔

۵۶ جو سنا ہے کہ حضرت لوط کا اشارہ قوم کی دیکھوں کی طرف ہو۔ کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے بمنزل باپ ہوتا ہے اور قوم کی دیکھاں اس کی خواہ میں اپنی بیٹیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا اشارہ خود اپنی صاحبزادیوں کی طرف ہو۔ بہر حال دونوں صورتوں میں یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت لوط نے ان سے نہ مانگنے کے لیے کہا ہو گا۔ یہ حاکم کے لیے پاکیزہ تر ہیں کا فقرہ ایسا غلط مفہوم لینے کی کئی گمانش نہیں چھوڑتا۔ حضرت لوط کا منشا صاف طور پر یہ تھا کہ اپنی شہریت اس کا کسی نظریہ ہائزہ قریب سے پورا کر دیا جائے تو دیکھ لے اور اس کے لیے حور قریب کی کمی نہیں ہے۔

۵۷ یہ فقرہ ان لوگوں کے نفس کی پوری تصویر کھینچ دیتا ہے کہ وہ جنات میں کس قدر مذہب گئے تھے۔ بات صرف اس حد تک ہی نہیں رہی تھی کہ وہ فطرتِ عہد پاکیزگی کی راہ سے جٹ کر ایک گندی خلافتِ ظلمتِ راہ پر چل پڑے تھے بلکہ زہتِ یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کی ساری طبیعت اور تمام دلچسپی اب اسی گندی راہ ہی میں تھی۔ ان کے نفس میں اب طلبِ اُس گندی ہی کی رہ گئی تھی اور وہ فطرتِ عہد پاکیزگی کی راہ کے متعلق یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرتے تھے کہ یہ راستہ تو ہماری لیے بنایا

وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا تُرِيدُ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أُوَدِّعُ إِلَيْكَ
رُكُنَ شَدِيدٍ ۝ قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ
فَأَسِرْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدًا ۝
أَمَّا أَتَاكَ إِنَّهُ مُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ لُطَّانٌ مَوْعِدَ هُمْ الصُّبْحِ

اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔ لوط نے کہا "کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں
سیدھا کر دیتا، یا کوئی مفید سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا۔" تب فرشتوں نے اس سے کہا کہ تھے لوط
ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل
عیال کو لے کر نکل جا۔ اور دیکھو، تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں
جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی کچھ گزرنے والا ہے جو ان لوگوں پر گزرنا ہے۔ ان کی تباہی کے لیے صبح کا وقت

نہیں ہے۔ یہ اخلاق کے عدال اور نفس کے بگاڑ کا انتہائی مرتبہ ہے جس سے فرد کسی مرتبہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس شخص کا
حاصل تو بت ہلکا ہے جو محض نفس کی گزند ہی کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو جاتا ہو مگر محال کو چاہنے کے قابل اور حرام کو بچنے کے
قابل چیز سمجھتا ہو۔ ایسا شخص کسی مدد بھی سکتا ہے، اور نہ مدد سے تب بھی زیادہ سے زیادہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک مجرّم
انسان ہے۔ مگر جب کسی شخص کی ساری ہفت صرف حمام ہی میں ہوا و ردہ کچھ کہ محال اس کے لیے ہے ہی نہیں تو اس کا شمار
انسانوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دراصل ایک گنہگار کی طرح ہے جو غفلت ہی میں پرورش پاتا ہے اور طبقات سے اس کے مزاج کو
کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ ایسے کیڑے اگر کسی معافی پسند انسان کے گھر میں پیدا ہو جائیں تو وہ پہلی فرصت میں فیماثل
ڈال کر ان کے وجود سے اپنے گھر کو پاک کر دیتا ہے۔ پھر بھلا خدا اپنی زمین پر ان گنہگار کیڑوں کے اجتماع کو کب تک گلا
کر سکتا تھا۔

۸۹ ۝ مہربان ہے کہ اب تم لوگوں کو بس یہ فکر ہوئی چاہیے کہ کسی طرح جلدی سے جلدی اس علاقے سے نکل جاؤ۔
کیوں جیسے ہر کچھ شہر اور دھواں کوئی آواز نہیں کر رہے ہیں پھر جاؤ اور جو قہر عذاب کے لیے نازل کیا جا چکا ہے اس
میں عذاب کا وقت آجانے کے بعد بھی تم میں سے کوئی نہ نکالے۔

۹۰ ۝ یہ سزا ہر تاک واقعہ ہے جو اس حد میں لوگوں کو یہ سبق دینے کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ تم کو کسی بزدلی کی
رشتہ داری اور کسی بزدلی کی سفارش، اپنے گناہوں کی پاداش سے نہیں بچا سکتی۔

الْيَسَّ الضَّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَىٰ هَٰذَا سَافِلًا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَازِجًا ۚ فَمِنْ سَبِيلٍ ۚ مَنُصُّوهُ ۝ مَسُومًا
عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝ وَالْإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ
شُعَيْبًا ۖ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
الْمِكْيَالَ وَالْيَمْنَانَ ۚ إِنَّي أَرَاكُمْ بَخِيلٌ ذَرِفًا ۚ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ مُّخِيطٍ ۝ وَيَقَوْمِ أَوفُوا بِالْمِيزَانِ ۚ وَالْمِيزَانُ بِالنَّقِصِ وَلَا تَبْخُسُوا

مقرر ہے۔ — معج ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے !

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر بکری بھٹی ٹی
کے پتھر تازہ توڑ برساتے جن میں سے ہر پتھر تیرے رکبے ہاں نشان زدہ تھا۔ اور ظالموں سے یہ سزا کچھ
دور نہیں تھی۔ ۷

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو!
اللہ کی ہدایت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے
حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ تم تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیرے گا۔ اور
اسے بردلان قوم اٹیک ٹیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور تولوں کو ان کی چیزوں میں

۹۱ ناپا یہ عذاب ایک سخت دزن لے کر آتش دہائی انہما کی شکل میں آیا تھا۔ زلزلے نے ان کی بستیوں کو تل پٹ
کیا اور آتش دہائی اسے کے پختے سے ان کے ہر اندر کا پھل و پھل، بکری بھٹی ٹی کے پتھروں سے مراد شاہدہ پتھر ٹی ہے جو
آتش دہائی نے زمین پر عمارت اور دوسے کے اڑے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آج تک بحرہ کے جنوب اور مشرق
کے حصے میں اس انہما کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔

۹۲ یعنی ہر پتھر خود کی طرف سے نامزد کیا گیا تھا کہ اسے تمہارا ہی کا کیا کام کرتا ہے۔

النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٧﴾ يَقِيَّتُ
 اللَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿٨٨﴾ قَالُوا
 يَشْعِبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي

گھمانا دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بھت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم
 مومن ہو۔ اور ہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگران کار نہیں ہوگا۔

انھوں نے جواب دیا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سائے مجھدوں
 کو چھوڑ دیں جن کی پرستش تمہارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہم کہ اپنے مال میں اپنے منشا کے

۹۳ عیسیٰ آج جو لوگ ہم کی اس دوش پر چل رہے ہیں وہ بھی اس غاب کو اپنے سے دور نہ کریں۔ مذاب اگر قوم لوہ
 پر آسکتا تھا تو ان پر بھی آسکتا ہے۔ خدا کو نہ لوہ کی قوم ماجرہ کی تھی نہ یہ کر سکتے ہیں۔
 ۹۴ سورۃ اعراف دکر ۱۱ کے وحشی پیش نظر ہیں۔

۹۵ یہ میرا کوئی زور تم پر نہیں ہے۔ میں تو بس ایک غیر خواہ نام ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ
 تمہیں بھگادوں۔ آگے تمہیں اختیار ہے، چاہے نا، چاہے نہ مانو سوال میری باز پرس سے ڈبٹے یا نہ ڈبٹے کا نہیں ہے۔
 اہل چیز خدا کی باز پرس ہے جس کا اگر تمہیں کچھ خوف ہو تو اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔

۹۶ یہ دراصل ایک صحن آئینہ فقرہ ہے جس کی روح آج بھی آپ ہر اُس سوسائٹی میں موجود پائیں گے جو خدا سے غافل
 اور فتنہ و فحش میں ڈوبی ہوئی ہو۔ جو نہ نماز و نیکواری کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایاں منظر ہے، اور دینداری کو فاسق و فاجر لوگ
 ایک خطرناک، بلکہ سب سے زیادہ خطرناک مرض سمجھتے ہیں۔ اس لیے نماز ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں حوادث کے بجائے علامت
 مرض شمار ہوتی ہے۔ کسی شخص کو اپنے درمیان نماز چڑھتے دیکھ کر اضعاف خدایہ احساس ہوتا ہے کہ اس شخص پر مرض دینداری کا
 حملہ ہو گیا ہے۔ پھر لوگ دینداری کی اس غایت کو بھی جانتے ہیں کہ یہ چیز جس شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے وہ صرف اپنے
 حسن عمل پر فخر نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی درست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بے دینی و بد اخلاقی پر تنقید کیے بغیر اُس سے
 رہا نہیں جاتا۔ اس لیے نماز پران کا اضطراب صرف اسی حیثیت سے نہیں ہوتا کہ ان کے ایک بھائی پر دینداری کا وعدہ چلیا تھا
 بلکہ اس کے ساتھ ہی انھیں یہ کھلم کھی مل جاتا ہے کہ اب غریب و دیانت کا دھڑلہ شروع ہونے والا ہے اور جو بھی زندگی
 کے ہر پہلو میں کیڑے کھلنے کا ایک ہتھیار مسلح چل رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی سوسائٹی میں نماز سب سے بڑا کٹھن و تنگی کی
 ہفت بنتی ہے۔ اور اگر کہیں فتنہ آدی ہو ایک ٹھیک انجی اندیشوں کے مطابق جو اس کی فتنے سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے،

أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۖ قَالَ يَقَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِّنْ دُونِهَا كُنَّا

مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو، بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے!
 شیعہ نے کہا: بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور
 پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی حلا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خریدیں
 برائیاں پر متبہ اور بھلاؤں کی تعین بھی شروع کر دے۔ مگر یہ نماز اس طرح کسی جاتی ہے کہ گویا بیماری ملا کسی کی ہوتی ہے۔
۹۷ یہ اسلام کے مقابلہ میں جاہلیت کے نظریہ کی پوری ترجیح جاتی ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے
 سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے کیونکہ دوسرے کسی طریقے کے عقل، علم اور کتب آسمانی میں کوئی دلیل
 نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے میں نہیں ہوتی چاہیے بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست،
 غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کا ہے اچھا انسان کسی چیز
 پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختار نہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلہ میں جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ
 دادا سے جو طریقہ بھی چلا آ رہا ہو انسان کو کسی کی پیروی کئی چاہیے دوسری کی پیروی کے لیے اس دلیل کے سوا کسی مزید دلیل کی
 ضرورت نہیں ہے کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ دین و مذہب کا تعلق صرف پروردگار یا ماں سے ہے، اسے ہماری زندگی کے
 عام دنیوی معاملات، اقوان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔

اس سے یہ بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں ایک الگ تقسیم کرنے کا خیال کب کوئی نیا خیال
 نہیں ہے بلکہ آج سے تین ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو بھی اس تقسیم پر دیباہی اصرار تھا جیسے آج
 اہل مغرب انسان کے شرعی شاگردوں کو ہے۔ یہ فی الحقیقت کوئی نئی "مذہبی" نہیں ہے جو انسانی کو آج "ذہنی امتحان" کی وحدت
 نصیب ہو گئی ہو۔ بلکہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزار برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے باقی جاتی تھی۔ لہذا اس کے
 خلاف اسلام کی کشمکش بھی آج کی نہیں ہے بہت قدام ہے۔

۹۸ رزق کا مفہوم یہاں دوسرے معنی میں دیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو علم حق کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی
 ہو۔ اور دوسرے معنی وہی ہیں جو باوجود اس فقر سے کچھ جانتے ہیں، مین وہ دنیاوی جو زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے
 بندوں کو دیتا ہے۔ پہلے سنی کے مفاد سے یہ آیت اسی معنی میں لکھی گئی ہے جو اس سورہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اسلام
 اور صلح علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا چلا آیا ہے کہ نبوت سے پہلے بھی میں اپنے رب کی طرف سے حق کی کھلی شہادت اپنے
 نفس میں اور کائنات کے آسمان میں پاتا رہا تھا، اہل حق کے ہمد میرے رہنے براہ راست علم حق میں مجھے دے دیا۔ اب میرے لیے

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَضَكُمْ عَنْهُ إِنَّ أُرِيدُكَ إِلَّا الْإِصْلَاحَ
مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾
وَيَقُولُ لَا يُجْرِمُكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ
نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ ضِلْحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾

میں تمھارا شریک مال کیسے ہو سکتا ہوں ۱۔ اہلین ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا
خود اشتیاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے۔ اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں
اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔
اگلے براہِ ان قوم! میرے خلاف تمھاری جھٹ دھری کہیں یہ نوبت نہ پہنچائے کہ انھوں کا تم پر بھی وہی عذاب
اگر دے جو نوح یا ہود یا ضلح کی قوم پر آیا تھا۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں تھے۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ جان و روح کو ان گروہوں اور بھائیوں میں تمھارا ساتھ دینا میں تم جتنے ہو۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے
یہ آیت اُس لئے کہ صاحب ہے جان و گروہ نے حضرت شیبہ کو دیا تھا کہ جس قوم کی تو ایک مالی طرفت اور استیلائی نہ گئے ہو اس
تصویر میں کئے کا یہ شہادہاں وہاں دیا ہے کہ ہمارا اگر میرے دینے مجھے حق شناس بعیرت بھی دی ہو اور رزق ممال بھی عطا کیا ہو
و تو انھیں اسے منوں سے فیض غیر فضل کیسے ہو جائے گا۔ انویس ہے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ جب خدا نے مجھ پر فیض کیا ہے
زمین تمھاری مگر اہلین اور حرام غریبوں کو حق اور حلال کہہ کر اس کی ناشکری کریں۔

۸۹ یعنی میری پہاڑی کا تم اس بات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ جو کچھ دوسروں سے کہتا ہوں اسی پر خود عمل کرتا ہوں۔ اگر
میں تم کو حیرانہ کے آستازوں سے روکتا اور خود کو آستانے کا حامد بن بیٹھا ہوتا تو بلاشبہ تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی میری ہلکانے
کے ہے دوسری دکانوں کی ساکھ بھڑانا چاہتا ہے۔ اگر میں تم کو حرام کے مال کمانے سے منع کرتا اور خود اپنے کاندھیں بٹایا
کر ہوتا تو ضرورتاً تم یہ شبہ کر سکتے تھے کہ میں اپنی ساکھ جانے کے لیے ایسا نداری کا حصول پیٹ رہا ہوں۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ میرا
ان باتوں سے بچتا ہوں میں سے تم کو منع کرتا ہوں۔ میری اپنی زندگی ان دوسروں سے پاک ہے جس سے تمہیں پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔
میں نے اپنے لیے بھی اسی طریقہ کو پسند کیا ہے جس کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ یہ چیز اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ
میں اپنی اس دعوت میں صادق ہوں۔

وَأَسْتَغْفِرُ وَإِنَّكَ لَمَّا تَتُوبُوا إِلَىٰ رَبِّيَ رَحِيمٌ وَذُودٌ ۝۱۰

دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ آپ شک میں رہیں یا نہیں۔ ہر گز اپنی غلطی
مبت رکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قوم کو روکا تا کہ وہ توبہ نہ کر سکتے۔ اور جلائی حیثیت سے بھی قوم ٹھیک کا حکم اس طاق سے ہاں متصل
واقع تھا جہاں قوم روک رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ رنگ دل سے ہے۔ اس کا اپنی غلطی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ سزا
دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار کر ہی وہ خوش ہو۔ تم لوگ اپنی گنہگاروں میں جب سے گزرتے ہو ان کو کچھ
فائدہ پہنچانے سے باز رہو۔ نہیں اتنے تب وہ ہادی تاخراستہ تھیں سزا دیتا ہے۔ وہ اس کا حال تو یہ ہے کہ تم خواہ کتنے ہی تصور
کر چکے ہو، جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اس کی طرف پڑو گے اس کے پاس رحمت کہنے کے وسیلے پاؤ گے۔ کیونکہ اپنی پیدائش
ہوئی مخلوق سے وہ بے پایاں محبت رکھتا ہے۔

اس مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال تو آپ نے یہ دی ہے
کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک مہلے آب دیا۔ وہ صحرا میں کھو گیا اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر چھوڑ
دیا۔ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس پر چڑھا میرا ایک کدو زندگی سے ہے اس پر کدو ایک دھت کے نیچے لیٹ گیا ہے اور میں اس
حالت میں جاؤں کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے۔ تم اس وقت میری کچھ خوشی اس کو بھیج دو۔ اس سے بہت زیادہ خوشی
اللہ کو اپنے بھگتے ہونے کے ملتی ہے۔ دوسری مثال اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے
ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ چکنی قندیں گرتا رہ کر کہیں۔ ان میں ایک حدیث بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ صحت
میں تھا اور وہ امان کی ماری ایسی ہے میں تھی کہ میں بچے کو ہاتھی سے چھاتی سے چٹا کر وہ وہ چلانے لگتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کا حال دیکھ کر کہہ کر گویا تم لوگ یہ تو بیخ کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خواہنے یا تھوڑے آگ میں پھینک دے گی
ہم نے عرض کیا کہ اگر نہیں، خود پھینکنا تو کدو کا وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک تو اسے پھینک دے گی کوئی گستاخانہ نہ لگے گی فرمایا
قللہ ارحم بعباد من خلقہ کا جولد ہا۔ اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ رحمت اپنے بچے
کے لیے رکھتی ہے۔

اور دوسرے بھی اندر کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہمیں کی ہمدردی کے لیے
ہاں کے دل میں محبت پیدا کی ہے۔ وہ نہ حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا اس محبت کو پیدا نہ کرتا تو ماں اور باپ سے بڑھ کر ہمیں کا کوئی
دشمن نہ ہوتا۔ مگر سب سے بڑھ کر وہ انہی کے لیے مخلقت وہ چھوڑے ہیں۔ اب ہر شخص خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ جو خدا جلتی رحمت

قَالُوا يَسْعَىٰ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا فَمَا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَا رَهْطًا لَّحِمِّنَا وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ قَالَ يَقَوْمِ أَهْطِ أَهْطِ أَهْطِ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخِذْ نَسْوَهُ وَرَأَوْكُمْ ظِلْمُ يَأْتِانَ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ لِيَإْتِيَ عَامِلٌ

افضل نے جواب دیا "اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے بند آدمی ہے، تیری ہادری نہ جہتی تو ہم کمی کا تجھے سنگسار کر چکے جوتے، تیرا بل ہوتا تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو۔"

شعیب نے کہا تمہاری کیا میری ہادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (ہادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا،

پوری کا خان ہے خدا اس کے اندر اپنی مخلوق کے لیے کیسی کچھ رحمت موجود ہوگی۔

۱۱:۱۱ یہ ہمیں داتا گچھس تا پہنہ تھا کہ حضرت شعیب کسی عزیز زبان میں کام کرتے تھے، یا ان کی باتیں بہت منطقی اور پیچیدہ ہوتی تھیں۔ باتیں تو سب صاف اور سیدھی ہی تھیں، لہذا ہی زبان میں کی جاتی تھیں جو لوگ بدلتے تھے، لیکن ان کے دین کا سا سچا اس قدر ڈیرہ صاف تھا کہ حضرت شعیب کی سیدھی باتیں کسی طرح اس میں نہ آ سکتی تھیں۔ تاہم اس کی بات ہے کہ جو لوگ نصیحت اور غرض نش خلق کی ہندگی میں شدت کے ساتھ جتنا جوتے ہیں اللہ کسی خاص طرز خیال پر جادہ کر چکے جوتے ہیں، وہ اول ڈوکونی ایسی بات سن ہی نہیں سکتے جو ان کے خیالات سے مختلف ہو، اور اگر سن بھی لیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس دنیا کی باتیں کی جا رہی ہیں۔

۱۱:۱۲ یہ بات چنی نظر ہے کہ سینہ ہی صحت حال ان آیات کے نزول کے وقت مکر میں درپیش تھی، اس وقت قریش کے لوگ بھی ہر طرح معمولی اور طبعیہ سلم کے غن کے پیاسے جو رہے تھے اور چلتے تھے کہ آپ کی زندگی کا قافہ رکھی لیکن صوف اس وجہ سے آپ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے لڑتے تھے کہ فی اشم آپ کی پشت ہمت ہے۔ پس حضرت شعیب اور ان کی قوم کا یہ قدر ٹھیک ٹھیک قریش اور معمولی اور طبعیہ سلم کے معاملہ پر چپاں کرتے جوتے بیان کیا جا رہا ہے، اللہ کے حضور میں

سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ
وَأَرْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿۳۳﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا لَنُجَنِّبَنَّهُ شُعَبًا وَ
الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَيْنٍ ﴿۳۴﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا
الْأَبْعَدَ الْبُعْدِ كَمَا بَعَدَتْ نُجُودٌ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى
بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۶﴾ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوهُ أَعْمَرُ
فِرْعَوْنَ وَمَأْمُورُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿۳۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ

جلدی ری تھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم بھی انتظار کرو اور
میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں ۴

آخر کا جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی
مومنوں کو بچایا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستریاں
میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بے ہی نہ تھے۔

سنو! امین والے بھی دد رہیں ایک دیے گئے جس طرح ٹوہ پھینکے گئے تھے۔ ۵

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیں اور کھلی سندِ مہریت کے ساتھ فرعون اور اس کے حیانِ سلطنت کی
طرف بھیجا، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا، قیامت کے روز وہ اپنی

جہانگاہی سین آئندہ جاب نقل کیا گیا ہے اس کے اندر یہ سنی پر شیعہ ہیں کہ اسے قوتی کے دگر، تم کو بھی ہر دو کی طرف سے

جہاں جاب ۶۔

الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿۱۰۰﴾ وَأَتَيْنَا بِقِيَمَةٍ هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُبْئِسُ الرَّفُودُ الْمَرْفُودُ ﴿۱۰۱﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُهُمْ

قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جگہ دوزخ ہے یہ جس پر کوئی پہنچے اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پے سے لگی۔ کیسا بُرا صلہ ہے یہ جو کسی کو ملے!

یہ چند سبٹیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمہیں سننا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، انھوں نے آپہنسی اپنے اوپر تم ڈھایا۔ اور جب اللہ کا حکم آگیا تو ان کے وہ چہرے جو جنسِ مذکر کو چھوڑ کر کھاڑا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور انھوں نے طاقت

۱۰۰ اس آیت سے اور قرآن مجید کی معنی دہری تحریکات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی قوم یا مامت کے رہنما رہتے ہیں وہی قیامت کے روز بھی اس کے رہنما ہوں گے۔ مگر وہ دنیا میں نیک اور نیکانہائی اور حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں تو جن لوگوں نے یہاں ان کی پیروی کی ہے وہ قیامت کے روز بھی انہی کے جہنم سے تلے میں ہوں گے اور ان کی پیشوائی میں جنت کی طرف ہائیں گے۔ اور اگر وہ دنیا میں کسی مصلحت کسی باطنی یا کسی ایسی نام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں جو دنیا میں ہی کام نہ آسکتی ہے، جو لوگ یہاں ان کے پیچھے چل رہے ہیں وہ وہاں بھی ان کے پیچھے ہوں گے اور ان کی سرکردگی میں جہنم کا رخ کریں گے۔ اسی مضمون کی ترجمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں پائی جاتی ہے کہ اَمْرُو الْقَيْسِ حَاضِلٌ لِمَا شَعَرُوا بِالْجَاهِلِيَةِ اِلَى النَّاسِ اِيْتِيَتْ قِيَامَتُكَ وَذِيَابِلَتُكَ كِيَا حُرُوكَ جَهَنَّمَ اَمْرُو الْقَيْسِ كِيَا تَمْرِيں جو کہ اور عرب جاہلیت کے تمام شعراء کی پیشوائی میں دوزخ کی راہ میں گئے۔ اب یہ نظر شخص کا اپنا عقل اس کی آنکھوں کے سامنے کھینچ سکتا ہے کہ یہ وہ قوم کے جلوس کس شان سے اپنی منزل مقصد کی طرف ہائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کیا اور مصلحت حق راہ میں پرچلایا ہے ان کے پیروں میں ہائیں گے اور ان کے پیچھے لوگ کریں گا۔ ہم کہیں کہیں خود انہم کی طرف کھینچ لے سکتے ہیں کہ وہ اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ داری کو کہیں گے اور ان کو جلوس میں شام

غَيْرَ تَتَّبِعُ ۚ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهُوَ
ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخَذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَن خَافَ
عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ ذَلِكَ يَوْمٌ تَجْعَلُ لِّلنَّاسِ وَذَلِكَ يَوْمٌ

بربادی کے سوا انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

اور تیسرا سب جب کسی ظالم بستی کو کچھ تک ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ
بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو
عذابِ آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی ہوگا سب کی

دوزخ کی راہ پر دھانچہ گا کہ آگے آگے وہ ہیں گے اور پیچھے دیکھے ان کے پیروں کا جھوم ان کو گامیاں دیتا تھا اور ان پر لعنتوں کی بارش
کرتا ہوا جارہا ہوگا۔ بخلاف اس کے جن لوگوں کی رہنمائی نے لوگوں کو جنتِ نعیم کا مستحق بنایا ہوگا ان کے پیروں پر ایسا انعام خیر و کھلاطف
یادوں کو دے گا جس سے انہیں دوزخ و جہنم کے بھولے ہونے میں گم۔

تاریخ میں تاریخ کے ان واقعات میں ایک ایسی نشانی ہے جس پر انسان خود کہے تو اسے یقین آجائے گا کہ عذابِ آخرت
ضرور پیش آنے والا ہے اور اس کے متعلق پیروں کی دی ہوئی خبر بھی ہے۔ نیز ای نشانی سے وہ یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ عذابِ آخرت
کیا سخت ہوگا اور یہ علم اس کے دل میں خوف پیدا کر کے اسے سیدھا کر دے گا۔

اب رہی یہ بات کہ تاریخ میں وہ کیا چیز ہے جو آخرت اور اس کے عذاب کی علامت کی جاسکتی ہے، تو ہر وہ شخص جسے کمالی
ہو سکتے ہیں تاریخ کو جس واقعات کا جو بھی نہ سمجھتا ہو مگر ان واقعات کی منطق پر بھی کچھ خبر کرتا ہو اور ان سے نتائج بھی اخذ کرنے کا
ملاوی ہو اور اہل تاریخ کی انسانی تاریخ میں تو جس حد جانتوں کا اٹھنا اور گناہوں کے ساتھ دنیا ہوتا رہا ہے، اور پھر
اس کے اندر اُن شخص میں جس طرح مروت کا اخلاق اسباب کا نفاذ ہے، اور اگر نہ مروت ہی جنت، اور اگر نہ مروت ہی
گنہگاروں۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اس کائنات میں ایک ایسی مروت کا کرم ہے جو جس انداز سے
طبیعیاتی قوانین پر نفاذ ہائی نہیں کر رہی ہے، بلکہ اپنا ایک متوال اخلاق کا لون رکھتی ہے جس کے مطابق وہ اخلاق کی ایک خاص رنگ
پیدا کرنے والی کو جڑا دیتی ہے، اس سے نیچے آنے والوں کو کچھ مدت تک دھکیل دیتی رہتی ہے اور جب وہ اس سے جنت فرما
چکے ہوتے ہیں تو پھر ان میں اگر اگر ایسا جھگڑتی ہے کہ وہ ایک دوستانہ مروت میں کہہ جاتے ہیں۔ ان واقعات کا یہ سبب کہ تیب
کے ساتھ دوزخا ہوتے رہنا اس میں شہد کرنے کی ذمہ داری نہیں چھوڑتا کہ جو اور کائنات اس سلطنت کائنات کا ایک مستقل
قانون ہے۔

مَشْهُودٌ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا تُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدٍّ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿۱۰۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَيُنَادُونَ لَهَا رَبِّ انقِذْنِي مِنْ هَٰذَا أَوْ يَدْعُونَ إِلَيْهَا أَسْكِنِي أَوْ يَدْعُونَ إِلَيْهَا أَسْكِنِي أَوْ يَدْعُونَ إِلَيْهَا أَسْكِنِي ﴿۱۰۵﴾ خَلِدِينَ

انکھوں کے سامنے ہو گا۔ ہم اس کے لانے میں کچھ بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں، بس ایک گنی گنی جتنی مدت اس کے لیے مقرر ہے جب وہ آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی ہال نہ ہوگی، اِلا یہ کہ خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرتے۔ پھر کچھ لوگ اس روز بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بنت۔ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جا سیں گے (جہل گری اور پیاس کی شدت سے) وہ انہیں گے اور پھنکا سے ماریں گے اور اسی حالت میں وہ

پھر عذاب و عذاب تو عرصے میں ان پر پڑھ کر لے سے یہ غلام بھی بڑا ہے کہ از دوسرے اوصاف قانون جو حکامات کے جو اخلاقی تقاضے ہیں وہ ایک جھٹک تران غلاموں سے ضرور پڑے ہوتے ہیں مگر بہت بڑی جھٹک بھی تشریح ہیں۔ کیونکہ دنیا میں جو عذاب آیا اس نے صرف اُس نسل کو کچھ عذاب کے وقت موجود تھی وہیں وہ فیصلے جو شرارتوں کے بیچ ہو کر وہ ظلم و ہذا کی کی خلیوں تیار کر کے کئی سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں اور جن کے کرداروں کا خیال نہ بد کی نسلوں کو جھٹکا پڑا وہ وہ گویا قانون مکافات کے حل سے صاف ہی نکلی ہیں۔ اب اگر ہم تاریخ کے مطالعہ سے سلطنت کائنات کے مزاج کو جھٹک جھٹک سمجھ چکے ہیں تو ہمارا یہ مطالعہ اسی بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ اصل اوصاف کی دوسرے قانون مکافات کے جو اخلاقی تقاضے بھی تشریح ہیں، ان کو پورا کرنے کے لیے یہ عادل سلطنت یقیناً پھر ایک دوسرا عالم پکا کرے گی اور وہاں تمام قانونوں کو ان کے کرداروں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ بدلہ دنیا کے ان غلاموں سے بھی فراہم ہو گا۔ (ملاحظہ ہو سورہ اعراف، حاشیہ منک و سورہ یونس، حاشیہ عظم)

۱۰۶ یعنی وہ وقت رگ اپنی جگہ سے ہر سو سے ہیں کہ ان حضرات ہماری سفارش کر کے جس پر انہیں گئے تھیں بزرگ اور بڑے جہاں گئے صدمہ پہنچے ایک ایک حمل کو بھڑانے بغیر نہ مانیں گے مگر صاحب ہاں ہاں کے چپے ہیں جس کے راستے میں جہاں جیسے گئے اور اپنے دامن کو قتل کی کشش کا پورا نہ کر سکی تھیں گے۔ حالانکہ انہوں نے انہیں کیا، جس پر انہوں نے میں تو کسی بڑے شہنشاہ اور کسی عرصہ سے عجز و فرشتے کو بھی ہال ہم زندہ تک نہ ہوگی اور اگر کوئی کہہ کر بھی گئے گا تو اس وقت جبکہ ان کو اہل کین خود اسے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیدے۔ پس جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے استادن پندیں اور پندیں چڑھا رہے ہیں کہ ان کے ان خواہش سرخ رکھتے ہیں۔ اسلئے ان کی سفارش کے جو سے پہنچے نام نہ مال یا یہ کہہ جاسکتے ہیں، ان کے دامن سخت پیر سے دوچار ہونا پڑے گا۔

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ
رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يَرِيدُ ۝۱۸۰ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ
خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ
رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ ۝۱۸۱ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ
هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ

ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں، والا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ بے شک تیرا رب بڑا
اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے
وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں، والا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو
ملے گی جس کا سلسلہ کسی منقطع نہ ہوگا۔

پس اسے نبی! تو ان مہر دلوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہ جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ تو
(بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے) اسی طرح پوجا پاٹ کیے جا رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا کرتے تھے،

۱۸۰ ان الفاظ سے یا تو عالم آخرت کے زمین و آسمان مراد ہیں، یا پھر صحن عارض کے طور پر ان کو وہم و گمان
کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمین و آسمان تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن کے بیان کی دوسرے قیامت کے
روز بدل ڈالے جائیں گے اور یہاں جن واقعات کا ذکر ہو رہا ہے وہ قیامت کے بعد چلنے لگنے والے ہیں۔

۱۸۱ یعنی کوئی اور طاقت تو ایسی ہے ہی نہیں جو ان لوگوں کو اس وحی مخاب سے بچا سکے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ فوجی
کسی کے انجام کو بدل چاہے یا کسی کو مہنگی کا عذاب دینے کے بجائے ایک مدت تک عذاب دے کر صاف کر دینے کا فیصلہ
فرمائے تو اسے کیا کہنے کا پورا اختیار ہے، کیونکہ اپنے قانون کا وہ خود ہی واضح ہے، کوئی باوجود قانون ایسا نہیں ہے جو اس
اختیارات کو محدود کرنا ہو۔

۱۸۲ یعنی ان کا جنت میں ٹھہرنا ایک ایسے بالاتر قانون پر مبنی نہیں ہے جس نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر رکھا ہو، بلکہ
یہ سراسر اللہ کی عنایت ہوگی کہ وہ ان کو وہاں رکھے گا۔ اگر وہ ان کی قسمت بھی بدل چاہے تو اسے ہٹنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔
خلاصہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی ان مہر دلوں کی طرف سے کسی شک میں تھے، بلکہ یہ مال



وَاِنَّا لَمَوْفُوهُم نَصِيْبُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۝۱۰۱ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى
الْكِتٰبَ فَاخْتَلَفَ فِيْهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
لَقَضٰى بَيْنَهُمْ ۚ وَانْهَمُّ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٌ ۝۱۰۲ وَاِنْ كَلَّا
لَمَّا كُنُوْا فِيْهِمْ رَبُّكَ اَعْمٰهُمْ ۚ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰۳

اور ہم ان کا حصہ انھیں بھر پر دیں گے بغیر اس کے کہ ان میں کچھ کاٹ کسر ہو۔ ۱۰۱

ہم اس سے پہلے موسیٰ کو بھی کتاب دے چکے ہیں اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا جس طرح آج اس کتاب کے بارے میں کیا جا رہا ہے جو تمہیں دی گئی تھی۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی ملے نہ کر دی گئی ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ نکال دیا گیا ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور غلچان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تیرا رب انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے کر رہے گا، یقیناً وہ ان کی سب جو کمزوریوں سے باخبر ہے۔

یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے عائد ان اس کو مافی ہا رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مرد مقتول کو اس ملک میں زندہ نہ چاہیے کہ یہ لوگ جو ان سمجھو کی پرستش کرنے ادا ان سے دعائیں مانگتے ہیں گے ہوئے ہیں تو ان کو کچھ تو انھوں نے دیکھا ہو گا جس کی وجہ سے یہ ان سے نفع کی امیدیں رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پرستش اور نذرانوں اور نذرانوں اور دعائیں کسی علم کسی تجربے اور کسی تحقیق سے کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ زری اندھی تقلید کی وجہ سے جو وہاں ہے۔ آخر یہی آستانہ بھی تو ان کے ہاں بھی موجود تھے۔ اور ایسی ہی ان کی کہ ان میں ان کی مشورہ نہیں۔ مگر جب خدا کا عذاب آیا تو وہ تباہ ہو گئیں اور یہ بتاتے رہی دھرے کے دھرے رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی نئی بات نہیں ہے کہ آج اس قرآن کے بارے میں مختلف لوگ مختلف قسم کی باتیں کہہ رہے ہیں جس سے پہلے جب وہی کتاب دی گئی تھی تو اس کے بارے میں وہی قسم کی مختلف راستے زبانیں گئی تھیں لہذا اسے اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھ کر بدلہ دے کر اسے خاطر نہ کرنا کہ ایسی سیدھی سیدھی وصیات باتیں قرآن میں پیش کی جا رہی ہیں اور یہی لوگ ان کو قبول نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ملحق کرنے اور مردلانے کے لیے فرمایا گیا ہے مطلب یہ ہے

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّه بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمْسِكُمُ النَّارُ
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ
طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ
ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّكِرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

ہیں اسے عجز! تم، اور تمہارے وہ ساتھی جو کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں،
ٹھیک ٹھیک لاو راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔
جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ بن ظالموں کی طرف درانہ جھکاؤ نہ جنم کی ہیئت میں
آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی دوسرے پرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔
اور دیکھو، نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں بُرائیوں کو دور
کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں۔ اور صبر کرو، اللہ کی کرنے
کہ تم اس بات کے لیے سب مین ذہور کروگ اس قرآن کے بارے میں اختلافات کر رہے ہیں ان کا فیصلہ جلدی سے چکا دیا جائے۔
اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ سب کچھ کہے کہ فیصلہ وقت مقرر ہے پہلے دیکھا جائے گا اور یہ کہ دنیا کے لوگ فیصلہ چاہتے ہیں جو جلد بازی
کرتے ہیں، اللہ فیصلہ کر دینے میں وہ جلد بازی نہ کرے گا۔

۱۱۳ دن کے دونوں سروں پر سے مراد صبح اور عشاء ہے اور کچھ رات گزرنے پر سے مراد عشا کا وقت ہے۔ اس سے
معلوم ہوا کہ یہ ارشاد اس زمانے کا ہے جب نماز کے لیے ابھی پانچ وقت قرار نہیں کیے گئے تھے۔ سربراہ کا واقعہ اس کے بعد پیش
آیا جس میں پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔

۱۱۴ یعنی جو برائیاں دنیا میں پہلی ہوئی ہیں اور جو برائیاں تمہارے ساتھ اس دعوت حق کی دشمنی میں کی جا رہی ہیں
اس سب کو دفع کرنے کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ تم خود زیادہ سے زیادہ نیک برائیاں ہی کی سب سے بدی کو شکست دو، اور تم کو
نیک بنانے کا بہترین ذریعہ نماز ہے جو تم میں وہ اوصاف پیدا کرے گی جن سے تم بدی کے اس ناسم طرفان کا زبردست مقابلہ
کر سکو گے بلکہ اسے دفع کر کے دنیا میں صلاح و خیر و صلاح کا نظام بھی قائم کر سکو گے۔

أَجْرَ الْحَسَنِينَ ﴿١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١٦﴾
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١٧﴾

والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

پھر کہول نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل غیر موجود در سہ ہر لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے، ایسے لوگ پہلے ہی قیامت کم جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا یا، ورنہ عالم لوگ قاضی مزلوں کے پیچھے پڑے رہ جن کے سامان انھیں فرعونانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم کہ رہے تیرا اب ایسا نہیں ہے کہ مبتیوں کو تاحی تھا کہ کسے حال ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

اللہ ان آیات میں نہایت بہتر نظر ہے سے ان قوموں کی تباہی کے اہل سبب روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ ان کا پیچھے چھوڑ دیں اور ان میں سے اس تازیخ پتھر کو کہتے ہوئے فرمایا تھا کہ صرف ان قوموں کو نہیں بلکہ سب اہل انسانی تازیخ میں جتنی قومیں تباہ ہوئی ہیں ان سب کو ہم بچنے کے لیے یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا تو وہ خوشحالی کے نشے میں مبتلا ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے لگیں اور ان کا اجتماعی غیر اس درجہ بگڑ گیا کہ ان کے اندر ایسے نیک لوگ باقی رہے ہی نہیں جو ان کو ہاتھوں سے روکتے، اگر کچھ لوگ ایسے بچے ہی تو وہ اتنے کم تھے کہ ان کی آواز ان کی کوئی بھی نہ سنے، نہ ان کے سامنے آواز دے سکتا تھا جس کی بدولت آخر کار یہ قومیں اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہو گئیں، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ وہ پہلے کام کر رہے ہیں اور اللہ ان کو خواہ مخواہ غلاب میں مبتلا کر دے۔ اس ارشاد سے یہاں جہاں ہمیں وہ نہیں کہنی مضمود ہیں :-

ایک یہ کہ، اجتماعی نظام میں ایسے نیک لوگ بہرہ ور ہونا ضروری ہے جو غیر کی دعوت دینے والے اور شر سے روکنے والے ہوں۔ اس لیے کہ غیر کی وجہ سے اہل غیر اللہ کو غلاب ہے، ان لوگوں کے شر کو اور اللہ بدولت کہنا ہی ہے تو اس غیر کی خاطر کہنا ہے جو ان کے اندر موجود وہ بھی وقت تک کہتا ہے جب تک ان کے اندر غیر کو کچھ امکان باقی ہے۔ اگر جب کوئی انسانی کردہ اہل غیر سے غلاب ہو جائے، اس میں صرف خیر لوگ ہی باقی رہ جائیں، یا اہل غیر موجود ہیں بھی تو کوئی ان کی کس نہ دے اور یہی قوم کی قوم غلابی نہ ہو جائے، تو پھر خدا کا غلاب اس کے سر پر اس طرح

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَرَوْنَ مُخْتَلِفِينَ ۚ
إِلَّا مَن رَّجِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور ان بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔
اسی آزمادہ امتحان اختیار کر کے بے ہی تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور تیرے رب کی وہ بات پوری نازلانے لگتا ہے جیسے پوسے دلوں کی مانند کہ کچھ نہیں کہنے کہ اس کا وضع عمل ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ جو قوم اپنے درمیان سب کچھ برداشت کرتی ہو مگر صرف انہی چند گئے پئے لوگوں کو برداشت کرنے لگے تیار نہ ہو جو اسے برائیوں سے روکتے اور بدکاریوں کی دعوت دیتے ہوں تو سمجھو کہ اس کے قریب آگے ہیں کیونکہ اب وہ خود ہی اپنی جان کی دشمن ہو گئی ہے۔ اسے وہ سب چیزیں تو محبوب ہیں جو اس کی پاکت کی وجہ ہیں اور صرف وہی ایک چیز گوارا نہیں ہے جو اس کی زندگی کی ممان ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک قوم کے متعلقے غلبہ ہونے یا نہ ہونے کا اثر فیصلہ جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دعوتِ غیر پر لبیک کہنے والے عناصر کس حد تک موجود ہیں۔ اگر اس کے اندر ایسے افراد تھے تو دعوتِ عمل آئیں جو خدا کو شائے اور نظامِ صالح کو قائم کرنے کے لیے کافی بنیں تو اس پر غلبہ عام نہیں پیدا جاتا بلکہ ان صالح عناصر کو اصلاحِ حال کا موقع دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ سب ہی وہ جملہ کے باوجود اس میں سے اتنے آدمی نہیں ملتے جو اصلاح کے لیے کافی ہو سکیں اور وہ قوم اپنی گود سے چند سیرے پیٹنگ فیض کے بعد اپنے طریقے سے ثابت کر دیتی ہے کہ اب اس کے پاس کوئی نہ ہی کوئی رہ گئے ہیں تو پھر کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی کہ وہ بھی ملگا دی جاتی ہے جہاں کو کونوں کو پھینک کر رکھ دے۔

۱۱۔ اس شبہ کا جواب ہے جو عاموں ایسے مواقع پر تقدیر کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اقوام اگر مشرت کی تہاڑی کا جو سبب بیان کیا گیا ہے اس پر اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ ان میں اہلِ غیر کا موجود نہ رہنا یا بہت کم پایا جانا بھی تو خداوند کی مشیت ہی سے تھا پھر اس کا انعام ان قوموں پر کیوں رکھا جائے؟ کیوں خداوند نے ان کے اندر بہت سے اہلِ غیر پیدا کر دیے؟ اس کے جواب میں یہ حقیقتِ عام صاف صاف بیان کر دی گئی ہے کہ خداوند کی مشیت انسان کے باسے میں ہے یہ سب ہی نہیں کہ حیوانات اور نباتات اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کی طرح اس کی بھی جتنی طور پر ایک گئے بندے طے کا پابند بنا دیا جائے جس سے بہت کہہ دیا جائے۔ اگر یہ اس کی مشیتِ موقتی تو پھر دعوتِ ایمان، بہشت، انبیاء اور منزل کی کتب کی خصوصیت ہی کیا تھی، سارے انسان مسلم دوسری پیدا ہوتے اور کفر و عیان کا سرے سے کوئی امکان ہی نہ ہوتا لیکن خداوند نے انسان کے باسے میں جو مشیت فرمائی ہے وہ بدل ہے کہ اس کو انتخاب، اختیار کی آزادی بخشی جائے، اسے اپنی پسند کے مطابق نفع

لَا مَلَكٌ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱﴾ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْشِئُ بِهِ قَوَادِكَ وَوَجَّعْنَا فِي هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةً وَذِكْرًا لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾ قُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ﴿۱۳﴾

ہرگز جو اس نے کسی تھی کہ میں جہنم کو جن اور انسان ہرے بھروسہ گا۔

اور اسے محمدؐ ایہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، یہ دو چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملے گا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور ہیلاری نصیحت ملے گی۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے، تو ان سے کہہ دو کہ تم اپنے طریقے پر کام کرتے رہو اور ہم اپنے طریقے پر کیے جاتے ہیں۔

ماہوں پر چلنے کی قدرت دی جائے، اس کے سامنے سخت اور دوزخ دونوں کی راہیں کھول دی جائیں اور ہر انسان اور ہر انسانی گروہ کو موقع دیا جائے کہ وہ ان میں سے جس راہ کو پسند کرے اس پر چل سکے تاکہ ہر ایک جو کچھ بھی چاہتا ہو وہی سب کچھ کے قیام میں پائے۔ پس جب وہ ایک جہنم جس کے تحت انسان پیدا کیا گیا ہے، اناوری انتخاب اور اختیار کی کفر یا ایمان کے اصول پر پہنچی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم خود کو توڑ بٹھنا چاہے، ہر ایک کی راہ پر اور انڈر زہرستی اس کو غیر کے سامنے پر ٹوڑ دے۔ کوئی قوم خود اپنے انتخاب سے تو انسان سازی کے وہ کارخانے بنائے جو ایک ایک بڑھ کر بدکار اور ظالم اور فاسق یا آدمی ڈھال ڈھال کر نکالیں، اور انسانی راہ راست و اخلاقت سے اس کو وہ پیدائشی نیک انسان مٹا کر دے جس کے بگڑے ہوئے سچوں کو خشک کر دیں۔ اس قسم کی مداخلت خدا کے دستور میں نہیں ہے۔ نیک ہوں یا بد، دونوں قسم کے آدمی ہر قوم کو خود ہی مٹا کر نہ ہوں گے۔ جو قوم بحیثیت جبری بدی کی راہ کو اپن کرے گا جس میں سے کوئی صحت نہ رہے، ایسا نڈاٹھے گا جو ہر ایک کا جھنڈا بلند کرے، اور جس نے اپنے اجتماعی نظام میں اس امر کی گواہی دینا چھوڑ دی ہوگی کہ اصلاح کی کوششیں اس کے اندر پھل پھول سکیں، خدا کو کیا پڑی ہے کہ اس کو زندہ نیک بنائے۔ وہ تو اس کا کسی انتہام کی طرف دھکیل دے گا اور اس نے خدا اپنے لیے انتخاب کیا ہے۔ ایسے خدا کی رحمت کی مستحق اگر کوئی قوم ہو سکتی ہے تو صرف وہ جس میں بہت سے افراد ایسے نکلیں جو خود دعوت غیر کو دیکھ کر اپنے مائے ہوں اور جس نے اپنے اجتماعی نظام میں یہ صلاحیت باقی رہنے دی ہو کہ اصلاح کی کوشش کرنے والے اس کے اندر کام کر سکیں۔

وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْيَهُ يُرْجِعُ الْأُمُورَ كُلَّهُ فَاَعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انجام کار کا تم بھی منتظر رہو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اللہ سارا معاملہ اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس اسے ہی اقدس کی بندگی کرو اور اسی پر معروضہ رکھو جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو تو اللہ اس سے بے خبر نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کو کفر و اسلام کی اس کشمکش کے دونوں فرقہ کو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کی غلامی میں ہے۔ اللہ کی مصلحت کوئی اندھیر نگری چرچا یا وجہ کی صداقت نہیں ہے کہ اس میں؛ اور کچھ جی ہوتا رہے نہ بے خبر کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو۔ یہاں مصلحت و بردباری کی بنا پر دور و قریب رہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ جو لوگ مصلحت کی کوشش کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کی غنیمتیں ضائع نہ ہوں گی۔ اور وہ لوگ بھی جو خدا کو نہ دیکھتے اور اسے ہر پار کھینچنے لگے ہوتے ہیں، حوا مصلحت کی سعی کرنے والوں پر ظلم و ستم ڈال رہے ہیں، اور جنہوں نے اپنا سارا زور اس کوشش میں لگا رکھا ہے کہ، مصلحت کا یہ کام کسی طرح چلے نہ سکے، انہیں بھی خبردار دینا چاہیے کہ ان کے یہ سارے کوشش اللہ کے علم میں ہیں اور ان کی پادشاهی میں ضرور جگہ ملے گی۔

تفسير القرآن (٢)

يوسف

(١٢)

یوسفؑ

زمانہ نزول و سبب نزول | اس مہینے کے مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ بھی زمانہ قیام مکہ کے نبوی فہم میں نازل ہوئی ہوگی جبکہ قریش کے لوگ اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید کر دیں۔ اس زمانہ میں بعض کفار مکہ نے اقبالیہ یورپیوں کے اشارہ پر باغی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے آپ سے سوال کیا کہ نبی امرئیل کے معراج آنے کا کیا سبب بن جائے، چونکہ اہل عرب اس قصہ سے ناواقف تھے، اس کا نام و نشان تک ان کے ہاں کی روایات میں نہ پایا جاتا تھا، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی اس سے پہلے کسی ان کا ذکر نہ سنا گیا تھا، اس لیے انہیں توقع تھی کہ آپ یا تو اس کا مفصل جواب نہ دے سکیں گے، یا اس وقت ٹال مٹول کر کے بعد میں کسی دوسری سہ پہنچنے کی کوشش کریں گے، اور اس طرح آپ کا بھرم کھل جائے گا۔ لیکن اس امتحان میں انہیں اعلیٰ معنی کی کمائی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ہی نہیں کیا کہ فوراً اسی وقت یوسف علیہ السلام کا یہ پورا قصہ آپ کی زبان پر جاری کر دیا، بلکہ مزید برآں اس قصے کو قریش کے اس معاملہ پر چسپاں بھی کر دیا جو وہ براہدان یوسف کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے تھے۔

مقاصد نزول | اس طرح یہ قصہ دو اہم مقاصد کے لیے نازل فرمایا گیا تھا:

ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت، اور وہ بھی مخالفین کا اپنا منہ مانتا ثبوت بہم پہنچایا اسے، اعدائے کے خود بخود بے کردہ امتحان میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ آپ اسی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپ کو وحی کے ذریعہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔ اس مقصد کو سورہ کی تہذیب میں بھی صاف صاف واضح کر دیا گیا ہے اور افکار کا کام پر بھی پورے زور کے ساتھ اس کی تصریح کی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ سرداران قریش اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس وقت جو معاملہ طرل ہوا تھا اس پر براہدان یوسف اور یوسف علیہ السلام کے قصے کو چسپاں کرتے ہوئے قریش والوں کو بتایا جائے کہ آج تم اپنے بھائی کے ساتھ وہی کہہ کر رہے ہو جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ مگر جس طرح وہ خدا کی مشیت سے لڑنے میں کامیاب نہ ہوئے اور آخر کار اسی بھائی کے قدموں میں آسپے میں کو انہوں نے کسی استغاثی بے رحمی کے ساتھ کنز میں جھینکا تھا، اسی طرح تمہاری ذرا ذیاتی بھی خدا کی تدبیر کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے گی اسی ایک دن تمہیں بھی اپنے اسی بھائی سے دم و دم کی بھینک

انہی پڑے گی جسے آج تم مٹا دینے پر تلے ہوئے ہو یہ مقصد ہی سورہ کے آغاز میں صاف صاف عیاں کر دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ ذُلًا خَوِيًّا أَيْتُ لَيْسَ بِمُتَّبَعِينَ - یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں ان پر چھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قصے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے معاملے پر چسپاں کر کے قرآن مجید نے گویا ایک مرکز میں گھٹی گئی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے صرف بھرت بیجم ثابت کر کے دکھا دیا اس سورہ کے نزول پر ڈیڑھ دو سال ہی گزرے ہوں گے کہ قریش والوں نے بلادین یوسف کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور آپ کی جبروڑاں سے ہٹا کر مکہ سے ٹھکانا پڑا۔ پھر ان کی وفات کے بالکل خلاف آپ کو بھی ہلا وطنی میں دیا یہی عروج و وقت دار نصیب ہوا جیسا یوسف علیہ السلام کو ہوا تھا۔ ہر فرخ کر کے موقع پر شیک و ہیک پیش آیا جو مگر پایہ تخت میں یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں کی آخری صفائی کے موقع پر پیش آیا تھا۔ وہاں جب بادشاہ یوسف انتہائی مجبور و نادانگی کی حالت میں ان کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ہم پر مدد کیجیے، اللہ مدد کرنے والے اور نیک جو دیتا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے ان مقام کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں معاف کر دیا اور فرمایا لَا تَتَذَكَّرُ بِهِ عَلَيْنَا كَمَا آتَيْنَاهُ يَفْعَلُ اللَّهُ كَمَا يَشَاءُ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب دہم کرنے والوں سے ہٹ کر دم کرنے والا ہے۔ اسی طرح یہاں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ قریش سرنگوں کھڑے ہوئے تھے تو انہیں معاف کر کے ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے تو آپ نے ان سے بوجھا تھا دایا کیا یہاں ہے کہیں قلعے ساتھ کیا سامان کروں گا؟ انہوں نے عرض کیا اسے گس پیٹہ و این اسے کدو پیر۔ آپ ایک مالی فکر بھائی ہیں، اور ایک مالی خوف بھائی کے بیٹھے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا فانی امول نکر کما تالی یوسف لاخو قہ۔ لا تتوہب علیکم الیوم، اذھبوا فاختاروا الطلقاء۔ میں تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تمہیں صاف کیا؟

مباحث و مسائل | یہ دو پہلو تو اس سورہ میں مقصدی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اس قصے کو بھی قرآن مجید ضمن قصہ گوئی و تائید نگاری کے طرز پر بیان نہیں کرتا بلکہ اپنے قاصد کے مطابق وہ اسے اپنی اصل دعوت کی تبلیغ میں استعمال کرتا ہے۔

وہ اس پوری داستان میں یہ بات نمایاں کر کے دکھاتا ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کا دین وہی تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہی چیز کی طرف وہ بھی دعوت دیتے تھے جس کی طرف آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔

بجورہ ایک طرف حضرت یحزقیل اور حضرت یوسف کے کردار اور دوسری طرف ہادان پرست کا فخر تھا، جو حضرت یوسف کی جی، بیگیت مصر اور حکام مصر کے کردار ایک دوسرے کے مقابل میں نکلتا ہے اور جس لہجے اور زبان سے سامعی و ناظرین کے سامنے یہ خاموش سوال پیش کرتا ہے کہ دیکھو ایک خوشے کے کردار کو وہ ہیں جو اسلام، یعنی خدا کی ہدایت اور حساب آخرت کے یقین سے پیدا ہوئے ہیں، اور دوسرے خوشے کے کردار وہ ہیں جو کفر و جاہلیت اور دنیا پرستی اور غرور آخرت سے بے نیازی کے سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوئے ہیں۔ اب تم خود اپنے غیر سے پوچھو کہ وہ ان میں سے کس خوشے کو پسند کرتا ہے۔

پھر اس قصے سے قرآن حکیم ایک اور گہری حقیقت بھی انسان کے ذہن نشین کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہر حال پر لاہر کر رہتا ہے۔ انسان اپنی تدبیروں سے کس کے منصوبہ کو روکنے اور بدلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بسا اوقات انسان ایک کام اپنے منصوبے کی خاطر کرتا ہے اور جتنا ہے کہ میں نے شیک نشاںے پر تیر مار دیا مگر تیر میں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے کسی کے ہاتھوں سے وہ کام لے لیا جس کے منصوبے کے خلاف اللہ کے منصوبے کے میں مطابق تھا۔ صرف طبع اسلام کے بھائی جب ان کو کڑیں میں پسینک رہے تھے تو ان کا گمان تھا کہ ہم نے اپنی راہ کے کاٹنے کو ہمیشہ کے لیے بند دیا۔ مگر فی الواقع انہوں نے یوسف کو اس بام عروج کی پہلی سیڑھی پر اپنے ہاتھوں لگا کر اگیا جس پر ان کو پہنچنا پڑا تھا اور اپنی اس حرکت سے انہوں نے خود اپنے لیے اگر کچھ کیا تو یہ کہ یوسف کے بام عروج پر پہنچنے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ عزت کے ساتھ اپنے بھائی کی ملاقات کر سکتے انہیں غلامت اور ساری کے ساتھ ہی بھائی کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ جو یہ مصر کی جوری یوسف کو قید خانہ بھجوا کر اپنے نزدیک قرآن سے انتقام لے رہی تھی مگر فی الواقع اس نے ان کے لیے تخت سلطنت پر پہنچنے کا راستہ صاف کیا اور اپنی اس تدبیر سے خود اپنے لیے اس کے سوا کچھ نہ کیا کہ وقت آنے پر فرمان ملے ملک کی تختہ کمانے کے بجائے اس کو علی الامکان اپنی خیانت کے احترام کی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ یہ شخص دھارستہ راقعات نہیں ہیں بلکہ تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے جس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ جسے ارادہ ہے اٹھاتا ہے، ساری دنیاں کو ہی اس کو نہیں کو سکتی۔ بلکہ دنیا جس تدبیر کو پس کرانے کی نہایت اگر دیر یقینی تدبیر سمجھ کر اختیار کرتی ہے، اللہ ہی تدبیر میں سے اس کے اٹھنے کی صورتیں حاصل ہوتی ہیں جو ان لوگوں کے حصے میں دھائی کے سوا کچھ نہیں آتا جنہوں نے اسے کرنا چاہا تھا۔ اور ہی طرح اس کے ہر شے منوط ہے کہ اسے کوئی تدبیر بحال نہیں سکتی، بلکہ سنبھالنے کی ساری تدبیریں ٹوٹی جاتی ہیں، اور ایسی تدبیریں کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

اس حقیقت حاصل کر لے کہ کوئی سمجھ لے تو اسے پہلا بین تو یہ ہے گا کہ انسان کا اپنے مقاصد اور اپنی تدبیروں میں اتنا محدود ہے کہ وہ نہ کرنا چاہے جو توفیق الہی میں اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں۔ کیا یہ

دن کا بھی قوافل کے ہاتھ میں ہے لیکن جو شخص پاک مقصد کے لیے سیدھی سیدھی جاؤ تدبیر کے گاہ گاہ کا کام بھی بڑا ترہ مال ذلت و رسوائی سے دوچار نہ ہوگا۔ اور جو شخص ناپاک مقصد کے لیے غیر سیدھی تدبیر کرے گا وہ آخرت میں تو قیامت آسا دردناک بھی گردنیاں لگی اس کے لیے رسوائی کا خطرہ کچھ کم نہیں ہے۔ دوسرا اہم مسئلہ رزق علی ہذا ہے اور تعزیریں الی اللہ کا مسئلہ ہے جو لوگ حق اور صداقت کے لیے سچی کر رہے ہیں اللہ دنیا میں شاد چنے پگنی برتی جود اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں تو انہیں اس سے غیر معمولی تسکین حاصل ہوگی اور مخالفت طاقتوں کی بظاہر نہایت خوفناک تدبیروں کو دیکھ کر قطعاً ہراساں نہ ہوں گے بلکہ تسلی کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے اپنا اخلاقی فرض انجام دے چکے ہائیں گے۔

گورنر کے بارے میں جس طرح سے قہر ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرد عوامی اگر حقیقی اسلامی ہوتے دیکھتا ہے اور محنت سے بھی سب پر اب ہر اتوں محض اپنے اخلاق کے زور سے ایک پورے ملک کو رخ کر سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھیے۔ عمارتیں کی عروق تنہا، بے مرد ملان، دینی ملک، اور پھر کردی کی انتہا یہ کہ غلام بنا کر بھیے گئے تھے تاہم ان کے اس دوسری غلامی کی جو حیثیت تھی وہ کسی سے پرشیدہ نہیں۔ اس پر ہنر یہ کہ ایک شدید اخلاقی جرم کا انجام لگا کر انہیں جیل بھیج دیا گیا جس کی بنیاد سزا بھی کافی نہ تھی۔ اس حالت تک گرا دیے جانے کے بعد وہ محض اپنے ایمان اور اخلاق کے لیے لڑا رہے تھے، ان کے لیے اللہ کا تو پورے ملک کو مرکز کر رہے ہیں۔ تاریخی وجہ زانی حالات اس سے کہنے کے لیے ضروری ہے کہ محقر اس کے متعلق کچھ تاریخی وجہ زانی معلومات بھی ناظرین کے پیش نظر دیں:

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت اسحاق کے پوتے اور حضرت ابراہیم کے پوتے تھے۔ بائبل کے بیان کے مطابق جس کی تائید قرآن کے اشاعت سے بھی ہوتی ہے حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے جاریہوں سے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یمن ایک بری سے مصلحتاتی دس دوسری بچہ ہیں۔

عسین میں حضرت یعقوب کی جائے قیام جہون کی عادی میں تھی جہاں حضرت اسحاق علیہ السلام سے پہلے حضرت ابراہیم ہمارے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت یعقوب کی کچھ زمینیں سکیم میں بھی تھی۔

بائبل کے مطابق تحقیق اگر درست مانی جائے تو حضرت یوسف کی پیدائش قبل مسیح کے ایک ہجرت نامے میں ہوئی اور مشرق م کے قریب زمانے میں وہ حاضر پیش آیا جس سے اس شخص کا اپنا ہوتی ہے، یعنی خواب دیکھنا اور پھر کنوئیں میں پھینکا جانا۔ اس وقت حضرت یوسف کی عمر ستر ورس کی تھی۔ جس کنوئیں میں وہ پھینکے گئے وہ بائبل اور تلمود کی روایات کے مطابق برکت کے حامل میں دو ش کے قریب واقع تھا، اور جس قافلے نے انہیں کنوئیں سے نکالا وہ بھلاؤ (شرق لندن) سے آ رہا تھا اور مصر کی طرف حازم تھا۔

مصر میں زمانہ میں پندرہویں قاعدان کی حکومت تھی جو مصری تاریخ میں چودہاں بادشاہوں (Hyksos Kings) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عربی نسل تھے اور عسکین و شام سے مصر جا کر ہزار ہوں قبل مسیح کے گنگ جگ زمانہ میں سلطنت مصر پر قابض ہو گئے تھے۔ عرب مؤرخین اور مصرین قرآن نے ان کے لیے حایق کا نام استعمال کیا ہے جو مصریات کی موجودہ حیثیات سے بیشک مطابقت رکھتا ہے۔ مصر میں یہ لوگ بعضی جگہ اور کی حیثیت رکھتے تھے اور ملک کی خاندانوں کے سب سے بڑے نہیں بلکہ اپنی بادشاہی قائم کرنے کا موقع مل گیا حایقی سبب بڑا کہ ان کی حکومت میں حضرت یوسف کو مروجہ حال کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، ملک کے بہترین ذخیرہ علاقے میں آباد کیے گئے اور ان کو وہاں بڑا اثر و سرور حاصل ہوا کیونکہ وہ ان غیر ملکی حکمرانوں کے ہم جنس تھے۔ پندرہویں صدی قبل مسیح کے اوائل تک یہ لوگ مصر پر قابض رہے اور ان کے زمانے میں ملک کا سارا اقتدار عسکین و شام کے ہاتھ میں رہا۔ اسی دور کی طرف سمرامندہ کو ۴۴ کے آغاز میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اِنْ جَعَلْ خَيْكُمۡ اٰنۡبَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مَّوَدَّۃً اِسۡمٰی کے بعد ملک میں ایک زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے پکڑتوس اقتدار کا تختہ الٹ دیا۔ کٹانی لاکھ کی تعداد میں حماقہ ملک سے نکال دیے گئے۔ ایک نہایت متعصب قبیلہ نسل قاعدان پر سر اقتدار آ گیا اور اس نے حماقہ کے زمانے کی یادگاروں کو جہن جہن کر شادیا اور بنی اسرائیل پر ان مظالم کا سلسلہ شروع کیا جن کو ذکر حضرت موسیٰ کے قصے میں آتا ہے۔

مصری تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان چودہاں بادشاہوں نے مصری دیوتاؤں کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دیوتا شام سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ مصر میں ان کا مذہب رائج ہو جائے اور یہ کہ قرآن مجید حضرت یوسف کے ہم عصر بادشاہ کو "فرعون" کے نام سے یاد نہیں کرتا کیونکہ "فرعون" مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ مصری مذہب کے قائل نہ تھے۔ لیکن بائبل میں غلطی سے اس کو "فرعون" ہی کا نام دیا گیا ہے۔ شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ "فرعون" ہی تھے۔

موجودہ زمانہ کے محققین، جنہوں نے بائبل اور مصری تاریخ کا مقابل کیا ہے، عام رائے یہ رکھتے ہیں کہ چودہاں بادشاہوں میں سے جس فرمانروا کا نام مصری تاریخ میں آپوفیس (Apophis) دیا ہے وہی حضرت یوسف کا ہم عصر تھا۔

مصر کا دارالسلطنت اُس زمانہ میں ممس (مفت) تھا جس کے گھنڈہ قاہرہ کے جنوب میں حمال کے خاستہ رہائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسف ۱۸۱۵ سال کی عمر میں وہاں پہنچے۔ دو تین سال عہد مصر کے گورنر رہے۔ آخر نو سال جیل میں گزار دیے۔ ۲۰ سال کی عمر میں ملک کے فرمانروا ہوئے اور ۷۰ سال تک بلا شرکت غیر سے تمام مملکت مصر پر حکومت کرتے رہے۔ اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال انہوں نے حضرت یعقوب کو اپنے پوتے قاعدان کے ساتھ شیلیمن سے مصر بلا دیا اور اس علاقے میں آباد کیا جو دیر باط اور قاہرہ کے درمیان

نقشہ قصہ یوسف



دو تین دنوں کا سفر تھا۔ اس کے بعد یوسف نے مصر کے بادشاہ کو اپنے بارے میں بتایا۔
بادشاہ نے اس کو بہت سی نعمتیں دیں۔ اس کو ایک عمارت بنوائی۔ اس کو وہاں پر رکھا۔
اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔
اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔
اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔ اس کو وہاں پر رکھا۔

مترجمین نے یہ بھی

واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کا نام جوشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے تک یہ وہی علاقہ
 میں آباد رہا۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت یوسف نے ایک سو سو سال کی عمر میں وفات پائی اور اس کا
 وقت بنی اسرائیل کو وصیت کی کہ جب تم اس ملک سے نکلو تو میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے کر جانا۔
 یوسف علیہ السلام کے ہیکل کی جو تفصیلات بائبل اور تلمود میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا بیان
 بہت کچھ مختلف ہے، مگر حقہ کے اہم اجزاء میں تینوں متفق ہیں۔ ہم اپنے حاشی میں حسب ضرورت ان تفصیلات
 کو خارج کرتے ہوئے ہیں۔

آيَاتُهَا ۱۱۱ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الرَّاقِۃُ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۱ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْۡاٰنًا عَرَبِیًّا
 لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِۃِ بِمَا
 اَوْحَيْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْۡاٰنَ ۳ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِیۡنَ

آل، ر۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا نذر عاصات عاصات بیان کرتی ہے ہم نے اسے نازل
 کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں تاکہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ اے محمد! ہم اس قرآن کو تمہاری
 طرف وحی کر کے بہترین پیرائے میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو (ان چیزوں)

۱۔ قرآن مصدق ہے قرآن پھر اسے۔ اس کے اصل معنی ہیں پڑھنا۔ مصدق کسی چیز کے لیے جب نام کے طور پر استعمال
 کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس شے کے اندر معنی مصدق و درجہ کمال پایا جاتا ہے۔ مثلاً جب کسی شخص کا ہم سارے کھنے
 کے بجائے ہماری کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اندر شجاعت ایسی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے کہ اگر زیادہ اور شجاعت ایک
 چیز میں ہیں اس کتاب کا نام قرآن (پڑھنا) رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ عام و خاص سب کے پڑھنے کے لیے ہے اور بکثرت پڑھی
 جانے والی چیز ہے۔

۲۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کتاب مخصوص طور پر اہل عرب ہی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ بلکہ اس فقرے کے اصل

الْغَفْلِينَ ۚ اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاِخْوَتِهِ يَا بَنِي اِئْتِيْ رَايْتُ اَحَدَ
عَشَرَ كُوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سَاجِدِيْنَ ۚ قَالَ
يَبْنٰى لَكُمْ تَقْصُّصٌ رَّوٰىكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكْبَهُ اُولٰٓئِكَ كَيْدًا
مِّنْ اَمْرِ اَكْبَرٍ ۚ

سے) تم بالکل ہی بے خبر تھے۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب یوسف نے اپنے باپے کہا "ابا جان! میں نے خواب دیکھا ہے
کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ جواب میں اس کے
باپنے کہا: بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنا تا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے۔"

تدعا یہ کہ ہے کہ اسے اہل عرب تھیں یہ باتیں کسی یونانی یا ایرانی زبان میں تو نہیں سنائی جاسکتی ہیں، قصاری اپنی زبان میں ہیں، لہذا
تم ذوقِ فطرتی کو رکھ کر کہتے ہو کہ باتیں تو ہماری ہی ہیں نہیں، آہیں اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کتاب میں امانہ کے دو پہلو ہیں، جاس کے کام
اپنی برسر کی شادیت دیتے ہیں، وہ قصاری نگاہوں سے پوشیدہ نہ جائیں۔

بعض لوگ قرآن مجید میں اس طرح کے فقرے دیکھ کر اعتراض پیش کرتے ہیں کہ یہ کتاب قرآنی ہے، فی الواقع عرب کے
پہلے نازل نہیں کی گئی ہے، پھر اسے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کیے گا جاسکتا ہے، لیکن یہ من ایک سرسری ملاحظہ ہے جو
حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیے بغیر ہو رہا جاتا ہے۔ انسانوں کی مام ہدایت کے لیے جو چیز بھی پیش کی جائے گی وہ ہر حال انسانی ناپائیدار
میں سے کسی ایک زمانہ میں ہی پیش کی جائے گی، وہ اس کے پیش کی جائے گی کہ کوشش ہی ہوگی کہ پہلے وہ اس قوم کو اپنی تعلیم سے
بلندی طرح متاثر کرے جس کی زبان میں وہ اسے پیش کر رہا ہے، پھر دوسری قوم کو ملے گا اس تعلیم کے پھیلنے کا وسیلہ بنے۔
یہی ایک فطری طریقہ ہے کسی دعوت و تحریک کے میں الاقوامی پھیلائے پر پہنچنے کا۔

۱۱ سورہ کے دیباچے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفار مکہ میں سے جن لوگوں نے اُمتِ حضرت علیٰ السلام کا متعلق
پہننے کے لیے، بلکہ اپنے نزدیک آپ کا بھرم کھولنے کے لیے، غالباً یہودیوں کے مشابہ ہو کر آپ کے سامنے اچانک یہ سوال
پیش کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے معرینے کا کیا سبب ہوا۔ اسی بنا پر ان کے جواب میں تاریخ بنی اسرائیل کا یہ باب پیش کرنے سے
پہلے تفسیر یہ فقرہ ارشاد ہوا ہے کہ اسے محمد! تم ان معانی سے بے خبر تھے، حال میں یہ ہم ہیں جو وہی کے ذریعے سے تمہیں ان کا بھرم
دے رہے ہیں۔ بلکہ اس فقرے میں خطاب بنی علیٰ السلام سے ہے، لیکن اصل میں دوسرے جن ان مخالفین کی طرف ہے جن کو
تفسیر یہ تھا کہ آپ کو وہی کے ذریعے سے علم حاصل ہوتا ہے۔

۱۲ اس سے مراد حضرت یوسف کے وہ دس بھائی ہیں جو دوسری ماؤں سے تھے۔ حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ

إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَلِكَ
يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ
مِنْ قَبْلُ لِنُرَاهُمُ وَارِثِيكَ ۖ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

ہوشیار رہنا کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔ اور ایسا ہی ہوگا (جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے کہ)
تیرا رب تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہ کو پہنچا سکے گا اور تیرے
اوپر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت اسی طرح بوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے ہزرگوں، ابراہیم
اور اسحاق پر کر چکا ہے، یقیناً تیرا رب علیم اور حکیم ہے۔ ۷

یہ مرتبہ بھائی یوسف سے حذر رکھتے ہیں اور اخلاق کے لحاظ سے بھی ایسے صالح نہیں ہیں کہ اپنا مطلب کاٹنے کے لیے کوئی
ناور کا رشتہائی کو جس میں انھیں کوئی تامل ہو، اس لیے انھوں نے اپنے محلے بیٹے کو تنہا فرما دیا کہ ان سے ہوشیار رہنا۔ خواب
کا صاف مطلب یہ تھا کہ سورج سے مراد حضرت یعقوب، چاند سے مراد ان کی بیوی (حضرت یوسف کی سوتیلی والدہ) اور گیارہ
ستاروں سے مراد گیارہ بھائی ہیں۔

۵ یعنی نجات دھارے کا

۶ "تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ" کا مطلب صنفِ تعبیر خواب کا علم نہیں ہے جیسا کہ گمان کیا گیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ تجھے معاملہ فیہ اور حقیقتِ حقیقی کی تعلیم دے گا اور وہ بعیرتِ تجھ کو دھارے گا جس سے تو ہر معاملہ کی گمراہی میں افسوس
اس کی تہ کو پہنچنے کے قابل ہو جائے گا۔

۷ بائبل اور تلمود کا بیان قرآن کے اس بیان سے مختلف ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے خواب میں کہ
بیٹے کو خوب ڈانٹا اور کہا، اچھا اب تو یہ خواب دیکھنے لگا ہے کہ میں امدنیری ماں اور تیرے سب بھائی تجھے جہدہ کو لے گئے لیکن
فراموش کرنے سے آسانی یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حضرت یعقوب کی پیڑائے میرت سے قرآن کا بیان زیادہ مناسبت رکھتا ہے
کہ بائبل اور تلمود کا حضرت یوسف نے خواب بیان کیا تھا۔ نوٹی اپنی تمنا اور خواہش میں بیان کی تھی خواب اگر سچا تھا، اور ظہر
ہے کہ حضرت یعقوب نے اس کی جو تعبیر کرائی وہ سچا خواب ہی تھ کہ کھانا تھی، تو اس کے صاف معنی یہ تھے کہ یوسف علیہ السلام کی
خواہش میں تھی بلکہ تقدیر الہی کا فیصلہ تھا کہ ایک وقت ان کو یہ عروج حاصل ہو۔ پھر کیا ایک پیغمبر تو خدا کا ایک مقرر آدمی کا بھی یہ

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلْمُتَسَاءِلِينَ إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ
وَإِخْوُهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْنَا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي
ضَلَالٍ مُبِينٍ ۖ اقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَظْهِرُوا أَرْضَكُمْ تَحِلًّا لَكُمْ

حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ان پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا یہ یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جھٹا ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بالکل ہی بہک گئے ہیں۔ چلو یوسف کو قتل کر دیا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ کام پر ملے کہ ایسی بات پر ہمارے اور خواب دیکھنے والے کو الٹی ڈانٹ پلانے اور کیا کوئی شریف باپ ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنے بیٹے کے آئندہ عروج کی بشارت سن کر خوش ہونے کے بجائے اٹاٹل ٹھن جائے؟

۱۰۔ اس سے مراد حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی ہیں جن سے کئی سال چھوٹے تھے۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوبؑ ان دونوں بچوں کے بچوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس محبت کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی ساری اولاد میں صرف ایک حضرت یوسفؑ ہی ایسے تھے جنہاں کے اندر ان کا آثار و شہد سادات نظر آتے تھے اور حضرت یوسفؑ کا خواب سن کر انھوں نے جو کچھ فرمایا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس بیٹے کی غیر معمولی صلاحیتوں سے خوب واقف تھے۔ دوسری طرف ان دس بڑے صاحبزادوں کی سیرت کا جو حال تھا اس کا اندازہ بھی آگے کے احاطہ سے ہو جاتا ہے۔ پھر کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ ایک نیک انسان ایسی اولاد سے خوش رہ سکے لیکن عجیب بات ہے کہ بدگلی میں بادشاہ یوسفؑ کے حقد کی ایک ایسی وجہ بیان کی گئی ہے جس سے آٹا اڑام حضرت یوسفؑ پر ماند پڑتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ بھائیوں کی چٹیاں ہاتھ کھایا کرتے تھے اس وجہ سے بھائی ان سے نالاظف تھے۔

۱۱۔ اس فقرے کی تفسیر کے لیے ہادیانہ کتابی زندگی کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جہاں کوئی ریاست موجود نہیں ہوتی اور آزاد قبائل ایک دوسرے کے پہلو میں آباد ہوتے ہیں وہاں ایک شخص کی قوت کا سامنا اعضا و اس پر ہوتا ہے کہ اس کے اپنے بیٹے، پوتے، بھائی جیسے بہت سے ہوں جو وقت آنے پر اس کی جان و مال اور آمدنی حفاظت کے لیے اس کا ساتھ دے سکیں۔ ایسے حالات میں عورتوں اور بچوں کی نسبت فطری طور پر آدمی کو وہ جہاں بیٹے زیادہ حوزہ ہوتے ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں کام آسکتے ہوں۔ اسی بنا پر ان بھائیوں نے کہا کہ ہمارے والد بڑے دلچسپ ہیں ٹھیکاً گئے ہیں۔ ہم جہاں بچوں کا جتنا سوچتے ہیں ان کے کام آسکتا ہے، ان کا تعاون نہیں ہے جتنے چھوٹے چھوٹے بچے جہاں کے کسی کام میں آسکتے

وَجْهَ آبَيْكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ
 قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْبُحْبُوبِ
 يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلَالِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا
 مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنُحْشُونَ ۝ أَرْسِلْهُ
 مَعَنَا خَدًّا يَبْرَحَ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَنَحْفُظُونَ ۝ قَالَ

صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے۔ یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن رہتا۔ اس پر ان میں سے ایک مثلاً
 ”یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا تو خدا اسے
 نکال لے جائے گا۔“ اس قرارداد پر انہوں نے جا کر اپنے باپ سے کہا ”ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ
 یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں، بل اسے ہماری ساتھیج
 دیجیے، کچھ چرخک لے گا اور مکمل کو دے بھی دل بہلائے گا۔ ہم اس کی حفاظت کو موجود ہیں۔“ باپ نے کہا

بلکہ اٹھے خود ہی حفاظت کے محتاج ہیں۔

۱۱۔ یہ فقرہ ان لوگوں کے فہیات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے جو اپنے آپ کو کوششاً نفس کے حوالے کر دینے کے
 ساتھ ایمان و ادنیٰ سے بھی کچھ رشتہ جوڑے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی نفس اس سے کسی بڑے کام کا
 تقاضا کرتا ہے تو وہ ایمان کے تقاضوں کو مٹتی کر کے اپنے نفس کا تقاضا دیکھنے لگتا ہے۔ جب خیر و برے چکیاں لیتا ہے
 تو اسے یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ تقاضا کرنا یہ ناگزیر عمل ہے، جس سے ہمارا کام اچھا ہوتا ہے، اگر گنہگار نہ ہوں، پس پھر
 شاد اور ہم تو ان کے ویسے ہی نیک بن جائیں گے، میرا تو کہیں دیکھنا چاہتا ہے۔

۱۲۔ یہ بیان بھی بائبل اور تہذیب کے بیان سے مختلف ہے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ بلعام یوسف اپنے مرضی پھانے
 کے لیے سکیم کی طرف اٹھ کھڑے تھے، امدان کے قریب خود حضرت یسوع نے ان کی تلاش میں حضرت یوسف کو بھیجا تھا۔ مگر
 یہ بات بیجا و تھیں کہ حضرت یسوع نے یوسف کو سلام کے ساتھ ان کے ساتھ مل جانے کے بعد انہیں آپ
 اپنے اہل و عیال کے ساتھ لے کر ان کا بیان ہی زیادہ مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔

إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ، وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ
وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا لَيْنَ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَكُنْ عُصْبًا
لَنَا إِذَا الْخُسِرُونَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ، وَاجْتَمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي
غِيَبَتِ الْحَيِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنْبِتَنَّهُمْ بِأَفْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿۱۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا
إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ

"تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق و گرتا ہے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے کوئی بھیڑیا نہ چھاڑ کھائے
جبکہ تم اس سے غافل ہوتا ہنصوں نے جواب دیا "اگر ہمارے ہوتے اسے بھیڑیے نے کھایا، جبکہ ہم
ایک جتھا ہیں، تب تو ہم بڑے ہی نیکے ہوں گے۔ اس طرح اصرار کر کے جب وہ اسے لے گئے اور
انہوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندسے کنویں میں چھوڑ دیں، تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ "ایک
وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت بتائے گا، یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں۔"
شام کو وہ روتے پیتے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہا "آبا جان! ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے
تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آکر اسے کھا گیا۔"

۱۳ مَن مِّنْهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کے الفاظ کچھ ایسے انداز سے آئے ہیں کہ ان سے تین معنی نکلے ہیں اور تینوں ہی
لگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم یوسف کو یہ تسلی دے رہے تھے وہ اس کے بھائیوں کو کچھ خبر نہ تھی کہ اس پر وحی کی جا رہی
ہے۔ دوسرے یہ کہ تو ایسے حالات میں ہی کی یہ حرکت انہیں بتائے گا جہاں تیرے بھرنے کا انہیں وہم و گمان نہ ہوگا۔
تیسرے یہ کہ آج یہ بے جگہ بوجھے ایک حرکت کر رہے ہیں اور انہیں جانتے کہ آئندہ اس کے نتائج کیا ہونے والے ہیں۔

بائبل اور تلمود اس دوسرے خالی ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسف علیہ السلام کو کوئی تسلی بھیج دی گئی تھی۔
اس کے بجائے تلمود میں بروایت بیان ہوئی ہے وہ ہے کہ جب حضرت یوسف کنویں میں ڈالے گئے تو وہ بہت بلوائے
اور خوب صبح بچ کر انہوں نے بھائیوں سے فریاد کی۔ قرآن کا بیان ہے تو محسوس ہو گا کہ ایک ایسے لوحان کا بیان بروایت ہے

۱۲

وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۸﴾ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصٍ
بِدَايِرٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْ قَالَ فَصْبِرْ جَبَلًا
وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ
فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ قَالَ يَبُشْرَىٰ هَذَا غُلَامٌ
وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ لِّمَا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾ وَتَرَوْهُ

آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔ اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹ
موٹ کا غن لگا کر لے آئے تھے۔ یہ سن کر ان کے باپ نے کہا: "بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے
ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا۔ اچھا، مہر کر دو گا اور بخوبی کر دوں گا، جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اس قدر
ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔"

ادھر ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے ستے کو پانی لانے کے لیے بھیجا، ستے نے جو کنویں میں
ڈول ڈالا تو یوسف کو دیکھ کر پکار اٹھا "بارک ہو، یہاں تو ایک لڑکا ہے۔" ان لوگوں نے اس کو
مال تجارت سمجھ کر پھاپایا حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے خدا اس سے باخبر تھا۔ آخر کار انھوں نے اس کو
آگے بل کر سزا انسانی کی عظیم ترین شہنشاہیوں میں شمار ہونے والا ہے۔ تلمذ کو چاہیے وہ کچھ ایسا نقشہ سامنے آئے گا کہ عمر میں چند
ہو ایک دن کے کنویں میں پھینک دیے ہیں اور وہ وہی کچھ کر رہا ہے جو ہر لڑکا ایسے واقف کرے گا۔

۱۸۔ حق میں صبور جلیل کے الفاظ ہیں جن کا لفظ "جبر" اچھا صبر ہو سکتا ہے۔ اس سے مراد ایسا صبر ہے جس میں
شکایت نہ ہو، فریاد نہ ہو، جھجکاؤ نہ ہو، غم نہ ہو، غصہ نہ ہو، دل سے اس معصیت کو برداشت کیا جائے جو ایک عالمی حرکت انسان پر پڑی ہو۔
۱۹۔ بائبل اٹھ تھوہاں حضرت یسوع کے تارکائے نقشہ بھی لکھا گیا کہ یسوع ہی جو کسی سرنما باپ کے کچھ بھی مختلف
زمین ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب یسوع نے اپنا پیر بن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمرے لیٹا اور بہت دھن دنگ اپنے بیٹے
کے لیے ماتہ تار بنا۔ اور تلمذ کا بیان ہے کہ "یسوع بیٹے کا قیام جانتے ہی اندر سے منور ہیں پھر گئے اور وہ تک ہے جن
حرکت چارہ، پیراؤں کے دھڑے دھڑے جیسا کہ ان پر میرے بیٹے ہی کا قبضہ ہے اور وہ سالہا سال تک یوسف کا ماتہ
کنارا ہے: اس نقشے میں حضرت یسوع ہی کے تارکے نکلتے ہیں جو یہ باب ایسے موقع پر کرے گا۔ لیکن قرآن جو نقشہ پیش

يٰۤاَيُّهَا بَنِيۤسَيِّدٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَّكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ
وَقَالَ الَّذِيۤ اشْتَرٰهُ مِنْۢ مُّصْرَ لَا مِرَاتٍۭ اَكْرَمٰى مَثْوٰى عَسٰى

تھوڑی سی قیمت پر چند درہم کے عوض بیچ ڈالا اور وہ اس کی قیمت کے معاملہ میں کچھ زیادہ
کے امیدوار نہ تھے۔

مصر میں شخص نے اسے خرید لیا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو اچھی طرح رکھنا، بعد نہیں کہ

کر رہا ہے اس سے ہمارے سامنے ایک ایسے فخریٰ آدمی انسان کی تصویر آتی ہے جو کمال درجہ پر بار و باد تازہ ہے، اتنی بڑی فخریہ تصویر
سوکھنے والے کا قہار نہیں کہتا، اپنی فراست سے معاملہ کی ٹھیک ٹھیک ذمیت کو بھانپ جاتا ہے کہ یہ ایک بنوئی بات
ہے جو ان حامد میں نے بنا کر پیش کی ہے اور پھر مالی فحش انسان کی طرح ممبر کرتا ہے اور غلامی پر دسرتا ہے۔

۵۔ اس معاملہ کی سادہ محنت یہ معلوم ہوتی ہے کہ براہِ علم یوسف حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینک کر چلے گئے تھے، بعد
میں تعلقہ والوں نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔ مگر بائبل کا بیان ہے کہ براہِ علم یوسف نے بعد میں اسماعیلیوں کے
ایک قافلے کو دیکھا اور پھر ان کو یوسف کو کنوئیں سے نکال کر ان کے ہاتھ بیچ دیں، لیکن اس سے پہلے ہی ان کے سردار کا نہیں کنوئیں سے
نکال چکے تھے۔ ان سرداروں نے حضرت یوسف کو بیچ دیں اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر ان کے محل کو بائبل کے مصنفین پر
بھول جاتے ہیں کہ وہ اسماعیلیوں کے ہاتھ حضرت یوسف کو فروخت کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ اسماعیلیوں کے بجائے مصریوں ہی
کے سرداروں سے مصر میں انہیں دوبارہ فروخت کراتے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۳۰، آیت ۲۰ تا ۲۴ و آیت ۲۶)۔
اس کے برعکس تو وہ کہتے ہیں کہ کنوئیں کے سرداروں نے یوسف کو کنوئیں سے نکال کر اپنا غلام بنالیا۔ پھر براہِ علم یوسف نے حضرت
یوسف کو ان کے قبضہ میں دیکھ کر ان سے جھگڑا کیا۔ آخر کار انہوں نے ۲۰ درہم قیمت ادا کر کے براہِ علم یوسف کو راضی کیا پھر انہیں
نیکوئی دہم میں یوسف کو اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ دیا اور اسماعیلیوں نے مصر لے جاکر انہیں فروخت کیا۔ یہیں سے مسئلہ انہیں
عدایت مشہور ہوئی ہے کہ براہِ علم یوسف نے حضرت یوسف کو فروخت کیا تھا۔ لیکن حجاج نے بتایا ہے کہ قرآن اس عدایت کی
تائید نہیں کرتا۔

۶۔ بائبل میں اس شخص کا نام فریٹار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے جملہ کراہیہ عربیہ کے قصب یا د کرتا ہے اور مصر ایک
دوسرے موقع پر ہی لقب حضرت یوسف کے لیے بھی استعمال کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مصر میں کوئی بہت بڑا شخص
یا صاحبِ منصب تھا۔ مگر عربیہ کے معنی ایسے ہوتا ہے کہ جس کی مزاحمت نہ کی جا سکتی ہو۔ بائبل اور تلمود کا بیان ہے
کہ وہ شاہی طر مادل (شاہی گارڈ) کا افسر تھا، اور اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نصیحت کرتے ہیں کہ وہ شاہی خزانے
افسرتا۔

أَنْ يَتَفَعَّنَا أَوْ تَخْذَهُ وَلَكِنَّكَ مَكْتَلٌ مُوسَفٌ فِي الْأَرْضِ
وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ

یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے اس سرزمین میں قدم جانے کی صورت نکالی اور اسے معاملہ فیہی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے

۱۷ تلود میں اس حدیث کا نام زلیخا (Zelicha) لکھا ہے اور یس سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور رہا۔ مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ ہمدیں اس حدیث سے حضرت یوسف کا تعلق تھا اس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی حدیث سے تعلق کرے جس کی بدولت اس کو فانی قرہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ تادمہ کلیر میں بتایا گیا ہے کہ اَلْغَيْثُ نَشْرٌ مِّنْ غَيْثٍ نَّيِّفٍ وَنَحْنُ نَقُوتُهُمْ فَلْيَنْقِضُوا وَابْتِغَايَتِهِمْ وَابْتِغَايَتِهِمْ وَابْتِغَايَتِهِمْ وَابْتِغَايَتِهِمْ۔ مری حدیث میں اُسے اُن کے لیے ہیں اور اُسے مری حدیث کے لیے۔ اور پاک حدیث میں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک حدیث کے لیے۔

۱۸ تلود کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر ۸۰ سال کی تھی اور فریخا دان کی شاندار شخصیت کو دیکھ کر ہی سہو گیا تھا کہ یہ لاکھ غلام نہیں ہے بلکہ کسی بڑے شریف خاندان کا بچہ جو راجا ہے جسے حالات کی گردش بیان کیجیے لائی ہے چنانچہ جب وہ انھیں خرید رہا تھا اسی وقت اس نے سودا گروں سے کہہ دیا تھا کہ یہ غلام تو نہیں معلوم ہوتا، مجھے شہرہ ہوتا ہے کہ شاید تم اسے کیسے پہچانتے ہو۔ اسی بنا پر فریخا نے ان سے غلاموں کا سا رہنا نہیں کیا بلکہ انھیں اپنے گھر اور اپنی کل اہلک کا مقرر کر دیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ اس نے اپنا سب کچھ یوسف کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور ساروٹی کے جسے وہ کھاتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا پریش نہ تھا۔ (پہلا کث ۳۹-۶)

۱۹ حضرت یوسف کی تربیت اس وقت تک صحرا میں نیم خانہ بدوشی اور گدہ ہانی کے احوال میں ہوئی تھی۔ کنعان اور شامی عرب کے علاقے میں اس وقت نہ کوئی منظم دیانت تھی اور نہ تمدن و تہذیب نے کوئی بڑی ترقی کی تھی۔ کچھ آبادی تو تھا لیکن جو دنیا وقتاً بہرت کرتے دہکتے تھے، اور بعض قبائل نے نعمت ملاقاتوں میں مستقل سکونت اختیار کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی بنائی تھیں۔ ان لوگوں کا حال مصر کے پہلیس قریب قریب وہی تھا جو ہماری شمال مغربی سرحد پر آؤد علاقہ کے پشمان قبائل کا ہے۔ یہاں حضرت یوسف کو جو تعلیم و تربیت ملی تھی اس میں بدویانہ زندگی کے خاص اور غارزادہ ابراہیمی کی خلہا پرستی و دیوتاہی کے عناصر ضرور شامل تھے، مگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے سب سے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک یعنی مصر میں اُن سے جو کام لینا چاہتا تھا، اور اس کے لیے جس واقعیت جس تجربے اور جس بصیرت کی ضرورت تھی اس کے نشوونما کو کوئی مرقع بدوی نہ دے گی میں نہ تھا۔ اس نے اپنی قدرت کا طرے سے یہ انتظام فرمایا کہ انھیں مملکت مصر کے ایک بڑے عمدہ علاقے میں پہنچا دیا اور اس نے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ
 حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۲﴾ وَوَدَّعْتُهُ الَّتِي هُوَ
 فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَخَلَقْتَ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ
 مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّ رُبِّي أَحْسَنُ مَلَكًا إِنَّهُ لَا يَقُولُ لِلظَّالِمِينَ وَلَقَدْ هَمَمْتُ ﴿۳۳﴾

مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کہ پہنچا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا۔ اس طرح ہم نیک لوگوں کو جزا دیتے ہیں۔

جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈور سے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازے بند کر کے بولی ”آجا“۔ یوسف نے کہا ”خدا کی پناہ، میرے رب نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی (ادب میں یہ کام کروں!) ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔“ وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی

ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر انھیں اپنے گھروں یا اپنی جاگیر کا متبادل بنا دیا۔ اس طرح یہ موقع پیدا ہو گیا کہ ان کی وہ تمام تالیفیں پوری طرح نشو و نما پا سکیں جو اب تک بروئے کار نہیں آئی تھیں اور انھیں ایک چھوٹی جاگیر کے انتظام سے وہ تجربہ حاصل ہو جائے جو آئندہ ایک بڑی سلطنت کا نظم و نسق چلانے کے لیے درکار تھا۔ اسی ضمن کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔
 ﴿۳۴﴾ قرآن کی زبان میں ان الفاظ سے مراد باعمر ”نہت عطا کرنا“ ہوتا ہے۔ یہ حکم کے معنی قوت فیصلہ کے بھی ہیں اور اقتدار کے بھی ہیں۔ اشد کی طرف سے کسی بندے کو حکم عطا کیے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اشد تعالیٰ نے اسے انسانی زندگی کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت بھی عطا کی اور اختیارات بھی تفویض فرمائے۔ رہا ”علم“ تو اس سے مراد وہ خاص علم حقیقت ہے جو انبیاء کو وحی کے ذریعہ سے براہ راست دیا جاتا ہے۔

﴿۳۵﴾ عام طور پر مفسرین اور مترجمین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ”میرے رب“ کا لفظ حضرت یوسف نے اس شخص کے لیے استعمال کیا ہے جس کی عزت میں وہ اس وقت تھے۔ حدان کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرے آگے تو مجھے ایسی اچھی طرح دیکھا ہے، پھر میں یہ شک حرام کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کی بھئی سے رونا کروں۔ لیکن مجھے اس ترجمہ و تفسیر سے سخت انصاف ہے۔ اگرچہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ غلط فہمی کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ عربی میں لفظ و ب ”آگے“ کے معنی میں استعمال جرتا ہے، لیکن یہ بات ایک نئی کی شان سے بہت گری ہوئی ہے کہ وہ ایک گاہ سے بازر ہے میں اشد تعالیٰ کے بجائے کسی بندے کا لٹا کرے۔ اور قرآن

هَمْ بِهَا لَوْ كَا أَنْ زَا بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ
وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۳﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ

اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ایسا ہوتا، تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر سکیں
وہ حقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ آخر کار یوسف اور وہ آگے پیچھے دروازے کی طرف بھاگے

میں اس کی کوئی نظیر بھی موجود نہیں ہے کہ کسی نبی نے خدا کے سوا کسی اللہ کو پناہ کہا ہو۔ آگے چل کر غلامی سرحد میں ہم دیکھتے ہیں کہ
سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے اور مصریوں کے مسلک کا یہ فرق بار بار واضح فرماتے ہیں کہ ان کا لب و لہجہ اور مصریوں نے
ہندوں کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ پھر جب آیت کے الفاظ میں یہ مطلب لینے کی بھی گنجائش موجود ہے کہ حضرت یوسف نے رُجی کر کراؤ
کی ذات مراد لی ہو، تو کیا وہ ہے کہ ہم ایک ایسے معنی کو اختیار کریں جس میں ہر بھانجیتا کا پہلو نکلتا ہے۔

۲۲۔ برہان کے معنی میں دلیل اور حجت کے۔ رب کی برہان سے مراد خدا کی بُھائی ہوئی وہ دلیں ہیں جس کی بنا پر حضرت
یوسف کے ضمیر نے ان کے نفس کو اس بات کا قائل کیا کہ اس حدیث کی دعوت ہمیش قبول کرنا چھوڑنا نہیں ہے۔ اور وہ دلیل
حق کی یا! اسے پچھلے قوسے میں بیان کیا جا چکا ہے، یعنی یہ کہ میرے رب نے تو مجھے یہ منزلت بخشی اور میں ایسا بڑا کام کروں، ایسے
ظالموں کو کبھی نفع نصیب نہیں ہوا کرتی۔ یہی وہ برہان حق تھا جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اس فرخندہ حیاتی کے عالم میں ایسے
تازہ و ترغ پرصیت سے باز رکھا کہ پھر یہ جو فرمایا کہ یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ تو اس سے
صحت انبیاء کی حقیقت پر بھی روشنی پڑھاتی ہے۔ نبی کی مصیبت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے گناہ اور عیوب و خطا کی قوت
و استعوا مطلب کرنی گئی ہے حتیٰ کہ گناہ کا معدوم اس کے مکان ہی میں نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی اگرچہ گناہ کرنے
کا وہ بہت تازہ ہے لیکن بشریت کی تمام صفات سے نقصان ہونے کے باوجود، اور جملہ انسانی جذبات، احساسات اور خواہشات رکھتے
ہوئے بھی وہ ایسا نیک نفس اور خدا ترس ہوتا ہے کہ جان و جود کہ کسی گناہ کا تصور نہیں کرتا۔ وہ اپنے ضمیر ہی اپنے سب کا ایسی ایسی
ذہن پرست جہنیں اور لیلیں رکھتا ہے جس کے مقابل میں خواہش نفس کسی کا سیلاب نہیں ہونے ہاتی۔ اور اگر کا دوستی سے کوئی
فخرش سرزد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمادی جلی کے قوریر سے اس کی اصلاح فرما دیتا ہے، کیونکہ اس کی فطرت تنہا ایک شخص کی
فخرش نہیں ہے۔ ایک پوری امت کی فخرش ہے۔ وہ لاوطنیت سے ہال باہر ہٹ جائے تو دنیا گوی جی میں سیسلں عدد
نکل جائے۔

۲۳۔ اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا دلیل سب کو لینا اور گناہ سے بچ جانا ہماری توفیق
و ہدایت سے بڑا کیونکہ ہم اپنے اس منتخب بندے سے بدی اور بے حیائی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوا سکتا
اور یہ زیادہ گہرا مطلب ہے کہ یوسف کے یہ معاملہ چھڑنا یا تو یہ بھی وہ اصل ان کی تربیت کے سلسلہ میں ایک ضروری شرط تھا۔ ان کو

وَقَدَّتْ فَمِصَصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَفْيَا سَيْدَهَا لَدَا الْبَابِ طَقَلَتْ
مَاجِرًا مِمَّنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُثْبِنَ أَوْ عَذَابُ إِلَهِمْ
قَالَ هِيَ رَأَوْدُنِّي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ أَهْلِهَا

اور اس نے پیچھے سے یوسف کا قیص (کھینچ کر) پھاڑ دیا۔ دروازے پر دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا۔ اسے دیکھتے ہی عورت کھنے لگی، کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھر والی پینٹ خراب کرے؟ اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے؟ یوسف نے کہا: یہی مجھے چھاننے کی کوشش کر رہی تھی؟ اس عورت کے اپنے کنبہ الاولاد میں سے ایک شخص نے (قرآن کی شہادت پیش کی

ہی اللہ ہے جانی سے پاک کرنے اور ان کی طاعت نفس کو جذبہ کمال پر پہنچانے کے لیے مصلحت افہمی میں یہ ناگزیر تھا کہ ان کے سامنے صحبت کا ایک ایسا نازک موقع پیش آئے اور اس آناٹاش کے قتلہ لینے اور اسے کی پوری طاقت پر بیڑ مگر وہی وقت توئی کے ہلنے میں ڈال کر اپنے نفس کے بڑے میلانات کو ہمیشہ کے لیے قطع طور شکست دے دیں۔ بصورت کے ساتھ اس مخصوص طریقہ تربیت کے اختیار کرنے کی مصلحت اور صحت اس اخلاقی اصول کو نگاہ میں رکھنے سے باہمی بھروسہ اس وقت کی عصری سرائی میں پایا جاتا تھا۔ آگے رکھ کر ۴ میں اس معاملہ کی جو ایک خلاسی جھلک دکھائی گئی ہے اس سے اتنا مزہ پڑتا ہے کہ اس وقت کے مذہب مصر میں، باوجود انہوں کے دلچسپ لہجے میں، بالخصوص صوفی انداز قریب قریب اسی پیمانے پر قہقہے میں ہم اپنے زمانے کے ہل مغرب اور مغرب زدہ طبقوں کو قافہ "ہا ہے ہیں، محنت پوست کو ایسے بگڑے ہوئے لوگوں میں وہ کہ کام کرنا تھا، اور کام بھی ایک مسلم آدمی کی حیثیت سے میں بلکہ فرمانروائے ملک کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو عورتیں کام ایک عیسائی غلام کے آگے بھی جارہی ہیں، وہ ایک جوان اور خوبصورت فرمانروا کو پہانے اور بچاؤ کے لیے کیا نہ کر گزرتیں۔ اسی کی پیش بندی اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ ایک طرف تعجب و حیرت اور دوسری طرف ناخوشی سے گواہ کہ حضرت یوسف کو پھنسا کر دیا، اور دوسری طرف خود خواتین مصر کو بھی ایسی باتیں کہ سن کر کہیں کہیں قہقہے کا سلسلہ بند کر دیا۔

اس سے سالہ کی محبت ہمیں باقی ہے کہ صاحب خانہ کے ساتھ خود اس عورت کے بھائی بندوں میں سے بھی کوئی شخص، راہ ہوا اور اس نے بغیر کسی کرکما بوجہ کہ جب وہ دونوں ایک دوسرے پر انعام لگاتے ہیں اور طرح کا گواہ کوئی نتیجہ تقریبی شہادت سے اس معاملہ کی ہر تحقیق کی جا سکتی ہے۔ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک خیر عروج تھا جو داؤں بگڑے میں بیٹھا ہوا تھا اور غلے اسے گروائی عطا کر کے اس سے یہ شہادت دلوائی تھی کہ یہ روایت خذو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور اس جہان میں فراہ عزادہ مجھ سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس

إِنْ كَانَ قَيْصُہٗ قَدْ مِّنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ
الْكَذِبِیْنَ ۝۲۱ وَإِنْ كَانَ قَيْصُہٗ قَدْ مِّنْ دُبْرِ فَلَذَّبَتْ وَ
هُوَ مِنَ الصَّٰدِقِیْنَ ۝۲۲ فَلَمَّا رَا قَيْصُہٗ قَدْ مِّنْ دُبْرِ قَالَ إِنَّکَ
مِنْ کَیْدِیْکُمْ إِنَّ کَیْدَکُمْ عَظِیْمٌ ۝۲۳ یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ
ہَذَا سَکْتَ وَاسْتَغْفِرِ لِذَنبِکَ ۝۲۴ إِنَّکَ کُنْتَ مِنَ الْخٰطِیِیْنَ ۝۲۵

۱۱

کہ اگر یوسف کا قیس آگے سے پٹا ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا، اور اگر اس کا قیس پیچھے سے پٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا۔ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قیس پیچھے سے پٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں، واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف! اس معاملے سے درگزر کر۔ اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، تو یہی اصل میں خطا کا واقعی پتہ

شاہد نے قرینے کی جس شہادت کی طرف دلائل ہے وہ سرسراہٹ مقل شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے ایک نظر مسلم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہادیدہ آدمی تھا جو صورت و ملامت سے آگے ہی اس کی تکلیف لگایا۔ یہ بد نہیں کہ وہ کوئی نیک یا بے گناہ ہو۔

۲۵ مطلب یہ ہے کہ اگر یوسف کا قیس ماننے سے پٹا ہو تو یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ اس کا مقام بہت کی جانب سے تھا اور عورت اپنے آپ کو بچانے کے لیے کش کش کر رہی تھی۔ لیکن اگر یوسف کا قیس پیچھے سے پٹا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عورت اس کے پیچھے چڑی ہوئی تھی اور یوسف اس سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ قرینے کی ایک اور شہادت بھی اس شہادت پر گہجی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ اس شاہد نے جو صورت یوسف علیہ السلام کے قیس کی طرف دلائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ عورت کے جسم یا اس کے لباس پر تشدد کی کوئی علامت سرے سے ہوائی نہ جاتی تھی، حالانکہ اگر یہ مقدار اہتمام زنا بالجبر کا ہوتا تو عورت اس کے گلے آٹا دیا ہوتا۔

۲۵ مت تاویل میں اس تفسیر کو جس بوجہ سے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

متبہ اس عورت نے اس کا بیڑا ہنچا کر کہا کہ میرے ماتم بہتر ہو۔ وہ اپنا بیڑا ہنچا کر اس کے ماتم میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا بیڑا ہنچا کر اس کے ماتم میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو چاکاں سے کہا کہ دیکھو وہ ایک عورت کو کم سے غارت کرنے کے لیے ہمارے پاس لے گیا

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ
 قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرِيهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۱﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ
 بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَأَتَتْ

شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی
 ہے، محبت نے اس کو بے قابو کر رکھا ہے، ہمارے نزدیک تو وہ مرتج غلطی کر رہی ہے۔ اس نے جو
 اُن کی یہ مکارانہ باتیں سنی تو ان کو ملاوٹ بیچ دیا اور ان کے لیے ٹیکہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں

ہے۔ یہ مجھے ہم بہتر جوتے کو اندھ گھس کر دیا اور میں بند آمان سے چلتا ہوں۔ جب اس نے دیکھا کہ میں زور
 زور سے چلا رہی ہوں تو بنا پر بلا میں میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ اور وہ اس کا پیرا بن اس کے
 آٹا کے گھر لٹنے لگا۔ اپنے پاس رکے دی جب اس کے آٹا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں سنی تو اس نے
 اس سے کہیں میں اس کو تیرے غلام نے مجھے ایسا دیا کیا تو اس کا غضب بھر پور اور برف کے آٹا نے اُن
 نے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا (پیدائش ۲۹: ۱۲-۲۰)

غلام اس عجیب و غریب رعایت کا یہ ہے کہ حضرت یوسف کے جسم پر لباس کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ سوز پانے اس پر ہاتھ
 ڈالنا اور دھردھ پورا لباس خود بخود اتر کر اس کے ہاتھ میں آگیا! پھر ظہیر ہے کہ حضرت یوسف وہ لباس اس کے پاس چھوڑ کر
 یوسفی بہنہ بھاگ نکلے اور ان کا لباس (یعنی ان کے قصور کا ناقابل کھنڈ ثبوت) اس عدوت کے پاس ہی رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت
 یوسف کے کرم جوتے میں آٹا کو کنٹک کر سکتا تھا۔

یہ قرعہ بائبل کی رعایت مذہبی تسمود تو اس کا بیان ہے کہ ذہنی غارت نے جب اپنی بیوی سے یہ شکایت مبنی تو اس نے صرف
 کو خوب بٹرایا، پھر ان کے غلام رعایت میں مستغاثہ ڈال کر کیا اور حکام رعایت نے حضرت یوسف کے قیاس کا ہانڈ لے کر لیدر کیا
 کو قصور عدوت کا ہے، کیونکہ قیاس پیچھے سے چٹا ہے و ذکر گئے سے۔ لیکن یہ بات ہر صاحب عقل آدمی سمجھنے سے خود و
 تامل سے آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی رعایت تسمود کی رعایت سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ آٹا کس طرح سے باور کر لیا جائے کہ
 ایسا بڑا ایک ذی وجاہت آدمی اپنی بیوی پر اپنے غلام کی دست دہانہ کا معاملہ خود رعایت میں لے گیا ہرگز۔

یہ ایک نمایاں ترین مثال ہے قرآن میں اسرائیلی رعایت کے فرق کی جس سے صرف مستشرقین کے اس الزام کی لغزرت
 صاف واضح ہو جاتی ہے کہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔ یہ ہے کہ قرآن نے تو ان کے قصور
 کی چند اصل رعایت دیکھا کرتا ہے۔

كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَيِّئًا وَقَالَتْ اخْرِجْ عَلَيَّهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْتَهُ
اَلْكَذِبَةَ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ
هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱ قَالَتْ فَاذِلْكُنَّ الَّذِي لَتَمَتَّيْنِيْ فِيْهِ
وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَٰكِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا
اُمِرٌۭ لَّيْسَ بِنَجَسٍ وَلَٰكِنَّ الضُّعَفٰى ۝۳۲ قَالَ رَبِّ

ہر ایک کے آگے ایک ایک چھری رکھ دی۔ (پھر میں اس وقت جبکہ وہ پہل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں) اس نے یوسف کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے بھل آ۔ جب ان عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں "ماشاء اللہ، یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، عزیز کی بیوی نے کہا ہو دیکھ لیا یہ ہے وہ شخص جس کے معاملہ میں تم مجھ پر باتیں بناتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے رجوعانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا۔ اگر یہ میرا کتنا زمانے کا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔ یوسف نے کہا "اے میرے رب!

۱۲۷ یعنی یہی مجلس جس میں ماؤں کے بچے کھینچے گئے تھے، مصر کے آثار قدیمہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی قبروں میں کبیروں کا استعمال بہت ہوتا تھا۔

۱۲۸ بائبل میں اس خیانت کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ تلمود میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر وہ قرآن سے بہت مختلف ہے۔ قرآن کے بیان میں جو زندگی، جو روح، جو عظمت اللہ جو اخلاقیات پائی جاتی ہے، اس سے تلمود کا بیان بالکل خالی ہے۔

۱۲۹ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس وقت مصر کے اپنے جنسوں کی اخلاقیات کیا تھیں۔ ظاہر ہے کہ عورت کی بیچا نے جن عورتوں کو بچایا ہو گا وہ اس درجہ سار اور بڑے عمدہ خاندانوں کے گھر کی بیگیاں تھیں ہوں گی۔ بن ماری مرتبہ عورتیں کے سامنے وہ اپنے محبوب زہراں کو پیش کرتی ہے اور اس کی خوبصورت جوانی دکھا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ ایسے جہاں دنیا میں مرد بیٹھے تو آخر خدا کیا کرتی۔ پھر وہ بڑے گھوٹ کی ہوشیاں خود بھی اپنے عمل سے گزرا یا اس امر کی تصدیق فرماتی ہیں کہ واقعی ان میں سے ہر ایک ایسے حالات میں بھی کچھ کرتی جو یکم عورت نے کیا۔ پھر خیریت عورتیں کی اس بھری مجلس میں معزز زمیندان کو گناہ اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے کوئی خرم محسوس نہیں ہوتی کہ اگر اس کا خوبصورت غلام اس کی خواہش نفس کا کھانا بنے

التَّجَنُّنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۚ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ ۚ وَأَكُنُّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۷﴾

قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہیوں گا۔

ہر ماضی نہ ہوا تو وہ اسے چل بھرا دے گی۔ یہ سب کچھ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یروپ اور امریکہ اعلان کے مشرقی عقلمند آج عورتوں کی جن آزادیوں سے بالی کر میروپی صدی کی ترقیات کا کثر شہرہ ہے ہیں وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بہت پرانی چیز ہے۔ دنیا میں سے سیکڑوں برس پہلے مصر میں یہی مشاں کے ساتھ پائی جاتی تھی جیسی آج اس "مدن زمانے" میں پائی جا رہی ہے۔

۳۷ یہ آیات ہمارے سامنے ان حالات کا ایک عجیب نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اس وقت حضرت یوسف مبتلا تھے۔

انیس میں سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تمدنی ادب بھری جوانی لیے ہوئے آیا ہے۔ غریبی، جلا وطنی اور جبری غلامی کے مہل کے گھرنے کے بعد قسمت اسے دنیا کی سب سے بڑی تمدن سلطنت کے پایہ تخت میں ایک بڑے رئیس کے ہاں لے آئی ہے۔ یہاں پہلے تو وہ اس گھر کی سلیم ہی اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب و روز کا سابقہ ہے۔

پھر اس کے شہنشاہ کا ہر جاہل سے حال سلطنت میں پھلتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی خدمت میں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف بیکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے چمانے کے لیے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر طرح کی تدبیریں اس کے جذبات کو بھرکانے اور اس کے زہد کو توڑنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ جدھر جاتا ہے وہی دیکھتا ہے کہ گناہ اپنی مادی خوشنائیوں اور دلچسپیوں کے ساتھ دوزخ کا کھلے اس کا منظر کھڑا ہے۔ کوئی تو غم کے مواقع خود بخود ملتا ہے

مگر یہاں خود مواقع اس کو ڈھونڈنے ہیں اور اس ناک میں گئے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی اس کے دل میں برائی کی طرف ادنی میلان پیدا ہو وہ فوراً اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ رقت دن کے چہرے میں گھنٹے وہ اس خطرے میں بسر کر رہا ہے کہ کسی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ادا سے کی بندش میں کچھ ڈھیل آ جائے تو وہ گناہ کے ان بے شمار دوزخوں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے جو اس کے انتظار میں کھلے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطان کی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ پہلے خود کچھ کم قابل قریب نہیں ہے۔ مگر مضبوط نفس کے اس حیرت انگیز کمال پر عرفان نفس اور طاعت فکر کا مزید کمال یہ ہے کہ اس پہلی سے اس کے دل میں کبھی یہ شک نہ خیال نہیں آتا کہ وہ اسے میں کبھی مضبوط ہے میری ہیبت کا یہی ایسی

عینیں نور جہان عورتیں میری گردید ہیں اور پھر بھی میرے قدم نہیں پھٹتے۔ اس کے بجائے وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور مضامین عاجزی کے ساتھ خدا سے مدد کی التجا کرتا ہے کہ اسے سب میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل بوتہا کمال ان کے لیے بہت ہے ترغیبات کا مقابلہ کر سوں، تو مجھے سہارا دے اور مجھے بچا، لڑتا ہوں کہ میں میری سب سے کمزور

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُمْ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۶﴾
ثُمَّ يَدَا إِلَهُهُم مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيَسْجُنَنَّ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۷﴾

اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی ہالیں اس سے دفع کر دیں، بے شک یہی ہے جو سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

پھر ان لوگوں کو یہ سوجھی کہ ایک مدت کے لیے اسے قید کر دیں مالا لنگہ وہ اس کی پاکدامنی اور خود اپنی عورتوں کے بُرے اطوار کی (صریح) نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ ع۔

۳۶ — درحقیقت یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اخلاقی تربیت کا اہم ترین اور نازک ترین مرحلہ تھا۔ دیانت، امانت، صحت، حق شناسی، راست روی، انضباط اور توازن فہمی کی غیر معمولی صفات جو اب تک ان کے اندر چھپی ہوئی تھیں اور جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے، وہ سب کی سب اس شدید آزمائش کے قدر میں ابھر آئیں، پھر اسے اندر کے ساتھ کام کرنے لگیں اور انہیں خود بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے اندر کون کون سی قوتیں چھپی ہوئی ہیں، اور وہ ان سے کیا کام لے سکتے ہیں۔

۳۷ — یہ واقعہ تو کتنا ہی سنی میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی سیرت صالحہ کو ایسی مضبوطی بخش دی تھی جس کے مقابل میں ان عورتوں کی سادی تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ نیز اس سنی میں بھی ہے کہ شہیتہ اٹھی نے جیل کا دروازہ ان کے لیے کھلادیا۔

۳۸ — اس طرح حضرت یوسف کا قید میں ڈالا جانا درحقیقت ان کی اخلاقی نفع اور صبر کے پورے ہفتہ افراد و حکام کی اخلاقی شکست کا اتمام و طعن تھا۔ اب حضرت یوسف کوئی غیر معروف اور گناہ آدمی نہ رہے تھے۔ سارے ملک میں، ہر ایک کو عام مداخلت میں تو عام وقاص سب ان سے واقف ہو چکے تھے۔ جس شخص کی دفتر بے شخصیت ہو چکی ہو، اکثر و بیشتر ٹپے گھراؤں کی خواہشیں فریفتہ ہوں، اور جس کے قہر و دغا و رجز سے اپنے گھر جڑتے دیکھ کر صبر کے حکام نے اپنی غیرت اسی میں دیکھی ہو کہ اسے قید کر دیں، ظاہر ہے کہ ایسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا تھا، یقیناً گھر گھر اس کا ہر چار پھیل گیا ہو گا۔ عام طور پر لوگ اس بات سے بھی واقف ہو گئے ہوں گے کہ یہ شخص کیسے بلند اور مضبوط اور پاکیزہ اخلاق کا انسان ہے، اور یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ اس شخص کو جیل اپنے کسی جرم پر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ صبر کے افراد اپنی عورتوں کو قتل میں رکھنے کے بجائے اس سے مل کر کھیل بیچ دینا زیادہ آسان پاتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شر و افساد کے مطابق حالات میں جرم ثابت کئے بغیر اس پر کوئی پکڑ نہیں لگائی جاتی۔ یہ ایمان عکسوں کی پابندی سنت ہے۔ اس معاملہ میں بھی آج کے شہدائین پادشاہ زار بر سر پلے کے انکشاف سے کچھ مزید یاد رکھیں نہیں ہیں۔ فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ وہ جمہوریت کا نام نہیں لیتے تھے اور یہ اپنے ان کڑوؤں کے ساتھ یہی نام بھی لیتے ہیں۔ وہ قانون کے بغیر اپنی غیر قانونی حرکتیں کیا کرتے تھے، اور یہ ہر تار و دھاڑی کے لیے پہلے ایک قانون بنا لیتے ہیں۔ وہ صاف صاف

وَدَخَلَ مَعَهُ السَّبْعَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي لَرَأِيٍّ أَحْمَرُ
خَصْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَأِيٍّ أَجْمَلُ فَوَقَّ رَأْيِي خُبْرًا تَأْكُلُ
الظِّيمَ مِنْهُ يَبْتِئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَأْتِيكَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ

قید خانہ میں دو غلام اور بھی اس کے ساتھ داخل ہوئے ایک روزان میں سے ایک نے
اس سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شرب کشید کر رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں
دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں۔ دونوں نے کہا ہمیں اس کی
تفسیر بتائیے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں۔ یوسف نے کہا:

اپنی افزائش کے لیے لوگوں پر دست دمازی کرتے تھے اور یہ سب پر اتار دیتے تھے اس کے متعلق دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے
ہیں کہ اس سے ان کو نہیں بلکہ ایک اور قوم کو خطرہ تھا۔ غرض وہ صرت ظالم تھے۔ یہ اس کے ساتھ جھوٹے اور بے جا بھی ہیں۔
۳۱ تا ۳۲ قایما اس وقت جبکہ حضرت یوسف قید کیے گئے ان کی عمر میں انیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ تلمود میں
بیان کیا گیا ہے کہ قید خانے سے محبت کہ جب وہ مصر کے فرمانروا ہوئے تو ان کی عمر میں سال تھی بلکہ قرآن کہتا ہے کہ قید خانے میں
وہ ہضم سنہین یعنی کئی سال رہے۔ متبع کا اطلاق عربی زبان میں دس تک کے عدد کے لیے ہوتا ہے۔

۳۲ یہ دو غلام جو قید خانہ میں حضرت یوسف کے ساتھ داخل ہوئے تھے ان کے متعلق بائبل کی روایت ہے کہ ان
میں سے ایک شاہ مصر کے ساتر کا سردار تھا اور دوسرا شاہی تان بانجوں کا تفریح گروہ کا بیان ہے کہ ان دونوں کو شاہ مصر نے
اس تصور پر جیل بھیجا تھا کہ ایک وجوہ کے موقع پر دو ٹوٹریں کچھ کر کر ہٹ پائی گئی تھی اور شراب کے ایک گلاس میں
ملک بھل آئی تھی!

۳۳ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قید خانے میں حضرت یوسف کس جگہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اور چونکہ واقعات
کا ذکر کر چکا ہے ان کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات قابلِ توجہ نہیں رہتی کہ ان دو قیدیوں نے آخر حضرت یوسف ہی سے آگرا پنپے
خواہ کی تفسیر کیوں ہو چھی اور ان کی خدمت میں بذریعہ قدرت کیوں پیش کی کہ اُنَا تَرٰكَ مِنْ اَخَوَسِيْنَ جِل کے اندر اور باہر
سب رنگ جانتے تھے کہ شخص کوئی مجرم نہیں ہے بلکہ ایک نہایت نیک فاض آدمی ہے، بہت ترین آزمائشوں میں اپنی پرہیزگاری
کا ثبوت دے چکا ہے، آج پورے ملک میں اس سے زیادہ نیک انسان کوئی نہیں ہے حتیٰ کہ ملک کے مذہبی پیشواؤں میں بھی
اس کی نظیر مفقود ہے۔ یہی وجوہ تھی کہ نہ صرف قیدی ان کو حیدت کی جگہ سے دیکھتے تھے بلکہ قید خانے کے حکام اور اہل کار تک اس کے
مستند ہو گئے تھے چنانچہ بائبل میں ہے کہ قید خانے کے دارو نہ نے سب قیدیوں کو جو قیدی تھے یوسف کے ماتر پر رہنا

لَا يَأْتِيَنَّكَمَا طَعَامُ رِزْقِنَا إِلَّا لِنَبَأِ كُفْرِكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ
يَأْتِيَنَّكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا
يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ
آبَائِي ابْرَهِيمَ وَاسْحَقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۹﴾ يَصْحَابِ الْجَنَّةِ مَا زِيَاجُ
مُتَقَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴۰﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ
دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

”یہاں جو مکانات ہیں، ان کے نام اس کے لئے سے پہلے میں نہیں ان خواہوں کی تعبیر تھا رسول کا۔
یہ علم ان ظلم میں سے ہے جو میرے رہنے کے خلاف ہیں۔ مگر یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ
چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور ان کو کفر کا کار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسحاق، اور
یعقوب کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کچھ شریک شریائیں۔ حقیقت
یہ اللہ کا فضل ہے جو ہم پر اللہ تمام اللہوں کے لئے اپنے سوا کسی کا بندہ نہیں بنایا اگر اکثر
لوگ شکر نہیں کرتے۔ اسے اللہوں کے ساتھ جو حق خودی اور کبروت سے متعلق رہ بہتر نہیں یاؤ
ایک اللہ سب پر غالب ہے، اس کو جو بزرگ تم میں کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں
کریں چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے اس کے لیے کوئی نند

اور جو کچھ وہ کرتے اس کے حکم سے کرتے تھے، اور قید خانے کا دار و فرسب کا لوں کی طرف سے جو اس کے ساتھ تھے بے کوفتہ

(پیدا نش: ۳۹: ۲۲، ۲۳)

مَنْ سُلْطٰنٌ اِنْ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمْرًا لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ
 الدِّیْنُ الْقَیْمُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ یٰصَاحِبِی
 السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُكُمَا فِیْ سِقْرِ رَبِّكَ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فِیْ صُلْبٍ
 فَاَكْلُ الطَّیْرِ مِنْ رَاسِهِ قُضِيَ اَلْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیْنَ ﴿۶﴾

نازل نہیں کی۔ فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود
 اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیکہ سیدھا طریقی زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں
 ہیں۔ اے زنداں کے ساقیو! تمہارے خواب کی تعبیر ہے کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب
 (شاہ مصر) کو شرب پلانے گا، ربا دوسرا تو سے سو لی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا
 سر توغ زنج کر کھائیں گے۔ فیصلہ ہو گیا اس بات کا جو تم پر پھر رہے تھے۔

۳۳۳ یہ تقریر جہاں پہلے تھے کی جان ہے اور خود قرآن میں بھی توبہ کی بہترین تقریر میں سے ہے بائبل اور تلمود میں
 اس کی طرف ادنیٰ اشارہ تک نہیں ہے۔ یہ حضرت یوسف کا بعض ایک دانشوروں پر میر گارادی کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ مگر قرآن
 صرف یہی نہیں کہ ان کی سیرت کے بہن پہلوؤں کو بھی بائبل اور تلمود کی نسبت بہت زیادہ روشن کر کے پیش کرتا ہے، بلکہ اس کے
 علاوہ وہ ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت یوسف اپنا ایک پیغام بھیج دینے رکھتے تھے اور اس کی دعوت و تبلیغ کا کام انھوں نے قیغنازی
 میں شروع کر دیا تھا۔

یہ تقریر یہیں نہیں ہے کہ اس پہلے جو سرسری طور پر گزر چکا ہے اس کے متعدد پہلو ایسے ہیں جن پر خود وہ خود نوک کرنے
 کی ضرورت ہے :

(۱) یہ پہلا مقام ہے جبکہ حضرت یوسف ہم کو دین حق کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کا داستان حیات کے
 جہاں اباب قرآن نے پیش کیے ہیں ان میں صرف اطفال کا فضل کی مختلف خبر حیات مختلف مرحلوں پر ابھرتی رہی ہیں مگر تبلیغ کا کوئی
 نشانہ ان میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے مواصلات میں تباہی اور زحمت کے تھے فوت کا کام دیا اب اس پر غافل
 کے سرے میں ان کے پروردگار کیلئے اور نبی کی حیثیت سے یہ ان کی پہلی تقریر وصیت ہے۔

(۲) یہ بھی پہلا ہی موقع ہے کہ انھوں نے لوگوں کے سامنے اپنی اہلیت کا برکی۔ اس سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت

صہود شو کے ساتھ ہر اس حالت کو قبول کرتے رہے جو ان کی پیش آتی جب قافلے والوں نے ان کو بیکار غلام بنا یا جب وہ مصر لائے گئے، جب انھیں عزیز صحرے کاہ فرود گئی، جب انھیں محل بھیجا گیا، ان میں سے کسی موقع پر بھی انھوں نے پیسے نہیں تمایا کہ میں ابراہیم واسحاق کیسا اسلام کا پوتا اور مقرب علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ ان کے باپ دادا کوئی غیر معروف لوگ نہ تھے۔ قافلے والے غلام اہل دین ہوں یا اسرائیلی، دونوں ان کے خاندان سے قریبی حق رکھنے والے ہی تھے۔ اہل مصر بھی کم از کم حضرت ابراہیم سے قربا و حق نہ تھے۔ بلکہ حضرت یوسف جس انعام سے نلن کا اور حضرت مقرب اور اسحاق کا ذکر کر رہے ہیں اس سے اعزاز ہوتا ہے کہ تینوں بزرگوں کی شہرت مصر میں پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت یوسف نے کبھی باپ دادا کا نام نہ لیا۔ پتے آپ کہ ان حالات سے نکالنے کی کوشش نہ کی جن میں وہ پچھلے چار یا پانچ سال کے دوران میں مبتلا ہوئے رہے۔ غالباً وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اگر خداتعالیٰ جو کچھ انھیں بنانا چاہتا ہے اس کے لیے ان کا ان حالات سے گزرنے ہی ضروری ہے۔ مگر اب اس سے جس طرح اپنی روح و تبلیغ کی خاطر اس حقیقت سے پردہ مٹا دیا کہ میں کوئی نیا اور زلالا دیں پیش نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرا حق دعوتِ توحید کی اس عالمگیر تحریک سے ہے جس کے سر ابراہیم واسحاق اور مقرب علیہم السلام ہیں۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ داعی حق کبھی اس دھوکے کے ساتھ نہیں اٹھاتا کہ وہ ایک نئی بات پیش کر رہا ہے جو اس سے پہلے کسی کو نہ سمجھی تھی، بلکہ پیسے قدم ہی پر بات کھول دیتا ہے کہ میں اس ازلی وابدی حقیقت کی طرف بلاتا ہوں جو ہمیشہ سے تمام اہل حق پیش کرتے رہے ہیں۔

(۳) پھر حضرت یوسف نے جس طرح اپنی تبلیغ کے لیے موقع نکالا اس میں ہم کو حکمت تبلیغ کا ایک اہم سبق ملتا ہے۔ وہ آدمی اپنا خطاب بیان کرتے ہیں اور اپنی حقیقتِ مندی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی تبصرہ پہنچتے ہیں جو اب میں آپ فرماتے ہیں کہ تبصرہ تو میں تمھیں مزدربتاؤں کا کر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا ماخذ کیا ہے جس کی بنا پر میں تمھیں قہر دیتا ہوں۔ اس طرح ان کی بات میں سے اپنی بات کہنے کا موقع نکال کر آپ ان کے سامنے پناہ دیں پہنچ کر نا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی اراغ کسی شخص کے دل میں اگر تبلیغ حق کی دھن سمائی ہوئی ہو۔ وہ مکت بھی رکھتا ہو تو کیسی ضرورتی کے ساتھ وہ گفتگو کا رخ اپنی دعوت کی طرف پھیر سکتا ہے۔ جسے دعوت کی دھن کی جوتی نہیں ہوتی اس کے سامنے تو موقع پر واقع آتے ہیں اور وہ کبھی محسوس نہیں کرتا کہ یہ موقع ہے اپنی بات کہنے کا۔ مگر وہ جسے دھن کی جوتی ہوئی ہے وہ موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے اور اسے ہاتھ ہی اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اب بہت فرق ہے حکیم کی موقع ستاسی میں اور اس نادان مبلغ کی جھوٹی تبلیغ میں جو رت و عمل کا محالہ کیے بغیر لوگوں کے کانوں میں زبردستی اپنی دعوت ٹھونسے کی کوشش کرتا ہے اور پھر پیر میں اور جھگڑاؤں سے انھیں اٹا متفرک کے چھوڑتا ہے۔

(۴) اس سے یہ بھی سلام کیا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دعوتِ دین پیش کرنے کا صحیح ذریعہ کیا ہے۔ حضرت یوسف چھوٹے ہی دین کے تقابلی احوال اور خوبو ابط میں نہ صرف شروع نہیں کر دیتے بلکہ ان کے سامنے دین کے اس نقطہ آغاز کو پیش کرتے ہیں جہاں سے دلیل حق کا راستہ اہل باطل کے راستے سے جدا ہوتا ہے، یعنی توحید اور مشرک کافروں پر اس فرق کو وہ ایسے متقول طریقے سے واضح کرتے ہیں کہ عقل عام رکھنے والا کوئی شخص اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خصوصیت کے ساتھ جو لوگ اس وقت ان کے مخاطب تھے ان کے دل و دماغ میں تفریق کی طرح یہ بات اتر گئی ہوگی، لیکن وہ توکر پیشہ غلام تھے اور اپنے دل کی گمراہیوں اور اس بات کو خوب محسوس کر سکتے تھے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بت سے آقاؤں کا اور اس سے جہان کے آقا کی

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ
فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٢٢﴾

پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے رب (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے رب (شاہ مصر) سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور یوسف کئی سال قید خانے میں رہا۔

بندگی بڑے بے بندوں کی بندگی، پھر وہ یہی نہیں کہنے کی بنا دین چھوڑا اور سرے دین میں آجاء، بلکہ ایک عجیب غریب افراد میں ان سے کہتے ہیں کہ یہ کبھی اٹھا کر کتابت داخل ہے کہ اس نے اپنے سوا ہم کو کسی کا بندہ نہیں بنایا مگر وہ اس کا حکم دین نہیں کہنے اور وہ عوام و خواہ مخواہ گھر گھر کا اپنے رب جانتے اور ان کی بندگی کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ظالموں کے دین پر تکیہ بھی کرتے ہیں، مگر نہایت مغروریت کے ساتھ اور دلی آزاری کے ہر شانے کے بغیر، لیکن یہاں کہنے پر اکتا کرتے ہیں کہ یہ سب جو دین میں سے کسی کو تم قہقہہ دانا کہی کہ خداوند نعمت، کسی کو مالک زمین اور کسی کو رب عدلت یا حق و برکت و مروت و فیرو کہتے ہو یہ سب خالی غولی نام ہی ہیں، ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقی مالک مالک و خداوندی اور اکیلت و بربریت سرور نہیں ہے۔ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے تم بھی کائنات کا خالق و مدبّر کہتے ہو۔ اور اس نے ان میں سے کسی کے لیے بھی خداوندی اور عبودیت کی کوئی سند نہیں بتا دی ہے۔ اس نے تو فرما دیا کہ تم میرے حقوق اور امتیازات اپنے ہی لیے محروم رکھو میں اور اس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

(۱۵) اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف نے قید خانے کی زندگی کے یہ آٹھ دس سال کس طرح گزارے۔ لوگ جھٹکتے ہیں کہ قرآن میں جو لوگ ان کے ایک ہی دن کا ذکر ہے اس لیے انہوں نے صرف ایک ہی دفعہ دعوت دین کے لیے زبان کھولی تھی۔ مگر اہل قرآن ایک چیز کے متعلق یہ گمان کرنا ہی سخت بدگمانی ہے کہ وہ اپنے اہل کام سے غافل ہو جا کر جس شخص کی تبلیغ دین کا یہ حال تھا کہ دعا دلی تیر غراب پر چھتے ہیں اور وہ اس طرح سے نادمہ اٹھا کر دین کی تبلیغ شروع کر دیتا ہے اس کے متعلق کہیے گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے قید خانے کے یہ چند سال خاموش ہی گزار دیے ہوں گے۔

۲۵ اس مقام کی تفسیر میں مفسرین نے یہ کی ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اپنے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کی یاد سے قائل کر دیا اور انہوں نے ایک بندے سے کہا کہ وہ اپنے رب (یعنی شاہ مصر) سے ان کا تذکرہ کرے کہ ان کی رہائی کی کوشش کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ وہ کئی سال تک جلی میں پڑے رہے۔ درحقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے، جیسے یہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر اور مفسرین میں سے علامہ ابن جریر اسحاق و غیرہ نے کہا ہے کہ قاضی اللہ تعالیٰ نے ذکر وہ کہ انہیں اس شخص کی طرف پھرتی ہے جس کے متعلق حضرت یوسف کا گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے، اصل اس وقت کے معنی یہ ہیں کہ شیطان نے اسے اپنے آقا سے حضرت یوسف کا ذکر کرنا اور اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَبْسُوتُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفُنِي
فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّمْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ
وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَّا مِنَهَا
وَأَذْكُرُ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أَنْتُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٣٣﴾

ایک روز بادشاہ نے کہا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات
دُبی گائیں کھا رہی ہیں، اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔ اسے اہل دہباز
مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔" لوگوں نے کہا "یہ تو پریشان خوابوں کی
باتیں ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔"

ان دو قیدیوں میں سے جو شخص بچ گیا تھا، اُسے ایک مدت دراز کے بعد اب بات
یاد آئی اور اس نے کہا "میں آپ حضرات کو اس کی تاویل بتاتا ہوں، مجھے ذرا وقت ملنے میں
یوسف کے پاس ایجنج دیجیے۔"

یوسف علیہ السلام نے وہ بات مذکور کی ہوئی چوائسوں نے کئی روز قید میں کئی سال فرماتے رہتے۔ لیکن کارہاں میں کچھ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث
چھ طرحوں سے روایت کی گئی ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ بعض طریقوں سے یہ فرما دعات کی گئی ہے اور ان میں یوسف بن دیکھ اور دیکھا
بن یہ راوی ہیں۔ یہ دونوں ناقابل اعتبار ہیں۔ اور بعض طریقوں سے یہ فرماتے دعات ہوئی ہے اور ایسے معاصرت میں مصلحت کا اعتبار
نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ روایت کے اعتبار سے بھی یہ بات یاد کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ایک ظالم شخص کا اپنی مائی کے لیے
ذمہ داری نہ کرنا جسے غفلت اور توکل کے فقدان کی دلیل قرار دیا گیا ہو۔

۳۶۔ چھ سال کی قید کا زمانہ قید کا حال چھوڑ کر اب سرکش تریاں اس مقام سے بڑھا جاتا ہے جہاں سے حضرت
یوسف کا ذمہ داری شروع ہوئی۔

۳۷۔ تاویل اور تلموذ کا بیان ہے کہ جن فراموشی سے بادشاہت پریشان ہو گیا تھا اور اس نے سلطان نام کے وزیر سے
اپنے ملک کے تمام ماضی مندوں، کامیابوں، مذہبی مشیخوں، اور جادو گروں کو جمع کر کے ان سے ایک ماہ کے لیے سوال پوچھا۔

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعٍ سُتُوبَاتٍ خُضِرَ وَأُخْرِي بُيُوتٌ
لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ
سِنِينَ دَابَأَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَوْهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا لِمَا تَاكُلُونَ ﴿۴۷﴾
ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
إِلَّا قَلِيلًا لِمَا تَخْضَنُونَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ

اس نے جا کر کہا "یوسف! اے سراپا راستی! مجھے اس خواب کا مطلب بتا کہ سات موٹی گائیں
ہیں جن کو سات دُبی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی۔ شاید کہ میں اُن لوگوں
کے پاس واپس جاؤں اور شاید کہ وہ جان نہیں۔ یوسف نے کہانات برس تک لگاتار تم لوگ
کھیتی باڑی کرتے رہو گے۔ اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو اُن میں سے بس تھوڑا سا حصہ جو
تمہاری خوراک کے کام آئے، بچا لو اور باقی کو اس کی بالوں ہی میں دھنے دو۔ پھر سات برس بہت
سخت آئیں گے۔ اُس زمانے میں وہ سب غلہ کھا یا جائے گا جو تم اُس وقت کے لیے جمع کرو گے۔
اگر کچھ بچے گا تو بس دیو تم نے محفوظ کر رکھا ہو۔ اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں

۴۵ قرآن نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ بائبل اور تلمود سے اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے اور تیس بھی کہتا ہے کہ یوسف
ایسا جبراً ہو گا کہ سرور رسانی نے یوسف علیہ السلام کے حالات بادشاہ سے بیان کیے، بائبل میں اس کے خواب اس کے ساتھی کے کھانا
کی جیسی بیچ بیتی انہوں نے دی تھی اس کا ذکر بھی کیا اور کہا کریں اس سے اس کی تاویل پوچھ کر تاہم اس نے یوسف علیہ السلام سے اس کے
ابہارت عطا کی جائے۔

۴۶ میں میں "صدق" استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں سچائی اور امتیازی کے انتہائی مرتبے کے لیے استعمال
ہوتا ہے۔ اس سے اظہار کیا جاسکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی صورت پاک ہے کیسا گمراہ
اثر یا قصاصہ یا ایک وقت دماغ زکریا کے بعد بھی کتنا راجح تھا۔ صدیق کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیے۔

۲۱۲

يَعَاكَ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتِنِي بِهِ
فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ

ہاراں رحمت سے لوگوں کی فریادیں کی جانے لگی اور وہ رُس بخیر میں آئے۔

بادشاہ نے کہا اے میرے پاس لاؤ۔ مگر جب شاہی فرستادہ یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا ”اپنے رب کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ

نکلتا ہے یہی آپ کی قدر و منزلت جان میں اور ان کو احساس ہو کہ کس پاء کے آدمی کی نظروں نے کہاں بند کر رکھا ہے اور اس طرح مجھے اپنے اس وعدے کے ایفاء کا موقع مل جائے گا جس نے آپ سے قید کے زمانہ میں کیا تھا۔

۲۹ میں لفظ ”یَعْصِرُونَ“ استعمال ہوا ہے جس کے فعلی معنی ”پھونڈنے“ کے ہیں۔ اس سے متعہ دہاں مصر سبزی و شادابی کی وہ کیفیت بیان کرنا ہے جو قطع کے بعد باہاں رحمت اور دیار کے میل کے چرھاؤ سے رونما ہونے والی تھی۔ جب زمین میرا بروتی ہے قتل دینے والے بیج اور رس دینے والے پھل اور میرے خوب پیدا ہوتے ہیں، اور خوشی بھی چارہ اچھا بننے کی وجہ سے خوب دودھ دینے لگتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تفسیر میں صرف بادشاہ کے خواب کا مطلب بتانے ہی کا اکتفا کیا، بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ غرضالی کے اجتماعی مسات برسوں میں آنے والے قحط کے لیے کیا پیش بندی کی جائے اور غلہ کو محفوظ رکھنے کا کیا تدبیر است کیا جائے۔ چہرہ پر براں آپسے قطع کے بعد اچھے دن آنے کی خوشخبری بھی دے دی جس کا ذکر بادشاہ کے خواب میں نہ تھا۔

۳۰ یہاں سے لے کر بادشاہ کی وفات تک جو کچھ قرآن نے بیان کیا ہے — جس قصے کا ایک جز ہی اہم باب ہے — اس کا کوئی ذکر بائبل اور تلمود میں نہیں ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ بادشاہ کی طبیعت حضرت یوسفؑ فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئی، حمایت بخائی، پکڑے ہوئے اور دھار میں جا حاضر ہوئے۔ تلمود اس سے بھی زیادہ گھٹیا صورت میں اس واقعے کو پیش کرتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسفؑ کو میرے حضور پیش کرو، اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ دیکھو کیا کوئی کام نہ کرنا کہ وہاں گھر اچھے اور صحیح تعبیر دے سکے چنانچہ شاہی کارندوں نے یوسفؑ کو قید خانے سے نکالا، حمایت بخائی، پکڑے ہوئے اور دھار میں لاکھیں کر دیا۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ دواں زرد جاہر کی چمک حکم اور دواں شاد دیکھ کر بہت ہلکا ہوا گیا اور اس کی آنکھیں خیر ہو گئیں۔ شاہی تخت کی مسات میز میاں تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی صورت آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ میز میاں چڑھ کر ہر جانا اور بادشاہ سے ہم کلام ہوتا تھا۔ اور جب مادی طبقہ کا کوئی آدمی شاہی محل کے لیے بلایا جاتا تو وہ نیچے کھڑا ہوتا اور بادشاہ تیسری میز میاں تک اتر کر اس سے بات کرتا۔ یوسفؑ اس قاعدے کے مطابق نیچے کھڑا ہوا اور زمین بوس ہو کر اس نے بادشاہ کو سلامی دی۔ اور بادشاہ نے تیسری میز میاں تک اتر کر اس سے گفتگو کی۔ اس تصویر میں

النَّسْوَةَ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ
 قَالَ مَا خَطْبُكُمْ اِذَا رَاوَدْتُنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ

ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب قرآن کی نگاہ سے واقف ہی ہے۔ میں پرہیزگار
 نے ان عورتوں سے دریافت کیا تھا اور کیا تجویز ہے اس وقت کا جب تم نے یوسف کو بھانسنے کی کوشش کی تھی؟

یہ سوال نے اپنے جلیل القدر پیر کو ہنسا کر پیش کیا ہے اس کو گناہ میں رکھے اور پھر دیکھے کہ قرآن ان کے قیاس سے کتنے دور بادشاہ
 سے لے کر کاؤتھ کے شان اور کس اس بات کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہر صاحب فکر کا اپنا کام ہے کہ کن حدوں تصویریں
 میں سے کوئی تصویر پیش کرے مرتبے سے زیادہ مناسب دکھتی ہے۔ علامہ بریل یہ بات بھی عقلی عام کو کھینچتی ہے کہ اگر بادشاہ کی
 طاقت کے وقت تک حضرت یوسف کی حیثیت اتنی ہی گری ہوئی تھی جتنی تکر کے بیان سے معلوم ہوتی ہے تو خواب کی تعبیر سستی
 یا یکسان کو قائم سلطنت کا اختار کی کیسے بنا دیا گیا۔ ایک مذهب و متن کا کس میں اساتذہ مرقہ قرآنی کی کسی وقت کا کرتب ہے جب
 کہ وہ اپنی اخلاقی و ذہنی برتری کا سرور کو گلوں پر بٹھا چکا ہو۔ یہی عقل کی رو سے بھی بائبل اور تورات کی بہ نسبت قرآن ہی کا بیان ان زیادہ
 مطابق حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

۴۳ میں جہاں تک میرے رب کا معاملہ ہے اس کو پہلے ہی میری بے گناہی کا حال معلوم ہے مگر تمہارے رب کو
 بھی میری رہائی سے پہلے اس معاملہ کی پوری طرح تحقیق کرنی چاہیے جس کی بنا پر مجھے جیل میں ڈالا گیا تھا کہ میری کسی شبہ اور کسی گناہی
 کا باعث ہے مجھے قتل کے سامنے نہیں آنا چاہتا۔ مجھے رہا کرنا ہے تو پہلے میرا نام بہت نامت جہاں چاہیے کہیں بے قصور تھا۔ بائبل قصور وار
 تصاری سلطنت کے کارفرما اور کارپرداز تھے جنہوں نے اپنی یگیات کی بلا طعاری کا خمیازہ میری پاک دماغی پر ڈالا۔

اس معاملے کو حضرت یوسف جن الفاظ میں پیش کرتے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ معز میں بڑے اقدار
 سے پہلے ہی واقف تھا جو بلیم حوزہ کی رحمت کے موقع پر پیش آیا تھا۔ بلکہ وہ ایسا مشہور واقعہ تھا کہ اس کی طرف صوف ایک
 اشارہ ہی کافی تھا۔

پھر اس مطالبہ میں حضرت یوسف حوزہ معز کی بڑی کچھ ذکر رحمت ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کے ذکر کا نشانہ فرماتے ہیں۔ یہ
 ان کی انتہائی شرافت نفس کا ایک اور ثبوت ہے۔ اس عدلت نے ان کے ساتھ خواہ کتنی ہی ہوائی کی ہو مگر پھر بھی اس کا ثبوت ان کا
 حسن تھا اس لیے انھوں نے نہ چاہا کہ اس کے ہموس پر خود کوئی رحمت آئیں۔

۴۴ مگر ہے کہ شاہی جیل میں ان تمام خاتون کو جمع کر کے یہ شہادت لی گئی جو اہل عرب میں ممکن ہے کہ بادشاہ نے کسی متحد
 خاص کو بھیج کر فرما فرمایا اس سے دریافت کرایا ہو۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۖ فَكَانَتْ اَمْرًاۙ
 الْعَزِيزِ الَّذِي حَصَّ الْحَقَّ اَنَّا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهٖ ۚ وَاِنَّهٗ
 لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخْنِهٖ

سب سے ایک زبان ہو کر کہا، ہمارا خدا جانتا ہے ہم نے تو اس میں ہدی کا شائبہ تک نہ پایا۔ عزیز کی یہی اہل انبی
 اب حق کھل چکا ہے، وہ ہمیں ہی قحی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی، بے شک وہ باطل
 سچا ہے۔

(یوسف نے کہا) اس سے میری غرض یہ تھی کہ مومن (یہ جان لے کہ میں نے دہرہ وہ اس کی خیانت

۵۴) خدا نوازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان شہادتوں نے کس طرح آٹھ فرماں پہلے کے احکامات کو تازہ کر دیا ہو گا کس طرح حضرت
 یوسف کی شخصیت زمانہ قدسی کی طویل مکی سے نکل کر یکایک پھر مصر پہنچی ہو گی، اور کس طرح مصر کے تمام اثرات، مصرین، حرمیں اور
 عام ملک میں آپ کا مطلق و تدار قائم ہو گیا ہو گا۔ اور یا قبل اور بعد کے حوالے سے یہ بات گز رہی ہے کہ بادشاہ نے اعلان عام کر کے
 تمام مملکت کے باشندوں اور علماء اور بیروں کو جمع کیا تھا اور وہ سب اس کے خواب کا مطلب بیان کرنے سے عاجز ہو چکے تھے۔ اس کے
 بعد حضرت یوسف نے اس کا مطلب بتایا۔ اس واقعہ کی بناء پہلے ہی سے سامعے ملک کی نگاہیں آپ کی ذات پر مرکوز ہو چکی ہوں گی۔ پھر
 جب بادشاہ کی مجلس پر آپ نے باہر نکلنے سے انکار کیا ہو گا تو سامعے ملک اپنے میں پہنچے ہوں گے کہ یوسف کا بندہ و مولا انسان ہے جس کو
 آٹھ فرس کی قید کے بعد بادشاہ وقت ہر ماں ہو کر رہا ہے اور پھر وہ جیاب ہو کر دوڑ نہیں پاتا پھر جب لوگوں کو معلوم ہوا ہو گا کہ
 یوسف نے اپنی لائق قبل کرنے اور بادشاہ وقت کی طاقت کو آنے کے لیے کیا شرط پیش کی ہے تو سب کی نگاہیں اس حقیقت کے نتیجے
 پر لگ گئی ہوں گی۔ اور جب لوگوں نے اس کا تجربہ سنا ہو گا تو ملک کا پھر پھر عرض میں کرتا رہ گیا ہو گا کہ کس قدر باکمزوریت کا ہے یہ انسان
 جس کی طاعت نفس پر آج وہی لوگ گواہی دے رہے ہیں جنہوں نے لڑائی کر لی تھی اور لڑائی میں شکست کھائی تھی اس صورت حال پر اگر غور کیا جائے
 تو بھی غور کھیں کہ میں آج آج ہاں ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کے ہاں وہی پر پہنچنے کے لیے کس طرح ضامنا لگا رہی ہو گی۔ اس کے بعد یہ بات
 کہ بھی قابل توجہ ہیں، یعنی کہ حضرت یوسف نے بادشاہ سے ملاقات کے موقع پر غزائیں اور ان کی ہمدردی کا معاملہ کیسے ہے دھڑک بٹھا کر دیا
 اور بادشاہ نے اسے کہیں بے قابل قبول کر لیا۔ اگر بات صرف یہی قدر ہو کر چل کے ایک قیدی نے بادشاہ کے ایک خواب کی تفسیر
 بتادی تھی تو ظاہر ہے کہ اس بعد زیادہ سے زیادہ کسی مقام کا اور غلامی یا جانے کا سن ہو سکتا تھا۔ اتنی ہی بات اس کے لیے تو کافی
 نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ بادشاہ سے کہے "غزائیں اور ان میرے حوالہ کر" اور بادشاہ کہہ دے "یہی ہے، سب کچھ حاضر ہے۔"

۵۵) بات قابل حضرت یوسف نے اس وقت ہو کر جب قید خانہ میں آپ حقیقتات کے نیچے کی خبر دی ہو گی۔

الْبَصَرِ

بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِبِينَ ﴿٥٠﴾
وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي
لَئِنْ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ انْتَوَيْتُمْ إِلَيَّ اسْتَخْلَصَ لِنَفْسِي

نہیں کی تھی، اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چاروں کواشتہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا میں کچھ اپنے
نفس کی بات نہیں کر رہا ہوں نفس تو بدی پر کسا تا ہی ہے اللہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو،
بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔

بادشاہ نے کہا: "انہیں میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کو اپنے لیے مخصوص کر لوں۔"

بعض مفسرین میں سے ابی تمیمہ و راہب کثیر جیسے مفسرین شامل ہیں، اس فقرے کو حضرت یوسفؑ کا نہیں بلکہ عزیز کی بیوی کے قول کا
ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ یہ فقرہ امّۃ العزیز کے قول سے متصل آیا ہے اور یہاں میں کوئی فقہاء ایسا نہیں ہے جس
پر ہمارے کرائے کو لائق کہوں اَلْقَادِرِ قَبِيضٍ پر امّۃ العزیز کی بات ختم ہو گئی اور یہ کلام حضرت یوسفؑ کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ کہتے
ہیں کہ اگر دو آدمیوں کے قول ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں اور اس امر کی مراعت نہ ہو کہ یہ قول قائل کا ہے اور یہ قائل کا تو اس
صحت میں کوئی شک نہیں رہتا یا رہنا چاہیے جس سے دونوں کے کلام میں فرق کیا جائے گا اور یہاں ایسا کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔
اس لیے ہی انا پڑے گا کہ اَلْحَقُّ حَصْحَصَ الْحَقُّ سے کہ ان میں سے کسی خاص و حید تک پر کلام امّۃ العزیز کا ہی ہے۔
لیکن بچے تعجب ہے کہ اب تمیمہ جیسے دقیقہ رس آدمی تک کی نگاہ سے یہ بات کیسے چھوڑ گئی کہ شان کلام بچائے خود ایک بہت بڑا
قرینہ ہے جس کے ہوتے کسی اور قرینہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پہلا فقرہ تو بجا شہداء امّۃ العزیز کے منہ پر چلتا ہے، اگر کیا دوسرا فقرہ بھی
اس کی حیثیت کے مطابق نظر آتا ہے، یہاں تو شان کلام صاف کہہ رہی ہے کہ اس کے قائل حضرت یوسفؑ ہیں، نہ کہ عزیز مصر کی
بیوی اس کلام میں جو تک نفی، جو عالمی ظرفی، جو فوقی اور جود خدائی بدل رہی ہے وہ خود گواہ ہے کہ یہ فقرہ اس زبان سے نکلا ہوا
نہیں ہو سکتا جس سے هُنْتُ لَقَدْ عَلِمْتُ اَنْهٗا جِنٌّ مِّنْ سَاجِدٍ لِّهٖ اَسْمَآءُ بِأَخْلَافٍ مَّشْهُوٰةٍ لَّحَاقًا اور جس سے ہماری عقل کے
سامنے یہ تک مل سکتا تھا کہ کہیں لَمْ يَفْعَلْ مَعَا مَرَّةً كَيْفَ جَعَلَ۔ ایسا پاکیزہ فقرہ تو ہی زبان بلی سکتی تھی جس سے پہلے
مَتَا ذَا هُوَ اَلَمْ تَرَ بَنِي اٰخَسَنَ مَثَاقًا کہہ چکی تھی، جو تَرَ بَنِي اٰخَسَنَ اَحَبُّ اِلَآ وَهَآءُ تَوَضَّعُوا لِيْ وَكَمْ لِيْ مَعِيَ، جو
وَلَوْ كُنْتُمْ مِّنْ جِنٍّ لَّكُنْتُمْ هٗٓؤُلَا اَصْبَحْتُمْ يٰٓكُفَّٰرًا کہہ چکی تھی۔ ایسے پاکیزہ کلام کو یوسفؑ حقیقی کے بہائے امّۃ العزیز کا کلام ماننا
اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کوئی قرینہ اس امر پر دلالت نہ کرے کہ اس مرتلے پر پیش کرے تو یہ دو ایمان ادا مصلح نفس
کی دفعی تعجب ہو گئی تھی، انا نفوس ہے کہ ایسا کہی قرینہ موجود نہیں ہے۔

فَلَمَّا كَلَمَهُ قَالَ لَأَنْتَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أُمِينٌ ﴿۵۶﴾

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿۵۷﴾

جب یوسف نے اس سے گفتگو کی تو اس نے کہا: اب آپ ہمارے ہاں قند منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر پورا بھروسہ ہے۔ یوسف نے کہا: ہنگ کے خزانے میرے پر دیکھیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

۵۷۔ یہ بادشاہ کی طرف سے گرو ایک حکم تھا، تاکہ آپ کو ہر ذمہ داری کا منصب سنبھال سکیں۔

۵۸۔ اس سے پہلے ہر زمیندار گندہ کی بیجوں کی اکرش میں دیکھا ہمارے تو صاف نظر سے لگا کر کوئی ڈگری کی ضرورت نہیں تھی جو کسی غائب جہاد سے وقت کے بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی بحث سے پیش کر دی ہو۔ درحقیقت یہ اُس انقلابِ عدوانہ کھیلنے کے لیے آخری ضرب تھی جو حضرت یوسف کی انوکھی حالت سے پچھلے دس بارہ سال کے اندر نشوونما کا ثمرور کے لیے تیار ہو چکا تھا اور اب جس کا رخ بابِ صوف ایک طرف ہو چکا تھا جس کا رخ تاجِ حضرت یوسف آواز نشوں کے ایک طرزی سطح سے گزر کر آ رہے تھے وہ یہ آواز نشوں کی گئی کے گوشے میں پیش نہیں آتی تھیں بلکہ بادشاہ سے لے کر تمام مشاہیروں تک صراحتاً پھر پھر ان سے واقف تھا۔ ان گناہوں میں انھوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ امانت، راستہ بازی، علم، ضبط نفس، عالی ظرفی، ذہانت و فراست اور صلاحِ فطری میں کم از کم اپنے زمانہ کے لوگوں کے درمیان قریباً نظر نہیں دیتے۔ ان کی شخصیت کے یہ اوصاف اس طرح مکمل چکے تھے کہ کسی کو ان سے انکار کی گمان نہ رہی تھی۔ نہ اُن میں ان کی شہادت دے سکی تھیں۔ دل ان سے سحر ہو چکا تھے خود بادشاہ ان کے آگے ہتھیار ڈال چکا تھا۔ اب سخیٹ اور معلوم بہت بڑا باطن ایک دوسری طرف تھا بلکہ ایک شہادتِ صادقہ واقعہ تھا جس پر سب ایمان لے چکے تھے۔ اب اگر کچھ کسر باقی تھی تو وہ صرف اتنی کہ حضرت یوسف خود حکومت کے کن اقتدارات کو اپنے اپنے پر رخصت ہادی کا ہر کریں جو کے لیے بادشاہ اور اس کے ایمان سلطنت اپنی مگر کوئی جان چکے تھے کہ ان سے زیادہ موزوں آدمی اند کوئی نہیں ہے چنانچہ وہ کمر تھوڑا دھڑلے سے اپنے اس فقرے سے بڑی کر دی۔ ان کی زبان سے اس مطالبے کے بجائے ہی بادشاہ اور اس کی کونسل نے جس طرح اسے بہرہ و بہت قبول کیا وہ خود اس بات کا ثمر ہے کہ یہ پہلی کتاب چکا تھا کہ اب لڑنے کے لیے ایک اشارہ ہی کا ستر تھا۔ تھوڑا کامیاب ہے کہ حضرت یوسف کو حکومت کے اقتدارات سر پہنے کا فیصلہ نہ بادشاہ ہی نے نہیں کیا تھا بلکہ پوری شاہی کونسل نے اتفاق اس کے قدمیں سامنے دی تھی۔

یہ اقتدارات جو حضرت یوسف نے مانگے اور ان کو سر پہنے گئے ان کی ذمیت کیا تھی؟ تا وقت دگ میاں نظر آتی اور ان کے الفاظ اور آئے میں کون کی تعلیم کا ذکر دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ شاید یہ امر ضرور نہ، یا افسر مال، یا قضا کشتر یا وزیر یا مایطہ غذائیات کی قسم کا کوئی عہدہ ہو گا۔ لیکن قرآن، انبیل، اور ثور کی منظر شہادت ہے کہ درحقیقت حضرت یوسف سلطنتِ مصر کے خزانہ کی (یعنی اصطلاح میں ڈکٹریٹر) بنائے گئے تھے اور ملک کا سب سے بڑا عہدہ کچھ ان کے اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ قرآن میں

ہے کہ جب حضرت یعقوب مصر پہنچے ہیں تو اس وقت حضرت یوسف تخت نشین تھے (دوسرا غم ابو یوسف علی الصراط حضرت یوسف کی اپنی زبان سے نکلا ہے یہ فقرہ قرآن میں منقول ہے کہ "لے میرے رب! تو نے مجھے بادشاہی عطا کی" (سورۃ یوسف ص ۲۱) یہی جتنا اللہ پیلے کی چوری کے موقع پر سرکاری ملازم حضرت یوسف کے پیالے کو بادشاہ کا پیار کرتے ہیں (تالوا فقط صواع الملائک) اللہ تعالیٰ مصر پر ان کے اتار کی کیفیت یہ بیان فرماتا ہے کہ ماری سرزمین مصران کی تھی (یوسف و اولہا حیث یشاء)۔ یہی بائبل توہ شہادت دیتی ہے کہ فرعون نے یوسف سے کہا:

"سو تیرے مرنے کا خیال رکھو کہ میری ماری دیکھا تیرے حکم پر چلے گی فقط تخت کا ٹکڑا ہونے کے سبب سے میں بڑگ تھروں دیکھو مجھے سارے ملک مصر کا مالک بنانا ہوں اللہ تیرے حکم کے نیکو کردہ ہیں سارے ملک مصر میں اپنا اقدار پختہ نہ ہونے کے لئے گا۔ اللہ فرعون نے یوسف کا نام شہادت فیختج (دنیا کا شہادت دینا) رکھا: (پیدائش ۲۹۱-۲۹۰-۲۹۰)

اور تکرار کرتی ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے مصر سے واپس جا کر اپنے والد سے مالک مصر (یوسف) کی تعریف کرتے ہوئے بیان کیا:

"اپنے ملک کے باشندوں کو اس کا دستور ہے اللہ ہے۔ اس کے حکم پر وہ بچتے اور اسی کے حکم پر وہ داخل ہوتے ہیں۔ اس کی زبان سارے ملک ہر طرف تعالیٰ کرتی ہے۔ کس سال میں فرعون کے ان کے خدمت میں ہوتی؟"

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اہل اقبالیات کی غرض کے لیے مانگے تھے؟ انھوں نے اپنی خدمات اس لیے پیش کی تھیں کہ ایک کا فر حکومت کے نظام کی کس کے کا فرائض اہل وقاین میں پہنچائیں؟ یا ان کے پیش نظر یہ تھا کہ حکومت کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر ملک کے نظام تمدن و اخلاق و سیاست کو اسلام کے مطابق ڈھال دیں ۱۸ سال کا بستر میں جواب وہ ہے جو علامہ بخاری نے اپنی تفسیر کشاف میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت یوسف نے مبعوضی علی خزانہ الاساسی ہر فرمایا تو اس سے ان کی فرض صوفی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم جاری کرنے اور حق قائم کرنے اور اہل بیعت کے خارج کر دینے اور وہ اس کام کو انجام دینے کی بات حاصل کی کہ ان کے لیے انشاء دیجئے جاتے ہیں۔ انھوں نے بادشاہی کی محبت اور دنیا کے فانی میں وہ مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ جانتے ہوئے کیا تھا کہ کوئی دوسرا شخص ان کے سوا ایسا نہیں ہے جو اس کام کو انجام دے سکے؟"

اور کیا ہے کہ یہ سوال وہ اہل ایک اور سوال پیدا کرتا ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم اور بنیادی سوال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف آیا پیغمبر بھی تھے یا نہیں؟ اگر پیغمبر تھے تو کیا قرآن مجید میں کو پیغمبر کی کوئی تصریح ہے کہ اسلام کا داعی خود نظام کو فرک کا فرائض اہل بیعت کے لیے اپنی خدمات پیش کیے؟ بلکہ یہ سوال اس پر بھی ختم نہیں ہوتا اس سے بھی زیادہ نازک اور سخت ایک دوسرے سوال یہ جا کر شیر تار ہے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف ایک درستی تارہ می بھی تھے یا نہیں؟ اگر راستہ تارہ تھے تو کیا ایک دستباز انسان کو ایسی کام ہے کہ قید خانے میں وہ اپنی بغیرانہ وحمت کا آقا ناس وال سے کہے کہ "تو بہت سے دہ بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟" اللہ ہر بار باہل مصر پر بھی واضح کر دے کہ تمہارے ان بہت سے متفرق خود ساختہ خداؤں میں سے

وَكَذَلِكَ مَكْنَا يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَدْبُو مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ
فَصِيبٌ بِرَحْمَتِنَا مِنْ نَشَاءٍ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۱﴾

اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہا
اپنی جگہ بنا لے۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نواز دیتے ہیں، نیک لوگوں کا اجر ہم بھولے ہاں مارا نہیں جاتا۔

ایک یہ شاہ مصر بھی ہے، اور صاف صاف اپنے حق کا بنیادی عقیدہ یہ بیان کرے کہ ”فرما زما“ کی امانت خدا کے واسطے سے میری
کے لیے نہیں ہے، بلکہ جب عمل آزمائش کا وقت آئے تو وہی شخص جو اس نظام حکومت کا خادم، بلکہ ناظم اور حافظ اور پشت پناہ ملک
بن جائے جو شاہ مصر کی رویت میں ملے گا، اودھیں کا بنیادی نظریہ ”فرما زما“ کے امتیازات خدا کے لیے نہیں بلکہ بادشاہ کے
لیے ہیں، تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی تفسیر میں دو اخطا طے مسلمانوں نے کچھ اسی مذہبیت کا مظاہر کیا جو کبھی بیرونیوں کی ضرورت تھی۔
۱۔ بیرونیوں کا حال تھا کہ جب وہ ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے تو کبھی تاریخ میں جن بزرگوں کی یہ تیس ان کی تیس پر چڑھے کا یقین
وہی تھیں، ان سب کو وہ نیچے گر کر اپنے مرتبے پر اتار دے تاکہ اپنے لیے اور زیادہ نیچے گرنے کا بہانہ پیدا کریں۔ اسی طرح یہی کچھ مسلمان
نے بھی کیا۔ انھیں کا فر حکومتوں کی چاکری کرنی تھی، مگر اسی پستی میں گرتے ہوئے اسلام اور اس کے علمبرداروں کی بے پناہ دیکھ کا یقین فرم
آئی، لہذا اس شرم کو مٹانے اور اپنے سیر کو دہی کرنے کے لیے پہلے پتے ساتھ اس جیل اللہ دھیر کر بھی خدمت کفر کی گرائی میں سے گزے
جس کی زندگی و مائل انھیں یہ سنی دے رہی تھی کہ اگر کسی ملک میں ایک مدرسہ، ایک مدرسہ میں بھی خالص اسلامی اخلاق اور ایمانی
فرمانت و حکمت کا حامل ہو تو وہ حق تھا جو خدا نے اخلاق اور اپنی حکمت کے اندر سے اس کو انتساب دیا کہ کتا ہے، اور یہ کہ کوئی اس اخلاق
طاقت (بہتر) کہ وہ اس کا استعمال جانتا ہو اور اسے استعمال کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو، فرج اور اس طرح مسلمان کے بغیر بھی کھنچ
کر سکتی ہے اور سلطنتوں کو مسخر کر سکتی ہے۔

۲۔ یعنی اب ماری سرزمین مصر اس کی تھی۔ اس کی ہر جگہ کو وہ اپنی ملک کر سکتا تھا۔ وہاں کوئی گوشہ بھی ایسا نہ رہا تھا جو

اس سے دور جاسکتا ہو۔ گویا اس کا تسلط اور ہر گیر اقتدار کا بیان ہے و حضرت یوسف کو اس ملک پر حاصل تھا۔ قدیم مصر میں
بھی اس اہمیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن زید کے حوالے سے علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ
”ہم نے حضرت کو ان سب چیزوں کا مالک بنا دیا جو مصر میں تھیں، دنیا کے اس حصہ میں وہ جہاں جو کچھ چاہتا کہ سکتا تھا وہ ہر چیز کی
حاکم کر دی گئی تھی، حتیٰ کہ اگر وہ چاہتا کہ فرعون کو اپنا زبردست کر لے اور وہ اس سے بالاتر ہو جائے تو یہ بھی کر سکتا تھا۔ مگر
قول علامہ برصورت نے مجاہد کا نقل کیا ہے جو مشہور تفسیر میں ہے ہیں۔ ابن کا خیال ہے کہ بادشاہ مصر نے یوسف کے ہاتھ پر
اسلام قبول کر لیا تھا۔

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اَوْفِى الْكَيْلَ وَاَتَاخِذُ الْمُسْزِلِيْنَ ۝۵۱ فَكَانَ لَمَّ
تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرُبُوْنِ ۝۵۲ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
عَنْهُ اَبَاہُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝۵۳ وَقَالَ لِيَفْتِنِيْہٗۤ اِجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ
فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّہُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا اُنْقَلِبُوْا اِلٰی اٰہِلِہُمْ لَعَلَّہُمْ
يَرْجِعُوْنَ ۝۵۴ فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰی اٰہِلِہُمْ قَالُوْا يَا اَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلَ

دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پیانہ بھر کر دیتا ہوں اور کیا اچھا مہمان نواز ہوں۔ اگر تم اسے نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہے بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پہنچنا۔ انھوں نے کہا ”ہم کوشش کریں گے کہ والد صاحب اسے بھیجنے پر راضی ہو جائیں، اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔ یوسف نے اپنے غلاموں کو اشارہ کیا کہ ان لوگوں نے غلے کے عوض جو مال دیا ہے وہ چپکے سے ان کے سامان ہی میں رکھ دو۔“ یہ یوسف نے اس امید پر کیا کہ گھڑ بیچ کر وہ پہچان جائیں گے اور عجب نہیں کہ پھر ملیں۔

جب وہ اپنے باپ کے پاس گئے تو کہا ”ابا جان، آئندہ ہم کو غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے،

۱۲۵ اختصار بیان کا درجہ سے شاید کسی کو یہ سمجھنے میں دقت ہو کہ حضرت یوسف جب اپنی حقیقت کو ان پر ظاہر کرنا چاہتے تھے تو چہاں کے سوتیلے بھائی کا ذکر کیسے کیا اور اس کے لئے پاس تصادم کرنے کے کیا سنی تھے، نیز کہ اس طرح تو راز فاش ہوتا ہوتا تھا لیکن قصور سا خور کرنے سے بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہاں غلے کی مخالفت بندی تھی اور شخص ایک مقررہ مقدار غلہ ہی لے سکتا تھا۔ غلہ لینے کے لیے یہ دس بھائی آئے تھے۔ مگر وہ اپنے والد اور اپنے گیارہ بھائی کا حصہ بھی مانگتے ہوں گے۔ اس پر حضرت یوسف نے کہا ہر گا کہ تمہارے والد کے خوردہ آنے کے لیے قویہ بندہ مقرر ہو سکتا ہے کہ وہ بہت دیر لے لے اور نہایت ہی ملگ بھائی کے دہانے کا ایک مقرر ہو سکتا ہے، کہیں تم ایک مقرر نام سے نہ آؤ غلہ حاصل کرنے اور پھر ناجائز تجارت کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب میں اپنے گھر کے کچھ حالات بیان کیے جن میں گئے اور تمنا ہو گا کہ وہ ہمارا سرتیلا بھائی ہے اور اس پر ہمارے والد اس کو ہمارے ساتھ بھیجنے میں تامل کرتے ہیں۔ تب حضرت یوسف نے فرمایا ہر گا کہ تم اس وقت تو ہم قصاصی زبان کا اعتبار کر کے تم کو بڑا غلہ دیے دیتے ہیں مگر آئندہ اگر تم اس کو ساتھ نہ لےؤ تو تمہارا اعتبار جاتا رہے گا اور تمہیں یہاں سے کوئی فائدہ

فَارْسِلْ مَعَنَا آخَانَا نَحْمَلْ وَارْتَاكُ لِحَفَظُونِ ۝ قَالَ هَلْ
 اَمْنٌكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمْنُتُكُمْ عَلٰى اَخِيْد مِنْ قَبْلِ ۚ فَاللَّهُ خَيْرٌ
 حَافِظًا ۚ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا
 بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۚ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا تَبِعٰنِيْ هٰذَا بِضَاعَتُنَا
 رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَبِيْرُ اَهْلِنَا وَنَحْفَظُ اٰخَانَا وَنَزِدَاكَ كَيْلَ بَعِيْرٍ
 ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَہٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا
 مِنْ اللّٰهِ لَمَّا تُنۡتَبِیْ بِہٖ اِلَّا اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّا اتُوْہٗ

لہذا آپ ہمارے بھائی کو ہماریساتھ بیچ دیجیے تاکہ ہم غلے کرائیں۔ اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اپنے حجاب دیا گیا میں اُس کے معاملہ میں تم پر دلیا ہی بھروسہ کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملہ میں کر چکا ہوں، اللہ ہی بہتر حافظ ہے اور وہ سب کچھ کہ تم فرمانے والا ہے۔ پھر جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال بھی انھیں واپس کر دیا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ پکار مارنے لگا جان! اور ہمیں کیا چاہیے، دیکھیے یہ ہمارا مال بھی ہمیں واپس دے دیا گیا ہے۔ بس اب ہم جاتیں گے اور اپنے اہل و عیال کے لیے وردے آئیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک بار شراورد زیادہ بھی لے آئیں گے، اتنے غلہ کا اضافہ آسانی کے ساتھ ہو جائے گا۔ ان کے اپنے کہیں اس کو ہرگز تمھارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام سے مجھ کو چھان نہ لے دو کہ اسے میرے پاس ضرور واپس لے کر آؤ گے والا یہ کہ کہیں تم گھیر ہی لے جاؤ۔ جب انھوں نے اس کو

ان کے گھس جا کر، دھکی کے ساتھ آپ نے ان کو اپنے احسان و ہمدردی سے مدد فرمادی سے مجھ پر ام کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ دل اپنے بھروسے بھائی کو دیکھے ہر گز کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب کچھ کیا۔ یہ معاملہ کی ایک مادی کی صورت ہے جو خدا عز و جل نے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ يَبْنِي لَكُمْ دُخُلًا
مِّنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَمَرَّةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي
عَنكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّ الْحَكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ
عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ

اپنے اپنے پیمان دے دیے تو اس نے کہا: ”دیکھو، ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔“ پھر اس نے
کہا: ”میرے بچو! مصر کے دارالسلطنت میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں کے
جاتا۔ مگر میں اللہ کی مشیت سے تم کو نہیں بچا سکتا، حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا، اسی پر میں نے
بھروسہ کیا، اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر کرے۔“ اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ جب وہ اپنے
باپ کی ہدایت کے مطابق شہر میں (متفرق دروازوں سے) داخل ہوئے تو اس کی یہ

سبھی بتا جاتی ہے۔ اس صورت میں بائبل کی اس جگہ کہ مصر داستان پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو کتب مقدسہ کے باب
۴۶-۴۷ میں بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

﴿۳۷﴾ اس سے آغاز ہوتا ہے کہ مصر کے بعد ان کے بھائی کو بھیجتے وقت حضرت یسوع کے مل پر کیا کچھ گزری ہوگی۔
گورنر بھروسہ تھا، مہر و تسلیم میں ان کا مقام نہایت بلند تھا۔ مگر بھی تھے تو انسان ہی۔ طرح طرح کے اندیشے دلی میاں تھے ہر گز
اندوہہ وہ کو اس خیال سے کانپ اٹھتے ہوں گے کہ خدا جانے اب اس لڑکے کی صورت بھی دیکھ سکوں گے یا نہیں۔ اسی لیے وہ چاہتے
ہوں گے کہ اپنی دستک احتیاط میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔

یہ احتیاطی مشورہ کہ مصر کے دارالسلطنت میں یہ سب بھائی ٹیک دروازے سے نہ جائیں، ان سیاسی حالات کا تصور
کرنے سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے جو اس وقت پائے جاتے تھے۔ یہ لوگ سلطنت مصر کی سرحد پر آزاد قبائلی علاقے کے کد بنے والے
تھے۔ بل مصر اس علاقے کے لوگوں کا بھی شہر کی شاخ سے دیکھتے ہوں گے جس علاقہ سے ہندوستان کی پہاڑی حکومت آزاد ہو رہی
تھے واپس لوگوں کو دیکھتی رہی ہے۔ حضرت یسوع کو اندیشہ نہا ہر گا کہ اس قلعے کے اندر میں اگر یہ لوگ ایک جہاں سے برائے دماغ داخل
ہوں گے تو شاید انہیں مشہور سمجھا جائے اور یہ گمان کیا جائے کہ یہ یہاں لوٹ مار کی غرض سے آئے ہیں کچھل پھیل آیت میں حضرت یسوع
کا یہ ارشاد کہ ”تا یہ کہ میں تم کو نہیں رہے گا“ اس غرض کی طرف خدا شاہد کر رہا ہے کہ یہ ستودہ سیاسی اسباب کی تباہی تھا۔

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ
يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ
قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾

احتمالی تدبیر اللہ کی مشیت کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آسکی۔ ہاں بس یعقوب کے دل میں ہر
لیک کھٹک تھی اسے دور کرنے کے لیے اس نے اپنی سی کوشش کر لی۔ بے شک وہ ہماری دی ہوئی
تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ معاملہ کی حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔
یہ لوگ یوسف کے حضور پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلایا اور اسے بتا دیا کہ
میں تیرا وہی بھائی ہوں (جو کھویا گیا تھا)۔ اب تو ان باتوں کا غم نہ کر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔

۵۴۲ اس کا مطلب یہ ہے کہ تدبیر اور توکل کے درمیان یہ شک شک تو انہی جو ہم حضرت یعقوب کے ذکر وہاں لکھا
میں پاتے ہو یا وہ اصل علم حقیقت کے اس فیضان کا قیہر تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان پر ہوا تھا۔ ایک طرف وہ عالم اسباب کے
قوانین کے مطابق تمام ایسی تدبیریں کرتے ہیں جو عقل و فکر اور تجربہ کی بنا پر اختیار کرنی ممکن تھیں۔ بیٹوں کو ان کا پہلا جرم یاد دلا کر جو
ذنبہ کرتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ ویسا ہی جرم کرنے کی جرأت نہ کریں، ان سے خدا کے نام پر وعدہ و پیمان لینے ہیں کہ سر پہلے بھائی کی رضا
کریں گے اور وقت کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے جس احتمالی تدبیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسے بھی استعمال کرنے کا علم
دیتے ہیں تاکہ اپنی مذہک کوئی خارجی سبب بھی ایسا نہ رہنے دیا جائے جہاں لوگوں کے گھر جانے کا موجب ہو۔ مگر دوسری طرف ہر کان
یہ بات ان کے پیش نظر ہے اور اس کا بار بار اظہار کرتے ہیں کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ کی مشیت کو نافذ کرنے سے نہیں روک سکتی، اور اصل
حفاظت اللہ کی حفاظت ہے اور جو اس اپنی تدبیر میں نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیے۔ یہ صحیح تو انہی اپنی باتوں میں اور اپنے
کا عمل میں صرف وہی شخص قائم کر سکتا ہے جو حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ جو یہ بھی جانتا ہو کہ حیات دنیا کے ظاہری پہلو میں اللہ کی بنائی ہوئی
ظہرت انسان سے کس سی شکل کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اس سے بھی واقف ہو کہ اس ظاہر کے نیچے جو حقیقت نفس الامری پر مشیّد
ہے اس کی بنا پر اصل کا تقاضا کونسی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اپنی ہی دلیل پر انسان کا بھروسہ کس قدر بے بنیاد ہے۔ یہی وہ
بات ہے جس کا اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ان میں سے جس کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہو کر تدبیر ہی کو سب کچھ

فَلَمَّا جَهَنَّهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ
 أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِزَّةُ لَكُمْ لَسِرْمُونَ ﴿٥٠﴾ قَالُوا وَأَقْبِلُوا عَلَيْهِمْ
 مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلَيْسَ

جب یوسف ان بھائیوں کا سامان لدوانے لگا تو اس نے اپنے بھائی کے سامان میں اپنا
 پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک بھائی نے اسے نہ پکار کر کہا "اے قافلے والو! تم لوگ چور ہو۔" انھوں نے پٹ کر
 پوچھا "تمھاری کیا چیز کھوئی گئی؟" سرکاری ملازموں نے کہا "بادشاہ کا پیمانہ ہم کو نہیں ملتا آزادانہ کے برابر"

جو خلیج، اور جس کے دل پر مائل تھا، اسے وہ تدبیر سے لے کر وہاں کے کسی ہی کے دل پر زندگی کی گازی چلاتا چاہتا ہے۔
 ۵۰ اس فقرے میں وہ ساری داستان میٹ دی گئی ہے جو اکیس برس کے بعد دونوں ماں جانے بھائیوں
 کے لئے پہنچائی گئی۔ حضرت یوسف نے بتایا کہ وہ کن حالات سے گزرتے ہوئے اس مرتبے پہنچے۔ بن یمن نے بتایا
 کہ وہ ان کے پیچھے سو تیلے بھائیوں نے اس کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کیں۔ پھر حضرت یوسف نے بھائی کو قتل دی ہوئی کتاب
 تم میرے پاس ہی رہو گے، ان ظالموں کے پیچھے میں تم کو دوبارہ نہیں جانے دوں گا۔ بعد ازیں کہ اس موقع پر دونوں بھائیوں میں
 یہ بھی لے کر گیا کہ وہ بن یمن کو کھڑی روک رکھنے کے لیے کیا تدبیر کی جائے جس سے وہ پروردگار سے جو حضرت یوسف مسئلہ
 ابھی ڈالے رکھنا چاہتے تھے۔

۵۱ یہاں رکھنے کا فعل قائم حضرت یوسف نے اپنے بھائی کی رضامندی سے اور اس کے علم میں کیا تھا جیسا کہ اس
 پہلے والی آیت اشارہ کر رہی ہے۔ حضرت یوسف اپنے مدقوں کے پھیرتے ہوئے بھائی کو ان ظالم سو تیلے بھائیوں کے پیچھے سے
 چھڑاتا چاہتے ہوں گے۔ بھائی خود بھی ان ظالموں کے ساتھ واپس نہ جاتا چاہتا ہوگا۔ مگر تیرا آپ کا اسے دوکان اور اس کا رک بٹا
 بیس کے ممکن نہ تھا کہ حضرت یوسف اپنی شخصیت کو ظاہر کرتے۔ اور اس کا اٹھارہ سو تیلے پر مصلحت کے خلاف تھا۔ اس لیے
 دونوں بھائیوں میں مشورہ ہوا کہ اسے روکنے کی یہ تدبیر کی جائے۔ اگرچہ تشریف دے کے لیے اس میں بھائی کی سبکی تھی، مگر اس پر
 چوری کا وجہ نہ تھا، لیکن بعد میں یہ وجہ اس طرح آسانی وصل ممکن تھا کہ دونوں بھائی مل کر اسے روک دینا پر ظاہر کر دیں۔

۵۲ اس آیت میں، اور بعد والی آیات میں بھی کہیں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ
 حضرت یوسف نے اپنے ملازموں کو اس ملازمین میں سے ایک کو اور انھیں خود یہ سکھایا تھا کہ قافلے والوں پر چھوٹا الزام لگاؤ۔ واقعہ
 کی مادہ صحت پر سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خاموشی کے ساتھ رکھ دیا گیا ہوگا، بعد میں جب سرکاری ملازموں نے اسے نہ
 پایا ہوگا تو قیاس کیا ہوگا کہ جو نہ ہو، یہ کام انھیں قافلے والوں میں سے کسی کا ہے جو یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

جَاءَهُمْ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۴۰﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ
مَا جِئْتَنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿۴۱﴾ قَالُوا فَمَا
جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي
رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۴۳﴾ فَبَدَأَ
بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ دَعَاؤِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَغْرَجَهَا مِنْ دَعَاؤِ أَخِيهِ
كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ

نے کہا، جو شخص لا کر دے گا اس کے لیے ایک ہار شترانعام ہے، اس کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ ان بھائیوں
نے کہا، خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں
کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی بھی تو چور کی کیا سزا ہے؟
انھوں نے کہا، اُس کی سزا، جس کے سامان میں سے چیز لگے وہ آپ ہی اپنی سزائیں رکھ لیا جائے،
جہاں سے اس کو ایسے خالوں کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے۔ تب یوسفؑ نے اپنے بھائی سے پہلے اُن کی فرجیاں
کی تلاش یعنی شربع کی پھر اپنے بھائی کی غریبی سے گم شدہ چیز پتہ کر لی۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کی
تائید اپنی تدبیر سے کی۔ اُس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو رکھنا

۴۸۔ خیال رہے کہ یہ بھائی قانونِ دین بھی کے افراد تھے، لہذا انھوں نے چوری کے معاملہ میں جو قانون بیان کیا وہ شریعت
الہی کی قانون تھا یعنی یہ کہ جو اس شخص کی غلامی میں دے دیا جائے وہی کامل اس نے چاہا ہو۔

۴۹۔ یہاں یہ امر غلط ہے کہ اس پر سے مسئلہ فاسقات میں وہ کوئی تدبیر ہے جو حضرت ہمدان کی تائید میں ہوا، مگر
خدا کی طرف سے کی گئی، کا یہ کہ یہاں رکھنے کی تدبیر جو حضرت یوسفؑ کی تھی۔ یہ بھی کاہر ہے کہ سرکاری ملازموں کا چوری کے شہم
میں تعلق والوں کو روکنا بھی صواب معلوم نہ کام تھا جیسے حراقت صوبہ سرکاری ملازم کیا کرتے ہیں۔ پھر وہ خاص خدائی تدبیر کوئی ہے؟
اس کی کثرت میں کاش کرنے سے اس کے سامنے دوسری چیز کی اس کا مصلحت نہیں ملتی یا جاسکتا کہ سرکاری ملازموں نے خواتین کو روکنا
مشترکہ طور سے جس کی سزا بھی، اور انھوں نے وہ سزا بتائی جو شریعتِ الہی کی حد سے چھوڑ دی جاتی تھی۔ بعد ازاں بہت ہی سنا

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَرْفَعُ دَرَجَتٍ مِّنْ تَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي

بقولہ کہ اللہ ہی ایسا چاہتا ہے۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے

بنامہ کہ ہے کہ خدائی تدبیر سے مراد یہی ہے

تقریر: یعنی یہ بات حضرت یوسفؑ کی شانِ بزرگی کے شاہانِ نہ تھی کہ وہ اپنے ایک ذاتی مہاجر میں شاہِ مصر کے قانونِ پل کرتے۔ اپنے بھائی کو روک رکھنے کے لیے انھوں نے خود خود تدبیر کی تھی اس میں یہ دخل نہ گیا تھا کہ بھائی کو روکا تو ضرور جاسکتا تھا مگر شاہِ مصر کے قانونِ تعویذات سے کام لینا پڑتا، اور یہ اس پیر کی شان کے مطابق نہ تھا جس نے اختیارِ رتبہ حکومت غیر اسلامی قوانین کی جگہ اسلامی شریعت نافذ کرنے کے لیے اپنے اقدار میں لیے تھے۔ اگر اللہ چاہتا تو اپنے بھائی کو اس بڑا غلطی میں مبتلا ہو جانے دیتا، مگر اس نے یہ گوارہ نہ کیا کہ یہ دعباس کے دامن پر رہ جائے، اس لیے اس نے براہِ راست اپنی تدبیر سے یہ طے نکال دی کہ اتفاقاً مملوکانِ یوسف سے چور کی مزار چلی گئی اور انھوں نے اس کے لیے شریعتِ ابراہیمی کا قانون بیان کر دیا۔ یہ چور اس لحاظ سے باطل برحق تھی کہ ہولانِ یوسف مصری رعایا نہ تھے ایک آزاد طاقت سے کہ نہ ہونے لگ تھے، لہذا اگر وہ خود اپنے ہاں کے دستور کے مطابق اپنے آدمی کو اس شخص کی غلطی میں دینے کے لیے تیار نہ تھے جس کا مال اس نے چور کیا تھا تو پھر مصری قانونِ تعویذات سے اس معاملہ میں مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ کی مددِ بزرگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانِ اللہ یعنی ملی بقول سے تعبیر فرمایا ہے۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر بڑی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ بھی بڑی کمزوری کی بنا پر خود کسی غلطی میں ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ فیجے اس کو پہلنے کا اسٹمک فرما دے۔ ایسا بلند مرتبہ صرف ان ہی لوگوں کو ملتا ہے جو اپنی ساری ہمت سے بڑی بڑی آزمائشوں میں اپنا "من" ہر وقت ثابت کر چکے ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ حضرت یوسفؑ صاحبِ علم تھے، خدمتِ دانشمندی کے ساتھ کام کرتے تھے، مگر پھر بھی اس موقعِ پان کے علم میں ایک کسر رہی تھی اور اسے اس پہنچنے پر دیا کہ "۔۔۔ صاحبِ علم سے بالاتر ہے۔" یہاں چند دلائل اور وضاحت طلب رہ جاتے ہیں جن پر ہم مختصر کام کوں گے:

(۱) عام طور پر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "یوسفؑ بادشاہ کے قانون کی مدد سے اپنے بھائی کو نہ پکڑ سکا تھا۔" یعنی ممالکاتِ لہذا کو ترجمین و مفسرین ہم خدمت کے سنی میں جیتے ہیں، نہ کہ مردمِ صحت و عدمِ مناسبت کے معنی میں۔ لیکن اولیٰ ترجمہ یہ ترجمہ تقریر عربی محاورے اور قرآنی استعارات دونوں کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ عربی میں مکرراً ممالکات لہ یعنی مابینہ لہ، ماحمل لہ، ماحملہ، مستفاد لہ، و غیرہ آتا ہے اور قرآن میں بھی یہ لہ یا نہ تو ایسی ہی آیا ہے۔ مثلاً ممالکات اللہ ان یفقد من ولدہ۔ ممالکات لہ انان شہدک باللہ من حق۔ ممالکات اللہ لیطعمکم علی الغیب۔ ممالکات اللہ یعطیکم ایما نکم۔ نعمالکات اللہ لیطعمکم۔ ممالکات اللہ لیذرا المؤمنین علی ما انتم علیہ۔ ممالکات لہ من ان یقتل مومنًا۔ وہ سب اگر اس کے وہ معنی لیے جائیں جو ترجمین و مفسرین باہم بیان کرتے ہیں تو بالکل مل جل جاتی ہے۔ بادشاہ کے قانون میں چور نہ پکڑ سکے کی آوجہ کیا ہو سکتی ہے؛ کیا دنیا میں کسی کوئی مملکت ایسی بھی رہی ہے جس کا قانون

کو گرفتار کرنے کی مہازت نہ دیتا ہو؟

(۲) اللہ تعالیٰ نے شاہی قانون کے لیے ”دین الملک“ کا فقہ استعمال کر کے خود اس معنی کی طرف اشارہ فرما دیا: ”جو ملک ان لیاخذ سے لیا جاتا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا پیغمبر زمین میں ”دین اللہ“ ہماری کرنے کے لیے سمجھتا تھا نہ کہ ”دین الملک“ ہماری کرنے کے لیے۔ اگر حالات کی مبرری سے اس کی حکومت میں اس وقت تک پوری طرح دین الملک کی جگہ دین اللہ ہماری نہ ہو سکا تھا تب بھی کم از کم پیغمبر کا اپنا کام تو یہ نہ تھا کہ اپنے ایک شخصی معاملہ میں دین الملک پر عمل کرے۔ لہذا حضرت یوسف کا دین الملک کے مطابق اپنے بھائی کو نہ پکڑنا اس بنا پر نہیں تھا کہ دین الملک میں ایسا کرنے کی گنجائش نہ تھی، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبر جرنے کی حیثیت سے اپنی ذاتی حد تک دین اللہ پر عمل کرنا ان کا فرض تھا اور دین الملک کی پیروی ان کے لیے قطعاً نا مناسب تھی۔

(۳) قانون کی (Law of the land) کے لیے فقہاء ”دین“ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے معنی دین کی درست پوری طرح واضح کر دی ہے۔ اس سے اُن لوگوں کے تصور دین کی جڑ نکلتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو صرف عام مذہبی معنوں میں خدا نے داخل کی ہو جا کر انے اور معصیت مذہبی مرام و مہاند کی پابندی کو لینے تک محدود سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کہتے ہیں کہ انسانی تمدن، سیاست، معیشت، عدالت، قانون اور ایسی ہی دوسرے ذہنی امور کو ان قانون دین سے نہیں ہے، یا اگر ہے بھی تو ان امور کو ہمارے دین کی ہدایات، معنی، اختیاری مفاد و ثبات میں جوں پر عمل ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے اصول و ضوابط قبول کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سراسر گمراہانہ تصور دین میں ایک مدت سے مسلمانوں میں چرچا ہے، جو بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو اسلامی نظام زندگی کے قیام کی سعی سے غافل کرنے کا ذریعہ ہے، جس کی بدولت مسلمان کفر و جاہلیت کے نظام دنیا پر مصروف لاپٹی ہوئے بلکہ ایک نبی کی سنت بھوکے اس نظام کے پڑے بنے اور اس کو خود چلانے کے لیے بھی آمادہ ہو گئے، اس آیت کی مدد سے قطعاً غلط ثابت ہوا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ صاف بتا رہا ہے کہ جس طرح نماز، روزہ، صدقہ اور حج دین ہے اسی طرح وہ قانون بھی دین ہے جس پر مروجہ نظام عدل و انصاف چلایا جاتا ہے۔ لہذا ان الدین عند اللہ الاسلام اور وہی بدست خیر الاسلام دینا فالن یقبل ہنہ وغیرہ آیات میں جس دین کی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے اس سے ملحد صرف ناز و نغزہ ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کا اجتماعی نظام بھی ہے جس سے ہرگز کوئی دوسرے نظام کی پیروی خدا کے اُن ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی۔

(۴) سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک مصر کی حکومت میں دین الملک ہی جاری تھا۔ اب اگر اس حکومت کے حاکم اعلیٰ حضرت یوسف ہی تھے، جیسا کہ تم خود پہلے ثابت کر چکے ہو، تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت یوسف، خدا کے پیغمبر و خود اپنے اُقتوں سے ملک میں ”دین الملک“ ہماری کر رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے ذاتی معاملہ میں حضرت یوسف سے دین الملک ”کہہ جانے شریعت الہامی پر عمل کیا بھی تو اس سے فرق کیا قانع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف امر تو دین اللہ ہماری کرنے ہی پر تھے اور یہی ان کا پیغمبر ارشاد میں اور ان کی حکومت کا مقصد تھا، مگر ایک ملک کا نظام عدل ایک من کے اندر نہیں بدل جایا کرتا۔ آج اگر کوئی ملک بالکل ہمارے اختیار میں ہو اور ہم اس میں اسلامی نظام قائم کرنے کی غرض نیت ہی سے اس کا انتظام اپنے اُقتوں میں، تب بھی اس کے نظام تمدن، نظام معاشی، نظام سیاست اور نظام عدالت و قانون کو

عَلِمَ عَلَيْهِ ۞ قَالُوا لَنْ يَسْرِقَ فَقَدْ سَرَقَ آخِرُ لَهُ مِنْ
قَبْلُ ۖ فَاسْتَرَاهَا يَوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّنْهَا لَهُمْ قَالَ

جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

ان بھائیوں نے کہا یہ چوری کرے تو کچھ تعب کی بات بھی نہیں، اس سے پہلے اس کا بھائی (یوسف) بھی چوری کر چکا ہے۔ یوسف ان کی یہ بات سن کر پی گیا حقیقت ان پر نہ کھولی، بس (ذریعہ) بتانا کہہ کر دیا۔
بالفضل جیسے بدلتے برسوں تک جاتیں گے اور کچھ مدت تک ہم کرنا اپنے انتظام میں بھی سابق قوانین برقرار رکھنے پڑیں گے۔
کیا تاریخ اس بات شاہد نہیں ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرب کے نظام زندگی میں پورا اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے نو سو سال لگے تھے، اس دوران میں خاتم النبیین کی اپنی حکومت میں چند سال شراب نوشی ہوتی رہی، سود لیا اور دیا جاتا رہا، جاہلیت کا قانون میراث ہماری رہا پہانے قوانین نکاح و طلاق برقرار رہے، بیروج خاندہ کی بہت سی صورتیں عمل میں آتی رہیں، اور اسلامی قوانین دیرانی و فوجداری بھی اول روز ہی تمام و کمال نافذ نہیں ہو گئے۔ پس اگر حضرت یوسف کی حکومت میں ابتدائی آٹھ سو سال تک سابق معمری بادشاہت کے کچھ قوانین چلتے رہے ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے اور اس سے یہ دلیل کیسے نکل آتی ہے کہ خدا کا پیغمبر صریح خدا کے دین کو نہیں بگاڑا، شاہ کے دین کو جاری کرنے پر مامور تھا۔ یہی بات کہ جب ملک میں دین الٹک جاری تھا ہی تو آخر حضرت یوسف کی اپنی ذات کے لیے اس پر عمل کرنا کیوں نمایاں شان نہ تھا، تو یہ سوال بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر غور کرنے سے ہمسائی میں جو ماتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے ابتدائی دور میں جب تک قوانین اسلامی جاری نہ ہوئے تھے، لوگ پرانے طریقے کے مطابق شراب پیتے رہے، لوگ کیا حضور نے بھی پی، لوگ سود لیتے دیتے تھے، لوگ کیا آپ نے بھی سودی لین دین کیا، لوگ ستم کرتے رہے اور جمع بین الاقنین کرتے رہے، لوگ کیا حضور نے بھی ایسا کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اسلام کا عملی مجبورین کی بنا پر احکام اسلامی کے اجراء میں تدریج سے کام لینا اور چیز بے اداس کا خود اس تدریج کے دائر میں جاہلیت کے طریقوں پر عمل کرنا اور چیز تدریج کی رعیتیں دوسروں کے لیے بنیں۔ داعی کا اپنا یہ کام نہیں ہے کہ خود ان طریقوں میں سے کسی پر عمل کرے جس کے شانے پر وہ مامور ہوا ہے۔

۱۱۰ یہ انھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا۔ پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم دگ چور نہیں ہیں۔ اب جو دیکھا کہ بل پھر بھائی کی طرف سے برآمد ہو گیا ہے تو فوراً ایک جھوٹی بات بنا کر اپنے آپ کو اس بھائی سے الگ کر لیا، اس کے ساتھ اس کے پہلے بھائی کو بھی لپیٹ لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کے لیے جیسے بین میں کے ساتھ ان بھائیوں کا کیا سلوک رہا ہوگا اور کس بنا پر اس کی اور حضرت یوسف کی یہ خواہش ہو گئی کہ وہ ان سے ساتھ نہ جاسے۔

اَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۱ قَالُوا يَا اَيُّهَا
الْعَزِيزُ لَكَ اَبَا هَيْحًا كَيْدًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانًا ۝۷۲ لَّا نَا
نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۳ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ نَاْخُذَ اَحَدًا
مِّنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَكَ ۝۷۴ لَّا نَا اِذَا الظّٰلِمُوْنَ ۝۷۵

۱۳

کہ ”بڑے ہی بُرے ہو تم لوگ (میرے منہ در منہ مجھ پر جو الزام تم لگا رہے ہو اس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے۔“

انھوں نے کہا ”اے سردار ذی اقتدار (عزیز) ! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے، اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، ہم آپ کو بڑا ہی نیک نفس انسان جانتے ہیں۔“ یوسف نے کہا ”پناہ بخدا! دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے؟ اس کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھیں گے تو ہم ظالم ہوں گے۔“

۷۱۔ یہاں فقہ سورہ ”حضرت یوسفؑ کے لیے جہاں استعمال ہوا ہے، صرف اس کی بنا پر مصر میں نے قیاس کر لیا کہ حضرت یوسفؑ اسی منصب پر مامور ہوئے تھے جس پر اس سے پہلے زلیخا کا شرہا مامور تھا۔ پھر اس پر مزید قیاسات کی حد تک کھڑی کر لی گئی کہ سابق عزیز مر گیا تھا، حضرت یوسفؑ اس کی جگہ مقرر کیے گئے، زلیخا اور سرور سمجھنے کے ذریعے جو ان کی گئی، اور شاہ مصر نے اس سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کر دیا۔ مدبر ہے کہ شبِ حودی میں حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ ایک کسی ذریعہ سے ہمارے مفسرین کو پہنچ گئیں۔ حالانکہ سب باتیں سرسرد ہم ہیں۔ فقہ عربیہ کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ مصری صاحب اقتدار کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً مصر میں بڑے لوگوں کے لیے اسی طرح کا کوئی منصف اصطلاحاً رائج تھا جیسے ہمارے ملک میں فقہ ”سمرکان“ پورہ جاتا ہے۔ اسی کا ترجمہ قرآن میں عزیز کیا گیا ہے۔ وہاں یوسفؑ سے حضرت یوسفؑ کا نکاح، اقراس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ بائبل اور تلمود میں فطیفرہ کی جیٹی آسانہ سے اُن کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اور زلیخا کا شرہا کا نام فطیفرہ تھا۔ یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل چھٹی ہوئی مفسرین تک نہیں آئی، اور جیسا کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے فطیفرہ یا سانی فطیفرہ بن گیا، یعنی کی جگہ بوری کو لی گئی اور جیسی یا حاملہ زلیخا بن گئی، لہذا اس سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کرنے کے لیے فطیفرہ کو مار دیا گیا، اور اس طرح ”یوسفؑ زلیخا کی تعینیت مکمل ہو گئی۔“

فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا بِحَيَا قَالَ كَيْدُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنْ
اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ
فِيْ يُوْسُفَ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِّىْ اَبِىْ اَوْ يَخْلُكُمُ اللّٰهُ
لِىْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۵ اَرْجِعُوْا اِلٰى اٰبِيْكُمْ فَقُولُوْا يٰۤاَبَانَا
اِنَّ اَبْنٰكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا

جب وہ یوسف سے یابوس ہو گئے تو ایک گوشے میں جا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ان میں
جو سب سے بڑا تھا وہ بولا "تم جانتے ہو کہ تمہارے والد تم سے خدا کے نام پر عہد و پیمان لے چکے ہیں، اور
اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں جو زیادتی تم کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے۔ اب میں تمہاراں سے
ہرگز نہ ہاؤں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا پھر اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمائے
وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم جا کر اپنے والد سے کہو کہ آبا جان! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے۔
ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے اس وہی ہم میان کہہ رہے ہیں، اور غیب کی

۱۵ اتفاقاً اس طرح ہو کہ چور نہیں کہتے بلکہ صحت یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس ہم نے اپنا مال دیا ہے، اسی کو غصب
شرع میں "قرہ" کہتے ہیں۔ یعنی حقیقت پر پردہ ڈالنا، یا امر واقعہ کو چھپانا۔ جب کسی مظلم کو ظالم سے بچانے یا کسی بے ظلم کو دفع
کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ ہو کہ کچھ ظلم واقعہات کی جانے یا کوئی غلط حقیقت جیل کیا جائے۔ تو ایسی صورت میں
ایک پر میر نگار دی مرتب جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہوئے ایسی بات کہنے یا ایسی تدبیر کرنے کی کوشش کہ جس سے
حقیقت کو چھپا کر بڑی کو دفع کیا جاسکے۔ ایسا کہ شرع و اخلاق میں جائز ہے، بشرطیکہ محض کام نہ جانے کے لیے ایسا نہ کیا جائے
بلکہ کسی بڑی برائی کو دور کرنا۔ اب دیکھو کہ اس سلسلہ میں حضرت یوسف نے کس طرح جائز قرہ کی شیطانی دھوکہ دہی کی ہے، بھائی
کی منافقت سے اس کے سامنے میں چلا کر دیا، اگر غلاموں سے یہ نہیں کہا کہ اس پر چوری کا الزام ناؤ۔ پھر جب سرکاری ظالم
چوری کے الزام میں ان لوگوں کو پھانسی کے تختہ کشائی نے لی۔ پھر وہ جہان بھائیوں نے کیا کہ ان بین کی جگہ ہم
جسے کسی کو کہہ لیجیے تو اس کے حسب میں بھی ایسی ہی بات اُن پر اُٹ دی کہ تمہارا اپنا فریضہ تھا کہ جس کے سامنے میں سے
تمہارا مال مجھے دیا کہ دیا جائے اسوب تھا کہ سامنے میں بین کے سامنے میں سے تمہارا مال مجھے ادا ہی کر ہم رکھ پتے ہوا

لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ﴿۸۶﴾ وَسَّئِلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ
الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ﴿۸۷﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ حَسِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ
جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۸۸﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَى
عَلَى يُوسُفَ وَأَبِصُّتْ عَيْنَهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۹﴾
قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوْا تَذَكَّرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ
تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۹۰﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي

منجھانی تو ہم نہ کر سکتے تھے۔ آپ اس بٹی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم تھے۔ اس قافلے سے دریا
کر لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

ہائے یہ داستان سن کر کہا ”در اصل تمھارے نفس نے تمھارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل
بنادیا۔ اچھا اس پر بھی صبر کروں گا اور بخیر کر دوں گا۔ کیا عید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملائے،
وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔ پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور
کہنے لگا کہ ہائے یوسف!“۔ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پگھلی تھیں
— بیٹوں نے کہا ”خدا! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کیے جاتے ہیں۔ نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے
غم میں اپنے آپ کو گھلادیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔“ اس نے کہا ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی
دوسرے کو اس کی جگہ کبھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود ہی صلی اللہ علیہ وسلم کے خرواہات میں بھی ملتی ہیں، اللہ کی دہلی
سے بھی اس کو اٹھانا صوب نہیں کہا جاسکتا۔

۶۲۷ء میں تمھارے نزدیک یہ یاد کر لینا بہت آسان ہے کہ میرا بیٹا جس کے حسن حیرت سے میں خوب واقف ہوں، ایک
پالے کی چھری کا سر تھپ ہو سکتا ہے۔ پہلے تمھارے لیے اپنے ایک بھائی کو جان بوجھ کر گم کر دینا اور اس کے قیس پر پھر رونا خون لگا کر

إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۷﴾ يَبْنِيَّ أَذْهَبُوا
فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ
إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۸﴾
فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الضَّرُّ
وَجُنَّا بَيْضَاعَةً مُرْجَبَةً فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا
إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۹﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ
وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۹۰﴾ قَالُوا أَمْ لَكَ لَا نْتَ يُوسُفَ قَالَ

فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا، اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔ میرے بچہ! جا کر یوسف
اور اس کے بھائی کی کچھ نوہ لگاؤ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافری
مایوس ہوا کرتے ہیں۔

جب یہ لوگ مصر جا کر یوسف کی بیٹی میں داخل ہوئے تو انھوں نے عرض کیا کہ اے سردار! با اقدار! ہاں
ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں، اور ہم کچھ تحیر کا پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں
بھرپور غلہ عنایت فرمائیں، اور ہم کو خیرات دیجئے، اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے، یہ سن کر یوسف
سے نہ رہا گیا، اس نے کہا: تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ
کیا کیا تھا جبکہ تم نادان تھے؟ وہ چونک کر بولے: "ہائیں! کیا تم یوسف ہو؟" اس نے کہا: ہاں!
اے آقا بہت آسان کام ہو گیا تھا۔ اب ایک دوسرے بھائی کو واقعی ہرمان لینا اور مجھے اگر اس کی خبر دینا بھی دیا، یہی
آسان ہو گیا۔

۷۶ یعنی ہماری اس گزارش پر جو کچھ آپ دیں گے وہ گویا آپ کا مدد ہو گا۔ اس نئے کی قیمت میں جو پونجی ہم پیش
کر رہے ہیں تو بے شک اس فاقہ میں ہے کہ ہم کو اس قدر غلہ دیا جائے جو ہماری ضرورت کو کافی ہو۔

اَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَن يَتَّقِ
 وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ
 أَفْرَكْنَا اللَّهُ عَلَيْنَا وَلَئِنْ كُنَّا لَخُطُوبِينَ ﴿۱۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمْ
 الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۲﴾ إِذْ هَبُوا
 بَقِيصَتِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَيْ يَابِ بَصِيرًا وَأَتَنِي
 بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي
 لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿۱۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ

میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور
 صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ملا نہیں جاتا۔ انھوں نے کہا: "بخدا کہ تم کو
 اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی اور واقعی ہم خطا کرتے۔" اس نے جواب دیا: "آج تم پر کوئی گرفت نہیں،
 اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ، میرا یہ قیص لے جاؤ اور میرے والد
 کے منہ پر ڈال دو، ان کی بیانی پلٹ آئے گی، اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔"

جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا: "میں یوسف کی خوشبو محسوس
 کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بھلاپے میں ٹھہرا گیا ہوں۔" گھر کے لوگ بولنے لگا کہ تم آپ

﴿۱۵﴾ اس سے انبیاءِ طہیم معہم کی غیر معمولی قوت کا اعانہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف کا قیص لے کر مصر سے

چلا ہے اور دوسرے کنوؤں میں کے قافلے حضرت یعقوبؑ کی ہلک پاتے ہیں۔ مگر اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبیاءِ طہیمؑ
 کی یہ قوتیں کچھ ان کی ذاتی ذہنیں بلکہ اللہ کی بخشش سے ہی کوئی تھیں اور اللہ جب اور میں خدا ہوتا تھا انھیں کام کرنے کا موقع
 دیتا تھا۔ حضرت یوسفؑ بر محلِ معریش موجود ہے اور کہیں حضرت یعقوبؑ کو ان کی خوشبو نہ آئی۔ مگر اب کیا ایک قوتِ ہدایہ کی
 تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ کہیں ان کا قیص مصر سے چلا ہے اور وہاں ان کی ہلک آتی شروع ہو گئی۔

لَفِي ضَلَالِكَ الْقَبِيحِ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى
وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَِّّي أَعْلَمُ مِنَ
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا يَا بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا
كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى الْيَهُودَ بَيْنَهُ

ابھی تک اپنے اسی ٹھکانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے راسف کا قیصر یعقوب کے مندر ڈال دیا اور ایک
اس کی بیانی عود کر آئی۔ تب اس نے کہا میں تم سے کتنا تمہارا میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو
تم نہیں جانتے۔ سب بدل اٹھے! ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کریں، واقعی
ہم خطا کار تھے۔ اس نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا، وہ بڑا معاف
کرنے والا اور رحیم ہے۔

پھر جب یہ لوگ راسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھایا اور اپنے

میں یہ دو گھنٹی دھبی سے خالی نہ ہوا کہ ایک طرف قرآن حضرت یعقوب کو اس پیرا نشان کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اور دوسری
طرف بی بی مرثیہ ان کا بچے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر مومل ہندو ہو سکتا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب بی بی نے ان کو خبر دی
کہ راسف اب تک جیتا ہے اور وہی مارے کبھر کا ماکم ہے تو یعقوب کا دل دھک سے دو گیا کہ یہ اس نے ان کو تین دن پہلے
..... اور جب ان کے آپ یعقوب نے وہ گڑباز دیکھ کر میں جو راسف نے ان کو لانے کے لیے بھیجی تھی تب اس کی ہنسی میں جان
آئی۔ (پیراٹش، ۲۶۱: ۲۶۰-۲۶۱)

۶۷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سے خاندان میں حضرت راسف کے سا کوئی اپنے باپ کا قد و نشان نہ تھا اور
حضرت یعقوب خود بھی ان لوگوں کی ذہنی ملاحظہ کرتے ہی سے اس تھے۔ گھر کے چرن کی کدھنی باہر چلی رہی تھی، مگر وہ گھر والے اندر سے
میں تھے انسان کی عمارت میں وہ ایک شیکو سے زیادہ کچھ نہ تھا حضرت کی اس تم غلطی سے تلافی کی اکثر پیشتر ہی شخصیتوں کو ساتھ
پیش آتا ہے۔

۶۸ء بائبل کا بیان ہے کہ سب افراد خاندان جو اس موقع پر معرکے ۶۷ء تھے۔ اس قتلا میں دوسرے گھرانہ کی ان لوگوں کو شامیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب کے ہاں بیابا ہوئی آئی تھیں۔ اس وقت حضرت یعقوب کی عمر ۱۳۰ سال تھی وہ اس کے بعد وہ معرکے ۶۸ء اسل زندہ رہے۔

اس موقع پر ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف میت ان کی تعداد ۶۸ تھی۔ اور جب تقریباً ۷۰ سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد سرے سال بیابان سینا میں حضرت موسیٰ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابل جنگ سولہ کی تعداد ۶۰۳۵۵ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے، سب لاکھ کم از کم ۵۲۰ کہہ دیں گے۔ کیا کسی حسابی کا پانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی کل آبادی اگر اس زمانے میں ۲ کروڑ فرض کی جائے (جو قریباً بہت زیادہ کمیز اندازہ ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف بنی اسرائیل وہاں ۱۰ فی صدی تھے۔ کیا ایک خاندان محض تاسل کے ذریعے سے اتنا بڑھ سکتا ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ۷۰ برس میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا۔ یہ سن بنی اسرائیل پیروں کی اولاد تھی۔ ان کے یڈز حضرت یوسف، جن کی بدولت مصر میں ان کے قدم بچے، خود پیہر تھے۔ ان کے بعد چار پانچ صدی تک ملک کا اقتدار ریاضی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر بھی جو بزرگ اسلام ۹۷۰ء میں جوں گئے ان کا مذہب بھی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اپنی نظیر یا بزرگ جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوتنا میں مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ان کے وہ پاراسائیکالافتدای طرح چسپاں کر دیا گیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر عثمان کا لفظ آج چسپاں کیا جاتا ہے۔ اللہ وہ خود بھی دینی و تمدنی وابستہ شادی یاہد تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں توہ پڑتی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ یکساں پیش پے گئے۔ ۱۱۰۰ء جب بنی اسرائیل نے طب چھوڑا تو مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ ہی نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔

ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر خروج میں جہاں بنی اسرائیل کے سفر ٹھنے کا مال بیان ہوا ہے، بائبل کا مصنف کہتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک بی بی گروہ بھی گئی (۳۸: ۱۲) اسی طرح مگنسی میں وہ پھر کرتا ہے کہ "جو بی بی بیٹوں لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی مرضی مانے لگی" (۳۰: ۱۱) پھر یہ رسیج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لیے "یعنی انہوں پر بیٹوں کی اصطلاح میں استعمال ہونے لگیں چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کو احکام دیے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے:

"تمہارے لیے احساس پادری کے لیے جو تم میں رہتا ہے نسل در نسل ایک ہی آئین رہے گا۔ خداوند کہتا ہے

مرد بھی دیکھے ہی میں جیسے تم ہو۔ تمہارے لیے اور پردیسیوں کے لیے جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں ایک ہی شروع

"ما یک ہی قانون ہو" (مجتہ، ۱۵: ۱۵-۱۶)

"جو شخص بے باک ہو کر گناہ دے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی وہ خداوند کی اہانت کرتا ہے۔ وہ شخص اپنے

قَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ لَنْ شَاءَ اللَّهُ اٰمِنِيْنَ ۝۱۱ وَرَفَعَ اَبُو يَزْعَرِ
الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهُ سُجَّدًا ۝۱۲ وَقَالَ يٰ اَبَتِ هٰذَا تَوَلَّى دُوْىَاكِیْ

سب کنبہ والوں سے) کہا، اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو اس مہین سے رہو گے۔

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تعف پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ یوسف نے کہا ”ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے اُس خواب

(گوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا) (سنتی ۱۵: ۳۰)

”غواہ بھائی بھائی کا معاملہ برپا ہو رہی ہے، تم ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا“ (استدعا: ۱۱: ۱۶)

اب یہ یحییٰ کنا شکل ہے کہ کتاب انبی میں خیر اسرائیلیوں کے لیے وہ اہل فدا کیا استعمال کیا گیا تھا جسے ہزاروں نے پرہیز
بنکر رکھ دیا۔

۶۹؎ تلمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دار السلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے فوج
امرا، قابل مناصب اور فوج فرا کر کے کران کے استقبال کے لیے نکلے اور پورے ترکہ اور احتیاط کے ساتھ ان کو شہر میں لائے۔ وہ
دن و رات جن کا دن تھا۔ عورت اور بچے، سب اس مجلس کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی لہر
وڈھکی تھی۔

۱۱؎ اس فقہ ”سہد“ سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے قرآنی سہد استعمال کر کے بادشاہوں اور
یہود کے لیے سہد تجویز اور سہد تنظیم کا جائز خیال لیا۔ دوسرے لوگوں کو اس قیامت سے بچنے کے لیے اس کی توجیہ کرنی پڑی لڑائی
شرعیوں میں صرف سہد، عبادت خیر اور کے لیے حرام تھا، باقی مباح وہ سہد جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سوا دوسروں کے
بھی کیا جاسکتا تھا، البتہ شریعت محمدی میں ہر قسم کا سہد غیر خدا کے لیے حرام کر دیا گیا لیکن ساری غلط خیال مدہلی اس وجہ سے پیدا
ہوئی ہیں کہ فقہ ”سہد“ کو مجرد اسلامی اصطلاح کا ہم سنائی سمجھا گیا، یعنی ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر رکھنا۔ مالاکنہ سہد کے اصل
معنی صحن جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ فقہ اسی معنوم میں استعمال ہوتا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا
رولج ہے) کہ کسی کا شکر یا ادا کرنے کے لیے یا کسی کا استعمال کرنے کے لیے یا صحن سلام کرنے کے لیے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک
آگے کی طرف جھکتے تھے۔ اسی جگہ کو کے لیے عربی میں بخود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ بائبل میں
اس کی بکثرت مثالیں ہیں کہ قحطی میں کہ قدیم فلسطین میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا
کہ انھوں نے اپنے خیر کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لیے دوڑے اور زمین تک جھکے عربی بائبل میں
اس موقع پر جوا الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: غلما نظروا کمین لا یستقیبا لہم من باب الخیمۃ و یجدوا الی الارض

مَنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ

کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے

(تکوین: ۱۵-۲)۔ پھر جس مرتع پر یہ ذکر آتا ہے کہ نبی جنت نے حضرت مارہ کے دفن کے لیے قبر کی زمین مفت دی وہاں اردو بائبل کے الفاظ ہیں ”ابraham نے اُنھ کو اور نبی جنت کے آگے، جو اس ملک کے لوگ ہیں، آداب بھلاؤ کہ ان سے پس بھٹکر کی“۔ اور جب ان لوگوں نے قبر کی زمین میں جگہ ایکسلاؤ کہیت اور ایک نادر نذر میں پیش کر دیا تب ”ابraham اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھک کر عرض کر کہ میں ان دونوں مواقع پر آداب بھلاؤں اور بھٹکنے کے لیے“ سہرہ کرنے“ ہی کے الفاظ استعمال پڑتے ہیں: نقام ابراہیم و بعد لشعب الاسرا من لدن جنت (تکوین: ۱۵-۲۳)۔ فہم ابراہیم و اسامہ شعب الاسرا من (۳: ۲۳)۔ انگریزی بائبل میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

Bowed himself Toward the ground.

Bowed himself to the people of the land and Abraham bowed down himself before the people of the land.

اس مضمون کی مثالیں ڈی کثرت سے بائبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ سے سلام دہا ہے ہی نہیں۔ اب اسلامی اصطلاح کے لفظ ”سہرہ“ سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے سلام کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تائید میں سرسری طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ ان کی شریعتوں میں خرافہ کو تقبیح سہرہ کرنا یا سہرہ تہیت بھلاؤنا جائز تھا، انھوں نے محض ایک سہرہ پر اہل بات کی ہے۔ اگر سہرہ سے مراد وہ چیز ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سہرہ کہا جاتا ہے، تو وہ خدا کی بھی ہو گی کسی شریعت میں کبھی کسی خرافہ کے لیے جائز نہیں رہا ہے۔ بائبل میں ذکر آتا ہے کہ بابل کی امیری کے زمانے میں جب اخسیریس بادشاہ نے امان کو اپنا امیر لایا تو وہ حکم دیا کہ سب لوگ اس کو سہرہ تقبیح بھلاؤ یا کریں تو مرد کی نے، جو بنی اسرائیل کے ادویا میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا (امیر ۱: ۱-۲)۔ تہرہ میں اس واقعہ کی شرح کئے گئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:

”بادشاہ کے ملازموں نے کہا: ”خیر! امان کو سہرہ کرنے سے انکار کرتا ہے، ہم بھی آدمی ہیں گویا ہی حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا تم لوگ نا مان ہو کیا ایک نانی انسان جو کل خاک میں مل جائے گا؟ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی بڑائی مافی جانے؟ کیا میں اس کو سہرہ کل جھلیک حرمت کے بیٹ سے پیدا ہوا، کل بچہ تھا۔ آج جہاں ہے، کل جوڑھا جو گا اور پسوں جوائے گا؟ نہیں، میں تو اس نانی مادہ ہی خدا ہی کے آگے بھٹکی گا جی رہا ہوں۔“ وہ جو کائنات کا خالق اس عالم ہے، میں تو بس ہی کی تعظیم بھلاؤں گا، اور کسی کی نہیں۔“

أَخْرَجَنِي مِنَ السَّبْعِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ
 أَنْ تَنْزِعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا
 يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ١٠ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ
 وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَلْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ
 أَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ١١

قید خانے سے نکالا، اور آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملا یا مالا کر شیطان میرے اور میرے بھائیوں
 کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے،
 بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔ اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا
 سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ و سلام
 پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

یہ تفسیر نزلِ قرآن سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ایک اسرائیلی عرصہ کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور اس میں کوئی تاریخی
 پس منظر کا نہیں پایا جاتا کہ غیر اللہ کو کسی عرصہ میں بھی تہہ مگر ناجائز ہے۔

۱۰۔ یہ جذباتی ہے جو اس موقع پر حضرت یوسف کی زبان سے نکلے ہیں، ہمارے سامنے ایک بچے عرصہ کی سیرت کا عجیب و غریب
 نقشہ پیش کرتے ہیں۔ صحرائی گلابوں کے فائدہ ان کا ایک فردا جس کو خود اس کے بھائیوں نے حد کے واسطے ہاک کر دیا جاتا تھا، زندگی
 کے شیبہ و فردا رکھتا ہوا قانونی حور کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس کے تھا وہ اعلیٰ خاندان اب اس کے دست و گریب کو
 اس کے حضور آئے ہیں اور وہ حامد بجاتی بھی، جو اس کو ارڈانا چاہتے تھے، اس کے تحت شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔
 یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فرماتے، ڈھکیں مارنے، لگے اور ٹوکے کرنے، اور طعن و ممت کے تیرہ سامنے کا تھا۔ مگر
 ایک پادشاہت انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اتفاق ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس عروج پر فخر کرنے کے بجائے اس خدا کے
 احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا۔ وہ فائدہ ان دانوں کو اس غم و غم پر کرنی طاقت نہیں کرتا جو اس کے غم میں
 انھوں نے اس پر کیے تھے۔ اس کے برعکس وہ اس بات پر شکر ادا کرتا ہے کہ خدا اسے اتنے دنوں کی جلائی کے بعد تم لوگوں کو مجھ
 ملا۔ وہ حامد بجاتیوں کے خلاف ملکوت کا ایک فتور ان سے نہیں نکالتا حتیٰ کہ یہ بھی نہیں گنتا کہ انھوں نے میرے ساتھ باپ کی تھی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ
حَرَصْتَ بِشُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنَّ هُوَ

اے محمد! یہ تصدیق غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں وہ نہ تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی۔ مگر تم خواہ کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر لوگ مان کر دینے والے نہیں ہیں۔ حالانکہ تم اس خدمت پر ان سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے ہو۔ یہ تو

جو ان کی عقلانی خود ہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ خدا جس مرتبہ پر تجھے پہنچانا چاہتا تھا اس کے لیے یہ لطیف تدبیر تھی نے فرمائی یعنی بھائیوں سے شیطان نے جو کچھ کیا اسی میں حکمت تھی کے مطابق میرے لیے خیر تھی۔ چند الفاظ میں یہ سب کچھ کہہ جانے کے بعد وہ بے اختیار اپنے خدا کے آگے جھک جاتا ہے اس کا شکرا ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے بادشاہی دی اور وہ کامیابی بخشیں گی کی بدولت میں قید خانے میں مرشے کے بھائے آج دنیا کی سب سے بڑی مملکت پر فراں درائی کر رہا ہوں۔ اور تاخیر میں خدا سے کچھ ملتا ہے تو یہ کہ دنیا میں جب تک زندہ رہوں تیری بندگی دفوی پشتات قدم رہوں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو تجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔ کس قدر بلند اور گستاخاں میرے یہ فرمانیرت!

حضرت یوسف کی اس قیمتی قدر نے بھی اہل اور کمروں کوئی جگہ نہیں پائی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ کتاب میں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری پڑی ہیں مگر ہر چیز کوئی اخلاقی قد و قیمت رکھتی ہیں اور جس سے ذبیحہ کی اصلی تعلیم اور ان کے اخلاقی شن اور ان کی ہیروں کے بہت آموزہ پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔

یہاں یہ قدرتمند اور باہر ہے اس لیے ناظرین کو کھراس حقیقت پر تفسیر کر دینا ضروری ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن کی روایت اپنی جگہ ایک سنگل روایت ہے، لیکن یہ انکوہ کا چہرہ نہیں ہے۔ تینوں کتابوں کا مقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قصہ کے متعدد اہم اجزاء میں قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض چیزیں قرآن ان سے نہ لایا گیا کرتا ہے، بعض ان سے کم، اور بعض ان کی تردید کرتا ہے۔ لہذا کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصہ سنایا وہ بھی اسوئل سے سن لیا ہوگا۔

۲۔ یوسفیوں کو ان کی ہڈی دھری کا عجیب حال ہے۔ تمہاری نبوت کی آزمائش کے لیے بہت سوچا سمجھا کر اور مشورے کر کے جو مطالبہ انہوں نے کیا تھا اسے تم نے بھی منہ میں جھستہ رو کر دیا، اب شاید تم توقع ہو گئے کہ اس کے بعد تو انہیں تسلیم

حج

لَا ذِكْرُ لِلْعَالَمِينَ ۝ وَكَاتِبَتَيْنِ مِّنْ آيَةِ فِي السَّمَوتِ وَالْأَرْضِ
يَسْرُونَ عَلَيْهِمَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ

ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام تھی۔ ۷

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں
اور خدا تو جسہ نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ

کولینے میں کوئی نال نہ رہے گا کہ تم یہ قرآن خود تصنیف نہیں کرتے جو مکر و راسخی تم ہی آتی ہے، اگر زمین جانو کہ یہ اب بھی نہ مانگے
اور اپنے انکار پر چمے رہنے کے لیے کوئی دوسرا زمانہ ڈھونڈ لیاں گے، کیونکہ ان کے زمانے کی اصل دیر نہیں ہے کہ تمہاری مشا
کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ کھلے دل سے کوئی حقوی دلیل چاہتے تھے اور وہ ابھی تک انہیں نہیں ملی۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ
کہ تمہاری بات یہ ماننا چاہتے نہیں ہیں اس لیے ان کو کوشش دراصل ہانے کے لیے کسی دلیل کی نہیں بلکہ زمانے کے لیے کھلی ہانے کی ہے۔
اس کام سے مقصود بھی اللہ علیہ وسلم کی کسی غلط فہمی کو رفع کرنا نہیں ہے، اگرچہ بظاہر خطاب آپ ہی سے ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد غالب
گروہ کو جس کے مجمع میں یہ تقریر کی جا رہی تھی، ایک نہایت لطیف و دقیق طریقہ سے اس کی ہٹ دھرمی پر تنبیہ کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی عقل میں
آپ کا امتحان کے لیے پایا تھا اور اچانک یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر تم ہی جو تو بتاؤ اپنی اصل بات کے سوا کہ جسے اللہ کیسے ہے، اس کے جواب میں
ان کو وہیں اور اسی وقت پر راضی نہ کیا گیا، اور انہیں یہ جھوٹا مانعہ نہ کہ نہایت ہی ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ہٹ دھرمی اس میں اپنی موت
دیکھ لو، تم جس منہ سے امتحان لینے بیٹھے تھے، محفل انسان اگر امتحان لینے میں تو اس لیے نہیں ہے کہ اگر حق ثابت ہو جائے تو اسے ان میں
مخبر وہ لوگ ہر جہان نامہ لکھنا بتوت مل جائے یہ یوں مان کر نہیں دینے۔

۸ اور ان کی تنبیہ کے بعد یہ دوسری لطیف تر تنبیہ ہے جس میں صحت کا پہلا کلمہ قرآن ہی کیلئے زیادہ ہے۔ اس ارشاد کا
خطاب بھی اٹھارہویں صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اصل مخاطب کفار کا مجمع ہے اور اس کو یہ سمجھنا ضرور ہے کہ اللہ کے بند و افغور کرو،
تمہاری یہ ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے۔ اگر پیغمبر نے اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے دعوت و تبلیغ کا یہ کام جاری کیا ہوتا یا اس نے اپنی
فات کے لیے کچھ بھی چاہا ہوتا تو بے شک تمہارے لیے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم اس عظیم آدمی کی بات کیوں مانیں۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ
یہ شخص بے فرق ہے تمہاری اور دنیا بھر کی بیوی کے لیے نصیحت کر رہا ہے اور اس میں اس کا بہانہ کوئی مفاد و مشیہ نہیں ہے۔ پھر اس کا
اس ہٹ دھرمی سے کہہ رہے ہو تو کیا عقربیت ہے۔ انسان اس کے جھلنے بے شک بات بے غرضی کے ساتھ پیش کرے اس سے کچھ کو
خواہ مخواہ غور فرمیں، پھر کھلے دل سے اس کی بات سنو اور دل کو گھٹی ہو کر آؤ، یہ کتنی عزم و قوت۔

۹ اچھے لوگوں کے لیے یہ کہہ کر ان میں حضرت یونس کا قصہ نہم ہو گیا۔ اگر وہی الہی کا مقصد حق قصہ کوئی ہوتا تو اس میں مگر تھوڑے سی
ہر جہان چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو قصہ کسی مقصد کی خاطر لکھا جاتا ہے اور اس مقصد کی تبلیغ کے لیے جو موقع مل جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے

إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾

اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیا یہ مطمئن ہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی عذاب اگر نہیں دہرایا جائے گا یا بے خبری میں قیامت کی گھڑی اچانک ان پر نہ آجائے گی، وہ تم ان سے صاف کہہ دو کہ

میں مدعی نہیں کیا جاتا۔ اب جو لوگ لوگوں نے خود بخود کہا اور تصدیق کرنے کے لیے کان تو ہر گز نہیں دیا۔ اس لیے ان کے مطلب کی بات ہم کرتے ہی چند چلے اپنے مطلب کے بھی کہہ دیے گئے اور قیامت درجہ اختصار کے ساتھ ان چند جملوں ہی میں نصیحت اور دعوت کا سارا معنی لکھ دیا گیا۔

۱۰۶۔ اِس سے متعدد لوگوں کو ان کی غفلت پر تنبیہ کی ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز جہاں خود بعض ایک چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک نشان ہی ہے جو حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو لوگ ان چیزوں کو بعض چیز ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ انسان کا سامنا دیکھنا نہیں بلکہ ہاوردوں کا سامنا دیکھتے ہیں۔ درخت کو درخت، اور پہاڑ کو پہاڑ اور مانی کو مانی تو جانور بھی دیکھتا ہے، اور انسانی ضرورت کے لحاظ سے ہر جانور ان چیزوں کا معرفت بھی جانتا ہے۔ مگر جس مقصد کے لیے انسان کو اس کے ساتھ سمجھنے والا دروغ بھی دیا گیا ہے، وہ صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ وہی ان چیزوں کو دیکھے اور ان کا معرفت اور استعمال معلوم کرے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانوں کے ذریعہ سے اُس کا سراغ لگائے۔ اسی معاملہ میں اکثر انسان غفلت برت رہے ہیں اور جو غفلت ہے جس نے ان کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اگر دلوں پر یہ عقل نہ چڑھایا گیا ہوتا تو انبیاء کی بات سمجھنا اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا اور ان کے لیے اس قدر مشکل نہ ہوجاتا۔

۱۰۷۔ یہ ظری تجربہ ہے اِس غفلت کا جس کی طرف ہم کے حق سے اشارہ کیا گیا ہے جب لوگوں نے نشان راہ سے آنکھیں بند کیں تو سہمے راستے سے ہٹ گئے اور اطراف کی چھاؤں میں بھٹ کر رہ گئے۔ اِس پر بھی کم انسان ایسے ہیں جو منزل کو بالکل ہی گم کر چکے ہیں اور جنہیں اِس بات سے قطعی انکار ہو کہ خدا ان کا خالق و رازق ہے۔ بیشتر انسان جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ انکار خدا کی گمراہی نہیں بلکہ شرک کی گمراہی ہے۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خدا نہیں ہے بلکہ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا کی ذات اللہ اس کی صفات، اختیارات اور صفات میں دوسرے کچھ ایسی طرح شریک ہیں۔ یہ غلط فہمی ہرگز نہ پہلا جوتی اگر زمین و آسمان کی ان نشانوں کو سمجھ و عبرت سے دیکھا جائے تو ہر لوگ اور ہر انسان خدا کی وحدت کا تہ دستہ رہی ہیں۔

۱۰۸۔ اِس سے متصور لوگوں کو جو کہتا ہے کہ درصہ زندگی کو دلاؤ کہہ کر وہ حال کے اس کو دائم خیال کر کے فکرِ آں کو کسی اُسے وقت پہنچاؤ گا کہ کسی انسان کے پاس بھی اِس امر کے لیے کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس کی ملت حیاتِ ظاہر وقت تک یقیناً باقی رہے گی۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب ہمارا اِس کی گرفتاری ہو جاتی ہے اور کہاں سے کس حال میں وہ پکڑ لیا جاتا ہے۔ تمہارا شب و روز کا تجربہ

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كُنُوا جَاءَهُمْ
 نَصْرًا فَمِنْهُنَّ مَنْ نَّشَأَ وَلَا يَرُدُّ بَأْسًا عَنْ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٠﴾
 لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولَى الْأَلْبَابِ مَا كَانَ
 حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ
 كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

ع ۱۲

(پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ تو نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سُن کر نہ دیا، یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا تو یکایک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔ پھر جب ایسا موقع آجا تاہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں بچا لیتے ہیں اور محرموں پر سے تو ہمارا عذاب مٹا ہی نہیں جاسکتا۔

اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

کبھی نہیں بڑا کہ اپنا تک ایک، جتنی شخص کسی شہر خود راہ ہو گیا ہو اور اس نے کہا کہ میں پیغمبر بنا کر بیٹھا گیا ہوں۔ مگر جو لوگ بھی انسان کی عقل کے لیے اٹھائے گئے وہ سب انسانوں کے رہنے والوں میں سے ہی تھے۔ مسیح، موسیٰ، ابراہیم، نوح (علیہم السلام) انہی تھے وہ اب تم خود بجا دیکھو کہ جو قوموں نے ان لوگوں کی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیا اور اپنے لیے نیا دینیات اور اس لیے نیا قومیں بنائیں انہی کا انجام کیا ہوا ہے جو اپنے جباری مفروضوں میں غلام و خوار ہو گئے اور قوم کو طوفانِ فتنہ و شہادتوں سے گزرتے رہے۔ کیا وہ ان کوئی جتنی نہیں نہیں ۱۱۰۰ ہجری میں انہوں نے دنیا میں دیکھا، یہی تو غور ہے کہ کماقت میں وہ اس سے بڑا انجام دیکھیں گے۔ اور یہ کہ ان لوگوں نے دنیا میں اپنی صلاح کی وہ صرف دنیا ہی میں اچھے نہ رہے آخرت میں ان کا انجام اس سے بھی زیادہ ہتر ہوگا۔

نصیب میں ہر اس چیز کی تفصیل جو انسان کی ولایت و نہایتی کے لیے ضروری ہے۔ جس لوگ ہر چیز کی تفصیل سے مراد خواہ عوام و خواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل ہے۔ لیکن ہر اس چیز کو یہ پریشانی پیدا کرتی ہے کہ قرآن میں یہ حکمت اور طب اور دینیاتی اور دوسرے علوم و فنون کے تفصیل کوئی تفصیل نہیں تھی۔

تفہیم القرآن (۲)

الرحمہ

(۱۳)

الرحلہ

نام آیت ۱۱ کے فقرے وَتَسَبِّحُ الرَّحْمٰنَ حَمْدًا وَّالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيعَتِهِم کے تحت ارکھ کر اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ اس نام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سورۃ میں ہادلی کی گرج کے کسے سے برکت کی گنجی ہے، بلکہ یہ صرف علامت کے طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سورۃ ہے جس میں لفظ الرحلہ آیا ہے، یا جس میں رحلہ کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول | ارکھ ۱۲ اور ارکھ ۱ کے مضافات شہادت دیتے ہیں کہ یہ سورۃ بھی اسی دور کی ہے جس میں سورۃ یونس، ہود اور احولت نازل ہوئی ہیں، یعنی زمانہ تمام کہ کا آخری دور۔ انعام بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام کی موت دیتے ہوئے ایک مدت دراز گزر چکی ہے، خاص غرض یہ کہ آپ کو زندہ دینے اور آپ کے دشمن کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کی باتیں چلتی رہی ہیں، جو نبی بار بار انہیں کر رہے ہیں کہ ان کوئی جزو نہ کھا کر کسی بن لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بھلا رہا ہے کہ ایمانی کی راہ کو کھانے کا یہ طریقہ چاہے ہاں رائج نہیں ہے اور اگر دشمنان حق کی دہشت دراز کی جارہی ہے تو یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے تم گھبراؤ۔ پھر آیت ۱۲ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کفار کی ہٹ دھرمی کا ایسا مظاہرہ ہو چکا ہے جس کے بعد یہ کہنا بالکل مبالغہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبروں سے مردے بھی اٹھ کر آجائیں تو یہ لوگ نہ انہیں گے بلکہ اس واقعہ کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر ڈالیں گے۔ ان سب باتوں سے بھی گمان ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکز کی مضمون | سورۃ کا مدعا پہلی ہی آیت میں پیش کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کر رہا ہے وہی حق ہے، اگرچہ لوگوں کی فطرتی ہے کہ وہ اسے نہیں مانتے۔ ماری تقریر ایسی مرکز کی مضمون کے گرد گھومتی ہے۔ اس مسئلے میں بار بار مختلف طریقوں سے خوبصورت اور رسالت کی خطائیت ثابت کی گئی ہے۔ ان پلایان والے کے انتہائی دروہانی فیہ نہ بھانے گئے ہیں، ان کو نہ ماننے کے قصصات بتائے گئے ہیں۔ اور یہ زمین نشین کیا گیا ہے کہ کفر سرسبز ملک حیات اور حیات ہے۔ پھر چونکہ اس ماسے بیان کا مقصد محض دافعتی کو مطمئن کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ ایمان کی طرف کھینچنا بھی ہے اس لیے نہ صرف مطلق مستندال سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ایک ایک دلیل اور ایک ایک شہادت کو پیش کرنے کے بعد ضمیر کو طرح طرح سے تزلزل ترہیب ترہیب اور شہقا ز عین کی گئی ہے تاکہ نادان لوگ اپنی گمراہی نہ دھڑکے۔

دوسری تقریر میں جو کچھ غافضی کے اعتراضات کا ذکر کئے ہیں ان کے جوابات دیے گئے ہیں، اور ان

شہادت کو رفع کیا گیا ہے جو خود علیٰ ہذا طریقہ کی دعوت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے تھے یا مخالفین کی طرف سے ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان کو بھی، جو کئی برس کی طویل اور سخت جدوجہد کی دیکھ چکے ہمارے تھے اور سہیلہ کی کے ساتھ نبی امداد کے متعلق تھے، تسلی دی گئی ہے۔

آيَا هَآءَا ۴۴ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ ۱ رُكُوْعًا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْمَرَّ تِلْكَ آيَةُ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۱ اللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَہَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسُ وَ

آل۔ م۔ ر۔ یہ کتاب الہی کی آیات ہیں، اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ میں حق ہے، مگر تمہاری قوم کے اکثر لوگ مان نہیں رہے ہیں۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہیں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے آفتاب و مانتاب کو ایک قانون کا

لے۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت ہے جس میں متغیر و کام کو چند فنون میں بیان کر دیا گیا ہے۔ دوسرے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! تمہاری قوم کے اکثر لوگ اس تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اے نبی! تم نے تم پر نازل کیا ہے اور یہی حق ہے خواہ لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ اس متغیر کی تہید کے بعد اہل تہذیب و تمدن ہو جاتی ہیں جس میں حکموں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ تعلیم کیوں حق ہے اللہ اس کے واسطے میں مان کا رویہ کس قدر غلط ہے۔ اس تقریر کو سمجھنے کے لیے ابتدائی سے پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ تین بنیادی بار اول پر مشتمل تھی۔ ایک یہ کہ خدا کی حمد کی پوری اللہ کی ہے اس لیے اس کے سوا کوئی نیک جہاد کا مستحق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ تیسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ پیش کر رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں، یہی تین باتیں ہیں جنہیں ماننے سے لوگ انکار کر رہے تھے، چنانچہ اس تقریر میں بار بار طریقے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور انہی کے متعلق لوگوں کے شبہات

الْقَمَرُ كُلُّ يَجْزِي إِجْلٍ مُسَمًّى يُدَبَّرُ الْأَمْرُ يُفْصَلُ الْآيَاتِ

پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لیے چل رہی تھی، اور
 اشد ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نٹانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید
 احکامات کو رخ کیا گیا ہے۔

۱۔ ہاتھ کاٹ دیا آسمانوں کو غیر محسوس انداز میں ہر طرف پھیل گیا۔ بظاہر کوئی چیز فضا کے بیسیڈ میں ایسی نہیں ہے جو اس سے جدا حساب اجرام غلغلے کو تھا سہ جہت ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے رکھتی ہے اور ان عظیم اشیاء اجرام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔

لے اس کی تشریح کے لیے غلط طور پر اسرارِ حاشیہ لے۔ مختصر بیان آسانیاں کافی ہے کہ عرض (یعنی مصلحت) کا نیت کے مرکز پر اندھ تھائی کی۔ برہ فرمائی کہ جگر جگر تھیں جس میں غرض کے لیے بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو صرف یہی بنائیں کر دیا ہے بلکہ آپ ہی اس مصلحت پر فرما دیا تھا کہ اگر آپ یہ جہان بہت و بڑو کو فی حق خود چنے والا کارخانہ میں ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں، اور نہ مختلف خداؤں کی آماج گاہ ہے، جیسا کہ بہت سے دوسرے جاہل سمجھ بیٹھے ہیں، بلکہ یہ ایک باقاعدہ نظام ہے جسے اس کا مداکرنے والا مخلوق چلا رہا ہے۔

کے یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ مخالف وہ قہر ہے جو اللہ کی بنی کی ٹکڑ نہ تھی، نہ اس کے خالق ہونے کی حسرت تھی، اور نہ یہ ٹھکان رکھتی تھی کہ یہ سارے کام جو یہاں بیان کیے جا رہے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور کے ہیں۔ اس لیے بجائے خود اس بات پر دلیل لسنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ واقعی اللہ ہی نے آسمانوں کو قائم کیا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو ایک ضابطے کا پابند بنا دیا ہے۔ بلکہ اس واقعات کا جو جنس مخالف خود ہی مانتے تھے، ایک دوسری بات یہ دلیل قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس نظام کائنات میں صفا اقتدار نہیں ہے جو مجبوراً قرار دینے چاہئے جانتے یا نہ جانتے جو روایہ سوانا کو جو شخص سر سے لے کر اللہ کی ہستی کا اداس کے خالق و مدہم ہونے ہی کا قائل نہ ہو اس کے مقابلے میں یہ استدلال کیسے منہ پر مسکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ خالق یا مشرکین کے مقابلے میں جو توحید کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتا ہے وہی دلائل اعداد کے مقابلے میں جو دوبارہ کے اثبات کے لیے بھی کافی ہیں۔ جو توحید کا سارا استدلال اس بنیاد پر قائم ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ جو اس نظام ایک زبردست قانون کے تحت چلی رہا ہے جس میں ہر طرف ایک جوگیر آواز کا ایک عجیب ملکوت، اور بے خطا عالم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار جس طرح اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کے بہت سے فرخندہ نہیں ہیں، اسی طرح اس بات پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرماندار ہے۔ نظم کا مقصد ایک ناظم کے بغیر قانون کا تصور ایک مقرر کے بغیر ملکوت کا تصور ایک حکیم کے بغیر، علم کا تصور ایک عالم کے بغیر اور جسے جیسے کہ کہ کوئی قوت کا تصور ایک خالق کے بغیر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہر ہر دم جو، باہر و درون کی مکمل ماری گئی ہو۔

۴۴ یعنی نظام صرف اسی امر کی شہادت نہیں دے رہا ہے کہ ایک جہد کیراقتدار اس پر فرمان روا ہے اور ایک نہایت

لَعَلَّكُمْ يَلْقَاءُ رَبَّكُمْ تَوَفُّونَ ﴿۱﴾ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ
فِيهَا نَاطِقًا وَانْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ
أَثْنَيْنِ يُغِشِّي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲﴾

کہ تم اپنے رب کی علامات کا یقین کرلو۔

اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا
بمادیے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے۔
ان ساری چیزوں میں جڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

حکمت اس میں کام کر رہی ہے بلکہ اس کے تمام اجزاء اور ان میں کام کرنے والی ساری قوتیں اس بات پر ہی گواہی دے گی کہ اس نظام کی کوئی چیز
غیر فانی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس کے اختتام تک وہ چلتی ہے اور جب اس کا وقت آن چڑھا ہوتا ہے تو
بٹ جاتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح اس نظام کے ایک ایک جزء کے معاملے میں صبح ہے اسی طرح اس پر اسے نظام کے معاملے میں
بھی صبح ہے۔ اس عالم طبیعی کی عمر کی ساخت یہ بتا رہی ہے کہ یہ لمبی دوسری نہیں ہے اس کے لیے بھی کوئی وقت مقرر ہے جب
یہ ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا عالم پر پا جوگا۔ لہذا قیامت جس کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس کا آنا مستبعد نہیں بلکہ نہ آنا
مستبعد ہے۔

۱۔ یعنی اس امر کی نشان دہی کہ رسول خدا جن حقیقتوں کی خبر دے رہے ہیں وہ فی الواقع حقیقی ہیں۔ کائنات میں ہر طرف
اُن پر گواہی دینے والے آثار موجود ہیں۔ اگر لوگ انھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آجائے کہ قرآن میں جن باتوں کا ایمان لانے کی
دعوت دی گئی ہے زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے بے شمار نشانات ان کی تصدیق کر رہے ہیں۔

۲۔ ادھر جن آثار کائنات کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے ان کی یہ شہادت تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اس عالم کا خالق و مدبر
ایک ہی ہے، لیکن یہ بات کہ موت کے بعد دوسری زندگی، اور ملائکہ الہی میں انسان کی حاضری اور دوسرے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
جو خبریں دی ہیں ان کے حق ہوئے ہو بھی ہیں یا آثار شہادت دیتے ہیں، ذرا محفل ہے اور زیادہ غور کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔ اسی لیے
پہلی حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، بلکہ کہ سننے والا محض دماغی کوٹس کہہ رہا تھا کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے
دوسری حقیقت پر غور و فکر کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ اپنے رب کی علامات کا یقین بھی تم کو انہی باتوں پر خود کرنے سے حاصل
ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا نشانوں سے آخرت کا ثبوت دوسرے طریق سے ملتا ہے:

ایک یہ کہ جب ہم آسمانوں کی ساخت اور شمس و قمر کی تیز رفتاری پر غور کرتے ہیں تو ہمارا دل یہ شہادت دیتا ہے کہ جس مخلوق نے عظیم الشان اجرام فلکی پیدا کیے ہیں، اور جس کی قدرت اتنے بڑے بڑے کونکر خفایں گردش دے رہی ہے، اُس کے لیے ذرا انسانی کموت کے بعد دوبارہ پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اسی نظام فلکی سے ہم کو یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا کمال مدد ہے کا حکیم ہے، اور اُس کی حکمت سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ انسان کو ایک ذی عقل و شعور اور صاحب اختیار اور اداہ حقوق بنانے کے بعد اسے اپنی زمین کی بے شمار چیزوں پر تصرف کی قدرت عطا کرنے کے بعد اس کے کارنامہ زندگی کا حساب دے دے، اُس کے ظالموں سے باز رہے اور اُس کے مظلوموں کی مدد دے دے، اُس کے بیکاروں کو روزگار عطا کر دے، اور اُس کے بیماروں کو روزانہ دے، اور اُس کے کچھ بچے ہی نہیں کہ ہر بیش قیمت امانتیں میں نے تیرے سپرد کی تھیں، ان کے ساتھ تو نے کیا معاملہ کیا۔ ایک اندھ لہو تو کہے شک اپنی مسکنت کے صلوات اپنے کار پر نازل کے سماے کر کے غایب غفلت میں سرشار ہو گیا ہے، لیکن ایک حکیم و دانہ سے اس غلط فہمی و تعاطل کشی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اس طرح آسمانوں کا شاندار ہم کو صرف آخرت کے مکان کا قائل کرتا ہے، بلکہ اس کے وقوع کا یقین بھی دلاتا ہے۔
 ۷۷ اجرام فلکی کے بعد عالم زمینی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور یہاں بھی خدا کی قدرت اور حکمت کے نشانات سے اُنھی دونوں حقیقتوں (توحید اور آخرت) پر استشاد دیا گیا ہے جن پر کچھلی آیات میں عالمِ مسمیٰ کے آثار سے استشاد دیا گیا تھا۔ ان کمال کا خاصہ یہ ہے:

(۱) اجرام فلکی کے ساتھ زمین کا تعلق، زمین کے ساتھ سورج اور چاند کا تعلق، زمین کی بے شمار مخلوقات کی ضرورتوں سے پہاڑ اور دریاؤں کا تعلق، یہ ساری چیزیں اس بات پر کھلی شہادت دیتی ہیں کہ ان کو نہ تو انک اکھ خداؤں نے بنایا ہے اور نہ خلقت با اختیار خدا ان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان سب چیزوں میں باہم اتنی مناسبتیں اور ہم آہنگیوں اور مواضعیں نہ پیدا ہو سکتی تھیں اور مسلسل قائم رہ سکتی تھیں۔ انک اکھ خداؤں کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ن کر ہدی کا نسات کے لیے تخلیق تدبیر کرے یا اسے معرہ بنائے جس کی ہر چیز زمین سے ملے کر آسمانوں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لگائی جلی جائے اور کبھی ان کی مصلحتوں کے مدبران تصادم واقع نہ ہونے پائے۔

(۲) زمین کے اُس عظیم الشان گڑے کا خزانہ بیڑ میں ملتا رہتا، اُس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پھاڑوں کا ابھرا نا اس کے پہنے پھاڑے ایسے زبردست دھیاؤں کا جاری ہونا، اُس کی گود میں طرح طرح کے بے حد صلب و مغزوں کا پہلنا، اور یہ سب آسمانی ہاتھ دگی کے ساتھ مات اور دن کے جوت انجیر آٹا اور کاٹا رہتا، یہ سب چیزیں اُس خدا کی قدرت پر گواہ ہیں جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ ایسے قادر مطلق کے منتزیع گمان کنانہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا نہیں کر سکتا، عقل و دانش کی نہیں، حماقت و دجوت کی دیل ہے۔

(۳) زمینی کی ساخت میں، اُس پر پہاڑوں کی پیدائش میں، پہاڑوں سے دھیاؤں کی دفاعی کا انتظام کرنے میں، پہاڑوں کی قریب میں دو دو طرح کے کھیل پیدا کرنے میں، اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کے ساتھ دگی کے ساتھ ہانے میں جو بے شمار کھیلوں اور

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُتَبَجِّرَاتٌ وَجَنَّتْ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَ
فَخَيْلٌ صُنُوكٌ وَغَيْرُ صُنُوكٍ يُنْفِقُ بِمَا وَاحِدٌ وَتَفْضِلُ بَعْضَهَا عَلَى
بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۵﴾

اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔
انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکھرے ہیں اور کچھ دوسرے۔
سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر ان سب
چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

مصلحین پانی پانی میں وہ چار بکر شاد دے رہی ہیں کہ جس نے تھیں کا یہ نشر نایا ہے وہ کمال ہے کہ حکیم ہے۔ یہ ساری
چیزیں جو جوتی ہیں کہ نہ تو کسی لہہ مادہ طاقت کی کا درجہ پانی ہے اور نہ کسی کھلے کھلے کا کھلونا۔ ان میں سے ہر چیز کے اندر ایک
حکیم کی حکمت اور انتہائی بالغ حکمت کام کرتی نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد صرف ایک نادان ہی ہو سکتا ہے جو یہ گمان
کے گداز میں پر انسان کو پیدا کر کے ادا سے ایسی جگہ متواتر میں کے مواقع دے کہ وہ اس کو یونیٹک میں گم کر دے گا۔

۹ یعنی ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کر دیے ہیں جو متصل ہونے کے
باوجود مثل میں رنگ میں مادہ ترکیب میں خاصیتوں میں، توکل اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیائی یا مادی خزانوں میں ایک
دوسرے سے باہل مختلف ہیں۔ ان مختلف مخلوق کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر جتنی
اللہ مصلحین رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوسری مخلوقات سے قطع نظر صرف ایک انسان ہی کے مفاد کو سامنے رکھ کر دیکھا
جاتے تو امانہ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی مختلف خرافات و مصالح اور زمین کے ان مخلوق کی گونا گونی کے درمیان جو نسبتیں اور
مطابقتیں پائی جاتی ہیں اور ان کی بدولت انسانی تمدن کو پہنچنے پہنچنے کے مواقع ہم پہنچے ہیں وہ یقیناً کسی حکیم کی فکر اور اس کے
سر پرے کچھ منظر ہے اور اس کے حاشیہ نازان ادا سے کا نتیجہ ہیں اسے صحن ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کے لیے بڑی بڑی مصلحتی
دور کا رہے۔

۱۰ محمد کے درختوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑ سے ایک ہی سا کھٹا ہے اور بعض میں ایک ایک جڑ سے جو یا نیا
تختے ہیں۔

۱۱ اس آیت میں اللہ کی توصیف ماس کی وحدت و حکمت کے نشانات دکھانے کے علاوہ ایک اور حقیقت کی طرف
بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات میں کہیں بھی کبھی کبھی نہیں رکھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے مگر اس کے

وَأَنْ تَعْبَبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ أَكْنَا ثُرْبًا ۖ إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَىٰ ۚ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ
 أَغْلَالٌ ۖ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ
 بِالْهَيْبَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ ۚ وَإِنَّ

اب اگر تعجب کتنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مرکز مٹی میں جہان کے
 نوکیلا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے کفر کیا ہے۔ یہ
 لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کے لیے جلدی پھا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (جو لوگ
 اس روش پر چلے ہیں ان پر خدا کے عذاب کی) عبرتناک مثالیں گزر چکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

قطے اپنے اپنے رنگوں، شکلوں اور خامیوں میں جدا ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی ہے مگر اس سے طرح طرح کے غلے اور پھل
 پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک ہی درخت ہے اور اس کا ہر پھل دوسرے پھل سے نوعیت میں متحد ہونے کے باوجود شکل اور جسامت اور دوسری
 خصوصیات میں مختلف ہے۔ ایک ہی جڑ ہے اور اس سے دو الگ تھے نکلتے ہیں جہاں سے ہر ایک اپنی الگ انفرادی خصوصیات
 رکھتا ہے۔ ان باتوں پر غور فرم کر دیکھو کہ پریشان نہ ہو گا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا
 ہے۔ جیسا کہ آگے مل کر اسی سورہ میں فرمایا گیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا، مگر جس حکمت پر اللہ نے اس کائنات
 کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی تسبیح ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامہ دوہرا ہے سنی
 ہو کر رہ جاتا۔

۱۲۔ یعنی ان کا آخرت سے انکار واصل خدا سے اللہ اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے۔ یہ عفو اتنا ہی نہیں کہتے
 کہ جہاں مٹی میں مل جانے کے بعد وہاں وہ بدیا ہونا نہیں ممکن ہے، بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پر مشید ہے کہ معاذ اللہ وہ خدا عاجز
 و درماندہ اور نادان و بے خود ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

۱۳۔ گردنوں میں طوق پڑا ہوا قیدی ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ
 یہ لوگ اپنی جہالت کے، اپنی ہمت دھری کے، اپنی خواہشات نفس کے، اور اپنے باوجود اہلادی اندھی عقیدے کے اسیر ہوئے ہیں۔ یہ
 آنا مانا ضرور ہو گا کہ ان کے قصبات نے ایسا جکڑ رکھا ہے کہ یہ آخرت کو نہیں مان سکتے اگرچہ اس کا آثار ہر مرحلہ

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَكَ بِعِقْدٍ ۝ عَلِيمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ السُّعَالِ ۝ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَ الْقَوْلِ وَمَنْ
جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝
لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ

اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ ہر چیز کے لیے اُس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص خواہ زور سے بات کرے یا ہستہ، اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، اس کے لیے سب یکساں ہیں۔ ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے ہوئے نگراں لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال داغ کرنے کے لیے قرآن میں پیش کیے جا رہے تھے۔ ان سب چیزوں کو عبور و مرور چاہتے تھے کہ ان میں کوئی گرفت نہ رکھا جائے جس کے میلاد پر وہ عذر علی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانچ سکیں۔

۱۴۔ اُن کے مطالبے کا مختصر سا جواب ہے جو بلا واسطہ اُن کو دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم میں نہ پڑو کہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے آخر کو نہ اکر شر دکھایا جائے۔ تمہارا کام ہر ایک کو مطمئن کر دینا نہیں ہے۔ تمہارا کام تو صرف یہ ہے کہ غائب غفلت میں رہنے والوں کو بھلا دلو اور اُن کو غلط فہمی کے گم سے انتہام سے خبردار کر دو۔ یہ خدمت ہم نے ہر زمانے میں، ہر قوم میں، ایک نہ ایک با وی مقرر کر کے لی ہے۔ اب تم سے یہی خدمت لے رہے ہیں۔ اس کے بعد جس کا بھی چاہے آنکھیں کھولے اور جس کا بھی چاہے غفلت میں پڑا رہے۔ یہ مقرر جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے مطالبے کی طرف سے توجہ پھیر رہا ہے اور اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ تم کسی اندیشہ رنگی میں نہیں رہتے ہو جہاں کسی چور چھو رہا ہو، کالاج ہو۔ تمہارا واسطہ ایک ایسے خدا سے ہے جو تم میں سے ایک ایک شخص کو اس وقت سے جانتا ہے جبکہ تم اپنی اذان کے پیش میں بن رہے تھے، اور زندگی بھر تمہاری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اُس کے اُن تمام فیوض کی فیصلہ شدہ مدد کے ساتھ تمہارے اوصاف کے لحاظ سے تمہارے، اور زمین و آسمان میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اُس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے۔

۱۵۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے دہم میں پہلے کے حضرات اُس کی قوتوں اور قابلیتوں، اور اُس کی صلاحیتوں اور صلاحیتوں میں ہر ایک کی یا زیادتی ہوتی ہے، اللہ کی باہواست نگرانی میں ہوتی ہے۔

كَمِ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ
وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ
مَنْ وَالٍ ۝ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ
السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ

کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی عامی مددگار ہو سکتا ہے۔

وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر تمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں۔ وہی ہے جو پانی سے لہے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔ بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزے ہوئے اُس کی

۱۷ یعنی بات صرف تخی ہی نہیں ہے کہ اخلاقی شخص کو ہر حال میں براہ راست خود دیکھ رہا ہے اور اس کی تمام حرکات و سکنات سے واقف ہے، بلکہ مزید ہاں اخذ کے معقول کیے ہوئے نگاہیں کار بھی شخص کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پورے کائنات زندگی کا ہر پارہ و مفرد ذکر کرتے ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ایسے خدا کی عبادت میں جو لوگ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں کہ انھیں شتر بے ہمار کی طرح زمین پر چھوڑ دیا گیا ہے اور کوئی نہیں جس کے سامنے وہ اپنے نائنہ اعمال کے لیے جواب دہ ہوں، وہ دراصل اپنی شامت آپ بابتے ہیں۔

۱۹۔ میں اس غلط فہمی میں بھی نہ رہا کہ اللہ کے اس کوئی پیر یا فقیر یا کوئی مالک یا پھیلہ جڑ گا، یا کوئی بین یا فرشتہ ایمان نہ لائے کہ تم کو خواہ کچھ ہی کہتے رہو، وہ تمہاری مذہبوں اور مذاہب کے کثرت کے لیے تمہیں تمہارے بہت اعمال کی پاداش سے بچائے گا۔

نہ یہی اہل حق کی گنج گاہ تھی کہ جس خدائے بے ہایم چلائی یہ بجائیں، انہیں یہ کیفیت ہا دل جمع کیے اس کی کر ہوش کا فدیہ بنایا اس طرح زمین کی خوقات کے لیے پانی کی ہم راہی کا انتظام کیا اور سورج و قمر سے اپنی مکت اور قدرت میں کامل ہے اپنی صفات میں لمب و عریض ہے اپنی خدائی میں اور شریک ہے۔ جا فرود کی طرح سفیالے قرآن اہل حق میں صرف گنج گاہ کی گزشتہ ہے۔ مگر جو حوش کے کان نہ دیکھتے ہیں وہ اہل حق کے زبان سے توحید کا یہ اعلان سنتے ہیں۔

خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ
يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحِجَالِ ۝۱۳ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ
يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا
كَبَاسِطٌ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِالْغَاثِ وَمَا دَعَاؤُ
الْكُفْرَيْنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۱۴ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ

تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کرکشی ہوئی جلیلوں کو بھیجتا ہے اور (باد اوقات) انہیں جس پر چاہتا ہے مین
اس حالت میں گردیتا ہے جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ فی الواقع اس کی چال
بڑی زبردست ہے۔

اسی کو پکارنا برحق ہے۔ رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ
ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف
ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں۔
بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیر رہے ہوتے اور تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و

۱۲ فرشتوں کے جلال خداوندی سے رونے اور تسبیح کرنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ بیان اس لیے کیا کہ شرکیں ہر زمانہ میں
فرشتوں کو درنا اور سجدہ و قرار دیتے رہے ہیں اعلان کا یہ گمان رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی خدائی میں شریک ہیں۔ اس غلط خیال
کی تردید کے لیے فرمایا گیا کہ وہ اہتمام باطن میں خدا کے شریک نہیں ہیں بلکہ فرمانبردار خادم ہیں اور اپنے آقا کے جلال سے کانپتے ہوئے
اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

۱۳ یعنی اس کے پاس ہے شمار عربہ ہیں اللہ وہ جس وقت جس کے خلاف جس عربے سے چاہے ایسے طرح سے کام لے
سکتا ہے کہ ہوش ہانپنے سے ایک لمحہ پہلے بھی اسے خبر نہیں ہوئی کہ عربے کہہ ہوٹ پڑنے والے ہے۔ ایسی قادر مطلق ہستی کے بارے
میں میں سے سچے بھگت روگ نئی پیدا ہوتی ہیں جن میں کون صلہ نہ کر سکتا ہے،

۱۴ پکارنے سے مراد باطنی ماحول میں مدد کے لیے پکارنا ہے، طلب ہے کہ حاجت دوائی دھن کٹائی کے مارے
اضغاثات ہی کے ساتھ میری پاس ہے صوفی کسی سے معاف نہیں ہوتا۔

وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿١٣﴾
 قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ أَتَتَّخِذُهُمْ
 مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ
 هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَةُ

آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے
 جھکتے ہیں۔

ان سے پوچھو، آسمان و زمین کا رب کون ہے؟ — کہو، اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب
 حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اسے چھوڑ کر ایسے مجبوروں کو اپنا کارساز ٹھہرایا جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و
 نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، کہو، کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر بننا کرتا ہے، کیا روشنی اور تاریکیاں

۱۳؎ سورہ سے مراد طاقت میں جھکا، حکم پہاڑا اور تسلیم کرنا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اس معنی میں اللہ کو سجدہ
 کر رہی ہے کہ وہ اس کے قانون کی طاعت سے اللہ کی مشیت سے ہال بار بھی سر نہ تانی نہیں کر سکتی۔ جو اس کے آگے بڑھاؤ نہ کر سکتا
 تو کفر کو جبراً جھکا دیتا ہے، کیونکہ خدا کے قانون قدرت سے ہٹنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔

۱۴؎ سایوں کے سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ مشاہد کے سایوں کا بیج و شام غروب اور مشرق کی طوف گنا اس بات کی
 علامت ہے کہ سب چیزیں کسی کے امر کی طاعت اور کسی کے قانون سے معذریں۔

۱۵؎ واضح ہے کہ وہ لوگ خدا اس بات کے قائل تھے کہ زمین و آسمان کا رب اللہ ہے۔ وہ اس سوال کا جواب انکار کی صورت
 میں نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ یہ انکار وہ ان کے اپنے عقیدے کے خلاف تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر وہ انکار کی صورت
 میں بھی اس کا جواب دینے سے کتراتے تھے، کیونکہ ان کے اقرار کے بعد توحید کا ماننا لازم آجاتا تھا اور شرک کے لیے کوئی معقول بیجا جاتی نہیں
 رہتی تھی، اس لیے اپنے موقف کی کڑدوی محسوس کر کے وہ اس سوال کے جواب میں چپ سا دھ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں
 جبکہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان سے پوچھو زمین و آسمان کا خالق کون ہے، کائنات کا رب کون ہے، تو ان
 ملحق دینے والا کون ہے، پھر حکم دیتا ہے کہ تم خود کہو کہ اللہ اور اس کے بعد میں استعمال کرتا ہے کہ جب یہ سارے کام اللہ کے
 ہیں تو خیر و دوسرے کون ہیں ان کی تہذیب کی وجہ سے ہوا

۱۶؎ اللہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے آگے کائنات میں ہر طرف اللہ کی وحدانیت کے آثار و شواہد بھیجے ہو

وَالْتَّوْرَةُ أُمَّ حَلَوَالِ اللَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ
عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۱۷

یکساں ہوتی ہیں، اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے ٹھکانے جوئے شرکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اُس کی وجہ سے ان پر تکلیف کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ — کوہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!

ہیں مگر وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اہل کھسوں والے سے مراد وہ ہے جس کے لیے کائنات کے ذوقے ذوقے اور سچے سچے میں معرفت کا مدار ہے، دیکھنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے اندھو اگر تمہیں کچھ نہیں سوجھتا تو آخر چشمِ بینہ کو کھنے والا اپنی آنکھیں کیسے پھوٹے، جو شخص حقیقت کو انکار دیکھ رہا ہے اس کے لیے کس طرح ممکن ہے کہ وہ تم بے بصیرت لوگوں کی طرح شکر کو کھاتا پھرے؟

۲۵۔ روشنی سے مراد علم کی وہ روشنی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو حاصل تھی۔ اور تارکیوں سے مراد جمالت کی وہ تاریکیاں ہیں جن میں مکوں، جنگ رہے تھے، سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس کو روشنی ملی چکی ہے وہ کس طرح اپنی شمع بھسا کر اندھیروں میں شمعوں کی طرح جلا کر رکھتا ہے؟ تم اگر نوح کے قد و شناس نہیں جو تو ذرا سی، لیکن جس نے اُسے پایا ہے، جو نورِ نجات کے فرق کو جان پکڑے، جو دن کے اہلے میں سیدھا راستہ صاف دیکھ رہا ہے وہ روشنی کو پھونکنے والوں کی طرح پھونکنے کے لیے کیسے آمادہ ہو سکتا ہے؟

۲۶۔ اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کچھ میری اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہوتی، اور کچھ دوسروں نے، اور یہ معلوم مشکل ہوتا کہ خدا کا تخلیقی کام کونسا ہے اور دوسروں کا کونسا، تب تو واقعی شرک کے لیے کوئی مستول زیادہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جب مشکل خود مانتے ہیں کہ ان کے معبودوں میں سے کسی نے ایک تنہا اسی ایک ہال تک پیدا نہیں کیا ہے، اور جب انہیں خود تسلیم ہے کہ خلق میں ان جیلی خدائوں کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے، تو پھر یہ جلی معبود خالق کے افتیات، اہل اس کے حقوق میں آخر کس بنا پر شریک ٹھیرا لیے گئے؟

۲۷۔ اہل میں فقط تھما استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں وہ جتنی جہاں سے سب پر حکم چلاتے اور سب کو مستول کر کے رکھتے یہ بات کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، شرکین کی اپنی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انہیں کسی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ وہ یکتا اور قادر ہے، اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس سے انکار کرنا پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد کسی صاحبِ عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامالریکنا و بجا زبہ، کیونکہ دوسری ہر چیز بھی ہے وہ اسی کی خلق ہے، پھر صلاہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات، یا صفات، یا افتیات، یا حقوق میں اس کی شریک ہوا ہی

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٥﴾

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئیں۔ اور ایسے ہی جھاگ اُن حائلوں پر بھی اُٹھتے ہیں جنہیں زبور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ لکھلکایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

طرح وہ لا محالہ تاریخی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے منسوب ہو کر رہنا میں تصور غلویت میں شامل ہے۔ غلبہ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کر سکتا ہے۔ پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہو اس کے لیے ان دو خالص عقل و عقلی تجربوں سے کھڑکنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات سراسر غیر مستعمل ٹھیرتی ہے کہ کوئی شخص خالق کو سمجھ کر مخلوق کی بندگی کرے اور قاب کو سمجھ کر منسوب کو مشکل کٹائی کے لیے چارے۔

۱۴۔ اس تغزل میں جس علم کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا تھا، آسمانی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ایمان لانے والے مسلمہ الفطرت لوگوں کو ان ندی نالوں کے مانند ٹھیرا گیا ہے جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق بارش اور رحمت سے بھر چکے ہوئے ہیں۔ اور اس ہنگامہ و شہدش کو جو تحریک اسلامی کے فطرت مستکون و دعا فیض نے برپا کر رکھی تھی اس جھاگ اور اس خس و خاشاک سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہمیشہ سیلاب کے ٹٹھنے ہی طرح باہنہ اچھل کر دکانی شروع کر دیتا ہے۔

۱۵۔ یہی جھٹی جس کام کے لیے گرم کی جاتی ہے وہ تو ہے فاضل و حیات کو تھاکر لا لاکہ ہانا مگر یہ کام جب بھی کیا جاتا ہے بلکہ کبھی ضرور اچھڑاتا ہے اور اس نشان سے چرچ کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک سطح پر بس وہی وہ نظر آتا رہتا ہے۔

وقف النبي
عليه السلام

۱۰۰

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْجُدُوا لَهُ كُو
 أَنْ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَا بِهِ
 أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُورُ الْحِسَابِ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْهُمْ تَحَنُّمٌ وَابْسَ إِلَهُ هَادٍ ۝

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی ان کے لیے بھلائی ہے اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا وہ اگر زمین کی ساری دولت کے بھی مالک ہوں اسیٰ ہی اور فراہم کر لیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالنے پر تیار ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بڑی طرح حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، بہت ہی بڑا ٹھکانا۔

۲۲۔ میں اس وقت ان پر ایسا مصیبت ہڈے کی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے دنیا و ایمان کی دولت دے دیتے۔
میں بھی تامل نہ کریں گے۔

۱۳۔ مری حساب نہیں یا سخت حساب نہیں سے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کسی خطا اور کسی غرض کی کو معاف نہ کیا جائے، کوئی قصور جو اس نے کیا ہو تو قصور کے بغیر نہ چھوڑا جائے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا حساب اپنے بندوں سے کرے گا جو اس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں۔ ملکات اس کے جنوں نے اپنے خدائے وکاداری کی ہے اور اس کے مطیع فرمان بن کر رہے ہیں اس سے حساب یہ میرے یعنی ہلکے حساب یا بگوانے کی خدشات کے مقابلے میں ان کی خطوں سے دو گزر کر یا جانے گا اور ان کے عمومی طرز عمل کی بھلوئی کو ٹھونڈا کر لکھنے کی بہت سی کوتاہیوں سے معرت نظر کر دیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح اسی حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ سے الوداد میں مروی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میری نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے زیادہ خوفناک آیت ہے جس میں ارشاد فرمایا ہے کہ مَنْ يَهْدِنَا سَبِيلَهُ نَجْعَلْ لَمْ شَيْءٍ كَرِيهًا لِّكَرْمِ الْوَالِدَيْنِ أَوْ أَلْفٍ مِّنَ النَّاسِ اَلَا اِنَّ سَبِيْلَهُ اَشَدُّ حَرًّا مِّنَ النَّارِ! کیا تمیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچے ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کاٹنا بھی اس کو جینا ہے، تو اللہ اُس کے کسی نہ کسی تصور کی سزا قرار دے کر دینا بھی اس کا حساب صاف کر دیتا ہے؟ آفت میں تو میں سے بھی حساب ہو گا۔ سزا پا کر رہے گا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ نَأْتِيَا مِنْ اَوْفَىٰ كِتَابِكَ يَا يَحْيٰى بَنِي مَرْيَمَ فَسُوفَ يُعْطَا سَبَبًا لِّجَسَدِكَ اَوْ اَلْفًا مِّنَ النَّاسِ اَلَا اِنَّ سَبِيْلَهُ اَشَدُّ حَرًّا مِّنَ النَّارِ! جس کا نام از محال اس کے سیدے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکے حساب لیا جائے گا۔ حضور نے جواب دیا: اِس سے مراد ہے بیشک اس کی بھلوئوں کے ساتھ اس کی برائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو رہی ہیں لہٰذا گھر گھر سے باز پرس ہوئی وہ تو میں سمجھ کر نہ رہا گی۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى
لَا يَتَذَكَّرُ أُولَئِكَ أَلْأَبْصَارُ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا
يُنْقِضُونَ الْعِثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ

بجھایہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمھارے رب کی اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہے، اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں؟
نصیحت تو دانشمند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اُسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔ اُن کی روشنی یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روالہ کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں،

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے وفادار اور قابلِ اعتماد کے چھٹی ٹھکانہ پر کبھی سنت گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے بڑے قصوروں کو بھی اس کی خدمات کے پیش نظر سماعت کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی لازم کی بخاری ضمانت ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی خدمت قابلِ ملاحظہ نہیں رہتی اور اس کے چھوٹے بڑے سب قصور شمار میں آ جاتے ہیں۔

۳۵ یعنی دنیا میں ان دونوں کا رویہ یکساں ہو سکتا ہے اور آخرت میں ان کا انجام یکساں۔

۳۶ یعنی خدا کی بھیجی ہوئی اس تعلیم اور خدا کے رسول کی اس دعوت کو جو لوگ قبول کیا کرتے ہیں وہ عقل کے اندھے نہیں بلکہ ہر شے کو سمجھنے والے بیدار مغز لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر دنیا میں ان کی ہمت و کرم کا وہ رنگ اور آخرت میں ان کا وہ انجام بڑا ہے جو ہر ہمد کی آفتاب میں بیان ہوتا ہے۔

۳۷ اس سے مراد وہ ازلی جہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں تمام انسانوں سے لیا تھا کہ وہ صوفی کی بندگی کریں گے (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ اعراف ص ۳۵-۳۶)۔ یہ جہد ہر انسان سے لیا گیا ہے، ہر ایک کی فطرت میں منحصر ہے، اولاً کسی وقت بختہ ہو جائے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے جو دیں آتا، اللہ کی رویت سے ہر شے میں پاتا ہے۔ خدا کے رزق سے چٹا، اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے کام لینا اور اس کی بخشی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنا آپ سے آپ انسان کو خدا کے ساتھ ایک بیشیاقی بندگی میں باندھ دیتا ہے جسے توڑنے کی عورت کوئی ذی شہرہ رنگ حوالہ آدمی نہیں کر سکتا اور یہ کارنامہ کبھی ایمان اس سے کوئی نفوذ ہو جائے۔

۳۸ یعنی وہ تمام معاشرتی اور تمدنی معاہدوں کی ملکیتی پر انسان کی، جماعتی زندگی کی صلاح و فلاح

مختص ہے۔

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآَنَفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا
وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَمُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بُری طرح حساب نہ لیا جائے۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیے ہوئے نفع میں سچا نظارہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھرا لٹی لوگوں کے لیے

۱۳۹ یعنی اپنی خواہشات کو تاویس رکھتے ہیں، اپنے جذبات اور عادات کو مدد و کاپا بند بناتے ہیں، خدا کی نافرمانی میں جن جن فائدوں اور لذتوں کا لالچ نظر آتا ہے انھیں دیکھ کر پسپا نہیں جلتے، اور خدا کی فرمانبرداری میں جن نقصانات اور تکلیفوں کا اندیشہ ہوتا ہے انھیں برداشت کر لے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے کون کی پوری زندگی حقیقتِ مہربان کی زندگی ہے، کیونکہ وہ رعنا الہی کی امید پادارِ غفلت کے پکار تارِ کج کی توقع پر اس دنیا میں ضبطِ نفس سے کام لیتا ہے اور گناہ کی جانب نفس کے ہر میلان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

۱۴۰ یعنی وہ بدی کے مقابلے میں بدی نہیں بلکہ نیکی کرتے ہیں۔ وہ شر کا مقابلہ شر سے نہیں بلکہ خیر ہی سے کرتے ہیں۔ کوئی اُن پر غراہ کتنا ہی ظلم کرے، وہ جواب میں ظلم نہیں بلکہ انصاف ہی کو کہتے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف کتنا ہی جھوٹ بولے وہ جواب میں سچ ہی کہتے ہیں۔ کوئی اُن سے غواہ کتنی ہی خیانت کرے، وہ جواب میں دیانت ہی سے کام لیتے ہیں۔ اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا ہے:

لا تَكُونُوا أَقْعَاةَ نَقُولُونَ اَنْ	تم اپنے طرزِ عمل کو لوگوں کے طرزِ عمل کا تابع بنا کر نہ رکھو۔
اَحْسَنَ النَّاسِ اَحْسَنًا وَّمَا نَ	یہ کہنا غلط ہے کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھلائی
ظَلَمُونَا ظَلَمْنَا - وَلَٰكِنْ	کریں گے اور اُن کا ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔
وَطَنُوا اَنْفُسَكُمْ، اِنْ اَحْسَنَ	تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بناؤ۔ اگر لوگ نیکی
النَّاسِ اِنْ تَحْسَنُوا وَاِنْ اَسَاؤْا	کریں تو تم نیکی کرو۔ اور اگر لوگ تم سے بدسلوکی کریں
فَلَا تَظْلَمُوا۔	تم ظلم نہ کرو۔

اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ میرے نبی مجھے نوابوں کا حکم دیا ہے۔ اعلان میں سے جہاں ہمیں آپ نے یہ فرمائی کہ میں خدا کی سے خوش ہوں یا نادانِ مہربان میں نصیحت کی بات کوں جو میری حق سے ہے اس کا حق

جَنَّتْ عَدْنٌ يَدُ خُلُوتِهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدُ خُلُوتٍ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِينَ
يَقْضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ
اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ وَيُفْسَدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ
الْعَذَابُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

یعنی ایسے باغ جو ان کی ابدی قیامگاہ ہوں گے۔ وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباء
احداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صلح میں رہے بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔
ظاہر ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہے
تم نے دنیا میں جس طرح مبر سے کام لیا اُس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔ پس کیا ہی
خوب ہے یہ آخرت کا گھڑا رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں،
جو ان رابطلوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہ
لعنت کے مستحق ہیں اور ان کے لیے آخرت میں بہت برا ٹھکانا ہے۔

اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹا رزق

اگر کوئی جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں، اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو صاف کر دوں۔ اور وہی معنی میں ہے وہ حدیث
جس میں حضور نے فرمایا کہ لا تفتحن من خزانك۔ جو تھکے سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر، اور وہی معنی میں ہے حضرت
عمر کا یہ قول کہ جو شخص تیرے ساتھ معاملہ کرنے میں غلامی نہیں ڈرتا اُس کو مزارعین کی بہترین صورت یہ ہے کہ تو اس کے ساتھ غذا
سے ڈرتے ہوئے معاملہ کرتے۔

۱۵۴۱ اس کا مطلب صحت ہی نہیں ہے کہ ظہر ہر طرف سے آگ لگ کر ان کو سلام کریں گے، بلکہ یہ بھی ہے کہ لاکھ لاکھ
اس بات کی خوشخبری دیں گے کہ اب تم ایسی جگہ آگئے ہو جہاں تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب یہاں تم پر امن ہے۔

يَقْدِرُ وَفَرَحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ
إِلَّا مَتَاعٌ ۖ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ
رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أُنَابَ ۚ

دیتا ہے۔ یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک
متلعب قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ۷

یہ لوگ جنہوں نے (رسالت محمدی کو ماننے سے) انکار کر دیا ہے کہتے ہیں اس شخص پر
اس کے سب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اترے گی۔ کہو، اللہ جسے چاہتا ہے
گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے۔

ہر تکلیف سے، ہر سختی سے، اللہ ہر خطرے اور اندیشے سے محفوظ رہا۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ۱۲۹)
۱۳۲ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عام جہلاء کی طرح کفار کو بھی قید و محبوس کے حسن و قبح کو دیکھنے کے بجائے
ایسی اور غریبی کے لحاظ سے انسانوں کی قدر و قیمت کا حساب لگاتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جسے دنیا میں خوب نامان و پیش
ہل دیا ہے وہ خدا کا محبوب ہے، خواہ وہ کیسا ہی گمراہ و بدکار ہو، اللہ جو تنگ حال ہے وہ خدا کا مغضوب ہے خواہ وہ کیسا ہی نیک
ہو۔ اسی بنیاد پر وہ قریش کے سرداروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب ساتھیوں پر فضیلت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا
اللہ اس کے مہمان ہے۔ اس پر تنبیہ فرمایا جا رہا ہے کہ مذاق کی کمی و بیشی کا معاملہ اللہ کے ایک دوسرے ہی قانون سے متعلق
نکھتا ہے جس میں بچہ شمار دوسری مصنفین کے لحاظ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم۔ یہ کوئی معیار نہیں ہے
جس کے لحاظ سے انسانوں کے اخلاقی و معنوی حسن و قبح کا فیصلہ کیا جائے۔ انسانوں کے درمیان فرق مراتب کی اہل زیاد
اللہ ان کی سادت و مشقاوت کی اہل کسوٹی پر ہے کہ کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط، کس نے عمدہ
او صاف کا انتخاب کیا اور کس نے بُرے او صاف کا۔ مگر نادان لوگ اس کے بجائے یہ دیکھتے ہیں کہ کس کو عدالت
زیادہ ملی اور کس کو کم۔

۱۳۳ چلنے کوڑے کے آخر میں اس سوال کا جو جواب دیا جا چکا ہے اسے پیش نظر رکھا جائے۔ اب دوبارہ ان کے
اسی امور میں مکرر نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

۱۳۴ یہی جو اللہ کی طرف غم و حزن نہیں کرتا اور اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے اس سے زبردستی راجح و راجح
دکھانے کا طریقہ اللہ کے اہل راجح نہیں ہے۔ وہ ایسے شخص کو انہی راستوں میں بٹھانے کی توقع دے دیتا ہے جن میں وہ

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى
لَهُمْ وَحَسَنُ مَا أَجْرُهُمْ ﴿٢٩﴾ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے اس نبی کی دعوت کو مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے
اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے لوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا
ہے۔ پھر جن لوگوں نے دعوت حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے اچھا انجام
اسے محمد! اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی
قومیں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام سناؤ جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے، اس حال میں کہ یہ اپنے
نہایت مہربان خدا کے کافر بنے ہوئے ہیں۔ ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

خود بخشنا چاہتا ہے۔ وہی ماسے مہاب جو کسی ہدایت طلب انسان کے لیے سبب ہدایت بنتے ہیں، ایک خلافت طلب
انسان کے لیے سبب خلافت بنائے جاتے ہیں۔ شیخ روشن کو اُس کے سامنے آتی ہے تو راستہ دکھانے کے بجائے اُس کی
آنکھیں غیر وہی کرنے کا کام دیتی ہے یہی مطلب ہے آخر کے کسی شخص کو گمراہ کہنے کا۔

نشانی کے مطالبے کا جواب اپنی طاقت میں بلکہ غیر ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو ہم تمہاری طاقت
کا تعین کئے۔ جواب میں کہا گیا کہ تمہارا تعین طاقت نہ دے گا بلکہ سبب نشانیوں کا تعین نہیں ہے۔ مگر تمہاری اپنی ہدایت
طلب کا تعین ہے۔ نشانیوں کا تعین طاقت سے ہو گا، لیکن اُس سے کوئی بھی تمہارے لیے نشانی دکھائے
جتنی کہ تمہارا کھانا سمجھتا ہے ان کے خواب، شہدائی میں جو مہاب کو کوئی اور نشانی آئے تو وہ کہے کہ یہ کیسے غیر ممکن
ہے، تم شکایت کرنا کہ کوئی نشانی نہیں دکھائی گئی مگر وہ خدا کی راہ کے طالب ہیں، انہیں نشانیوں کا تعین ہی نہیں ہے۔ انہیں
دیکھو دیکھو کہ راہ راست پارسہ ہیں۔

یعنی کسی ایسی نشانی کے بغیر جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابُ ۝ وَلَوْ أَنَّ قَوْمًا سَوَّيْتُ بِهِ
الْجِبَالَ أَوْ قَطَعْتُ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٍ بِهِ الْمَوْتَىٰ بَلَّ لِلَّهِ
الْأَمْرُ جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِئِصَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ

اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی میرا ملجا و ماویٰ ہے۔

اور کیا جو جہان اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین شق ہو جاتی، یا مرنے والوں سے نکل کر رونے لگتے؟ (اس طرح کی نشانیاں دکھادینا کچھ مشکل نہیں ہے) بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہل ایمان (ابھی تک کفار کی طلب کے جواب میں کسی نشانی کے ظہور کی اس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) یا یس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو

۲۶۱ یعنی میں کی زندگی سے مذکور سے ہوئے ہیں اس کی صفات اور اختیارات اور حقوق میں دوسروں کو اس کا شریک بنادے ہیں، اور اس کی نعمتوں کے شکر کے دوسروں کو ادا کر رہے ہیں۔

۲۶۲ اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب کفار کی طرف سے بار بار نشانیاں دکھائے جاتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھادی جاتی جس سے یہ دُک تامل ہو جاتے۔ پھر جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کئی نشانی کے دکھانے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر قرآن کی کسی سورۃ کے ساتھ ایسی ایسی نشانیاں بیکار دکھادی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ کہتے ہو کہ یہ دُک ایمان لے آتے؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبولی حق کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں کوتاہی کے آثار میں نبی کی پاکیزہ زندگی میں، صحابہ کرام کے انکسارِ حیات میں فروعی نکتہ نہ پایا کیا تم کہتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مرنے والوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پائیں گے؟

۲۶۳ یعنی نشانوں کے دکھانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھانے پر قادر نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں سے کام لینا اللہ کی مخلوق کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اصل مقصد تو ہدایت ہے نہ کہ ایک نبی کی نبوت کو منہ اینا، اور ہدایت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگوں کی فکر و بصیرت کی اصلاح ہو۔

لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُضِلَّيَهُمُ
 بَمَا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ
 وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝۳۱ وَلَقَدْ اسْتَفْهَنَّا
 بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ
 فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲ أَفَمَن هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا
 كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمِعْتُ أَمْرًا تَنْبِئُونَهُ

سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا، جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کفر کا روٹیا اختیار کر رکھا ہے ان پر
 ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے، یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل
 ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ ان پر راہروا یقیناً اللہ اپنے وعدے کی
 خلاف وعدہ نہیں کرتا، تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر میں نے
 ہمیشہ منکرین کو دھیل دی اور آخر کار ان کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔

پھر کیا وہ جو ایک ایک تنفس کی کمانی پر نظر رکھتا ہے (اُس کے مقابلے میں یہ جہالتیں کی جا رہی
 ہیں؟) لوگوں نے اُس کے کچھ شریک شہرہ کئے ہیں۔ اُسے نبی! ان سے کہو: اگر واقعی وہ خدا کے اپنے
 بنائے ہوئے شریک ہیں تو ذرا ان کے نام لو کہ وہ کون ہیں؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو، جو

۴۶۱ یعنی اگرچہ ہر جہ کے بغیر محض ایک غیر شرعی ایمان طلب ہوتا تو اس کے لیے نشانیاں دکھانے کے مختلف

کی کیا حاجت تھی۔ یہ کام تو اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ سارے انسانوں کو محمد ہی پیدا کر دیتا۔

۴۶۲ یعنی ہر ایک ایک شخص کے حال سے غور و فراغت ہے اور جس کی نگاہ سے کسی ایک آدمی کی ٹانگی چھٹی

ہے نہ کسی ہر کی ہری۔

۴۶۳ جہالتیں ہیں کہ اس کے ہر اہل حقہ مقابل تجویز کیے جا رہے ہیں اس کی ذات اور صفات اور حق میں اس کی

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَبْظَاهِرُ مِنَ الْقَوْلِ بَلْ دُبُرِينَ
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا

جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا، یا تم لوگ بس یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کیا ہے ان کے لیے ان کی نگاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں اور وہ راہِ راست سے روک دیے گئے ہیں، پھر جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اسے کوئی غلطی کا شریک کیا جا رہا ہے، اور اس کی غلطی میں وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ چاہیں کوئی ہم سے کوئی باز پرس کہنے والا نہیں۔

۵۲۔ یعنی اس کے شریک جو تم نے تجویز کر رکھے ہیں ان کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں: ایک یہ کہ تمہارے پاس کوئی مستند اطلاع آئی ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں مقبولی کی اپنی صفات یا اختیارات یا مہدویت میں شریک قرار دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو ذرا براہِ کرم ہمیں بھی بتاؤ کہ وہ کون کن اصحاب ہیں اور ان کے شریک خدا مقرر کیے جانے کی اطلاع آپ کو کس ذریعہ سے پہنچی ہے۔

دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ اللہ کو خود خبر نہیں ہے کہ زمین میں کچھ حضرات اس کے شریک بن گئے ہیں، اور آپ اس کو یہ اطلاع دینے چلے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو صفائی کے ساتھ اپنی اس پوزیشن کا اقرار کرو۔ پھر ہم بھی دیکھیں گے کہ دنیا میں کتنے ایسے احمق ملتے ہیں جو تمہارے اس سراسر نوسٹک کہ بیرونی ہر قائم رہتے ہیں۔

لیکن اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر تیسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور یہ ہے کہ تم بغیر کسی سند اور بغیر کسی دلیل کے یہ نہیں جانتے ہو خدا کا رشتہ دلدل میں لیتے ہو، جس کو چاہتے ہو نا کا اور فرما دے کہ دیتے ہو اور جس کو تعلق چاہتے ہو دعویٰ کر دیتے ہو کہ فلاں علاقے کے سلطان فلاں صاحب ہیں اور فلاں کام فلاں حضرت کی تائید و اعاد سے ہاتھ تے ہیں۔

۵۳۔ اس شریک کو دعویٰ کھنک کی ایک وجہ یہ ہے کہ دراصل جن اہرامِ فلکی یا فرشتوں یا اعداد یا بزرگ انسانوں کو خدائی صفات یا اختیارات کا حامل قرار دیا گیا ہے، اور جن کو خدا کے خصوصی حقوق میں شریک بتایا گیا ہے، ان میں سے کچھ کچھ دینِ صفات و اختیارات کا دعویٰ کیا، انہوں نے حقوق کا مطالبہ کیا، اور نہ لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تم تمہارے آگے پرستش کے سوا اور کچھ تمہارے ہم بتایا کر سکتے۔ یہ تو بالکل انسانوں کا کام ہے کہ انہوں نے عوام پر اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے لیے خداؤں کی کتابیں لکھیں۔ ثبوت کے لیے کچھ بنا لیں، خدا تصنیف کئے، لوگوں کو ان کا اعتقاد بنایا اور پتہ آپ کو کبھی نہ کبھی ظہور ہوا کہ فاضلہ شیعہ کا کیا آؤ سیدھا کارنا شروع کر دیا۔

لَهُ مِنْ هَٰذَا ۖ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ
 أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۖ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ
 الْمُتَّقُونَ يُجْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلُّهَا دَائِمٌ وَّ
 ظِلُّهَا مِثْلُ النُّجِيِّ ۚ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقِبِيَ الْكَافِرِينَ
 النَّارُ ۖ وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ
 إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ۖ قُلْ

ماہ دیکھنے والا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی ہی میں عذاب ہے اور آخرت
 کا عذاب اُس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو انہیں خدا سے بچانے والا ہو۔ خدا ترس
 انسانوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہوس بہہ رہی ہیں
 اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال۔ یہ انجام ہے متقی لوگوں کا۔ اور منکرین حق کا انجام یہ ہے
 کہ ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔

اے نبی! جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کتاب کو ہم نے تم پر نازل کی ہے
 خوش ہیں اور نعمت گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے۔ تم صاف کہہ دو

دوسری دہش کو کہہ سے تعبیر کرنے کی یہ ہے کہ دراصل یہ ایک غریب نفس ہے اور ایک چودہ ماہہ ہے جس کے
 فہم سے انسان دنیا پرستی کے لیے اخلاقی بندشوں سے بچنے کے لیے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کے لیے راہ فرار
 نکالتا ہے۔

تیسری دہش کی بنا پر مشرکین کے طرز عمل کو کہہ سے تعبیر کیا گیا ہے آگے آتی ہے۔

۱۷۰ یہ انسانی نفرت ہے کہ جب انسان ایک چیز کے مقابلے میں دوسری چیز کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کی
 مطمئن کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنی راست دہی کا یقین دلانے کے لیے اپنی اختیار کردہ چیز کو ہر طریقے سے مستدل
 کہہ کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی رو کردہ چیز کے خلاف ہر طرح کی باتیں چھانٹتی شروع کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا
إِلَيْهِ نَاقٍ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ
أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ دَلِيلٍ
وَلَا وَاقٍ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا
وَذُرِيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ

ع

کو مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک
نہیں لوں۔ لہذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ اسی ہدایت کے ساتھ ہم
یہ فرمانِ عربی تم پہنا دیا گیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات
کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔

تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے پیروی سچوں والا ہی بنایا تھا۔
اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی ناشانی خود لا دکھاتا۔ ہر دور کے لیے
فرمایا گیا ہے کہ جب انھوں نے دھرتی پر کمانے سے انکار کیا تو مافوق فطرت کے مطابق ان کے لیٹان کی گواہی اور اس گواہی
قائم رہنے کے لیے ان کی نگہاری خوشنابادی گئی اور اسی فطری قانون کے مطابق یہ بلا و لانت پڑنے سے روک دیے گئے۔

۵۵۰ ایک خاص بات کا جواب ہے جو اس وقت غافلین کی طرف سے کی جا رہی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ صاحب
واقعہ ہی تعلیم لے کر آئے ہیں جو پہلے پیدا لائے تھے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، تو ان کو کیا بات ہے کہ مردود و ناصاری کو پہلے بنایا
کے پیروں آگے بڑھا کر ان کا استقبال نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ یہ پرورش میں بعض غلامانِ مگر
نے ہی انہوں کو خوش بریانا ملازم، تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو خدا کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے۔ یہ حال بھی کی پیروی کروں گا۔

۵۵۱ یہ ایک صاحبِ اعتراض کا جواب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا جاتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ چھانی ہے جو
چھانی اللہ پہنچا دے گا۔ بھلا پیغمبروں کو بھی خواہشاتِ فحشانی سے کوئی قلعہ ہو سکتا ہے۔

۵۵۲ یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے۔ غافلین کہتے تھے کہ موسیٰؑ یہ بیضیا اور مصالائے تھے۔ مسیحؑ انھوں کو
جیتا اور انھیں کو تندرست کر دیتے تھے۔ صانع نے انہیں کو ناشانی دکھایا تھا۔ تم کیا ناشانی لے کر آئے ہو وہ اس کا جواب یہ

كِتَابٌ ۝ يَسْأَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْزِلُ ۝ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝
وَأَنَّ مَا نُزِّلَ مِنْكَ بِعَضِّ الذَّنْبِ نَعْدُهُمْ ۝ أَوْ تَوْفِيقِكَ ۝ فَانْصَبْ
عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۝ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ
نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۝ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ ۝

ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، نازل کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمُّ الْکِتَابِ اُسی کے پاس ہے اور اے نبی! جس بے انجام کی دھمکی ہم ان لوگوں کو دے رہے ہیں اُس کا کوئی حصہ خواہ ہم تھکے جیتے جی دکھا دیں یا اس کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم تمہیں اُٹھالیں، بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم اس سرزمین پر چلے آ رہے ہیں اور اس کا وارو ہر طرف تنگ کرتے چلے آتے ہیں، اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔

دیا گیا ہے کہ جس نبی نے جو چیز بھی دکھائی ہے اپنے اختیار اور اپنی طاقت سے نہیں دکھائی ہے۔ اللہ نے جس دت جس کے ذریعے سے جو کچھ ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ ظہور میں آیا۔ اب اگر اللہ کی مصلحت ہوگی تو جو کچھ وہ چاہے گا دکھائے گا۔ پیغمبر خود کسی خدائی اختیار کا مدعی نہیں ہے کہ تم اس سے نشانی دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو۔

۵۸ یہ بھی غافلین کے ایک اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ پہلے آئی ہوئی کتابیں جب موجود تھیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی، تم کہتے ہو کہ ان میں تحریف ہو گئی ہے، اب وہ منسوخ نہیں اور اس نئی کتاب کی پیرہنی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا نے اس کی حفاظت کیوں نہ کی، اور کوئی خدائی کتاب منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ بھی خدائی کتاب ہے جس نے قوراء کا نبیل نازل کی تھیں، مگر یہ کیا بات ہے کہ کھلا طریقہ قوراء کے بعض احکام کے خلاف ہے؟ مثلاً بعض چیزیں جنہیں قوراء والے حرام کہتے ہیں تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ ان اعتراضات کے جوابات بدی صورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ یہاں ان کا صرف ایک مختصر جائزہ جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔

”انہم الکتاب کے معنی ہیں اصل کتاب یعنی وہ نسخہ در نسخہ جس سے تمام کتاب آسمانی نکلی ہیں۔“

۵۹ مطلب یہ ہے کہ تم اس نگینے نہ دیکھیں لوگوں نے تمہاری اس دعوت کو کھٹک دیا ہے اُن کا اہم کام ہوتا ہے اور کدو۔ ظہور میں آتا ہے۔ تمہارے پیرو جو کام کیا گیا ہے اُسے پوری کسوٹی کے ساتھ کیے چلے جانا اور فیصلہ سمجھ چھو۔ یہاں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مدال بات اُن غافلین کو سنائی مقصود ہے جو پہلے کی

وَهُوَ سَمِيعٌ الْحِسَابُ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ
الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ
لِمَنْ عَقَبَى الدَّارُ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ
كُنِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

بج

اور اُسے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں وہ بھی بڑی بڑی چالیں
چل چکے ہیں، مگر اصل فیصلہ کن چال تو پوری کی پوری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ
کون کیا کچھ کئی کر رہا ہے، اور عنقریب یہ منکون حق دیکھ میں گئے کہ انہماک کس کا بغیر ہوتا ہے۔
یہ منکون کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہو: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی
گواہی کافی ہے اور پھر ہر اُس شخص کی گواہی جو کتابِ آسمانی کا علم رکھتا ہے۔

انمازیں بار بار حضور سے کہتے تھے کہ ہماری جس شامت کی دھمکیاں تم ہمیں دیا کرتے ہو اُنہوہ انکیر نہیں جاتی۔
۱۰۷ یعنی کیا تمہارے مخالفین کو نظر نہیں آ رہا ہے کہ اسلام کا اثر سرزمینِ حر کے گوشے گوشے میں پھیلتا جا رہا ہے
اور ہر اہلِ طوط سے ان چلتے تنگ ہوتا چلا جاتا ہے؟ یہ ان کی شامت کے آثار نہیں ہیں تو کیا ہیں؟
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ہم اس سرزمین پر پہلے آ رہے ہیں "ایک نہایت لطیف انمازیان ہے۔ چونکہ دعوتِ حق
اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ اس کے ہر نبی کو سننے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے کسی سرزمین میں اس دعوت کے
پھیلنے کو اللہ تعالیٰ یوں تبصر فرماتا ہے کہ ہم خود اس سرزمین میں بڑے پہلے آ رہے ہیں۔

۱۰۸ یعنی یہ کہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حق کی آواز کو دہانے کے لیے جھوٹ اور فریب اور ظلم کے تہیہ الاستعمال
کے بار بار ہوں پچھلے تاریخ میں بار بار ایسی ہی چالوں سے دعوتِ حق کو شکست دینے کی کوششیں کی جا چکی ہیں۔
۱۰۹ یعنی ہر وہ شخص جو واقعی آسمانی کتابوں کے علم سے بہرہ ور ہے اس بات کی شامت دے گا کہ جو کچھ میں
بیٹھ کر رہا ہوں وہی تعلیم ہے جو پچھلے نیا لے کر آئے تھے۔

تفہیم القرآن (۲)

ابراہیم
(۱۴)

ابراہیم

نام | رکوع ۶ کی پہلی آیت **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا** سے آغاز ہے۔ اس نام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سورہ میں حضرت ابراہیم کی ساری عمری بیان ہوئی ہو بلکہ یہ بھی اکثر سورتوں کے ناموں کی طرح علامت کے طور پر ہے۔ یعنی وہ سورہ جس میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول | امام انداز بیان کڑے آخری دہہ کی سورتوں کا سا ہے۔ سورہ رعد سے قریب زمانہ ہی کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے۔ خبر مبارک رک ۳ کی پہلی آیت **وَقَالَ الْكَافِرُونَ كَثُرُوا زَيْدًا وَسَلِّطُوا لَنَا خِيَرَةً كَثُرُوا مَنَافِعَنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي ذُنُوبِنَا أَهْلَكَ مَا كُنْتُمْ عَلَّامِينَ** نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یا کافرتیں ہماری بخت میں طالبیں آنا ہو گا ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے) کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت کو میں مسلمانوں پر ظلم و ستم انتہا کر بیٹھ چکا تھا اور اہل مکہ پہلی کافر قوموں کی طرح اپنے ہاں کے اہل ایمان کو غاصب البلد کر دینے پر تڑپ اٹھ گئے تھے۔ اسی جہاں پر ان کو وہ دھمکی سنائی گئی جو ان کے سے دہریہ پر چلنے والی پہلی قوموں کو دی گئی تھی کہ **لَتَعُوذُنَّ فِي ذُنُوبِنَا أَهْلَكَ مَا كُنْتُمْ عَلَّامِينَ** (ہم ظالموں کو چاک کر کے رہیں گے) اور اہل ایمان کو دہری تسلطی دی گئی جو ان کے پیش رووں کو دی جاتی رہی ہے کہ **لَتَعُوذُنَّ فِي ذُنُوبِنَا أَهْلَكَ مَا كُنْتُمْ عَلَّامِينَ** (ہم ظالموں کو ختم کرنے کے بعد تم ہی کو اس سر زمین میں آباد کریں گے)۔ اسی طرح آخری رکوع کے طور پر بھی بتاتے ہیں کہ یہ سورہ کٹے تھوڑے دور سے تعلق رکھتی ہے۔

مرکزی مضمون اور مدعا | جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے اعدائے نبی کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے ہر طرح کی بدتر سے بدتر چالیں چل رہے تھے ان کو فحاشی اور تنبیہ لیکن فحاشی کی بر نسبت اس سورہ میں تنبیہ اور علامت اور زجر و توبیخ کا انداز زیادہ تیز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کا حق اس سے پہلے کی سورتوں میں بھری انداکیا جا چکا تھا اور اس کے باوجود کفار و فحاش کی ہٹ دھرمی و عناد، مزاحمت، اشارات اور ظلم و جور میں بعد از اضافہ بھی جوتا پکھا جا رہا تھا۔

إِنَّا أَنشَأْنَاهُ ۝ سُوْرَةُ الْاِبْرٰهِيْمَ مَلَكًا ۝ ذُرِّيَّةً مِّنْهَا ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الرَّحْمٰنُكَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۚ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيْدِ ۝
اللّٰهُ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۝

آل۔ ر۔ اے محمد! یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور زمین اور آسمانوں کی ساری موجودات کا مالک ہے۔

۱۔ یعنی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کر خدا کے راستے پر لانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہر وہ شخص جو خدا کی راہ پر نہیں ہے وہ دراصل جہالت کے اندھیروں میں مبتلا رہا ہے، خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے دماغ میں کتنی ہی فطرت سے منور ہو۔ بنیاد اس کے جس نے خدا کا راستہ پایا وہ علم کی روشنی میں آگیا، چاہے وہ ایک اُن پٹھ دیباچی ہی کیوں نہ ہو۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تم ان کو اپنے دیکھے اذن یا ائس کی توفیق سے خدا کے راستے پر لاؤ، تو اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مبلغ، خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، راہِ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی کو اس راستہ پہلے آنا اُس کے میں میں نہیں ہے۔ اس کا انحصار سراسر اللہ کی توفیق اور اُس کے اذن پر ہے۔ اللہ کسی کو توفیق دے تو وہ ہدایت پا سکتا ہے، ورنہ پیغمبر جیسا کہ کل مبلغ اپنا پورا زور لگا کر بھی اس کو ہدایت نہیں پیش سکتا۔ یہی اللہ کی توفیق، اس کا قانونِ باطل، اگ ہے جسے قرآن میں مختلف مقامات پر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے ہدایت کی توفیق اُسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت کا طالب ہو، خدا اور مٹ دھری اور تصدق پاک ہو، اپنے نفس کا بندہ اور اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو، کھلی آنکھوں سے دیکھے، کھلے کانوں سے سنے، صاف دماغ سے سوچے سمجھے اور معقول بات کرے، لاگ طریقہ سے مانے۔

۲۔ "حمید کا لفظ اگرچہ حمد ہی کا ہم معنی ہے، مگر دونوں شکلوں میں ایک لطیف فرق ہے، حمود کسی شخص کو اُسی وقت کہیں گے جبکہ اس کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو۔ مگر حمید آپ کے اُس وقت کہیں گے جبکہ اس کی حمد کا مستحق ہے، خواہ کوئی اس کی حمد نہ کرے یا

وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝۱۰ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ
 الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ
 وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۝۱۱ وَمَا أَرْسَلْنَا
 مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ ۖ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اہل سنت تمہارا کون سا ہے قبول حق سے انکار کرنے والوں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ ان کی خواہشات کے مطابق ڈھال دیا جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انھیں اسی طرح کھول کر بات سمجھائے۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا

ڈکھے۔ اس لفظ کا لفظ معنوم متوودہ صفات، سرور اور حمد اللہ متقی تعریف جیسے الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا، اسی لیے ہم اس کا ترجمہ اپنی ذات میں آپ محمود کیا ہے۔

۱۰۔ یا بالغافلہ دیگر جنہیں ساری فکر میں دنیا کی ہے آخرت کی پروا نہیں ہے۔ جو دنیا کے فائدوں اور لذتوں اور آسائشوں کی خاطر آخرت کا نقصان تو مول لے سکتے ہیں مگر آخرت کی کامیابیوں اور خوشحالیوں کے لیے ذریعہ کا کوئی نقصان کوئی تکلیف اور کوئی خطرہ، بلکہ کسی لذت سے محرومی تک برداشت نہیں کر سکتے جنہوں نے دنیا اور آخرت دونوں کا موازنہ کر کے ٹھنڈے دل سے دنیا کو پسند کر لیا ہے اور آخرت کے بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں کہ جہاں جہاں اس کا مفاد دنیا کے مفاد سے ٹکرائے گا وہاں اسے قربان کرتے چلے جائیں گے۔

۱۱۔ یعنی وہ اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر نہیں رہنا چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین ان کی مرضی کا تابع ہو کر رہے، ان کے ہر خیال، ہر نظریے اور ہر دھرم و گمان کو اپنے عقائد میں داخل کرے اور کسی ایسے عقیدے کو اپنے عقائد کا ٹکڑا نہ رہنے دے جو ان کی کھوپڑی میں نہ سما سکا ہو، ان کی ہر رسم، ہر عادت اور ہر خصلت کو سند و جواز سے اللہ کسی ایسے طریقے کی پیروی کا ان سے مطالبہ نہ کرے جو انہیں پسند نہ ہو۔ وہ ان کا عقیدہ خدا غلام ہو کہ ہر جہر و جہرہ اپنے شیطان نفس کے اتباع میں مڑیں، اور ہر وہ بھی مڑ جائے جو کسی نہ تو وہ انھیں ٹوکے اور کسی مقام پر انھیں اپنے راستے کی طرف مڑنے کی کوشش کرے۔ وہ اللہ کی بات صرف اُسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ وہ اس طرح کا دین

مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكَرَهُمْ بِآيِهِمُ اللَّهُ إِنَّ فِي

دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے، وہ بالادست اور حکیم ہے۔

ہم اس سے پہلے موسیٰ کو بھی اپنی نشانوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں۔ اسے بھی ہم نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا اور انھیں تاریخ الخلق کے سبق آموز واقعات سے نصیحت کرو، ان واقعات

ان کے لیے ہے۔

۴۵ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں قوم میں بھیجا ہیں پر اسی قوم کی زبان میں پانچ کلام نازل کیا تاکہ وہ قوم اسے اچھی طرح سمجھے اور اسے یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکے کہ آپ کی بھیجی ہوئی تعلیم تو ہماری سمجھ ہی میں نہ آتی تھی پھر ہم اس پر ایمان کیسے لاتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحن مجزود دکھانے کی خاطر کسی یہ نہیں کیا کہ وہاں تیسے ہندوستان میں اور وہ کلام سنائے چنی یا زبان میں۔ اس طرح کے کثرتے دکھانے اور لوگوں کی جھاپ پستی کو اسودہ کرنے کی بہت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تعلیم و تلقین اور تفہیم و تبیین کی اہمیت زیادہ رہی ہے جس کے لیے ضروری تھا کہ ایک قوم کو اسی زبان میں پیغام پہنچایا جائے جسے وہ سمجھتی ہو۔

۴۶ یعنی باوجود اس کے کہ پندرہ ساری تبلیغ و تلقین اسی زبان میں کرتا ہے جسے ساری قوم سمجھتی ہے، پھر بھی سبک ہدایت نصیب نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ کسی کلام کے محض عام فہم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب سننے والے اسے مان جائیں۔ ہدایت اور ضلالت کا سرشت نہ ہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جسے چاہتا ہے اپنے اس کلام کے ذریعے ہدایت عطا کر لے، اور جس کے لیے چاہتا ہے اسی کلام کو الٹی گراہی کا سبب بنا دیتا ہے۔

۴۷ یعنی لوگوں کا بطور خود ہدایت پالنا یا بھٹک جانا تو اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ وہ کلام خود بخود نہیں ہیں بلکہ اللہ کی بالادستی سے مخلوب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس بالادستی کو اندھا دھند استعمال نہیں کرتا کہ وہ اپنی بنی کر ہی عقلی امور کے لیے چاہے ہدایت بخش دے اور جسے چاہے خواہ مخواہ بھٹکا دے۔ وہ بالادست ہونے کے ساتھ حکیم و داناست بھی ہے۔ اُس کے ہاں سے جس کو ہدایت ملتی ہے عقلی و دجورہ سے ملتی ہے۔ اور جس کو راہ راست سے محروم کر کے بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے وہ خود اپنی ضلالت پسندی کی وجہ سے اس سلوک کا مستحق ہوتا ہے۔

۴۸ آیات ۴۴ تا ۴۷ عربی زبان میں ماضی نامی یا گاتاہی واقعات کے لیے بولا جاتا ہے۔ آیات اللہ سے

ذٰلِكَ لَا يَتِلٰكُلُ صَبَّارٌ شَكُوْرٌ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهٖ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجَاكُمْ مِنْ اِلٍ
فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ وَيَدَّ نَحُوْنَ اَنْتَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَاٌۢ مِنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝
وَاِذْ تَاٰذَنْ رَّبُّكُمْ لَیْنٌ شَكَرْتُمْ لَا زَیْدٌ لَّكُمْ وَلَیْنٌ كَفَرْتُمْ

میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔
اس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑایا جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، تمہارے لوگوں کو قتل کرنا لگے
تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا
اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نواہوں گا اور اگر کفرانِ نعمت

مرا تو نتائج انسانی کے وہ اہم ابواب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی قوموں اور بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کے
اعمال کے لحاظ سے جزایا سزا دی ہے۔

۹ یعنی ان تاریخی واقعات میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جن سے ایک آدمی تو حید و غلاوندی کے ہر حق ہونے
کا ثبوت بھی پاسکتا ہے اور اس حقیقت کی بھی بے شمار شواہد میں فراہم کر سکتا ہے کہ مکافات کا قانون ایک عالمگیر قانون ہے
اور وہ سراسر حق و عدل کے علمی و اخلاقی امتیاز پر قائم ہے، اور اُس کے تقاضے پر سے کہنے کے لیے ایک دوسرا عالم بھی
موجود ہے۔ نیز ان واقعات میں وہ نشانیاں بھی موجود ہیں جن سے ایک آدمی باطل حقائد و نظریات ہندوئی
کی عبادتِ اُٹھانے کے بے نتائج معلوم کر سکتا ہے اور ان سے جبرت حاصل کر سکتا ہے۔

۱۰ یعنی یہ نشانیاں تو بچی بلکہ موجود ہیں مگر ان سے فائدہ اٹھانا صرف اُنہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی
آزمائشوں سے صبر اور پامردی کے ساتھ گزرتے ہوئے، اللہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کر کے ان کا صحیح فکریہ ادا
کرنے والے ہوں۔ چھوڑے اور کم ظرف ہوں حاصل ناشناس لوگ، گمان نشانیوں کا ادھاک کر رہی ہیں تو ان کی یہ اطلاق
کرنے والے نہیں اس ادھاک سے فائدہ اُٹھانے نہیں دیتیں۔

إِنَّ عَدَاوِيَّ لَشَدِيدٌ ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنتُمْ وَمَنْ

کدو کے تو میری سزا بہت سخت ہے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم کفر کا اور زمین کے سارے پہنچو گے

اللہ یعنی اگر ہماری نعمتوں کا حق پہچان کر ان کا صحیح استعمال کرو گے، اور ہمارے احکام کے مقابلہ میں سرکشی نہ کیا
نہ ہونگے، اور ہمارا احسان مان کر ہمارے صلح فرمان نہ ہو گے۔

۱۲ اس مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب، استثنائیں میں جی شرح و بیس کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس تقریر میں
حضرت موسیٰ اپنی صفت سے چند دفعہ پہلے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلاتے ہیں، پھر قرآن کے
ان تمام احکام کو دہرا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ پھر ایک طویل خطبہ دیتے ہیں جس میں
بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی تو کیسے کیسے انعامات سے نوازے جائیں گے اور اگر نافرمانی کی مشق
امتداد کی تو اس کی کیسی سخت سزا دی جائے گی۔ یہ خطبہ کتاب استثنائیں کے ابواب نمبر ۴-۶-۸-۱۰-۱۱ اور ۲۸ تا ۳۰
میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے بعض حصہ مقامات کل درجہ مرز و محبت انجیز ہیں۔ مثال کے طور پر اس کے چند فقرے یہ ہیں
نقل کرتے ہیں جن سے پورے خطبے کا اندازہ ہو سکتا ہے:

”میں اسے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان
اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ۔ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں
تیرے دل پر نقش رہیں۔ اور تو ان کو اپنی نوا کے ذہن میں کرنا اور گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور بیٹھے اور
اُٹھتے ان کا ذکر کرنا“ (باب ۶-۷ آیات ۴-۵)

”پس اسے اسرائیل! خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا جانتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا
کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پہ چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور ساری جان
سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور خداوند کے احکام اور آئین میں تجھ کو کبھی تانا بھونے ان پر عمل
کرے تاکہ تیری غیرت ہو۔ دیکھ آسمان اور زمین اور ہر کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا
ہے“ (باب ۱۰-۱۱ آیات ۱۳-۱۴)

”اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جان فطانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر عمل کرے
کہ میں میں تجھے دیتا ہوں، امتداد سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو
سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو
میں گی۔ شہر میں بھی تو ہمارے ہو گا اور کھیت میں بھی ہمارا۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو
تجھ پر حملہ کرے تیرے در و درگت دھکے گا۔ خداوند تیرے انبار خاؤں میں اور سب

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ فَأَنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

بھی کا فر ہو جائیں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

کاموں میں جن میں قراتہ ڈالے برکت کا حکم دے گا..... جملہ کامیابی پاک قوم بنا کر رکھے گا اور دنیا کی سب قومیں دیکھ کر کہ خداوند کے نام سے کہلاتا ہے جملہ سے ڈر جائیں گی۔ تو بہت سی قومیں قرض دے گا پر خود قرض نہیں لے گا اور خداوند مجھ کو دم نہیں بلکہ مشرعیہ رائے گا اور تو بہت نہیں بلکہ سرفراز ہی رہے گا۔ (باب ۲۸ - آیات ۱-۱۳)

لیکن اگر قریباً نہ کہے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور نائین پر جو آج کے دن میں مجھ کو دیتا ہوں اسی واسطے مل کرے تو یہ سب نصیب جنتیں تھوہریوں گا اور مجھ کو نکلیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہوگا اور حکمت میں بھی لعنتی۔ خداوند ان سب کاموں میں جن کو قراتہ لگائے نعت اور ہنگام اور اضطراب کو چھپرنا نزل کرے گا۔ وہاں مجھ سے پٹی رہے گی آسمان جو تیرے سر پر ہے پیل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی خداوند مجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا۔ قرآن کے مقابلہ کے لیے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا مگر ان کے سامنے سات سات راستوں سے بھاگے گا..... محنت سے ملگنی تو ذکر سے لگا لیں وہ سراسر اس سے باہر کرے گا۔ تو گھر بنائے گا لیکن اس میں بسنے نہ پائے گا۔ تو تانکستان لگائے گا پراس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تو زیل تیری آنکھوں کے سامنے نہ بچا جائے گا۔ بھوکا اور پیاسا اور تنگ اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر تیرے دشمنوں کی خدمت کرے گا جن کو خداوند تیرے برخلاف ایسے گا اور نفیم تیری گردن پر لوہے کا جوار رکھے گا جب تک وہ تیرا ناس نہ کر دے..... خداوند مجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کر دے گا۔ (باب ۲۸ - آیات ۱۵-۶۴)

۱۳ اس جگہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے معاملہ کی طرف یہ فقر اشارہ کرنے سے مقصود اہل مکہ کو یہ بتانا ہے کہ اللہ جب کسی قوم پر احسان کرتا ہے اور جواب میں وہ قوم تک حرامی اور کفری دکھائی ہے تو پھر ایسی قوم کو وہ عبرت انگاہم دیکھنا چاہئے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے بنی اسرائیل دیکھ رہے ہیں۔ اب کیا تم بھی خدا کی نعمت اور اس کے احسان کا جواب افسانہ نعمت سے دے کر یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جس نعمت کی قدر کرنے کا یہاں قریش سے مطالبہ فرما رہا ہے نہ محبت کے ساتھ اس کی یہ نعمت ہے کہ اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے درمیان پیدا کیا اور آپ کے اندر ہے اُن کے پاس و عظیم الشان تعلیم بھی جس کے متعلق حضور بار بار قریش سے فرمایا کرتے تھے کہ کلمہ واحد تعالیٰ نہ تھا تہذیب

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثمودُ
وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
اُرْسِلْتُمْ بِهِ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝۱۰۱

الثلثه

کیا تمہیں اُن قوموں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں؟ قوم نوح، عاد،
ثمود اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کا شمار اشد ہی کو مظلوم ہے؟ اُن کے رسول جب
اُن کے پاس صاف صاف باتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے منہ میں
ہاتھ دبا لیے اور کہا کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی تم
ہمیں دعوت دیتے ہو اُس کی طرف سے ہم سخت غلجھان آئیںز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ رسولوں نے

بھا اعراب و تدین لکھ دیا العجبت۔ یہی ایک بات مان لو عرب و عجم سب تمہارے تابع ہو جائیں گے۔

۱۰۱ حضرت موسیٰ کی تقریر اور پھر ختم ہو گئی۔ اب براہ راست کفار کو کسے خطاب شروع ہوتا ہے۔

۱۰۲ ان افعال کے منہ میں مفسرین کے درمیان بہت کچھ اختلاف پیش آیا ہے اور مختلف لوگوں نے مختلف تفسیر
دیاں کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا قریب ترین مفہوم وہ ہے جسے لکھنے کے لیے ہم اردو میں کہتے ہیں کافلوں پر ہاتھ رکھنا
یا دوسروں میں اٹلی دھانی۔ اس لیے کہ مذکورہ صاف طور پر اظہار اور چھپے، دھنڈلے مضامین پر مشتمل ہے اور کچھ اس میں خفے
کا انداز بھی ہے۔

۱۰۳ یعنی ایسا شک جس کی وجہ سے اطمینان و صحت ہو گیا ہے۔ یہ دعوت حق کا فائدہ ہے کہ جب وہ اٹھتی ہے
تو اس کی وجہ سے ایک کھلی منہ دہانی ہے اور انکار و مخالفت کرنے والے بھی پورے اطمینان کے ساتھ اس کا انکار
کر سکتے ہیں۔ اُس کی مخالفت۔ وہ چاہے کتنی ہی شدت کے ساتھ اُسے رد کریں اور کتنی ہی ذور اُس کی مخالفت میں اٹھیں
دعوت کی سہانی، اس کی معقول و علیل، اُس کی کھری کھری اور بے لاگ باتیں، اُس کی حل مرہ، پینے والی زبان، اس کے
دھمکی بے دلائل سیرت، اُس پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں کا صریح انتہا ہے صدیق مقال کے معنی میں لکھ
پاکیزہ اعمال یہ ساری چیزیں اُن کی نظر سے کٹے مخالفت کے دل میں بھی ایک اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ وہ علیل حق

رُسُلَهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوهُمْ
لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخْرِجَكُمْ لِي اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْا
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَنْ مَا كَانَ
يَعْبُدُ اَبَاؤُنَا فَاتُوتُنَا سُلٰطِنٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸۰ كَاَلَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

کہا "کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلاد رہا ہے تاکہ تمہارے قصور و معاصی کرے اور تم کو ایک مدت مقرر تک صحت دے۔" انہوں نے جواب دیا "تم کچھ نہیں ہو مگر ویسے ہی انسان جیسے ہم ہیں۔ تم ہمیں ان ہستیوں کی بندگی سے روکنا چاہتے ہو جن کی بندگی باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اچھا تو لاؤ کوئی صریح شہد۔ رسولوں نے کہا کہ پہلے میں کہنے والا غلامی میں سے محروم ہو جاتا ہے۔

۱۸۰ رسولوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ہر زمانے کے مشرکین خدا کی ہستی کو انتہی سے اور یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق وہی ہے۔ اسی بنیاد پر رسولوں نے فرمایا کہ انہیں شک کس چیز میں ہے؟ ہم جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دیتے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ اکثر غلط فہمیاں والارض تمہاری بندگی کا جتنی مستحق ہے۔ پھر کیا اللہ کے بارے میں تم کو شک ہے؟

۱۸۱ مدت مقرر سے مراد افراد کی موت کا وقت بھی ہو سکتا ہے اور قیامت بھی۔ جہاں تک قوموں کا تعلق ہے ان کے اٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین ان کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک بھی قوم اگر اپنے اندر مجاہد پیدا کر لے تو اس کی صلت عمل گشاہی جاتی ہے لہذا سے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک اگر بے عمل ہو جاتی تو اس کے لیے اسے اوصاف سے بدل لے تو اس کی صلت عمل بچا دیا جاتی ہے۔ حتیٰ کہ قیامت تک بھی بدلے ہو سکتی ہے۔ اسی سبب ان کی طوفانہ آمد کے بعد کہ آیت "وَلَا تِلْكَ اَشْوَٰہُ کَثٰیۃٌ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف کو بدل نہ لے۔

۱۸۲ ان کا یہ مطلب تھا کہ تم پر حیثیت سے باطل ہم جیسا انسان ہی نظر آتے ہو۔ کھلتے ہو، پیتے ہو، سوختے ہو، بڑی بچہ دیکھتے ہو، بھوک، پیاس، بیماری، دکھی، سردی، گرمی، ہر چیز کے احساس میں اور ہر بشری کمزوری میں ہمارے مشابہ ہو۔ تمہارے اندر کوئی غیر معمولی نہیں نظر نہیں آتا جس کی بنا پر ہم یہ مان لیں کہ تم کوئی پیچھے ہوئے لوگ ہو لہذا تم سے

إِنْ لَنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ
 مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ
 اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ
 عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنْ يُخِيبَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْنَاهُمُونَا
 وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِيهَا

واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ تمہیں کوئی سنبلا دیں۔ پس اللہ ہی کے اذن سے آسکتی ہے اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور ہم کہیں نہ اللہ پر بھروسہ کریں جبکہ ہماری زندگی کی تاح میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے؛ جو اذیتیں تم لوگ ہمیں دے رہے ہو ان پر ہم مبرکریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیئے۔ ع

آخر کار منکرین نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ یا تمہیں ہماری ہمت میں واپس آنا ہو گا ورنہ ہم کلام ہوتا ہے اور فرشتے تمہارے پاس آتے ہیں۔

۲۵ یعنی کوئی ایسی سند ہے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور اذیتوں سے چھوئیں اور جس سے ہم کو یقین آجائے گا واقعی خدا نے تم کو یہ کیا ہے اور یہ پیغام جو تم لئے جو خدا ہی کا پیغام ہے۔

۲۶ یعنی بلاشبہ ہم ہیں تو ان ہی مگر اللہ نے تمہارے درمیان ہم کو ہی ظہور اور بصیرت کاملہ عطا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس میں ہمارے بس کی کوئی بات نہیں ہے تو اللہ کے اختیارات کا سامنا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دے۔ ہم مذہب کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آتا ہے وہ تمہارے پاس پہنچا دیں اور وہی کر سکتے ہیں کہ جو حقیقتیں ہم پر شکست ہوئی ہیں ان سے تمہیں بند کر دیں۔

۲۷ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام منصبِ نبوت پر سر فرما رہے تھے پہلے ہی گمراہ تھیں

وَلَمَّا قَاوَاهُ آلِيهِمْ سَابَّهُمْ بِكُفْرِهِمْ ۖ إِنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۳﴾
 وَلَنَسُكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَارِي
 وَخَافَ وَعَبِيدٌ ﴿۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۵﴾
 فَمِنْ وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّكَاءٍ صَدِيدٍ ﴿۶﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَ

ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ تب اُن کے رب نے اُن پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو
 ہلاک کر دیں گے اور اُن کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے۔ یہ انعام ہے اُس کا جو میرے حضور
 جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔ اُنھوں نے فیصلہ چاہا تھا (تو یوں اُن کا فیصلہ
 ہوا) اور ہر جبار دشمن حق نے منہ کی کھائی۔ پھر اس کے بعد آگے اُس کے لیے جہنم ہے۔ وہاں اُسے
 کی لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور

کہ بت میں شامل ہوا کرتے تھے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ موت سے پہلے چونکہ وہ ایک طرح کی خاموش زندگی بسر کرتے تھے
 کسی دین کی تبلیغ نہ کسی رائج الوقت دین کی۔ دین نہیں کرتے تھے اس لیے اُن کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ہماری ہی ملت میں ہیں
 اور نبوت کا کام شروع کر دینے کے بعد اُن پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ ملت آبائی سے بک گئے ہیں۔ حالانکہ وہ نبوت سے
 پہلے ہی کسی دشمن کی بت میں شامل نہ ہوئے تھے کہ اس سے حرج کا الزام اُن پر لگ سکا۔

۲۳ مینی مبراؤ نہیں یہ کہتے ہیں کہ تم اس ملک میں نہیں رہ سکتے، مگر ہم کہتے ہیں کہ اب یہ اس سرزمین میں رہنا
 پائیں گے۔ اب تم جو تمہیں مانے گا وہی یہاں رہے گا۔

۲۴ فوذا ظاہر ہے کہ یہاں اس تاریخی بیان کے پیرایہ میں وہ اصل کفار کہ کُاُن باتوں کا جواب دیا جا رہا ہے
 جودعی مکی اور مدینہ سے کیا کرتے تھے ذکر ظاہر پہلے انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات کا ہے مگر چہاں ہو رہا
 ہے عدلن حالات پر جو اس سورہہ کے مذکورہ ذیل میں پیش آ رہے تھے۔ اس مقام پر کفار کہ کو، بلکہ مشرکین عرب کو گویا صفات
 صفات متنبہ کر دیا گیا کہ تمہارا مستقبل اب اُس رویت پر منحصر ہے جو دعوتِ محمدیہ کے مقابلے میں تم اختیار کرو گے۔ اگر اسے قبول
 کرو گے تو عرب کی سرزمین میں رہ سکو گے، اور اگر اسے رد کرو گے تو یہاں سے تمہارا تمام دُشَن تک مٹا دیا جائے گا۔
 چنانچہ اس بات کو تاریخی واقعات نے ایک ثابت شدہ حقیقت بنا دیا۔ اس پیشین گوئی پر پورے پندہ جس میں مذکور ہے
 تھے کہ سرزمینِ عرب میں ایک مشرک بھی باقی نہ رہا

لَا يَكَادُ يُسَيِّغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ وَمَنْ وَرَّاهُ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ
لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ يَئْسَ

مشکل ہی سے اتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور
آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کا لاگو رہے گا۔

جن لوگوں نے اپنے رب کے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جسے ایک
طوفانی دن کی آندھی نے اُڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی بدل نہ پاسکیں گے یہی پہلے درجے کی
گمشدگی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے آسمان و زمین کی تخلیق کو حق پر قائم کیا ہے، وہ چاہے تو

۲۵ یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ نیک مرائی، بے وفائی، خود فتاری اور نافرمانی و سرکشی کی بدلتا
اختیار کی اور طاقت و بندگی کا وہ طریقہ اختیار کرتے سے انکار کر دیا جس کی دعوت انبیاء عظیم السلام لے کر آئے ہیں ان کا
پورا کارنامہ حیات اور زندگی بھر کا سارا سرمایہ عمل آؤ کا لایا لا حاصل اور بے معنی ثابت ہوگا جیسے ایک راکھ کا ڈھیر تھا
جو اکٹھا ہو ہو کر مدت و دنازیں بڑا بھاری ٹیلہ سا بن گیا تھا، مگر صرف ایک ہی دن کی آندھی نے اس کو ابا اٹھا یا کہ اس کا
ایک ایک ذرہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ اُن کی نظر فریب، تمذیب، اُن کا شاندار تقن، اُن کی حیرت انگیز صنعتیں، اُن کی زبردست
سلطنتیں، اُن کی مالیشان و نیوریشیاں، اُن کے علوم و فنون اور ادب لطیف و کثیف کے اتمام و خیرے، حتیٰ کلان کی
جہادیں اور اُن کی ظاہری نیکیاں اور اُن کے بیٹے بڑے خیراتی اور دغا ہی کا دانے بھی، جن پر وہ دنیا میں فخر کرتے ہیں،
سب سب آخر کار راکھ کا ایک ڈھیر ہی ثابت ہوں گے جسے یوم قیامت کی آندھی بالکل صاف کر دے گی اور عالم
آخرت میں اُس کا ایک ذرہ بھی اُن کے پاس اس قانون مذہب کے کہ اُسے خدایک میزبان میں رکھ کر کچھ بھی فقن پاسکیں۔

۲۶ یہ دلیل ہے اُس دعوے کی جو اور کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس بات کو سن کر جسے تعجب کہیں ہوتا
ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ زمین و آسمان کا عظیم الشان کارخانہ تخلیق حق پر قائم ہوتا ہے نہ کہ مائل پر، یہاں جو چیز

يَذْهَبُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾

تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔ ایسا کرنا اُس پر کچھ بھی دشوار نہیں۔

حقیقت اور عاقبت پرستی نہ ہو بلکہ محض ایک بے اصل قیاس و گمان پرستی کی بنا کہ دی گئی ہو، اُسے کوئی پائیداری نصیب نہیں ہو سکتی۔ اُس کے لیے قرارداد و ثبات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اُس کے اعتماد پر کام کرنے والا کبھی اپنے اعتماد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جو شخص پانی پر نقش بنائے اور ریت پر قعر تعمیر کرے وہ اگر یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا نقش باقی رہے گا اور اُس کا قعر کھڑا رہے گا تو اس کی یہ امید کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پانی کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ نقش قبول کرے اور ریت کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ عمارتوں کے لیے مضبوط بنیاد بن سکے۔ لہذا سچائی اور حقیقت کو نظر انداز کر کے جو شخص باطل امیدوں پر اپنے عمل کی بنیاد رکھے اُسے ناکام ہونا ہی چاہیے۔ یہ بات اگر تمہاری سمجھ میں آتی ہے تو پھر یہ سن کر تمہیں حیرت کس لیے ہوتی ہے کہ خدایک اِس کائنات میں جو شخص ایسے آپ کو خدایک بندگی و اطاعت سے آزاد فرض کر کے کام کرے گا، یا خدا کے سوا کسی اور کی خدائی مان کر جس کی فی الواقع خدائی نہیں ہے (زندگی بسر کرے گا، اس کا پیدا کرنا نہ زندگی منافع ہو جائے گا، جب عاقبت یہ نہیں ہے کہ افسانہ بیان خود مختار ہو یا خدا کے سوا کسی اور کا بندہ ہو، تو اس جھوٹ پر اس خلاف واقعہ مفروضے پر، اپنے پورے نظامِ فکر و عمل کی بنیاد رکھنے والا انسان تمہاری رائے میں پانی پر نقش کھینچنے والے، محق کا سا انجام نہ دیکھے گا تو اُس کے لیے اور کس انجام کی تم توقع رکھتے ہو؟

۲۷ دوسرے دلیل پیش کرنے کے بعد فرقہ بازی یہ فقرہ نصیحت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ ہمیں ایک مشبہہ کا انزال بھی ہے جو اوپر کی حد تک بات سن کر آدمی کے دل میں بیدار ہو سکتا ہے۔ ایک شخص ہو جو کہتا ہے کہ اگر بات وہی ہے جو ان آیتوں میں فرمائی گئی ہے تو یہاں ہر باطل پرست اور فلاح ناپسند کی فلاح نہیں ہو جاتا، اس کا خطاب یہ ہے کہ نامہاں اکیا تو جیسا ہے کہ اُسے فنا کر دینا اللہ کے لیے کچھ دشوار ہے، یا اللہ سے اس کا کوئی رشتہ ہے کہ اس کی شرارتوں کے باوجود اللہ نے محض اِتر یا پروری کی بنا پر اُسے مجبوراً جھوٹ دے رکھی ہو، اگر یہ بات نہیں سچا ہے تو خود جانتا ہے کہ نہیں ہے، تو پھر تجھے کھنا چاہیے کہ ایک باطل پرست اور فلاح کار تو ہم ہر وقت اس خطرے میں مبتلا ہے کہ اسے ہٹا دیا جائے اور کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ کام کرنے کا موقع دے دیا جائے۔ اس خطرے کے مقابلہ میں ہونے میں اگر دیر لگ رہی ہے تو اس غلط فہمی کے غلطے میں مست نہ ہو جا کہ خطرہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ جلت کے ایک ٹک لے کر وضو کرنا اور اپنے باطل نظامِ فکر و عمل کی ناپائیداری کو محسوس کر کے اسے جلدی سے جلدی پاتا ہوا بنیادوں پر قائم کر لے۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
 إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَمَا هُم بِمُعْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ
 مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهْدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا
 أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنَ مَحْصُوفٍ ۚ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ
 إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ

ع ۱۵

اور یہ لوگ جب اکٹھے اللہ کے سامنے بنے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو
 دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے "دنیا میں ہم تمہارے تابع
 تھے، اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہو؟" وہ جواب دیں گے
 "اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ
 ہم جبراً فزع کریں یا صبراً بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔"

اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے
 کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی

۵۲۸ روزہ کے سنی محض نہیں کر سائے آئے اور پیش برسنے ہی کے نہیں ہیں بلکہ اس میں ظاہر مجھے بعد کھل جانے
 کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ہاں یہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہے نقاب ہو کر سامنے آ جانا کیا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے تو بندے
 ہر وقت اپنے رب کے سامنے بے نقاب ہیں۔ مگر اخذ کی مٹی کے دن جب وہ سب کے سب اللہ کی عدالت میں حاضر
 ہوں گے تو انہیں خود بھی معلوم ہوگا کہ ہم اس حکم الحاکمین اور مالک یوم الدین کے سامنے بالکل بے نقاب ہیں، ہمارا کوئی
 کام بلکہ کوئی خیال اور دل کے گوشہ میں چھپا ہوا کوئی الاداء تک اس سے مخفی نہیں ہے۔

۵۲۹ یہ تیندہ ہے ان سب لوگوں کے لیے جو دنیا میں انکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلتے ہیں یا اپنی کوری
 کو حجت بنا کر طاقت و ظالموں کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ آج جو تمہارے لیڈر اور پیٹرا اور افسر اور حاکم
 بنے ہوئے ہیں، کل ان میں سے کوئی بھی تمہیں خدا کے عذاب سے ذرہ برابر بھی نہ بچا سکے گا۔ لہذا آج ہی سوچ لو کہ تم جس کے
 پیچھے چل رہے ہو یا جس کا حکم مان رہے ہو وہ خود کمال جا رہا ہے اور تمہیں کہاں پہنچا کر چھوڑے گا۔

لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتَكُمْ فَاَسَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَكُوْمُوْنِيْ وَلَوْ مُوَا اَنْفُسَكُمْ مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيْ طَرَفِيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنَ مِنْ قَبْلُ

زور تو تھا انہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر بلیک کہا۔ اب مجھے طاعت نہ کرو اپنے آپ ہی کو طاعت کرو۔ یہاں نہیں تمہاری فرما دی کہ سکتا ہوں اور تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے

۱۳۰۔ یعنی تمہارے تمام گئے شکریے اس حد تک تو اہل صحیح ہیں کہ اندر سچا خدا میں جوڑا تھا۔ اس واقعہ سے مجھے گروہکار نہیں ہے۔ اللہ کے وعدے اور اس کی وعیدیں، تم دیکھ ہی رہے ہو کہ اللہ میں سے ہر بات جوں کی توں ہو گئی۔ اور میں خود اپنا ہوں کہ جو بھروسے میں نے تمہیں رکھے، جن فائدوں کے لالچ تمہیں دیے جن خوشنما تو تھا تمہارے جال میں تم کہیں نہا، اور سب سے بڑھ کر یقین جو تمہیں دلایا کہ اول تو آخرت و آخرت کچھ بھی نہیں ہے، سب محض دھوکا سلا ہے اور اگر ہوئی بھی تو فلاں حضرت کے تصدیق سے تم عافیت نکلو گے، بس ان کی خدمت میں مذہب و نیاذ کی رشتہ پیش کرتے رہو اور پھر جو چاہو کرتے پھر نجات کا ذمہ ان کا، یہ ساری باتیں جو میں تم سے کہتا رہا اور اپنے اینٹوں کے ذریعہ سے کھلیا رہا، یہ سب محض دھوکا تھا۔

۱۳۱۔ یعنی اگر آپ حضرات یہ ثابت کر سکتے ہوں کہ آپ خود راہِ راست پر چلنا چاہتے تھے اور میں نے ذہنی آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو غلط راستے پر کھینچ لیا، تو ضرور اسے پیش فرمائیے جو چوکی مرزا سویری۔ لیکن آپ خدا میں گئے کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ میں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ دعوت حق کے مقابلہ میں اپنی دعوت باطل آپ کے سامنے پیش کی، سچائی کے مقابلہ میں جھوٹ کی طرف آپ کو بلایا، بلکی کے مقابلہ میں بدی کی طرف آپ کو کھاروا۔ مننے اور نہ ماننے کے علاوہ اختیار آپ ہی حضرات کو حاصل تھے۔ میرے پاس آپ کو مجھ رکھنے کی کوئی طاقت نہ تھی۔ اب اپنی اس دعوت کا ذمہ دار تو ہاں شہید خود ہوں اور اس کی مرزا بھی یا ہاں ہوں مگر اپنے جو اس پر بلیک کہا اس کی ذمہ داری آپ مجھ پر کہاں ڈالنے چاہیں۔ اپنے قلم انتخاب اور اپنے اختیار کے غلط استعمال کی ذمہ داری تو آپ کو خود ہی اٹھانی چاہیے۔

۱۳۲۔ یہاں ہر حرکت اعتقادی کے مقابلہ میں شرک کی ایک مستقل زور، یعنی شرکِ علی کے وجود کا ایک ثبوت تسلیم ظاہر بات ہے کہ شیطان کا اعتقادی حیثیت سے تو کوئی بھی دخلی میں حرکتِ غیرِ راستہ اور اس کی پرستش کرتا ہے۔ بس اس پر نعت ہی یہ ہے کہ جس کی اطاعت اور نطی اور اس کے طریقے کی نادمی یا انکھول دیکھے بیوی خود کی جارہا

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ يُحْبَبُونَ ﴿۳۸﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ

برسی الذمہ ہوں، ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔

بخلاف اس کے جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایسے
باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے اذن سے
ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی جہاز کا دستہ ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے

اور اسی کو پہلے شرک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحبِ بواب میں فرمائیں کہ یہ تو شیطان کا قول ہے جسے
اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ لیکن ہم عرض کیں گے کہ اقل قاس کے قول کی اللہ تعالیٰ خود تردید فرمادیتا اگر وہ غلط ہوتا۔ دوسرے
شرک علی کا مرتبہ یہ ایک ثبوت قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد ثبوت پہلے مسودہ اول میں گذر چکے ہیں اور آگے آرہے ہیں۔
مثال کے طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ الزام کہ وہ اپنے جہاد اور زہمان کو ارباب بن دین اللہ بنائے ہوئے ہیں یا آل
عمران (رکوع ۷)۔ جاہلیت کی رسمیں یا یہود کو نہ والوں کے تعلق یہ کہنا کہ ان کے پیروں نے انہیں خدا کا شرک بنا رکھا ہے
(الانعام۔ رکوع ۱۶)۔ خواہشات نفس کی بندگی کرنے والوں کے تعلق یہ فرمانا کہ انہوں نے اپنی خواہش نفس کو خدا بنالیا ہے
(الفرقان۔ رکوع ۴)۔ منافقان بعدوں کے تعلق یہ ارشاد کہ وہ شیطان کی عبادت کرتے رہے ہیں (یونس۔ رکوع ۴)۔ انسانی
ساخت کے قوانین پر چلنے والوں کو اپنا الفاظ میں طاقت کہنا کہ خداوندی کے بغیر جن لوگوں نے تمہارے لیے شریعت بنائی
ہے وہ تمہارے ”شریک“ ہیں (الاحزاب۔ رکوع ۳) یہ سب کیا اسی شرک کا عمل کی نظیریں نہیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے
ان نظروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی صورت یہی ایک صورت نہیں ہے کہ کوئی شخص عقیدہ کسی غیر اللہ کو ذاتی
میں شریک ٹھہرائے۔ اس کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ وہ ذاتی مسند کے بغیر یا احکام خداوندی کے علی الرغم
اُس کی پیروی اور اطاعت کرتا چلا جائے۔ ایسا پیر و امیر مصلح اگر اپنے پیشوا اور مصلح پر لعنت بھیجتے ہوئے بھی علماء پر بدوش
انتقاد کر رہا ہو تو قرآن کی رو سے وہ اُس کو ذاتی میں شریک بنائے ہوئے ہے، چاہے شرما اُس کا حکم بالکل وہی نہ ہو جو امت کو
شرک بنائے۔ (مزید تفصیل کے لیے خلاصہ مکتبہ مائتہ و عشتا)

۳۳۔ نتیجہ کے لغوی معنی ہیں وہاں سے ماضی عمر کو مطلقاً معوی زبان میں یہ لفظ اس لفظ غیر مذکورہ کا کلمہ استعمال

کے لیے بولا جاتا ہے جو لوگ آئنا سامنا ہونے پر جب پہلے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ ارعد میں اس کا ہم معنی لفظ

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا
فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ يَا ذِينَ الرَّبِّهَا وَيَضَرِبُ اللَّهُ
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ

کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی فالت کا درخت،
جس کی جڑ زمین میں گہری جڑی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے
اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

ما تو سلام ہے یا ہر ملک سلیک لیکن بظاہر امتعال کرنے سے رجوع شک نہیں ہوتا، اور دوسرا لفظ مبتذل ہے،
اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ استقبال کیا ہے۔

یَعْنِي تَهْتَدُ مَعْنَى يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي يَهْدِي
یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کا اس طرح استقبال ہوگا۔ نیز سلام میں دعائے سلامتی کا مفہوم بھی ہے اور سلامتی کی بشارت کا بھی۔
ہم نے موقع کی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مفہوم اختیار کیا ہے جو ترجمہ میں درج ہے۔

۳۳ کلمہ طیبہ کے لفظی معنی تو پاکیزہ بات کے ہیں، مگر اس سے مراد ہے وہ قول حق اور عقیدہ صالحہ جو ہر حقیقت
اور راستی پر مبنی ہو۔ یہ قول اور عقیدہ قرآن مجید کی رو سے لازماً وحی ہو سکتا ہے جس میں توحید کا اقرار انبیاء اور کتب آسمانی کا اقرار
اور آخرت کا اقرار ہو، کیونکہ قرآن انہی امور کو بنیادی صداقتوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

۳۴ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین سے لے کر آسمان تک ہر حکمران نظام کائنات اس حقیقت
پر مبنی ہے جس کا اقرار ایک مومن اپنے کلمہ طیبہ میں کرتا ہے، اس لیے کسی گمشدہ میں بھی تافہی فطرت اس سے نہیں ہکرتا
کسی شے کی بھی اصل اور حقیقت اس سے وابہ نہیں کرتی، کہیں کوئی حقیقت اور صداقت اس سے تضاد نہیں ہوتی، اس لیے
زیرِ مبادئ کا پورا نظام اس سے قانون کرتا ہے، اور آسمان اور اس کا پورا عالم اس کا غیر مقدم کرتا ہے۔

۳۵ یعنی وہ ایسا بار آور و مزین ہو کہ جسے کہ جو شخص یا قوم اسے مینا کرنا چاہی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے،
اُس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ وہ فکر، عمل، لہجہ، طبیعت میں سلامت، مزاج میں اعتدال، ہریت
میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت و نفاذت، ہر تاؤں خوشگوار، مصلحتات میں راست
بازی، کلام میں صداقت شاعری، قول و قرار میں سچائی، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں فصاحت، تمدن میں توازن،
معشیت میں عدل و مساوات، سیاست میں دیانت، جنگ میں شرافت، صلح میں خلوص اور ہمدردی، ایمان میں وثوق پیدا کرتا

كُشَجَرَةٌ خَيْثُهَا اجْتَنُّتُ مِنْ قَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۳۷

ایک بد ذات و درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اُس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔

ہے۔ وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی تاثیر اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قہل کر لے تو کندن میں جلتے۔

۳۷ یہ لفظ کلہر طیبہ کی ضد ہے جس کا اطلاق اگرچہ ہر غلابہ حقیقت اور صیغہ بر غلط قول پر ہو سکتا ہے، مگر یہاں

اُس سے مراد ہر وہ باطل عقیدہ ہے جس کو انسان اپنے نظام زندگی کی بنیاد بنائے، عام اس سے کہ وہ دہریت ہو یا جلاوڑی ہو، جو، مشترک بہت پرستی ہو، یا کوئی اور ایسا تخیل جو انبیاء کے واسطے سے نہ آیا ہو۔

۳۸ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ باطل جو حلقہ حقیقت کے خلاف ہے اس لیے تافہی نہ

کلیں بھی اُس سے موافقت نہیں کرنا۔ کائنات کا ہر فرد اُس کی تکذیب کرتا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے اس کی تردید کرتی

ہے۔ زمین میں اُس کا بیج برسنے کی کوشش کی جائے تو ہر وقت وہ اُسے اُگلنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ آسمان کی طرف اس

کی شاخیں بڑھ چکی ہیں تو وہ انھیں نیچے دھکیلتی ہے۔ انسان کو اگر امتحان کی خاطر کتاب کی آزادی اور مل کی صلت نہ دی گئی

ہوتی تو یہ بد ذات و درخت کیسے گھٹنے نہ بٹاتا۔ مگر جو کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو اپنے رجحان کے مطابق کام کرنے کا موقع عطا کیا

ہے، اس لیے جو نادان لوگ تالوں فطرت سے لڑ پڑ کر یہ درخت لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے زعمدار سے زمین

اسے تھوڑی بہت جگہ دے دیتی ہے جو اور پانی سے کچھ نہ کچھ غلامی اسے مل جاتی ہے، اور فضا بھی اس کی شاخوں کو پھیلنے

کے لیے باولی ناخوامت کچھ موقع دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن جب تک یہ درخت قائم رہتا ہے کڑوے، کسپے، زہریلے

پھل دیتا رہتا ہے، اور حالات کے بدلتے ہی حوادث کا ایک جھٹکا اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

کلہر طیبہ اور کلمات خبیثہ کے اس فرق کو ہر وہ شخص مسمانی محسوس کر سکتا ہے جو دنیا کی مذہبی، اخلاقی، فکری اور تمدنی

تاریخ کا مطالعہ کرے۔ وہ دیکھے گا کہ تاریخ سے آج تک کلہر طیبہ تو ایک ہی رہا ہے مگر کلمات خبیثہ بے شمار پیدا

ہو چکے ہیں۔ کلہر طیبہ کبھی جڑ سے نہ اکھاڑا جا سکا، مگر کلمات خبیثہ کی فہرست ہزاروں مردہ کلمات کے ناموں سے بھری پڑی

ہے، حتیٰ کہ اُن میں سے بہتوں کا حال یہ ہے کہ کونج تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں اُن کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

اپنے زمانے میں جن کلمات کا بڑا زور شور رہا ہے آج اُن کا ذکر کیا جائے تو لوگ حیران رہ جائیں گے کہ کسی انسان نے ایسی باتوں

کا بھی قائل نہ چکا ہے۔

پھر کلہر طیبہ کو جب، جہاں، جس شخص یا قوم نے بھی صیغہ معنوں میں اپنا یا اُس کی خوشبو سے اُس کا ماحول مسطر ہو گیا اور

اُس کی برکتوں سے موصوفہ شخص یا قوم نے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُس کے گرد و پیش کی دنیا بھی اُن سے مالا مال ہو گئی۔ پھر

کسی کلہر خبیثہ نے جہاں جس انفرادی یا اجتماعی زندگی میں بھی بڑ پکڑی اُس کی سڑاند سے سارا ماحول تھخن ہو گیا۔ اور اُس کے

کاغذی کی چھین سے نہ اس کا منہ والا اس میں رہا نہ کوئی ایسا شخص جس کو اُس سے سابقہ پیش نہ آیا ہو۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿١٦﴾

بج

ایمان لانے والوں کو اسد ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے، اور ظالموں کو اسد بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ ع

اس سلسلہ میں یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ یہاں تیشل کے لیے یہ میں ماسی معنون کی گھایا گیا ہے جو اوپر رکوع ۳ میں بیان ہوا تھا کہ اسے بے بے لکھ کرنے والوں کے اعمال کی مثال اس داکھ کی سی ہے جسے ایک طغانی دن کی آندھی نے اڑا دیا جو۔ اور یہی معنون اس سے پہلے سورہ رعد رکوع ۲ میں ایک دوسرے انداز سے سیلاب اور بھگلائی ہوئی دھاتوں کی تیشل میں بیان ہو چکا ہے۔

۱۶ یعنی دنیا میں اُن کو اس فکر کی وجہ سے ایک پائدار نقطہ نظر ایک مستحکم نظام فکر، اور ایک جامع نقطہ نظر ہے جو ہر عقدے کو حل کرنے اور ہر قسم کی گھٹائی کو سلجھانے کے لیے شاہ کید کا حکم رکھتا ہے۔ سیرت کی مضبوطی اور اخلاق کی کمنداری نصیب ہوتی ہے جسے نماز کی گردشیں قنزل نہیں کر سکتیں۔ زندگی کے ایسے فحوس احوال ہتے ہیں جو ایک طرف اُن کے قلب کو سکون اور دماغ کو اطمینان بخشتے ہیں اور دوسری طرف انھیں سعی و عمل کی راہوں میں بٹکنے، ٹھکراؤں کھانے، اور تفرقوں کا شکار ہونے سے بچاتے ہیں۔ پھر جب وہ موت کی سرحد پار کر کے عالم آخرت کے حدود میں قدم رکھتے ہیں تو وہاں کسی قسم کی حیرانی اور سرسبکی و پریشانی اُن کو لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں سب کچھ ان کی توقعات کے عین مطابق ہوتا ہے۔ وہ اُس عالم میں اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ گویا اُن کی راہ و رسم سے پہلے ہی واقف تھے۔ وہاں کوئی مرحلہ یا پیش نہیں آتا جس کی انھیں پہلے خبر نہ دے دی گئی ہو اور جس کے ایسے احوال نے قبل از وقت تیاری نہ کر رکھی ہو۔ اس لیے وہاں ہر منزل سے وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ گزرتے ہیں۔ ان کا حال وہاں اس کا فر سے بالکل مختلف ہوتا ہے جسے مرے ہی اپنی توقعات کے سراسر خلاف ایک دوسری ہی صورت حال سے اچانک سابقہ پیش آتا ہے۔

۱۷ یعنی جو ظالم کو غیب کو سمجھ کر کسی کلمہ عبیدہ کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ذہن کو پرانگہ امور اُن کی ماسی کو پریشان کر دیتا ہے۔ وہ کسی پہلو سے بھی فکر و عمل کی صحیح راہ نہیں پا سکتے۔ ان کا کوئی تیز بھی نشانہ پر نہیں چلتا۔

أَلَمْ تَر إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ
الْبُورِ ۖ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيَبْسُ الْقَرَارِ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أُنْدَادًا
لِيَصْلُوا عَنْ سَبِيلِهِ ۖ قُلْ تَتَّبِعُوا فَإِنْ مَصِيرُكُمْ إِلَى النَّارِ ۖ
قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَافٍ ۖ
اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

ح نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اُسے کفرانِ نعمت سے بدل ڈالا اور
(اپنے ساتھ) اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا — یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور
وہ بدترین جگہ ہے۔ اور اللہ کے کچھ ہمسرتجو کر لیے تاکہ وہ انہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں۔
ان سے کہو اچھا منہ کر لو، آخر کار تمہیں پلٹ کر جانا دوزخ ہی میں ہے۔

اے نبی! میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز قائم کرو اور جو کچھ ہم نے ان کو
دیا ہے اُس میں سے کھلے اور چھپے (اور خیر میں) خرچ کرو، قبل از اس کہ کہ وہ دین آئے جس میں نہ خرید و
فروخت ہوگی اور نہ دوست و مغازی ہو سکے گی۔

اللہ وہی ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے

۴۱ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کی روش خدا کی روش سے مختلف ہوئی چاہیے۔ وہ نہ کافر نہ ہیں، نہ غیر مسلم
ہوئے، چاہا اور نہ کراہی گئی صحت یہ ہے کہ نماز قائم کریں اور خیر کی باتیں اپنے دل سے جاری کریں۔
۴۲ یعنی دوزخ میں نہ جا کر کسی خیر کی بات نہ کہ کسی کی بدعتی کام نہ لے گی کہ وہ نہیں خدا کی پکڑ سے
پکڑے۔

۴۳ یعنی وہ اللہ کی نعمت کا کفران کیا ہوا ہے جس کی بندگی و اطاعت سے وہ نجات پائے گا جس کے ساتھ

فَلَخَرَجَ بِهِ مِنَ الشَّرِيتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي
الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۖ (۳۷) وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
ذَاتَ بَيِّنَاتٍ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۖ (۳۸) وَأَنْتُمْ مِنْ كُلِّ مَا
سَأَلْتُمُوهُ ۖ وَلَنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ
لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۖ (۳۹) وَلَإِذَا قَالُوا رَبُّنَا كَذَبُونا ۖ

ع

ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے جس نے کشتی کو تمہارے لیے
سُخَّر کیا کہ سمندریں اُس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے سُخَّر کیا۔ جس نے سورج اور چاند
کو تمہارے لیے سُخَّر کیا کہ گاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے سُخَّر کیا جس نے
وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کہہ نہیں سکتے حقیقت یہ ہے
کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ ع

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ پھر دو گار! اس شہر کو اس کا شہر بنا اور مجھے

زبردستی کے شریک ٹھہرے جا رہے ہیں وہ دہی تو ہے جس کے یہ اعدیہ احسانات ہیں۔

۳۴ تمہارے لیے سُخَّر کیا کہ عام طور پر لوگ غلطی سے تمہارے تابع کی دعا کے معنی میں لے لیتے ہیں، اور پھر
اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہاں تک سمجھ بیٹھے کہ ان آیات کی مدد سے
تفسیر سلمات وادھ انسان کا متہما ہے مقصود ہے۔ حالانکہ انسان کے لیے ان چیزوں کو سُخَّر کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ
نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قوانین کا پابند بنا رکھا ہے جن کی بدولت وہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں کشتی اگر
غلط کے جز مخصوص قوانین کی پابند نہ ہوتی تو انسان کبھی بھی سفر نہ کر سکتا۔ دیا اگر مخصوص قوانین میں جکڑے ہوئے نہ ہوتے
تو کبھی اُس سے نہریں نہ نکالی جاسکتیں۔ سورج اور چاند اور وہ شب اگر ضابطوں میں کسے ہوئے نہ ہوتے تو یہاں زندگی
ہی ممکن نہ ہوتی کہ اگر ایک پھلتا پھول انسانی تمدن وجود میں آسکتا۔

۳۵ یعنی تمہاری غفلت کی ہر مانگ پوری کی، تمہاری زندگی کے لیے جو کچھ مطلوب تھا تمہاں کیا، تمہارے

بقا اور ارتقاء کے لیے جس میں وہ مسائل کی ضرورت تھی سب فراہم کر دیے۔

اجْتَنِبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ لَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۖ رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّكُنْ
كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ يَبْعِنِي فَاِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي
فَاِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۳۶ رَبَّنَا اِنِّي اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادِ

اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے، مگر میں کہہ رہا ہوں
اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہذا ان میں سے جو میرے طریقے پہلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ
اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا ہر بان ہے۔ پروردگار! میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں

۴۷۶ عام احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اب ان خاص احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تقشیر
کیے تھے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ نے یہاں فکر کن تئذ ان کے ساتھ تھیں بسایا تھا
اُن کی دعاؤں کے جواب میں کیسے کیسے احسانات ہم نے تم پر کیے، احباب تم اپنے باپ کی تئذ ان کو اپنے رب کے احسانات
کا جواب کن گمراہیوں اور باطلیوں سے دے رہے ہو۔

۴۷۷ مئی مکہ۔

۴۷۸ مئی خدا سے پیر کرنا پر دیدہ کیا ہے۔ یہ مجازی کلام ہے۔ بت چونکہ بہتوں کی گمراہی کے سبب بنے ہیں
اس لیے گمراہ کرنے کے فعل کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

۴۷۹ یہ حضرت ابراہیمؑ کی کمال درجہ ذمہ داری اور انسانی کے حال پر ان کی انتہائی شفقت ہے کہ وہ کھلم کھلا
انسان کو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھ سکتے بلکہ آخرت تک محض درگزر کی التجا کرتے رہتے ہیں۔ رزق کے معاملہ
میں تو انھوں نے یہاں تک کہہ دیئے ہیں وہ بخ نہ فرمایا کہ فَاَسْأَلُكَ اَهْلَةً وَّ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ يَرْزُقْهُ
فَاَلَيْسَ بِرَاحِمٍ (البقرہ۔ رکوع ۱۵) لیکن جہاں آخرت کی فکر کا سوال آیا وہاں ان کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ جو میرے طریقے
کے خلاف چلے اُسے سزا دے، بلکہ کہا تو یہ کہ ان کے معاملہ میں کیا عرض کروں تو غفور رحیم ہے۔ اور یہ کچھ بھی نہ ہوا
کے ساتھ اس سراپا رحمت و شفقت انسان کا مخصوص رویہ نہیں ہے بلکہ جب خوشی تو ہم کو دیتی ہے اور غم کو تباہ کرنے کا
ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہر امت کے اعلا میں غوا ہے کہ ابراہیمؑ ہم سے جھگڑنے لگا۔ (موجودہ رکوع ۷)۔ یہی
حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دو درویشوں کی گمراہی ثابت کر دیتا ہے تو وہ عرض کرتے
ہیں کہ اگر حضور ان کو سزا دی تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر عات کر دیں تو آپ بالادست اور حکیم ہیں اللہ

رکوع ۱۶

خَلِّ ذِيْ نَرْدُ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
فَاجْعَلْ أَفْنِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ
الْأَمْوَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا تُعْلِنُ
وَمَا يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۶﴾ الْحَمْدُ
لِلَّهِ الَّذِي هَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ
الدُّعَاءِ ﴿۳۷﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا

اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے عزم گھر کے پاس بلا لیا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ
یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے،
شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ پروردگار! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور
واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔ ”شکر ہے اُس فدا کا جس نے
مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحق جیسے بیٹے دیے حقیقت یہ ہے کہ میرا رب منور و مانتا ہے۔
اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔

۳۵ یہ اُسی دعا کی برکت ہے کہ پہلے سارا عرب مکہ کی طرف حج اور عمرے کے لیے مکہ کو آتا تھا،
اصحاب دنیا بھر کے لوگ مکہ کی طرف جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی اُسی دعا کی برکت ہے کہ ہر زمانے میں ہر طرح کے پھل،
نفع اور دوسرے سالین مذق وہاں پہنچتے رہتے ہیں سالانہ اس عادی غیر ذی زرع میں جانوروں کے لیے چارہ
تک پیدا نہیں ہوتا۔

۳۶ یعنی فدا یا جو کچھ میں زبان سے کہہ رہا ہوں وہ بھی تو سن رہا ہے اور جو جذبات میرے دل میں چھپے
ہوئے ہیں ان سے بھی تو واقف ہے۔

۳۷ یہ جملہ ستر حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے قول کی تصدیق میں فرمایا ہے۔

وَتَقَبَّلْ دَعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ وَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۝ وَانذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّحِبَّ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعُ الرَّسُولَ ۝ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۝

پروردگار! میری دعا قبول کر۔ پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اُس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہو گا۔

اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، اُنہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو۔ اُنہ تو ہمیں مال دے رہے ہیں اُس دن کے لیے جب حال یہ ہو گا کہ انکھیں پٹی کی پٹی نہ لگی ہیں، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں، نظریں اچھڑی ہیں اور دل اُٹے جاتے ہیں۔ اُسے عجز اُس دن سے تم انھیں ڈراؤ جبکہ عذاب انھیں آئے گا اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ اُسے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی صلت اور دے دے ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ مگر انھیں صاف جواب دے دیا جائیگا کہ کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے تم میں کما کما کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے!

۳۱ حضرت ابراہیمؑ نے اس دوائے مغفرت میں اپنے باپ کو اس وعدے کی بنا پر شریک کر لیا تھا جو انھوں نے وطن سے ہجرت کرتے وقت کیا تھا کہ مائتہ شجرہ کا کھسکاؤ (مزم-۳)۔ مگر بعد میں جب انھیں احساس ہوا کہ وہ تو اللہ کا دشمن تھا تو انھوں نے اُس سے صاف تہری (فرادی-۱۳۲)۔

۳۲ یعنی قیامت کا جو ہر ناک نظامہ اُن کے سامنے ہو گا اس کو جس طرح جھکی گائے دیکھ رہے ہیں۔

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ
 فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ
 اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا
 تَحْسِبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزُ ذُو انْتِقَامٍ ۝
 يَوْمَ يُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

حالانکہ تم ان قوموں کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا اور دیکھ
 چکے تھے کہ ہم نے اُن سے کیا سلوک کیا اور اُن کی مثالیں دے دے کہ ہم تمہیں سمجھا بھی چکے تھے۔
 انہوں نے اپنی ماری بی چالیں چل دیکھیں، مگر اُن کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگرچہ اُن کی
 چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ اُن سے ٹل جائیں۔

پس اسے نبی، تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کے
 خلاف کرتے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔ ڈراؤ انہیں اُس دن سے جبکہ زمین اور
 آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیے جائیں گے اور جب سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب
 گردا گردان کے دیدے چھرا گئے ہیں، نہ پاک، نہ جھکے گی نہ نظر رہے گی۔

۵۵۵ یعنی تم یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ تمہاری پیش رو قوموں نے قوانین الہی کی خلاف ورزی کے نتائج سے بچنے اور
 انہی کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے کیسی کیسی زبردست چالیں چلیں، اور یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اللہ کی ایک ہی چال سے
 وہ کس طرح مات کھاتے۔ مگر پھر بھی تم حق کے خلاف چالیں بازی کرنے سے باز نہ آئے اور یہی سمجھتے رہے کہ تمہاری چالیں
 فوٹو کیا ہوں گی۔

۵۵۶ اس جیل میں کلام کاؤرغ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، مگر وہ اصل مسلمانا آپ کے مخالفین کو
 مقصود ہے، انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے وعدے کیے تھے وہ پورے کیے اور اُن کے
 مخالفین کو جو لوگ کیا بادشاہ بھی ہوئے وہ اپنے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہا ہے اسے پورا کرے گا اور اُن لوگوں کو اس
 جس کر دے گا جو اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

الْقَهَّارِ ۞ وَتَرَى الْمَجْرُمِينَ يُومِنُونَ يَوْمَئِذٍ فِي الْأَصْفَادِ ۞
 سَرَّابِلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۞ لِيَجْزِيَ
 اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۞

حاضر ہو جائیں گے۔ اُس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے،
 تار کول کے لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے
 ہوں گے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر تنفس کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔ اللہ کو حساب لینے
 کچھ دیر نہیں لگتی۔

۷۵ اس نایت سے اللہ قرآن کے دوسرے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں زمین و آسمان
 بالکل نیست و نابود نہیں ہو جائیں گے بلکہ صرف موجودہ نظام طبعی کو وہم بہم کر دیا جائے گا۔ اُس کے بعد نفع صبر اول
 اور نفع صبر آخر کے درمیان ایک خاص مدت میں جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، زمین اور آسمان کی موجودہ ہیئت
 بدل دی جائے گی اور ایک دوسرا نظام طبیعت، دوسرے قوانین فطرت کے ساتھ بنادیا جائے گا۔ وہی عالم اخوت
 ہوگا۔ پھر نفع صبر آخر کے ساتھ ہی تمام وہ انسان جو تکلیف آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے، انہی فرزند
 کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔ اسی کا نام قرآن کی زبان میں حشر ہے جس کے لغوی معنی سینٹے
 اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ قرآن کے اشارات اور حدیث کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ حشر اسی زمین پر رہا ہوگا
 یہیں ملاقات قائم ہوگی، یہیں میزان لگائی جائے گی اور تفسیر زمین برہر زمین ہی چکایا جائے گا۔ نیز یہ بھی قرآن و حدیث
 سے ثابت ہے کہ ہمدادی وہ دوسری زندگی جس میں یہ ملاقات پیش آئیں گے، محض دو عالمی نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک ٹھیک
 طرح جسم و روح کے ساتھ ہم زندہ۔ کیے جائیں گے جس طرح آج زندہ ہیں، اور ہر شخص ٹھیک اسی شخصیت کے ساتھ
 وہاں وجود ہوگا جسے لیے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوا تھا۔

۷۸ بعض تفسیریں و مفسرین نے قطار ان کے معنی گندھک اور بعض نے چٹیلے ہوئے تاجے کے بیان
 کیے ہیں، مگر حقیقت عربی میں قطار ان کا حفظ زفت، قیر، مال، اور تار کول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

هَذَا بَلَدٌ لِلنَّاسِ وَلَيْسَ خُزَائِرُهَا وَلِيَعْلَمُوا أَنَّهَا هُوَ
 إِلَهُ وَاحِدٌ وَلِيَذْكُرُوا الْأَلْبَابَ ۝

یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھی جا گیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے
 ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو مل رکھتے
 ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔ ع

تقديم القرآن (٢)

البحر

(١٥)

الحجر

نام | پچھنے کو رکھ کی پہلی آیت کَذَّبَ الْمُتَحَنِّبُ الْمُجْرِمُ الْمُرْسَلِينَ سے ماخوذ ہے۔
 زمانہ نزول | معانین اور مانغا زبان سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس سورہ کے زمانہ نزول سورہ
 ابراہیم سے متصل ہے۔ اس کے پس منظر میں دو چیزیں بالکل نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کو دعوت دیتے ایک مدت گزر چکی ہے اور مخاطب قوم کی مسلسل ہٹ دھرمی، استہزاء،
 مزاحمت اور ظلم و ستم کی حد ہو گئی ہے جس کے بعد اب تقسیم کا موقع کم اور تنبیہ و انذار کا موقع زیادہ ہے۔
 دوسرے یہ کہ اپنی قوم کے کفر و جحود اور مزاحمت کے پہاڑ توڑتے توڑتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھکے جا رہے
 ہیں اور دل شکستگی کی کیفیت بار بار آپ پر طاری ہو رہی ہے، جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دے رہا
 ہے اور آپ کی ہمت بندھا رہا ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون | یہی دو مضمون اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی تنبیہ لوگوں
 کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کر رہے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کے کام میں طرح
 طرح کی مزاحمتیں کرتے تھے۔ اور تسلی و ہمت افزائی استغفور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لیکن اس کا یہ مطلب
 نہیں کہ یہ سورہ تقسیم اور نصیحت سے خالی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے محض تنبیہ، یا غافلہ جہود
 توبہ سے کام نہیں لیا ہے۔ محنت سے محنت دھمکیوں اور باتوں کے درمیان بھی مدد سمجھانے اور
 نصیحت کرنے میں کمی نہیں کرتا چنانچہ اس سورہ میں بھی ایک طرف توحید کے دلائل کی طرف مختصر
 اشارے کیے گئے ہیں، اور دوسری طرف تھوڑا دم اہلسننا کی نصیحت فرمائی گئی ہے۔

ایاتھا ۹۹ سُوْرَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ ۱ دُکُوْعَاتُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمٰنُ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الحجرات

رُبَّمَا يَوْدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ

يَاْكُلُوْا وَيَمْتَعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَ

مَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۚ مَا تَسْبِقُ

آل - ۲ - یہ آیات پیرا کتاب الہی اور قرآن مبین

بعد نہیں کہ ایک وقت وہ آج سے حب ہی لوگ جنہوں نے آج دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے چھٹا بچھڑا کہیں گے کہ کاتھ ہی نہ لیں مگر نہ کرو باہر دے پھوڑا نہیں۔ کھائیں ہیں، مزے کریں اور بھلا دے میں ڈا۔ یہ کہے ان کو جو ان کی امید منہ پیانیں معلوم ہو جائے گا۔ ہم نے اس سے پہلے جس بستی کو بھی ہلاک کیا۔ اس سے بد کیا تھیں اس بات کو کسی جاچکی تھی۔ کوئی

۱۔ یہ اس سورے کی مختصراً مسمیٰ ہے جس کے بعد آیت ۱۰۱ میں فرمایا ہے۔

قرآن کے لئے نہیں مانتا سماعت کے طور پر متعالیٰ مانتا ہے اس وقت کہ یہ اس قرآن کی ہیں جو اپنا نام احاطہ میں ظاہر کیا ہے۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ کثرت ہی ذرا ہم نے کہو وہ کہیں نہیں پڑ دیا ہے۔ یہ یہ نادان لوگ کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کسی کے ساتھ کذب و استہزا کی سروسامانوں سے اختیار کر لی ہے اس پر چونکہ ابھی تک باقیں سزا نہیں دی گئی اس لیے یہ بھی نہ سے ہی نہیں ہے۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہر آدم کے جسے سے مل کر لیتے ہیں کہ اس کو سننے، سمجھنے اور سمجھنے کے لیے اتنی ہمت دے جائے گی کہ ان لوگوں کی شرارتوں اور خباثتوں کے بلوچوں پر سے عقل کے ساتھ استہزا اپنی مانی کرنے کا موقع دیا جائے رہے گا۔ ہمت جب تک باقی رہتی ہے، اور ہر آدم کی ہوئی عجز و حقارت تک آسیں جاتی، ہم وہ عقل دیتے رہتے ہیں۔ ۱۔ نہ عمل کی تشریح کے لیے ملاحظہ

مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَتَجْعَلُنَا أَلَمًا تَارِيْنَا بِأَلْمَلِكَةِ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾ مَا نُنْزِلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ﴿٧﴾ إِنَّا نَحْنُ نُزِّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافُونَ ﴿٨﴾

قوم نہ اپنے وقت مقرر سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے نہ اس کے بعد چھوٹ سکتی ہے۔
یہ لوگ کہتے ہیں "اے وہ شخص جس پر ذکر نازل ہوا ہے، تو یقیناً دیرانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کیوں نہیں آتا؟" — ہم فرشتوں کو بول نہیں اتا دیا کرتے۔ وہ جب اترتے ہیں توقع کے ساتھ اترتے ہیں، اور پھر لوگوں کو مصلحت نہیں دی جاتی۔ رہا یہ ذکر تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

ہر سورہ ابراہیم حاشیہ ۱۵۸

۳۔ "ذکر" لفظ قرآن جس اصطلاحاً کلام الہی کے لیے استعمال ہوا ہے جو سرا نصیحت میں آتا ہے۔ پہلے جتنی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئی تھیں وہ سب بھی "ذکر" تھیں۔ "ذکر" قرآن، "ذکر" ہے۔ ذکر کے اصل معنی ہیں "یاد دلانا"، "ہوشیار کرنا"، اور "نصیحت کرنا"۔

۴۔ یہ فقرہ لوگ طرز کے طور پر کہتے تھے۔ ان کو تو یہ تسلیم ہی نہیں تھا کہ یہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ نہ اسے تسلیم کرنے کے بعد وہ آپ کو روانہ نہ کر سکتے تھے۔ دراصل ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ "اے وہ شخص جس کا دعویٰ یہ ہے کہ مجھ پر ذکر نازل ہوا ہے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی فرعون نے حضرت موسیٰ کی دعوت سننے کے بعد اپنے صبا پر سے کہی تھی کہ "إِن مَّرْسُوكُمْ إِلَّا أَلْهَاءُ مَسْمُوكٌ لِّمَعْجُونٍ"، "یہ پیغمبر مباح جو تم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، ان کا دماغ درست نہیں ہے۔"

۵۔ یعنی فرشتے معن قاشا کھانے کے لیے میں تمہارے ساتھ جاتے کہ جب کسی قوم نے کہا بلا فرشتوں کو اور وہ قوما آۓ۔ ہر جوتے۔ نہ فرشتے اس غرض کے لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ اگر لوگوں کے سامنے حقیقت کو بے نقاب کریں اور پردہ غیب کو چاک کر کے وہ سب کچھ دکھا دیں جس پر ایمان لانے کی دعوت انبیاء علیہم السلام نے دی ہے۔ فرشتوں کو بھیجے کا وقت تو وہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعْرِ الْأَوَّلِينَ ۝۱۰ وَمَا يَنْتَبِهُونَ
مِنَ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝۱۱ كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي
قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

اے محمد! ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہو اور انہوں نے اُس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔ مجرمین کے دلوں میں تو ہم اس ذکر کو ایسی طرح (مسلخ کے مانند) گزارتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان نہیں لایا کرتے۔ قدیم سے اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آئی دقت ہوتا ہے جب کسی قوم کا فیصلہ چکا دینے کا ارادہ کر لیا جاتا ہے۔ اُس وقت ایسے فیصلہ چکایا جاتا ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اب ایمان لاؤ تو چھوٹے دیتے ہیں۔ ایمان لانے کی جتنی صلت بھی ہے اسی دقت تک ہے۔ جب تک کہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوجاتی۔ اُس کے بے نقاب ہوجانے کے بعد ایمان لانے کا کیا سوال۔

”حق کے ساتھ اترتے ہیں، یہ مطلب“ حق سے اترتا ہے۔ یعنی وہ اس جیسے۔ آپ ہیں کہ اہل کو شاکر حق کو اس کی جگہ قائم کر دیں۔ یا دوسرے احادیث میں پوچھ سچے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ لے کر آتے ہیں اور اسے نافذ کر کے چھوڑتے ہیں۔

یعنی ”ذکر“۔ اس کے لائے والے کو تم بخیر کہ رہے ہو یا رات نازل آیا ہو ہے، اس نے خود نہیں گھڑا ہے۔ اس لیے جو گئی اس کو نہیں جیسی دی گئی ہے اور یہ خیال تم اپنے دل سے کال دو کہ تم اس ذکر کا کچھ بگاڑ سکو گے۔ یہ بہت ہماری حفاظت میں ہے۔ نہ تمہارے مٹائے مٹ سکے اور تمہارے دہائے دہ سکے گا، نہ تمہارے طنزوں اور اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمہارے روکے اس کی دعوت ٹوک سکے گی، نہ اس میں تعریف اور رد و بدل کرنے کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔

۱۱۔ مام طور پر ترجمین و مفسرین نے مُسْتَهْزِئُونَ کی تفسیر مستزاد کی طرف، اور لَا يُؤْمِنُونَ بہ کی تفسیر ان کی طرف پھری ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم اسی طرح اس مستزاد کو مجرمین کے دلوں میں داخل کرتے ہیں۔ اور وہ اس ذکر پر ایمان نہیں لاتے۔ اگرچہ غوی قاعدے کے خلاف سے اس میں کوئی فضاوت نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک غور کا قیام ہے جو زیادہ صحیح یہ ہے کہ دلوں میں ان کی طرف پھری ہوئی مسائل کے معنی عربی زبان میں کسی چیز کو دہری چیز میں چلانے، گزارنے اور پروانے کے ہیں، جیسے تانے کو برونی کے انکسے میں گزارنا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے اعتدال پر ذکر تعجب کی ٹھنڈک اور مدح کی فداں کر اترتا ہے، مگر مجرموں کے دلوں میں یہ شتابانہ کر گھٹا ہے اور ان کے اعتدال سے اس کا ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے کہ گویا کہ ایک گرم مسلخ جس سے سینے کے پار ہو گئی۔

الْأَوَّلِينَ ﴿۱۲﴾ وَكَوَفَّحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ
يَعْرِجُونَ ﴿۱۳﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ
مَّسْحُورُونَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا
لِلنَّظِيرِينَ ﴿۱۵﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۱۶﴾ إِلَّا مَنِ

ع

آ رہا ہے۔ اگر ہم اُن پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ دن دہاڑے اُس میں چڑھنے بھی
گتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

یہ ہماری کارفرمائی ہے کہ آسمان میں ہم نے بہت سے مضبوط قلعے بنائے، اُن کو دیکھنے والوں کے لیے
مُتَوَنِّیْنَ کیا، اور ہر شیطان مَرُود سے اُن کو محفوظ کر دیا۔ کوئی شیطان اُن میں راہ نہیں پاسکتا، بالآخر کچھ

۱۵ برج عربی زبان میں تھے، قصائد مستحکم عبارت کو کہتے ہیں۔ قدیم علم جہت میں برج کا لفظ اصطلاحاً اُن
بارہ منزروں کے لیے استعمال ہوتا تھا جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا تھا۔ اس دور سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کا
اشارہ انہی برج کی طرف ہے، یعنی دوسرے مفسرین نے اُس سے مراد سیارے لیے ہیں، لیکن بعد کے مفسرین پروردگار نے
خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے مراد عالم بالا کے وہ خطے ہیں جن میں سے ہر خطے کو نہایت مستحکم سرحدوں نے دوسرے خطے
سے جدا کر رکھا ہے۔ اگرچہ یہ سرحدیں فضا کے بیسط میں غیر مرئی اور پرکھی ہوئی ہیں، لیکن ان کو پار کرنے کسی چیز کا ایک خطے

سے دوسرے خطے میں پہنچنا ناممکن شکل ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے ہم برج کو محفوظ خنوں (Fortified spheres) کے
معنی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔

۱۶ یعنی سرخط میں کوئی روشنی یا تاردار کو دیا اور اس طرح سارا عالم لگ لگا اٹھا۔ بالفاظ دیگر ہم نے
اس ناپید یا کائنات کو ایک جہاز یا کیمیا بنایا اور اس کے اندر دیا جگہ ایک ایسی جہاز بنائی جس میں ہر طرف نگاہوں
کو مہذب کر لینے والے جلے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کا رنگی میں صرف ایک مائع کی کیفیت اور ایک کیمیا کی حکمت
ہی نظر نہیں آتی ہے، بلکہ ایک کمان درجے کا پاکیزہ فوق دیکھنے والے آئینے کا آئینہ بھی نمایاں ہے۔ یہی مضمون
ایک دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے، اَلَّذِي يَخْشَى احْسَنَ كُلِّ شَيْءٍ وَخَلَقَهُ (المجدہ - ۱) ”وہ خدا کو جس نے ہر چیز
جو بنائی خوب ہی بنائی“

۱۷ یہ جہاز جس طرح زمین کی دوسری مخلوقات زمین کے خطے میں مقید ہیں اسی طرح شیاطین جہاز میں اسی خطے میں

اسْتَرْقِ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ①۸

سُن گُن لے گئے۔ اور جب وہ سُن گُن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شعلہ روشن اُس کا چہرہ پر آتا ہے۔

مقدمہ میں، عالم ہالک اُن کی رسانی نہیں ہے۔ اس سے دراصل لوگوں کی اُس عام غلط فہمی کو دور کرنا مقصود ہے جس میں پہلے ہی حوام الناس مبتلا تھے اور آج بھی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شیطان اور اس کی قدرت کے لیے ساری کائنات کھلی ہوئی ہے۔ جہاں تک وہ چاہیں پرواز کر سکتے ہیں۔ قرآن اس کے جواب میں بتاتا ہے کہ شیاطین ایک خاص حد سے اُگے نہیں جاسکتے، انہیں غیر محدود پرواز کی طاقت ہرگز نہیں دی گئی ہے۔

۱۱۔ جیسا کہ شیاطین جو اپنے دنیا و کونین کی خیر و شر کے پسینے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی حد سے بہت کم ہیں، جو گی، عامل اور فقیر و غنا پر ویسے جب دانی کا دھونگ، چاہا کرتے ہیں، اُن کے پاس حقیقت میں عجب دانی کے ذرائع بالکل نہیں ہیں۔ وہ کچھ سُن گُن لینے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، کیونکہ اُن کی سماعت انسانوں کی بہ نسبت فرشتوں کی سماعت سے کچھ قریب تو ہے، لیکن فی الواقع اُن کے پتے کچھ پڑتا نہیں ہے۔

۱۲۔ ”شہاب مبین“ کے معنی میں شعلہ روشن کہے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے ”شہاب ثاقب“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آریہ کی کوجھید نے والا شعلہ۔ اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تارہ ہی ہو جسے ہماری زبان میں اصطلاحاً شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اور کسی قسم کی شواہد میں ہوں مثلاً کائناتی شواہد۔ (Cosmic Rays) ان سے بھی زیادہ شدید کوئی اور قسم جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی جلدی، کبھیں زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانہ سال کے شہادت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ زمین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضائے بیسٹ سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، اُن کی تعداد کا اوسط ایک ہزار ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ اُن کی رفتار بالائی فضا میں کم و بیش ۱۰ میل فی منٹ ہوتی ہے اور با اوقات ۱۰ میل فی منٹ تک دیکھی گئی ہے۔ بار بار ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹے والے تارہ ان کی زیر سمعی بارش دیکھی ہے چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر، جو دسمبر ۱۳، ۱۹۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصف شب سے لے کر صبح تک ۱۰ لاکھ شہاب ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے، انسانی ٹیڈیا بارانیکا ۱۹۳۳ء۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۰-۳۹۱)۔ یہ دیکھتا ہے یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پروازوں سے منع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزرنے کے لیے اس کے اوسط سے ٹوٹنے والے تاروں کی ہر سات اُن کے لیے اس فضا کو بالکل ناقابل حیدر بنا دیتی ہو گی۔

۱۳۔ ”شہاب ثاقب“ کے معنی میں شعلہ روشن کہے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے ”شہاب ثاقب“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آریہ کی کوجھید نے والا شعلہ۔ اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تارہ ہی ہو جسے ہماری زبان میں اصطلاحاً شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اور کسی قسم کی شواہد میں ہوں مثلاً کائناتی شواہد۔ (Cosmic Rays) ان سے بھی زیادہ شدید کوئی اور قسم جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی جلدی، کبھیں زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانہ سال کے شہادت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ زمین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضائے بیسٹ سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، اُن کی تعداد کا اوسط ایک ہزار ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ اُن کی رفتار بالائی فضا میں کم و بیش ۱۰ میل فی منٹ ہوتی ہے اور با اوقات ۱۰ میل فی منٹ تک دیکھی گئی ہے۔ بار بار ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹے والے تارہ ان کی زیر سمعی بارش دیکھی ہے چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر، جو دسمبر ۱۳، ۱۹۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصف شب سے لے کر صبح تک ۱۰ لاکھ شہاب ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے، انسانی ٹیڈیا بارانیکا ۱۹۳۳ء۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۰-۳۹۱)۔ یہ دیکھتا ہے یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پروازوں سے منع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزرنے کے لیے اس کے اوسط سے ٹوٹنے والے تاروں کی ہر سات اُن کے لیے اس فضا کو بالکل ناقابل حیدر بنا دیتی ہو گی۔

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَابْتَنَيْنَا فِيهَا مِنْ
كُلِّ شَيْءٍ مُّوَزَوْنٍ^(۱۹) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ
بِرَحْمَتِنَا^(۲۰) وَلَنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا

ہم نے زمین کو پھیلا دیا، اُس میں پہاڑ بنائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نئی نئی
مقدار کے ساتھ لگائی، اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی
خلوقات کے لیے بھی جن کے مازق تم نہیں ہو۔

کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں
شغاف ہے جس میں کہیں کوئی دیوار یا پست بنی نظر نہیں آتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی فضا میں نہایت جلیل کوکب ایسی فرمائی
خیلوں سے گھیر رکھا ہے جو ایک شے کو دوسرے جلیل کی آفات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ انہی فیصلوں کی برکت ہے کہ جو شہاب
مذہب دس کھرب دوزانہ کے واسطے زمین کی طرف گرتے ہیں وہ سب جل کر جسم ہو جاتے ہیں اور شکل ایک زمین کی سطح تک
پہنچ سکتا ہے۔ دنیا میں تہائی تھوڑے Meteorites کے حوصلے پائے جاتے ہیں اور دنیا کے عجائب خانوں میں موجود ہیں
ان میں سب سے بڑا ۶۴۵۰ پونڈ کا ایک پتھر ہے جو گر کر افریقہ میں دھنسا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک تھام پر ۱۳۶
ٹن کا ایک آہنی تروہ پایا گیا ہے جس کے دھان موجود ہونے کی کوئی توجیہ سائنس دان اس کے سوا نہیں کہہ سکتے کہ یہ کسی آسمان
سے گرا ہوا ہے۔ قیاس کیجیے کہ اگر زمین کی باقی تمام سطح کو مضبوط حصاعل سے محفوظ کر دیا گیا جتنا تو ان ٹوٹے دالے
تاروں کی بارش زمین کو کیا دال کر دیتی۔ یہی حصار ہیں جن کو قرآن مجید نے ”ردع“ (محفوظ قلعوں) کے لفظ سے
تعبیر کیا ہے۔

۱۳ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے ایک اور اہم نشان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نباتات کی ہر نوع میں
تسلسل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے ہی کی نسل کو زمین میں بڑھنے کا موقع مل جاتا تو چند
سال کے اندر دوسرے زمین پر بس وہی وہ نظر آتی، کسی دوسری قسم کی نباتات کے لیے کوئی جگہ نہ رہتی۔ مگر یہ ایک حکیم اور قادر مطلق
کا سوا کچھ نہیں ہے جس کے مطابق ہر پودے کو حساب و قیاس کی نباتات اس زمین پر لگ رہی ہیں اور ہر نوع کی پیداوار اپنی
ایک مخصوص حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے۔ اسی نظر کا ایک اور پلویہ ہے کہ ہر نوع کی حیات، پھیلاؤ، ٹھکان اور شوق نما کی
ایک حد مقرر ہے جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی متاثر نہیں کر سکتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر نوع، ہر پلویہ
اور ہر نسل پلویہ کے لیے جسم، انداز، رنگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پورے ناب قول اور حساب و شمار کے ساتھ

إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ^(۲۱) وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحِجٍ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَلَسَقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ^(۲۲) وَإِنَّا لَنَنصِفُ نَجْمِي وَمِثْرِي
وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ^(۲۳) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُتَأَخِّرِينَ^(۲۴) وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ^(۲۵)

ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں، اور اُس پانی سے تمہیں
میراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔

زندگی اور موت ہم دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔ پہلے جو لوگ ہو گئے
ہیں ان کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے، اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔ یقیناً تمہارا رب
ان سب کو اکٹھا کرے گا، وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

مقرر کی ہے۔

کھلیاں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ یہ معاملہ صرف نباتات ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام موجودات
کے معاملہ میں عام ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع، ہر جنس
اور ہر قوت و طاقت کے لیے ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھہری ہوئی ہے اور ایک مقدار مقرر ہے جس سے نہ بڑھتی
ہے نہ ہٹتی ہے۔ اسی قدر اور کمال درجہ کی حکیمانہ تدبیر ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ زمین سے لیکر آسمانوں تک یہ سب نظامِ ہمت
میں بہ توالی، یہ اعتدال و مادی تناسب نظر آ رہا ہے۔ اگر یہ کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہوتی یا بہت سے حادثوں کی کلاہری و
کارفرمانی کانیجی ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ بے شمار مختلف اشیاء اور قوتوں کے درمیان ایسا مکمل توازن و تناسب قائم
ہوتا اور مسلسل قائم رہ سکتا؟

حالے یعنی تمہارے بعد ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ تمہیں جو کچھ بھی ملا ہوا ہے محض ماضی استعمال کے لیے ملا
ہوا ہے۔ آخر کار ہمارا ہی دسی ہوئی ہر چیز کو روٹی پھونک کر تم خالی ہاتھ نصرت ہوجاؤ گے اور یہ سب چیزیں جوں کی توں چھوڑ
خرانے میں رہ جائیں گی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿۳۷﴾
وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّمُومِ ﴿۳۸﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ
لِلْمَلَكِ كُفُّوا عَنِّي خَالِقُ بَشَرٍ إِنَّ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿۳۹﴾
فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ يَٰ بَحْدُلِينَ ﴿۴۰﴾

ہم نے انسان کو مٹی ہوئی مٹی کے ٹوکھے گارے سے بنایا۔ اور اس سے پہلے جنوں کو ہم ٹوکی پٹ سے پیدا کر چکے تھے۔ پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی ہوئی مٹی کے ٹوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں اسے پورا بنا سیکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

۳۷ یعنی اس کی حکمت یہ تھی کہ وہ سب کا کھاکہ اور اس کا طم سب پر اس طرح حاوی ہے کہ کوئی متفلس اس سے بھرت نہیں سکا، اگر کسی نے کچھ انسان کی خاک کا کوئی ذرہ بھی اس سے گم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو شخص جائزہ آخری کو مبتعد سمجھتا ہے وہ خدا کی سببِ حکمت سے بے ذہنیت اور متفلس جہان پر مرکوز ہے کہ جب مرنے کے بعد ہلکا ناک کا ذرہ ذرہ تیرے ہونٹ کا گوشت بے شمار دیر لے جائے گا جس کے ذرا خدا کی صفی علم کو سن جاتا۔

۳۸ جہاں قرآن ارہم کی صاف تشریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا ابترت کے حدود میں نہیں آیا ہے۔ کیا کہنے دور کے دوریت سے برا زعفرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تعلیمی کی ابتداء راست انداز سے ہو رہی ہے کہ انسان نے صلصال من حمأ مسنون کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہی سبب بیان کر دیا کہ میں جس کے مدد کو پیدا ہوئی ہو یا الفاظ بڑے بڑا تھا آیا ہو۔ مسنون۔ یعنی تیرے متغیر، صفتیں اور احوال، یعنی اسی مٹی ہوئی میں میں مرنے کی وجہ سے چمکانی پیدا ہو گئی ہو۔ دوسرے میں میں مصبوب، یعنی قالب میں ڈھلی ہوئی تھیں کہ جب خاص صورت دے دی گئی ہو۔ صلصال اس ہو کے گارے کو کہتے ہیں جو خشک ہو جانے کے بعد بجنے لگے یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خیر فی ہر مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔

۳۹ مسودہ گرم ہوا کہتے ہیں اور ان کو موسم کی طرف نسبت دینے کی صورت میں اس کے مٹی ہو جانے کے بجائے تیز حرارت کے بجائے ہیں۔ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوجاتی ہے جہاں قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے

فَبَعَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۳۱﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ابْنِي أَنْ يَكُونَ مَعَ
الشَّعِيدِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ إِلَّا تَكُونَ مَعَ السَّعِيدِينَ ﴿۳۳﴾
قَالَ لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَلٍ

چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، اسوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے
سے انکار کر دیا۔ رب نے پوچھا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تُو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟
اس نے کہا میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی کے ٹکڑے
کو جن رنگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح نہیں تھی وہ دراصل صفاتِ الہی کا ایک نسل یا پر تو ہے۔
حیات، علم، قدرت، ارادہ، اختیار اور دوسری ایسی صفات انسان میں پائی جاتی ہیں جن کے مجروری کا نام روح ہے۔ یہ
دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا ایک بل کا سہارا ہے جو اس کا بے غالی پر ڈالا گیا ہے، اور اسی پر تُو کی وجہ سے انسان نریم ہوا
خدا کا غلیظ اور ملائکہ کی میت تمام موجوداتِ ارضی کا محور قرار پایا ہے۔

یوں تو ہر وہ صفت جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے، اس کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ ہی کی کوئی نہ کوئی صفت ہے۔ جیسکہ
حدیث میں آیا ہے کہ جَعَلَ اللَّهُ الشَّحْمَةَ بَيْنَ آذَانِهِ وَبَيْنَ عَيْنَيْهِ وَأَتَوَلَّى الْأَنْفَ مِنْ
جُزْءِ آذَانِهِ الْخَوِثَ وَالْأَلْفَ لَمْ يَخْلُقْ حَتَّى تَوْفَعَهُ الشَّامَةُ حَافِرُهَا عَنْ وَلَدٍ هَالِكِ خَسِيَةِ أَنْ
تُصِيبَهُ (بخاری مسلم)۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو موصوں میں تقسیم فرمایا، پھر ان میں سے ۱۹ حصے اپنے پاس رکھے اور صرف
ایک حصہ زمین میں اتارا۔ یہ اُسی ایک حصے کی برکت ہے جس کی وجہ سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں
یہاں تک کہ اگر ایک ہمارے بچے پر سے چاکھڑا اٹھا آجے تاکہ اُسے نذر زہن پہنچ جائے، تو یہ بھی دراصل اُسی حصہ رحمت
کا اثر ہے۔ جو جو ہر انسان کو دوسری مخلوقات پر فیصلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جاہلیت کے ساتھ اللہ کی صفات کا
پر تو اس پر ڈالا گیا ہے، اس سے کوئی دوسری مخلوق سرفراز نہیں کی گئی۔

یہ ایک ایسا باب ایک صفوں ہے جس کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی بھی آدمی کر جائے تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے
کہ صفاتِ الہی میں سے ایک حصہ یا نا الوہیت کا کوئی جو یا لینے کا ہم معنی ہے۔ مالا لک الوہیت اس سے دراد اور اراد ہے
کہ کوئی مخلوق اس کا ایک ادنیٰ شائبہ بھی پاسکے۔

شہ فی القرآن کے لیے سورہ بقرہ کو ۴۱، نسا کو ۱۸، اور سورہ اعراف کو ۲۲ میں نظر فرمائیے۔ نیز

مَسْنُونٌ ۳۳ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۳۴ وَإِنْ عَلَيْكَ
الْلَعْنَةُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۳۵ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ
يُعْتَبُونَ ۳۶ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۳۷ إِلَى يَوْمِ
الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۳۸ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي
الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۳۹ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِينَ ۴۰ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۴۱

گارے سے پیدا کیا ہے۔ ”ربّ فرمایا ” اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے، اور اب روزِ
جہانمک تجھ پر لعنت ہے۔ “ اُس نے عرض کیا ” میرے رب یہ بات ہے تو پھر مجھے اُس روز تک
کے لیے حلت دے جبکہ انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ “ فرمایا ” اچھا تجھے حلت ہے
اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔ “ وہ بولا، ” میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہکایا اُسی طرح
اب میں زمین میں دان کے لیے دلفریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے تیرے اُن
بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔ “ فرمایا ” یہ راستہ ہے جو یہ صاحبِ تک پہنچتا ہے۔

ہمارے اُن حواشی پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جہاں مقامات پر رکھے گئے ہیں۔

۳۱۔ یعنی قیامت تک تو محو رہے گا، اس کے بعد جب دوبارہ اقامت ہوگا تو پھر تجھے تیری نافرمانیوں کی سزا

دی جائے گی۔

۳۲۔ یعنی جس طرح تو نے اس حق پروردگار کو مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دیا کہ تیرا حکم نافذ ہو، اُسی طرح

اب میں ان انسانوں کے لیے دنیا کو ایسا دلفریب بنا دوں گا کہ یہ سب اس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔

بالفاظِ دیگر! ایسے کا مطلب یہ تھا کہ میں زمین کی زندگی اور اُس کی لذتوں اور اس کے عارضی فوائد و منافع کو انسان کے لیے

ایسا خوشنما بنا دوں گا کہ وہ خلافتِ اور اس کے مہم داریوں اور آخرت کی باز پرس کو بھول جائیں گے اور وہ دجھے بھی یا تو فراموش

کریں گے، یا تجھے یاد رکھنے کے پروردگار کے احکام کی خلاف ورزیاں کر سکیں گے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْغَوِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِنْ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۲۳﴾

بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف اُن بیکے ہوئے لوگوں
ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کرتے ہیں اور ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے۔

۲۲۔ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی وہ ہیں جو ہم نے ترجمہ میں بیان کیے
ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یعنی یہ بات درست ہے، میں بھی اس کا پابند ہو گا۔
۲۳۔ اس فقرے کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مطلب
یہ کہ میرے بندوں یعنی عام انسانوں پر مجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہو گا کہ تو انہیں زبردستی نافرمان بنادے البتہ خود وہی
بلکے جو منے ہوں اور آپ ہی تیری پیروی رچا پائیں انہیں تیری راہ پر جانے کے لیے مجھ کو دیا جائے گا۔ انہیں ہم زبردستی اس
باز رکھنے کی کوشش کریں گے۔

پہلے معنی کے لحاظ سے مضمون کا خلاصہ یہ ہو گا کہ زندگی کا طریقہ اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، جو لوگ اس راستے
کو اختیار کریں گے اُن پر شیطان کا بس نہ چلے گا، انہیں اللہ اپنے لیے خالص فرما لے گا اور شیطان خود بھی اقراری ہے کہ وہ اس
پہنڈے میں نہ پھنسے گا۔ البتہ جو لوگ خود زندگی سے منحرف ہو کر اپنی فلاح و سعادت کی راہ گم کر دیں گے وہ ابلیس کے
ہتھے چڑھ جائیں گے اور ہم جو ہر دم وہ انہیں فریب دے کر بھانا چاہے گا، وہ اس کے پیچھے بھٹکتے اور دوسرے دلدھکتے
چلے جائیں گے۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے اس بیان کا خلاصہ یہ ہو گا: شیطان نے انسانوں کو بھانسنے کے لیے اپنا طریقہ دکھایا ہے
کہ وہ زمین کی زندگی کو اُن کے لیے خوشنابنا کر انہیں خدا سے غافل اور زندگی کی راہ سے منحرف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی
توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرطیں نے مانی، اور مزید توضیح کرتے ہوئے یہ بات بھی صاف کر دی کہ مجھے صرف فریب دینے
کا اختیار دیا جا رہا ہے، یہ آتش راہیں دیا جا رہا کہ تو انہیں زبردستی اپنی راہ پر کھینچ لے جائے شیطان نے اپنے
فوتوس سے اُن بندوں کو مستحق کیا جنہیں اللہ اپنے لیے خالص فرما لے۔ اس سے یہ غلط فہمی مٹ رہی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ
بیکہ کسی متوطن دہ کے بونی جس کو جا ہے گا خالص کرے گا اور وہ شیطان کی دست رس سے بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر
مات صاف کر دی کہ جو خود بھگا ہوا ہو گا وہ تیری پیروی کرے گا۔ بالفاظ دیگر جو بھگا ہوا ہو گا وہ تیری پیروی نہ کرے گا اور
وہی ہمارا وہ مخصوص بندہ ہو گا جسے ہم خالص اپنا کریں گے۔

۲۴۔ اس آیت کا یہ حصہ جس غرض کے لیے بیان کیا گیا ہے اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سیاق و سباق کو

۴

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ۝۴۷
الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝۴۸ اَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اِمْنِينَ ۝۴۹

یہ جہنم جس کی وعید پروران الیس کے لیے کی گئی ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے اُن میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے؛ بخلاف اس کے منتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ داخل ہو اور اُن میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر

داخل ہو کر زمین میں رکھا جائے۔ پہلے اور دوسرے دروازے کے حصوں پر غور کرنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس سلسلہ بیان میں آدم و ابلیس کا یہ قصہ بیان کرنے سے مقصود کفار کا یہ حققت پر متنبہ کرنا ہے کہ تم اپنے اولی دشمن شیطان کے بعد سے میں بخش گئے ہو اور اُس پستی میں گسے چسے جا رہے ہو جس میں وہ اپنے حسد کی دہانہ بھری کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس یہ نبی تھیں جس کے بعد سے سے بھل کر اُس بندگی کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے جو اصل انسان ہونے کی حیثیت سے تمہارا فطری مقام ہے۔ لیکن تم عجیبہ! حق کو گھو کر اپنے دشمن کو دوست، اور اپنے غیر خواہ کو دشمن سمجھ رہے ہو۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اسی قدر سے اُن پر واضح کی گئی ہے کہ تمہارے لیے راہ نجات صرف ایک ہے، اور وہ اللہ کی بندگی ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر تم جس راہ پر بھی جاؤ گے وہ شیطان کی راہ ہے جو سیدھی جہنم کی طرف جاتی ہے۔

تیسری بات جو اس قصے کے ذریعہ سے ان کو سمجھائی گئی ہے، یہ ہے کہ اپنی اس غلطی کے ذمہ دار تم خود ہو شیطان کا کوئی کام اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ظاہری حیات دنیا سے تم کو دھوکا دے کہ تمہیں بندگی کی راہ سے منحرف کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اُس سے دھوکا کھانا تمہارا اپنا فعل ہے جس کی کوئی ذمہ داری تمہارے اپنے سر کو کسی اور پر نہیں ہے۔ ایک ذمہ تو فریج کیلئے ملاحظہ ہو مسودہ ابراہیم رکوع ۴۴ وحاشیہ علیہ السلام

۴۴ جہنم کے دروازے اُن گراہیوں اور معصیوں کے نکالنے سے ہیں جن پر جہل کرادی اپنے لیے دوزخ کی راہ کھولنا ہے۔ مثلاً کوئی دہریت کے راستے سے دوزخ کی طرف جاتا ہے، کوئی شرک کے راستے سے، کوئی اُتقان کے راستے سے، کوئی نفس پرستی اور فسق و فجور کے راستے سے، کوئی ظلم و ستم اور ظلم و انصاف کے راستے سے، کوئی تبلیغ فحالت اور فحاشی کے راستے سے، اور کوئی مشاعت و فساد و منکر کے راستے سے۔

۴۵ یعنی وہ لوگ جو شیطان کی پیروی سے بچے رہے ہوں اور خود اپنے اندر سے نکلنے والے جبر و عصبیت کی زندگی بسر کی ہو۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۳۸﴾
 لَا يَسْمِعُ هُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِنُجَرِّينَ ﴿۳۹﴾ نَبِيُّ
 عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۰﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ
 الْأَلِيمُ ﴿۴۱﴾ وَبَنَاهُمْ عَنْ ضُفَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۴۲﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ

تفکرات

اُن کے دلوں میں جو قہوڑی بہت کھوٹ کھٹ ہوگی اسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی
 بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ انہیں نہ وہاں کسی شقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ
 وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اُسے نبی! میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت درگزر کرنے والا اور رحیم ہوں۔ مگر اس کے
 ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک و عذاب ہے۔

اور انہیں ذرا ابراہیم کے مہانزل کا قصہ سننا۔ جب وہ اُس کے ہاں آئے

۲۸ صوفی نیک لوگوں کے درمیان آپس کی غلط فہمیوں کی بنا پر دنیا میں اگر کچھ مدتیں پیدا ہو گئی ہوں گی جنت
 میں داخل ہونے کے وقت وہ دھڑ بھائی کی اودان کے دل ایک دوسرے کی طرف سے باطل صاف کر دیے جائیں گے۔
 (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے: حاشیہ ۳۲)

۲۹ اس کی تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور نے فرمادی ہے کہ يقال لا اهل الجنة ان
 لکھان قهصوا ولا تعرضوا اهداء، وان لکھان تعيشوا فلا قهصوا ولا اهداء وان لکھان تشبهوا ولا
 قهصوا اهداء، وان لکھان تعيشوا فلا تطعنوا اهداء۔ یعنی اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ
 تندہ مت رہو گے، کبھی پیار نہ پڑو گے۔ اور اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے، کبھی موت تم کو نہ آئے گی۔ اور اب تم ہمیشہ جانی
 رہو گے، کبھی بڑھا پاؤ گے۔ اور اب تم ہمیشہ مقیم رہو گے، کبھی کوچ کرنے کی ہمیں ضرورت نہ ہوگی۔ اس کی مزید تشریح
 آیات واحادیث سے ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں انسان کو اپنی معاش اور اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے
 کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، سب کچھ اُسے بلا سعی و مشقت ملے گا۔

۳۰ ماں حضرت ابراہیم اور ان کے بعد متعلقہ قوم کا قصہ جس غرض کے لیے بتایا جا رہا ہے اُس کے سمجھنے

فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا لَا تَوَجَّلْ إِنَّا
نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ أَبَشِّرْهُنِّي عَلَىٰ أَن مَّسِّنِي الْكِبَرُ
فِيمَ تُبَشِّرُونِ ﴿۵۴﴾ قَالُوا بِشْرُكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَاطِئِينَ ﴿۵۵﴾
قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن ذِّخْرِي رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۷﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

کہا "سلام جو تم پر، تو اس نے کہا، ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا "ڈرو نہیں، ہم تمہیں ایک بڑے میاں کے بچے کی بشارت دیتے ہیں۔" ابراہیم نے کہا "کیا تم اس بڑے بچے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ ذرا سوچو تو کسی کی یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں، تم یا اس نہ ہو۔" ابراہیم نے کہا "اپنے رب کی رحمت سے یا اس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔" پھر ابراہیم نے پوچھا "اے فرستادگان الہی! وہ مہم کیا ہے جس پر آپ صحرات تشریف لائے ہیں؟" وہ بولے، "ہم ایک مجرم قوم کی طرف

کے لیے سوسے کی ابتدائی آیات کو نگاہ میں رکھ ضروری ہے۔ اس سوسے کے آغاز میں کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ "اگر تم یہی نبی ہو تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کیوں نہیں آتے؟" اس کا مختصر جواب وہاں صرف اس قدر دے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ فرشتوں کو ہم یونہی نہیں آتا دیا کرتے، انھیں تو ہم جب بھیجتے ہیں حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں۔ اب اس کا مفصل جواب یہاں ابن وہبوں کی تفسیر کے پیرائے میں دیا جا رہا ہے۔ یہاں انھیں بتایا جا رہا ہے کہ ایک "حق" خود سے سے لے کر فرشتے ابراہیم کے پاس آئے تھے، اور دوسرا حق وہ ہے جسے لے کر وہ قوم کو لوٹ پر پہنچے تھے۔ اب تم خود دیکھو کہ تمہارے پاس ان میں سے کون سا حق لے کر فرشتے آ گئے ہیں۔ ابراہیم والے حق کے نشان ظاہر ہے کہ تم نہیں ہو۔ اب کیا اس حق کے ساتھ فرشتوں کو بلانا چاہت ہو جس نے کہ وہ قوم کو لوٹ کے ہاں نازل ہوئے تھے؟

اللہ تعالیٰ کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ہود اور سورہ صافات۔

۳۲۔ جنی مرتبہ اسحاق کے یار ہونے کی بساط، جیسا کہ سورہ ہود میں بصرحت بیان ہوا ہے۔

۳۳۔ حضرت ابراہیم کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ہمیشہ غیر معمولی

فَجْرَمِينَ ۝۱۰ وَلَا آلَ لُوطٍ ۚ إِنَّا لَمُنَجُّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۱ إِلَّا
 أَمْرَاتَهُ قَدْ زَنَّا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ
 الْمُرْسَلُونَ ۝۱۳ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۝۱۴ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا
 كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝۱۵ وَأَتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝۱۶ فَأَسِرْ
 بِأَهْلِكَ بِقُطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أذْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ

بیجے گئے ہیں۔ صرف لوط کے گھر والے مستثنیٰ ہیں، اُن کو ہم بچالیں گے، سوائے اُس کی بیوی کے جس کے لیے (اللہ فرماتا ہے کہ) ہم نے تقدیر کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے والوں میں شامل رہے گی۔ پھر جب یہ فرستادے لوط کے ہاں پہنچے تو اُس نے کہا: ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔“ انھوں نے جواب دیا: ”نہیں، بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں، لہذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود اُن کے پیچھے پیچھے چلو۔ تم میں سے کوئی پلٹ کر

حالات ہی میں ہزار گنا سزا دے گا کوئی بڑی جہمی ہوتی ہے جس پر وہ بھیجے جاتے ہیں

۱۰ اشارے کا یہ اختصار صاف بتا رہا ہے کہ قوم لوط کے جرائم کا پیمانہ اس وقت اتنا بڑھ چکا تھا کہ حضرت ہابیم

جیسے باخبر آدمی کے سامنے اس کا نام لینے کی تلقین ضرورت نہ تھی، جس کا ایک مجرم قوم ”کہہ دینا بالکل کافی تھا۔“

۱۱ تعالٰی کے لیے ملاحظہ فرمادیں سورۃ اعراف رکوع ۱۰ دوسرے جہود رکوع ۷۔

۱۲ یہاں بات مختصر بیان کی گئی ہے۔ سورۃ ہود میں اس کی تفصیل یہ دی گئی ہے کہ ان لوگوں کے آنے سے حضرت

لوط بہت گھبرائے اور سخت دل تنگ ہوئے اور اُن کو دیکھتے ہی اپنے دل میں کہنے لگے کہ کونج بلاصحت وقت آیا ہے۔ اس گھبراہٹ کی وجہ جو قرآن کے بیان سے اشارۃً اور روایات سے مزاحمت معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ یہ فرشتے نہایت خوبصورت لوگوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں پہنچے تھے۔ اور حضرت لوط اپنی قوم کی بدعاشی سے واقف تھے اس لیے آپ سخت پریشان ہوئے کہ آئے ہوئے مہمانوں کو داپس بھی نہیں کیا جاسکتا، اور انھیں ان بدعاشیوں سے بچانا بھی مشکل ہے۔

۱۳ یعنی اس غرض سے اپنے گھر والوں کے پیچھے چلو کہ ان میں سے کوئی ٹھہرنے نہ پائے۔

مِنْكُمْ أَحَدٌ وَأَمْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ
ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنْ دَاوُدَ هُوَ لَا وَمَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴿۶۶﴾ وَ
جَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۶۷﴾ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ

نہ دیکھتے۔ بس میدان سے چلے جاؤ مدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اُسے ہم نے اپنا فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی بڑکات دی جائے گی۔

اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بیتاب ہو کر لوط کے گھر چڑھ آئے۔ لوط نے کہا بھائیو! یہ

۵۳۸ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لٹ کر دیکھتے ہی پتھر کے ہیرا دے جیسا کہ بائبل میں بیان ہوا ہے۔
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ گئی اور دیں اور شروع کرنا دینے کے لیے۔ یہ ظہیر نامیہ نہ تماشہ دیکھنے کا وقت ہے اور نہ مجرم قوم کی ہلاکت پر افسوس بھانے کا۔ ایک لومنی اگر تم نے محنت قوم کے مصلحت میں دم سے یا تو میدان میں کہ تمہیں بھی اس ہلاکت کی بارش سے کچھ گزند پہنچ جائے۔

۵۳۹ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قوم کی بد اخلاقی کس حد کو پہنچی تھی۔ جتنی کہ ایک شخص کے ہاں جند خوبصورت معافوں کا آجانا اس بات کے لیے کافی تھا کہ اُس کے گھر یا دہشتوں کا ایک جوہر آندا آئے اور علامہ اس سے مطالبہ کوس کہ اپنے معافوں کو بدکاری کے لیے ہمارے حوالے کر دے۔ ان کی پوری آبادی میں کوئی ایسا معصرا باقی نہ رہا تھا جو ان حرکات کے خلاف آواز اٹھاتا، اور نہ ان کی قوم میں کوئی اخلاقی جس باقی نہ گئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو عملی اطلاع یہ زیادتیاں کرتے جو اسے کوئی شرم محسوس ہوتی۔ حضرت لوط جیسے مقدس انسان اور معلم اخلاق کے گھر پر بھی جب ہدامشوں کا حملہ اس بے باکی کے ساتھ ہو سکتا تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ ان بستیوں میں کیا کچھ ہر جاہر گاہ تصور میں اس قوم کے جو حالات تھے ہیں ان کا ایک خلاصہ ہم یہاں دیتے ہیں جس سے کم و زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گا کہ یہ قوم اخلاقی فساد کی کس انتہا کو پہنچی تھی۔ اس میں نکلا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عیلامی مسافروں کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ راستہ میں شام ہوئی اور اسے سمجھو ان کے شہر مددم میں ٹھہرنا پڑا۔ اس کے ساتھ اپنا زادراہ تھا۔ کبھی اُس نے میزبانی کی درخواست نہ کی۔ بس ایک درخت کے نیچے اتر گیا۔ مگر ایک مددوی اصرار کے ساتھ اٹھا کر اُسے اپنے گھر لے گیا۔ رات اُسے اپنے ہاں رکھا اور صبح ہونے سے پہلے اُس کا گدھا اُس کے رین اور مال تجارت سمیت اڑا دیا۔ اس نے شہر چھوڑ دیا۔ مگر کسی نے اس کی فریاد نہ سنی۔ بلکہ جتنی کے لوگوں نے اُس کا رہا سہا مال بھی لوٹ کر اُسے نکال باہر کیا۔

ضَيْفِي فَلَا تَقْضُوعُونَ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَفْرُوتُوا ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ

نَهَكَ عَنِ الْعَلَمِينَ ۝ قَالَ هُوَ لِابْنَتِي إِنْ كُنْتُمْ مُعِلِّينَ ۝

میرے ہمان ہیں، میری فیضیت نہ کرو، اللہ سے ڈرو مجھے دسمانہ کو۔ وہ بولے "کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے ہیں کہ دنیا بھر کے شیعہ دارنہ بڑے، لوط نے عاجز ہو کر کہا "اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں!"

ایک مرتبہ حضرت سارہ نے حضرت لوطؑ کو گھوڑا لے کر بیعت دریافت کرنے کے لیے اپنے غلام ابوعزیز کو مدعو کیا۔ ابوعزیز جب شہر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک مسند ہی ایک اجنبی کو مار رہا ہے۔ ابوعزیز نے اُسے شرم دلائی کہ تم میکس مسافروں سے یہ سلوک کرتے ہو۔ مگر جواب میں سر بازار ابوعزیز کا سر بھاڑا دیو گیا۔

ایک مرتبہ ایک قریب آدمی کہیں سے اُن کے شہر میں آیا اور کسی نے اُسے کھانے کو کچھ نہ دیا۔ وہ قافے سے بد حال ہو کر ایک جگہ گر پڑا تھا کہ حضرت علیؓ کی بیٹی نے اُسے دیکھ دیا اور اس کے لیے کھانا پہنچایا۔ اس پر حضرت لوطؓ اور ان کی بیٹی کہ سخت ملامت کی گئی اور انھیں دھکیلا دی گئیں کہ ان کو رکنوں کے ساتھ توڑ کر ہمارے حق میں نہیں رہ سکتے۔

اس طرح کے متعدد واقعات بیان کرنے کے بعد تلمود کا صنف کھتا ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ لوگ سخت غلام
وہو کر باز آمد بد معاملہ تھے۔ کوئی مسافران کے علاقے سے بھرت نگر دستا کرتی غریب ان کی سیتوں سے روٹی کا ایک
ٹکڑا نہ پاسکتا تھا۔ بار بار ایسا ہوتا کہ باہر کا آدمی ان کے علاقے میں پہنچ کر خاقوں سے مرہا تا اودیہ کے کپڑا ستا کر اس کی لاش کر
بہرہ دفن کر دیتے۔ بیرونی تاجر اگر شامت کے مارے وہاں چلے جاتے تو برہر عام روٹ لیے جاتے امدان کی فریاد کو مشغول
میں اٹا دیا جاتا۔ اپنی وادی کو انھوں نے ایک بلغ بنا رکھا تھا جس کا سلسلہ سیلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس بلغ میں وہ اتالیقی
سہ جانی کے ساتھ علانیہ دہکاریاں کرتے تھے اور ایک روٹ کی زبان کے سوا کوئی زبان ان کو ٹکنے والی نہ تھی۔ قرآن مجید میں
اس پھدی داستان کو میث کہ صرف دو فقرہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وَمِنْ قَبْلِ كَاذِبًا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ
(وہ پہلے سے بہت بڑے بڑے کام کر رہے تھے) امد اَلَا لَكُمْ لَمَّا تَقُولُونَ اَلَيْسَ جَاءَنَا وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ
فِي نَارِكُمْ اَلْمُنْكَرَ (تم نہ دوں سے خواہش نفس پوری کرتے ہو، مسافروں کی راہ راستہ ہوا راہی میلوں میں کھوکھلا
بلکاریاں کرتے ہو)۔

نکۃ اس کی تشریح سورۃ ہود کے حاشیہ ۷۷ میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ کلمات ایک شریف آدمی کی زبان پر ایسے وقت میں آئے ہیں جب کہ وہ بالکل تنگ آچکا تھا اور بدعاش لوگ اس کی ساری خبر یاد و فغان سے بے پروا ہو کر اُس کے ہاتھوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

لَعْنَةُ اللَّهِ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الضَّيْعَةُ
مُشْرِقِينَ ﴿٤٤﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا
مِّنْ سَحَابٍ ﴿٤٥﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُتَوَسِّمِينَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهَا

تیری جان کی قسم اے نبی! اُس وقت اُن پر ایک نقشہ ماچڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپ سے باہر ہوئے جاتے تھے۔

آخر کار پوچھتے ہی اُن کو ایک زبردست دھماکے نے آیا اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر کے رکھ دیا اور ان پر کئی ہفتوں کی بارش برسا دی۔

اس واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو صاحب فرست ہیں۔ اور وہ علاقہ اجال

اس موقع پر ایک بات کو صاف کر دینا ضروری ہے۔ سورۃ ہود میں واقعہ کی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت لوط کو بد معاشرین کے اس حملہ کے وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے معان و حقیقت فرشتے ہیں وہ اس وقت تک بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ چند سافروں کے ہیں جو ان کے اُن اکر ٹھہرے ہیں۔ انھوں نے اپنے فرشتہ ہونے کی حقیقت اُس وقت کھولی جب بد معاشرین کا جرم معاذی کی قیاساً و پرہیز چڑا اور حضرت لوط نے تڑپ کر فرمایا اِنَّكَ اَنْتَ بِیْكَوْنُ فُتُوًّا اَوْ اَدُوًّا اِنِّیْ مُرْتَجٍ شَدِیْدٌ یُّپِی (کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت حاصل ہو تو کیا میرا کرتی کہ ہمارا ہوتا جس سے میں حمایت حاصل کرتا)۔ اس کے بعد فرشتوں نے اُن کے کہا کہ اب تم اپنے گھوڑوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور ہمیں اِن سے نشے کے لیے چھوڑ دو۔ طاقتات کی اس ترتیب کو نگاہ میں رکھنے سے پورا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت لوط نے یہ افراط کس تنگ موقع پر عاجز آکر فرمائے تھے۔ اس سلسلے میں چونکہ طاقتات کو ان کی ترتیب وقوع کے لحاظ سے نہیں بیان کیا جا رہا ہے، بلکہ اُس خاص پہلو کو خاص طور پر نمایاں کرنا مقصود ہے جسے ذہن نشین کرنے کی خاطر یہی یہ قصہ بیان نقل کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مام نافر کو یہاں یہ غلط فہمی پیش آتی ہے کہ فرشتے ابتداء ہی میں اپنا تعارف حضرت لوط سے کراچے تھے اور اب اپنے معاذی کی گہروں کیانے کے لیے اُن کی یہ ساری فریاد و فغانی محض ایک ڈرامائی انداز کی تھی۔

۱۷۔ یہ جگہ جتنی مٹی کے پتھر ملے ہے کہ شہاب ثاقب کی زحمت کے ہیں، اودھ بھی ممکن ہے کہ آتش فشاں یا آفتاب (Volcanic eruption) کی بدولت زمین سے نکل کر اودھ میں اور پھر آؤں بہ بارش کی طرح برس گئے ہوں، اودھ بھی ممکن ہے کہ ایک صفت ایسی ہی نے یہ پتھر آؤ کیا ہو۔

لَسَبِيلٌ مُّقْدِرٌ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلَٰن كَانَ
 أَصْحَابُ الْآيَةِ ظَالِمِينَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَلَٰئِمَّا لَبِإِ مَامٌ مُّبِينٌ ۝
 وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمُ آيَاتِنَا فَكَانُوا
 عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

یہ واقعہ پیش آیا تھا، گزر گاؤ عام پر واقع تھے، اُس میں سامانِ عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو صاحبِ ایمان ہیں۔

اور ایک روایت کے ظالم تھے۔ تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی اُن سے انتقام لیا، اور ان دونوں قوموں کے
 اُچھے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔ ۵

تجزیہ کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں۔ ہم نے اپنی آیات اُن کے پاس بھیجیں، اپنی
 نشانیاں اُن کو دکھائیں، مگر وہ سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ وہ پہاڑ تراش تراش کر مکان بناتے تھے

۱۱۲ یعنی حجاز سے شام، اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عربانِ قافلوں کے
 لوگ تباہی کے اُن آثار کو دیکھتے ہیں جو اس بد سے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحرِ لوط و بحیرہ مردہ کے مشرق
 اور جنوب میں واقع ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی سمت کے متعلق جزیرہِ دافن کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ
 ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر دسے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

۱۱۳ یعنی حضرت شیب کی قوم کے لوگ۔ اس قوم کا نام بنی مدیان تھا۔ مذکور اُن کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے
 اور اُن کے پورے علاقے کو بھی۔ رُزائیک، قویہ جو کہ کا قدیم نام تھا اس فقرہ کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں۔

۱۱۴ مدین کا علاقہ بھی حجاز سے طے میں دشام جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

۱۱۵ یہ قوم خود کا مرکزی شہر تھا اور اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجود شہرِ اعلیٰ کے چند میل کے
 فاصلہ پر واقع ہیں۔ مدینہ سے جو کہ جاتے ہوئے یہ مقام شاہِ داؤد عام پر ملتا ہے اور قافلے اس راہی میں سے ہوا گزرتے
 ہیں، مگر بنی صلیٰ اور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق کوئی یہاں قیام نہیں کرتا۔ ظہور میں مدیہ جبری میں اسی بطور حج کو جاتے
 ہوئے یہاں پہنچا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں شرفِ رنگ کے مسائل میں قومِ ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انھوں نے

اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَاخَذَ لَهُمُ الصَّيْحَةُ مُصِيبِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ
مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاَصْفَحَ الصَّفْحَ الْجَبِيْلَ ﴿۸۵﴾
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اَتَيْنَكَ سَبْعًا

اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک زبردست دھماکے نے اُن کو مچھ بھرتے آیا
اور ان کی کمائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔

ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کی سب سے بڑی مخلوقات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے اور
فیصلے کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے، پس اسے مٹاؤ! تم ان لوگوں کی بیہودگیوں پر اشرافانہ درگزر سے
کام لو۔ یقیناً تمہارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی

چنانچہ ان کو تراش تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔ اُن کے نقش و نگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج بنائے گئے
ہیں۔ ان مکانات میں اب بھی سڑی گئی انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۷ حاشیہ ۱۵)
۱۵۶ یعنی اُن کے وہ سنگین مکانات جو انھوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر اُن کے اندر بنائے تھے ان کی کچھ
بھی حفاظت نہ کر سکے۔

۱۵۷ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین و تسلی کے لیے فرمائی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت بظاہر
باطل کا جو غلبہ تم دیکھ رہے ہو اور حق کے لاستریں جن مشکلات اور مصائب سے تمہیں سابقہ پیش آ رہا ہے، اس سے گھبراؤ نہیں۔
یہ ایک عارضی کیفیت ہے، مستقل اور دائمی حالت نہیں ہے۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کا یہ پورا نظام حق پر تعمیر ہوا ہے نہ کہ باطل
پر۔ کائنات کی فطرت حق کے ساتھ نسبت رکھتی ہے نہ کہ باطل کے ساتھ۔ لہذا یہاں اگر قیام و دوام ہے تو حق کے لیے
ہے نہ کہ باطل کے لیے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ ابراہیم حاشیہ ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ تا ۱۶۹)

۱۵۸ یعنی خالق ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مخلوق پر کامل غلبہ و تسلط رکھتا ہے، کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں ہے
کہ اس کی گرفت سے بچ سکے۔ اور اس کے ساتھ وہ پوری طرح باخبر بھی ہے۔ جو کچھ ان لوگوں کی اصلاح کے لیے تم کر رہے ہو
اسے بھی وہ جانتا ہے اور جن جھگڑوں سے یہ تمہاری اپنی اصلاح کو ناکام کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اُن کا بھی اسے علم
ہے۔ لہذا تمہیں گھبرانے اور بے صبر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مطمئن رہو کہ وقت آنے پر ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق

مِّنَ السَّكَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۵۹﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ
أَزْوَاجًا مِنهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَانخَفِصْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۰﴾

ہیں جو بار بار دُہرائی جانے کے لائق ہیں، اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ تم اس متلذذ دنیا کی طرف
آنکھ نہ ٹھا کرو نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے، اور نہ ان کے حال
پر اپنا دل ڈکھاؤ۔ انہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی طرف جھکو اور (نہ ماننے والوں سے)
فیصلہ چکا دیا جائے گا۔

۵۹ یعنی سورۃ فاتحہ کی آیات۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے مراد وہ سات بڑی بڑی سورتیں بھی لی ہیں جن
میں دو دوسرا آیتیں ہیں، یعنی البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور یونس یا انفال و توبہ لیکن سلف
کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ اس سے سورۃ فاتحہ ہی مراد ہے۔ بلکہ امام بخاری نے دومر فرح روایتیں بھی اس امر کے ثبوت
میں پیش کی ہیں کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح میں انسانی سے مراد سورۃ فاتحہ بتائی ہے۔

۶۰ یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تسکین و تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ
تھا جب حضور اور آپ کے ساتھی سب انتہائی خستہ حالی میں مبتلا تھے۔ کارِ نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے
ہی حضور کی جماعت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہ کا سراپہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں خفق ہو چکا تھا۔
مسلمانوں میں سے بعض کم سن نوجوان تھے جو گھروں سے نکال دیے گئے تھے، بعض محنت پریشیا تجارت پیشہ تھے جو کہ
کاروبار معاشی مقامہ کی مسلسل ضرب سے بالکل بیچھے گئے تھے، اور بعض بیچارے پہلے ہی غلام یا عوامی تھے جن کی کوئی
معاشی حیثیت نہ تھی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ حضور سمیت تمام مسلمان کئے خدا اطواف و فواح کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی
زندگی بسر کر رہے تھے، ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل و تحقیر اور تنہیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اور غلبی و روحانی
تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہوا نہ تھا۔ دوسری طرف سرکارِ دین قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر
طرح کی خوشامیوں میں مگن تھے۔ ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم شکست فاطر کیوں ہوتے ہو، تم کو تو ہم نے وہ دولت عطا
کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتیں بیچیں۔ رشک کے لائق تمہاری یہ ملی مافوقی دولت ہے نہ کہ ان لوگوں کی
مادی دولت جو طرح طرح کے عوام طریقوں سے کم رہے ہیں اور طرح طرح کے حرام راستوں میں اس کمائی کو اکٹرا رہے ہیں
اور آخر کار بالکل مفلس و تالک ہو کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتے دالے ہیں۔

۶۱ یعنی اُن کے اس حال پر کہ اپنے خیر خواہ کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں، اپنی گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں کو اپنی
خوبیاں سمجھ بیٹھے ہیں، خود اُس راستے پر جا رہے ہیں اور اپنی ساری قوم کو اس پر لیے جا رہے ہیں جس کا یقینی انجام ہلاکت

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَخِضِقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۖ فَسَبِّحْ
 بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝۱۰ وَاعْبُدْ سَرَّابَكَ
 حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝۱۱

پہچ

ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کو فتہرتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ، اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔ ع

۵۱۳ یعنی تبلیغ حق اور دعوت اصلاح کی کوششوں میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں سے تم کو سابقہ پیش آتا ہے۔ ان کے مقابلے کی طاقت اگر تمہیں مل سکتی ہے تو صرف نماز اور بندگی رب پر استقامت سے مل سکتی ہے۔ یہی چیز تمہیں تہل بھی دے گی، تمہیں صبر بھی پیدا کرے گی، تمہارا حوصلہ بھی بڑھائے گی، اور تم کو اس قابل بھی بنا دے گی کہ دنیا بھر کی کامیوں اور مذمتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے میں اس خدمت پر ڈٹے رہو جس کی انجام دہی میں تمہارے رب کی رضا ہے۔

تفہیم القرآن (۲)

النحل

(۱۶)

النحل

نام | رکوع ۱ کی آیت **وَأَوْسَىٰ سُلَيْمَٰنَ إِنِّي النَّحْلُ** سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی محض طاعت ہے نہ کہ موضوع بحث کا عنوان۔

زمانہ نزول | متعدد اندرونی شہادتوں سے اس کے زمانہ نزول پر روشنی پڑتی ہے۔ **شکوہ** :
 رکوع ۶ کی پہلی آیت **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا مِنِّي اللَّهُ مِنِّي بَعْدَ مَا ظَلَمْتُمْ** سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہجرت حبشہ واقع ہو چکی تھی۔

رکوع ۴ کی آیت **مَنْ كَفَرَ بَاذِلًا مِّنَّا بِهِ** آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ظہورِ ستم پوری شدت کے ساتھ ہو رہا تھا اور یہ سال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ناقابلِ برداشت اذیت سے مجبور ہو کر کفر کر دیتے تھے تو اس کا کیا حکم ہے۔

رکوع ۵ کی آیات **وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَوْمًا** . **إِنْ كُنْتُمْ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ** کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہشت کے بعد مکہ میں جو ہفت سالہ قحط رونما ہوا تھا وہ اس سلسلے کے نزول کے وقت ختم ہو چکا تھا۔

اسی رکوع ۱۵ میں ایک آیت ایسی ہے جس کا حوالہ سورۃ انفصام میں دیا گیا ہے، اور دوسری آیت ایسی ہے جس میں سورۃ انفصام کی ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا نزول تو یہاں ہی ہوا۔

ان شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ کا زمانہ نزول بھی مکہ کے آخری دور ہی ہے، اور اسی کی تائید سورہ کے عام اذہار بیان سے بھی ہوتی ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون | شرک کا ابطال، توحید کا اثبات، دعوتِ پیغمبر کو نہ ماننے کے برے نتائج پر تنبیہ، فحاشی، اور حق کی مخالفت و سرکشتی پر زبرد و توبیخ۔

مباحث | سورہ کے آغاز میں کفر کی تہذیب کے ایک سخت، ایک تنبیہی جیسے سے ہوتا ہے۔ کفار کو بار بار کہتے تھے کہ جب ہم تمہیں جھٹلا چکے ہیں اور کہہ کر تمہاری مخالفت کر رہے ہیں تو آخر وہ خدا کا عذاب آگیا نہیں جاتا جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو۔ اس بات کو وہ بالکل بخیر کلام کی طرح اس لیے

دہراتے تھے کہ ان کے نزدیک یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر نہ ہونے کا سب سے زیادہ مترجہ ثبوت تھا۔ اس پر فرمایا کہ جو قوفاً خدا کا عذاب تو تمہارے سر پر ٹکا کھڑا ہے، اب اس کے ڈرٹ پڑنے کے لیے جلدی نہ چاؤ بلکہ جو ذرا سی صلت باقی ہے اس سے قائدہ اٹھا کر بات سمجھنے کی کوشش کرو اس کے بعد فوراً ہی تفہیم کی تقریر شروع ہو جاتی ہے اور سب ذیل مضامین باہم کیے بعد دیگرے سامنے آنے شروع ہوتے ہیں :

(۱) دل گتے دلائل اور تافق و انفس کے آثار کی کھلی کھلی شہادتوں سے سمجھایا جاتا ہے کہ شرک باطل ہے اور توحید ہی حق ہے۔

(۲) منکرین کے اعتراضات، شکوک، جھڑپوں اور جیلوں کا ایک ایک کے جواب دیا جاتا ہے۔

(۳) باطل پر اصرار اور حق کے مقابلہ میں استکبار کے بُرے نتائج سے ڈرایا جاتا ہے۔

(۴) اُن علاقائی اور عملی تعینات کو عملِ مگردل نشین انداز سے بیان کیا جاتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین انسانی زندگی میں لانا چاہتا ہے، اور اس سلسلہ میں مشرکین کو بتایا جاتا ہے کہ خدا کو رب ماننا جس کا انھیں دعویٰ تھا، محض فانی غلیّٰ مان لینا ہی نہیں ہے بلکہ اپنے کچھ نقصانے بھی کرنا ہے جو عقائد، اخلاق اور عملی زندگی میں تمہارے ہونے چاہئیں۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی دھارس بندھائی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کفار کی مزاحمتوں اور جھاکاریوں کے مقابلہ میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

اَيَا هَآءَا ۱۱۸ سُورَةُ الْحُلِّ مَكِّيَّةٌ ۱۱۹ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنِّیْ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ①
یُنْزِلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ

آگیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ بچاؤ۔ پاک ہے وہ اور بالا درجہ ہے اس شرک سے
جورہ لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اس روح کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کے ذریعے نازل

لے یعنی اس نے وہ آیا ہی جاتا ہے۔ اس کے غور و فہم کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس بات کا مفسر ماضی
میں یا تو اس کے انتہائی یقینی انداز تہائی قریب ہونے کا تصور دلانے کے لیے فرمایا گیا، یا پھر اس لیے کہ کفار قریش کی سرکشی و
بدعتی کا بیان نہ لہر نہ ہو چکا تھا اور آخری فیصلہ کن قدم اٹھانے کا وقت آگیا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کیا تھا اور کس شکل میں آیا؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عالم بالاصواب کا اس فیصلے سے
مراوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت ہے جس کا حکم تھوڑی مدت بعد ہی دیا گیا۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ نئی جن لوگوں کے درمیان مبعوث ہوتا ہے ان کے تجدد و انکار کی آخری سرحد پہنچ کر ہی اسے ہجرت کا حکم دیا جاتا ہے
اور یہ حکم ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد یا تو ان پر تباہ کن عذاب آجاتا ہے، یا پھر نبی اور اس کے پیروں کے
ہاتھوں ان کی جڑ کاٹ کر رک دی جاتی ہے۔ یہی بات تاریخ سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہجرت جب واقع ہوئی تو کفار مکہ
سمجھے کہ فیصلہ ان کے حق میں ہے۔ مگر آٹھ دس سال کے اندر ہی دینا سنہ دیکھ لیا کہ نہ صرف سمجھے بلکہ پوری مسلمانوں میں
یہی سے کفر و شرک کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی گئیں۔

پہلے فقرے اور دوسرے فقرے کا باہمی ربط سمجھنے کے لیے پس نظر کرنا گناہ میں رکھنا ضروری ہے۔ کفار جو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار چیلنج کر رہے تھے کہ اب کیوں نہیں آجاتا خدا کا وہ فیصلہ جس کے تم میں ڈرامے دیا کرتے ہو،
اس کے پیچھے دلائل ان کا یہ خیال کارفرما تھا کہ ان کا شرک نہ مذہب ہی برحق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خواہ خواہ اللہ کا
نام لے لے کہ ایک غلط مذہب پیش کر رہے ہیں جسے اللہ کی طرف سے کوئی منظور حاصل نہیں ہے۔ ان کا استدلال
یہ تھا کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ سے پھرے ہوئے ہوئے اور محمد اس کے پیچھے ہوئے نبی ہوئے اور میری بھی کوئی
ہم ان کے ساتھ کر رہے ہیں اس پر ہماری شامت نہ آجاتی۔ اس لیے خلائی فیصلے کا اعلان کرتے ہی فرمایا یہ ارشاد ہوتا
کہ اس کے نظا میں تاخیر کی دہرہ گرد نہیں ہے جو تم سمجھے بیٹھے ہو۔ اللہ اس سے بلند تر اور پاکیزہ تر ہے کہ کوئی اس کا

اِنْ اَنْذِرُوْا اَنْتُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ ۝۲ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳

فرمادیتا ہے! اس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو! آگاہ کر دو، میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے! لہذا تم مجھی سے ڈرو۔ اُس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہ بہت بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

شریک ہو۔

۳ یعنی روحِ نبوت کو جس سے بھر کر نبی کام اور کلام کرتا ہے۔ یہ وہی اعلیٰ ترین مغیرہ اندام ہے کہ انسانی زندگی میں وہی مقام رکھتی ہے جو طبی زندگی میں روح کا مقام ہے اس لیے قرآن میں متعدد مقامات پر اس کے لیے صرح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۴ فیصلہ طلب کرنے کے لیے کفار جو مبلغ کر رہے تھے اس کے لئے پشت ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار بھی موجود تھا، اس لیے شرک کی تردید کے ساتھ اور اس کے مقابلہ آپ کی نبوت کا اثبات فرمایا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بناوٹی باتیں ہیں جو یہ شخص بنا رہا ہے۔ لہذا اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نہیں، یہ ہماری ہی سچی ہوتی روح ہے جس سے ہر پرچہ پر یہ شخص نبوت کر رہا ہے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ اپنے جس بندے پر اللہ چاہتا ہے یہ روح نازل کرتا ہے، تو یہ کفار کے اُن اعتراضات کا جواب ہے جو وہ حضور پر کرتے تھے کہ اگر خدا کو نبی بھیجتا تھا تو کیا اس محمد بن عبد اللہ ہی اس کام کے لیے نہ گیا تھا، مجھے اور منافق کے سارے بڑے بڑے سردار مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑ سکی! اس طرح کے یہودہ اعتراضات کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، اور یہی متعدد مقامات پر قرآن میں دیا گیا ہے کہ خدا اپنے کام کو خود دھاتا ہے، تم سے مشورہ لینے کی حاجت نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے آپ ہی اپنے کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔

۵ اس فقرے سے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ مذبح نبوت جہاں جس انسان پر بھی نازل ہوئی ہے یہی ایک دعوت لے کر آئی ہے کہ خدا کی طرف ایک اللہ کی ہے اور میں وہی ایک اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس سے تفریق کیا جائے۔ کوئی دوسرا اس لائق نہیں کہ اس کی ناراضی کا خوف، اس کی سزا کا ڈر، اور اس کی نافرمانی کے نتائج بد کا اندیشہ انسانی اخلاق کا ٹھکانہ انسانی فکر و عمل کے لیے نظام کا محور بن کر رہے۔

۶ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات جس کی دعوت خدا کے پیغمبر دیتے ہیں، اسی کی شہادت زمین و آسمان کا پورا کارخانہ تخلیق دے رہا ہے۔ یہ کارخانہ کوئی خیالی گود کہ دھندلا

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَلَا تَنفَعُ خَلْقُهَا لَكُمْ فِيهَا دَفٌّ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَوْنَ وَحِينَ تَسْرَجُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَوْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلَاغِيهِ إِلَّا بَشِقًا ۝ إِنَّا نَفْسُ إِنْ رَكِبَكُمْ

اُس نے انسان کو ایک فرد سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے سرسناوہ ایک جھگڑاؤ سی بن گیا۔ اُس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ اُن میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انہیں چرنے کے لیے بیعتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے بوجھ ڈھوکرا لیے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب

نہیں ہے بلکہ ایک سرسبز حقیقت نظام ہے۔ اس میں تم جس طرف چاہو نگاہ اٹھا کر دیکھ لو، شرک کی گواہی کہیں سے نہ ملے گی، اللہ کے سوا دوسرے کی خدائی کہیں ملتی نظر نہ آئے گی، کسی چیز کی ساخت یہ شہادت نہ دے گی کہ اس کو جو کسی اور کا بھی مدد دینا ہے، پھر جب یہ طوس حقیقت پر بنا برآ نظام خالص توحید پر چل رہا ہے تو آخر تمہارے اس شرک کا سکہ کس جگر نواں ہو سکتا ہے جبکہ اس کی تین دم دکان کے سوا حقیقت کا شائبہ تک نہیں ہے؟ — اس کے بعد آثار کائنات سے اور خود انسان کے اپنے وجود سے وہ شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جو ایک طرف توحید پر اور دوسری طرف رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۰ اس کے دو سنی ہو سکتے ہیں اور غالباً دونوں ہی مراد ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے لطف کی حقیر سی بوند سے وہ انسان پیدا کیا جو بحث و استدلال کی قابلیت رکھتا ہے اور اپنے دماغ کے لیے عین پیش کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس انسان کو خدا نے لطف عسی حقیر چیز سے پیدا کیا ہے، اس کی خودی کا طیفان تو دیکھو کہ وہ خود خدا ہی کے مقابل میں جھک کر پائتا رہا ہے۔ پہلے مطلب کے لحاظ سے یہ آیت اُسی استدلال کی ایک کڑی ہے جو آگے مسلسل کئی آیتوں میں پیش کیا گیا ہے (جس کی تشریح ہم اس سلسلہ بیان کے آخر میں کریں گے)۔ اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے یہ آیت انسان کو تنہا کرتی ہے کہ ہر طرح جھوکریاں کر کے سے پہلے ذرا اپنی ہستی کو دیکھو، کس شکل میں تو کس سے کل کر کہاں پہنچا، کس جگہ تو نے ابتداء پرورش پائی، پھر کس راستے سے تو برآمد ہو کر دنیا میں آیا، پھر کس مصلحت سے گزرتا ہوا تو جانی کی عمر کو سپنا، اعدا اب اپنے آپ کو

لَرَوُفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِيرُ لَتَرْكَبُوها وَزِينَةٌ
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايزٌ

بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اُس نے گھوڑے اور غمچہ اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔ اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔ ہر عمل کو تو کس کے منہ آ رہا ہے۔

۵۷ معنی بکثرت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی بھلائی کے لیے کام کر رہی ہیں اور انسان کو خبر تک نہیں ہے کہ کہاں کہاں کتنے خدام اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور کیا خدمت انجام دے رہے ہیں۔
۵۸ توحید اور رحمت اور نبوت کے وظائف پیش کرتے ہوئے یہاں اثباتِ نبوت کی بھی ایک دلیل پیش کر دی گئی ہے۔ اس دلیل کا مختصر بیان یہ ہے :

دنیا میں انسان کے لیے فکر و عمل کے بہت سے مختلف راستے ممکن ہیں اور علم و معرفت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر سالحہ راستے بیک وقت قوی نہیں ہو سکتے۔ سچائی تو ایک ہی ہے اور صحیح نظریہ حیات صرف وہی ہو سکتا ہے جو اس سچائی کے مطابق ہو۔ اور عمل کے بے شمار ممکن راستوں میں سے صحیح راستہ بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو صحیح نظریہ حیات پر مبنی ہو۔ اس صحیح نظریے اور صحیح راہِ عمل سے واقف ہونا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، بلکہ اصل بنیادی ضرورت ہی ہے۔ کیونکہ دوسری تمام چیزیں تو انسان کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جو ایک اونچے درجے کا جامد ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہوا کرتی ہیں۔ مگر یہ ایک ضرورت ایسی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہے۔ یہ اگر پوری نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کی ماری زندگی ہی ناکام ہو گئی۔

اب غور کرو کہ جس خدا نے قیاس و حد میں لانے سے پہلے تمہارے لیے یہ کچھ مرد و ماں میاں کے دکھا اور جس نے وجود دینے کے بعد تمہاری جسمانی زندگی کی ایک ایک ضرورت کو پورا کرنے کا اتنی دقیقہ منجی کے ساتھ تہہ بڑے پیمانے پر انتظام کیا، کیا اس سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ اس نے تمہاری انسانی زندگی کی اس سب سے بڑی اور اصلی ضرورت کو پورا کرنے کا بندوبست نہ کیا ہو گا؟

یہی بندوبست تو ہے جو نبوت کے ذریعے کیا گیا ہے۔ اگر تم نبوت کو نہیں مانتے تو بتاؤ کہ تمہارے خیال میں خدا نے انسان کی ہدایت کے لیے اور کونسا انتظام کیا ہے؟ اس کے جواب میں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ہمیں راستے کا شمس گننے کے لیے عقل و فکر دے رکھی ہے، کیونکہ انسانی عقل و فکر پہلے ہی بے شمار مختلف راستہ ایجاد کر چکی ہے جو بلا راست کی

وَكُوشًا لَّهَذَا لَكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنْبِتُ
لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ
الشَّمَرَاتِ لَآتٍ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ ۷

وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے
ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں لگاتا
ہے اور زیتون، اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی
نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

صحیح دریافت میں اس کی ناکامی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور ہم بھی کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام نہیں
کیا ہے۔ کیونکہ خدا کے ساتھ اس سے قطع کر دینا کی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ جانور ہونے کی حیثیت سے تو ہماری
پرورش اور تمہارے نشوونما کا اتنا فضل اور کھل و انتظام کرے، مگر انسان ہونے کی حیثیت سے تم کو دینی تارکیوں میں
بٹکنے اور شوگریں کھانے کے لیے چھوڑ دے۔

۱۰ یعنی اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس ذمہ داری کو جو نوع انسان کی رہنمائی کے لیے اس نے
خود اپنے اوپر عائد کی ہے اس طرح ادا کرتا کہ اس کے انسانوں کو پیدا نشی طور پر دوسری تمام بے اختیار مخلوقات کے
مانند برسرِ ولایت بنا دیتا لیکن یہ اس کی مشیت کا تقاضا نہ تھا۔ اُس کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار صفت کو جو دین
لانے کی تقاضی تھی جو اپنی پسند ادا اپنے انتخاب صحیح اور غلط، ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزاد دی رکھتی ہو۔ ایسی آزادی
کے منتہاں کے لیے اس کو علم کے خزانے دیے گئے، عقل و فکر کی صلاحیتیں دی گئیں، خواہش اور اداسی کے فائنسیں
بخشی گئیں، اپنے انداز و باہر کی بے شمار چیزوں پر تعریف کے اختیارات عطا کیے گئے، اعدا باطن و ظاہر میں ہر طرح کے
ایسے اسباب رکھ دیے گئے جو اس کے لیے ہدایت اور مضلالت، دونوں کے موجب بن سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ بے مہنی
ہو جاتا اگر وہ پیدا نشی طور پر راست ہو نہ دیا جاتا۔ اور ترقی کے اُن بند ترین مدارج تک بھی انسان کا پہنچنا ممکن نہ ہوتا جو
صرف آزادی کے صحیح استعمال ہی کے نتیجے میں اس کو مل سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنَّجْمُومُ مَسْجُرَاتٌ
 بِأَمْرِ إِيَّانَا فِي ذَلِكَ لَآيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾ وَمَا ذَرَأْنَاكُمْ
 فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ
 يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۶﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلًّا مِنْهُ لَحْمًا
 طَرِيًّا وَتَسْخَرُجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ
 مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۷﴾

اُس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اُسی کے حکم سے سخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، ان میں بھی ضرور نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تو نازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اُس کے شکر گزار بنو۔

بحرِ ہدایت کا طریقہ چھوڑ کر رسالت کا طریقہ اختیار فرمادیا تاکہ انسان کی آزادی بھی برقرار رہے اور اس کے امتحان کا مشا بھی لہذا ہر وہ راہ راست بھی عقل ترین طریقہ سے اس کے سامنے پیش کر دی جائے۔
 اللہ مینِ حلال طریقوں سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَّمْتَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ (۱۶)

اس نے زمین میں پہاڑوں کی مغیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے
دیا جاری کیے اور قدرتی راستے بتائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی
علامتیں رکھ دیں، اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

۱۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین پر پہاڑوں کے ابعاد کا اہل فائدہ یہ ہے کہ اس کی دہرے زمین کی
گردش اور اس کی رفتار میں اغماط پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر پہاڑوں کے اس فائدے کو نمایاں کر کے بتایا
کیا ہے جس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے تمام فائدے منہی ہیں اور اصل فائدہ یہی حرکت زمین کو اضطراب سے پاک و مضبوط
(Regulate) کرنا ہے۔

۱۲۔ یعنی وہ راستے جو ہندی نالوں اور دریاؤں کے ساتھ بنتے چلے جاتے ہیں۔ ان قدرتی راستوں کی اہمیت
خصوصیت کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں محسوس ہوتی ہے، اگرچہ میدانی علاقوں میں بھی مدد کچھ کم اہم نہیں ہیں۔

۱۳۔ یعنی خدا نے ماری زمین بالکل یکساں بنا کر نہیں رکھ دی بلکہ ہر خطے کو مختلف امتیازی نشان (Landmarks)
سے ممتاز کیا۔ اس کے بہت سے دوسرے فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے راستے اور اپنی منزل مقصود کو لوگ
پہچان لیتا ہے۔ اس نعمت کی قدر آدمی کو اسی وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ اسے کسی ایسے ریگستانی علاقوں میں جانے کا اتفاق
ہو جہاں اس طرح کے امتیازی نشانات تقریباً مفقود ہوتے ہیں اور آدمی ہر وقت بھٹک جانے کا خطرہ محسوس کرتا ہے۔
اس سے بھی بڑھ کر کبھی سفر میں آدمی کو اس عظیم الشان نعمت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ وہ ان نشانات راہ بالکل ہی مفقود ہوتے
ہیں۔ لیکن صحراؤں اور سمندروں میں بھی اللہ نے انسان کی رہنمائی کا ایک نظری انتظام کر رکھا ہے اور وہ ہیں تارے جنہیں دیکھ
دیکھ کر انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک اپنا راستہ معلوم کر رہا ہے۔

یہاں پھر قوسِ مادہ رحمت اور جنت کی دلیلیں کے درمیان ایک لطیف اشارہ دہلی رسالت کی طرف کر دیا گیا ہے۔
اس مقام کو پڑھتے ہوئے ذہن غور و خوض مضمون کی طرف متقل ہو تا ہے کہ جس خدا نے ہماری مادی زندگی میں تسلی کی نعمتوں
کے لیے یہ کچھ انتظامات کیے ہیں کہ وہ ہماری اخلاقی زندگی سے اتنا بے پروا ہو سکتا ہے کہ یہاں تسلی کی ہدایت کا کچھ بھی انتظام
کرے؟ بظاہر ہے کہ مادی زندگی میں بھٹک جانے کا بڑے بڑے نقصان بھی اخلاقی زندگی میں بھٹکنے کے نقصان سے بڑھا
کم ہے۔ پھر جس حد تک ہماری مادی مخلوق کی اتنی فکر ہے کہ پہاڑوں میں ہمارے لیے راستے بناتا ہے، میدانوں میں نشانات
راہ کھنڈے کرتا ہے، صحراؤں اور سمندروں میں ہم کو صحیح سمت سفر بتانے کے لیے آسمانی پرندہ بنیں روشن کرتا ہے اس سے

اَفَسَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵﴾ وَانْ

پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، دونوں یکساں ہیں، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے، اگر تم

یہ بدگمانی کیجے کہ جاسکتی ہے کہ اس نے ہماری مخلوق کو طرح کے لیے کوئی راستہ نہ بنایا ہوگا، اس راستے کو نمایاں کرنے کے لیے کوئی نشان نہ دکھایا ہوگا، اور اُسے صاف صاف دکھانے کے لیے کوئی سراپا منیر روشن نہ کیا ہوگا؟

۱۵۔ یہاں تک آفاق اور فاقس کی بہت سی نشانیاں جو پہلے در پہلے بیان کی گئی ہیں، ان سے یہ ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ انسان اپنے وجود سے بے کر زمین اور آسمان کے گوشے گوشے تک ہر جہاں پر نظر دوڑا کر دیکھ لے، ہر چیز پر غور کرے یا کسی تصدیق کر دیکھے، اور کہیں سے بھی حرکت کی — اور ساتھ ساتھ ہر بات کی بھی — تائیدیں کوئی شہادت غلط نہیں ہوتی۔ یہ ایک، حقیقہ ندر سے بڑا چاق اور حجت، مستدل کرنا انسان بنا کر دکھانا یہ اُس کی ضرورت کے عین مطابق ہونے کا پانہ پیدا کرنا جس کے بال اور کھال، ظون اور دودھ، گوشت اور پیٹ، ہر چیز میں انسانی قدرت کے بہت سے مطالبات کا، جس کے اس کے ذوق جمال کی، ہمت تک کا جواب موجود ہے۔ یہ آسمان سے بارش کا انتظام، اور زمین میں طوع طرح کے پھول اور غلے غلوں اور چاروں کی روئیدگی کا انتظام، جس کے بے شمار شعبے آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتے چلے جاتے ہیں اور پھر انسان کی بھی فطری ضرورتوں کے عین مطابق ہیں۔ یہ رات اور دن کی باقاعدہ آمد و رفت، اور بے چاند اور سورج اور تاروں کی انتہائی منظم حرکات، جن کا زمین کی پیداوار اور انسان کی مصلحتوں سے آنا گرا رہا ہے۔ یہ زمین میں ہندوؤں کا وجود اور ایران کے اندر انسان کی بہت سی طبی اور جمالی طلبوں کا جواب۔ یہ پانی کا چند مخصوص قوانین سے چلن بڑھنا، اور پھر اس کے یہ فائدے کہ انسان ہندو جیسی ہر تارک پر کاسینہ چیرتا بڑا اس میں اپنے ہماں چلاتا ہے اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر اور تجارت کتا پھرتا ہے۔ یہ دھرتی کے سینے پر بہاؤں کے اُبار اور اوبہ انسان کی اُستی کے لیے جس کے فائدے۔ یہ سطح زمین کی ساخت سے بے کر آسمان کی بلند فضوں تک بے شمار ستاروں اور قیمتی نشتوں کا پیداوار اور ہر اس طرح ان کا انسان کے لیے مفید ہونا۔ یہ مادی چیزیں صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایک ہی مادی نے یہ مضمون ہر جہاں سے اُسی نے اپنے منصب کے مطابق ان سب کو ڈیزائن کیا ہے، اُسی نے اس ڈیزائن پر لپن کر پیا کیا ہے، وہی ہر کائنات میں حیاتیاتی چیزیں بنا کر اس طرح لا رہا ہے کہ ہر جیو تکمیل اور اس کے نظم میں فدا فریق نہیں آتا، اور وہی زمین سے لے کر آسمان تک اس عظیم الشان کارخانے کا چلا رہا ہے۔ ایک بیوقوف یا ایک مٹ دھرم کے سوا اور کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے؟ یا یہ کہ اس کمال مدبہ و تنظیم، مربوط اور متناسب کائنات کے مختلف کام یا مختلف جہات مختلف مخلوق کے آفریدہ اور مختلف غلوں کے زیر انتظام ہیں؟

۱۶۔ یہی اگر تم یہ مانتے ہو کہ میرا کئی اوراق کتاب مکتوب بھی مانتے تھے اور دعا کے دوسرے شرکین بھی مانتے ہیں

کہ خالق اللہ ہی ہے اور اس کائنات کے اندر تمام اشیاء مخلوق جوئے شرک و کفر کے کسی کا کچھ بھی پیدا کیا ہو انہیں ہے،

تَعْدُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُخْصَوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸
يَعْلَمُ مَا تُنْمُوْنَ وَمَا تُغْلِبُوْنَ ۝۱۹ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰ اَمْ وَاَنْتَ اَحْيَاۤءٌ وَمَا

اللہ کی نعمتوں کو گنا چاہو تو گن نہیں سکتے حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی مددگار کرنے والا اور رحیم ہے حالانکہ وہ تمہارے کھلے سے بھی واقف ہے اور چھپے سے بھی۔

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مُردہ ہیں نہ کہ زندہ۔ اور ان کو

تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق کے خلق کیجے ہوئے نظام میں غیر خالق ہستیوں کی حیثیت خود خالق کے برابر یا کسی طرح بھی اس کے مانند ہو؟ کیونکہ وہی ہے کہ اپنی خلق کی ہوتی کائنات میں جو امتیازات خالق کے ہیں وہ ان غیر خالقوں کے بھی ہوں، اور انہی مخلوق پر جو حقوق خالق حاصل ہیں وہی حقوق غیر خالقوں کو بھی حاصل ہوں، کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خالق اور غیر خالق کی صفات ایک جیسی ہوں گی، یا وہ ایک جس کے افراد ہوں گے، حتیٰ کہ ان کے درمیان باپ اور اولاد کا رشتہ ہوگا؟

۱۸ پہلے اور دوسرے فقرے کے درمیان ایک سہل دی داستان ان کی سمجھوڑ دی ہے، اس لیے کہ وہ اس قدر جیاں ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اس کی طرف بعض یہ لطیف اشارہ ہی کافی ہے کہ اللہ کے بے پایاں احسانات کا ذکر کرنے کے مقابلہ میں اس کے حضور رحیم ہونے کا ذکر کر دیا جائے۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس انسان کا بال بال اللہ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے وہ اپنے عمن کی نعمتوں کا جواب کیسی کیسی نکلیں، اے وفائیوں، وفاداریوں اور سرکشوں سے دبے رہا ہے، اور پھر اس کا عمن کیسے رحیم اور حلیم ہے کہ ان ساری حرکتوں کے باوجود وہ سالہا سال ایک ٹنگ حرام شخص کو اور صد ہا برس ایک باغی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی دیکھیں آتے ہیں جو طایفہ خالق کی ہستی ہی کے منکر ہیں اور پھر بھی نعمتوں سے بال بال ہونے جارہے ہیں۔ وہ بھی پائے جاتے ہیں جو خالق کی ذات صفات، امتیازات، حقوق، سب میں غیر خالق ہستیوں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اور عمن کی نعمتوں کا شکر پختہ نہ ہوگا اور اگر رہے ہیں، پھر بھی نعمت دینے والا اللہ نعمت دینے سے نہیں ٹرتا۔ وہ بھی جو خالق کو خالق اور عمن بنانے کے باوجود اس کے مقابلے میں سرکشی و نافرمانی ہی کو اپنا شیور اور اس کی اطاعت سے آزادی ہی کو اپنا مسلک بنائے رکھتے ہیں، پھر بھی مدت العمر اس کے بے حد حساب احسانات کا سلسلہ ان پر جاری رہتا ہے۔

۱۹ یعنی کوئی امت نہ ہو جسے کہ انکار خدا اور شرک اور معصیت کے باوجود نعمتوں کا سلسلہ بند نہ ہو ناگوار اس

يَسْعُرُونَ أَيْكُنَ يَبْعَثُونَ ﴿٦٠﴾ اللَّهُمَّ إِلَهَ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا
يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٦١﴾
لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّكَ

کچھ معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔ ع

تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دلوں میں الجھنیں کر رہا ہے اور وہ گمنان میں پڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سب کزوت جانتا ہے، چھپے ہوئے بھی اور کھلے ہوئے بھی۔ وہ ان

ہم جو ہے کہ ان کو لوگوں کے کھوٹوں کی خبر نہیں ہے۔ یہ کہ کوئی اندھی ہانتہ و غلط فہمی نہیں ہے جو بے خبری کی وجہ سے بڑا ہو۔ یہ تو علم اللہ و گندہ ہے جو مجرموں کے پرستیدہ ہمارا نگہ دل کی چھی ہوئی میٹروں تک سے واقف ہونے کے لیے جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ اللہ پر وہ نیامی و مالی غرانی ہے جو صرف دہشتِ عالمین کا ہی کڑبڑ ہوتی ہے۔

[illegible]

لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝۳۱ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ
قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝۳۲ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِلَّا سَاءَ
مَا يَزِدُّونَ ۝۳۳ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهَ بُنْيَاؤُهُمْ

۴

لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو غرور و نفوس میں مبتلا ہوں۔

اللہ جب کوئی ان سے پوچھتا ہے کہ تمہارے رب نے یہ کیا چیز نازل کی ہے تو کہتے ہیں: جہی
وہ تو اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔ یہ باتیں وہ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے بوجھ
بھی پورے اٹھائیں، اور ساتھ ساتھ کچھ ان لوگوں کے بوجھ بھی سمیٹیں جنہیں یہ بہتانے جہالت گمراہ کر رہے
ہیں۔ دیکھو! کیسی سخت ذمہ داری ہے جو یہ اپنے سر لے رہے ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ
(حق کو نہ جاننے کے لیے) ایسی ہی تمکاریاں کر چکے ہیں، تو دیکھ لو کہ اللہ نے ان کے کمر کی عمارت
میں جان لٹ کے ان اور گری عزرائلی کے ہاں سرکستے تھے، شَبَّعْنَاهُ دَعَايَا يُعِشُونَ۔

۱۔ یعنی نفوت کے اٹھانے میں اس قدر غرور و ذمہ دار بنے مگر اور دنیا کی زندگی میں مست بنا دیا ہے کہ اب انہیں کبھی
حقیقت کا اٹھار کر دینے میں شک نہیں رہا، کسی صداقت کی ان کے دلی میں تھری باتیں نہیں رہی، کسی اخلاقی بندش کو اپنے نفس پر
برداشت کرنے کے لیے وہ تیار رہے، اور انہیں یہ یقین کرنے کی پروا ہی نہیں رہی کہ جس طریقے پر وہ چل رہے ہیں وہ
حق ہے بھی یا نہیں۔

۲۔ یہاں سے تقریباً آٹھ دوسری طرف پھرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں جو شرارتیں
کفار و کفر کی طرف سے جو رہی تھیں، جو عین آپ کے خلاف پیش کی جا رہی تھیں، جو جملے اور باتیں ایمان نہ لانے کے لیے
گھڑے جا رہے تھے، جو اعتراضات آپ پر معارو کیے جا رہے تھے، ان کو ایک ایک کر کے یا جاتا ہے اور ان پر فاش
زمرہ نصیحت کی جاتی ہے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا جب اطراف و اکناف میں پھیلا تو کہے کے لوگ جہاں کہیں جاتے
تھے ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارے ہاں جو صاحب نبی بنا کھڑے ہیں وہ کیا تعلیم دیتے ہیں، قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟
اس کے مضامین کیا ہیں، دھرم و دھرم اس طرح کے معاملات کا جواب کفار کو ہمیشہ ایسے الفاظ میں دیتے تھے جو سے

مِنَ الْقَوَاعِدِ فَنَحَرًا عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ قُوِّهِمْ وَأَنَّهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ
أَيُّ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالْشُّوْءُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴﴾ الَّذِينَ
تَتَوَلَّوْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ

جرسے اٹھاڑ پھینکی اور اس کی چھت اُوپر سے ان کے سر پر آ رہی اور ایسے سُرخ سے اُن پر عذاب
آیا جلدھر سے اُس کے آنے کا اُن کو گمان تک نہ تھا۔ پھر قیامت کے روز انہیں ذلیل غبار کر دیا۔
وہ اُن سے کہے گا "بتاؤ اب کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے لیے تم (اہل حق سے) جھگڑے
کیا کرتے تھے؟" سچ لوگوں کو دنیا میں علم حاصل تھا وہ کہیں گے "آج وصائی اور بدبختی ہے
کافروں کے لیے" ہاں، انہی کافروں کے لیے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے جب ملائکہ کے ہاتھوں
گرفتار ہوتے ہیں تو اس مٹی چھوڑ کر فوراً ڈگیں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم تو کوئی تصور نہیں
سائل کے دل میں نئی مثال اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ملتی ہوئی کتاب کے متعلق کوئی نہ کوئی شک بیٹھ جائے، یا کم از کم اس کو اپنے
اور آپ کی نبوت کے معاملے سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہے۔

۵۲۳ پہلے فقرے اور اس فقرے کے درمیان ایک لطیف خلا ہے جسے صامع کا ذہن تھوڑے غور و فکر سے خود
جوہر کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ۷ سال کر کے آسمان سے میدانِ شریں ایک ستارہ اُتار دیا تھا۔ گنا
دشمن کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ اُن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ اس لیے وہ دم بخود رہ جائیں گے اور
اہل علم کے درمیان آپس میں یہ باتیں چوں گی۔

۵۲۴ یہ فقرہ اہل علم کے قول پر اضافہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خدا بطور تشریح فرما رہا ہے جن لوگوں نے اسے
بھی اہل علم ہی کا قول سمجھا ہے انھیں بڑی تاویلوں سے بات بنانی پڑی ہے اور پھر بھی بات پوری نہیں ہو سکی ہے۔

۵۲۵ یعنی جب موت کے وقت ملائکہ ان کی دُعا میں ان کے جسم سے نکال کر اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں۔

مِنْ سُوْرٍ بَلٰی اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَاَدْخُلُوْا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَیْسَ مَثْوٰی الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

کر رہے تھے۔ "ہاں کہہ جواب دیتے ہیں مگر کیسے نہیں رہے تھے! اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ۔ وہیں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔" پس حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے تکبروں کے لیے۔

۲۶ یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت، جس میں تعینِ روح کے بعد تعینِ ابد و نگر کی گفتگو کا ذکر ہے، قرآن مجید کی ان متعدد آیات میں سے ہے جو مزاجِ طہر پر عذاب و ثوابِ قبر کا ثبوت جرتی ہیں۔ حدیث میں "قبر کا عذاب و ثواب" کا عالم برزخ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اس سے مراد وہ عالم ہے جس میں موت کی آخری پہچان سے لے کر بعثتِ بعد الموت کے پہلے جھٹکنے تک انسانی ادوار رہیں گی۔ مگر یہ حدیث کو اس پابندی سے کہ یہ عالم بالکل عدمِ صحن کا عالم ہے جس میں کوئی انسان اور شعور نہ ہوگا اور کسی قسم کا عذاب یا ثواب نہ ہوگا۔ لیکن یہاں دیکھیے کہ کفار کی رو میں جب قبض کی جاتی ہیں تو وہ موت کی سرحد کے پار کا حال بالکل اپنی ذمات کے خلاف پا کر مر رہے ہو جاتی ہیں اور فرما سلام شریف کہ "ان کو یقین دہانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ہم کوئی بڑا کام نہیں کر رہے تھے۔" جواب میں "ان کو فائدہ نہ آتا ہے بلکہ جہنم حاصل ہونے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اُمتیار کی رو میں جب قبض کی جاتی ہیں تو ان کو سلام بجاتے ہیں اور جتنی ہوسنے کی پہچان مبارک باد دیتے ہیں۔ کیا برزخ کی زندگی، احساسِ شعور، عذاب اور ثواب کا اس سے بھی زیادہ کھلا ہوا کوئی ثبوت درکار ہے؟ ایسی حق جہنم مضمون سورہٴ نساء و رکوع ۴۴ کی پہلی آیت میں گزیر چکا ہے جہاں ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں سے تعینِ روح کے بعد ان کو گفتگو کا ذکر آیا ہے۔ اعلانِ سب سے زیادہ صاف الفاظ میں عذابِ برزخ کی تصریح سورہٴ بقرہ رکوع ۵ میں کی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرعون اور آلِ فرعون کے متعلق فرماتا ہے کہ "ایک سخت عذاب ان کو گھیرے ہوئے ہے، یعنی صبح و شام وہ آگ کے ماسنے پیش کیے جاتے ہیں، پھر جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو مکرم دیا جائے گا کہ آلِ فرعون کو شدیدتر عذاب میں داخل کر دے۔"

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث، دونوں سے موت اور قیامت کے درمیان کی حالت کا ایک ہی نقشہ معلوم ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ موت صحنِ جسم و روح کی علیحدگی کا نام ہے، ذکرِ بالکل معدوم ہو جانے کا جسم سے علیحدہ ہوجانے کے بعد روح معدوم نہیں ہو جاتی بلکہ اس پوری شخصیت کے ساتھ زندہ رہتی ہے جو دنیا کی زندگی کے تجربات اور ذہنی ماضی کی اکتابات سے بنی تھی۔ اس حالت میں روح کے شعور و احساسِ مشاہدات اور تجربات کی کیفیت غلاب سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ ایک مجرم روح سے فرشتوں کی باز پرس پھر پھر اس کا عذاب اور اذیت میں مبتلا ہوتا اور وہ نرگ کے ماسنے

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ
تَتَوَقَّعُهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّاتِ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَفْر
رَبِّكَ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ
كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ فَاصْبِرْ لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ

اور سب کچھ دیا میں اُن کی خواہش کے مطابق ہو گا۔ یہ جزا دیتا ہے اللہ متقیوں کو۔ اُن متقیوں کو
جن کی رُو میں پاکیزگی کی حالت میں جب مَلَائِکَہ بغض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر، جاؤ جنت میں
اپنے اعمال کے بدلے۔

اے محمد! اب جو یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں تو اس کے سوا اب اور کیا باقی رہ گیا ہے کہ ملائکہ
ہی آپہنچیں، یا تیرے رب کا فیصلہ صادر ہو جائے؟ اس طرح کی ڈھٹائی ان سے پہلے جنت سے
لوگ کر چکے ہیں۔ پھر جو کچھ اُن کے ساتھ جزا وہ اُن پر اللہ کا ظلم نہ تھا بلکہ اُن کا اپنا ظلم تھا جو انھوں نے
خود اپنے اوپر کیا۔ اُن کے کرتوتوں کی خرابیاں آخر کار اُن کی دامن گیر ہو گئیں اور وہی چیز اُن پر سزا

۵۲۸ ہے جنت کی اصل تعریف۔ وہاں انسان جو کچھ چاہے گا وہی اسے ملے گا اور کوئی چیز اس کی مرضی اور پسند
کے خلاف واقع نہ ہوگی۔ دنیا میں کسی رئیس کسی امیر کو کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی یہ نعمت کبھی میسر نہیں آتی ہے، نہ
یہاں اس کے حصول کا کوئی امکان ہے۔ مگر جنت کے رہائشیوں کو راحت و مسرت کو یہ بدرجہ کمال حاصل ہو گا کہ ان کی زندگی میں
ہر وقت ہر طرف سب کچھ اس کی خواہش اور پسند کے میں ملانی ہو گا۔ اُس کا ہر ارمان نکلے گا۔ اس کی ہر زندگی بھر کی ہر
کی ہر چاہت عمل میں آکر رہے گی۔

۵۲۹ یہ چند کلمے بطور نصیحت اور تنبیہ کے فرمائے جا رہے ہیں عطا اللہ یہ ہے کہ جہاں تک سمجھانے کا تعلق تھا، کلم
ایک ایک حقیقت بھر دی طرح کھول کر سمجھا دی۔ دلائل سے اس کا ثبوت دے دیا۔ کائنات کے ہر سلسلے نظام سے اس کی
شہادتیں پیش کر دیں۔ کسی ذی فہم آدمی کے لیے شُرک پر جبر پڑنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ اب یہ لوگ ایک مٹا
سیدھی بات کو مان لینے میں کیوں تامل کر رہے ہیں؟ کیا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کا فرشتہ سامنے آکر ہر جز

يَوْمَ مَا كَانُوا لَهُ يَاسَةً ۖ يُسْتَهْزِمُونَ ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ

ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑا یا کرتے تھے۔ ۷

یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسے ہی بہانے ان سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں۔ تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا اور بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ

زندگی کے آخری لمحے میں مانیں گے، یا خدا کا عذاب سر پہ آجائے تو اس کی پہلی چوٹ کھا لینے کے بعد مانیں گے،

۳۱۔ مشرکین کی اس جفت کوسرۃ انعام رکوع ۸ کی آخری آیتوں میں بھی نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے وہ عذاب

اور اس کے حواشی اگر نگاہ میں رہیں تو سمجھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ انعام حواشی ۱۳۴ تا ۱۳۶)

۳۲۔ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ آج تم لوگ اللہ کی مشیت کو اپنی گمراہی اور بد اعمالی کے لیے جھٹ بنا رہے

ہو یہ تو بڑی پرانی دلیل ہے جسے ہمیشہ سے مجرّمے لوگ اپنے منیر کو دھوکا دینے اور نامحول کا منہ بند کرنے کے لیے

استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہ مشرکین کی جھٹ کا پہلا جواب ہے۔ اس جواب کا پورا لطف اٹھانے کے لیے یہ بات ذہن میں رہنی

ضروری ہے کہ ابھی چند سطروں پہلے مشرکین کے اس پر دہلیز کا ذکر گذر چکا ہے جو وہ قرآن کے خلاف یہ کہہ کر کر لیا کرتے

تھے کہ ”اے نبی! وہ تو پرانے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔“ گویا ان کو نبی پر احترام ہی تھا کہ یہ صاحب نئی بات کو کسی لائے

ہیں، وہی پرانی باتیں دہرا رہے ہیں جو طوفان فزع کے رقت سے لے کر آج تک ہزاروں مرتبہ کہی جا چکی ہیں، اس کے جواب

میں یہاں ان کی ایک دلیل (جسے وہ بڑے خود کی دلیل سمجھتے ہوئے پیش کرتے تھے) کا ذکر کرنے کے بعد یہ لطیف اشارہ

کیا گیا ہے کہ حضرت، آپ ہی کون سے ماڈرن ہیں یہ بایہ ناز دلیل جو آپ لائے ہیں اس میں قطعی کوئی انجھ موجود نہیں ہے

وہی قیاسی بات ہے جو ہزاروں برس سے گمراہ لوگ کہتے چلے آ رہے ہیں، اللہ آپ نے بھی اسی کو دہرا دیا ہے۔

اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ إِنَّ تَحْرِضَ عَلَى هُدَاهُمْ
فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿١١﴾

۳۳ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ پھر دوزخ میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔ اے محمد! تم چاہے ان کی ہدایت کے لیے کتنے ہی حواریں ہو، مگر اللہ جس کو بھٹکا دیتا ہے پھر اسے ہدایت نہیں دیا کرتا اور اس طرح کے لوگوں کی مدد کوئی نہیں کر سکتا۔

۳۴ یعنی تم اپنے شرک اور اپنی خود مختار ادھاریں چھوڑ دو۔ حق میں ہماری مشیت کو کیسے سند جواز بنا سکتے ہو جبکہ ہم نے ہر وقت میں اپنے رسول بھیجے اعلان کے ذریعے لوگوں کو صاف بتا دیا کہ تمہارا کام صرف ہماری بندگی کرنا ہے، طاغوت کی بندگی کے لیے تم پیدا نہیں کیے گئے ہو۔ اس طرح جبکہ ہم پہلے ہی مقبول نفاذ سے تم کو تباہ کیے ہیں کہ تمہاری ان گواہیوں کو ہماری رضا حاصل نہیں ہے تو اس کے بعد ہماری مشیت کی آڑ لے کر تمہارا اپنی گواہیوں کو جائز ٹھہرا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ تم چاہتے تھے کہ ہم بھولنے والے رسول بھیجنے کے بجائے ایسے رسول بھیجتے جو باطلہ بزرگم کو غلط راستوں سے کھینچ لیتے اور ہر راستی تمہیں راست ادبالتے۔ (مشیت اور خدا کے فرق کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ انفاس حاشیہ نمبر ۵)

۳۵ یعنی ہر نبی کی آمد کے بعد اس کی قوم مدھصول میں تقسیم ہوئی۔ بعض نے اس کی بات مانی (اور یہاں دنیا اللہ کی طرف سے تھا) اور بعض اپنی گمراہی پر چم رہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ انفاس حاشیہ نمبر ۵)

۳۶ یعنی تمہارے سے جو کہ تمہیں کے لیے قابل امتداد کوئی اور کوئی نہیں ہے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ تمہاری امت اسلامی کے لیے صوبہ جہنم کی کیا بات کر رہے ہیں۔ خطاب الہی فرعون و آل فرعون پر آیا یا موسیٰ اور بنی اسرائیل پر؟ صالح کے جھٹلنے والوں پر آیا یا سامنے خدا اور پر احمد و نوح اللہ و دوسرے انبیاء کے منکرین پر آیا یا موسیٰ پر؟ کیا واقعی ان ہی جہنمی جہنمات سے ہی نجات ممکن ہے کہ ان لوگوں کو جہنمی مشیت سے شرک اور شریعت ساری کے انکسار کا موقع دیا جائے ان کو جہنمی رضا حاصل تھی؟ اس کے برعکس یہ طاقت و سرعہ ثبات کر رہے ہیں کہ فساد اللہ نصیحت کے باوجود جو لوگ ان

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَمْعًا أَيْمَانُهُمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مِنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لَيْسَ مِنَ اللّٰهِ مَنْ يَخْتَلِفُ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۳۹﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا

یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے دُٹھائے گا۔ اٹھائے گا کیوں نہیں، یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اُس حقیقت کو کھول دے جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں، اور نہ کہ یہ حق کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ (رہا اس کا امکان تو) ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے گواہیوں پر اصرار کرتے ہیں، انہیں ہماری حیثیت ایک حد تک ادکاب جو اجماع کا رقعہ دیتی چلی جاتی ہے اور یہی وہ کیفیت خوب بھر جانے کے بعد ڈھک دیا جاتا ہے۔

۳۵۔ یہ حیات بعد الموت اور قیامِ حشر کی عقلی اور اخلاقی طرف دست ہے۔ دنیا میں جسے انسان پیدا کرتا ہے حقیقت کے بارے میں بے شمار اختلافات رونما ہوتے ہیں۔ انہی اختلافات کی بنا پر نسلی اور قوموں اور خاندانوں میں بحث پڑتی ہے۔ انہی کی بنا پر مختلف نظریات رکھنے والوں نے اپنے الگ مذہب، الگ معاشرے، الگ تمدن بنائے یا اختیار کیے ہیں ایک ایک نظریے کی حمایت اور وکالت میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے مختلف مذاہبوں میں جان، مال، آبرو، ہر چیز کی بازی لگا دی ہے۔ اور بے شمار مواقع پر ان مختلف نظریات کے حامیوں میں ایسی سخت کشاکش پڑتی ہے کہ ایک لے دوسرے کو بالکل مٹا دینے کی کوشش کی ہے، اور شیعہ والے نے سنیوں سے بھی اپنا نقطہ نظر نہیں چھوڑا ہے۔ عقل چاہتی ہے کہ ایسے اہم اور پیچیدہ اختلافات کے تسلی کسی توضیح اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ فی الواقع ان کے اندر حق کیا تھا اور باطل کیا، راستی پر کون تھا اور راستی پر کون۔ اس دنیا میں تو کوئی امکان اس پر دے کے اُٹھنے کا نظر نہیں آتا۔ اس دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں حقیقت پر سے پردہ اُٹھ نہیں سکتا۔ لہذا لامحالہ عقل کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرا ہی عالم دکا ہے۔

اور یہ صرف عقل کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ حقوق کا تقاضا بھی ہے۔ کیونکہ ان اختلافات اور ان کشمکشوں میں بیگناہ فریقوں نے حصہ لیا ہے۔ کسی نے ظلم کیا ہے اور کسی نے مہل ہے۔ کسی نے قربانیاں کی ہیں اور کسی نے ان قربانیوں کو وصول کیا ہے۔ ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک عقلی فلسفہ ایک عقائدی رویہ اختیار کیا ہے اور اس سے اپنی

لَيْسَ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا
فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنبُوَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ
لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُ الْآخِرَةَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُرِى

اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا کہ اسے حکم دیں "ہر جا" اور میں وہ ہوجاتی تھے۔
جو لوگ ظلم سننے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے
اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور حوائج رب کے
بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ کیا اچھا انجام اُن کا منتظر ہے)۔

اے محمد! ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے
اور کھر ہیں انسانوں کی زندگیوں کو بچانے کے لیے طوفان برپا کرتے ہیں۔ آخر کوئی وقت تو ہونا چاہیے جبکہ ان سب کا غلطی تو
میں اس کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس دنیا کا نظام ہر گز صحیح اور مکمل غلطی نتائج کے طور پر مکمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہم
چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہو سکیں۔

۳۰ یعنی وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا ناممکن ہے۔ پچھلے انسانوں کو ایک وقت چلا
اٹھا تو کوئی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے کے لیے کسی صورت میں
کسی سبب اور وسیلے اور کسی سازگار ہی احوال کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا ہر ارادہ محض اس کے حکم سے پورا ہوتا ہے۔ اس کا
حکم ہی سرورِ مہمان و مرد میں نافذ ہے۔ اس کے حکم ہی سے سبب و سائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا حکم ہی اس کی مراد کے
میں مطابق سوال تیار کر لیتا ہے۔ اس وقت جو دوسرا موجود ہے یہ بھی موجود ہے جو دوسرا آتی ہے اور دوسری دنیا بھی
آنا نا صرف ایک حکم سے ظہور میں آ سکتی ہے۔

۳۱ یہاں یہ چٹن ماجرین کی طرف جو کفار کے ناقابل برداشت نظام سے تنگ آ کر کٹے سے پیش کی طرف
ہجرت کر گئے تھے۔ نہ کہ یہ آفت کی بات کا جواب دینے کے بعد ایک ماجرین جیسا کہ ذکرِ پیڑ وینے میں ایک لطیف بحث
پڑھنا ہے۔ اس سے تصور کفار کو کہتا ہے کہ تم نے کیا کیا کر کے اللہ کے عذاب تم کو پہنچے ہو کہ کبھی تم سے
انہیں دوسروں کی دوسری کا وقت ہی ملے گا۔

الْبِئْهَمْ فَسَلُّوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ بِالْبَيِّنَاتِ
وَالزُّبُرِ ۚ وَآَنزَلْنَا الْاٰیٰتِ الْكَرِیْمٰتِ لِلنَّبِیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ الْغَیْمُ

پیغامات وحی کیا کرتے تھے۔ اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے۔ پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا، اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اتاری گئی تھی،

۳۸ یہاں مشرکین کو کہے ایک احقر من کو نقل کیے بغیر اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ احقر من دہی ہے جو پہلے بھی تھا انبیاء پر ہر جگہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصروں نے بھی آپ پر بار بار کیا تھا کہ تم ہماری ہی طرح کے انسان ہو، پھر ہم کیسے مان لیں کہ خدا نے تم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

۳۹ مینی علماء اہل کتاب اور وہ دوسرے لوگ جو جہاں سے کہ نہ علماء نہ ہوں مگر بہر حال کتاب آسمانی کی تعلیمات سے واقف اور انبیاء سابقین کی سرگزشت سے آگاہ ہوں۔

۴۰ تشریح و توضیح صرف زبان ہی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اپنے عمل سے بھی، اور اپنی رہنمائی میں ایک پوری مسلم سوسائٹی کی تشکیل کر کے اور ذکر الہی کے منشا کے مطابق اُس کے نظام کو چلا کر بھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ "ذکر" و "تشریح" کے ذریعے سے بھی بھیجا جاسکتا تھا۔ براہ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا، مگر صحت ذکر بھیج دینے سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و درویشیت اس کی تشریح کی متقاضی تھی، اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ اس ذکر کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔ وہ اس کو تشریح و تفسیر کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اس کا مطلب سمجھائے۔ جنہیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کرے جنہیں کوئی احقران ہو ان کے احقران کا جواب دے۔ جو زبانیں اور ثقافت اور مذہب کو اس کے مقابلہ میں وہ اُس طرح کا رویہ بہت کہ کھائے جو اس ذکر کے حاملین کی شان کے شایان ہے۔ جو ان میں انہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے ان کے سامنے عوام اپنی زندگی کو نمود بنا کر پیش کرے، احقان کو انفرادی حاجتیں تربیت دے کہ ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ذکر کے منشا کی شرح ہو۔

یہ بات جس طرح اُن منکر جن نبوت کی حجت کے لیے قاطع تھی وہ خدا کا "ذکر" بشر کے ذریعے سے کہنے کو نہیں دیتے تھے، اُسی طرح آج یہ منکر جن حدیث کی حجت کے لیے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف "ذکر" کر لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی نے تشریح و توضیح کی بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کر دیا تھا یا اس کے قائل ہیں کہ لفظ

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ
أَنْ يَخْصِفَ اللَّهُ لَهُمْ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

اوتنا کہ لوگ (خود بھی) خود فکر کریں۔

پھر کیا وہ لوگ جو (دعوتِ پیغمبر کی مخالفت میں) بدتر سے بدتر چالیں چل رہے ہیں اس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں منہاسے، یا ایسے گوشے سے ان پر عذاب لے آئے

کے لائق صرف، ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح یا اس کے قائل ہیں کہ اب ہمارے لیے صرف ذکر کافی ہے نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، یا اس بات کے قائل ہیں کہ اب صرف ذکر ہی قابلِ اعتداد حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ نبی کی تشریح یا ترقیاتی نبی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو ہر دے کے لائق نہیں ہے، غرض ان ہمارے باتوں میں سے جس بات کے بعد وہ قائل ہوں ان کا مسلک ہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔

اگر وہ چاہتے ہیں کہ قائل ہیں تو اس کے صحیح یہی کہ نبی منہاس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ساتھ بھیجے یا براہِ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔

اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں لے (مسا فائدہ) یہ فضیلتِ حرکت کی کہ نہ "ذکر" ایک نبی کے ذریعے سے یا کیونکر نبی کی آمد کا حاصل بھی دی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے طور پر شکل میں نازل ہو رہنے کا ہر ممکن تھا۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو وہ اصل یہ قرآن اور نبوت محمدی، دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک متحمل ہائی وہ جانا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لیے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی خصوصیت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے۔ اب اگر مگر مکتوبینِ حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ فرقہ امتناع کی حیثیت سے نمونہ نہ ہو، ختم ہو گیا اور ہمارا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا جیسا جو مادہ صالح اور شعبہ مسلمِ اسلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی امرہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں۔ یہ نئی نبوت کی ضرورت آپ سے پہلے ثابت کر دیتی ہے، صرف ایک بے وقت، ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کرنا صحیح رہتا ہے۔ چنانچہ کہ اگر قرآن نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خدا اپنے پیغمبر کے قول کے مطابق ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے،

حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾ أَوْ يَأْخُذْهُمْ فِي تَقْلِيدِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۱﴾
 أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَيْبَكُمْ رَمُوفٌ رَجِيمٌ ﴿۵۲﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا
 إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَتَّحُوا ظِلَالَهُ عَنِ الِيبِينَ وَالشَّامِلِ
 يُعْبَدُ إِلَهُهُ وَهُمْ ذَاخِرُونَ ﴿۵۳﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا
 فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۵۴﴾

جدھر سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان تک نہ ہو، یا اچانک چلتے پھرتے ان کو کھڑے، یا ایسی حالت میں انھیں پکڑے جبکہ انھیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہوا وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکے ہوں، وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی نرم خور اور رحیم ہے۔

اور کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے کہ اس کا سایہ کس طرح اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں گرتا ہے، ہر کبے سب اس طرح اظہارِ عجز کر رہے ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جس قدر جاندار مخلوقات ہیں اور جتنے مانگے ہیں سب اللہ کے اگے سر بسجود ہیں۔ وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے،

گواہی شہادت کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی مدد سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قاتلہم اللہ، اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکارِ حدیث کے قادیانوں کی جڑ کھود رہے ہیں۔

۱۱ یعنی تمام جہانی شایا کے سوائے اس بات کی علامت میں کہ سارے جہاں پر بادِ ختم، جہاں پر ہوں یا انسان کے سب ایک ہی کے قانون کی گرفت میں ہو جائے۔ برے ہیں سب کی پیشانی پر زندگی کا داغ لگا ہوا ہے، اور بیت میں کسی کا کوئی ادنیٰ حصہ بھی نہیں ہے۔ سارے پر ایک چیز کے ماتے کی علامت ہے، اور اتنی بڑی تندرہ و غلوک بڑے کا کھلا ثبوت۔

۱۲ یعنی زمین ہی کی نہیں، آسمانوں کی بھی وہ تمام ہستیاں جن کو قدیم زمانے سے لے کر آج تک لوگ پوری دیکھا اور خدا کے رشتہ دار ٹھہراتے آئے ہیں، دراصل غلام اور تابعدار ہیں، ان میں سے بھی کسی کا خداوندی میں کوئی حصہ نہیں۔

منہ اس بیت سے ایک اشارہ اس طرف بھی نکل آیا کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی میں نہیں ہیں بلکہ آسمانوں کے ستاروں میں بھی ہیں۔

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ قُوَّتِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ
 اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا آلَ إِبْرَاهِيمَ أَئِمَّةً هُوَ إِلَهُكُمْ وَآبَاءُكُمْ لَا يَدْرِي
 قُلُوبُكُمْ مِنْ أَلْفِكُمْ وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ
 وَاصِبًا أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَمَا يَكُفُّ عَنْكُمْ
 نَارُ إِذَا أَنْتُمْ فِيهَا تُخْرَجُونَ ﴿٥٢﴾ ثُمَّ إِذَا كُفِّتِ
 النَّارُ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٣﴾

اپنے رب سے جہاں کے اُپر ہے، دُڑتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ۵۰

اللہ کا فرمان ہے کہ ”وہ خدا نہ بناؤ، خدا تو بس ایک ہی ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو۔ اُسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور خالصاً اُسی کا دین (ساری کائنات میں) چل رہا ہے۔ پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر تم کسی اور سے تقویٰ کر لو گے؟

تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب کوئی سختی وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اُسی کی طرف دُڑتے ہو۔ مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یہ کیا کہ تم میں سے ایک گروہ اپنے بکے ساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکر یے میں) شریک کرنے لگتا ہے

۵۴ وہ خداؤں کی قوتوں سے زیادہ خداؤں کی قوتی آپ سے آپ مثال ہے۔

۵۵ دوسرے الفاظ میں اسی کی اطاعت پر اس پند سے کارغاذہستی کا نظام قائم ہے۔

۵۶ ہاتھ لاد کر کیا اللہ کے بچنے کسی اللہ کا خوف اللہ کسی اور کی نالافتی سے بچنے کا جذبہ تھا ہے نظام زندگی

کی بنیاد ہے گا،

۵۷ یعنی تو حید کی ایک مرتب شہادت تھا ہے اپنے نفس میں موجود ہے۔ سخت مصیبت کے وقت جب

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ فَتَمْنَعُوا تُسُوفَ تَعْلَمُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ
لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتُسْئَلُنَّ عَنْهَا
كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ وَلَهُمْ مَا
يَشْتَهُونَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ
مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا

تاکہ اللہ کے احسان کی ناشکری کرے۔ اچھا، سب سے کر لو، غریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

یہ لوگ جن کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اُن کے حصے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے
مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، ضرور تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ جھوٹ تم نے کیسے گھڑ لیے تھے،
یہ خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ سبحان اللہ اور ان کے لیے وہ جو یہ خود چاہیں، جب
ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کے چہرے پر کھوس چھا جاتی
ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بُری خبر کے بعد کیا

تمام نیک گہمت اعتدالات کا رنگ ہٹ جاتا ہے تو قہوڑی دیک کے لیے تمہاری اصل فطرت ابھرتی ہے جو اللہ کے سر کی
الہ کسی رب، اور کسی مالک ذی انتقام کو نہیں جانتی۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف ص ۱۷۱ و ۱۷۲)

۷۷۷ یعنی اللہ کے شکر یہ کہ ساتھ ساتھ کسی بزرگ یا کسی دیوی دیوتا کے شکر یہ کہ بھی نیازیں اور نذرین چڑھانی
شرع کر دیتا ہے اور اپنی بات بات سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اللہ کی اس مہربانی میں اُن حضرت کی مہربانی کا بھی
دفع تھا، بلکہ اللہ ہرگز مہربانی نہ کرتا اگر وہ حضرت مرہان ہو کر اللہ کو مہربانی پر آمادہ نہ کرتے۔

۷۷۸ یعنی جن کے تعلق کسی مستند ذہنیہ علم سے راضی یہ تحقیق نہیں ہے کہ اللہ میاں نے اُن کو انہی شریک خدا
نامزد کر رکھا ہے، اور اپنی خدائی کے کاموں میں سے کچھ کام یا اپنی سلطنت کے علاقوں میں سے کچھ علاقے ان کو سونپ رکھے ہیں۔

۷۷۹ یعنی ان کی نذر نیاز اور بھیت کے لیے اپنی آمدنیوں اور اپنی اراضی کی پیداوار میں سے ایک مقرر حصہ مالک

نکال رکھتے ہیں

۷۸۰ شریک کے معنی محدود ہیں دیتا کہ تھے، دیویاں زیادہ تھیں، اور ان دیویوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

بِئْسَ رِبًا أَيْسَسَهُ عَلَى هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ
 أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ
 السَّوْءِ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ
 يَوَخِدُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ ذَاتِهِ وَلَٰكِنْ
 يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ
 سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَفِيدُونَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ

ج ۳

کسی کو منہ دکھائے۔ سو چاہے کہ ذات کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ — دیکھو
 کیسے بُرے حکم ہیں جو یہ خدا کے بارے میں لگاتے ہیں بُری صفات سے شصف کیے جانے کے
 لائق تو وہ لوگ ہیں جو اخوت کا یقین نہیں رکھتے۔ رہا اللہ تو اُس کے لیے سب سے بڑی صفات ہیں،
 وہی تو سب پر غالب اور مکت میں کامل ہے۔ ع

اگر کہیں اللہ لوگوں کو اُن کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو نوے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا۔ لیکن
 وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مُلّت دیتا ہے، پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی
 بھر بھی تاگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ آج یہ لوگ وہ چیزیں اللہ کے لیے تجویز کر رہے ہیں جو خود اپنے لیے انھیں ناپسند ہیں
 یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کو بھی وہ خلائکی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

۱۵۵۱ مئی بیٹے۔

۱۵۵۲ مئی اپنے لیے جس بیٹی کو یہ لوگ اس قدر محبوب نگاہ کر رہے ہیں، اسی کو خدا کے لیے طائفل تجویز
 کر دیتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا بھلے خود ایک شدید عیبات اور گناہ کا سبب ہے، شرک کے عیب
 کی اس حرکت پر یہاں اس خاص پہلو سے گفت و شنید کی گئی ہے کہ اللہ کے متعلق اُن کے قصد کی بستی واضح کی جائے اور یہ
 بتایا جائے کہ سرکارِ خدا نے اللہ کے سامنے اُن کو کس قدر جی اور کس طرح بتا دیا ہے اور وہ کس قدر ہے جس پر کچھ نہیں کہ
 اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے کوئی توجہ تک محسوس نہیں کرتے۔

وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذْبَ أَنَّ لَهُمُ لُحُوءٌ لَّاجِرٌ ۖ إِنَّ لَهُمُ
النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿۳۰﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ
فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿۳۱﴾ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي
اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۲﴾ وَاللّٰهُ أَنزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

اور جھوٹ کہتی ہیں ان کی زبانیں کہ ان کے لیے بھلا ہی بھلا ہے۔ ان کے لیے تو ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے دوزخ کی آگ۔ ضروریہ سبک پہلے اُس میں پہنچائے جائیں گے۔

خدا کی قسم، اُسے عہد، تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں (اور پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ شیطان نے اُن کے بُرے کرتوت انہیں خوش زبان کر دکھائے (اور رسولوں کی بات انہوں نے مان کر نہ دی)۔ وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست بنا رہا ہے اور یہ دردناک سزا کے مستحق بن رہے ہیں۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم ان اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اسے مان لیں۔

(تم ہر برسات میں دیکھتے ہو کہ) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور یکایک مُردہ پڑی ہوئی زمین میں اُس کی بدولت جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے

۵۴۳ دوسرے الفاظ میں اس کتاب کے نزول سے ان لوگوں کو اس بات کا بہترین موقع ہے کہ اس کا نظریہ عقیدہ تخیلات کی بنا پر جن بے شواہد خلف مسکوں اور مذہبوں میں یہ بٹ گئے ہیں اُن کے سوائے صداقت کی ایک ایسی بنیاد بنیادیں جس پر سب متفق ہو سکیں۔ اب جو لوگ راستے بے وقوف ہیں کہ اس نعمت کے آجانے پر اپنی اپنی عقل و اہانت

لَقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿١٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً تَسْقِيكُمْ مِنْهَا
فِي بُطُونِهِمْ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿١٦﴾
وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا

مُسْنَعَةً وَاللَّهُ يَخْتَارُ ۝

اور تمہارے لیے نوشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ اُن کے پٹ سے گوبر اور خون کے وہیں
ہم ایک چیز تھیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔

(اسی طرح) کمجور کے دشتوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تھیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی

ہی کر بیچ دے رہے ہیں وہ تہا ہی اور ذلت کے سوا اور کئی انعام دیکھنے والے نہیں ہیں۔ اب تفسیر حارسہ دہی پائے گا اور
دہی برکنوں اور برتنوں سے لایا مال ہوگا جو اس کتاب کو مان لے گا۔

۵۵۳ یعنی یہ منظر ہر سال تہا ہی تکھوں کے سامنے گونتا ہے کہ زمین بالکل مٹیل میدان پڑی ہوئی ہے، زندگی
کے کوئی آثار وجود نہیں، نہ گھاس پھوس ہے، نہ بیل بٹے، نہ پھول پتی، اور نہ کسی قسم کے حشرات الارض۔ اتنے میں ہاوش کا
موسم آگیا اور ایک دوپہیتے پڑتے ہی اسی زمین سے زندگی کے چھٹے شروع ہو گئے۔ زمین کی تھول میں دبی ہوئی ہے شمار
جڑیں یا ایک جی، ایش اور ہر ایک کے اندر سے وہی نباتات پھر برآمد ہو گئی جو پہلی برسات میں پیدا ہونے کے بعد رکھی تھی۔
بے شمار حشرات الارض جن کا نام دشان تنگ گرمی کے زمانے میں باقی نہ رہا تھا، ایک ایک پھر اسی شان سے نمودار ہو گئے جیسے
پہلی برسات میں دیکھے گئے تھے۔ یہ سب کچھ اپنی زندگی میں بار بار تم دیکھتے رہتے ہو، اور پھر بھی تمہیں ہی کی زبان سے یہ
سُن کر حیرت ہوتی ہے کہ اشد تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس حیرت کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے
کہ تہا را شاہد، بے عقل حیوان کا سا شاہدہ ہے۔ تم کائنات کے گوشوں کو تو دیکھتے ہو، مگر اُن کے پیچھے خالق کی قدرت اور
حکمت کے نشانات نہیں دیکھتے۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ نبی کا بیان سُن کر تمام اول نہ بکاؤ تھا کہ فی الواقع یہ نشانیاں اُس کے
بیان کی تائید کر رہی ہیں۔

۵۵۴ گوبر اور خون کے درمیان کا مطلب یہ ہے کہ ہاؤر جو غذا کھاتے ہیں اُس سے ایک طرف تو خون بناتا
اور دوسری طرف فضلہ، گلوٹھی جاتوں کی منصف، اُنات ہیں اُسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہوتی ہے جو خاصیت، رنگ
بونا نامہ سے ہر مقصد میں ان دونوں سے بالکل مختلف ہے۔ پھر خاص طور پر نوشیوں میں اس چیز کی پیداوار زیادہ ہوتی
ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد انسان کے لیے بھی یہ بہترین غذا اکثر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

وَمِمَّا حَسَنَّا لَكَ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ وَأَوْحَىٰ
رَبُّكَ إِلَى النَّعْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ مَبِيتًا وَمِنَ الشَّجَرِ

بنالیتے ہمارا اور پاک رزق بھی یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔

اور دیکھو، تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹہیلوں

۵۵ میں ایک ضمنی اشارہ اس مضمون کی طرف بھی ہے کہ پھلوں کے اس عرق میں وہ مادہ بھی موجود ہے جو انسان کے لیے حیات بخش غذائیں کھتا ہے، اور وہ مادہ بھی موجود ہے جو مرکز اکریل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی قوت انتخاب پر مضمصر ہے کہ وہ اس سرچشمے سے پاک رزق حاصل کرنا چاہے یا نقل و غرر ذائقہ کر دینے والی شراب۔ ایک اور ضمنی اشارہ شراب کی حرمت کی طرف بھی ہے کہ وہ پاک رزق نہیں ہے۔

۵۶ وحی کے لغوی معنی ہیں غصہ اور لطیف اشارے کے جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے مابین کوئی اور محسوس نہ کر سکے۔ اسی مناسبت سے یہ لفظ افعالِ اولیٰ میں بات ڈال دینے اور اہام (منفی تعلیم و تفتیق) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو تعلیم دیتا ہے وہ جو کوئی کتب و درگاہ میں نہیں دی جاتی بلکہ ایسے لطیف طریقوں سے دی جاتی ہے کہ نگاہ کوئی تعلیم دیتا اور کوئی تعلیم پاتا نظر نہیں آتا، اس لیے اس کو قرآن میں وحی، اہام اور افعال کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب یہ تینوں الفاظ الگ، الگ اصطلاحوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لفظ وحی انبیاء کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ اہام کو اولیاء اور بندگانِ خاص کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ اور افعال سب کا ہے۔

لیکن قرآن میں یہ اصطلاحی فرق نہیں پایا جاتا۔ یہاں آسانی پر ہی وحی ہوتی ہے جس کے مطابق ان کا سامانِ نظام چلتا ہے (وَأَوْحَىٰ فِي مِخْلَ سَمَكٍ أَمْرًا خَافَ مِنْهُ)۔ زمین پر بھی وحی ہوتی ہے جس کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنی سرگزشت مسکتا گتے ہے (يَوْمَ يُدْعَىٰ النَّاسُ جَمْعًا وَنُفُوسُهُمْ فِي الْغُبَابِ يَرْجَعُونَ)۔ ازل و ازل۔ فاکر پر بھی وحی ہوتی ہے جس کے مطابق وہ کام کرتے ہیں (وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ سُلَيْمَانَ أَنِ اتَّخِذِ الْيَلَمِينَ كَوْنًا مِّنْكَ)۔ الانفال۔ شہد کی مکھی کو اس کا ہر کام وحی (نظری تعلیم) کے ذریعہ سے سکھایا جاتا ہے جیسا کہ آیت زیر بحث میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ وحی صرف شہد کی مکھی تک ہی محدود نہیں ہے۔ پھل کو تیز زار پرندے کو اٹھانے اور نرینہ بچے کو وہ دھنیا بھی وحی خداوندی ہی سکھایا کرتی ہے۔ پھر ایک انسان کو خورد و گداز و حقیر و شرف کے بغیر صحیح تدبیر یا صاحبِ واسطے یا گھر و محل کی صحیح ماہ بھائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے (وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ مِّنْهُ أَنْ إِذَا نَزَلَ بِكَ فِرْعَوْنُ وَآلُ فِرْعَوْنَ بِكَ فَقُلْ أَسْأَلُكُمْ عَنِ النَّفْسِ الَّتِي نَفَخْتُ فِيكُمْ يَوْمَ الْخَلْقِ)۔ القصص۔ اور اس وحی سے کوئی انسان بھی محروم نہیں ہے۔ دنیا میں جتنے انتشارات ہوتے ہیں جتنی مینما بجا دیں، ہوتی ہیں، بڑے بڑے مدبرین، فائزین، مفکرین اور مصنفین نے جو عمر کے کام کیے ہیں، ان سب میں اس وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ بلکہ عام انسانوں کو کتنے دن اس طرح کے تجربات چرتے رہتے ہیں کہ کسی نیچے بیٹھے دل میں

وَمَا يَغْنَصُوهَا ۚ إِنَّهَا كَالنَّارِ كَلْبًا ۖ تَخْرُجُ مِنَ كُلِّ شَرْبَةٍ مِّنْ بِطُونٍ هَآءَ شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَآءٌ ۚ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٩٩﴾

پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس پھوس اور اپنے رب کی ہمارا کی ہوئی
راہوں پر چلیں۔ اس کمی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے
لوگوں کے لیے یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

ایک بات کافی یا کافی تدبیر ہو گئی، یا خواب میں کچھ دیکھ لیا، اور بعد میں تجربے سے پتہ چلا کہ وہ ایک صحیح رہنما کی قسم جو غیب سے
انہیں حاصل ہوئی تھی۔

ان بت میں اقسام میں سے ایک خاص قسم کی وحی دہے جس سے انبیاء علیہم السلام نوازے جاتے ہیں اور یہ وحی اپنی
خصوصیات میں دوسری اقسام سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس میں وحی کے جاننے والے کو پورا شعور ہوتا ہے کہ یہ وحی خدا کی
طرف سے آ رہی ہے۔ اُسے اس کے سر میں جانب اللہ ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ وہ خدا اور احکام اللہ تعالیٰ میں اور ہدایات پر
شتمل ہوتی ہے۔ اور اسے نازل کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ نبی اس کے ذریعہ سے فوج انسانی کی رہنمائی کرے۔

۵۵۵۔ دیکھو ہمارا کی ہوئی ہمارا کا اشارہ اس پر سے نظام و طریق کار کی طرف ہے جس پر شہد کی کمیوں کا
ایک گروہ کام کرتا ہے۔ ان کے چھتوں کی ساخت، ان کے گروہ کی تنظیم، ان کے مختلف کارکنوں کی تقسیم کار، ان کی فراہمی
خدا کے لیے ہم آہنگی اور فائدہ مندگی کے ساتھ شہد بنانا، کر و فریہ کو تسکین دینا، یہ سب وہ راہیں ہیں جو ان کے عمل کے لیے
ان کے رہنے اس طرح ہمارا کر دی ہیں کہ انہیں کسی سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بس ایک مقنون نظام
جس پر ایک گئے بند سے طرح پر چکر کے یہ سب شہد چھوٹے چھوٹے کا رخا ہے ہزار ہا برس سے کام کے چلے جا رہے ہیں۔

۵۵۸۔ شہد کا ایک مفید اور لذیذ غذا ہونا تو ظاہر ہے، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ اس کے اندر شفا ہونا
نسبتاً ایک حقیقت ہے اس لیے اس پر شہد کو دیا گیا شہد اولیٰ تو بعض امراض میں برائے خود مفید ہے، کیونکہ اس کے اندر
پھولوں اور پھلوں کا رس، انسان کا لگو کرنا بھی بہترین شکل میں موجود ہوتا ہے۔ پھر شہد کا یہ خاصہ کہ وہ خود بھی نہیں مریختا اور دوسری
چیزوں کو بھی اپنے اندر ایک مدت تک محفوظ رکھتا ہے، اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہاں میں تیار کر کے غرض میں اس سے مدد لی جاسکے
چنانچہ ان کو مل کے بجائے دنیا کے فرقہ و سازوں میں وہ مددیں اسی غرض کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ مزید یہ کہ شہد کی کمی
اگر کسی ایسے علاقے میں کام کرتی ہے جہاں کوئی خاص بڑی برائی کمزرت سے پائی جاتی ہو تو اس علاقے کا شہد خاص شہد ہی نہیں

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَوَفِّقُكُمْ ذَوِّكُمْ مِّنْ لِّرَدِّ اِلٰى اَرْذَلِ

اور دیکھو اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو

ہوتا جیسا بڑی بڑی کامیاب ترین جہرہ ہی ہوتا ہے اور اس مرض کے لیے مفید ہوتا ہے جس کی دعا اس بڑی بڑی میں غفلت پیدا کی ہے۔ شہد کی کمی سے یہ کام اگر ناقص ہو جائے، اور مختلف باقی دعاؤں کے جہرہ اس سے نکل کر ان کے شہد مفید ہونے سے غفلت کیے جائیں تو ہمارا خیال ہے کہ یہ شہد باریوں میں نکالے ہوئے جہرہوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔

۵۵۱ اس پر اسے بیان سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دوسرے جہرہ کی صداقت ثابت کرنا ہے۔ کفار و مشرکین وہ ہی باتوں کی وجہ سے آپ کی مخالفت کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ آپ آخرت کی زندگی کا تصور پیش کرتے ہیں جو اطلاق کے لیے اس نظام کا نقشہ بدل دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ صرف ایک اللہ کو سب اور طالع اور مشکل کشا اور خدا کی قرار دیتے ہیں جس سے وہ پورا نظام زندگی غلط قرار پاتا ہے جو شرک یا مہریت کی بنیاد پر تعمیر ہوا جو۔ دعوت محمدی کے انہی دوزخ اجزاء کو برحق ثابت کرنے کے لیے یہاں اسلام کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ بیان کا مدعا یہ ہے کہ اپنے گرد پیش کی دنیا پر نگاہ ڈال کر دیکھ لو یہ آثار جو ہر طرف پائے جاتے ہیں یہی کسے بیان کی تصدیق کر رہے ہیں یا تمہارے مدعا م و تخیلات کی؟ نبی کہتا ہے کہ تمہارے کے بعد وہ بار اٹھائے جاؤ گے۔ تم سے ایک آن بونی بات قرار دیتے ہو۔ مگر زمین ہر بار اٹھنے موسم میں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مادہ فوق نہ صرف ممکن ہے بلکہ روز قمار ہی انکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ نبی کہتا ہے کہ یہ کائنات ہے خدا نہیں ہے۔ تمہارے دہرے اس بات کو ایک بے ثبوت دعویٰ قرار دیتے ہیں۔ مگر وہ پیشوں کی محنت کچھ بھولیں اور انگوڑوں کی بناوٹ اور شہد کی مکھیوں کی غفلت گواہی دے رہی ہے کہ ایک حکیم اور طب و جمیع نے ان چیزوں کو پہچان لیا ہے، ورنہ کیم نکر ممکن تھا کہ اتنے جاذب اور اتنے دعوت اور اتنی کھیاں دل میں کوفان کے لیے ایسی ایسی نفس اور لذت اور مفید چیزیں اس باقاعدگی کے ساتھ پیدا کرتی رہتیں۔ نبی کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی تمہاری پرستش اور حمد و ثنا اور شکر و وفا کا مستحق نہیں ہے۔ تمہارے مشرکین اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اپنے بہت سے بھو دوں کی نذر دنیا و زبھا لانے پر اصرار کرتے ہیں۔ مگر خدا ہی بتاؤ کہ یہ دودھ اور یہ کچھوڑیں اور یہ انگوڑا اور یہ شہد جو تمہاری بہترین غلامیں ہیں، خدا کے سوا اور کس کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں؟ کس دلی یا دلرتا یا ولی نے تمہاری رزق رسانی کے لیے یہ استقامت کی ہے؟

۵۵۲ بین حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تمہاری پرستش اور رزق رسانی کا سامنا انتظام اللہ کے ہاتھ میں ہے بلکہ حقیقت یہ بھی ہے کہ تمہاری زندگی اور موت، دوزخ اور اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کوئی دوسرا نہ زندگی بخشنے کا اختیار رکھتا ہے نہ موت دینے کا۔

الْعُمْرِ لَكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمِهِ شَیْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ
وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فَضَّلُوا
یَبْغِیْ رِزْقَهُمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیهِ سَوَاءٌ أَلْیَبِنَا
اللَّهُ بِمُحَدِّثِنَ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَ

پیدا دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جائے۔ حق یہ ہے کہ اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے
اور قدرت میں بھی۔ ۷

اور دیکھو اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے پھر جن لوگوں کو یہ
فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تاکہ دونوں
اس رزق میں برابر کے حصہ دار بن جائیں۔ تو کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے ان لوگوں کو انکار کرتے؟
اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے

اللہ یعنی یہ علم جس پر تم ناز کرتے ہو اور جس کی بدولت ہی زمین کی دوسری مخلوقات پر تم کو شرف حاصل ہے، یہ بھی خدا
کا بظاہر ہوا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے یہ عبرت ناک منظر دیکھتے رہتے ہو کہ جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پسند فرمے دیتا
ہے تو وہی شخص جو کہیں جوفانی میں دوسروں کو غسل سکھاتا تھا، کس طرح گوشت کا ایک ٹوٹھڑی کر لے جاتا ہے جسے اپنے حق بدن
کا بھی ہوش نہیں رہتا۔

اللہ زمانہ حال میں اس آیت سے جو عجیب و غریب معنی نکالے گئے ہیں وہ اس امر کی بدترین مثال ہیں کہ قرآن
کی آیات کو ان کے سیاق و سباق سے الگ کر کے ایک ایک آیت کے الگ معنی لینے سے کسی کسی لفظ کی تامل کی گواہی
کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے اس آیت کو اسلام کے فلسفہ معیشت کی اصل اور قانون معیشت کی ایک اہم و غریب روایہ ہے۔ اس کے
نزدیک آیت کا مشابہ ہے کہ جسے لوگوں کو اللہ نے رزق میں فضیلت عطا کی ہو انھیں اپنا منق اپنے ذکر و عمل اور غلاموں کی فکر
مزدور دنیا دینا چاہیے، اگر نہ بنائیں گے تو اللہ کی نعمت کے منکر قرار پائیں گے۔ مالا مال اس پر بے مسئلہ کلام میں قانون معیشت
کے بیان کا سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں ہے۔ اور بے تمام تقریر و حرکت کے ابطال اور توحید کے اثبات میں جوتی جلی آ رہی
ہے اور ابھی مسلسل ہی مضمون چل رہا ہے۔ اس گفتگو کے سچ میں کیا ایک قانون معیشت کی ایک وضاحت بیان کر دینے کا آخر

أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿١﴾ وَيَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتا اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو پوجتے ہیں جن کے ہاتھ میں نہ آسمانوں سے افیض رزق دینا ہے زمین سے

۱۲۳ باطل کو مانتے ہیں، یعنی یہ بے بنیاد اور بے حقیقت عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی قسمیں بتانا اور بگاڑنا ان کی مرادیں برآنا اور دعائیں سننا، انھیں اولاد دینا، ان کو روزگار دلانا، ان کے منہ سے چرانا، اور انھیں بیمار ہیں سے بچانا کچھ دویں اور دوزخ تامل اور غفلت اور لگے پھلے بزرگوں کے اختیار میں ہے۔

۱۲۴ اگرچہ مشرکین کلمہ اس بات سے انکار نہیں کرتے تھے کہ یہ ساری نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں، اور ان نعمتوں پر اللہ کا احسان مانتے تھے مگر انھیں انھارنے کا طریق جو غلطی دلا کرتے تھے وہ یہ تھی کہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر یہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان بہت سی بہتوں کا شکر یہ بھی زبان اور عمل سے ادا کرتے تھے جن کو انھوں نے طاعت کی ثبوت اور بلا کسی مذہب کی نعمت بخشی میں داخل اور حصہ وار قرار رکھا تھا۔ اسی چیز کو قرآن اللہ کے احسان کا انکار قرار دیتا ہے۔ قرآن میں یہ بات بطور ایک قاعدہ لکھ کر پیش کی گئی ہے کہ جس کے احسان کا شکر یہ غیر محسوس کو ادا کرنا اصل محسوس کے احسان کا انکار کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن یہ بات بھی اصل کے طور پر بیان کرتا ہے کہ محسوس کے متعلق بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے یہ گمان کر لینا کہ اس نے خود اپنے فضل و کرم سے یہ احسان نہیں کیا ہے بلکہ فلاں شخص کے فضل، یا فلاں کی رعایت سے، یا فلاں کی سفارش سے، یا فلاں کی مداخلت سے کیا ہے، یہ بھی عدل اس کے احسان کا انکار ہی ہے۔

یہ دونوں اصل باتیں سرسرا نصاب اور مجلس عام کے مطابق ہیں۔ ہر شخص خود با دینی تامل ان کی مستحقیقت سمجھ سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ ایک حاجت مند آدمی پر رحم کیا کہ اس کی مدد کرتے ہیں، اور وہ اسی وقت اٹھ کر آپ کے سامنے ایک دوسرے آدمی کا شکر یہ ادا کر دیتا ہے جس کا اس امداد میں کوئی دخل نہ تھا۔ آپ چاہے اپنی فراخ دلی کی بنا پر اس کی اس بیہودگی کو نظر انداز کر دیں اور اتنا سند بھی اپنی امداد کا سلسلہ جاری رکھیں، مگر اپنے دلی میں یہ مفروضہ سمجھیں گے کہ یہ ایک نہایت بدتمیز اور احسان فراموش آدمی ہے۔ پھر اگر دیانت کرنے پر آپ کو معلوم ہو کہ اس شخص نے یہ حرکت اس خیال کی بنا پر کی تھی کہ آپ نے اس کی جو کچھ بھی مدد کی ہے وہ اپنی نیک دلی اور فیاضی کی وجہ سے نہیں کی بلکہ اس دوسرے شخص کی خاطر کی ہے، وہ اتنا نیک یہ واقعہ نہ تھا، تو آپ لا محالہ اسے اپنی توہین سمجھیں گے۔ اُس کی اس بیہودہ تاویل کا مزید مطلب آپ کے نزدیک یہ ہو گا کہ وہ آپ کے تحت بدگمان ہے اور آپ کے حقوق سے یہ رائے رکھتا ہے کہ آپ کو فی حقیم اور شفیق انسان نہیں ہیں، بلکہ محض ایک عین دست نامہ اور یار بازش آدمی ہیں، چند گئے بندے دوسروں کے خوش سے کوئی آئے تو آپ اس کی مدد ان دوسروں کی خاطر کر دیتے ہیں،

شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا
لَّا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنْ آرَاقٍ حَسَنًا فَهُوَ يَفْقَهُ
مِنْهُ سِرًّا وَجَهًا ۖ هَلْ يَسْتَوْنَ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

اور نہ یہ کام وہ کر ہی سکتے ہیں، پس اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

اللہ ایک مثال دیتا ہے، ایک تو ہے غلام، جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ دوسرا شخص ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا کیا ہے اور وہ اس میں سے کھلے اور چھپے خوب خرچ کرتا ہے۔ بتاؤ، کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ — الحمد للہ، مگر اکثر لوگ اس میں سی

در نہ آپ کے ہاتھ سے کسی کو کچھ فیض حاصل نہیں ہو سکتا۔

۵۶۵ اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، یعنی اللہ کو دنیوی بادشاہوں اور ممالکوں اور ممالکوں پر تھیں نہ کہ دیکھیں طرح کوئی ان کے صاحبوں اور محض باہر، ملازموں کے توسط کے بغیر ان تک پہنچ کر عین معروض نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح اللہ کے متعلق بھی تم پر لگان کرنے لگو کہ وہ اپنے تفرشایوں کا نگہ اور اولیاد اور دوسرے عقربین کے درمیان بگڑا بیٹھا ہے اور کسی کا کوئی کام نہ واسطوں کے بغیر اس کے ہاں سے نہیں ہو سکتا۔

۵۶۶ یعنی اگر مثال ہی سے بات سمجھیں تو اللہ صبح مثالوں سے تم کو حقیقت سمجھاتا ہے۔ تم جو مثالیں دے

رہے جو وہ غلط ہیں، اس لیے تم ان سے غلط نتیجے نکال بیٹھتے ہو۔

۵۶۷ سوال اور الحمد للہ کے درمیان ایک لطیف ملا ہے جسے بھرنے کے لیے خود لفظ الحمد اللہ ہی میں لمبے مثالوں جو وہ۔ ظاہر ہے کہ جی ٹی زبان سے یہ سوالی شکر مشکوک کے لیے اس کا یہ جواب دینا تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ دونوں برابر ہیں۔ لامحالہ اس کے جواب میں کسی نے صاف صاف اقرار کیا ہو گا کہ واقعی دونوں برابر نہیں ہیں، اللہ کسی نے اس اندیشے سے خاموشی اختیار کر لی ہو گی کہ اگر اسی جواب دینے کی صورت میں اس کے منطقی نتیجے کا بھی اقرار کرنا ہو گا اور اس سے خود بخود ان کے شرک کا اہلال ہو جائے گا۔ لہذا جی نے دونوں کا جواب ہو کر فرمایا الحمد للہ۔ قرار کرنے والوں کے اقرار پر بھی الحمد للہ اور خاموش رہ جانے والوں کی خاموشی پر بھی الحمد للہ۔ پہلی صورت میں اس کے معنی یہ ہونے لگے خدا کا شک ہے، اتنی بات تو قرآن مجید میں کافی دوسری صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ خاموش ہو گئے، الحمد للہ۔ اپنی ساری برکت دھرموں کو اپنی

لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا ابْنُ كَثَلٍ
يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُ لَا يَأْتِ
بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا
بِإِذْنِهِ ۝

۱۱

ہات کو نہیں جانتے۔

اشیا ایک اور مثال دیتا ہے۔ دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا بھرا ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا اپنے
اُٹا پر جو بوجھ بنا ہوا ہے، جدھر بھی وہ اسے بھیجے کوئی جلا کام اُس سے نہ آئے۔ دوسرا شخص ایسا ہے
کہ انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود راہِ راست پر قائم ہے۔ بتاؤ کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟
اور حیب کا حکم تو اللہ ہی کو شے ہے۔ اور قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ کچھ دیر نہ لے گا اگر بس باتنی
دونوں کو رہا کہہ دینے کی ہمت تم بھی نہ کر سکتے۔

۱۱۔ یعنی باوجود کہ انسانوں کے درمیان وہ صریح طور پر با اختیار اور بے اختیار کے فرق کو محسوس کرتے ہیں، اور
اس فرق کو ملحوظ رکھ کر ہی دونوں کے ساتھ الگ الگ طرز عمل اختیار کرتے ہیں، پھر بھی وہ ایسے جاہل و نادان بنے ہوئے ہیں کہ
خالق اللہ مخلوق کا فرق ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ خالق کی ذات اور صفات اور مخلوق کی ذات اور صفات اس قدر
سمجھ ہے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کر رہے ہیں جو صرف خالق کے ساتھ ہی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ عالمِ مہاب
میں کوئی چیز نامعنی ہو تو گھر کے مالک سے انہیں گے کہ گھر کے غلام سے۔ مگر بے ادبیت سے حاجات طلب کرنی ہوتی کوئی
کے مالک کو چھوڑ کر اس کے بندوں کے آگے ہاتھ پھیلا دیں گے۔

۱۱۔ پہلی مثال میں اللہ بنادنی سمجھوں کے فرق کو صرف اختیار اور بے اختیاری کے اعتبار سے نمایاں کیا گیا
تھا۔ اب اس دوسری مثال میں وہی فرق اور زیادہ کھول کر صفات کے لحاظ سے بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا اور
ان بنادنی سمجھوں کے درمیان فرق صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک با اختیار مالک ہے اور دوسرا بے اختیار غلام۔ بلکہ
مزید بڑا یہ فرق بھی ہے کہ یہ غلام نہ تمہاری بچاؤ سنتا ہے نہ اس کا جواب دے سکتا ہے، نہ کوئی کام با اختیار خود کر سکتا ہے۔
اس کی اپنی زندگی کا سامرا انحصار اُس کے آقا کی ذات پر ہے۔ اسی آقا اگر کوئی کام اس پر چھوڑ دے تو وہ کچھ بھی نہیں بنا
سکتا۔ بخلاف اس کے آقا کا حال یہ ہے کہ صرف مطلق ہی نہیں مطلق حکیم ہے، دنیا کو عدل کا حکم دیتا ہے۔ اور صرف

كَلِمَ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اقْرَبُ اِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۸﴾
 وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَّ
 جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۹﴾

کہ جس میں آدمی کی ہلک جھپک جانتے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ کم حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے
 اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اُس نے
 تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔

قابل فہماری نہیں، قابل برق ہے، جو کچھ کتابہ لاسی اور محنت کے ساتھ کرتا ہے۔ بتاؤ یہ کوئی مانا ہے کہ تم ایسے آقا اور
 ایسے غلام کو کیسا سمجھ رہے ہو؟

۵۸۔ بعد کے فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طاعن جواب ہے کفارہ کے اُس سوال کا جو وہ اکثر بنی صلی اللہ علیہ وسلم
 سے کیا کرتے تھے کہ اگر اسی وہ قیامت لائے والی ہے جس کی تم میں ضرورت ہو تو خود کس تازی کو لے سکتی۔ یہاں اُن کے
 سوال کو نقل کیے بغیر اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

۵۹۔ یعنی قیامت رفتہ رفتہ کسی طرح اُفتد میں واقع نہ ہوگی مگر اس کی آمد سے پہلے تم دُور سے اس کو آتے دیکھو گے
 کہ سنبھل سکو کچھ اس کے لیے تیاری کر سکو۔ وہ تو کسی رفقا چانک شہم زخم میں؛ بلکہ اس سے بھی کم مدت میں آجائے گی۔ لہذا
 جس کو خوف کرنا ہو سیدگی کے ساتھ خود کر کے اٹھا اپنے دین کے متعلق جو فیصلہ بھی کرنا ہو جلدی کر لے۔ کسی کو اس بھروسے پر نہ رہنا
 چاہیے کہ ابھی تو قیامت دُور ہے، جب آنے لگے گی تو اللہ سے معاملہ درست کر لیں گے۔ توحید کی تقریر کے درمیان
 یہ ایک قیامت کا یہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ لوگ توحید اور شرک کے درمیان کسی ایک حقدے کے انتخاب کے سوال کو محض
 ایک نظری سوال دیکھ بیٹھیں۔ انہیں یہ احساس رہنا چاہیے کہ ایک فیصلے کی گھڑی کسی ماحولم وقت پر آچانک آجائے گا لی ہے
 اور اُس وقت ایسی انتخاب کے صحیح یا غلط ہونے پر آدمی کی کامیابی و ناکامی کا مدار ہوگا۔ اس تنبیہ کے بعد پھر وہی مسئلہ تقریر پر ترجیح
 ہو جاتا ہے جماد پر سے چلا آ رہا تھا۔

۶۰۔ یعنی وہ ذرائع جن سے عیسٰی دنیا میں ہر طرح کی مافیت حاصل ہوئی اور تم اس لائق ہوئے کہ دنیا کے کام چلا سکو۔
 انسان کا بچہ پیدائش کے وقت جتنا بے بس اور بے خبر ہوتا ہے اس کی ہا زکائیں ہوتا مگر یہ صرف اللہ کے دیے ہوئے ذرائع
 علم و سماعت، بینائی، اور قیامت و تکلیف ہی ہیں جن کی بدولت وہ ترقی کر کے تمام مہر و داتہ ارضی پر مگرانی کرنے کے لائق بن جاتا ہے۔
 ۶۱۔ یعنی اُس خدا کے شکر گزار جس نے یہ بے بہا نعمتیں تم کو عطا کیں۔ ان نعمتوں کی اس سے بڑھ کر شکر ہی اللہ کی

اَلَمْ يَرْوُا اِلَى الطَّيْرِ مُسْتَقَرًّا فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يَسْكُنُنَّ اِلَّا
 اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
 مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا
 تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ رِقَاكُمْ تَكْمُومُونَ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
 اَوْ يَارِهَا وَاسْعَارُهَا اَنْثَاثًا وَمَتَاعًا اِلَى حِينٍ ﴿۵۷﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
 مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ

کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضا سے آسمانی میں کس طرح سحر ہیں، اللہ
 کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے، اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان
 لاتے ہیں۔

اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو بنائے سکون بنایا۔ اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے
 لیے ایسے مکان پیدا کیے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اس نے جانوروں
 کے صرف اور اولوں اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو
 زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں۔ اس نے اپنی پسیدگی جو جی بہت سی چیزوں
 سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں، اور قلعے ایسی

جو کہتی ہے کہ ان کا زور سے آدمی سب کچھ سنے گرا یک خدا ہی کی بات نہ سنے، ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھے گرا یک خدا ہی
 کی آیات نہ دیکھے، اور اس دماغ سے سب کچھ سچے گرا یک ہی بات نہ سچے کہ میرا وہ من کون ہے جس نے یہ انعامات
 مجھ پر دیے ہیں۔

۵۶ یعنی چوڑے کے خیمے جن کا رواج عرب میں بہت ہے۔

۵۷ یعنی جب کبھی کنا چاہتے ہو تو انھیں آسانی سے ترک کر کے اٹھالے جاتے ہو اور جب قیام کرنا چاہتے ہو تو

سَرَّابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَّابِيلَ تَقِيكُمُ بَأْسَكُمْ كَذَلِكَ يُتِمُّ
نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿۸۶﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۸۷﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمْ

پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔ اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے شاید کہ تم فرماں بردار بنو۔ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے محمدؐ تم پر صاف صاف پیغام حق پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اللہ کے احسان کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں بیش تر لوگ ایسے آسانی سے ان کو کھول کر ڈھابا جھینتے ہو۔

۸۶ سردی سے بچانے کا ذکر کیا اس لیے نہیں فرمایا کہ گرمی میں کپڑوں کا استعمال انسانی تمدن کا معمول ہے اور درجہ کمال کا ذکر کر دینے کے بعد ابتدائی درجات کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی، یا پھر اسے خاص طور پر اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جن ملکوں میں نہایت ملک قسم کی یاد سوم چلتی ہے وہاں سردی کے لباس سے بھی بڑھ کر گرمی کا لباس بہت رکھتا ہے ایسے ممالک میں اگر آدمی سر سرد رکھ، کان اور سارا جسم اسی طرح ڈھانک کر نہ چلے تو گرم ہوائے تجلیں کر دے۔ بلکہ بعض اوقات تو تکھوں کو چھوڑ کر پورا بدن تک پیشہ لینا پڑتا ہے۔

۸۷ یعنی زندہ بکتر۔

۸۸ تمام نعمت یا تکمیل نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر پہلو میں انسان کی ضروریات کا پوری جوری کے ساتھ جائزہ دیتا ہے اور ہر ایک ایک ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام فرماتا ہے۔ مثلاً اسی معاملے کے لیے کہ خاریجی اثرات سے انسان کے جسم کی حفاظت مطلوب تھی۔ اس کے لیے اللہ نے کس کس پہلو سے کتنا کتنا اللہ کیسا کچھ مہیا فرمایا، اس کی تفصیلات اگر کوئی کھنے پینے تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ یہ گویا لباس اور مکان کے پہلو میں اللہ کی نعمت کا اتمام ہے۔ یا مثلاً نقد ہے کے معاملے کے لیے۔ اس کے لیے کتنے بڑے چم۔ زیر کیسے کیسے ترنمات کے ساتھ کیسے کیسے جوری مزدوروں تک کا لحاظ کہ اللہ تعالیٰ نے بے حد حساب ذرائع فراہم کیے، ان کا اگر کوئی جائزہ لینے پینے تو شاید صحت انعام غنا اور شہادہ غنا کی فرست ہی ایک ختم جلد بن جائے۔ یہ گویا نقد یہ کے پہلو میں اللہ کی نعمت کا اتمام ہے۔ اسی طریقہ سے اگر انسانی زندگی کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر گوشے میں اللہ نے ہم پر اپنی نعمتوں کا اتمام کر رکھا ہے۔

الْكَافِرُونَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۳﴾ وَإِذَا رَأَوْا النَّارَ ظَلَمُوا
الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا سَأَلَ

ہیں جو حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۸۲۔ انہیں کچھ عیوض بھی ہے کہ اس روز کیا بنے گی جبکہ ہم ہر امت میں ایک گواہ مقرر کریں گے، پھر کافروں کو نہ تجتیس پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا نہ ان سے توبہ و استغفار ہی کا مطالبہ کیا جائیگا۔ ظالم لوگ جب ایک دفعہ عذاب ہو کر کم لیں گے تو اس کے بعد نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ انہیں ایک لمحہ بھی کی مہلت دی جائے گی۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں

۸۳۔ انکار سے مراد وہی طرز فعل ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا وہ اس بات کے منکر نہ تھے کہ یہ سارے احسانات اللہ نے ان پر کیے ہیں، مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے یا احسانات ان کے ذمہ لیں اور وہ ان کی مداخلت سے بچے ہیں، اور اسی بنا پر وہ ان احسانات کا شکر یہ اللہ کے ساتھ، بلکہ کچھ اللہ سے بھی جدا کر دینا شروع کر دیتے تھے۔ اسی حرکت کو اللہ تعالیٰ انھوں پر سخت لعن و لعن فرما رہا ہے اور کفر ان سے قیصر کرتا ہے۔

۸۴۔ یعنی اس امت کا نبی، یا کوئی ایسا شخص جس نے نبی کے گور جانے کے بعد اس امت کو توبہ و عفو و غفران سے محروم کر دیا ہو۔ کی بدولت وہی بدو، شرک اور مشرک کا دوام و دوام پر متبصر کیا ہو، یا وہ بدعت قیامت کی صواب دہی سے غمراہ کر دیا ہو۔ وہ اس امر کی شہادت دے گا کہ میں نے پیغام حق ان لوگوں کو پہنچا دیا تھا، اس لیے جو کچھ انہوں نے کیا وہ نامنافیت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ جانتے ہو کر جتھے کیا۔

۸۵۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں معافی پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے جرائم ایسی مرتبہ ناقابلِ عفو و اغماز و ناقابلِ توبہ و شہادتوں سے ثابت کر دیے جائیں گے کہ ان کے لیے معافی پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

۸۶۔ یعنی اس وقت ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اب اپنے رب سے اپنے قصور و عیوب کی معافی مانگ لو۔ یہیں کہو فیصلے کا وقت ہو گا معافی طلب کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا مگر ان کو حدیث و دلیل اس معاملہ میں ملے گی کہ توبہ و استغفار کی جگہ دینا ہے نہ نہایت۔ اور دنیا میں بھی اس کا موقع صرف وہی وقت تک ہے جب تک آثار موت طاری نہیں ہو چکا جس وقت آدمی کو یقین ہو جائے کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے اس وقت کی توبہ ناقابلِ قبول ہے موت کی سود میں داخل

الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا
الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ
لَكِنَّ بُونٌ ۖ وَالْقَوْلَ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامُ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (۵۶) الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ (۵۷)

شُرک کیا تھا اپنے پھیرائے ہوئے شرکوں کو کہیں گے تو کہیں گے "اے پروردگار! یہی ہیں ہماری
وہ شرک جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے" اس پر ان کے وہ معبود انہیں صاف جواب دیں گے کہ
"تم جھوٹے بتاتے ہو" اُس وقت یہ سب اللہ کے آگے جھک جائیں گے اور ان کی وہ ساری افترا پر دنیاوی اور دنیوی
ہو جائیں گی جو یہ زبانیں کہتے رہے تھے جن لوگوں نے خود کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو اللہ کی راہ
سے روکا انہیں ہم عذاب پر عذاب دیتے گے اُس فساد کے بدلے جو وہ دنیا میں برپا کرتے رہے۔

ہوتے ہی آدمی کی ملت مل ختم ہو جاتی ہے اور صرف جہاد و سزا ہی کا استحقاق باقی رہ جاتا ہے۔

۵۶ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بجاے خود اس واقعہ کا انکار کریں گے کہ مشرکین انہیں ملت مانی ہو چکا تھا
کے لیے پکارا کرتے تھے، بلکہ دلائل و حاس واقعہ کے متعلق اپنے علم و اطلاع اور اس پر اپنی رضامندی و ذمہ داری کا انکار کریں گے۔
وہ کہیں گے کہ ہم نے کسی تم سے یا نہیں کہا تھا کہ تم خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارا کر، نہ ہم تمہاری اس حرکت پر راضی تھے، بلکہ میں تو
غیر ملک نہ تھی کہ تم ہمیں پکار رہے ہو۔ تم نے اگر ہمیں سچا اللہ تعالیٰ و محبوب الدعوات و مستگیر و فریادوں قرار دیا تھا تو یہ
قطعی ایک جھوٹی بات تھی جو تم نے گھڑ لی تھی اور اس کے ذمہ دار تم خود تھے۔ اب ہمیں اس کی ذمہ داری میں پیچنے کی کوشش
کیوں کرتے ہو۔

۵۷ یعنی وہ سب غلط ثابت ہوں گی جن سہاصل پر وہ دنیا میں بھروسہ کیے ہوئے تھے وہ سارے کے
سارے گم ہو جائیں گے۔ کسی فریادوں کو دلائل و حاس کے لیے موجود نہ پائیں گے۔ کوئی شکل کسان کی شکل مل کرنے کے
لیے نہیں ملے گا۔ کوئی آگے بڑھ کر یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ یہ میرے متوسل تھے، انہیں کچھ نہ کہا جائے۔

۵۸ یعنی ایک عذاب خود کفر کرنے کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو راہ خدا سے روکنے کا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا
بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

(اے محمد! انھیں اُس دن سے خبردار کر دو، جب کہ ہم ہر امت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اُٹھا کر آئیں گے جو اُس کے مقابلہ میں شہادت دے گا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمہیں لائیں گے۔ اور) یہی اسی شہادت کی تیاری ہے کہ ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی شے ہے اور ہدایت و رحمت اور نبیات ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے تسلیمِ حق کر دیا ہے۔ ع

اندر عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے

۵۶۱۔ من ہر ایسی چیز کی وضاحت جس پر ہدایت و صلوات اور فلاح و خیران کا مدار ہے جس کا جائز و ناجائز و حلال و حرام کی رو سے کیے فرمودی ہے جس سے حق اور باطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ غلطی سے رنگ و شبیہ کا لکھلکھ شے ہے۔ لہذا اس کی ہم سبھی آیات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ اسے بنا ہونے کے لیے قرآن سے مانع اور فزون کے عجیب عجیب مہذبانہ غلطی کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔

۵۶۲۔ یعنی جو کچھ آج اس کتاب کو مان میں ہے اور اطاعت کی راہ اختیار کر میں گئے ان کو یہ زندگی کے ہر معاملہ میں نفع و جہان کی دے گی اور اس کی پیروی کی وجہ سے اُن پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی اور انھیں یہ کتاب خوشخبری دے گی کہ فیصلے کے دن اللہ کی عدالت سے وہ کامیاب ہو کر نکلیں گے۔ بخلاف اس کے جو لوگ اسے نہ مانیں گے وہ صرف ہی نہیں کہ ہدایت اور رحمت سے محروم رہیں گے، بلکہ قیامت کے روز جب خدا کا پیغمبر ان کے مقابلے میں گواہی دینے کھڑا ہو گا تو یہی دستاویز اُن کے خلاف ایک زبردست حجت ہو گی کہ یہ کہنے پر تیار نہ ثابت کر دے گا کہ اس نے وہ چیز انھیں پہنچا دی تھی جس میں حق اور باطل کا فرق کھول کر دکھ دیا گیا تھا۔

۵۶۳۔ اس مختصر فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستگی کا

انحصار ہے:

وَالْبَيْعُ يَعْظُمُ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ⑤ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ
وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ

منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم بہن لو۔ اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے
اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں بچتے کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر

افراد پر ہے، پھر وہ مردوں پر ان کے حقوق قائم ہوتے ہیں، پھر یہ فرمانان کے خوشحال افراد پر یہاں ان کے اپنے غریب شہر داروں
کا ہے، پھر وہ مردوں کے حقوق ان پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں
وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین مسئلہ اس کے والدین، اس کے
بہن بچے اور اس کے بھائی ہیں، پھر وہ برادران کے بعد قریب تر ہوں، اور پھر وہ جوان کے بعد قریب تر ہوں۔ اور یہی اصول ہے
جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تیم بچے کے چچا زاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں، اور
ایک دوسرے تیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو اس پر
اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میں معاشرے کا ہر واحد (Unit) اس طرح اپنے اپنے
افراد کو سنبھالے اس میں معاشری حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی
پاکیزگی و بندگی پیدا ہو جائے گی۔

۵۸۹۔ ہر ایک تین بھائیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تین برائیں سے بدکت ہے جو انفرادی حیثیت سے افراد کو، اور
اجتماعی حیثیت سے گروہ معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔

پہلی چیز فحشاء ہے جس کا اطلاق تمام مجرّمہ اور شرناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت
تبیخ بر، فحش ہے مثلاً بخل، زنا، برہنگی، عریانی، حمل قوم لوٹا، عزت سے نکاح کرنا، چوری، خرب نوشی، بیگ مالگنا،
گالیاں بکنا اور بدگلائی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح علی الاملان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے، مثلاً جھوٹا ہمدردی،
تہمت تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھانے والے افسانے اور شہادے، ظلم، عریان تصاویر، عورتوں کا
بی سنور کر منظر عام پر آنا، علی الاملان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا، اور کسٹچ پر عورتوں کا ناچنا اور قہر کرنا اور
نازدادگی مانع کرنا وغیرہ۔

دوسری چیز فتنہ کشی ہے جس سے ملوث ہر برائی ہے جسے انسان یا مومن برا جانتے ہیں ہمیشہ سے بدکتے رہے
ہیں اور تمام شرائع انہی نے جس سے منع کیا ہے۔

تیسری چیز فتنی ہے جس کے معنی ہیں اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست دہازی کرنا، خواہ وہ حقوق

كَفَيْلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي تَقْضَتْ
عَظْمًا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَارًا تَتَخَذُونَ آيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ

گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ تمہاری حالت اُس عورت کی سی نہ ہو جیسا
جس نے آپ ہی محنت سے سوت کا تا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو
آپس کے معاملات میں عود و فریب کا ہتھیار بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے
حاصل کرے، حالانکہ اللہ اس عہد و پیمان کے ذریعے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے،
خاتم کے ہول یا غلوک کے۔

۱۰۰۔ یہاں اعلیٰ المرتبہ میں قسم کے ساتھ مل کر ان کی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ بیان کر کے ان کی پابندی
کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک وہ عہد جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ہو، اور دوسری اہمیت میں سے کچھ کرے۔ دوسرا وہ عہد
جو ایک انسان یا گروہ نے دوسرے انسان یا گروہ سے باندھا ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھائی ہو، یا کسی نہ کسی طرز پر اللہ کا نام لیکر
اپنے قول کی پابندی کا یقین دلایا ہو۔ یہ دوسرے درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ تیسرا وہ عہد جو انسان یا گروہ نے کسی نہ کسی چیز یا گروہ
اس کی اہمیت اور ان کی دوزخ قسموں کے بعد ہے۔ لیکن پابندی اس سب کی ضروری ہے اور خلاف دوزخ میں سے کسی کی بھی
ردعائیں ہے۔

۱۰۱۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ عہد شکنی کی اہم بدترین قسم پر غصہ کی گئی ہے جو دنیا میں کچھ بڑھ کر موجب غصہ
ہوتی ہے اور جسے بڑے بڑے درجے کے لوگ بھی کارثواب سمجھ کر کرتے اور اپنی قوم سے داد پاتے ہیں۔ تو ان اور ان کے
کی سیاسی، معاشی اور مذہبی کشمکش میں آئے دن ہوتا رہتا ہے کیونکہ ایک قوم کا لین دین ایک وقت میں دوسری قوم سے ایک معاہدہ
کرتا ہے اور دوسرے وقت میں دوسری قوم سے معاہدہ کرتا ہے اور پھر وہ اس کی خلاف ورزی کر کے
تاجرانہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ حرکتیں ایسے ایسے لوگ تک کر کرتے ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے مستعار ہوتے ہیں۔ اور
ان حرکتوں پر صرف یہی نہیں کہ ان کی ہمدی قوم میں سے غصہ کی کوئی آواز نہیں اٹھتی، بلکہ ہر طرف سے ان کی پیمائش کی جاتی
ہے اور اس طرح کی چال بازیوں کو مذہبی یا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرماتا ہے کہ ہر معاہدہ دو اصل معاہدہ
کرنے والے شخص اور قوم کے اخلاق و دیانت کی آزمائش ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہوں گے وہ اللہ کی عدالت
میں مؤاخذہ سے نہ بچ سکیں گے۔

وَلَيَبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

اور ضرور وہ قیامت کے روز تمہارے تمام اختلافات کی حقیقت ظہور پر کھول دے گا۔ اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو تو وہ تم کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے

۹۲ یعنی یہ فیصلہ تو قیامت ہی کے روز ہو گا کہ جن اختلافات کی بنا پر تمہارے درمیان کشمکش برپا ہے ان میں برصرتی کون ہے اور برسر باطل کون، لیکن ہر حال، خواہ کوئی سراسر حق پر ہی کیوں نہ ہو، انداس کا حریف باطل گمراہ اور باطل پرست ہی کیوں نہ ہو، اس کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے گمراہ حریف کے مقابلے میں عمدتاً کسی اور گنہگار اختیار اور گمراہ فرج کے ہتھیار استعمال کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو قیامت کے روز اللہ کے امتحان میں ناکام ثابت ہو گا، کیونکہ حق پرستی صرف نظریۃً اور مقصد ہی میں صداقت کا مطالبہ نہیں کرتی، طریق کار اور ذرائع میں بھی صداقت ہی چاہی ہوتی ہے۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ ان مذہبی گروہوں کی تنبیہ ہے۔ لیے فرمائی جا رہی ہے جو ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ ہم جو کہ خدا کے طرفدار ہیں اور ہمارا فتنہ مقابل خدا کا ماضی ہے اس لیے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اسے جس طریقہ سے بھی ممکن ہو رک پہنچائیں۔ ہم پالشی کوئی پابندی نہیں سے کہ خدا کے باغیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے میں بھی صداقت، امانت اور وفائے عہد کا لحاظ رکھیں۔ (لیکن یہ بات سنی جو عرب کے یہودی کہا کرتے تھے کہ لَئِنْ عَلَيْنَا مِنَ الْأَوْثَانِ سِتْرٌ لَّكَ وَنَحْنُ مُشْرِكُونَ سب کے معاہدے ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے، ان سے ہر طرح کی خیانت کی جا سکتی ہے، جن چال اور تدبیر سے بھی خدا کے پیاروں کا بھلا ہو اور کافروں کو رک پیچھے وہ بالکل روا ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

۹۳ یہ پہلے مضمون کی مزید توضیح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو اللہ کا طرفدار مار سمجھ کر بے لے اور ہڑ سے ہر طریقے سے اپنے مذہب کو (جسے وہ خدائی مذہب سمجھ رہا ہے) فروغ دینے اور دوسرے مذہب کو مٹا دینے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کی یہ حرکت سراسر اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اللہ کا منشا واقعی یہ ہوتا کہ انسان سے مذہبی اختلاف کا اختیار بھیجیں یا جلتے اور چاروں چاروں سارے انسانوں کو ایک ہی مذہب کا سیر بنا کر بھیج دے تو اس کے لیے اللہ کو اپنے نام نہاد "طرف داروں" کی اور ان کے ذہن ہتھکنڈوں سے مدد لینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ کام تو وہ خود اپنی تخلیقی طاقت سے کر سکتا تھا۔ وہ سب کو مومن و فرماں بردار بنا کر دیتا اور کفر و معصیت کی طاقت بھیج دیتا۔ پھر کس کی مجال تھی کہ ایمان و طاعت کی راہ سے بال برابری پیش کر سکتا؟

مَنْ يَشَاءُ وَلَكِنْ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا
 آيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا
 السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۸﴾
 وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ
 لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ

چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے اور ضرورت سے تمہارے اعمال کی بازپرس ہو کر رہے گی۔
 (اور اے مسلمانو!) تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بنالینا
 کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم جمنے کے بعد اکھڑ جائے اور تم اس مجرم کی بداداش میں کہ تم نے لوگوں کو
 اللہ کی راہ سے روکا، برا نتیجہ دیکھو اور سنتِ سرِ اٹھکو۔ اللہ کے ٹھنڈ کو ٹھوڑے سے فائدے کے
 بدلے نہ بیچنا، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم بازو۔ جو کچھ تمہارے
 پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے،

۳۷ یعنی انسان کو اختیار انتخاب کی آزادی اللہ نے خود ہی دی ہے، اس لیے انسانوں کی دایہ و بائیں مختلف
 ہیں کوئی گمراہی کی طرف جانا چاہتا ہے اور اللہ اس کے لیے گمراہی کے سبب جہاد کر دیتا ہے، اور کوئی راہِ راست کا طالب
 ہوتا ہے اور اللہ اس کی ہدایت کا انتظام فرما دیتا ہے۔

۳۸ یعنی کوئی شخص اسلام کی صداقت کا قائل ہو جانے کے بعد محض تمہاری بد اخلاقی دیکھ کر اس دین سے
 برگشتہ ہو جائے اور اس وجہ سے وہ اہل ایمان کے گروہ میں شامل ہونے سے روک جائے کہ اس گروہ کے جن لوگوں سے
 اس کو سابقہ پیش کیا ہو ان کو اخلاق اور معاملات میں اس نے کفار سے کچھ بھی مختلف نہ پایا ہو۔

۳۹ یعنی اس عہد کو جو تم نے اللہ کے نام پر کیا ہے، یا دین الہی کے فائدہ دینے کی حیثیت سے کیا ہو۔

۴۰ یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے بڑے فائدے کے بدلے بیچ سکتے ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا جو

فائدہ بھی ہے وہ اللہ کے عہد کی قیمت میں ٹھہرا ہے۔ اس لیے اس پیش میں مہاجر کو اس چھوٹی چیز کے عوض بچنا بہر حال
 خسارے کا سودا ہے۔

وَلْيَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾
 مَنْ عَمِلَ صَالِحًا قَدْ كُنِيَ أَزْوَاجًا ذُكْرًا أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلْيُجْزَيْنَاْهُ حَسَنًا
 طَيِّبَةً ۚ وَلْيَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۰﴾

اور ہم سرورِ مہر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔ انہیں
 بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر
 کریں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

۳۹۔ مہر سے کام لینے والوں کو، یعنی ان لوگوں کو جو ہر طرح اور خواہش اور جذبہ نفسانی کے مقابل میں حق اور راستی
 پر قائم رہیں، ہم اس نفعان کردہ داشت کریں جو اس دنیا میں دستبازی اختیار کرنے سے پہنچتا ہو، ہر اس فائدے کو
 ٹھکانا دیں جو دنیا میں ناجائز طریقے اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہو، اور جس عمل کے مینڈناج کے لیے اس
 وقت تک انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں جو مجددہ دنیوی زندگی ختم ہو جائے کے بعد دوسری دنیا میں
 آنے والا ہے۔

۴۰۔ اس آیت میں مسلم اور کافر دونوں ہی گروہوں کے ان تمام کام نظر انداز ہے جو لوگوں کی غلط فہمی و درک کی گئی ہے۔
 جو یہ سمجھتے ہیں کہ سچائی اور دیانت اور سچائی پر کمال کی رکش اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت چلے جاتی ہو مگر اس کی دنیا
 ضرور بگڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس صحیح رویہ سے محض آخرت ہی نہیں دنیا
 دنیا بھی مٹی ہے جو لوگ حقیقت میں ایماندار اور پاکیزہ افراد و معاملہ کے کھرے ہوتے ہیں ان کی دنیوی زندگی بھی بے پایان
 اور بدل لوگوں کے مقابل میں ہر شے بہتر ہوتی ہے۔ جو ساکھ اور سچ حوت اپنی بے باغ میرت کی وجہ سے انہیں نصیب ہوتی
 ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہوتی۔ جو ستمی اور پاکیزہ کامیابیاں انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ان لوگوں کو نہیں
 آتیں جن کی ہر کامیابی گنہگار اور گناہوں کے طریقوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ پوری ناانشتیں بر کر بھی طلب کے جس اطمینان اور
 ضمیر کی جس ٹھنڈک سے ہر مند ہوتے ہیں اس کا کوئی ادنیٰ ساحر بھی محلوں میں رہنے والے فساد و فحار نہیں
 پاسکتے۔

۴۱۔ یعنی آخرت میں ان کا تمنا کے بہتر سے بہتر اعمال کے لحاظ سے مقرر ہوگا۔ بالفاظ دیگر جس شخص نے
 ضامیں چھوٹی اور بڑی، ہر طرح کی نیکیاں کی ہوں گی اُسے وہ اونچا تر سے دیا جائے گا جس کا وہ اپنی بڑی سے بڑی
 نیکی کے لحاظ سے حق ہوگا۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾
 إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾
 إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ
 مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

۱۱
۱۲

پھر جب تم قرآن پڑھنے کو تو شیطان برہم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرے۔ اُسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو فانی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کا پناہ سر پرست بناتے اور اس کے ہلکانے سے شکر کرتے ہیں۔ ۱۰۰
 جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا

۱۱۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ میں زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کہہ دیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ فی الواقع دل میں یہ غماز ہو کہ میں بھی جی چاہے کہ آدمی قرآن پڑھتے وقت شیطان کے گمراہ کن دھوسوں سے محفوظ رہے، غلط فہمی سے ہٹا کر وہ دہشت میں مبتلا نہ ہو، قرآن کی ہر بات کو اس کی صحیح روشنی میں سمجھا کر اپنے غور و ملاحظہ و فکر سے حاصل کیے ہوئے فیہدات کی آہریش سے قرآن کے مفاد کو وہ سمجھ نہ پانے لگے جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہوں۔ اس کے ساتھ آدمی کے دل میں یہ احساس بھی موجود رہنا چاہیے کہ شیطان سبک دہ کر جس چیز کے خلاف ہے وہ بھی ہے کہ ان آدم قرآن سے ہدایت نہ حاصل کرنے پائے یہی وجہ ہے کہ آدمی جب اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیطان اسے ہٹانے اور غور و ہمت سے دور کرنے اور فکر و فہم کی غلط فہمی پھیلانے کے لیے ایسی چوٹی کا انداز دیتا ہے اس لیے آدمی کو اس کتاب کا مطالعہ کہ تو وقت انتہائی چوکتا رہنا چاہیے اور ہر وقت خلا سے مدد مانگتے رہنا چاہیے کہ میں شیطان کی دغا بازیوں سے اس سرچشمہ ہدایت کے فیض سے محروم نہ کروں۔ کیونکہ جس نے یہاں سے ہدایت نہ پائی وہ پھر کہیں ہدایت نہ پاسکے گا۔ اور جس کو اس کے گمراہی افندہ کو دیکھا اسے پھر دنیا کی کوئی چیز گمراہیوں کے چکر سے نکال سکے گی۔ اس مسئلہ کا ہمیں یہ آیت جس غرض کے لیے آئی ہے وہ یہ ہے کہ کسے عمل کرنا احقرضات کا جواب دیا جا رہا ہے جو مشرکین کہ قرآن مجید پر کیا کرتے تھے۔ اس سے پہلے قہد کے عہد پر یہ فرمایا گیا کہ تو ان کو اس کی اصلی روشنی میں مشرک شخص دیکھ سکتا ہے جو شیطان کی گمراہ کن دوسرے دغا بازیوں سے چوکتا ہو اور ان سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگے۔ وہ شیطان کبھی آدمی کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ سیدھی طرح قرآن کو اور اس کی باتوں کو سمجھ سکے

يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفَرِّطٌ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾
قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ

نازل کرے۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان سے کہو کہ اے توروح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بت و ترج نازل کیا ہے تاکہ ایمان ان کے والوں کے ایمان کو پختہ

۱۱۔ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بیٹھا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں اور ہر ایک حکم ہی چند سال کے وقفوں سے یکے بعد دیگرے دو دو تین تین حکم بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً شراب کا معاملہ، یا زنا کی سزا کا معاملہ۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس میں تاخیر نہ تھی بلکہ سورہ نحل کی یہ آیت بھی نہ دیر نہ نازل ہوئی ہے، اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس حد میں بتدریج کی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آتی تھی۔ اس لیے ہم یہاں ”ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے“ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر کبھی ایک مضمون کو ایک مثال سے سمجھا یا گیا ہے اور کبھی وہی مضمون بیان کرنے کے لیے دوسری مثال سے کام لیا گیا ہے۔ ایک ہی قصہ بار بار آیا ہے اور ہر مرتبہ اسے دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک معاملہ کا کبھی ایک پہلو پیش کیا گیا ہے اور کبھی اسی معاملے کا دوسرا پہلو سامنے لایا گیا ہے۔ ایک بات کے لیے کبھی ایک دلیل پیش کی گئی ہے اور کبھی دوسری دلیل۔ ایک بات ایک وقت میں چل کر کہی گئی ہے اور دوسرے وقت میں مفصل۔ یہی چیز تھی جسے کفار کھڑے بات کی دلیل ٹھہراتے تھے کہ تم مقلد اللہ علیہ السلام، معاذ اللہ تو یہ قرآن خود تصنیف کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس کلام کا منبع علم الہی ہوتا تو پوری بات ایک وقت کہہ دی جاتی مگر کوئی انسان کی طرح ناقص علم تصور ہی ہے کہ سوچ سوچ کر بات کرے، رفتہ رفتہ معلومات حاصل کرتا رہے، اور ایک بات ٹھیک ٹھیک نظر نہ آئے تو دوسرے طریقہ سے بات کرے۔ یہ توانائی علم کی کمزوریاں ہیں جو تمہارے اس کلام میں نظر آ رہی ہیں۔

۱۲۔ ”روح القدس“ کا نقلی ترجمہ ہے ”پاک روح“ یا ”پاکیزگی کی روح“۔ اس اصطلاحاً یا لقب حضرت جبریلؑ کو دیا گیا ہے۔ یہاں وہی لائے جانے والے فرشتے کا نام لینے کے بجائے اس کا لقب استعمال کرنے سے مقصود سامعین کو اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ اس کلام کو ایک ایسی روح لے کر آ رہی ہے جو بشری کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے۔ وہ نہ خائف ہے کہ اللہ کچھ بھیجے اور وہ اپنی طرف سے کئی بیشی کر کے کہہ کر اور بنا دے۔ نہ کذاب و مفسری ہے کہ خود کوئی بات گھڑ کر اللہ کے نام سے بیان کر دے۔ نہ ہدایت ہے کہ اپنی کسی نفسانی نیرنگی کی بناء پر دھوکے اور فریب کے کام لے۔ وہ ہر امر ایک مقدس و مطہر روح ہے جو اللہ کا کلام پوری امانت کے ساتھ لائے پہنچاتی ہے۔

اٰمَنُوْا وَهٰدٰی وَبُشْرٰی لِّلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعَلَمُ اَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يَعْزِمُۙ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ
اِتَّخَبْنٰی وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کرتے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتاتے اور انہیں فلاح و سعادت کی خوشخبری دیتے۔

ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے۔ حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ عارف عربی زبان ہے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی

۱۰۲ یعنی اُس کے بعد ترجیح اس کام کرنے کرنے اور ایک وقت سب کچھ دے اُن کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے علم و دانش میں کوئی نقص ہے، جیسا کہ تم نے اپنی نادانی سے سمجھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی قوتِ علم اور قوتِ اعتدیل نقص ہے جس کے سبب وہ ایک وقت ساری بات کو نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک وقت کی کبھی ہوئی بات میں پختہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ روح القدس اس کام کو تھوڑا تھوڑا کئے لائے، کبھی اجمال سے کام لے اور کبھی اسی بات کی تفصیل بتائے، کبھی ایک طریقہ سے بات سمجھائے اور کبھی دوسرے طریقہ سے، کبھی ایک پہلو پر بیان اختیار کرے اور کبھی دوسرا، اور ایک ہی بات کو بار بار مختلف طریقہ سے ذہنی نشین کرنے کی کوشش کرے تاکہ مختلف قابلیتوں اور استعدادوں کے طالبین حق ایمان لاسکیں اور ایمان لانے کے بعد علم و یقین اور فہم و ہدایت میں پختہ ہو سکیں۔

۱۰۳ یہ اس تدریج کی دوسری مصلحت ہے یعنی یہ کہ جو لوگ ایمان لاکر فرمانبرداری کی راہ چل رہے ہیں ان کو دعوتِ اسلامی کے کام میں اور زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں جس موقع پر جس قسم کی ہدایات و کارروائیوں وہ وقت ملے وہی جائیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں قبل از وقت مبینا مناسب ہو سکتا ہے، اور نہ ایک وقت ساری ہدایات و مسائل مفید ہو سکتے ہیں اس کی تیسری مصلحت ہے یعنی یہ کہ فرماں برداروں کو جن مزاہمتوں اور فاضلتوں سے سابقہ میں رہا ہے اور جن جس طرح انہیں مستایا اور رنگ کیا جا رہا ہے، اور دعوتِ اسلامی کے کام میں مشکلات کے جو پھاڑ ٹوٹاؤ ہو رہے ہیں، ان کی وجہ سے وہ بار بار اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ ہمارے ان سے ان کی ہمت بندھائی جاتی رہے اور ان کو آخری نتائج کی کامیابی کا یقین دلایا جاتا رہے تاکہ وہ ہر امید و یقین اور دل شکستہ نہ ہوں پائیں۔

۱۰۴ روایات میں مختلف اشخاص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ کعبہ میں سے کسی پر یہ گمان کرتے تھے۔

بَايَتَ اللَّهِ لَا يَحْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا يَغْتُرِي
الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْكَذِبُونَ ۝ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ لَا مَنَ
أَكْرَاهُ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ

آیات کو نہیں ملتے اشد بھی ان کو صحیح بات تک پہنچنے کی قوت نہیں دیتا اور ایسے لوگوں کے لیے
دردناک عذاب ہے۔ (جھوٹی باتیں نبی نہیں مگر تاہم جھوٹ وہ لوگ گھڑ رہے ہیں جو اشد کی
آیات کو نہیں مانتے، وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں۔

جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگلی جہود کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پختہ ہو تب بھی)
مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اشد کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کیلئے

ایک روایت میں اس کا نام تجر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن العسری کا ایک مدعی غلام تھا۔ دوسری روایت میں قرطبہ بن
عبد العزیز کے ایک غلام کا نام لیا گیا ہے جسے عائشہ یا عائشہ کہتے تھے۔ ایک اور روایت میں یہ اس کا نام لیا گیا ہے جس
کی کنیت ابو ظیفہ تھی اور جو مکہ کی ایک محدث کا بیرونی غلام تھا۔ ایک اور روایت: نعمان یا بنام نامی ایک مدعی غلام
سے متعلق ہے۔ بہر حال ان میں سے جو بھی ہو، کفار مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ایک شخص قہر و انجیل پڑھتا ہے اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی اس سے ملاقات ہے، بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو وہ بدل دے تصنیف کر رہا ہے اور غلام علی اللہ
علیہ وسلم! اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے لے کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت
کے مخالفین آپ کے خلاف فتنہ ارمغانیاں کو سننے میں کس قدر رہے ہاک تھے، بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم حصول کی تہ
قیمت پہنچانے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس کی
غیر ذاتی وقت دنیا بھر میں کہیں موجود تھی اور شجہ تک پائی گئی ہے۔ مگر ان جنس کے اندر صوفیوں کی اس کے مقابلہ میں ایک
مجھی غلام جو کچھ قہر و انجیل پڑھتا تھا، قابلِ تر نظر آتا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گویہر نایاب اس کو کتنے سے جہک
حاصل کر رہا ہے۔

اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَعِيرُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۱۰۸﴾
 لَاجِرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَيْرُونَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ
 لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا لَنُجَاهِدُ وَأَوْصَابُوا
 إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ
 بِجَادِلٍ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا
 يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً
 يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا أَمِينٌ كُلٌّ مَكَانٍ فَكُفِّرَتْ بِنَافِعِهِمُ اللَّهُ

پہلے

دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے ٹہر لگا دی ہے۔ یہ غفلت میں ڈوب چکے ہیں۔ ضرور ہے کہ
 آخرت میں یہی سزا سے میں رہیں۔ بخلاف اس کے جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب ایمان لانے
 کی وجہ سے وہ ستائے گئے تو غمور ہوئے۔ گھر بار چھوڑ دیے، ہجرت کی، راہِ خدا میں سختیاں جھیلیں اور
 صبر سے کام لیا، ان کے لیے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے۔ (ان سب کا فیصلہ اُس دن ہوگا) جبکہ ہر
 متنفذ اپنے ہی سچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور
 کسی پر ذرہ برابر قلم نہ ہونے پائے گا۔

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر
 طرف سے اس کو بغیر اغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا۔

۱۱۰۔ یہ فقرے ان لوگوں کے بارے میں فرمائے گئے ہیں جنہوں نے راہِ حق کو گھٹن ہا کر ایمان سے توبہ کر لی تھی
 اللہ میرا بھی کاغذِ شرکِ قوم میں باٹے تھے۔

۱۱۱۔ ضارہ ہے، اب جیسی بدشہ کی بدشہ۔

فَإِذَا هَمَّ اللَّهُ لِيَأْسَ الْجُوعَ وَالْخَوْفَ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾
 وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ
 وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ رِزْقَ اللَّهِ حَلَالًا طَيِّبًا وَ
 اشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ رَائِيَاءَ تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ
 عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالذَّمَّ وَتَحْمَأُ الْخُزْنِ وَمَا أَهْلٌ لِغَيْرِ اللَّهِ

تب اللہ نے اس کے ہاشندوں کو ان کے کرڈوں کا یہ مزاج کیا یا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں
 ان پر چھا گئیں۔ ان کے پاس ان کی اپنی قوم میں سے ایک رسول آیا۔ مگر انہوں نے اس کو جھٹلا
 دیا۔ آخر کار عذاب نے ان کو آیا جبکہ وہ ظالم ہو چکے تھے۔

پس اے لوگو! اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کے
 احسان کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ
 ہے مردار اور خون اور ٹھنڈا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اود کا نام

﴿۱۱۲﴾ یہاں جس بستی کی مثال پیش کی گئی ہے اس کی کوئی نشان دہی نہیں کی گئی۔ نہ مفسرین یہ تیس کے کہے ہیں کہ
 یہ کنسی بستی ہے۔ بظاہر این جاس ہی کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خود کئے کو نام لیے بغیر مثال کے طور پر پیش کیا گیا
 ہے۔ اس صورت میں خوف اور بھوک کی جین مصیبت کے چھا جانے کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ قحط ہو کر جو بھی
 صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے بعد کئی سال تک اہل نجد پر مسلط رہا۔

﴿۱۱۳﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سروسے کے نزول کے وقت وہ قحط نہم ہو چکا تھا جس کی طرف اشارہ
 گئے چکے ہیں۔

﴿۱۱۴﴾ یعنی اگر واقعی تم اللہ کی بندگی کے قائل ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو حرام و حلال کے خود مختار نہ بنو۔
 جس رزق کو اللہ نے حلال و طیب قرار دیا ہے اسے کھاؤ اور شکر ادا کرو جو کچھ اللہ کے قانون میں حرام و نمیت ہے اس
 پر ہمیشہ کدو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الْغَوٰیۙ وَلَا عَادَۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ السِّنُّۙ الْكِذْبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَهٰذَا
حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ الْكِذْبُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰی
اللّٰهِ الْكِذْبَ لَا يَفْلَحُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَمُنَا مَا قَصَّصْنَا عَلَیْكَ

یا کیا ہو۔ البتہ بھوک سے مجبور ہو کر اگر کوئی ان چیزوں کو کھائے، بغیر اس کے کہ وہ قانون الہی کی خلاف ورزی کا خواہش مند ہو یا حد ضرورت سے تجاوز کا مترتب ہو، تو یقیناً اللہ صاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور یہ جو تہاری زبانیں جھوٹے احکام لگیا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتراء باندھتے ہیں ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔ دنیا کا بیش چند روزہ ہے۔ آخر کار ان کے لیے دردناک منزل ہے۔

وہ چیزیں ہم نے خاص طور پر یہودیوں کے لیے حرام کی تھیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے

۱۵۔ حکم سورہ بقرہ (دیکھ ۲۱) سورہ مائدہ (دیکھ ۱۱) اور سورہ افہام (دیکھ ۱۸) میں بھی کر چکا ہے۔

۱۶۔ یہ آیت صاف تصریح کرتی ہے کہ خدا کے ساتھ جھیل و تحریف کا حق کسی کو بھی نہیں، یا بالفاظ دیگر قانون ساز صرف اللہ ہے۔ دوسرا جو شخص بھی جائز اور ناجائز کا فیصلہ کرنے کی جرأت کرے گا وہ اپنی حد سے تجاوز کرے گا، اِن کی وہ قانون الہی کو نہ مان کر اس کے فرامین سے استنباط کرتے ہوئے یہ کہے کہ فلاں چیز یا فلاں فعل جائز ہے اور فلاں ناجائز۔

اس خود مختار اور جھیل و تحریف کا اللہ پر جھوٹ اور افتراء اس لیے فرمایا گیا کہ جو شخص اس طرح کے احکام لگا کر اپنے اس فعل و افعال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جسے وہ کہتا ہے اللہ کی سند ہے یا نہی اللہ کا جائز یا ناجائز کہہ رہا ہے۔ اسے خدا نے جائز یا ناجائز نہیں فرمایا ہے۔ یا اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ نے جھیل و تحریف کے امتیازات سے دست بردار ہو کر انسان کو خود اپنی زندگی کی شریعت بنانے کے لیے آنا بھیج دیا ہے۔ ان میں سے جو دعویٰ بھی وہ کرے وہ لاخار جھوٹ اور افتراء پر اکترا ہے۔

۱۷۔ یہ پورا پورا گراف اُن احقرافات کے جواب میں ہے جو مذکورہ بالا حکم پر کیے جا رہے تھے۔ کہ اگر

مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۸﴾
 ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّرُوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا
 مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

کر چکے ہیں۔ اور یہ اُن پر ہمارا ظلم نہ تھا بلکہ اُن کا اپنا ہی ظلم تھا جو وہ اپنے آپ کو کر رہے تھے۔ البتہ جن لوگوں نے
 جمالت کی بنا پر باطل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کرنی تو یقیناً توبہ و اصلاح کے بعد تیرا رب

مٹکا پلا احترام میں یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں تو ادا بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جن کو تم نے حلال کر کھا ہے۔ اگر وہ شریعت
 خدا کی طرف سے تھی تو تم خود اس کی خلاف ورزی کر لے رہے ہو۔ اور اگر وہ بھی خدا کی طرف سے تھی اور یہ تمہاری شریعت بھی خدا کی
 طرف سے ہے تو دونوں میں یہ اختلاف کیسا ہے؟ دوسرا احترام میں یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں بہت سی حرمت کا جو قانون
 تھا اس کو بھی تم نے اڑا دیا ہے۔ یہ تمہارا اپنا خود مختار ذرا ذل ہے یا اللہ ہی نے اپنی دو شریعتوں میں دو تضاد حکم
 دے رکھے ہیں؟

۱۸ اللہ اشارہ ہے سورۃ انعام کی آیت وَ عَلَى الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا وَدَّ اَحْوَمًا كُلٌّ يَدْعُو بِلِقَاءِ رَبِّهِ (دکوع ۱۸)

کی طرف جس میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں پران کی نافرمانیوں کے باعث خصوصیت کے ساتھ کون کونسی چیزیں حرام
 کی گئی تھیں۔

اس جگہ ایک اشکال پیش آتا ہے۔ سورۃ نحل کی اس آیت میں سورۃ انعام کی ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ انعام اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لیکن ایک مقام پر سورۃ انعام میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمَا نَكُودُ
 اَلَا نَا كُلُّوْا مِمَّا ذُكِّرَ اَسْمًا مَّا عَلِمُوْا عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ نَكُودُ مَا حَوَّرَ عَلَيْهِ نَكُودُ (دکوع ۱۴)۔ اس میں سورۃ نحل کی طرف
 صاف اشارہ ہے، کیونکہ کئی سورتوں میں سورۃ انعام کے سوا ہی ایک سورۃ ہے جس میں حرام چیزوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کونسی سورۃ پہلے نازل ہوئی تھی اور کونسی بعد؟ ہمارے نزدیک صحیح جواب یہ ہے
 کہ پہلے سورۃ نحل نازل ہوئی تھی جس کا حوالہ سورۃ انعام دیکھنا ۱۴ کی مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ بعد میں کسی موقع پر
 کفار نے سورۃ نحل کی ان آیتوں پر وہ اعتراضات وارد کیے جو ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت سورۃ انعام نازل ہو چکی
 تھی۔ اس لیے ان کو جواب دیا گیا کہ ہم پہلے یعنی سورۃ انعام میں بتا چکے ہیں کہ یہودیوں پر پسند چرینی خاص طور پر حرام
 کی گئی تھیں۔ اور چونکہ یہ احترام سورۃ نحل پر کیا گیا تھا اس لیے اس کا جواب بھی سورۃ نحل ہی میں جگہ بہ جگہ
 طور پر درج کیا گیا۔

لَعَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱۹ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا
وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۰ شَاكِرًا اِلَّا نِعْمَةً اٰجَتْبٰهُ وَهَدٰهُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۲۱ وَاَتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّوَرَّاهُ
فِى الْاٰخِرَةِ لِمَنِ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۲۲ ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ
اَتْبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳

اُن کے لیے غفور اور رحیم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا
طبیع فرمان اور ایک نثر۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اس کو
منتخب کر لیا اور سید صالحہ امت دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے
ہوگا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ ایک سوہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

۱۱۹ یعنی وہ کیلا انسان بجائے خود ایک امت تھا جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا تو ایک طرف وہ اکیلا اسلام
کا طبر دار تھا اور دوسری طرف ساری دنیا کفر کی طبر دار تھی۔ اُس اکیلے بندہ خدا نے وہ کام کیا جو ایک امت کے کرنے کا
تھا۔ وہ ایک شخص نہ تھا بلکہ ایک پورا ادارہ تھا۔

۱۲۰ یہ عزیمت کے پہلے اعتراف کا عمل جواب ہے۔ اس جواب کے دو اجزاء ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کی شریعت
میں تضاد نہیں ہے، جیسا کہ تم نے یودیوں کے مذہبی قانون اور شریعت عہد کے ظاہری فرق کو دیکھ کر گمان کیا ہے، بلکہ
دراصل یہودیوں کو خاص طور پر ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں چند نعمتوں سے محروم کیا گیا تھا جن سے دوسروں کو محروم
کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسرا جو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام
کا طریقہ ہے اور تمہیں مسلم ہے کہ تم پر ایمانی میں وہ چیزیں حرام نہ تھیں جو یہودیوں کے ہاں حرام ہیں۔ مثلاً خیر دی اور زنا
نہیں کھاتے، گرفتار ہلائی میں وہ حلال تھا۔ یہودیوں کے ہاں شتر مرغ، بوا، خرگوش وغیرہ حرام ہیں، گرفتار ہلائی میں
یہ سب چیزیں حلال تھیں۔ اس جواب کے ساتھ ساتھ کفار کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا گیا کہ تم کو ابراہیم سے کوئی واسطہ
نہیں دیوں کہ تم کو تمہاری طرف سے ہر وقت ایمانی کا اگر کوئی بھی پیرو ہے تو وہ یہی حلال ہے۔ کفار میں سے
معاذ اللہ اعمال میں شرک کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

لِنَسْأَلَ جَوْلَ السُّبُتِ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۶﴾
أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَلَدْنَا

رہا سُبُت، تو وہ ہم نے اُن لوگوں پر مسلط کیا تھا جنہوں نے اس کے احکام میں اختلاف کیا،
اور یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان سب باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے
رہے ہیں۔

اُسے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے

۱۳۶ ہ کفار کو کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔ اس میں یہ بیان کرنے کی حاجت نہ تھی کہ سُبُت بھی یہودیوں
کے لیے مخصوص تھا اور سُبُت ابراہیمی میں درست سبت کا کوئی وجود نہ تھا، کیونکہ اس بات کو خود کفار کو بھی جاننے تھے۔ اس لیے
صرف اتنا ہی اشارہ کرنے پر اکتافیا گیا کہ یہودیوں کے ہاں سبت کے قانون میں جو غمناک تر پاتے جو یہ اہل کتاب میں نہ تھے
بلکہ یہ عید میں یہودیوں کی شرارتوں اور احکام کی منافذ و زبوں کی وجہ سے ان پر عائد کر دی گئی تھیں۔ قرآن مجید کے اس
اشارے کو آدمی ابھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ ایک طرف بائبل کے اُن مقامات کو نہ دیکھے جہاں سبت کے احکام
بیان ہوئے ہیں مثلاً ملاحظہ فرمادج باب ۱۰، آیت ۱۲ تا ۱۱، باب ۲۳، آیت ۱۲ و ۱۳۔ باب ۳۱، آیت ۱۲ تا ۱۶۔
باب ۳۵، آیت ۲ و ۳۔ کئی باب ۱۵، آیت ۳۲ تا ۳۶ اور دوسری طرف اُن جہاتوں سے واقف نہ ہو جو یہودی
سبت کی حرمت کو توڑنے میں ظاہر کرتے رہے مثلاً ملاحظہ فرمائیے باب ۱۶، آیت ۲۱ تا ۲۶۔ حزقی ایل باب ۱۸،
آیت ۱۲ تا ۱۴)

۱۳۷ یعنی دعوت میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہئیں۔ ایک حکمت۔ دوسرے عمدہ نصیحت۔

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بعد قرون کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دلائل کے ساتھ طالب کی
ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر تیز و سوجھ و مل کر دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی کھڑی نہ بنایا
جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج
کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے درمطلب ہیں۔ ایک یہ کہ خطاب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے
بلکہ اس کے جذبات کو بھی پھیل کیا جائے۔ بڑائیوں اور گروہوں کا نفس متعلیٰ حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ ان

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ
وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ
مَا أَخَوْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۷﴾ وَ
اصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۖ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ
فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۸﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا

مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے
بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔ اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر
زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمدؐ! صبر سے
کام کیے جاؤ۔ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی عوالت پر سوچ نہ کرو اور نہ
ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں

کی فطرتیں ان کے لیے جو پسندانی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی اُجھارا جائے اور ان کے بُرے نتائج کا خوف دلایا
جائے۔ ہدایت اور نل مصالح کی صف صحت اور غریبی عطا ثبات نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا
کیا جائے۔ نہ سرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور غیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ
سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے
دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

﴿۱۸﴾ یعنی اس کی زینت محض مناظرہ بازی اور عقل کشی اور ذہنی دھج کی نہ ہو۔ اس میں کجی بھٹان اور
الزام تراشیاں اور جھڑپیں اور پھبتیاں نہیں ہوں۔ مگر لاف و حریف و مقابل کو چھپ کر دینا اور اپنی زبان اور دلی کھونٹے
بھانپنا نہ ہو۔ بلکہ اس میں شیعہ و سنی کا کوئی اعلیٰ درجہ کا شریعتی سنا حفظ ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب
کے مانند خدا و رب کی کج ادبیت و غریبی پسند نہ ہونے دی جائے۔ سید سے سید سے طریقے سے اس کو بات
سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کجی بخوبی بہتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے
تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔

وَالَّذِينَ هُمْ يُحْسِنُونَ ﴿۳۸﴾

اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔ ۳۸

۳۸ یعنی جو خدا سے ڈر کر ہر قسم کے بُرے طریقوں سے پرہیز کرتے ہیں اور ہمیشہ نیک رویہ پر قائم رہتے ہیں۔ دوسرے ان کے ساتھ خواہ کتنی بھی برائی کریں وہ ان کا جواب برائی سے نہیں بلکہ بخلائی ہی سے دیے جاتے ہیں +

تفسير القرآن (٢)

بنی اسرائیل

(١٤)

بنی اسرائیل

نام | پہلے رکوع کی چوتھی آیت وَقَضَيْنَا اِلٰی بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ رَفِیْ اٰلِکَکْبِیْ سے آغاز ہے۔
معرّج اس میں موضوع بحث بنی اسرائیل نہیں ہیں، بلکہ یہ نام بھی اکثر قرآنی سورتوں کی طرح معرفت کے
طریقہ پر رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول | پہلی ہی آیت اس بات کی نشان دہی کر دیتی ہے کہ یہ سورت معراج کے موقع پر نازل
ہوئی ہے۔ معراج کا واقعہ حدیث اور میرت کی اکثر روایات کے مطابق ہجرت سے ایک سال پہلے پیش
آیا تھا۔ اس لیے یہ سورت بھی انہی سورتوں میں سے ہے جو مکی مہد کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔
پس منظر | اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے ۱۲ سال گزر چکے تھے۔ آپ کے
خاص آپ کا راستہ روکنے کے لیے سارے مکی کرچکے تھے۔ حمران کی تمام مراعاتوں کے باوجود آپ
کی آواز عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی تھی۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا تھا جس میں دو ہزار آدمی آپ کی
دعوت سے متاثر نہ ہو چکے ہوں۔ خود مکہ میں ایسے فطس لوگوں کا ایک مختصر جھانڈکا تھا جو ہر خطبے کو
اس دعوت حق کی کایاں کیسے لیے انگیز کرنے کو تیار تھے۔ دینے میں اوس اور غزوانہ کے فاقہ و قیولوں
کی بڑی تعداد آپ کی حامی بن چکی تھی۔ اب وہ وقت قریب آگیا تھا جب آپ کو مکہ سے دینے کی طرف
منتقل ہو جانے اور منتشر مسلمانوں کو سمیٹ کر اسلام کے امور لوں پر ایک ریاست قائم کر دینے کا موقع
ملنے والا تھا۔

ان حالات میں معراج پیش آئی، اودا پس پر یہ پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو سنایا۔
موضوع اور مضمون | اس سورت میں تنبیہ، تحسین اور تعظیم، تینوں ایک متناسب انداز میں جمع کر دی
گئی ہیں۔

تنبیہ، کفار مکہ کو کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے انجام سے سبق لیا اور خدا کی
دی ہوئی نصرت کے اندر جس کے ختم ہونے کا زمانہ قریب آگیا ہے، سنبھل جاؤ، اودا اس دعوت کو قبول کرلو
جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے پیش کیا جا رہا ہے۔ ورنہ خدا دیسے جاؤ گے اور تمہاری جگہ
دوسرے لوگ زمین پر بسائے جائیں گے۔ نیز مضمون بنی اسرائیل کو بھی، جو ہجرت کے بعد مغرب زبلیں

وحی کے مخاطب ہونے والے تھے یہ تعبیر کی گئی ہے کہ پہلے جو سرزنش ہمیں ملی تھی میں اُن سے عبرت حاصل کرنا اور اب جو موقع ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مل رہا ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ یہ آخری موقع بھی اگر تم نے کھو دیا اور پھر ایسی باتیں دوش کا اعادہ کیا تو دردناک انتہام سے دوچار ہو گے۔

تفہیم کے پہلو میں بڑے دلنشین طریقے سے سمجھایا گیا ہے کہ انسانی سعادت و شقاوت اور صلاح و خسران کا دار و راصل کن چیزوں پر ہے۔ توحید، عبادت، نبوت اور قرآن کے برحق ہونے کی دلیل دی گئی ہیں اُن شہادت کو رخ کیا گیا ہے جو ان بنیادی حقیقتوں کے بارے میں کفار کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے۔ اور استدلال کے ساتھ بیچ بیچ میں حکم کی جہالتوں پر زبرد تو بیچ بھی کی گئی ہے۔

تفہیم کے پہلو میں اخلاق و برتن کے وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر زندگی کے نظام کو قائم کرنا کن دعوت محمدی کے پیش نظر تھا۔ یہ گویا اسلام کا منشور تھا جو اسلامی ریاست کے قیام سے ایک مال پہلے اہل عرب کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ یہ خاک ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کی اور پھر پوری انسانیت کی زندگی کو تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

ان سب باتوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ملی گئی ہے کہ مشکلات کے اس طوفان میں مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہیں اور کفر کے ساتھ مصالحت کا خیال تک نہ کریں۔ نیز مسلمانوں کو جو کبھی کبھی کفار کے ظلم و ستم اور دین کی کج سمجھیوں اور ان کے طوفان کذب و افتراء پر بے ساختہ جھجھلا اُٹھتے تھے، تلقین کی گئی ہے کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہیں اور بیخ و بصلح کے کام میں اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ اس سلسلہ میں اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کے لیے اُن کو فہار کا نسخہ بتایا گیا ہے، کہ یہ وہ چیز ہے جو تم کو اُن صفات عالیہ سے متصف کرے گی جن سے راد حق کے جہادوں کو آسان و آہستہ ہونا چاہیے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا موقع ہے جب بیخ و بصلح و توازن پابندی اوقات کے ساتھ مسلمانوں پر فرض کی گئی۔

الَّذِي ۝ أَيَاتُهَا ۝ سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ مَكِّيَّةٌ ۝ ذُكِرَ آيَاتُهَا ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْبُحْرَانُ ۝ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۝
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ آيَاتِنَا إِنَّكَ

پاک ہے وہ جو نے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے وود کی اس مسجد تک جس کے
ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانوں کا شاہدہ کر سکتے۔ حقیقت میں یہی ہے

۱۔ یہ وہی واقعہ ہے جو اصطلاحاً "معراج" اور "مہراج" کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر وہ معتبر روایات کی رو سے یہ
واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ حدیث حدیث کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیلات کم کثرت سے ملتی ہیں مگر
تعداداً ایک ہی ہے۔ ان میں سے تفصیل ترین روایات حضرت انس بن مالک، حضرت مالک بن فضال، حضرت ابوہریرہؓ
اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ،
حضرت ابوسید خدریؓ، حضرت عذیر بن بیانؓ، حضرت عائشہؓ اور متعدد دوسرے صحابہؓ سے بھی اس کے بعض اجزاء بیان
کئے ہیں۔

قرآن مجید میں صرف مسجد حرام یعنی بیت اللہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ایک حضور کے جلسہ کی تصریح کرتا
ہے اور اس سفر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل
قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ حدیث میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کے وقت جبریل علیہ السلام آپ کو اٹھا کر
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بلاق پر لے گئے۔ وہاں آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر وہ آپ کو عالم ہالا
کی طرف لے چلے اور وہاں مختلف طبقات سلویٰ میں مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آخر کار آپ تعالیٰ
بلندیوں پر پہنچ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے اور اس حضوری کے موقع پر دوسری اہم بیانات کے علاوہ آپ کو سوچ و فکر نماز
کی حریت کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس کی طرف چلے آئے اور وہاں سے مسجد حرام واپس تشریف لائے۔ اس سلسلے
میں کثرت دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سخت حد و حد کا بھی شاہدہ کرایا گیا۔ نیز مستند روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ
دوسرے معجزات آپ نے اس واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا تو کفار کو ان کے کاست خالق اور ایماندار مسلمانوں میں سے بھی
بہن کے ایمان تزلزل ہو گئے۔

حدیث میں یہ زائد تفصیلات قرآن کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اس کے بیان پر اضافہ ہیں اور ظاہر ہے کہ انسانی فکر

قرآن کے خلاف کہہ کر رو نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصے کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، بلکہ جس واقعے کی تصریح قرآن کریم کر رہا ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔

اس سفر کی کیفیت کیا تھی؟ یہ عالم خواب میں پیش آیا تھا یا بیداری میں؟ اور آیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جگر، پیٹے، پیٹے، منہ، روحانی طور پر ہی خواب کو یہ مشاہدہ کرا دیا گیا؟ ان سوالات کا جواب قرآن مجید کے الفاظ خود دے رہے ہیں۔ ”مبصن الذی اوحیٰ سے بیان کی ابتدا کرنا خود تبارہ ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے مدد نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یا بہت نہیں رکھنا کہ اسے بیان کرنے کے لیے اس تہذیب کی ضرورت ہو کہ تمام کلاموں اور قصص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمدے کر خواب دکھایا یا کشف میں کچھ دکھایا۔ پھر یہ الفاظ بھی کہ ”ایک رات اپنے بندے کو لے گیا جہاں اس سفر پر مصداقات کرتے ہیں۔“ خواب کے سفر، یا کشفی سفر کے لیے یہ الفاظ کسی طرح محروم نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہمارے لیے یہ ماننے میں جادہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جہاں سفر یعنی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔

اب اگر ایک ذات میں ہوائی جہاز کے بغیر کر کے بیت المقدس جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا، تو آفریقہ دوسری تفصیلات ہی کو ناممکن کہہ کر لوگوں کو روک دیا جائے جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس صورت میں پیدا ہوئی ہے جب کہ کسی مخلوق کے اختیار خود کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو۔ لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے مخلوق کو کام کیا، تو پھر امکان کا سوال وہی شخص ہوتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسری تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر مذکور حدیث کی طرف سے حدود اعتراضات کیے جاتے ہیں، مگر ان میں سے صرف وہی اعتراضات ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر تعظیم ہونا لازم آتا ہے اور نہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لیے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کر کے ایک مقام خاص تک لے جایا جاتا؟

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث اور جنت کا مشاہدہ اور بعض لوگوں کے مبتلائے عذاب ہونے کا معاملہ کیسے کرا دیا گیا جبکہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے؟ یہ کیا کوئی منہ بولا فیصلہ تو ہونا ہے قیامت کے بعد، اور کچھ لوگوں کو سزا دے ثانی گئی ابھی ہے؟

لیکن وہ اصل یہ دونوں اعتراضات بھی قلت فکر کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض اس لیے غلط ہے کہ خالق ہی ذات میں تو بلا حائل واطلاق شان رکھتا ہے، مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوری کی بنا پر محدود و ماضی اختیار کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ محدود طریقہ استعمال کرتا ہے جسے ایک انسان سن اور سمجھ سکے، حالانکہ جہان سے خدا کا کلام ایک اطلاق شان رکھتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے بندے کو اپنی عظمت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اسے لے جاتا ہے اور جہاں جو چیز دکھانی جاتی ہے اسی جگہ دکھاتا ہے، کیونکہ

هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى
لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلاً ۝

سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔

ہم نے اس سے پہلے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا تھا، اس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بنانا۔

ساری کائنات کو ایک دقت جس طرح نہیں دیکھ سکتا جس طرح خدا دیکھتا ہے۔ خدا کو کسی چیز کے مشاہدے کے لیے کہیں جہان کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر بندے کو ہوتی ہے یہی معاملہ خالق کے حضور باریانی کا بھی ہے کہ خالق بذات خود کسی مقام پر حتمی نہیں ہے، مگر بندہ اس کی وفات کے لیے ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں اس کے لیے تجلیات کو مرکز کیا جائے۔ وہ اس کی شان اطلاق میں اس سے وفات بندہ محمد کے لیے ممکن نہیں ہے۔

مراہد سرا احتراض تو وہ اس لیے غلط ہے کہ مروج کے موقع پر بہت سے مشاہدات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو قائل کر کے دکھایا گیا تھا مثلاً ایک فتنہ انگیزات کی یہ تیشیل کہ ایک ذرا سے شگاف میں سے ایک ہوشا اسرائیل نکلا اہم پھر میں وہیں نہ ہاں سا۔ یادنا کا دل کی تیشیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر اسے سچو کر پڑا گوشت کھا رہے ہیں۔ اسی طرح ہر مسماہال کی جو سزائیں آپ کو دکھائی گئیں وہ بھی تیشیل رنگ میں عالم قدرت کی مظلوم کا یہ شہ گئی مشاہدہ تھیں۔

اصل بات جو مروج کے سلسلے میں کچھ فیہی ہاں یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی خاصیت سے حکومت سموات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور آدمی حایات ہی میں سے ہٹا کر انھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں کہ ان پر ایمان یا قیظ لانے کی دھمت دینے پر وہ مامور کیے گئے تھے، تاکہ ان کا مقام ایک نفسی کے مقام سے اعلیٰ میز ہو جائے۔ نفسی ہو کچھ بھی کہتا ہے قیاس و انداز ان سے کہتا ہے، وہ خود ان کی حقیقت سے واقف ہو کر کسی اپنی کسی رائے کی صداقت پر شہادت دے گا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کے بنا پر کہتے ہیں، اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں کو بھی حقیقتیں ہیں۔

۱۳ مروج کا ذکر صرف ایک فقرے میں کر کے یکایک بنی اسرائیل کا یہ فکر جو شروع کر دیا گیا ہے، سرسری نگاہ میں یہ آدمی کو کچھ بے جڑ مراموس ہوتا ہے۔ مگر سورت کے مدعا کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اس کی مناسبت صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ سورت کا اصل مدعا کفار کو کہتے ہیں کہ تم نے اس مروج کا ذکر صرف اس غرض سے کیا ہے کہ تم نے اس کی مدح میں کیا ہے۔ اس کے بعد

ان کو قوس کے قبضے میں کر دیا اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران بن گئے؟

(باب ۱۰۶- آیات ۲۴-۴۱)

اس جہاد میں ان واقعات کو جو بعد میں ہونے والے تھے، بیسٹراحتی بیان کیا گیا ہے، گو یا کہ وہ ہرچے-یکچے آسانی کا خاص اعلاذ بیان ہے۔

پھر جب یہ فساد عظیم رونما ہو گیا تو اس کے نتیجے میں کسے عالی تہا بھی کی خبر حضرت یسواہ نبی اپنے صحیفہ میں لکھ دیتے ہیں:

”ہذا خطا لکھو، ہد کر ہدی سے ہدی ہوئی قوم، ہد کر ہاروں کی نسل، ہد کر اولاد، جنہوں نے خدا کو ترک کیا، اسوئل کے تقدس کو حقیر جانا اور گراہ و برگشتہ ہو گئے، تم کیوں زیادہ بغاوت کر کے اور ہد کھاؤ گے؟“ (باب ۱- آیت ۴-۵)

”وفاخانہ کی کسی ہد کر ہو گئی! وہ تو انصاف سے معذور تھی اور دستبازی میں میں ہستی تھی، لیکن اب طہنی رہتے ہیں۔۔۔۔۔ تیرے سر ہار گرنے کش اور چروں کے ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رشتہ دوست اور انعام طلب ہے۔ وہ تمہیں کا انصاف نہیں کہتے اور جو ان کی فریاد ان تک نہیں پہنچتی۔ اس لیے خداوند رب الاسوئل کا تادیبوں فرما ہے کہ آہ، میں خرد اپنے مخالفوں کے آرام پاؤں گا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔“ (باب ۲۱- آیت ۲۴)

”وہ اہل مشرق کی رسوم سے پڑ ہیں اور نصیبوں کی مانند شگون بچتے اور بیگانوں کی اولاد کے ساتھ ہاتھ پڑا ہوا ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ انسان کی سرزمین جوں سے بھی پڑ ہے۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں کی صنعت، یعنی اپنی ہی انگلیوں کی کارگیری کو حمد کہتے ہیں۔“ (باب ۲- آیت ۶-۸)

”اور خداوند فرماتا ہے، چونکہ صیون کی بیٹیاں (یعنی یروشلم کی رہنے والیاں)، شکریوں اور گردن کشی اور شرمناک چہی سے غرماں ہوئی اور اپنے پاؤں سے ناز و تازی کرتی اور گنگنہ و بجاتی ہاتی ہیں اس لیے خداوند صیون کی بیٹیوں کے سر گھنے ہار ان کے بدن پہن کر دے گا۔۔۔۔۔ تیرے سادہ تر بھی جو گنگے اور تیرے پہلوں جنگ میں تکل ہوں گے۔ اس کے چھانک ماتم اور فرعونوں کے دور وہ اچانک ہو کر فاک پر بیٹھ گئی۔“ (باب ۳- آیت ۱۶-۲۶)

”اب دیکھ، خداوند ریاست عزت کے سخت شدید صلابت یعنی شاہ اسد (اسیرا)، اور اس کی ساری شوکت کو ان پر چڑھا لائے گا اور وہ اپنے سب نالوں پر اور اپنے سب کناروں پر بہرے لگے گا۔“ (باب ۸- آیت ۷)

”یعنی لوگ اور جو بڑے نرزدہ ہیں جو خدا کی شریعت کو سننے سے انکار کرتے ہیں، جو غیب میں سے کہتے ہیں کہ گلاب نبی، نہ کرو، اور انہیں سے کہ ہم پہنچ نہیں تھاہر نہ کرو۔ ہم کو خوشگوار باتیں سننا اور ہم سے

میر کیا تو انھوں نے بدکاری کی اور پسے باندھ کر قہر خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کے باندھ گئے، ہر ایک صبح کے وقت اپنے بڑوسی کی بیوی پر بٹھاتا تھا۔ خدا فرماتا ہے کیا میں ان باقوں کے لیے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟ (باب ۵۔ آیت ۱-۹)

”اے اسرائیل کے گھرانے! دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو نہیں سمجھتا۔ ان کے رکش کھلی قبل میں۔ وہ سب ہمارے مرد ہیں۔ وہ تیری نسل کا اناج اور تیری دھٹی جو تیرے پیڑوں بیٹیوں کے کمانے کی تھی کھا جائیں گے۔ تیرے گائے تیل اور تیری بکریوں کو چھڑک جائیں گے۔ تیرے انگور اور بھیر نکل جائیں گے۔ تیرے مضبوط شہروں کی جگہ زبیر بھروسہ نوار سے دیوان کریں گے۔ (باب ۵۔ آیت ۱۵-۱۷)

”اس قوم کی لاشیں ہوائی پر ندیوں اور ندیوں کے درندوں کی خواگاہ ہوں گی اور ان کو کوئی نہ ہنسنے لگا۔ میں یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں خوشی اور شادمانی کی آواز دہلانا اور دھن کی آواز موقوف کر دوں گا کیونکہ یہ ملک دیوان ہو جائے گا۔ (باب ۷۔ آیت ۳۳-۳۴)

”ان کو میرے سامنے سے نکال دے کہ چلے جائیں۔ اور جب وہ پہنچیں کہ ہم کہہ رہے ہیں تو ان سے کہنا کہ خداوند لیل فرماتا ہے کہ جو موت کے لیے ہیں وہ موت کی طرف، اور جو تلوار کے لیے ہیں وہ تلوار کی طرف اور جو کال کے لیے ہیں وہ کال کی اور جو سیڑی کے لیے ہیں وہ سیڑی میں۔ (باب ۱۵۔ آیت ۲-۳)

پھر میں وقت پر عزرائیل نبی اٹھے اور انھوں نے یروشلم کو خطاب کر کے کہا:

”اے شہر تو اپنے اندر خوریزی کرتا ہے تاکہ تیرا وقت آجائے اور تو اپنے لیے بُت بناتا ہے تاکہ تجھے ناپاک کر دوں۔۔۔۔۔ دیکھ اسرائیل کے امراء کچے سب جو تجھ میں ہیں مفید اور خوریزی پر مستعد تھے۔ تیرے اندر انھوں نے مل باپ کو حجر جانا۔ تیرے اندر انھوں نے بڑے بیویوں پر ظلم کیا۔ تیرے اندر انھوں نے تمہیں اور عیلاؤں پر تم کیا۔ تو نے میری پاک چوڑوں کو ناپاک جانا اور میرے بہتوں کو ناپاک کیا۔ تیرے اندر میں جو غلواری کر کے غلی کر رہے ہیں۔ تیرے اندر وہ ہیں جو تہوں کی قربانی سے کھاتے ہیں۔ تیرے اندر میں جو فسق و فجور کرتے ہیں۔ تیرے اندر وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنے باپ کی عروشی کی۔ تجھ میں انھوں نے اُس عورت سے جو ناپاک کی حالت میں تھی مباشرت کی۔ کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی، کسی نے اپنی جو سے بد ذاتی کی اور کسی نے چنی بن، اپنے باپ کی بیٹی کو تیرے اندر رکھا۔ کیا تیرے اندر انھوں نے خوریزی کے لیے رشوت خوری کی۔ تو نے بیان اور سودیہ اور خلم کر کے اپنے بڑوسی کو لٹا اور مجھے غارتش کیا۔۔۔۔۔ کیا تیرے ہاتھوں میں زور ہو گا جب میں تیرا سامان فیصل کر دوں گا۔۔۔۔۔ ہاں میں تجھ کو قوموں میں بڑھتر کر دوں گا اور تیری گندگی تجھ میں سے نابود کر دوں گا اور تو قوموں کے سامنے اپنے آپ

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ
الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ

اسے بنی اسرائیل، ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اُٹھائے جو نہایت زوردار اور قہر مند تھے اور وہ تمہارا ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں

میں ناپاک شیرے لگا اور معلوم کر کے لگا کر میں خداوند ہوں (باب ۲۲، آیت ۲-۱۶)
یہ قیس وہ تنبیہات جو بنی اسرائیل کو پہلے خدا عظیم کے مرتع پر لگی تھیں۔ پھر دوسرے خدا عظیم اور اس کے بولناک نتائج پر حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو خبردار کیا۔ سنی باب ۲۲ میں آنجناب کا ایک فضیل علیہ صبح ہے جس میں وہ اپنی قوم کے شدید اخلاقی زوال پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”اسے یروشلم! اسے یروشلم! تو ہم نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا“

کتی باریں نے چاہا کہ جس طرح مرفی اپنے بچوں کو پرہیزگار بنائے جس کو کیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے ملاکوں کو جمع کر لوں، مگر تو نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے بیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ (آیت ۳۶-۳۸)

”میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گروانا نہ جائے۔“ (باب ۲۲، آیت ۲۸)

پھر جب لدی حکومت کے اہل کار حضرت مسیح کو ملیب دینے کے لیے لے جا رہے تھے اور لوگ ان کی ایک بھیڑ مچ رہی تھی، رومی پستی ان کے پیچھے جا رہی تھیں، تو انہوں نے اتنی خطاب کرتے ہوئے جمع سے فرمایا:

”اے یروشلم کی بیٹی! میرے لیے نہ روؤ، بلکہ اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے مدد کر، کیونکہ دیکھو، وہ

دن آتے ہیں جب کہیں گے کہ ہمارے بچے باہجس اور وہ پیٹ ہو نہ بنے اور وہ چھاتیان جنہوں نے مدد وہ

نہ پلایا۔ اس وقت وہ ہماروں سے کہنا شروع کریں گے کہ ہم پر گڑبڑ اور ٹیلوں سے کہ ہمیں چھپاؤ۔“

(زنا، باب ۲۳، آیت ۲۸-۳۰)

۱۵ اس سے مراد وہ ہر ملک تھا جیسا کہ جو خریدیں اور اہل بائبل کے ساتھیوں بنی اسرائیل پر نازل ہوئی۔ اس کا تاریخی پس منظر سمجھنے کے لیے صرف وہ اقتباسات کافی نہیں ہیں جو اوپر ہم مضرب انبیاء سے نقل کر چکے ہیں بلکہ ایک مختصر تاریخ بیان بھی ضروری ہے تاکہ ایک طالب علم کے سامنے وہ تمام اسباب آجائیں جن کی وجہ سے آخر قحطی نے ایک عالمی کتاب قوم کو امتیاز اقرام کے منصب سے لگا کر ایک شکست خوردہ، نظام اور سخت پسماندہ قوم بنا کر رکھ دیا۔

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف قومیں آباد تھیں، یعنی، اقنوی، کنانی، فریزی، عجمی، عبرسی، مصری وغیرہ۔ ان قوموں میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا۔ ان کے سب سے بڑے معبود مال

تھا جسے یہ دیوتاؤں کا باپ کہتے تھے اور اسے عزمًا ساندے سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ اس کی پوری کا نام شیرو تھا اور اس سے خلیفہ اور خداؤں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد ۷۰ تک پہنچی تھی۔ اس کی اولاد میں سب سے زیادہ فہرست نسل تاجس کو پادشاہ اور رئیس کی کا خدا اور زمین و آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ شمالی علاقوں میں اس کی پوری اثاثہ کمالات تھی اور فلسطین میں عتلات۔ یہ وہ نسل تھی جسے ابراہیمؑ اور اس کی اولاد نے اپنی نسل کی دیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ کرنی دیوتاؤں کا مالک تھا، کسی دیوی کے قبضے میں محبت تھی، کسی دیوتا کو باور رکھنے والے کے اختیار اور لغویں کے گئے تھے اور میں ساری خداؤں بہت سے محمودوں میں بڑی تھی۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی طرف ایسے ایسے ذلیل اور صاف و اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی حیثیت امتیازی ہر کار انسان بھی ان کے ساتھ مشہور و ناپسند نہ کر سکتا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسی کہیں بہتوں کو خدا بنائیں اور ان کی پرستش کریں وہ اخلاق کی ذلیل ترین پستیوں میں گرنے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جو حالات آئندہ کی کھلیوں سے حدیث ہوئے ہیں وہ شدید اخلاقی گڑبگڑ کی شہادت ہم پہنچاتے ہیں۔ ان کے اُن بچوں کی قربانی کا عام رواج تھا۔ ان کے صاحبزادگاناری کے اٹھے بنے ہوئے تھے۔ عورتوں کو دیوتاؤں کی عبادت کا بول میں رکھنا انسان سے بدکاریاں کرنا عبادت کے اجزاء میں داخل تھا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی بد اخلاقیات ان میں سے چلی ہوئی تھیں۔

قرآن میں حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ تم حق قوموں کو ہلاک کر کے ان کے قبضے سے فلسطین کی سرزمین میں لینا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی و اقتصادی نظام میں جھلکا ہونے سے پرہیز کرنا۔

لیکن بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ اس ہدایت کو بھول گئے۔ انہوں نے اپنی کوئی عمدہ سلطنت قائم نہ کی۔ وہ قبائلی جمعیت میں مبتلا تھے۔ ان کے ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوح علاقے کا ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ اس تفرقہ کی وجہ سے ان کا کوئی قیام بھی اتنا طاقتور نہ ہو سکا کہ اپنے علاقے کو مشترکین سے پوری طرح پاک کر دیتا۔ ان کو رانہ لیں یہ گوارا کرتا تھا کہ مشترکین ان کے ساتھ ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے مفتوح علاقوں میں جگہ جگہ ان مشرک قومن کی چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں بھی موجود رہیں جن کو بنی اسرائیل سحر و کر کے۔ اسی بات کی شکایت زبور کی اُس جملہ میں کی گئی ہے جسے ہم نے حاشیہ ۷ کے آغاز میں نقل کیا ہے۔

اس کا پہلا فیاضہ قرآن میں لکھا ہے کہ ان قوموں کے ذریعے سے ان کے اندر شرک گھس آیا اور اس کے ساتھ بتدريج دوسری اخلاقی گندگیاں بھی داہانے لگیں۔ چنانچہ اس کی شکایت بائبل کی کتاب تھنا تیس میں دی گئی ہے:

”اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی اور سلیم کی پرستش کرنے لگے۔ اور انہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو جانشین ملک مصر سے نکال لیا تھا چھوڑ دیا اور دوسرے محمودوں کی جگہ ان کے گناہگاروں کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیر دی کر کے اور ان کو سجدہ کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا۔ وہ خداوند کو چھوڑ کر اپنی اور ستاروں کی پرستش کرنے لگے اور خداوند کا قہر اسرائیل پر بھروسہ۔“

(ہاب ۲-آیت ۱۱-۱۳)



اس کے بعد دوسرا خیازہ انیس یہ مملکت پڑا کہ جن قوموں کی ضمری میا میں انھوں نے چھوڑ دی تھیں انھوں نے لیلہ
فلسطینوں نے، جن کا پہلا علاقہ غیر مغرب رہا تھا، یعنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا اور پہلے درپے حملے کر کے
فلسطین کے بڑے حصے سے ان کو بلے و غل کر دیا، حتیٰ کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق (تاوٹ) سیکڑے تک چھین لیا۔
آخر کار یہی اسرائیل کو ایک فرمانہا کے تحت اپنی ایک متحدہ مملکت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور ان کی درخواست
پر حضرت موسیٰ نے مسئلہ قبل مسیح میں طاعت کران کا بادشاہ بنایا۔ (اس کی تفصیل سورہ بقرہ رکوع ۲۷ میں گنجد کی جگہ)
اس متحدہ مملکت کے تین فرمانہا ہوئے۔ طاعت (مسئلہ تاسئلہ ق م)، حضرت داؤد علیہ السلام (مسئلہ
تاسئلہ ق م) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (مسئلہ تاسئلہ ق م)۔ ان فرمانہاؤں نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی
اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ صرف شمالی ساحل پر یسعیوں کی اور جنوبی ساحل پر فلسطینوں کی ریاستیں
باقی رہ گئیں جنہیں مسخر نہ کیا جاسکا اور محض راج گزرا بنانے پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت سلیمان کے بعد بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا پھر شدید طغیاء ادا انھوں نے آپس میں لڑکر اپنی وادائیک فلسطین
تاکم کر لیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں مملکت اسرائیل، جس کا پایہ تخت آخر کار سامریہ قرار پایا۔ اور جنوبی فلسطین اور
اردن کے علاقے میں مملکت یہودہ جس کا پایہ تخت یروشلم رہا۔ ان دونوں مملکتوں میں سخت رقابت اور کشاکش اہل ہوز سے
شروع ہو گئی اور آخر تک یہی۔

ان میں سے اسرائیلی ریاست کے فرمانروا اور بادشاہندے ہمایہ قوموں کے مشرک اور عقائد اور اخلاق و فساد سے
سبک پہلے اور سبک زیادہ متاثر ہوئے اور یہ حالت اپنی انتہا تک پہنچ گئی جب اس ریاست کے فرمانروا انھی انجے عیسا کی
مشرک خمر خاوی آبیروں سے شادی کر لی۔ اس وقت حکومت کی طاقت اور ذرائع سے شرک اور بد اخلاقیوں سیلاب کی طرح
اسرائیلیوں میں پھیلنے شروع ہوئیں اور حضرت الیاس اور حضرت الیسع علیہما السلام نے اس سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش
کی مگر یہ قوم جس تنزل کی طرف جا رہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ آخر کار اللہ کا غضب انھوں پر کی شکل میں دولت اسرائیل کی
طرف منتزع ہوا اور فرس صدی قبل مسیح سے فلسطین پر آشوری فاتحین کے مسلسل حملے شروع ہو گئے۔ اس دور میں عاموس نبی
(مسئلہ تاسئلہ قبل مسیح ۷۵۰) اور یسع نبی (مسئلہ تاسئلہ قبل مسیح ۷۲۵) نے اٹھ کر اسرائیلیوں کو پہلے دسپے تنبیہات
کیں، مگر جس غفلت کے نئے میں وہ مرشارتہ دہ قبیہ کی ترشی سے اور زیادہ تیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ عاموس نبی کو شاہ اسرائیل
نے ملک سے نکل جانے اور دولت سامریہ کے حدود میں اپنی نبوت بند کر دینے کا فوش دے دیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ
امت دگڑی تھی کہ خدا کا غضب اسرائیلی مملکت اور اس کے بادشاہندوں پر ٹوٹ پڑا۔ مسئلہ قبل مسیح میں آشور کے
سخت گیر فرمانروا سادگون نے سامریہ کو فتح کر کے دولت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا، ہزار ہا اسرائیلی نہ تیج کیے گئے، ۷۰ ہزار
سے زیادہ باختر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر آشوری مملکت کے مشرقی اضلاع میں مقرر کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں
سے لاکھ خیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بٹایا گیا جن کے درمیان وہ بس کرنا کچھ اسرائیلی عنصر بھی اپنی قومی تہذیب سے
لہو بہو زیادہ بیگانہ برتا چلا گیا۔

الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنَيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ
نُفُورًا ۚ إِنَّا أَحْسَنُكُمْ أَحْسَنُكُمْ لَا تَنْفُسَكُمْ فَوَإِنَّ أَسْأَلَكُمْ

اُن پر غلبے کا موقع دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا
دیتی۔ دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی، اور بُرائی کی تو وہ تمہاری اپنی

بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جو یہودیہ کے نام سے حزقی بن نسطین میں قائم ہوئی، وہ بھی حضرت یسایا بن علیہ السلام
بعدیت بدلتی شرک اور باخلاقی میں مبتلا ہو گئی، مگر نسبت اس کا اعتقادی اور اخلاقی زوال دولت اسرائیل کی نسبت سست
و قلد تھا، اس لیے اس کو ملت بھی کچھ زیادہ دی گئی۔ اگرچہ دولت اسرائیل کی طرح اس پر بھی دشمنوں نے بے دریغ حملے
کیے، اس کے شہروں کو تباہ کیا، اس کے باوجود تخت کا عاقر کیا، لیکن یہ ریاست دشمنوں کے ہاتھوں ختم نہ ہو سکی بلکہ قسطن
بلج گزرا، لیکن یہودیہ کی سرحد پر یہاں کی مسلسل کوششوں کے باوجود یہودیہ کے لوگ بہت بستی اور
باخلاقیوں سے باز نہ آئے تو مشرق قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہوشلم بیت پوری دولت یہودیہ کو سمجھ کر
اور یہودیہ کا بادشاہ اس کے پاس قیدی رہ کر رہا۔ یہودیوں کی بلا عامیوں کا سلسلہ اس پر بھی ختم نہ ہوا اور حضرت یرمیاہ کے
سمجھانے کے باوجود وہ اپنے اعلیٰ دست کرنے کے بدلے بابل کے خلاف بغاوت کر کے اپنی قسمت بدلنے کی کوشش
کرنے لگے۔ آخر مشرق قبل مسیح میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کر کے یہودیہ کے تمام بڑے چھوٹے شہروں کی اینٹ سے
اینٹ بجا دی یہوشلم اور اسرائیل سیلائی کو اس طرح پود خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی باقی نہ رہی، یہودیوں کی بہت
بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر ملک میں منتشر کر دیا اور جو یہودی اپنے علاقے میں رہ گئے وہ بھی ہمسایہ قریب
کے ہاتھوں بڑی طرح ذلیل اندھا پال ہو کر رہے۔

یہ قلعہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا تھا، اور یہ تھی وہ پہلی سزا جو اس کی پاداش میں مان کر دی گئی۔

۵۵۔ یہاں تک سامریہ اور اسرائیل کے لوگوں کا تعلق ہے، وہ تو اخلاقی اور اعتقادی فعال کی پستیوں میں گرنے کے بعد پھر نہ اٹھے
مگر یہودیہ کے باشندوں میں ایک بقیہ ایسا موجود تھا جو خیر و قائم اور خیر کی دعوت دینے والا تھا۔ اس نے اُن لوگوں میں
بھی اصلاح کا کام جاری رکھا جو یہودیہ میں بچے بچے نہ گئے تھے، اور اُن لوگوں کو بھی توبہ و تابوت کی ترغیب دی جو بابل
اور دوسرے علاقوں میں جلا وطن کر دیے گئے تھے۔ آخر کار رحمت الہی ان کی مددگار ہوئی۔ بابل کی سلطنت کو زوال پہنچا، ۵۳۸
قبل مسیح میں بابائی فاتح سائرس (خورد یا خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے فرماں جاری کر دیا
کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی تمام اجازت ہے، چنانچہ اس کے بعد یہودیوں کے

جلد حقوق محفوظہ
حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی سلطنت
تقریب القرآن جلد دوم
برائے بنی اسرائیل
صفحہ ۵۹۸
سنہ ۱۳۸۵ قبل مسیح



میرزا محمد علی شاہ
مراہٹو، یو۔ پی.

الحون غوط

برائے بنی اسرائیل
جلد دوم
صفحہ ۵۹

بنی اسرائیل کی دورانیس یہودیہ اور اسرائیل
صفحہ ۵۹

تعبیر القرآن جلد دوم



مکتبہ اسلامیہ
سراہنہ بو-لی

قافلہ پر قافلہ یہودیہ کی طرف جانے شروع ہو گئے جن کا سلسلہ بدلتا رہا۔ سازش نے یہودیوں کو ایک سیلابی کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی دی، مگر ایک عرصے تک ہمسایہ قومیں جو اس علاقے میں آباد ہو گئی تھیں، مزاحمت کرتی رہیں۔ آخر داریوس (دارا) قول نے ۴۸۵ ق م میں یہودیہ کے، سری بادشاہ کے پوتے زرو بائیل کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا اور اس کی نئی، زکریا بنی اور سروکار کاہن یہود کے شریع کی نگرانی میں ایک مقدس سے سرے سے تعمیر کیا۔ پھر ۳۳۳ ق م میں ایک ہلاکت گردہ کے ساتھ حضرت عزیر (عزیر) یہودیہ پہنچے، انہوں نے اورشولیم اور شہر کے ایک کفران کی رو سے ان کو مجاز کیا کہ:

اے خدا کی اُس دانش کے مطابق جو مجھ کو عنایت ہوئی، اے لوگوں! اے تائیدوں کو مقرر کیا کہ مہیا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں یا صاف کوس، اور تم اُس کو جو نہ جانتا ہو سکھادو اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پہلے بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو موقوف نافذی سزا دی جائے، خواہ موت ہو یا جلا وطنی یا بالائی کی تعلق، یا قید۔ (حوراء۔ باب ۸۔ آیت ۲۵-۲۶)

اس فرمان سے فائدہ اٹھا کر حضرت عزیر نے دین موسیٰ کی تجدید کا بہت بڑا کام انجام دیا۔ انہوں نے یہودی قوم کے تمام اہل غیر و صلاح کو ہر طرف سے جمع کر کے ایک مضبوط نظام قائم کیا، بائبل کی کتب نے کہ جن میں تورات تھی، مرتب کیے شائع کیا، یہودیوں نے دینی تقسیم کا انتظام کیا، قوانین شریعت کو نافذ کر کے ان اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنا شروع کیا جو بنی اسرائیل کے اندر غیر قویوں کے اثر سے اُن کی تھیں، اُن تمام متحرک عورتوں کو طلاق دلائی جن سے یہودیوں نے بیاہ کر رکھے تھے اور بنی اسرائیل سے از سر نو نفاذ کی بن گئی اور اس کے آئین کی پیروی کا عیشاق لیا۔

۳۳۵ ق م میں شہنشاہ کے زیر قیادت ایک اور جلاوطن گروہ یہودیہ واپس آیا اور شاہ ایران نے نیاہ کو یہودیہ کا حاکم مقرر کر کے اس امر کی اجازت دی کہ وہ اس کی شہر پناہ تعمیر کرے۔ اس طرح ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس پھر سے آباد ہوا اور یہودی مذہب و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ مگر شامی فلسطین اور سامریہ کے اسرائیلیوں نے حضرت عزیر کی اصلاح و تجدید سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ بیت المقدس کے مقابل میں اپنا ایک مذہبی مرکز کو جو زیم پر تعمیر کر کے اس کو قبیلہ اہل کتاب بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح یہودیوں اور سامریوں کے درمیان بعد از زیمادہ بڑھ گیا۔

ایوانی سلطنت کے نزال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے خروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے ایک سخت دھچکا لگا، سکندر کی وفات کے بعد اس کی سلطنت جن تین سلطنتوں میں تقسیم ہوئی تھی، ان میں سے تمام علاقہ اُس سلطنت کی سلطنت کے حصے میں آیا جس کا پایہ تخت انتطاکیہ تھا اور اس کے فرمانروا انطوکس ثالث نے مشرقی م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یہ یونانی فاتح، جو مذہب مشرک، اور اخلاقاً باہت پسند تھے، یہودی مذہب و تہذیب کو سخت آزار محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں سیاسی اور معاشی دباؤ سے یونانی تہذیب کو فروغ دینا شروع کیا اور خود یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا معاشرہ ان کا آئینہ کار بن گیا۔ اس خارجی طاغوت نے یہودی قوم میں تفرقہ ڈال ڈیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس، یونانی زبان، یونانی طرز معاشرت اور یونانی کھیلوں کو اپنایا اور دوسرا گروہ اپنی تہذیب

فَلَمَّا فَازَ آجَاءَ وَعَدُ الْآخِرَةِ لِيَسْوُوا وَجُوهَكُمْ وَلَيْدُ خُلَا
السَّيِّدِ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝

ذات کے لیے بُرائی ثابت ہوئی پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے نشانیوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد بیت المقدس میں اُسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا باقہ پڑے اُسے تباہ کر کے رکھ دیں

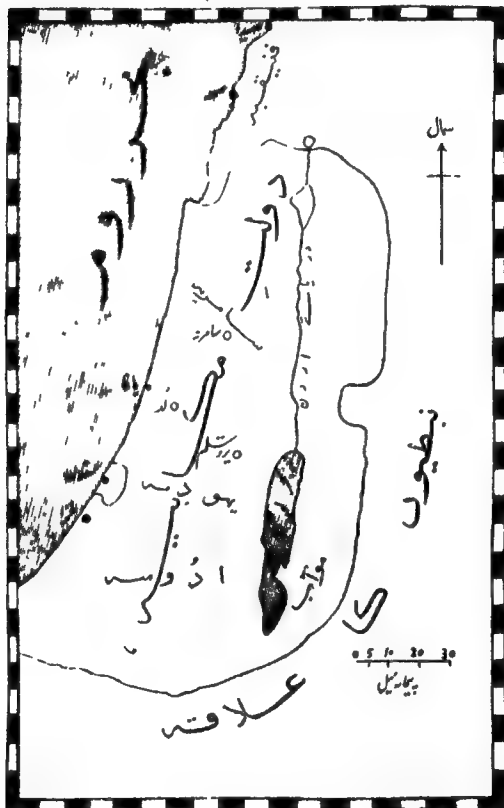
پیشانی کے ساتھ قائم رہا۔ مشرق میں، جنوب میں، چاروں طرف اور کتبہ کی فانیس میں مظہر خدا تھا جب تخت نشین ہوا تو اس نے ہری جاہلانہ طاقت سے کام لے کر یودی مذہب و تہذیب کی کج کئی رینی جاسی۔ اس نے بیت المقدس کے ہیکل میں مذہبی ہستی دکھوائے اور یہودیوں کو مجبور کیا کہ ان کو جمعہ کیس۔ اس نے قرآن کو، برقراری بندگاری۔ اس نے یہودیوں کو مشرکانہ قرآن گاہوں پر ترنمایاں کرنے کا حکم دیا۔ اس نے اس سب لوگوں کے لیے رہائش گاہ تخریبی جو اپنے گھروں میں قیام کا نسخہ رکھیں، یہاں تک کہ اسلام میں کس، یا اپنے بچوں کے لئے کزن، یہودی، اس جہر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندھا یک زبردست، تحریک اٹھی جو تانہ رخ ہو، تانہ بی بغاوت کے نام سے مشہور ہے۔ اگر یہ اس کشمکش میں یونایت زہ یہودیوں کی مادی عہد دیاں یونانیوں کے ساتھ تھیں، اور انہوں نے مثلاً مقبلی بغاوت کو کچھنے میں اٹھایا کہ کے ظالموں کا پورا ساتھ دیا، لیکن عام یہودیوں میں حبس نہ ہو، یہ کی چوٹی، ہری رُوح دیہاری کا اتنا زہ است اثر تھا کہ وہ سب گیارہوں کے ساتھ ہو گئے اور ان کا دھنوں نے یونانیوں کو کھل کر لایا، ایک آن، دینی ریاست قائم کر لی جو مشرق میں تک قائم تھی۔ اس ریاست کے حدود پھیل کر رفتہ رفتہ اس پورے رقبے پر حاوی ہو گئے جو کبھی یہودیہ اور اسرائیل کی ریاستوں کے زیر نگین تھے، بلکہ فلسطین کا بھی ایک بڑا حصہ اس کے قبضے میں آئی جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بھی مسخر نہ ہوا تھا۔

انہی واقعات کی طرف قرآن مجید کی زیر تفسیر رویت اشارہ کرتی ہے۔

۱۰۱۔ اس دوسرے فساد اور اس کی سزا کا تاریخی پس منظر یہ ہے:

ملاہیوں کی تحریک جس اختلافی دینی مدرج کے ساتھ اٹھی تھی، بہت درجہ فساد جوئی جی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور بعد صراحت کا ہمداری نے سلی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑی اور انہوں نے غرور دی خارج ہوئی کو فلسطین آنے کی دعوت دی چنانچہ یہی مسیح موعود میں اس ملک کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے بیت المقدس پر تھکر کے یہودیوں کی انادری کا فائدہ کر دیا۔ لیکن یہودی فاتحین کی یہ مشکل باہمی تھی کہ وہ مشرک طاقتوں پر براہ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے کی پابست مقامی حکمرانوں کے ذریعے سے بلا واسطہ اپنا کام مکمل کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے فلسطین میں پہنچنے کے بعد ایک دیہی ریاست قائم کر دی جو بالآخر مسیح موعود میں ایک ہوشیار یہودی ہیرود نامی کے قبضے میں آئی۔

نقشہ القرآن جلد دوم
 فلسطین بزبانہ دولتِ مکابہ
 اے ہی اسرائیل (۱) ۲
 ۴۰۰ صفحہ



پرنٹنگ و پبلیشنگ ہاؤس
 اسلام آباد

علامت حق

نقشہ انگریزی جلد دوم
 میرودا عظمیٰ سلطنت
 برائے بنو اسرائیل
 سن ۶۰۰ ق م (دیکھا ۱۱)



میرودا عظمیٰ سلطنت
 تراہنہ نیا

شخص ہیرو د'عظم کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی فرمانروائی پورے فلسطین اور مشرقِ اردن پر سلطنت سے سلسلہ میں قائم رہی۔ اس نے ایک طرف مذہبی پیشواؤں کی سرپرستی کی کہ یہودیوں کو خوش رکھا، اور دوسری طرف رومی تہذیب کو فروغ دے کر اور مدنی سلطنت کی دفاعی کارِ زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کر کے قیصر کی بھی خوشنودی حاصل کی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی و اخلاقی حالت گرتے گرتے نعل کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔

ہیرو د کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

اس کا ایک بڑا علاقہ دس سالہ ہیرو دیر اور شمالی اُردو میڈیا کا فرمانروا ہوا، مگر سلسلہ میں قیصر گسٹس نے اس کو سرزد کر کے اس کی پوری ریاست ماچنے گورنر کے ماتحت کر دی۔ دوسرے ملک د'مک بھی باحکام قائم رہا یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام ہی اسرائیل کی اصلاح کے لیے آئے اور یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے لی کران کی مخالفت کی اور رومی گورنر پونٹس پلاطس سے ان کو مزاحمت دوانے کی کوشش کی۔

ہیرو د کا دوسرا بڑا ہیرو دافنی پاس شمالی فلسطین کے علاقہ لکلیل اور شرقِ اردن کا مالک ہوا اور یہی وہ شخص ہے جس نے ایک دفاعی فرائض پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی مذکور کیا۔

اس کا تیسرا بڑا حلقہ، کہ وہ حرموں سے دیباہے پر روک ٹوک کے علاقے کا مالک ہوا اور یہ اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی بڑھ کر رومی دیر نانی تہذیب میں غرق تھا۔ اس کے علاقے میں کسی کلمہ خیر کے پہنچنے کی اتنی گنجائش بھی نہ تھی جتنی فلسطین کے دوسرے علاقوں میں تھی۔

سلسلہ میں ہیرو د'عظم کے پوتے ہیرو د'اگر پاکو رومیوں نے ان تمام علاقوں کا فرمانروا بنا دیا جس پر ہیرو د'عظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔ اس شخص نے ہر اقتدار آنے کے بعد مسیح علیہ السلام کے پیروں پر مطالبہ کی انتہا کر دی اور اپنا پورا زور خدا ترسی و اصلاح و اخلاق کی اس تحریک کو کچلنے میں صرف کر ڈالا جو یوں کی پہنائی میں بدل رہی تھی۔

اس دوسرے عام ہیرو دیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی جو حالت تھی اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ان تقسیموں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو مسیح علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہیں۔ یہ سب خطبے اتالیب اور میں موجود ہیں۔ پھر اس کا اندازہ کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس قوم کی آنکھوں کے سامنے یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کیا گیا مگر ایک آواز بھی اس ظلمِ عظیم کے خلاف نہ اٹھی۔ اور یہودی قوم کے مذہبی پیشواؤں نے مسیح علیہ السلام کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا مگر تھوڑے سے راستہ باز انسانوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس بد بختی پر ماتم کرتا۔ حد یہ ہے کہ جب پونٹس پلاطس نے ان ثابت زدہ دعوؤں سے بوجھا کر آج تہذیبی جہاد کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق اس سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو جھوٹ دینے کا مجاز ہوں، بتاؤ یہ سرخ کو جھوڑوں یا برابا ڈاکو کو، قرآن کے پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا کہ ہا ہا ہا جھوٹ دے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری جہت تھی جو اس قوم پر قائم کی گئی۔

اس پر تھوڑا زمانہ ہی گزرا تھا کہ ہیرو دیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی اور سلطنت اور سلطنت کے درمیان ہیرو دیوں نے کھلی بغاوت کر دی۔ ہیرو د'اگر پائانی اور رومی پروجیکٹر بطرطوس، دونوں اس بغاوت کو فرو کرنے میں ناکام

وقف کا نام

عَسَىٰ رُبُّكُمْ أَنْ يُرَحِّمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عَدُنَا مُجَعَلْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكَافِرِينَ حَبِيرًا ۝ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ
أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

_____ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا
اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کریں گے، اور اگر فرغت لوگوں کے لیے ہم نے جہنم کو قید خانہ
بنارکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ ماہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ جو لوگ اسے مان کر بچے
کام کرنے لگیں انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے، اور بڑی آخرت کرنائیں انھیں
جس نے آئو کاروی سلطنت نے ایک سخت فوجی کامروائی سے اس بغاوت کو کچل دیا اور شہر میں شیش نے بڑے بشیر
یہ ظلم کو ختم کر دیا۔ اس موقع پر قتل عام میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی مارے گئے، ۷۰ ہزار آدمی گرفتار کر کے قیام بنائے گئے،
ہزار آدمی بیکہڑا کر مصری گاؤں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیے گئے، ہزاروں آدمیوں کو بیکہڑا کر مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ
اپنی قیادتوں اور کوسیدوں میں بان کو جھگی جائزوں سے بھڑوانے یا شہر زدن کے کھیل کا حقہ مشق بننے کے لیے استعمال
کیا جائے۔ تمام دوازدہ امت احمدیین و لکھیاں ناقین کے لیے چلی گئیں، اور یہ ظلم کے شر اور کھیل کو سارے کے پورے نفاک
کر دیا گیا۔ اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر و اقتدار لایا گیا تاکہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سرافشانے کا موقع دیا جائے۔ ظلم اور بد
کا بیکل مقدس پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قیصر ہیزڈریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا، مگر اب اس کا نام یلیا تھا اور اس میں
دہائے دوازدہ تک یہودیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

یہ قیدی وہ مزاج بنی اسرائیل کو دوسرے قیدیوں کی پاداش میں تھی۔

۱۷۔ اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اس پوری تقریر کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں۔ مخاطب تو کفار کو ہی ہیں، مگر
جو کفار ان کو تنبیہ کرنے کے لیے یہاں بنی اسرائیل کی تائید کے چہرے تاکہ شرابہ پیش کیے گئے۔ قیہ ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳

فلیپینز کے نامیں



اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَيَذَرُ الْاِنْسَانُ بِالْاَسْرِ ۝
 دُعَاۤءُكَ بِالتَّخْيِیْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ وَجَعَلْنَا
 الْیَلَّ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَحَوَّوْنَا اٰیَةَ الْیَلِّ وَجَعَلْنَا اٰیَةَ
 النَّهَارِ مُبْصِرَةً ۝ لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا
 عَدَدَ السِّیْنِیْنَ وَالحِسَابَ ۝ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنَا تَفْوِیْلًا ۝

یہ خبر دیتا ہے کہ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب ہینا کر رکھا ہے۔

انسان خیر مانگنے کے بجائے شر مانگتا ہے۔ انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوتا ہے۔

دیکھو، ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کہ ہم نے بے نور بنایا، اور
 دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب کر سکو۔ اسی
 طرح ہم نے ہر چیز کو الگ الگ چیز کر کے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہے کہ جو شخص یا گروہ یا قوم اس قرآن کی تنبیہ و نمائش سے ماہ و راست پر نہ گئے ۱۲ سے پہلے اس کے
 لیے تیار نہ بنا پا رہے ہوں تو اس کو نیک نہ سمجھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ جواب ہے کہ اگر کہہ کی اُن امتحانہ باتوں کا مجدد اور باری علیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ بس اے آؤ وہ دنیا
 جس سے تم میں ڈرا یا کرتے ہو۔ اور کہے بیان کے بعد عارف و فاضل و فرما نے کی غرض اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ جو فرقہ و
 مانگنے کے بجائے عذاب مانگتے ہو، تمہیں کچھ نواز بھی ہے کہ خدا کا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو اس کی کیا گنت بنتی ہے؟
 اس کے ساتھ اس فقرے میں ایک ایسی تفسیر مسلمانوں کے لیے بھی تھی جو کہ خدا کے ظلم و ستم و امان کی گنت و حد و
 نیک اس کو کبھی کوئی انسان کے حق میں نہ مل سکتا تھا کی دعا کرنے گئے تھے، حالانکہ ابھی اسی کتاب میں بہت سے وہ لوگ موجود تھے جو
 آگے مل کر ایمان لانے والے اور دنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے والے تھے۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان بڑا ہی
 واقع ہوتا ہے، ہر چیز میں مانگ بیٹھتا ہے جس کی بدولت ضرورت محسوس ہوتی ہے، حالانکہ بعد میں اسے خود غور سے معلوم
 ہو جاتا ہے کہ اگر اس وقت اس کی دعا قبول کر لی جاتی تو وہ اس کے حق میں خیر نہ دیتی۔

اللہ تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ اختلافات سے گھر کر کیا سانی و یک رنگی کے لیے بہ چین نہ ہو۔ اس دنیا کا تو سارا کارخانہ

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴿٣١﴾ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿٣٢﴾ مَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَكِدُ لِنَفْسِهِ

ہر انسان کا شگون ہم نے اُس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے، اور قیامت کے روز ہم اہم
نوشہ اُس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا نامہ اعمال
آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

جو کہ فی راہ راست اختیار کرے اس کی راست روی اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے،

ہی اختلاف اور امتیاز اور تشویش کی بدولت چل رہا ہے۔ مثال کے طور پر تمنا ہے مائے نمایاں ترین نشانیاں یہ رات اور دن ہیں
جو روز و شب ہوتا رہتے رہتے ہیں۔ دیکھو کہ ان کے اختلاف میں کتنی عظیم اثرات مصلحتیں موجود ہیں۔ اگر تم پروا نہ کیا، یہی
حالت طاری رہتی تو کیا یہ ہنگامہ وجود چل سکتا تھا، پس جس طرح تم دیکھ رہے ہو کہ عالم طبیعیات میں فرق و اختلاف اور
امتیاز کے ساتھ بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں، اسی طرح انسانی مروجہ اور خیالات اور رجحانات میں بھی جو فرق و امتیاز
پایا جاتا ہے وہ بڑی مصلحتوں کا حال ہے۔ جیڑ میں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی فوق الفطری ماضیت سے اس کو شاکر و شایان
کو جو نیک اور مومن بنا دے، یا کافروں اور منافقوں کو ہلاک کر کے دنیا میں صرف اہل ایمان و طاعت بچا کر باقی رکھا کرے۔
اس کی خواہش کرنا تو اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ خواہش کرنا کہ صرف دن ہی دن رہا کرے، رات کی تاریکی سرے سے کبھی طاری نہ
نہو۔ البتہ خیر جس چیز میں ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت کی روشنی جن لوگوں کے پاس ہے وہ اسے لے کر مصلحت کی تاریکی دور
کرنے کے لیے مسلسل سعی کرتے رہیں، اور جب رات کی طرح کوئی تاریکی کا دور آئے تو وہ سورج کی طرح اس کا پیچھا کریں،
یہاں تک کہ روز روشن نمودار ہو جائے۔

۳۱ یعنی ہر انسان کی نیک نیتی و بختی اور اس کے انجام کی بھلائی اور بائی کے اسباب و وجوہ خود اس کی اپنی
خات ہی میں موجود ہیں۔ اپنے اوصاف، اپنی سیرت و کردار اور اپنی قربت و تیز ادراکات فیصلہ و انتخاب کے استعمال سے
وہ خود ہی اپنے آپ کو سعادت کا مستحق بھی بناتا ہے اور شقاوت کا مستحق بھی۔ نادان لوگ اپنی قسمت کے شگون باہر لیتے
پھرتے ہیں اور ہمیشہ خارجی اسباب ہی کو اپنی بد بختی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا بدو انہ خیر و شران کے
اپنے گلے کا دار ہے۔ وہ اپنے گرجان میں منہ ڈالیں تو دیکھ لیں کہ جس چیز نے ان کو لگاؤ اور تباہی کے راستے ہٹا دیے اور
غائب و غاسر بنا کر چھوڑا وہ ان کے اپنے ہی برے اوصاف اور برے فیصلے تھے، نہ کہ باہر سے ان کو کوئی چیز بد بختی

وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ
اُخْرَىٰ ۖ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝۱۵

اور جو گمراہ ہو اس کی گمراہی کا وہ بال اُسی پر ٹپے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔
اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے)
ایک پیغام بر نہ بھیج دیں۔

مسلط ہو گئی تھی۔

۱۵ یعنی ماہِ راست اختیار کر کے کوئی شخص خدا پر یا رسول پر یا اصلاح کی کوشش کرنے والوں پر کوئی اصرار
نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی حق میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اسی طرح گمراہی اختیار کر کے یا اس پر اصرار کر کے وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ
ہی نقصان کرتا ہے۔ خدا اور رسول اور داعیانِ حق انسان کو غلط باتوں سے بچانے اور صحیح راہ دکھانے کی جو کوشش کرتے
ہیں وہ اپنی کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ انسان کی ضرورت ہی کے لیے کرتے ہیں۔ ایک غلط آدمی کا کام یہ ہے کہ جب دلیل سے
اس کے سامنے حق کا حق ہونا اور باطل باطل ہونا واضح کر دیا جائے اور نصیحت اور دعا و پندوں کو سمجھ کر سیدھی طرح باطل
سے باز آجائے اور حق اختیار کر لے۔ نصیب یا مفاد پرستی سے کام لے گا تو وہ اپنا آپ ہی بدعنوان ہو گا۔

۱۶ یہ ایک نہایت اہم اصولی حقیقت ہے جسے قرآن مجید میں گہرے حکم ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے،
کیونکہ اس سے مجھے بغیر انسان کا طرز عمل کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی ایک مستقل اخلاقی
ذمہ داری رکھتا ہے اور اپنی شخصی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس ذاتی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شخص اس کے
ساتھ شریک نہیں ہے۔ دنیا میں ذراہ کتنے ہی آدمی، کتنی ہی قومیں اور کتنی ہی نسلیں اور پیشے ایک کام یا ایک طریق عمل میں
شریک ہوں، بہر حال خدا کی آخری عدالت میں ان میں ترک عمل کا تجزیہ کر کے ایک ایک انسان کی ذاتی ذمہ داری الگ الگ شخص
کے لیے جائے گی اور اس کو جو کچھ بھی جز یا سزا ملے گی، اس کی سزا ملے گی جس کا وہ خود اپنی انفرادی حیثیت میں ذمہ دار ثابت ہو گا۔
اس انصاف کی میزان میں دنیا میں ممکن ہو گا کہ دوسروں کے لیے کا وہاں اس پر ڈال دیا جائے، اور میرے لیے ممکن ہو گا کہ اس کے
کوتلوں کا بار گناہ کسی اور پر چڑھائے۔ اس لیے ایک دانش مند آدمی کو یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں بلکہ
اسے ہر وقت اس بات پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔ اگر اسے اپنی ذاتی ذمہ داری کا صحیح احساس ہو تو وہ دوسرے
خواہ کچھ کر رہے ہوں، وہ بہر حال اسی طرز عمل پر ثابت قدم رہے گا جس کی جواب دہی خدا کے حضور وہ کامیابی کے ساتھ
کر سکتا ہو۔

۱۷ یہ ایک اہم اصولی حقیقت ہے جسے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے انسان کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝۱۷ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۝ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اللہ ہم اسے برباد کر کے دکھا دیتے ہیں۔ دیکھو، کتنی ہی سلسلیں ہیں جو نوح کے بعد ہمارے حکم سے ہلاک ہوئیں۔ تیرا رب اپنے

کتاب ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام عدالت میں ہر چیز ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ہر فیصلہ اور اس کا لایا ہوا پیغام ہی بندوں پر عطا کی جمت ہے۔ یہ جمت قائم نہ ہو تو بندوں کو عذاب دینا عذاب انصاف ہو گا، کیونکہ اس صورت میں وہ یہ غلطی کر سکیں گے کہ ہمیں آگاہ کیا ہی نہ گیا تھا پہلے ہم پر یہ گرفت کیسی، مگر جب یہ جمت قائم ہو جائے تو اس کے بعد انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کو سزا دی جائے جنہوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغام سے منہ موڑ دیا، یا اسے یا کر پھر اس سے انحراف کیا ہو۔ سبے وقوف لوگ اس طرح کی آیات پر غور کرنے لگتے ہیں کہ کین لوگوں کے پاس کس نبی کا پیغام نہیں پہنچا ان کو روک دینا کیا ہوگی۔ حالانکہ ایک قتلہ نادی کو خود اس بات پر کرنا چاہیے کہ تیرے پاس تو پیغام پہنچ چکا ہے۔ اب تیری اپنی پروا نہیں کیا ہے۔ وہ دوسرے لوگ تو یہ اشد ہی بستر جانتا ہے کہ کس کے پاس، کب، کس طرح اور کس حد تک اس کا پیغام پہنچا اور اس نے اس کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کیا اور کیوں کیا۔ عالم الغیب کے سوا کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ کس پر اشد کی جمت پوری ہوئی ہے اور کس پر نہیں ہوئی۔

خلاصہ اس آیت میں حکم سے ملو حکم طبعی ہاں تو قانون فطری ہے۔ یعنی قدرتی طور پر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کی شامت آنے والی ہوتی ہے تو اس کے مترفعین ناسخ ہو جاتے ہیں۔ ہلاک کرنے کے ارادے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو غیبی ہے تصور کسی بستی کو ہلاک کر کے کا ارادہ کر لیتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسانی آبادی اپنی کے راستے پر چل پڑتی ہے اور اشد فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے تباہ کرنا ہے تو اس فیصلے کا غور اس طریقے سے ہوتا ہے۔ حاصل جس حقیقت پر اس آیت میں متنبہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخراہ جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے کھاتے پیتے خوشحال لوگوں اور ادا پنے بھٹوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے لگے تو یہی ہے تو اس کے حالات مند اور صاحب امت دار لوگ منت وغیرہ بڑا کرتے ہیں، ظلم و ستم بھکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں، اللہ انہیں فتنہ پوری قوم کو لے ڈالتا ہے۔ لہذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہو اسے نکر رکھنی چاہیے کہ اس کے اس وقت دار کی بالگی اللہ

يَذُنُّوبَ عِبَادِهِ خَيْرًا بَصِيرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ
عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ
يَصْلُهُ مَا مَدَّ مُوْمًا مَدَّ حُورًا ۝۱۸ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝۱۹ كَلَّا
ثُمَّ لَآتِيكَ يَوْمَكَ وَكُلَّكَ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ

بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

جو کوئی عاجلہ کا خواہشمند ہو، اسے میں ہم دے دینے میں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں، پھر اس کے مقصود میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا طاعت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے، اور جو وہ مؤمن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔ ان کو بھی اور ان کی بھی، و دوزل فریقوں کو ہم (دنیا میں) سامانِ زیست دیے جا رہے ہیں، یہ تیرے رب کا عطا کیا ہے۔ ہم، اور تیرے رب کی عطا کو رد کرنے والا کوئی معاشی دولت کی تحریکات مختلف اور باخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں۔

۱۷ عاجلہ کے لغوی معنی ہیں جلدی، یعنی فتنے مالی چیز۔ اور اصطلاحاً قرآن مجید اس لفظ کو دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے جس کے فائدے اور نتائج اسی زندگی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے کی اصطلاح ”آخرت“ ہے جس کے فائدے اور نتائج کو موت کے بعد دوسری زندگی تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔

۱۸ مطلب یہ ہے کہ جو شخص آخرت کو نہیں، بلکہ آخرت تک مہر کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور اپنی کوششوں کا مقصد صرف دنیا اور اس کی کامیابیوں اور خوشحالیوں ہی کو بنانا ہے، اسے جو کچھ بھی ملے گا اس دنیا میں مل جائے گا آخرت میں وہ کچھ نہیں پاسکتا۔ اور بات صرف یہیں تک نہ رہے گی کہ اسے کوئی خوشحالی آخرت میں نصیب نہ ہوگی، بلکہ مزید برآں دنیا پرستی، اور آخرت کی جوابدہی و ذمہ داری سے بے برداری اس کے طرز عمل کو بنیادی طور پر ایسا غلط کر کے رکھ دے گی کہ آخرت میں وہ اٹل جہنم کا مستحق ہوگا۔

۱۹ یعنی اس کے کام کی قدر کی جائے گی اور جتنا دوسری کوششیں بھی اس نے آخرت کی کامیابی کے لیے

مَحْظُورًا ۲۰) اَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَآ اُخْرَةُ
اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۲۱) لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ
فَتَقْعَدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۲۲) وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

نہیں تھے۔ مگر دیکھ لو، دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کسی فضیلت دے رکھی ہے اور
آخرت میں اُس کے درجے اور بھی زیادہ بڑے ہوں گے، اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی۔
تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ عاقبت زندہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔
تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ:

(۱) تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔

کی ہوگی اس کا پھل وہ ضرور پائے گا۔

۲۰ یعنی دنیا میں رزق اور سامان زندگی دنیا پرستوں کو بھی مل رہا ہے اور آخرت کے طلبگاروں کو بھی، علیہ السلام
کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔ نہ دنیا پرستوں میں یہ طاقت ہے کہ آخرت کے طلبگاروں کو رزق سے محروم کر دیں، اور نہ آخرت
کے طلبگار بھی یہ قدرت رکھتے ہیں کہ دنیا پرستوں تک اللہ کی نعمت نہ پہنچنے دیں۔

۲۱ یعنی دنیا ہی میں یہ فرق نمایاں ہو رہا تھا ہے کہ آخرت کے طلبگاروں کو دنیا پرست لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

یہ فضیلت اس اعتبار سے نہیں ہے کہ ان کے گلے اُٹھ جائیں اور مکان کا دیوار یاں اور تمدن و تہذیب کے لحاظ سے ان سے

کچھ فرقہ کر دیں۔ بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ جو کچھ بھی پاتے ہیں صداقت، ایمان اور امانت کے ساتھ پاتے ہیں، اور وہ

جو کچھ ہمارے ہیں ظلم سے، سب ایمانیوں سے، اور طرح طرح کی حرام خوریوں سے پار ہے۔ پھر ان کو کچھ مٹا ہے، مٹا دیا

کے ساتھ خرچ ہوتا ہے، اس میں سے حق داروں نے حقوق ادا ہوتے ہیں، اس میں سے مسائل اور محروم کا حصہ بھی نکلتا ہے

اور اس میں سے خدا کی عزت و حرمت کے لیے دوسرے نیک کاموں پر بھی مل صرف کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دنیا پرستوں کو کچھ

مٹا ہے وہ بیش تر عیاشیوں اور حرام کاریوں اور طرح طرح کے فساد و انجیز اور فتنہ خیز کاموں میں پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔

اسی طرح تمام مشیتوں سے آخرت کے طلبگار کی زندگی خدا ترسی اور پاکیزگی اخلاق کا ایسا نمونہ ہوتی ہے جو پرہیزگاروں کے

کپڑوں اور کس کی تہو پر طیلوں میں بھی اس قدر روشن نظر آتا ہے کہ دنیا پرست کی زندگی اس کے مقابلے میں جھم جھم مین کر

تاہم ایک نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جبار بادشاہوں اور دولت مند امیروں کے لیے بھی ان کے ہم جنس انسانوں

کے دلوں میں کوئی بھی عزت اور عظمت اور عقیدت کبھی پیدا نہ ہوتی اور اس کے برعکس فخر کش اور بڑے پائشیوں اور ان کی فضیلت

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُبَلِّغُنَّ عَنْكَ إِلَهِكَ إِلَهُ أَحَدُهُمَا
أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُشْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا
كَرِيمًا ۖ ۲۳ ۝ وَخُفْضَ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۖ ۲۴ ۝ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي

(۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تم اسے پاس مان میں سے کوئی ایک، یا دونوں،
لوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں آف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات
کرو، اور نرمی و نرم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ پھر وہ گوارا بن پر رحم فرمیں
طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے

کو خود دنیا پرست لڑک بھی ماننے پر مجبور ہو گئے۔ یہ کھلی کھلی عزتیں اس حقیقت کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہیں کہ اخوت کی
پائیدار مستقل کامیابیاں ان دونوں گروہوں سے کس کے حصے میں آنے والی ہیں۔

۲۴ ۝ دوسرا ترجمہ اس فقرے کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ گھڑے، یا کسی اور کو خدا نہ

قرار دے۔

۲۵ ۝ یہاں وہ بڑے بڑے بنیادی اصول پیش کیے جا رہے ہیں جن پر اسلام پوری انسانی زندگی کے نظم کی
عمارت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مفہور ہے جسے کئی دور کے خاتمے اور آنے والے دور کی
فدور کے نقطہ آغاز پر پیش کیا گیا تاکہ دنیا بھر کو معلوم ہو جائے کہ اس نئے اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد کن فکر، اخلاق،
تمدنی، معاشی اور قانونی اصولوں پر رکھی جائے گی۔ اس موقع پر سورہ انعام رکوع ۱۹ اور اس کے حواشی پر بھی ایک نگاہ
ڈال لینا مفید ہوگا۔

۲۶ ۝ اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش اور پوجا نہ کرو، بلکہ یہ بھی ہے کہ زندگی اور
غلامی اور بندہ بن جانے اور اطاعت بھی صرف اسی کی کرو، اسی کے حکم کو حکم اور اسی کے قانون کو قانون بنو اور اس کے سوا کسی کو تسلیم
الہی تسلیم نہ کرو۔ یہ صرف ایک مذہبی عقیدہ اور صرف انفرادی طرز عمل کے لیے ایک ہدایت ہی نہیں ہے بلکہ اس پر اسے نظام
اخلاق و تمدن و سیاست کا سبب بنیاد بھی ہے جو دیرینہ طبیعت پر مبنی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ اس کی حالت اسی نظر
پر اٹھائی گئی تھی کہ اللہ جل شانہ ہی حکم کا مالک اور بادشاہ ہے اور اس کی شریعت ملک کا قانون ہے۔

نَفُوسِكُمْ اِنْ تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلّٰكٰوِلِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۱۵﴾
 وَاِنَّ ذَا الْقُرْبٰى حَقُّهٗ وَالْيَسٰكِيْنَ وَاَبْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تَبْذُرُوْا
 تَبْذِيْرًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُبْتَذِرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيْطٰنِ وَكَانَ
 الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۱۷﴾ وَاَمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ اِبْتِغَاءَ
 رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۱۸﴾

دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم صلہ بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے کی طرف پلٹ آئیں۔

(۳) رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مساکر کو اس کا حق۔

(۴) فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا

ناشکر ہے۔

(۵) اگر ان سے (یعنی حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مساکروں سے) تمہیں کٹر لڑائی

اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو، تو انہیں نرم جواب دے دو۔

حکامہ اس بات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے بعد انسانوں میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا صلہ، خدمت گزارانہ ادب و شائستگی، معاشرے کا اجتماعی، اخلاقی ایسا ہونا چاہیے جو اولاد کو والدین سے بے نیاز بنانے والا نہ ہو بلکہ ان کا احسان مند اولاد ان کے احترام کا پابند بنائے، اللہ بڑھاپے میں اسی طرح ان کی خدمت کرنا سکھائے جس طرح بچپن میں وہ اس کی پرورش، اہواز و ہمدردی کے لیے یہ بات بھی صرف ایک اخلاقی سفارش نہیں ہے بلکہ اسی کی بنیاد پر بعد میں والدین کے وہ شرعی حقوق و امتیازات مقرر کیے گئے جن کی تفصیلات ہم کو حدیث و فقہ میں ملتی ہیں۔ نیز اسلامی معاشرے کی مذہبی و اخلاقی تربیت میں اولاد مسلموں کے آداب و تہذیب میں والدین کے ادب اور اطاعت و اولاد ان کے حقوق کی نگہداشت کو ایک اہم عنصر کی حیثیت سے شامل کیا گیا، ان چیزوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کر دیا کہ اسلامی ریاست اپنے قوانین اور انتظامی احکامات میں ایسی ہی کے ذریعہ سے خاندان کے احوال کو مضبوط اور محفوظ کر لے گی کہ کوشش کرے گی کہ اس سے گریز نہ کرے۔

۱۵۔ ان تین دفعات کا مشاہدہ ہے کہ آدمی اپنی کمائی اور اپنی دولت کو صرف اپنے لیے ہی مخصوص نہ رکھے،

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعَدَ مَكُومًا فَخُورًا ۝۱۹۱ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ

(۱۹۱) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ طامست زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے

بلکہ اپنی ضروریات، اعتدال کے ساتھ پوری کرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں، اپنے بھائیوں اور دوسرے حاجت مند لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی اور حق شناسی و حق رسائی کی روح جاری و ساری ہو۔ ہر شخص دوسرے رشتہ دار کا معاون، اور ہر مستطیع انسان اپنے پاس کے تمام انسان کا مددگار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو وہاں نماز لوگوں کے درمیان پائے۔ معاشرے میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص اُن سب انسانوں کے حقوق اپنی ذات کا حصہ اپنے مال پر محسوس کرے جن کے درمیان وہ رہتا ہے، ان کی عزت کرے تو یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا حق ادا کرنا ہر ذیہ کرام احسان کا جو حصہ ان پر لاوار ہے۔ اگر کسی کی خدمت سے صدور ہو تو اس سے عافی مانگے اور خدا سے فضل طلب کرے تاکہ وہ بندگیوں کی خدمت کرنے کے قابل ہو۔

منشور اسلامی کی یہ وضاحت بھی صرف انفرادی اخلاق کی تعلیم ہی نہیں، بلکہ اُن کے کل کردار و طبع کے معاشرے اور ریاست میں ان کی بنیاد پر صدقات، عاجب اور صدقات نافذ کے احکام دیے گئے، اوستیت اور عداوت اور وقف کے طریقے متعین کیے گئے، تیروں کے حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا گیا، ہر بستی پر مسافر کا یہ حق قائم کیا گیا کہ کم از کم تین دن تک اس کی حیثیت کی جائے، اور پورے کے ساتھ ساتھ معاشرے کا اخلاقی نظام چلا ایا جانا یا گیا کہ پورے اجتماعی ماحول میں فیاضی، ہمدردی اور تعاون کی روح جاری و ساری ہو گئی، حتیٰ کہ لوگ آپ ہی آپ قانونی حقوق کے، اسو اُن اخلاقی حقوق کو بھی سمجھنے اور ادا کرنے لگے جنہیں نہ قانون کے ذریعے مانگا جاسکتا ہے نہ ذرا دیا جاسکتا ہے۔

۱۹۲ ہاتھ باندھنا استعارہ ہے، کل کے لیے، لہذا اسے کھلا چھوڑ دینے سے مراد ہے ضرور خرچ ہو۔ دفعہ ۴ کے ساتھ دفعہ ۱ کے حق پرے کو لاکر پڑھنے سے منشا صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ دکان میں اتنا اعتدال ہو نا چاہیے کہ وہ نہ بیل بن کر دولت کی گردش کر دے نہ دکان اور دفعہ خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو منافع کہیں۔ اس کے برعکس ان کے اہم تر ازل کی ایسی صحیح حس موجود ہو جی چاہیے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بجا خرچ کی خواہشوں میں مبتلا بھی نہ ہوں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ، عیاشی اور فتنہ و تجو کے خرچ، اور تمام ایسے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کو غلط دستوں میں رہا دیں، اور اصل خدا کی نعمت کا کنز بنیں۔ جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ فیضان کے بجائی ہیں۔

وَيَقْدِرُ إِنَّكَ كَانَ بِعِبَادِهِ خَيْرًا بَصِيرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا
أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَلَّا مُلَاقُوا نَحْنُ نَرِزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۝

تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔
(۷) اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔

یہ دعوات بھی بعض اخلاقی تعلیم اور انفرادی ہدایات تک محدود نہیں ہیں بلکہ صاف اشارہ اس بات کی طرف کر رہی ہیں کہ ایک صالح معاشرے کو اخلاقی تربیت، اجتماعی دباؤ اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے بے جا صرف مال کی روک تھام کرنی چاہیے۔ چنانچہ آگے چل کر دینہ طیبہ کی ریاست میں ان دعوتوں کے منشا کی صحیح ترجمانی مختلف عملی طریقوں سے کی گئی۔ ایک طرف فضول خرچی اور چاشنی کی بہت سی صورتوں کو از روئے قانون حرام کیا گیا۔ دوسری طرف، بالواسطہ قانونی تدابیر سے بے جا صرف مال کی روک تھام کی گئی تیسری طرف معاشرتی اصلاح کے ذریعہ سے اُن بہت سی رسوم کا خاتمہ کیا گیا جن میں فضول خرچیاں کی جاتی تھیں۔ پھر حکومت کو یہ اختیارات دیے گئے کہ اسلاف کی نمایاں صورتوں کو اپنے استکامی احکام کے ذریعہ سے روک دے۔ اسی طرح زکوٰۃ و صدقات کے احکام سے نکل کر اندر بھی توڑا گیا اور اس امر کے امکانات باقی نہ رہنے دیے گئے کہ لوگ زنا و عذبی کر کے حد کی گردن کو دمک دیں۔ ان تدابیر کے علاوہ معاشرے میں ایک ایسی رائے عام پیدا کی گئی جو فیاضی اور فضول خرچی کا فرق ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتی تھی اور عقل و طاقت میں خوب تیز کر تھی۔ اس رائے عام نے سبیلوں کو دلیل کیا۔ اعتدالی پسندوں کو سحر زبانا فضول خرچوں کو کلامت کی اور دنیاوی لوگوں کو پوری موسمیاتی کا لگ کر سبب قرار دیا۔ اس وقت کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا یہ اثر کہ جب مسلم معاشرے میں موجود ہے کہ مسلمان ہمارا بھی ہیں کچھ سوسند زراعت و زراعتوں کو بڑی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور کئی انسان کج بھی ان کی نگاہ میں محرز و قمر ہے۔

مسئلہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان ہذا تقسیم کی بخشش میں کم و بیش کا جو فرق رکھا ہے انسان اس کی مصنوعات کو نہیں سمجھ سکتا، لہذا تقسیم رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہیے۔ فطری مسامحت کو مصنوعی مسامحت میں تبدیل کرنا، یا اس نامساعدات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، حد تک بیکار فطری۔ ایک صحیح معاشی نظام دہی ہے جو خدا کے مقدر کچھ ہوئے فطرتی تقسیم رزق سے قریب تر ہو۔

اس حق سے میں قانون فطرت کے جس قاعدے کی طرف رہنمائی کی گئی تھی اس کی وجہ سے دینے کے ساتھ ہی ہر کام میں یہ تخیل سر سے کوئی راہ نہ پاس کہ رزق اور وسائل ہذا تقسیم میں تفاوت اور تغافل بچائے خود کوئی برائی ہے جسے مٹانا اور ایک بے طاقت موسمیاتی پیدا کرنا کسی حد سے بھی مطلوب ہو۔ اس کے برعکس دینہ طیبہ میں انسانی تمدن کو صالح بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے جمہور عمل و اقتصاد کی وہ تھی کہ فطرت اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں ان کا اصل فطری حالت

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا
الرِّبَاَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

در حقیقت اُن کا قتل ایک بڑی خطائے۔

(۸) زنا کے قریب نہ چلکو۔ وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ۔

پرہیزگاروں کو کہنا ہے کہ وہی جو قرآنی ہدایت کے مطابق سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین عمل کی اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ معاش کا فرق و تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے اُن بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد پر قائم رہے۔

۱۳۱۔ یہ آیت اُن معاشی بنیادوں کو ظلمی منہدم کر رہی ہے جن پر قدیم زمانے سے آج تک مختلف ادوار میں ضبط و طاقت کی تحریک اٹھتی رہی ہے۔ اخلاس کا خوف قدیم زمانے میں تہذیب اطفال اور سقا طحیل کا محرک ہوا کرتا تھا، اور آج وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منہج عمل کی طرف دینا کو دھکیل رہا ہے۔ لیکن مشرق اسلامی کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کھانے والوں کو کھٹانے کی تجویز کو کشش چھوڑ کر اُن تعمیری معاشی میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کرے جس سے اشد کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے مطابق رزق میں افزائش ہو کر رہتی ہے۔ اس دفعہ کی مدد سے یہ بات انسان کی بڑی غلطیوں میں سے ایک ہے کہ وہ بار بار معاشی ذرائع کی تنگی کے اندیشے سے افزائشِ نسل کا سلسلہ روک دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ رزق دہرائی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ اس خدا کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین میں پایا ہے جس طرح وہ چلے آئے والوں کو روزی دیتا رہا ہے، بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی بتاتا ہے کہ دنیا کے مختلف کھرمیں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی ہے، اتنے ہی، بلکہ بار بار اس سے بہت زیادہ معاشی فائدے وسیع ہوتے چلے گئے ہیں۔ لہذا خدا کے تخلیقی انتظامات میں انسان کی بے جا دخل اندازی یا حماقت کے سراپے نہیں ہیں۔

یہ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد سے لے کر آج تک کسی قوم میں بھی مسلمانوں کے اندر نسل کشی کا کوئی عام میلان پیدا نہیں ہو سکا۔

۱۳۲۔ ”زنا کے قریب نہ چلکو“ اس حکم کے مخاطب افراد بھی ہیں، اور معاشرہ بحیثیت مجرہ بھی۔ افراد کے لیے اس حکم کے معنی یہ ہیں کہ وہ جن جن نصابی سے بچنے پر اتفاق کریں، بلکہ زنا کے مقدمات اس کے اُن ابتدائی محرکات سے بھی دور رہیں، جو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور معاشرہ۔ تو اس حکم کی مدد سے اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی میں زنا، اور محرکاتِ زنا، اور اسبابِ زنا کا سد باب کرے اور اس فرض کے لیے قانون سے تعلیم و تربیت سے، اجتماعی اصول کی اصلاح سے، معاشرتی زندگی کی مناسب تشکیل سے، اور دوسری تمام مؤثر تدابیر سے کام لے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ
مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا فَلَا يَسْرِفُ فِي

(۹) قتل نفس کا ارتکاب کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلوم یا مظلوم
کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے

یہ دفعہ آخر کا اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ اس کے فشا کے مطابق زنا اور قتل زنا کو
فرہماری جرم قرار دیا گیا، پردے کے احکام جاری کیے گئے، فواحش کی اشاعت کو سختی کے ساتھ دنگ دیا گیا، شراب
اور مسیقی اور رقص اور تصلو پر (جو زنا کے قریب ترین رشتہ دار ہیں) بندشیں لگائی گئیں، اور ایک ایسا ازاد عالمی قانون
بنایا گیا جس سے نکل آسان ہو گیا اور زندگی کے ماحرقی اسباب کی جو کٹ گئی۔

۱۱ قتل نفس سے مراد صرف دوسرے انسان کا قتل ہی نہیں ہے، بلکہ خود اپنے آپ کو قتل کرنا بھی ہے۔ اس لیے
کہ نفس جس کو اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے اس کی تعریف میں دوسرے نفوس کی طرح انسان کا اپنا نفس بھی داخل ہے لہذا
جتنا بڑا جرم اور گناہ قتل انسان ہے، اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی بھی ہے۔ آدمی کی بڑی غلط فہمیاں میں سے ایک یہ ہے
کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک، اور اپنی پس کلیت کو با اختیار خود تک کر دینے کا ہماں سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ جان اللہ کی
ملکت ہے، اللہ ہم اس کے اتکاف تو دور کن رہا اس کے کسی بے جہلاستمال کے بھی ہماں نہیں ہیں۔ دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ
تعالیٰ جس طرح بھی بلا امتحان لے، اسی طرح ہمیں خود وقت تک امتحان دیتے رہنا چاہیے، خواہ حالات امتحان اچھے ہوں یا
برے۔ اللہ کے دیے ہوئے وقت کو تھوڑا منہم کر کے امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے، خود غلط ہے، کہا کہ یہ قرار
بھی ایک ایسے جرم عظیم کے ذریعے سے کیا جاتے ہیں جسے اللہ نے صریح احکام میں حرام قرار دیا ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں
کہ آدمی دنیا کی بھرتی چھوٹی ٹھیکفروں اور دولتوں اور سرمایوں سے بھاگ کر عظیم تر اور ابدی تکلیف دہ سعادت کی طرف ہمارا گتہ ہے۔

۱۲ بعد میں اسلامی قانون نے قتل بالحق کو صرف پانچ صورتوں میں محدود کر دیا: ایک قتل عمد کے مجرم سے قصاص
دوسرے دیہات کے واسطے میں مزاحمت کرنے والوں سے جنگ۔ تیسرے اسلامی نظام حکومت کو اٹھنے کی سعی کرنے والوں
کو سزا۔ چوتھے شادی شدہ عورت یا عورت کو ارتکاب زنا کی سزا۔ پانچویں ارتداد کی سزا۔ صرف یہی پانچ صورتیں ہیں جن میں انسانی
جہلی کی حرمت خرقہ برجاتی ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

۱۳ اصل اتفاق میں اس کے ولی کو ہم نے سلطان عطا کیا ہے۔ سلطان سے مراد یہاں محبت ہے جس کی بنا
پر وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس سے اسلامی قانون کا یہ اصل نکتہ ہے کہ قتل کے قصد سے اسلحہ کی حکومت نہیں
بلکہ اولیائے مقررہ ہیں، اللہ و قاتل کو صاف کرنے اور قصاص کے بجائے خوں بہا لینے پر راضی ہو سکتے ہیں۔

الْقَتْلُ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا
بِالْقِيِّ هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمُوزِنُوا
بِالْقِسْطِ اسِ الْمُسْتَقِيمِ ۖ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

نہ گزرتے اُس کی مدد کی جائے گی۔

(۱۰) مالِ یتیم کے پاس نہ پیشگو گرا حسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔

(۱۱) عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دی کرنی ہو گی۔

(۱۲) پریمانے سے دو تو پورا بھر دو اور تو تو ٹیک ترازو سے ڈلو۔ یہاں چھاطریقہ ہے اور

بجائے انجام بھی ہی بہتر ہے۔

۶۱۵۔ متنبی حد سے گزرنے کی تندہی میں ہو سکتی ہیں اور وہ سب ممنوع ہیں۔ مثلاً جوش انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو تھک کرنا، یا مجرم کو غلبہ دے دے کر مارنا، یا مار دینے کے بعد اس کی لاش پر پھرنے لگانا، یا خون ہالینے کے بعد پھر اسے قتل کرنا وغیرہ۔

۶۱۶۔ ہر کس وقت ایک اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی تھی اس لیے اس بات کو نہیں کھولا گیا کہ اس کی مدد نہ کی جائے۔ جب اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو یہ طے کر دیا گیا کہ اس کی مدد کرنا اس کے قبیلے یا اس کے طائفوں کا کام نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور اس کے نظام عدالت کا کام ہے۔ کوئی شخص یا گروہ بطور خود قتل کا انتقام لینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ یہ جمعیۃ اسلامی حکومت کا ہے کہ حملہ یا انصاف کے لیے اس سے مدد مانگی جائے۔

۶۱۷۔ یہی معنی ایک انقلابی طاقت نہ تھی بلکہ آگے چل کر جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو یہ ایمانی کے حقوق کی حفاظت کے لیے انتظامی اور قانونی، دو نئی طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیل ہم کو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ پھر آج کے یہ مدعی اصولی انداز کی کیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کرنے کے قابل نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آغا جیؑ کہ لاؤ گے لڑائی میں ہر شخص کا سر پرست ہوں جس کا کوئی سر پرست نہ تھا اسی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ اسلامی قانون کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔

۶۱۸۔ یہ بھی صرف انفرادی اخلاقیات ہی کی ایک دفعہ نہ تھی بلکہ جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو اسی کہل دی قوم

وَلَا تَقْفُ مَا لِكُنْكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُورًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا
إِنَّكَ لَنْ تَخْضُقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝

(۱۳) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ مگرجس کا تعین علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پڑا ہوئی تھے۔

(۱۴) زمین میں اگر کر نہ چلو، تو نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

کی داخل اور خارجی سیاست کا سنگ بنیاد ڈھیرا گیا۔

نیکو یہ ہدایت ہی صرف افراد کے باہمی معاملات تک محدود نہ رہی، بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہ بات حکومت کے فرائض میں داخل کی گئی کہ وہ منڈیوں اور بانڈوں میں لفظان اور پادوں کی نگرانی کے علاوہ وظیفہ کو بند نہ کر دے۔ پھر اسی سے یہ وسیع اصول اخذ کیا گیا کہ جماعت اور ماسخ میں دین میں ہر قسم کی بجایا نیوں اور حق تلفیوں کا سد باب کن حکومت کے فرائض میں ہے۔

۱۵۔ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس کا انجام اس لیے جس سے کس سے باہمی احمقہ قائم رہتا ہے، اسے اور طریقہ دار مددوں ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں، اور یہ چیز انجام کار جماعت کے فروغ اور عام خوشحالی کی وجہ ثابت ہوتی ہے۔ دینی اخوت اور دہاں کا انجام کی بھلائی کا سارا دار و مدار ہی ایمان اور خدا ترسی پر ہے۔

۱۶۔ اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہ محمد گمان کے بجائے ”علم“ کی پیروی کریں۔ اسلامی معاشرے میں اس منشا کی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق میں، قانون میں، سیاست اور انتظام میں ہوگی۔ علم و فنون کا نظام تعلیم میں، معزز ہر شعبہ حیات میں کی گئی اور ان سبہ شاعر اور ہمد سے فکر و عمل کو محفوظ کر دیا گیا جو علم کے بجائے گمان کی پیروی کرنے سے انسانی زندگی میں مدد نہ رہتی ہیں۔ اخلاق میں ہدایت کی گئی کہ بدگمانی سے بچو اور کسی شخص یا گروہ پر بلا متحقق کوئی اتنا نہ لگاؤ۔ قانون میں مستقل اصول طے کر دیا گیا کہ جس شخص پر کسی کے خلاف کوئی کا مدعا فی نہ کی جائے۔ تحقیق جہل میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ گمان پر کسی کو بظاہر مار پیٹ کر نایا حالات میں دے دینا ظلمی تا جائز ہے بغیر قیوں کے ساتھ توبہ میں یہ پالیسی متین کر دی گئی کہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی تہم نہ اٹھایا جائے اور مجروحہات پر اڑاؤں پھیلانی جائیں۔ نظام تعلیم میں بھی ان نام نہاد علوم کو ناپسند کیا گیا جو محض غنیمتیں اولیائی قیاسات پر مبنی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عقائد میں اسلام پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی اور ایمان لانے والوں کو یہ سکھایا گیا کہ صرف اس چیز کو مانیں جو خدا اور رسول کے دیے ہوئے

كُلْ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝۳۰ ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى
اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۝ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اٰخَرَ فَتُلْقٰى
فِيْ جَهَنَّمَ مَمْلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۱ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبٰنِيْنَ
وَاَتَاخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِناثًا ۝ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

۳۰

ان احکام میں سے ہر ایک کا بڑا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ یہ وہ
حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رجبے تجھ پر وحی کی ہیں۔

اور دیکھ! اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ٹال دیا جائے گا طاعت زدہ اور
ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تم تعالےٰ کے جسے تمہیں تو بیٹوں سے نوازا اور
خود اپنے لیے ملائکہ کو بیٹیاں بنایا، بڑی جھوٹی بات ہے جو تم لوگ زبانوں سے نکالتے ہو ۲

علم کی مد سے ثابت ہو۔

۳۱ طلب یہ ہے کہ جباروں اور حکمرانوں کی روش سے جو یہ ہدایت بھی انفرادی طرز عمل اور قری رویت و تدوین
پر کیاں عادی ہے۔ اور ایسی ہدایت کا فیض تھا کہ دینہ طیسریں جو حکومت اس منشور پر قائم ہوئی اس کے خزانوں اور
گودروں اور سپہ سالاروں کی زندگی میں جباری اور کبر پائی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا جس کی عین حالت جنگ میں بھی
کبھی ان کی زبان سے غرور و خود کی کوئی بات نہ نکلی۔ ان کی نشست و برخاست چال وصال، لباس، مکان، سواری اور
عام ہر تاؤ میں ان کے اور تواضع، بلکہ نفی و مدحی کی شان پائی جاتی تھی، اور جب وہ تاج کی حیثیت کے کسی شہر میں داخل
ہوتے تھے اس وقت بھی اگر اور تختہ سے کبھی اپنا رعب بٹھانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

۳۲ مٹی ہر حکم میں جو چیز مقرر ہے اس کا ارتکاب اللہ کو ناپسند ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں جس حکم کی بھی نافرمانی
کی جائے وہ ناپسندیدہ ہے۔

۳۳ بظاہر تو خطاب جنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کر کے ہدایات
فرمایا کرتا ہے اس کا اصل مخاطب ہر انسان بننا کرتا ہے۔

۳۴ تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے سورہ نمل آیت ۵۷ تا ۵۹ مع حواشی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا
 نُفُورًا ٣١ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا الْأَبْتَعُوا
 إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ٣٢ مُبْتَعْنَةً وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ
 عُلُوًّا كَبِيرًا ٣٣ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ

ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا کہ ہوش میں آئیں، مگر وہ حق سے اور زیادہ دور ہو رہی بھاگے جا رہے ہیں۔ اے محمد! ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرورت کو کش کر دیتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالا اور تر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں

۳۷ یعنی وہ خود مالکِ عرش بننے کی کوشش کرتے۔ اس لیے کہ چند ستیوں کا خلائی میں شریک ہونا وہ حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ سب اپنی اپنی جگہ مستقلِ خدا ہوں۔ یا ان میں سے ایک اہلِ خدا ہو، اور باقی اس کے بندے ہوں جن میں اس نے کچھ خدائی اختیارات دے رکھے ہوں۔ پہلی صورت میں کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ خود خدائے خدا ہو، ہر معاملے میں، ایک دوسرے کے امام سے موافقت کر کے اس اقتدارِ کائنات کے نظم کو اتنی کمال پہنچا، یہ سبکی اور تساہل اور توازن کے ساتھ چلا سکتے۔ تاگزیر تھا کہ ان کے ضمیر میں امامِ ماضیوں کی قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ہر ایک اپنی خدائی دوسرے خدائوں کی موافقت کے بغیر چلتی نہ دیکھ کر یہ کوشش کرتا کہ تنہا ساری کائنات کا مالک بن جائے۔ دوسری صورت، تو جس سے کطرفِ خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے خدا سے وہ ہمہ ادا شایع ہو سکتے، اگر کہیں کسی مخلوق کی طرف خدائی خدائی بھی مستقل کر دی جاتی تو وہ پھٹ پھٹ چڑھتا، چند لمحوں کے لیے بھی بندہ بن کر رہنے پر راضی نہ ہوتا، اور فوراً ہی خداوندِ عالم بن جانے کی فکر شروع کر دیتا۔

جس کائنات میں گیسوں کا ایک دانہ اور گھاس کا ایک تنکا بھی اس وقت تک پہنچتا ہوتا ہے جب تک کہ زمین پر انسان کی ساری قومیں ہی کر اس کے لیے کام نہ کریں، اس کے متعلق صرف ایک انتہا درجہ کا جاہل اور کفر مند آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس کی فراوانی ایک سے زیادہ خود غدار یا نیم غدار کو کہہ سکتے ہیں۔ اور جس نے کچھ بھی اس نظام کے مزاج اور طبعیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہاں خُدا ہی بالکل ایک ہی کی جہ انداس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔

وَمَنْ فِيهِمْ طَائِفَةٌ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْتَحْمِلُوا بِحِمْلِهِ وَلَكِنْ لَا
تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٢٧﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ
جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا
وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ

بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ
کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بدبار اور درگزر کرنے
والا ہے۔

جب تم قرآن چڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ عائل
کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں

۲۷ یعنی ساری کائنات اور اس کی ہر شے اپنے پرے وجود سے اس حقیقت پر گماہی دے رہی ہے کہ جس نے
اس کو پیدا کیا ہے اور جو اس کی پروردگاری و تعجباتی کر رہا ہے اس کی ذات پر جب اور نقص اور کوری سے منزہ ہے اور وہ اس سے
باہل پاک ہے کہ خلایق میں کوئی اس کا شریک و ہم ہو۔

۲۸ حمد کے ساتھ تسبیح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے نہ صرف یہ کہ اپنے خالق اور رب کا محبوب و خاص اور مودت
سے پاک و نازک و ظاہر کر رہی ہے، بلکہ اس کے ساتھ وہ اس کا تمام کمالات سے تصف اور تمام تر فضائل کو مستحق و مستحق بھی رہی
کرتی ہے ایک ایک چیز اپنے پرے وجود سے یہ بتا رہی ہے کہ اس کا مانع اور منتظم وہ ہے جس پر اسے کمالات تمام ہو گئے
ہیں اور خدا اگر ہے تو اس کے لیے ہے۔

۲۹ یعنی اس کا علم اور اس کی شان و قدری ہے کہ تم اس کی جناب میں گستاخیں پر گستاخیاں کیے جاتے ہو
اور اس پر طرح طرح کے بہتان تراشتے ہو اور ہر بھی وہ درگزر کیے جلا جاتا ہے۔ نہ رزق بند کرتا ہے، نہ اپنی نعمتوں سے عہد کرتا
ہے، اور نہ ہر گز تلخ پر فوٹا دیتا ہے۔ پھر یہ بھی اس کی بدبادی اور اس کے درگزر کی کا ایک گوشہ ہے کہ وہ افراد کو بھی اور
قوموں کو بھی سمجھنے اور سمجھنے کے لیے کافی صلت دیتا ہے، انبیاء اور مصلحین اور متبعین کو ان کی خواہش اور رہنمائی کے لیے
بار بار اٹھاتا رہتا ہے، اور جو بھی اپنی غلطی کو عروس کر کے میدانِ راستہ اختیار کرے اس کی کچھ غلطیوں کو عاف کر دیتا ہے۔

وَقَرَأَ وَإِذَا دُكِّرَتْ رَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحُذِّعَكَ وَلَوْ عَلَىٰ أَذْبَانِهِمْ

گوانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ

اٹھاتی ہے یعنی نفرت پر ایمان دلانے کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ آدمی کے دل پر نقل چڑھ جائیں اور اس کے کان میں دعوت کے لیے بند ہو جائیں جو قرآن میں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی تو دعوت ہی اس بنیاد پر ہے کہ دُورِی زندگی کے ظاہری پہلو سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہاں اگر کوئی حساب لیتے دلا اور جواب طلب کرنے والا نظر نہیں آتا تو یہ دُورِی نہ کسی کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہو جی نہیں۔ یہاں اگر شرک، دھرت، کفر، توحید، سب ہی نظریے آزادی سے اختیار کیے جاسکتے ہیں اور دُورِی لحاظ سے کوئی خاص فرق چھٹا نظر نہیں آتا، تو یہ دُورِی نہ کسی کے کوئی الگ الگ مستقل نتائج ہیں ہی نہیں یہاں اگر فتنہ و نجد اصطلاحات و تقویٰ، ہر قسم کے رویت اختیار کیے جاسکتے ہیں اور عقائد میں سے کسی رویت کا کوئی ایک لازمی نتیجہ دونا نہیں ہوتا تو یہ دُورِی نہ کسی کے کوئی الگ الگ نتائج سے ہے ہی نہیں۔ وہ اصل حساب طبعی اور جواب دہی سب کچھ ہے، مگر وہ سنے کے بعد دُورِی زندگی میں ہوگی۔ توحید کا نظریہ برحق اور باقی سب نظریات باطل ہیں مگر ان کے اصلی اور حقیقی نتائج حیات بعد الموت میں ظاہر ہوں گے اور وہ ہیں وہ حقیقت ہے نقاب ہوگی جو اس پردہ ظاہر کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔ ایک اہل اعتدال قانون ضرور ہے جس کے لحاظ سے فسق نقصان رساں اور طاعت فائدہ بخش ہے، مگر اس قانون کے مطابق دُورِی وہ قطعی فیصلے بھی دے گی کہ زندگی میں ہوں گے۔ لہذا تم دنیا کی اس مادی زندگی پر فریفتہ نہ ہو اور اس کے خشک و نازک پر اعتماد نہ کرو، بلکہ اس جواب دہی پر نگاہ رکھو جو تمہیں آخر کار اپنے خدا کے سامنے لے گی ہوگی اور وہ صبحِ اعتدالی اور اخلاقی رویت اختیار کرو جو تمہیں آخرت کے امتحان میں کامیاب کرے۔ یہ ہے قرآن کی دعوت۔ اب یہ بالکل ایک فسیاتی حقیقت ہے کہ جو شخص سرے سے آخرت ہی کا نئے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس کا سارا اعتماد اسی دنیا کے ظاہر و محسوسات و مجربات پر ہے، وہ کبھی قرآن کی اس دعوت کو قلبی باتفاق نہیں سمجھ سکتا۔ اُس کے پردہ گوش سے تو یہ آواز بگولہ کرکے ہمیشہ اچھٹی ہی رہے گی، کبھی دل تک پہنچنے کی راہ نہ پائے گی۔ اسی فسیاتی حقیقت کہ اللہ تعالیٰ ان افلاک میں فرماتا ہے کہ جہانِ آخرت کو نہیں مانتا، ہم اس کے دل میں اس کے کان قرآن کی دعوت کے لیے بند کر دیتے ہیں۔ یعنی یہ ہمارا قانونِ نفرت ہے جو اس پر یوں نافذ ہوتا ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لٹ دیا ہے۔ سورۃ طہ سورۃ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وَقَالُوا تِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرِ وَمَنْ أَتَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقُحْرٌ مِّنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ بَحَابٌ فَأَعْمَلُوا لَكُمْ عَمَلُكُمْ (روم ۱۸) یعنی وہ کہتے ہیں کہ "اے اللہ! تو جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے اس کے لیے ہمارے دل بند ہیں ان ہمارے کان ہمارے اور ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ جواب حاصل ہو گیا ہے۔ پس تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کیے جا رہے ہیں" یہاں ان کے اسی قول کو دُورِی کرنا اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ یہ کیفیت جسے قرآن ہی غیبی سمجھ کر بیان کر رہا ہے

نُفُورًا ۱۸۱) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ اِذْ يَسْتَمِعُونَ اِلَيْكَ وَاِذْهُمْ
يَجْوَى اِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا رَجُلًا مَّشْهُورًا ۱۸۲) اَنْظُرْ
كَيْفَ ضَرَبُوا الْاَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۱۸۳)

الرح

مڑ لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں تو دراصل کیا سنتے ہیں، اللہ
جب بیٹھ کر باہم سرگوشیاں کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں۔ یہ ظالم آپس میں کہتے ہیں کہ یہ تو ایک
سحر زدہ آدمی ہے جس کے پیچھے تم لوگ جا رہے ہو۔ دیکھو، کیسی باتیں ہیں جو یہ لوگ
تم پر چھانٹتے ہیں۔ یہ جھٹک گئے ہیں۔ انہیں راستہ نہیں ملتا۔

ہم یہ تو دراصل ایک چٹکارے جو تمہارے انکار آخرت کی بدولت ٹھیک قاذبی فطرت کے مطابق تم پر پڑی ہے۔

۱۸۲ یعنی انہیں یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے کہ تم ہم انہی کو رب قرار دیتے ہو، ان کے منہ سے اصرار
اصاب کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ ان کو یہ دوہریت ایک آن پسند نہیں آتی کہ آدمی ہم انہی انہی کا ٹٹ لگائے چلا جائے۔
نہ زندگوں کے تعزات کا کوئی ذکر۔ نہ امت ان کی فیض دہانی کا کوئی اعتراف۔ نہ ان شخصیتوں کی خدمت میں کوئی خلیج خمیں
جن پر ان کے خیال میں انہی نے اپنی خلائی کے خیمات ہاٹ رکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عجیب شخص ہے جس کے نزدیک
علم غیب ہے تو انہی کو حدت ہے تو انہی کی تعزات و امتیازات میں تو بس ایک انہی کے۔ انہی پر اسے امت انہی دے
بھی کوئی چیز نہیں یا نہیں جن کے اس سے ہمیں اولاد ملتی ہے، بچاؤں کو شفا نصیب ہوتی ہے، کا دوا دے چکے ہیں، امداد
لاگنی مرادیں برآتی ہیں۔

۱۸۳ یہ اشارہ ہے ان ہاتھوں کی طرف جو کٹاکر کے سر دہا میں لیا کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ چپ
چپ کر قرآن سنتے اور پھر ان میں شرمے کہتے تھے کہ اس کا تو کیا ہونا چاہیے۔ بسا اوقات انہیں اپنے ہی آدمیوں میں
کسی پر شہرہ بھی ہوتا تھا کہ شاید یہ شخص قرآن سن کر کچھ متاثر ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ سہل کراس کو سمجھاتے تھے کہ
اچھا یہ کس کے پیر میں آکر ہے، یہ شخص تو سحر زدہ ہے، یعنی کسی دشمن نے اس پر جادو کر دیا ہے اس لیے بھلی بھلی
باتیں کہنے لگا ہے۔

۱۸۴ یعنی یہ تمہارے متعلق کوئی ایک دامن ظاہر نہیں کرتے بلکہ مختلف اوقات میں بالکل مختلف اور متضاد
باتیں کہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں تم خود جادو کر رہے ہو کبھی کہتے ہیں تم پر کسی اودے نے جادو کر دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں تم شاعر ہو۔
کبھی کہتے ہیں تم نمون ہو۔ ان کی یہ متضاد باتیں خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ حقیقت ان کو معلوم نہیں ہے صمد ظاہر ہے

وَقَالُوا لِمَ ذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ أَلْمَزْتُمْ آلِهَافًا لِكِبْرَتِي صُدُّوكُمْ
فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغَضُونَ
لِلَّيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا
يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝

۵۱۲

وہ کہتے ہیں جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ — ان سے کہو ”تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے ذہن میں قبول حیات سے بعید تر ہو (پھر بھی تم اٹھ کر رہو گے)۔ وہ ضرور پوچھیں گے کون ہے وہ جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پٹا کر لائے گا؟ جواب میں کہو ”وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا۔“ وہ سر ہلا ہلا کر پوچھیں گے ”اچھا، تو یہ ہو گا کب؟“ تم کہو ”کیا عجب، وہ وقت قریب ہی آگیا ہو۔“ جس روز وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کے جواب میں نکل آؤ گے اور تمہارا لگنا اُس وقت یہ ہو گا کہ ہم بس تھوڑی دیر ہی اس حالت میں پڑے رہے ہیں۔“ ۵۱۲

کہ وہ اُنے دن ایک نئی بات چھانٹنے کے بجائے کوئی ایک ہی قطعی رائے ظاہر کرتے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا اپنے کسی قول پر پختہ نہیں ہیں۔ ایک الزام رکھتے ہیں۔ پھر آپ ہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ چسپاں نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ الزام لگاتے ہیں۔ اسی سے بھی لگتا ہے کہ ایک تیسرا الزام تصنیف کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ہر نیا الزام ان کے پہلے الزام کی تردید کر دیتا ہے، اسی سے چہر چل جاتا ہے کہ مصلحت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے، محض مصلحت کی بنا ہالیک سے ایک بڑھ کر جھوٹ گھڑے جا رہے ہیں۔

۵۱۳ انما نحن منی میں سر کرادہ سے نیچے اور نیچے سے اوپر کی طرف ہلانا جس طرح اظہارِ عجب کے لیے، یا خلقِ انانے کے لیے آدمی کرتا ہے۔

۵۱۴ میں دینیاں مرنے کے وقت سے لے کر قیامت میں اُٹھنے کے وقت تک کی مدت تم کو چند گھنٹوں سے زیادہ محسوس نہ ہو گی۔ تم اس وقت یسوع کے ہم خدا ویر سے پڑے تھے کہ یکایک اس شہر خستہ میں جگا اُٹھایا۔

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ
لِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۰﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ
لَنْ يَشَاءَ رَحْمَتُكُمْ أَوْ لَنْ يَشَاءَ عَذَابُكُمْ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ

اور اے محمدؐ میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالیں جو بہترین ہو۔ اصل
شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان
انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہارے حال سے زیادہ واقف ہے، وہ چاہے تو تم پر رحم
کرے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے دیتے۔ اور اے نبیؐ! ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دینا کہ نہیں
اور یہ جو فرمایا کہ تم اللہ کی حمد کرتے ہو نہ اس کا کھڑے ہو گئے تو یہ ایک بڑی حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن اور کافر ہر ایک کی زبان پر اس وقت اللہ کی حمد ہوگی۔ مومن کی زبان پر اس لیے کہ پہلی زندگی
میں اس کا اعتقاد مومن اور اس کا وظیفہ بھی تھا۔ اور کافر کی زبان پر اس لیے کہ اس کی عظمت میں ہی حیرت و حیرت تھی مگر اپنی حماقت
سے وہ اس پر پودہ ٹاٹے ہوئے تھا۔ اب نئے سرے سے زندگی پاتے وقت سارے مصروفیات ہٹ جائیں گے اصل
خلقت کی شہادت بلا تردد اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی۔

۱۰ یعنی اہل ایمان سے۔

۱۱ یعنی کفار و مشرکین سے جدا اپنے دین کے مخالفین سے گفتگو اور باتیں میں تیز کامی ہو جائے اور غلے غلے کام
نہیں۔ مخالفین خواہ کسی ہی ناکارہ باتیں کریں مسلمانوں کو بحال نہ تو کوئی بات تکلف حق زبان سے نکالنی چاہیے۔ اور نہ قطعہ
کہے سے باہر ہو کہ یہودی کا جواب یہودی سے دینا چاہیے۔ انیس ٹھنڈے دل سے وہی بات کہنی چاہیے جو جی بولی ہو
برحق ہو اور ان کی دعوت کے دھار کے مطابق ہو۔

۱۲ یعنی جب کبھی ہمیں مخالفین کی بات کا جواب دیتے وقت غصے کی آگ اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو
اور طبیعت بے اختیار جوش میں آتی نظر نہ تو فوراً سمجھ لو کہ یہ شیطان ہے جو ہمیں اکسارتا ہے تاکہ دعوت میں کام نہ لے
ہو۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ تم کسی اپنے مخالفین کی طرح اصلاح کا کام چھوڑ کر اسی جھگڑے اور فساد میں لگ جاؤ جس
میں وہ نوع انسانی کو مشغول رکھنا چاہتا ہے۔

۱۳ یعنی اہل ایمان کی زبان پر کسی ایسے دعوے نہ آنے چاہئیں کہ ہم جتنی ہیں اور فساد شخص یا گروہ مذہبی ہے۔
اس چیز کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہی سب انسانوں کے ظاہر و باطن اور ان کے حال و مستقبل سے واقف ہے۔

وَكَيْلًا ۝ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝ ۵۱ ۝
بھیجا گئے۔

تیرا رب زمین اور آسمانوں کی مخلوقات کو زیادہ جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبہ دیتے، اور ہم نے ہی داؤد کو زبور دی تھی۔

اسی کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کس پر رحمت فرمائے اور کسے عذاب دے۔ انسان اصولی حیثیت سے قریہ کہنے کا ضرور مجاز ہے کہ کتاب اللہ کی رو سے کس قسم کے انسان رحمت کے مستحق ہیں اور کس قسم کے انسان عذاب کے مستحق۔ مگر کسی انسان کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ فلاں شخص کو عذاب دیا جائے گا اور فلاں شخص بخشا جائے گا۔
غالباً یہ نصیحت اس بنا پر فرمائی گئی ہے کہ کبھی کبھی کفار کی زیادتیوں سے تنگ آکر مسلمانوں کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے ہیں کہ تو تم لوگ دوزخ میں جاؤ گے، یا تم کو خدا عذاب دے گا۔

اللہ یعنی نبی کا کام و رحمت دینا ہے۔ لوگوں کی قسمیں اس کے ہاتھ میں نہیں دے دی گئی ہیں کہ وہ کسی کے حق میں رحمت کا اور کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ کرتا پھرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی کوئی غلطی سرزد نہ کرتی تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تنبیہ فرمائی۔ بلکہ معاملہ اس سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصد ہے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جب نبی تک کا یہ منصب نہیں ہے تو تم جنت اور دوزخ کے ٹھیکہ دار کہاں بنے جا رہے ہو۔

۵۱۔ اس فقرے کے اصل مخاطب کفار گذرے ہیں، اگرچہ بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جیسا کہ سامعین کا باعہوم قاعدہ ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ کے ہم عصر وہ ہم قوم لوگوں کو آپ کے اندر کوئی فضل و شرف نظر نہ آتا تھا۔ وہ آپ کو اپنی جیسی کا ایک معمولی انسان سمجھتے تھے، اور جن مشہور شخصیتوں کو گذرے ہوئے چند صدیاں گذر چکی تھیں، ان کے متعلق یہ گمان کرتے تھے کہ عظمت تو بس ان پر ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے آپ کی زبان سے نبوت کا دعویٰ منکر وہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ شخص دلوں کی بات ہے، اپنے آپ کو مذکورہ معلوم کیا سمجھ بیٹھا ہے، بھلا کہاں یہ اور کہاں اگلے وقتوں کے وہ بڑے بڑے پیغمبر جن کی زندگی کا ملکہ ایک دنیا یا ماں رہی ہے۔ اس کا مقصد جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ زمین اور آسمان کی ساری مخلوق ہماری نگاہ میں ہے۔ تم نہیں جانتے کہ کون کیا ہے اور کس کا کیا مرتبہ ہے۔ اپنے فضل کے ہم خود مالک ہیں اور پہلے بھی ایک سے ایک بڑھ کر عالی مرتبہ نبی پیدا کر چکے ہیں۔

۵۲۔ یہاں خاص طور پر داؤد علیہ السلام کو زہد دیے جانے کا ذکر غالباً اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے، اور بادشاہ باعہوم خدا سے زیادہ مدد پزیرا کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین میں وہ جس سے آپ کی پیغمبری

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝۱۰۱ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ

ان سے کہو، پکارو، دیکھو ان معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

و خدا رسیدگی ماننے سے انکار کرتے تھے وہ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ تھی کہ آپ مام انسانوں کی طرح بری ہیجے دکتے تھے، کھاتے پیتے تھے، بازادوں میں جہل پھر کفر پر فروخت کرتے تھے، اور وہ سارے ہی کام کتنے تھے جو کوئی دنیا دہا کو اپنی انسانی حاجات کے لیے کیا کرتا ہے۔ کفار کو کہنا یہ تھا کہ تم تو ایک دنیا دار آدمی ہو، تمہیں خدا رسیدگی سے کیا تعلق؟ پیچھے ہٹو لوگ تو وہ ہوتے ہیں جنہیں اپنے حق بدن کا جوش بھی نہیں ہوتا، بس ایک گوشے میں بیٹھا اللہ کی یاد میں غرق رہتے ہیں۔ وہ کہاں اندر گھر کے آٹے والی کی نگر کہاں؟ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ایک پوری بادشاہت کے انتظام سے بڑھ کر دنیا دار کا اور کیا ہوگی۔ گلاس کے مادہ جو دعاؤں کو فوت ہو کر تاب سے سرفراز کیا گیا۔

۱۰۱۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے، بلکہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا مانگنا، یا اس کو مدد کے لیے پکارتا بھی شرک ہے۔ دعا اور استعا و استعانت، اپنی حقیقت کے اعتبار سے عبادت ہی ہیں اور غیر اللہ سے مناجات کہنے والا ویسا ہی مجرم ہے جیسا ایک بت پرست مجرم ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ نہ کوئی دوسرا کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے نہ کسی بری حالت کو اچھی حالت سے بدل سکتا ہے۔ اس طرح کا اعتقاد خدا کے سوا جس ہستی کے بارے میں بھی رکھا جاتا ہے، بہر حال ایک شرک کا نہ اعتقاد ہے۔

۱۰۲۔ یہ الفاظ خود گواہی دے رہے ہیں کہ شرکین کے جن معبودوں اور فریادوں کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے ان میں تو بت پرستی نہیں ہیں، بلکہ یہ تو فرشتے ہیں یا گھوڑے جو زمانے کے برگزیدہ انسان مطلب صاف صاف یہ ہے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء یا فرشتے کسی کی بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ تمہاری دعائیں سے تمہاری مدد کو پہنچے تم حاجت مدافعی کے لیے ان کو وسیلہ بنا رہے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں، اور اس کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں۔

عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْدُورًا ۝ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا
 قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَلِكَ فِي
 الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ
 كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا
 وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ

تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا سخت عذاب نہ دیں۔ یہ

نوشتہ الہی میں لکھا ہوا ہے۔

اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ ان سے پہلے کے لوگ ان کو مجتلا پہنے
 ہیں۔ (چنانچہ دیکھ لو) ثمود کو ہم نے علانیہ اونٹنی لاکر دی اور انھوں نے اس پر ظلم کیا۔ ہم نشانیاں ایسی لے
 تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انھیں دیکھ کر ڈریں۔ یاد کرو اے محمدؐ، ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ تیرے رب سے

۶۱۶ یعنی بقائے دوام کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ بڑی کربا تو طبی موت مرنا ہے یا خدا کے عذاب سے ہلاک ہونا ہے۔

مگر کہاں اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ ہماری یہ بیتیاں ہمیشہ کھڑی رہیں گی؟

۶۱۷ یعنی عیسوی ہجرات جو دلیل نبوت کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں، جن کا مطالبہ کفار قریش بار بار نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔

۶۱۸ مدعا یہ ہے کہ ایسا معجزہ دیکھ لینے کے بعد جب لوگ اس کی تکذیب کرتے ہیں، تو پھر وہ حال ان پر نازل عذاب

کا جب ہر جاتا ہے اور جیسا کہ قوم کو تباہ کیے بغیر نہیں چھوڑا جاتا۔ پچھل تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ متعدد قوموں نے معجز
 معجزے دیکھ لینے کے بعد بھی ان کو مجتلا کیا اور پھر تباہ کر دی گئیں۔ اب یہ سراسر اشد کی رحمت ہے کہ وہ ایسا کر ہی معجزہ نہیں بھیج
 رہا ہے۔ اس کے سنی یہ ہیں کہ وہ تمہیں بھنسا اور سنبھلنے کے لیے صلت دے رہا ہے۔ مگر تم ایسے جو قوف لوگ ہو کہ معجزے کا
 مطالبہ کر کے خود کے سے انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو۔

۶۱۹ یعنی معجزے دکھانے سے مقصود تماشا دکھانا تو کبھی نہیں رہا ہے۔ اس سے قصود تو ہمیشہ رہا ہے کہ لوگ

أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرِّبَا الَّتِي كُنْتُمْ لَا تَفْتَنُ لِّلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُحْوِفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا
كَبِيرًا ۝۱۰ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا

۱۰۔ ان لوگوں کو گھیر رکھا تھے۔ اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمہیں دکھایا ہے، اس کو اور اُس درخت کو جس پر
قرآن میں لعنت کی گئی ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا۔ ہم انہیں تنبیہ پر
تنبیہ کیے جا رہے ہیں، مگر یہ تنبیہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جاتی ہے۔ ۱۰

اور یاد کرو جب کہ ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، مگر

انہیں دیکھ کر خدا پر ہوائیں، انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کی پشت پر تادیب مطلق کی ہے پناہ طاقت ہے، اور وہ جان میں کہ اس کی
نافرمانی کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ یعنی تمہاری دعوت پیغمبرانہ کے بہت لمبی دور میں ہی، جبکہ قریش کے ان کافروں نے تمہاری مخالفت و
مذمت شروع کی تھی، ہم نے صاف صاف یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے، یہ ایڑی چوٹی کا
زور لگا کر دیکھ میں، یہ کسی طرح تیری دعوت کا راستہ نہ روک سکیں گے، اور یہ کام تو نے پہنے ہاتھ میں لیا ہے، ان کی ہر حرکت
کے باوجود جو کہہ گا۔ اب اگر ان لوگوں کو عجزہ دیکھ کر ہی خبردار ہوتا ہے، تو انہیں یہ عجزہ دکھایا جا چکا ہے کہ جو کچھ بات میں
کہہ دیا گیا، قضاہ پر دراج ہو کر، ان کی کوئی مخالفت بھی دعوت اسلامی کو پھیلنے سے نہ روک سکی، اور یہ تیرا بالی ٹکس بیکار کر کے۔
ان کے پاس آنکھیں ہوں تو یہ اس امر واقعہ کو دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں کہ نبی کی اس دعوت کے پیچھے اللہ کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔
یہ بات مگر اللہ نے مخالفین کو گھیرے میں لے رکھا ہے، اور نبی کی دعوت اللہ کی مخالفت میں ہے، مکے کے ابتدائی
دور کی مسودوں میں متعدد جگہ ارشاد ہوئی ہے: مَثَلُ مَسْرُوعٍ رُوحٍ فِي فَرَايَا: بَلَى الْكُفْرَانِ كَفَرُوا فِي تَكْنِيَتِ وَيَا لَكُم مَعِينٌ
وَمَا يَدْعُوهُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَيَصْبِرُونَ عَلَيْهِمْ لَكُم بِهِمْ عِزٌّ وَجَلَدٌ وَلَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝۱۱۔ اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

۱۲۔ اشارہ ہے صولح کی طرف۔ اس کے لیے یہاں فقرہ "رُوحٍ فِي فَرَايَا" استعمال ہوا ہے یہ خواب کے معنی میں دینے سے
بلکہ آنکھوں دیکھنے کے معنی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ محض خواب ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خواب ہی کی حیثیت سے
کفار کے سامنے بیان کیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان کے لیے فتنہ بن جاتا، خواب ایک سے ایک عجیب دیکھا جاتا ہے اور
لوگوں سے بیان بھی کیا جاتا ہے، مگر وہ کسی کے لیے بھی ایسے چنبٹے کی چیز نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی وجہ سے خواب دیکھنے لگے
کا مذاق اڑائیں اور اس پر چھوٹے دعوے یا جھوٹے انعام لگائے لگیں۔

إِبْلِيسَ ط قَالَ ءَا سَجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿۶۱﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ هَذَا
الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَىٰ لَيْلٍ آخِرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَأَخْتَنِكَ
ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ أَذْهَبَ مَنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ

ابلیس نے زکیا۔ اس نے کہا سیکھیں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ پھر وہ بولا
مذبحہ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک
ملت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیچ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اچھا تو جا، ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے، تجھ سمیت اُن سب کے لیے جہنم ہی

۶۱ یعنی زقوم، جس کے متعلق قرآن میں خبر دی گئی ہے کہ وہ دوزخ کی ترسیدہا ہوگا اور دوزخیوں کو اسے کھانا
پڑے گا۔ اس پر ہفت کرنے سے ملا اُس کا اللہ کی رحمت سے دور ہونا ہے۔ یعنی وہ اللہ کی رحمت کا نشان نہیں ہے کہ اسے
اپنی مہربانی کی وجہ سے اللہ نے لوگوں کی غذا کے لیے پیدا فرمایا ہو، بلکہ وہ اللہ کی لعنت کا نشان ہے جسے ملعون لوگوں کے لیے
اس نے پیدا کیا ہے تاکہ وہ بھوک سے تڑپ کر اس پر مذہابوں اور مزید تکلیف اٹھائیں۔ سورہ دھان میں اس رحمت کی جو
تشریح کی گئی ہے وہی ہے کہ دوزخی جب اس کو کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹ میں ایسی آگ لگائے گا جیسے ان کے پیٹ میں
پانی کھول رہا ہو۔

۶۲ یعنی جہنم نے ان کی بھلائی کے لیے تم کو معراج کے مشاہدات کرانے تاکہ تم جیسے صادق و امین انسان کے ذریعہ
سے ان لوگوں کو حقیقت نفس نامہری کا علم حاصل ہو اور یہ متنبہ ہو کر ماہِ لاست ہجرت آجائیں، مگر ان لوگوں نے اُن کو تنہا
خلق نہ کیا۔ ہم نے تمہارے ذریعہ سے ان کو خبردار کیا کہ یہاں کی حرام خوریاں آؤ کا رتہیں زقوم کے ذرائع کھلا کر دیں گی، مگر
انہوں نے اُن پر ایک شصٹا لگایا اور کہنے لگے، ذرا اس شخص کو دیکھو، ایک طرف کہتا ہے کہ دوزخ میں بلا کی آگ بھڑک
رہی ہوگی، اور دوسری طرف خبر دیتا ہے کہ وہاں درخت لگیں گے!

۶۳ تہا بل کے لیے لفظ ہوا بقروہ رکوع ۴، انصار رکوع ۱۸، الاعراف رکوع ۲، البقرہ رکوع ۳، ابراہیم رکوع ۴۔
اس سلسلہ کلام میں یہ قصہ دراصل یہ بات ذہن نشین کرنے کے لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے مقابلے میں ان کا قریب
کایہ تفرقہ اور تمہیبات سے ان کی یہ بے اعتنائی، اور کج روی یہاں کا یہ اصرار فیک فیک اُس شیطان کی پیروی ہے جو ازل
سے انسان کا دشمن ہے، اور اس روش کو اختیار کر کے وہ حقیقت یہ لوگ اُس جہاں میں پھنس رہے ہیں جس میں اٹلا دھوم کو
بھانسنے کے باوجود دینے کے لیے شیطان نے آغاز تاسخ انسانی میں چلیج کیا تھا۔

جَزَاؤُكُمْ جَزَاءٌ مَوْفُورًا ۝۱۳۰ وَاسْتَغْفِرُكُمْ مِّنْ اسْتَطَعْتُ مِنْهُمْ بِصَوْلَتِكُمْ
وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخِيَلِكَ وَرَحِمَتِكَ وَشَرِّكْ لَهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدُّهُمْ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝۱۳۱

بھر پور جزا ہے۔ تو جس جس کو اپنی دعوت سے پہلا سکتا ہے پہلا لائے، ان پر اپنے
سوار اور پیادے چڑھائے، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساتھ لگا، اور ان کو وعدوں کے
جال میں پھانس لے۔ اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

۱۳۰ صبح کنی کر ڈالیں، یعنی ان کے قدم سلامتی کی راہ سے اکھاڑ پھینکوں۔ "استغاث" سے مل سکتی کسی چیز کو بڑے
اکھاڑ دینے کے ہیں۔ چونکہ انسان کا اصل مقام خلافت الہی ہے، اس لیے اس کا تقاضا اطاعت میں ثابت قدم رہنا ہے، اس لیے اس
مقام سے اُس کو ہٹ جانا بالکل ایسا ہے جیسے کسی درخت کا بیج زمین سے اکھاڑ پھینکا جانا۔
۱۳۱ اصل میں لفظ "استغفر" استعمال ہوا ہے، جس کے معنی استغفار کے ہیں۔ یعنی کسی کو ہلکا اور کمزور پاکر
اسے ہالے ہالے کر ڈال دینا۔

۱۳۰ اس فقرے میں شیطان کو اس ڈاکرے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بستی پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے گا
ان کو اشارہ کرتا جائے کہ ادھر ٹوڑو، ادھر چھاپ مارو، اور وہاں غارتگری کرو۔ شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد وہ
سب ہیں اور انسان ہیں جو بے شمار مختلف شکلوں اور حیثیتوں میں ماہیس کی مشن کی خدمت کر رہے ہیں۔

۱۳۱ یہ ایک بتا ہی معنی نیز فقرہ ہے جس میں شیطان اور اس کے پیروں کے باہمی تعلق کی پوری تصویر کھینچی
گئی ہے۔ جو شخص مال کمانے اور اس کو خرچ کرنے میں شیطان کے اشاروں پر چلتا ہے، اس کے ساتھ گویا شیطان محنت
کا شریک بنا ہوا ہے۔ محنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، محرم اور گناہ اور غلط کاری کے بڑے نتائج میں وہ حصہ دار نہیں مگر
اس کے اشاروں پر یہ جو خوف اس طرح چل رہا ہے جیسے اس کے کاروبار میں وہ بلاشبہ کا شریک، بلکہ شریک غالب ہے۔
اسی طرح اولاد کو آدمی کی اپنی جوتی ہے اور اسے پائے پر سنے میں سارے پاؤں آدمی خود دیتا ہے، مگر شیطان کے
اشاروں پر وہ اس اولاد کو گمراہی اور ہلاکت کی تربیت اس طرح دیتا ہے گویا اس اولاد کا تنہا ہی باپ نہیں ہے بلکہ
شیطان بھی باپ ہونے میں اس کا شریک ہے۔

۱۳۱ یعنی ان کو غلط امیدیں دلا۔ ان کو جوئی ترقات کے چکر میں ڈال۔ اُن کو مہرباغ دکھا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝۶۵
لَكُمْ الَّذِي يُرْجِي لَكُمْ الْفَلَاحَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ
إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝۶۶ وَلَا ذَا مَسْكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ

یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا، اور توکل کے لیے تیرا رب کافی ہے۔

تمہارا (حقیقی) رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلانا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حال پر نہایت حیران ہے جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سرا

۵۸۰ اس کے دو مطلب ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ میرے بندوں یعنی انسانوں پر تجھے یہ اقتدار حاصل نہ ہوگا کہ تو انہیں زبردستی اپنی راہ پر بھیج لے جائے۔ تو فقط ہلکانے اور ضلالتانے اور غلط مشورے دینے اور جھوٹے وعدے کرنے کا مجاز کیا جائے مگر تیری بات کو قبول کرنا یا نہ کرنا انہیں دندوں کا اپنا کام ہوگا۔ تیرا اس سلطان پر نہ ہوگا کہ وہ تیری راہ پر جاتا چاہیں یا نہ چاہیں، بس معاملہ تو اتنا ہے کہ ان کو گھسیٹ لے جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے خاص بندوں یعنی صالحین پر تیرا بس نہ چلے گا۔ کمزور اور ضعیف الارادہ لوگ تو ضرور تیرے وعدوں سے دھوکا کھائیں گے مگر جو لوگ میری ہنگامی ثابت قدم ہوں، وہ تیرے تابع ہیں نہ انہیں گئے۔

۵۸۱ یعنی جو لوگ اللہ پر اعتماد کریں، اللہ جن کا بھروسہ کسی کی رہنمائی اور توفیق اور مدد پر ہو، ان کا بھروسہ ہرگز غلط ثابت نہ ہوگا۔ انہیں کسی اور سارے کی ضرورت نہ ہوگی۔ انسان کی ہدایت کے لیے بھی کافی ہوگا اور ان کی دست گیری و اعانت کے لیے بھی۔ البتہ جن کا بھروسہ اپنی طاقت پر ہو یا اللہ کے سوا کسی اور پر ہو، وہ اس آزمائش سے بے خبریت نہ گذر سکیں گے۔

۵۸۲ اوپر کے سلسلہ بیان سے اس کا حلقہ بچنے کے لیے اس کو ع کے ابتلائی مضمون پر پھر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابلیس اقل مدۃ آفرینش سے اولاد آدم کے پیچھے چٹا بھڑا ہے تاکہ اس کو ان دنوں اور تناؤں اور جھمٹے وعدوں کے دام میں پھانس کر راہ راست سے ہٹالے جائے اور یہ ثابت کر دے کہ وہ اس بزدلی کا مستحق نہیں ہے جو اسے خدا نے خلک ہے۔ اس خطرے سے اگر کوئی چیز انسان کو بچا سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی جنگی پر ثابت قدم رہے اور ہدایت و اعانت کے لیے کسی کی طرف رجوع کرے اور اسی کو اپنا دلیل (عارضہ توکل) بنائے۔ اس کے سوا دوسری جہاد بھی انسان اختیار کرے گا، شیطان کے پھندوں سے بچنے کے گا۔ اس تقریر سے یہ بات خود بخود ظاہر آئی کہ جو لوگ توحید کی دعوت کو رد کر رہے ہیں اور شرک پر اصرار کیے جاتے ہیں وہ حاصلِ آبِ ہی اپنی تباہی کے سدھے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہاں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کیا جا رہا ہے۔

تَدْعُونَ إِلَّا آيَاهُ فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْصَيْتُمْ وَكَانَ
الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝۱۵۰ أَفَأَمِنْتُمْ أَن يُخَسِّفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ
يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝۱۵۱ أَمْ أَمِنْتُمْ أَن
يُعِيدَ كُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ
فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝۱۵۲ وَلَقَدْ
كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَ
فَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝۱۵۳ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ

دوسرے جن جن کو تم بھارا کرتے ہو وہ سب تم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پہنچا دیتا ہے تو تم
اُس سے منہ موڑ جاتے ہو۔ انسان واقعی بڑا ناشکر ہے۔ اچھا، تو کیا تم اس بات سے بالکل بے خوف
ہو کہ خدا کبھی خشکی پر ہی تم کو زمین میں دھنسا دے، یا تم پر پتھر ڈالنے والی آندھی بھیج دے اور تم اس
بچانے والا کوئی حمایتی نہ پاؤ؟ اور کیا تمہیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں کہ خدا پھر کسی وقت سمندر میں تم کو
لے جائے اور تمہاری ناشکری کے بدلے تم پر سخت طوفانی ہوا بھیج کر تمہیں غرق کر دے اور تم کو ایسا کوئی
نہ ملے جو اُس سے تمہارے اس انجام کی پوچھ گچھ کر سکے؟ — یہ تو ہماری غایت ہے کہ ہم نے
بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے لذت دیا اور
اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی تاکہ پھر خیال کرو اس دن کا جب کہ ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے

۱۵۰ یعنی ان معاشی اور فنی اور علمی و دینی فائزیت ممتنع ہونے کی کوشش کرو جو بحری سفروں سے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۵۱ یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری اعلیٰ قدرت ایک خدا کے سوا کسی رب کو نہیں جانتی اور تمہارے اپنے

دل لگ کر تمہارے وجود پر نفع و نقصان کے حقیقی اختیارات کا مالک بس وہی ایک ہے۔ حدیث آخر اس کی وجہ کیا ہے
کہ جو اصل وقت دستگیری کا ہے اُس وقت تم کو ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا دستگیر نہیں مڑھتا؟

أَكَابِس بِأَمَانِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ
 كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝۴۱ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ
 فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۴۲ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ
 عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لَتَفْتَرِي عَلَيْنَا غَيْرَكَ ۖ وَإِذَا
 لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۝۴۳ وَلَوْ كَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدَاتَ تَزُكَّرُ

پیشوا کے ساتھ بلاتیں گے۔ اس وقت جن لوگوں کو ان کا نام اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا
 کارنامہ پیش کرے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور جو اس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی
 اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔

اے محمد! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس
 وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات مقرر
 اگر تم ایسا کرتے تو وہ تمہیں اپنا دوست بنا لیتے۔ اور عید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف
 سے بھیڑ مینے ایک بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ فتنہ انسانی کو زمین اور اس کی اشیاء پر یہ اقتدار کسی جن یا بشر
 یا تیار نے نہیں عطا کیا ہے، نہ کسی ولی یا نبی نے اپنی نوع کو یہ اقتدار دیا ہے۔ یقیناً یہ اللہ ہی کی بخشش اور اس کا
 کریم ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر حماقت اور جہالت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اس مرتبہ پر فائز ہو کہ اللہ کے سہائے اس کی
 آگے چلے۔

۴۱-۴۲ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے روز نیک لوگوں کو ان کا نام اعمال
 سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ خوش خوشی اسے دیکھیں گے، بلکہ دوسروں کو بھی دکھائیں گے۔ رہے بد اعمال لوگ،
 قرآن کا نام نہ لیا وہ ان کو انہیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ اسے لیتے ہی ہٹھکے پیچھے چھپانے کی کوشش کریں گے۔ ملاحظہ ہو
 سورۃ المائدہ آیت ۱۹-۲۸۔ اور سورۃ انفشاق آیت ۶-۱۳

۴۳ یہ ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو پچھلے دس ہزار سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے میں پیش آ رہے
 تھے کہ خدا کو اس بات کے درپے تھے کہ جس طرح بھی جو آپ کو توحید کی اس دعوت سے ہٹا دیں جسے آپ پیش کر رہے

إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۖ إِذَا لَذُفُّكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ
ثُمَّ لَا يَجِدُكَ عَلَيْكَ نَصِيرًا ۝ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ
الْأَرْضِ لَخُرُجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوسرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوسرے عذاب کا، پھر تمہارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔
اور یہ لوگ اس بات پر بھی تسلیم نہیں کرتے کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اٹھاؤ دیں اور تمہیں
یہاں سے نکال باہر کریں لیکن اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد یہ خود یہاں کچھ زیادہ دیر نہ
ٹھہریں گے۔

تھے اور کسی نہ کسی طرح آپ کو مجبور کر دیں کہ آپ ان کے شرک اور رسوم و عبادت سے کچھ نہ کچھ اصلاح کر لیں۔ اس غرض کے
لیے انہوں نے آپ کو قتلے میں ڈالنے کی ہر کوشش کی کہ فریب بھی دیے، لالچ بھی دلائے، دھمکیاں بھی دیں، جھوٹے
پروپیگنڈے کا طوفان بھی اٹھایا، ظلم و ستم بھی کیا، معاشی دباؤ بھی ڈالا، معاشرتی مقاطعہ بھی کیا، اور وہ سب کچھ کر ڈالا جو
کسی انسان کے عزم و کھست دینے کے لیے کیا جاسکتا تھا۔

۵۸۸ اللہ تعالیٰ اس ساری دوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں یاد فرماتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر تم حق کو حق جان
لینے کے بعد باطل سے کوئی جھوٹ کر لیتے تو یہ گھڑی ہوئی قوم تو ضرور تم سے خوش ہو جاتی، مگر خدا کا غضب تم پر بھروسہ
اٹھاتا اور تمہیں دنیا و آخرت، دونوں میں دوسری سزا دی جاتی۔ دوسرے یہ کہ انسان خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، خود اپنے
بل بوتے پر باطل کے ان طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ یہ سراسر
اشکاک و شبہ و تردید تھا جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق و صداقت کے موقف پر پھانسی لڑ رہے تھے اور
کوئی سیلاب بلا آپ کو بال برابر بھی لاپرواہی جگہ سے نہ ہٹا سکا۔

۵۸۹ یہ مزید پیشین گوئی ہے جو اس وقت تو صرف ایک دھمکی نظر آتی تھی مگر دس یا بارہ سال کے اندر ہی
حرف بحرف سچی ثابت ہو گئی۔ اس سورۃ کے نزول پر ایک سال گزرا تھا کہ خدا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن سے نکل جانے کا
مجبور کر دیا اور اس پر پہ سال سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ آپ خلیج کی حیثیت سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اور پھر دو سال
کے اندر اندر سرزمین عرب مشرکوں کے وجود سے پاک کر دی گئی۔ پھر جو بھی اس ملک میں رہا مسلمان بن کر رہا، مشرک بن کر

ج

سُنَّةٌ مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا
اقِمِ الصَّلَاةَ لِلدُّلُولِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ

یہ ہمارا مستقل طریق کار ہے جو ان سب رسولوں کے معاملے میں ہم نے برتنا ہے جنہیں تم سے پہلے ہم نے بھیجا تھا، اور ہمارے طریق کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔
نماز قائم کرو زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو وہاں نہ ٹھہر سکا۔

۹۰۔ یعنی سارے انبیاء کے ساتھ اللہ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ جس قوم نے ان کو قتل یا جلا وطن کیا، پھر وہ زیادہ دیر تک اپنی جگہ نہ ٹھہر سکی۔ پھر یا تو خدا کے عذاب نے اسے ہلاک کیا، یا کسی دشمن قوم کو اس پر مسلط کیا گیا، یا خود اسی نبی کے پیروں سے اس کو مغلوب کر دیا گیا۔

۹۱۔ مشکلات و مصائب کے اس طوفان کا ذکر کرنے کے بعد فوراً ہی نماز قائم کرنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے یہ لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ثابت تہمتی جو ان حالات میں ایک مومن کو دکھارے، امانتِ صلاۃ سے حاصل ہوتی ہے۔

۹۲۔ زوالِ آفتاب، ہم نے دلوں کا شخص کا ترجمہ کیا ہے۔ اگر یہ بعض صحابہ و تابعین نے دوک سے مراد غروب بھی لیا ہے، لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد آفتاب کا نصف اتھارے ڈھل جانا ہے۔ حضرت عمرؓ ان اُس بن مالک، ابوہریرہؓ، ابوسلمہؓ، ابیہریرہؓ، شیعی، عطاء، مجاہد اور ایک روایت کی رو سے ابن عباسؓ بھی اسی کے تامل ہیں۔ امام محمدؓ یا قرادہ امام جعفر صادقؓ سے بھی یہی قول مروی ہے، بلکہ بعض روایات میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دوک شمس کی یہی تشریح منقول ہے اگرچہ ان کی سند کچھ زیادہ قوی نہیں ہے۔

۹۳۔ غسقِ لیل یعنی کے نزدیک رات کا پوری طرح تاریک ہو جانا ہے، اور بعض اس سے نصف شب مراد لیتے ہیں۔ اگر پہلا قول تسلیم کیا جائے تو اس سے مشاکوہ اول وقت مراد ہوگا، بعد اگر دوسرا قول صحیح مانا جائے تو فجر یا اشراق کے بعد وقت کی طرف ہے۔

۹۴۔ فجر کے لغوی معنی ہیں ”پونہا“ یعنی دو وقت جب اول اول پیدہ صبح رات کی تاریکی کو چھوڑ کر نمودار ہوتا ہے۔

فجر کے قرآن سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے لیے کمین تو صلاۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور کمین اس کے مختلف ہوا میں کے ہے جو کا نام لے کر پوری نماز مراد لی گئی ہے، مثلاً تسبیح، حمد، ذکر، قیام، رکوع، سجود وغیرہ۔ اسی طرح یہاں فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا مطلب صبح قرآن پڑھنا نہیں، بلکہ نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ اس طریقہ سے

اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۸۷﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتُحَدِّثْهُ نَافِلَةً

کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے۔ اور رات کو تجھ پر پڑھو، یہ تمہارے لیے

قرآن مجید نے منشاء یہ اشارہ کر دیا ہے کہ نماز کن اجزاء سے مرکب ہونی چاہیے۔ اور انہی اشارات کی رہنمائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی وہ ہیئت مقرر فرمائی جو مسلمانوں میں رائج ہے۔

۹۹۵ قرآن مجید کے مشہود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے فرشتے اس کے گواہ بنتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں تصریح بیان ہو چکا ہے۔ اگرچہ فرشتے ہر نماز اور ہر تکبیر کے گواہ ہیں، لیکن جب خاص طہر پر نماز فجر کی قرات پر ان کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں طویل قرات کرنے کا طریقہ اختیار فرمایا اور اسی کی پیروی صحابہ کرام نے کی اور بعد کے ائمہ نے اسے مقبول قرار دیا۔ اس آیت میں چھلایا گیا ہے کہ جمع وقت نماز جو سراج کے موقع پر فرض کی گئی تھی، اس کے اوقات کی تنظیم کس طرح کی جائے۔ حکم ہوا کہ ایک نماز تو طوع و اقبال سے پہلے پڑھ لی جائے، اور باقی چار نمازیں نفل آتاکے بعد سے طاعت شب تک پڑھی جائیں۔ پھر اس حکم کی تشریح کے لیے جبریل علیہ السلام بھیجے گئے جنہوں نے نماز کے ٹیک ٹیک اوقات کی تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی میں اس جاس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جبریل نے دوسرے مجھ کو بیت اللہ کے قریب نماز پڑھائی۔ پہلے دن ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھائی

جیکہ سورج ابھی اٹھا ہی تھا اور سایہ ایک جوتی کے تیسے سے زیادہ دروازہ تھا، پھر عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جیکہ ہر چیز کا سایہ اس کے اپنے قدم کے برابر تھا، پھر مغرب کی نماز ٹیک اس وقت پڑھائی جیکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، پھر عشا کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھا دی، اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جیکہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرے دن انہوں نے ظہر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جیکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قدم کے برابر تھا، اور عصر کی نماز اس وقت جیکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قدم سے دو گنا ہو گیا، اور مغرب کی نماز اس وقت جیکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، اور عشا کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے پر، اور فجر کی نماز ابھی طوع و اقبال میں پھیل جانے پر۔ پھر جبریل نے پٹ کر مجھ سے کہا کہ اسے عشاء کی اوقات انبیاء کے نماز پڑھنے کے ہیں، اور نمازیں کے صحیح اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہیں۔ (یعنی پہلے دن ہر وقت کی ابتدا اور دوسرے دن ہر وقت کی انتہا بتائی گئی ہے۔

ہر وقت کی نماز ان دونوں کے درمیان ادا ہونی چاہیے)۔

قرآن مجید میں خود بھی نماز کے ان پانچوں اوقات کی طرف مختلف مواقع پر اشارے کیے گئے ہیں چنانچہ سورۃ

جو میں فرمایا:

آقِیْعَ الصَّلَاةِ طَوَافُ النَّهَارِ وَشَرُّهَا
مِنَ الْاَيَّامِ - (رکوع ۱۰)

نماز قائم کر دن کے دووں کا دن پہلو یعنی فجر اور
غروب (اور کچھ رات گزرنے پر یعنی شام)

اور سورۃ طہ میں ارشاد ہوا:

وَمِنْهُمْ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ طَوَافٍ
اَلشَّمْسُ وَاقِلٌ عِزِّ رَبِّهَا وَمِنْ اَنَّا
اَيَّلَ قَسِيْرَتُمْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ •
(رکوع ۸)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کا طواف کرتے ہیں
پہلے (فجر اور غروب) آفتاب پہلے (غروب اور فجر) کے
اوقات میں پھر تسبیح کر (شام اور دن کے سرور) پہلوی
صبح، ظہر اور غروب)

پھر سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا:

قَسْبُحْنَ اَللّٰهُ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ
تُصْبِحُونَ • وَكُلُّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْاَعْلٰی
وَالْاَسْفٰی وَعِشْيَا وَجَدَّيْنِ تَطْهَرُوْنَ •
(رکوع ۲)

پس اللہ کی تسبیح جب کہ تم شام کرتے ہو (غروب) اور
صبح کرتے ہو (فجر)۔ اس کے لیے صبح ہے آسمان میں
اور زمین میں۔ اللہ کی تسبیح کہ دن کے آخری حصے میں
(غروب اور فجر) تم دو پیر کرتے ہو (ظہر)

نماز کے اوقات کا یہ نظام مقرر کرنے میں جو صلیتیں مقرر کی گئی ہیں ان میں سے ایک اہم مصلحت یہ بھی ہے کہ آفتاب
پرستوں کے اوقات عبادت سے اجتناب کیا جائے۔ آفتاب ہر زمانے میں مشرق کا رخ کرے گا، یا بہت بڑا ہو اور آفتاب
اور اس کے طلوع و غروب کے اوقات خاص طور پر ان کے اوقات عبادت رہیں گے، اس لیے ان اوقات میں تو نماز پڑھنا
حرام کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آفتاب کی پرستش زیادہ تر اس کے عروج کے اوقات میں کی جاتی رہی ہے، لہذا اسلام میں
حکم دیا گیا کہ تم دن کی نماز میں نہ ال آفتاب کے بعد پرستی شروع کرو اور صبح کی نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ لیا کرو۔ اس
مصلحت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعدد احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت عمر بن خطابؓ
روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا:

صل صلوٰۃ الصبح ثم اقصروا عن
الصَّلَاةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَقِ
تَرْتَعَمُ فَاَنْهَآ تَطْلُعُ حَتّٰی تَطْلُعَ بَیْنَ
قَرْنِی الشَّیْطٰنِ وَحِیْنِیْذِیْ سَجَدَ
لَہُ الْکُفَّارُ

صبح کی نماز پڑھو اور جب سورج نکلے گا تو نماز
سُکھ جاؤ۔ یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔
کیونکہ سورج جب نکلے ہے تو شیطان کے سینگوں
کے درمیان نکلے ہے اور اس وقت کفار اس کو
سجدہ کرتے ہیں

پھر آپ نے صبح کی نماز کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

ثم اقصروا عن الصَّلَاةِ حَتّٰی تَقْرُبَ
الشَّمْسُ فَاَنْهَآ تَقْرُبَ بَیْنَ قَرْنِی

پھر نماز سے سُکھ جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب
ہو جائے کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان

لَكَ عَلَى أَنْ يَبْعَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ۝۹۱ وَقُلْ

رَبِّ ادْخُلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

نفل ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

اور دعا کرو کہ دروازہ کھلے جہاں تمہیں باطنی کے ساتھ لے جائے اور جہاں کو بھی نکل پھائی کے ساتھ نکالے

الشیطان وحیث یسجد لہما الکفار فروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث میں سورج کا شیطان کے سینکڑوں کے درمیان طلوع اور غروب ہونا ایک استعارہ ہے یہ تصور دلانے کے لیے کہ شیطان اس کے نکلنے اور ڈوبنے کے اوقات کو لوگوں کے لیے ایک حقیر نہایتا ہے۔ مگر واجب لوگوں کو کہ نکلنے اور ڈوبتے دیکھ کر کہہ رہے ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیطان اسے اپنے سر پر بے ہوش کیا ہے اور دوسری طرف جیسے جہاں ہے۔ اس استعارہ کے کہ حضور نے خود اپنے اس فقرے میں کھول دی ہے کہ اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں ۹۱

۹۱ تمہارے معنی میں بندہ توڑ کر اٹھنے کے پس رات کے وقت تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رات کا ایک حصہ سوئے کے بعد پھر اٹھ کر نماز پڑھی جائے۔

۹۲ قل کے معنی ہیں فرض سے لائنڈ۔ اس سے خود بخود یہ اشارہ مل گیا کہ وہ پہلی نمازیں جن کے اوقات کا نظام پہلی امت میں بیان کیا گیا تھا، فرض ہیں اور چوتھی نماز فرض سے ناکم ہے۔

۹۳ یعنی دنیا اور آخرت میں تم کو ایسے مرتبہ پر پہنچاؤ جہاں تم محمود و عطا ہو کر رہو، ہر طرف سے تم پر مدد و ستائش کی بارش ہو اور تمہاری ہستی ایک قابل تعریف ہستی بن کر رہے۔ آج تمہارے مخالفین تمہاری قراض گالیوں اور ملامتوں سے کھر رہے ہیں اور کھ بھروس تم کو بدنام کرنے کے لیے انہوں نے جو نئے الزامات کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے مگر وہ وقت معد نہیں ہے جبکہ دنیا تمہاری قریظوں سے گریخ اٹھے گی اور آخرت میں بھی تمہاری خلق کے مدد ہو کر رہو گے۔ قیامت کے بعد نبی ملیٰ امیر علیہ وسلم کا مقام شفاعت پر کھڑا ہونا بھی اسی مرتبہ محمودیت کا ایک حصہ ہے۔

۹۴ اس دعا میں یقین سے مدد معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا وقت اب بالکل قریب آگیا تھا، اس لیے فرمایا کہ تمہاری دعا یہ ہونی چاہیے کہ عداوت کا ماحول کسی حال میں تم سے نہ چھوٹے، جہاں سے بھی تمکو صداقت کی خاطر کھڑا رہاں جہاں بھی جاؤ صداقت کے ساتھ جاؤ۔

وَأَجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَصِيْرًا ﴿٨٠﴾ وَقُلْ جَاءَ

الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨٧﴾

اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بناتے۔

اور اعلان کر دو کہ حق را گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

نتیجہ یعنی تو مجھے عوامِ امتحان کا یہی حکومت کو میرا مددگار بنانے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس
مجاہد کو دوست کر سکوں، فواہش اور مباحی کے اس سیلاب کو روک سکوں، اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں یہی تفسیر
اس آیت کی جو حسن بصری و شافعی نے کی ہے، اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر صیغے میں ائمہ و مفسرین نے اختیار کیا ہے اور
اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کرتی ہے کہ **اِنَّ اللّٰهَ لَيَعْرِفُ بَالِشُّطْرَانِ مَا لَا تَعْرِفُ بِالْقُرْآنِ**، یعنی
”اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سہرا بکھڑتا ہے جن کا سہرا بابِ قرآن سے نہیں کرتا۔“ اس سے معلوم
ہوا کہ اسلام دنیا میں ہوا مصلح چاہتا ہے وہ صرف وہ مظلوم تذکرے نہیں جو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی
طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جبکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت
دین اور افواہِ شریعت اور اجرا سے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا صرف جائز بلکہ
مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلط ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی
شخص اپنے لیے حکومت کا طالب ہو۔ یا خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہو تاویہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا
میں تقاضا ہے۔

۱۰۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کچھ روزگرمش پر پناہمگن تھی، اور باقی مسلمان سخت بے کسی و نظری کی حالت میں کھارو اطراف مکہ میں زندگی بسر کر رہے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہر وقت خطرے میں تھی۔ اس وقت بغا بر باطل ہی کا فلیہ تھا اور فلیہ حق کے ائمہ کیسں دور دور نظر نہ آتے تھے مگر اسی حالت میں نبی کو مکہ دے دیا گیا کہ تم صاف صاف ان باطل پرستوں کو سنا دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ ایسے وقت میں یہ عجیب طعان لوگوں کو محض زبان کا پھاگ محسوس ہوا اور انہوں نے اسے شتموں میں آڑا دیا۔ مگر اس پر فریسی ہی گرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی شہر مکہ میں فلاح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور آپ نے کچھ میں جا کس باطل کو مٹا دیا جو تین سو ساٹھ بتوں کی صورت میں وہاں سجا رکھا تھا۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ فلاح مکہ کے دن حضور کچھ کے بتوں پر ضرب لگا دیے تھے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ "جاء الحق و ضا حق الباطل ان الباطل کان زاهقا۔ جاء الحق و ضا یئد فی الباطل و ما یئیدا۔"

وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَلَا
يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۸۶﴾ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ
أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يُوَسِّلُ ﴿۸۷﴾ قُلْ
كُلُّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۖ فَرِيكَمُ أَعْلَمُ بِمَن هُوَ أَهْلُ سَبِيلٍ ﴿۸۸﴾
وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمُ

ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں دو کچھ نازل کر رہے ہیں جو نئے دلوں کے لیے توشفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسار کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ ایٹھٹھا اور ٹیٹھ موڑ لیتا ہے اور جب ذرا مصیبت کے دوچار ہوتا ہے تو یابوس ہونے لگتا ہے۔ اسے نبیؐ ان لوگوں سے کہہ دو کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے اب یہ تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ بھی راہ پر کون ہے۔

یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ رُوح میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں نے

۱۔ اللہ یعنی جو لوگ اس قرآن کو اپنا رہنما اور اپنے لیے کتاب آئین مان میں ان کے لیے تو یہ خدا کی رحمت اور ان کے تمام ذہنی، نفسانی، اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج ہے مگر جو ظالم اسے دکر کے اور اس کی رہنمائی سے منہ موڑ کر اپنے اور آپؐ ظلم کریں ان کو یہ قرآن اس حالت پر بھی نہیں رہنے دیتا جس پر وہ اس کے نزول سے یا اس کے جاننے سے پہلے تھے بلکہ یہ انہیں اُٹا اس سے زیادہ خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کا وجہ یہ ہے کہ جب تک قرآن آ یا نہ تھا یا جب تک وہ اس سے واقف نہ ہوئے تھے، ان کا خسارہ محض جہالت کا خسارہ تھا مگر جب قرآن ان کے سامنے آ گیا اور اس نے حق اور باطل کا فرق کھول کر دکھ دیا تو ان پر خدا کی رحمت تمام ہو گئی۔ اب اگر وہ اسے دکر کے گمراہی پر اصرار کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جاہل نہیں بلکہ ظالم اور باطل پرست اور حق سے نفور ہیں۔ اب ان کی حیثیت وہ ہے جو زہر اور تیاق اور دھوکہ کو دیکھ کر نہ ہنستا بلکہ کہنے لگے کی ہوتی ہے۔ اب اپنی گمراہی کے وہ پورے ذمہ دار اور سرگناہ جو اس کے بعد وہ کوس اس کی پوری سزا کے مستحق ہیں۔ یہ خسارہ جہالت کا نہیں بلکہ شرارت کا خسارہ ہے جسے جہالت کے خاصے سے بڑھ کر کسی ہونا چاہیے۔ یہی بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت مختصر سے بیچ جیلے میں بیان

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا وَلَكِنْ شَرَعْنَا لَكَ ذَهَبًا بِالدِّنَارِ أَوْ حَبْنًا

علم سے کم ہی بہرو یا پائے۔ اولے مؤخر ہم چاہیں تو وہ سب کچھ تم سے ہمیں پس جو ہم نے وحی کے ذریعہ

فرمایا ہے کہ القرآن حجۃ لک اذ علیک ینفی قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا پھر تیرے خلاف حجت۔

۱۔ عام طور پر یہ سمجھا جا کہ یہاں مدح سے مراد جان ہے، یعنی لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدح و ستائش کے متعلق پورا حقائق اس کی حقیقت کیلئے، اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے لیکن میں یہ صحت تسلیم کرنے میں سخت تامل ہے اس لیے کہ یہ صحت صرف اس صورت میں لے جاسکتے ہیں جبکہ حقائق و سہاق کو نظر انداز کر دیا جائے اور سلسلہ کلام سے بالکل الگ کر کے اس نکتہ کو ایک مغفوبہ جملے کی حیثیت سے لے دیا جائے۔ ہذا سلسلہ کلام میں مذکور دیکھا جائے تو روح کو جان کے معنی میں لینے سے جہالت میں سخت بے رہی محسوس ہوتی ہے اور اس امر کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ جس پہلے میں اس قدر قرآن کے نسخہ شفا ہونے اور منکرین قرآن کے ظالم اور کافر نسبت ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اور حال بعد کی بات میں پھر قرآن کے کلام الہی ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، وہاں اس کو کس مناسبت سے یہ معقول کیا گیا کہ جانداروں میں جان خدا کے حکم سے آتی ہے؟

دوبارہ جہالت کو گلاہیں رکھ کر دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں مدح سے مراد وحی یا وحی لانے والا فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔ مشرکین کا سوال دواصل یہ تھا کہ یہ قرآن کون کہاں سے لاتے ہو؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد، تم سے یہ لوگ مدح یعنی مانندہ قرآن یا فائدہ وصول قرآن کے واسطے میں دریافت کرتے ہیں۔ انہیں بتا دو کہ یہ مدح میرے رب کے حکم سے آتی ہے اگر تم لوگوں نے علم سے انکار کیا ہے کہ تم انسانی ساخت کے کلام اور وحی ربانی کے ذریعہ سے نازل ہونے والے کلام کا فرق نہیں سمجھتے اور اس کلام پر یہ شبہ کہتے ہو کہ اسے کوئی انسان گھڑ رہا ہے۔

یہ تفسیر صرف اس لحاظ سے قابل ترجیح ہے کہ تقریر سابقہ اور تقریر مابعد کے ساتھ آیت کا ربط اس تفسیر کا متقاضی ہے، بلکہ خود قرآن مجید میں بھی دوسرے مقامات پر یہی معنوں قریب قریب انہی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورہ مومن میں ارشاد ہوتا ہے یٰلَیْحٰی التَّوْحٰیدِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَکُّہٗ مِنْ جَبَّارٍ وَّ یٰلَیْحٰی سَیِّدِہٖمَا اِسْلَافِیْہٖ ذُوہِ اِنِّہٖ مِنْکُمْ ہے اسے جس بندے پر چاہتا ہے مدح نازل کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے اگلے ہونے کے دن سے اگلا کرے تاکہ وہ اور خدا میں میں فرط و کذلک اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ سُرُوْہًا مِّنْ اَمْرِہٖ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا اَلُوْکُنْہٗ وَلَا اِلَآ فِیْہِا نَ - اور اسی طرح ہم نے تیری طرف ایک مدح اپنے حکم سے بھیجی۔ تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیلئے ہوتی ہے اور ایمان کیا ہے۔

سلف میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو قسٹ اودہ کے حوالے سے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے مگر عجیب بات لکھی ہے کہ ابن عباس اس خیال کو چھپا کر بیان کرتے تھے۔ اور صاحب مدح المعانی حسن اور قتادہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ مدح سے مراد جبرئیل ہیں اور سوال

إِلَيْكَ ثُمَّ لَا يَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝۷۱ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَیْفًا ۝۷۲ قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَیْ أَنْ یَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا یَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیرًا ۝۷۳

تم کو عطا کیا ہے، پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پاؤ گے جو اسے واپس دلا سکے۔ یہ تو جو کچھ تمہیں ملا ہے تمہارے رب کی رحمت سے ملا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔ کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کروں تو نہ لاسکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

در اصل یہ نشانہ کہ کیسے نازل ہوتے ہیں اور کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی کا اقرار ہوتا ہے۔
۱۴۔ صلابت بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مقصود اصل کفار کو سنانا ہے جو قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ٹکڑا بنا کر کسی انسان کا دپردہ سکھایا ہوا کلام کہتے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کلام پیغمبر نے نہیں گھڑا، بلکہ ہم نے عطا کیا ہے اور اگر ہم اسے جہنم میں تو نہ پیغمبر کی یہ طاقت ہے کہ وہ ایسا کلام تعریف کر کے لاسکے اور نہ کوئی دوسری طاقت ایسی ہے جو اس کو ایسی جھڑنا کتاب پیش کرنے کے قابل بنا سکے۔

۱۵۔ یہ چیلنج اس سے پہلے قرآن مجید میں تین مقامات پر گزر چکا ہے۔ سورہ بقرہ، رکوع ۳، سورہ یونس، رکوع ۴۔ اور سورہ ہود، رکوع ۲۔ آگے سورہ طہ، رکوع ۲ میں بھی یہی مضمون آ رہا ہے۔ ان سب مقامات پر یہ بات کھلم کھلا اس انداز کے جواب میں ارشاد ہوئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ قرآن تعریف کر لیا ہے اور خواہ مخواہ وہ اسے خدا کا کلام بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ مزید برآں سورہ یونس، رکوع ۲ میں اسی الزام کی تردید کرتے ہوئے یہی فرمایا گیا کہ تَعْلٰی تَزَكٰی وَاَللّٰهُ مَا تَكْلُوْنَ عَلَیْكُمْ وَلَا اَدْرَاكُمْ كَفْرًا ۚ فَعَقِلْتُمْ فَبِئْسَ لِلْخٰفِیْنَ قَلْبًا ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی تم نے کفر، ان سے کہو کہ اگر اللہ نے یہ نہ چاہا ہوتا کہ میں یہ قرآن تمہیں سنائوں تو میں ہرگز نہ سن سکتا تھا بلکہ تمہیں اس کی خبر ہی نہ دے سکتا تھا۔ آخر میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

ان آیات میں قرآن کے کلام الہی ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے وہ دو اصل تین دلیلوں سے مرکب ہے:

ایک یہ کہ یہ قرآن اپنی زبان، اسلوب بیان، طرز استدلال، مضامین، مباحث، تعلیمات اور اخلاقیات کے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى أَكْثَرُ
النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝۹۰ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا مِنَ السَّمَاءِ
مَائِدًا ۝۹۱ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ ۝۹۲ وَعَنْبٍ فَتُفَجَّرَ الْأَنْهَارُ
خِلَالَهَا ۝۹۳ تُفَجِّرُهَا ۝۹۴ أَوْ تَسْقُطُ السَّمَادُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر لوگ انکار ہی پر جمے رہے۔
اور انہوں نے کہا: ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ
جاری نہ کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں
کر دے۔ یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔

حافظ سے ایک مجملہ ہے جس کا نظیر لانا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ تم کہتے ہو کہ اسے ایک انسان نے تصنیف کیا ہے،
مگر ہم کہتے ہیں کہ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس شان کی کتاب تصنیف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر وہ جن جنہیں مشرکین نے اپنا
عبود بنا رکھا ہے، ہر جن کی عبودیت پر یہ کتاب طائرہ ضرب لگادی ہے، انکو دین قرآن کی مدد پر اکٹھے ہو جائیں تو وہ بھی
ان کو اس قابل نہیں بنا سکتے کہ قرآن کے پائے کی کتاب تصنیف کر کے اس چیلنج کو دوڑ سکیں۔

دوسرے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے باہر سے یہ ایک تمہارے درمیان نمودار نہیں ہو گئے ہیں، بلکہ اس قرآن
کے نزول سے پہلے بھی ۴۰ سال تمہارے درمیان رہ چکے ہیں۔ کیا دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے بھی کبھی تم نے
ان کی زبان سے اس طرز کا کلام سنا؟ مسائل اور مضامین پر عقل کلام مناجات؟ اگر نہیں سنا تھا اور یقیناً نہیں سنا تھا
تو کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے کہ کسی شخص کی زبان، خیالات، مصلیات اور طرز فکر و بیان میں یہ ایک ایسا تینفر
واقع ہو سکتا ہے؟

تیسرے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھیں قرآن سا کہیں غائب نہیں ہو جاتے بلکہ تمہارے درمیان ہی رہتے
سکتے ہیں۔ تم ان کی زبان سے قرآن بھی سنتے ہو اور دوسری گفتگو میں اور تقریریں بھی سنا کرتے ہو۔ قرآن کے کلام اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دماغ قدر مختلف
اشیا کی کبھی ہر نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اسی زمانہ میں وضع نہیں تھا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں
رہتے سنتے تھے۔ بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ ان کی زبان اور اسلوب

اَوْ تَاتِي بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝۶۷ اَوْ يَكُوْنُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرَفٍ اَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَئِنْ تُؤْمِنَنَّ لِرٰقِيْكَ حَتّٰى تُنْزِلَ
عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرُؤُهُ ۚ قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۝۶۸

فَإِذَا

یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سوئے کا ایک گھر بن جائے۔
یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور نیزے پر چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کر سگے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک
ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ — اے محمد! ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار کیا
میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟

قرآن کی زبان اور اسلوب اس قدر غریب ہیں کہ زبان وادب کا کوئی رمز، نشانہ یا تعبیر کہنے کی جرات نہیں رکھتا کہ یہ دونوں
ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ یونس، آیت ۶۷ (مصدقہ شریفہ ۲۱)

۱۵۰ جمعیت کے مطالبے کا ایک جواب اس سے پہلے رکوع ۱ کی آیت وَمَا مَنَعْنَا أَنْ نُرِیْكَ بِالْآیٰتِ
میں گز چکا ہے۔ اب یہاں اسی مطالبے کا دوسرا جواب دیا گیا۔ بناءً، مختصر جواب کی ممانعت تو یس سے بالاتر ہے۔
غاضب کی مطالبہ یہ تھا کہ اگر تم پیغمبر تو بھی بنیں، کی طرف آیات اُتار دو اور ایک ایک چشمہ پھوٹ جائے یا تو را ایک
لعلات بارغ پیدا ہو جائے اور اس میں نہریں جاری ہو جائیں۔ آسمان کی طرف اشارہ کر دو اور سارے مہلکاتے والوں پر
آسمان ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے۔ ایک پھونک مار دو اور چشمہ زلزل میں سوئے کا ایک ٹپ بن کر تیار ہو جائے۔ ایک آواز
دو اور ہمارے سامنے خدا اور اس کے فرشتے قوۃ اکھڑے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ ہم ہی نے محمد کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔
ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ کر جاؤ اور ازلہ سلا سے ایک خط ہمارے نام لکھو الا وہ جسے ہم ہاتھ سے چھوئیں
اور اکھڑیں سے پڑھیں۔ — ان لیے چڑھے مطالبوں کا یہ جواب دے کہ جو دیا گیا کہ ان سے کہو پاک ہے
میرا پروردگار کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟ یعنی میری قوۃ کیا نہیں ہے خدا ہونے کا
دعویٰ کیا تھا کہ تم یہ مطالبے مجھ سے کرنے گئے؟ میں نے تم سے کہ کیا تھا کہ میں قادر و قاطع ہوں، میں نے کب کہا تھا
کہ زمین و آسمان پر میری حکومت بدل دی ہے؟ میرا دعویٰ تو ازل و ازل سے یہی تھا کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لانے
والا ایک انسان ہوں۔ یقین جاننا ہے تو میرے پیغام کو جانو۔ ایمان لانا ہے تو اس پیغام کی صداقت و معقولیت دیکھ کر
ایمان لاؤ۔ انکار کرنا ہے تو اس پیغام میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ۔ میری صداقت کا اعلان کرنا ہے تو ایک انسان ہونے
کی حیثیت سے میری زندگی کو میرے خالق کو، میرے کلام کو دیکھو۔ یہ سب کچھ جو ذکر کرتے ہو میرے یہ کیا مطالبہ کرنے لگے

وَمَا مَنَعَهُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى إِلَّا أَنْ قَالُوا
ابْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿۱۴﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ
مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿۱۵﴾

لوگوں کے سامنے جب بھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا
مگر ان کے اسی قول نے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیتا؟ ان سے کہو اگر زمین میں فرشتے
الہینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے ہی کو ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

کہ زمین ہمارا دوسرا آسمان گراؤ، تو پیغمبری کا ان کاموں سے کیا تعلق ہے؟

۱۴۔ یعنی ہزاروں کے جاہل لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ بشر کی پیغمبری نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے جب
کوئی رسول آیا تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ کھاتا ہے، پیوستہ ہے، عورت پرست کا بنا ہوا ہے، بیعت مل کر دیا کہ
پیغمبر نہیں ہے، کیونکہ بشر ہے۔ اور جب وہ گور گیا تو ایک مدت کے بعد اس کے حقیقت مندوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے
شروع ہو گئے جو کھنے لگے کہ وہ بشر نہیں تھا، کیونکہ پیغمبر تھا، چنانچہ کسی نے اس کو خدا بنایا، کسی نے اسے خدا کا بیٹا کہا اور
کسی نے کہا کہ خدا اس میں حلول کر گیا تھا، عرض بشریت اور پیغمبری کا ایک ذات میں جمع ہونا جاہلوں کے لیے ہمیشہ ایک
مقہای بنارہا۔

۱۵۔ یعنی پیغمبر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اگر پیغام سنایا کہ ہے، بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اس پیغام کے
مطابق انسانی زندگی کی اصلاح کرے۔ اسے انسانی احوال پر اس پیغام کے اصولوں کا انطباق کرنا ہوتا ہے۔ اسے خود اپنی
زندگی میں ان اصولوں کا عملی مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے ان بے شمار مختلف انسانوں کے ذہن کی اقیانوس میں پڑتی ہیں
جو اس پیغام سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے ملنے والوں کی تعلیم اور تربیت کرنی ہوتی ہے تاکہ اس پیغام کی
تعلیمات کے مطابق ایک معاشرہ وجود میں آئے۔ اسے انکار اور مخالفت و مزاحمت کرنے والوں کے مقابلے میں جدوجہد
کرنی ہوتی ہے تاکہ ان کی حمایت کرنے والی طاقتوں کو نپا دکھایا جائے اور اصلاح عمل میں آ سکے جس کے لیے خدا نے
پیغمبر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سارے کام جبکہ انسا اور انسانی کے لیے تو ان کے لیے انسان میں تو اور کوئی بھی
جاتا؟ فرشتہ تو زیادہ سے زیادہ بس یہی کہ تاکہ ان اور پیغام پہنچا کر چلا جاتا۔ انسانوں میں انسان کی طرح نہ کہ انسان
کے سے کام کرنا اور انسانی زندگی میں منشاء الہی کے مطابق اصلاح کر کے دکھانا یا کسی فرشتے کے میں کا کام تھا۔
اس کے لیے تو ایک انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا۔

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ اِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۶۴﴾
 وَمَنْ يَّمْهَدْ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مُنْتَدٍ وَمَنْ يُّضِلْ فَلَنْ يُّجِدَ اَنْتُمْ اَوْلِيَاءُ مِنْ
 دُونِهِ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمِيًّا وَنُكَأ وُصْمًا مَا اَنْتُمْ
 بِجَهَنَّمَ كَلِمًا خَبِتَ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿۶۵﴾ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا

اسے محمدؐ ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان بس ایک اللہ کی گواہی کافی ہے۔
 وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہی میں ڈال دے تو
 اس کے بدلے لوگوں کے لیے تو کوئی حامی و ناصر نہیں پاسکتا۔ ان لوگوں کو ہم قیامت کے روز
 اوندھے منہ کھینچ لائیں گے، اوندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی اس کی آگ
 دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکادیں گے۔ یہ بدلہ ہے ان کی اس حرکت کا کہ انہوں نے ہماری

۹۹ یعنی جس جس طرح سے میں تمہیں بھاریا ہوں اور تمہاری مصلحت حال کے لیے کوشش کر رہا ہوں اسے بھی
 اللہ جانتا ہے، اور جو کچھ تم میری مخالفت میں کر رہے ہو اس کو بھی اللہ دیکھ رہا ہے فیصلہ آنکا اور اسی کو کرنا ہے اس لیے
 بس اسی کا جانا اور دیکھنا کافی ہے۔

۱۰۰ یعنی جس کی ضلالت پسندی اور ہٹ دھرمی کے بجائے اللہ نے اس پر ہدایت کے دوا اڑے بند
 کر دیے ہوں اور جسے اللہ ہی نے ان گمراہیوں کی طرف میل دیا جو جن کی طرف وہ جانا چاہتا تھا، تو اب اور کون ہے
 جو اس کو راہ راست پر لائے جس شخص نے سچائی سے منہ موڑ کر جھوٹ پر مطمئن ہو نا چاہا، اللہ جس کی اس خیانت کو دیکھ کر
 اللہ نے بھی اس کے لیے وہاں سبب فراہم کر دیے جن سے سچائی کے خلاف اس کی نفرت میں اور جھوٹ پھلنے لگی
 میں اور زیادہ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، آخر دنیا کی کوئی طاقت جھوٹ سے منحرف اور سچائی پر مطمئن کر سکتی ہے، اللہ
 کا یہ قاعدہ نہیں کہ جو خود جھگڑتا ہے اسے زبردستی ہدایت دے اور کسی دوسری ہستی میں یہ طاقت نہیں کہ لوگوں
 کے دل بدل دے۔

۱۰۱ یعنی جیسے وہ دنیا میں رہ کر بد ہے کہ حق دیکھتے تھے، حق سننے لگتے اور حق بولتے تھے، لیکن

اسرائیل اِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَمُوسَىٰ
مَسْحُورًا ۝۱۰۱ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا أُنْزِلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رُبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ سامنے آئیں تو فرعون نے یہی کہا تھا تاکہ اسے موسیٰ، میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور ایک مسح زدہ آدمی ہے۔ موسیٰ نے اس کے جواب میں کہا تو غیب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں رب السموات والارض کے سوا کسی نے نازل نہیں

۱۰۱ واضح رہے کہ یہاں پھر کفار کہہ کر معجزات کے مطالعے کا جواب دیا گیا ہے، اور یہ تیسرا جواب ہے۔ کفار کہتے تھے کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ بنائے تم یہ اہدیہ کام کر کے نہ دکھاؤ۔ جواب میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے فرعون کا ایسے ہی مرتجع معجزات ایک وہ نہیں اپنے درپے دکھائے گئے تھے، پر تمہیں معلوم ہے کہ جتنا جانتا چاہتا تھا اس نے انہیں دیکھ کر کیا کہا؟ اور یہ بھی خبر ہے کہ جب اس نے معجزات دیکھ کر بھی نبی کو جھٹلایا تو اس کا انجام کیا ہوا؟ وہ نشانیاں جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلے سورہ اعراف میں گزر چکی ہیں۔ یعنی قصداً، ہمارے دلائل جاتا تھا، یہ بیچارہ جو بغل سے نکلتے ہی سورج کی طرح جھکنے لگتا، جادوگر دہل کے جادو کو برابر عام شکست دیتا، ایک سلطان کے مطابق سارے ملک میں قطار پاہو جاتا، اور پھر یکے بعد دیگرے ٹوفان، بڑی دلی، سرشاری، سینکڑوں اور ٹھن کی بلاؤں کا نازل ہونا۔

۱۰۲ یہ وہی خطاب ہے جو مشرکین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ اسی سورت کے رکوع ۵ میں ان کا یہ قول گزر چکا ہے کہ اِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا سَحَابًا مَّسْحُورًا (تم تو ایک مسح زدہ آدمی کے پیچھے چلے جا رہے ہو)۔ اب ان کو بتایا جا رہا ہے کہ بیشک اسی خطاب سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو نوازا تھا۔

اس مقام پر ایک ضمنی مسئلہ اور بھی ہے جس کی طرف ہمارا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ زمانہ حال میں مسکون حدیث نے احادیث پر جماعت رافضات کیجے ہیں ان میں سے ایک عمرائیں یہ ہے کہ حدیث کی رو سے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا، حالانکہ قرآن کی آمد سے کفار کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھٹا الزام تھا کہ آپ ایک مسح زدہ آدمی ہیں۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس طریقہ راویان حدیث نے قہار کی تکذیب اور کفار کی تصدیق کی ہے لیکن یہاں دیکھیے کہ عینہ قرآن کی روشنی سے حضرت موسیٰ پر عین ذہن کا یہ قصہ الزام تھا کہ آپ ایک مسح زدہ آدمی ہیں۔ اور پھر قرآن خود ہی سوا اللہ میں کہتا ہے کہ وَذَٰلِكَ جُنْدُكَ جَعَلْنَاهُمْ يَخِشُّوكَ لِأَنَّكَ مِنْ سَجْدَةٍ وَهِيَ تَلْجُ إِلَىٰ فَاوْجَسَ فِي نَفْسِهِ حِقَّةٌ قُرُوسٍ ۚ يَنِي جب جادوگروں نے اپنے پتھر پھینکے تو کیا کال کے جادو سے موسیٰ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کی لٹائیاں اور رستیاں دوڑ رہی ہیں، پس موسیٰ اپنے دل میں ڈر گیا کیا یہ الفاظ صریح طور

بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَكْتُنُكَ يَفْرَعُونَ مَذْبُورًا ۱۰۲ ۱۰۳ فَارَادَ أَنْ يَنْتَفِزَهُمْ
مِّنَ الْأَرْضِ فَأَعْرَفْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيعًا ۱۰۴ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ

کی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ لے فرعون تو ضرور ایک شامت زدہ آدمی ہے۔ آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ
موسٰی اور بنی اسرائیل کو زمین سے اکھاڑ پھینکے مگر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اکھاڑتے ہوئے دیکھا اور اس کے

بد حالات نہیں کر رہے ہیں کہ حضرت موسٰی اس وقت جادو سے متاثر ہو گئے تھے، اور کیا اس کے متعلق بھی مشکوٰۃ حدیث
یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ یہاں قرآن نے خود اپنی گذیب اور فرعون کے جھوٹے الزام کی تصدیق کی ہے؟

دو اصل اس طرح کے اعتراضات اٹھانے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کفار کدہ اور فرعون کس معنی میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت موسٰی کو مسخوڑ سکتے تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ کسی دشمن نے جادو کر کے ان کو دیوانہ بنا دیا ہے اور اسی
دیوانگی کے زیر اثر یہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے ایک مذلا پیغام سناتے ہیں۔ قرآن ان کے اسی الزام کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ رہا
دقیق طور پر کسی شخص کے جسم یا کسی مادی جسم کا جادو سے متاثر ہو جانا قریب بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو پتھر مارنے
سے جھٹ لگ جائے۔ اس چیز کا کفار نے الزام لگایا تھا، نہ قرآن نے اس کی تردید کی، اور نہ اس طرح کے کسی وقتی
متاثر سے نبی کے منصب پر کوئی حریف آتا ہے۔ نبی پاک و زہراؑ اثر ہو سکتا تھا، نبی اگر زخمی ہو سکتا تھا، تو اس پر جادو کا اثر بھی
ہو سکتا تھا۔ اس سے منصب نبوت پر عرف آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ منصب نبوت میں اگر قادیان ہو سکتی ہے تو یہ بات
کہ نبی کے قول سے عقلی و ذہنی جادو سے مخلوب ہو جائیں، حتیٰ کہ اس کا کام اور کلام سب جادو ہی کے زہا اثر ہونے لگے۔
فانی حق حضرت موسٰی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی الزام لگاتے تھے اور اسی کی تردید قرآن نے کی ہے۔

۱۰۵ یہ بات حضرت موسٰی نے اس لیے فرمائی کہ کسی ملک پر قیام آجاتا، یا لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلے ہوئے
علاقے میں سینکڑوں کا ایک بلا کی طرح ٹھکانا، یا تمام ملک کے غنے کے گروہوں میں ٹھکانا، اور ایسے ہی
دوسرے عام مصائب کسی جادوگر کے جادو یا کسی انسانی طاقت کے کرب سے رونما نہیں ہو سکتے۔ پھر جبکہ ہر بلا
کے نازل سے پہلے حضرت موسٰی فرعون کو نوٹس دے دیتے تھے کہ اگر تو اپنی ہٹ سے باز نہ آتا تو یہ بلا تیری سلطنت
پر مسلط کی جائے گی، اور ٹھیک ان کے بیان کے مطابق وہی بلا پوری سلطنت پر نازل ہو جاتی تھی، تو اس صورت میں
صرف ایک دیوانہ یا ایک سخت ہٹ دھرم آدمی ہی یہ کہہ سکتا تھا کہ ان بلاؤں کا نزول رب السموات حالارض کے
سوا کسی اور کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔

۱۰۶ یعنی میں تو سحر زدہ نہیں ہوں مگر تو ضرور شامت زدہ ہے۔ تیرا ان خدائی نشانوں کے پہلے پہلے دیکھنے
کے بعد بھی اپنی ہٹ پر قائم رہنا صاف بتا رہا ہے کہ تیری شامت آگئی ہے۔

لَبَنِي إِسْرَءِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ
 جُنَّا بِكُمْ لَقِيفًا ۝۵۳ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا
 أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۵۴ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ
 عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْتٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝۵۵ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ

بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں بٹو پھر جب آخرت کے وعدے کا وقت آئے گا تو تم
 تم سب کو ایک ساتھ حاضر کریں گے۔

اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے ہر جگہ
 تمہیں ہم نے اس کے سوا اور کسی کام کے لیے نہیں بھیجا کہ (جو ماں لے اسے) ایشات لے دو اور یحییٰ
 مانے اُسے متنبہ کر دو۔ اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم ٹھیک ٹھیک کر لے لو گوں
 کو سناؤ، اور اسے ہم نے (موقع موقع سے) بتدریج آمارا ہے۔ اے محمد بن لوگوں سے کہد کہ تم اے ماں

۵۵۳ یہ اصل فرض اس تھے کہ یہاں کر سکی بشرکین کہ اس نکریں تھے کہ مسلمانوں کو ہدایتی علیٰ شیطانی
 کو سرزمین عرب سے ناپید کر دیں۔ اس پر انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہی کچھ فرعون نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ساتھ کرنا چاہا
 تھا مگر تمہاری کہ فرعون اور اس کے ساتھی ناپید کر دیے گئے اور زمین پر موسیٰ اور بنی اسرائیل ہی رہ گئے۔ اب اگر اسی
 روش پر تم چلو گے تو تمہارا انجام اس سے کچھ بھی مختلف نہ ہوگا۔

۵۵۴ میں تمہارے ذمے یہ کام نہیں کیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن کی تعلیمات کو جان کر حق اور باطل کا فیصلہ کرنے
 کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کو تمہیں نکال کر اللہ باغ کا لکڑہاٹاں پھاڑ کر کسی کسی طرح مومن بنانے کی کوشش کرو، بلکہ
 تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے حق بات پیش کرو اور پھر انہیں صاف صاف بتا دو کہ جہاں سے لے کر جہاں پہنچا
 ہی بھلا کہے گا اور جہاں سے لے کر جہاں پہنچا دیکھے گا۔

۵۵۵ یہ مخالفین کی اپنی تشدد کا جواب ہے کہ انہیں یہاں کر پناہ لینا تھا تو پورا پیغام ایک وقت کیوں نہ بھیج دیا،
 یہ خوشخبری کہ تھوڑا تھوڑا پیغام کیوں بھیجا جا رہا ہے، کیا خدا کو بھی انسانوں کی طرح سوچ سوچ کر بات کرنے کی ضرورت
 پیش آتی ہے، ہر شہید کا مفصل جواب سورہ نحل رکوع ۴۴ کی ابتدائی آیتوں میں گزر چکا ہے اعداد ۱۱۱ میں اس کی تشریح

أَوْ لَا تُوْمِنُونَ ۚ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُسْأَلُ عَلَيْهِمْ
يَخْرُجُونَ لِلْآذِقَانِ مُبْحَدًا ۖ وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ
وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۖ وَيَخْرُجُونَ لِلْآذِقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ
خُشُوعًا ۖ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَلَا تَجْهَرُبْ صَلَاتِكَ وَلَا تَخَافَتْ يَهَا وَابْتَغِينَ ذِيكَ
سَبِيلًا ۖ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ

۱۱۹

یاد نہ ہو جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے
میں گر جاتے ہیں اور پکاراٹھتے ہیں ”پاک ہے ہمارا رب“ اس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا اور وہ منہ
بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اسے شکر اُن کا خشرع اور بڑھ جاتا ہے۔ س

اے نبی! ان سے کہو ”اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب اچھے
ہی نام ہیں۔ اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت ہست آواز سے، ان دونوں کے درمیان
اوسط رہے گا اور اختیار کرو۔ اور کمزور تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہ
ہی کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲۰ یعنی وہ اہل کتاب جو انسانی کتابوں کی تعلیمات سے واقف ہیں اللہ ان کے اعلا کلام کو پہانتے ہیں۔
۱۲۱ یعنی قرآن کو سن کر وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ جس نبی کے آئے کا وعدہ پچھلے اخیار کے میٹھوں میں لگایا
تھا وہ لگیا ہے۔

۱۲۲ ماحین اہل کتاب کے اس دے کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے مثلاً آل عمران
دکوع ۱۳، ۲۰۔ اھل المائدہ دکرع ۱۱۔

۱۲۳ یہ جواب ہے جسکین کے اس اعتراض کا کہ خالق کے لیے ”اللہ“ کا نام تو ہم نے مناجات، مگر ”رحمان“
کا نام تم نے کہا، ان کے ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نام رائج نہ تھا اس لیے وہ اس پر ناک بھول

شَرِيكَ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا وَكَبَّرُوا تَكْبِيرًا ۝

میں اس کا شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشت تیبان ہو۔ اور اس کی بڑائی بیان کر، و کمال درجے کی بڑائی۔ ۲

پڑھاتے تھے۔

۱۲۴۲ھ ابن عباس کا بیان ہے کہ کئی میں جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم با دو سرے صحابہ نماز پڑھتے وقت بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو کفار شور مچانے لگتے اور ساداتِ اوقات گالیوں کی دھجھاڑ شروع کر دیتے تھے۔ اس پر حکم ہوا کہ نہ تو اتنے زور سے پڑھو کہ کفار سن کر ہجوم کریں، اور نہ اس قدر ہستہ پڑھو کہ تمہارے اپنے ساتھی بھی نہ سن سکیں۔ یہ حکم صرف انہی حالات کے لیے تھا۔ بدینے میں جب حالات بدل گئے تو یہ حکم باقی نہ رہا۔ البتہ جب کبھی مسلمانوں کو کئے کے سے حالات سے دوچار ہونا پڑے۔ انہیں اسی ہدایت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

۱۲۴۵ھ اس فقرے میں ایک لطیف طنز ہے ان مشرکین کے عقائد پر جو مختلف دینوں اور بزرگ انسانوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں نے اپنی خدائی کے مختلف شعبے یا اپنی سلطنت کے مختلف علاقے ان کے انتظام میں دے رکھے ہیں۔ اس پر وہ عقیدے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی خدائی کا بار سنبھالنے سے عاجز ہے اس لیے وہ اپنے پشت تیبان تلاش کر رہا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ اللہ عاجز نہیں ہے کہ اسے کچھ ڈھپیلوں اور دھوکوں کی حاجت ہو۔



فہرست موضوعات

الف

ابراہیم علیہ السلام:

۲۵۶-۳۸۵-۴۴۱-۴۴۲

تفسیر ابراہیم علیہ السلام ۳۵۲-۳۵۵-۴۸۸ تا

۴۹۱-۵۰۹-۵۱۱

قوم ابراہیم ۷۱۳

آپ کی صفات ۲۴۷-۳۵۵-۳۸۹-۵۸۰

آپ شکر سے ہاتھ پاک تھے ۵۸۰

اپنی ذات میں ایک اُمت تھے ۵۸۰

اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق ۳۵۵

آپ کا دین کیا تھا ۴۸۱

فلسفین میں آپ کی جگہ کیا مقام ۳۸۱

معر میں غیر معروف نہ تھے ۴۰۳

آپ نے اپنے باپ کے لئے دعا کی مسرت کیوں کی

تھی؟ ۲۳۲-۴۹۱

اپنی اولاد کو کتنے عرصے کے لئے وقت آپ کی دعا ۴۸۸ تا

۴۹۱

آپ کے ہاں فرشتوں کا آنا اور حضرت اٹھان کی پیدائش

کی بشارت دینا ۵۰۹-۵۱۰

برصا پے میں اولاد کی پیدائش ۵۱۰

قتل ابراہیم اور شریعت یہود کا فرق ۵۸۰-۵۸۱

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل ابراہیم کی پیروی کا حکم کیوں

دیا گیا؟ ۵۸۰-۵۸۱

بلیس:

۱۷-۵۰۵-۶۲۸

تفصیلات کے لئے دیکھو شیطان

اجر کیسے لوگ اس کے مستحق ہیں؟ ۱۳۹-۱۴۰-۴۷۹

۴۱۴

اللہ کے ہاں کسی ستم کار کا اجر مانا نہیں جاتا ۹۴-۲۵۰

۲۴۲-۴۱۴-۴۷۸

اللہ کا اجر آدمی کے عمل سے زیادہ دیتا ہے ۲۸۰

نیکی کی جڑ دینے میں اللہ کا قانون برائی کی سزا سے مختلف

۴-۲۵۰-۲۸۰-۵۶۰

اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ۳۰-۱۸۴

اجر کبیر کیسے لوگوں کے لئے ہے؟ ۹۰۲

اصل اہمیت اجر آخرت کی ہے ۴۱۴

صبر کا اجر ۵۶۰

ایمان و عمل صالح کا اجر ۵۶۰

احسان - معنی اور تشریح ۵۶۵-۵۸۳

معاشرے میں اس کی اہمیت ۵۶۵

عسین کون ہیں ۱۲۳-۲۵۰

اللہ کی رحمت محسنوں سے قریب ہے ۳۹

عسین پر اللہ کے انعامات ۸۸

اللہ محسنوں کے ساتھ ہے ۵۸۳

احکام القرآن - اصولی احکام ۴۱-۴۲-۴۳

۵۴۷ — ۵۴۷	۵۴ — ۴۹ — ۴۴ — ۴۰ — ۳۸ —
آخرت — توحید کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ	۱۳۸ — ۱۳۷ — ۱۳۶ — ۷۸ — ۷۷ —
۲۶۳	۵۴۲ — ۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۱ — ۲۶۹ — ۲۶۸ — ۲۶۷ —
— اس کے دلائل — ۲۸ — ۲۶۳ — ۲۶۲ — ۲۶۱ —	۲۹۴ — ۳۹۰ — ۳۸۱ — ۵۶۳ — ۵۶۲ — ۵۶۱ —
۲۲۳ — ۲۲۲ — ۲۲۱ — ۲۲۰ — ۲۱۹ — ۲۱۸ —	۵۴۴ — ۵۸۲ — ۶۱۶ —
۳۲۳ — ۳۲۲ — ۳۲۱ — ۳۲۰ — ۳۱۹ — ۳۱۸ —	— عقائد سے متعلق — ۸۶ — ۱۰۳ — ۳۱۵ — ۳۱۷ —
— اس کے اسکان کے دلائل — ۵۳۱ — ۵۳۲ — ۵۳۳ —	۳۰۲ — ۳۶۳ — ۵۴۰ — ۶۰۸ — ۶۱۶ —
۵۵۰ — ۵۵۱ —	— عبادات سے متعلق — ۲۱ — ۲۲ — ۲۶ — ۳۸ —
— اس کی ضرورت — ۲۶۳ — ۲۶۴ — ۵۳۱ —	۱۱۴ — ۱۱۶ — ۲۰۵ — ۲۰۸ — ۲۳۲ — ۲۳۳ —
— نظام کائنات سے اس کے وقوع پر استدلال — ۲۶۴	۳۲۱ — ۲۲۲ — ۲۲۵ — ۳۵۹ — ۳۶۱ —
۲۶۵ —	۶۰۸ — ۶۳۳ — ۶۳۷ —
— اس کا وقوع عقل اور انصاف کا تقاضا ہے — ۲۶۴ —	— اسلامی سیاست اور اسلامی نظام جماعت سے متعلق —
۳۶۸	— ”اسلامی ریاست“ اور — اسلامی نظام جماعت —
— اس کے حق میں بخوبی استدلال — ۲۶۶	— قانونی احکام (دیکھو۔ قانون اسلام) —
— عقیدہ آخرت کے اخلاقی نتائج — ۱۳۷ — ۱۳۸ —	— جنگ سے متعلق (دیکھو۔ ”جہاد“ قانون اور قتال —
۱۹۳ — ۲۱۹ — ۲۲۵ — ۲۳۱ — ۳۶۷ — ۳۶۸ —	فی سبیل اللہ) —
۳۸۱ — ۵۵۹ — ۵۶۹ — ۶۰۵ — ۶۰۸ —	— اخلاق سے متعلق (دیکھو۔ ”اخلاق اور اخلاقی تعلیمات“ —
— منکرین آخرت کی اس دلیل کا جواب کہ بہت سے لوگ	— ”قرآن، اس کا اخلاقی نقطہ نظر، اس کا فلسفہ اخلاق“ —
آخرت کو نہ ماننے کے باوجود بااخلاق ہوتے ہیں۔	— دعوت و تبلیغ سے متعلق (دیکھو۔ ”حکمت تبلیغ“ اور
۲۶۷	— ”دعوت حق“ —
— اس کا انکار ذرا اصل خدا کا انکار ہے — ۳۳۶	— مساجد سے متعلق (دیکھو۔ ”مسجد حرام“ اور ”مساجد اللہ“ —
— آخرت کو نہ ماننے کے نتائج — ۷۹ — ۲۶۶ — ۲۷۰ —	— تمدن و معاشرت سے متعلق — ۱۹ — ۱۹۲ — ۲۰۹ —
۵۳۳ — ۵۳۲ — ۶۰۷ — ۶۰۸ — ۶۱۵ —	۶۱۵ — ۶۱۳ — ۶۱۱ —
۶۲۰	— معاشراتی معاملات سے متعلق — ۵۵ — ۱۹۱ — ۳۵۱ —
— آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے کے نتائج — ۱۹۳ — ۳۷۰ —	۳۶۰ — ۶۱۰ — ۶۱۲ — ۶۱۵ —
۵۷۵	— وراثت سے متعلق — ۱۶۳ —
— انکار آخرت کی غیر عقلیت — ۲۸ — ۳۳۶ —	— کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق — ۲۹۲ — ۲۹۴ —

- ۲۲۵ — ۲۳۱ — ۲۴۹
جو شخص آخرت کی جھلکی کا طالب نہ ہو اس کے لئے وہاں کوئی
جھلکی نہیں ہے ۳۲۹
وہاں تمام اختلافات کی حقیقت کھول دی جائیگی ۵۶۸
وہاں سب اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے ۳۸۱
۴۹۲
وہاں اگلی پچھلی تمام نسلوں کو جمع کیا جائے گا ۶۳۹
ہر گروہ اپنے اُس جینو کی قیادت میں ہو گا جس کی پیروی
وہ دنیا میں کرتا رہا تھا ۳۶۹
ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری الگ الگ شخص کی جائیگی
۶۰۵
وہاں کوئی شخص اس عذر کی بنا پر دھجھوٹ سکے گا کہ وہ
گمراہ لوگوں میں پیدا ہوا تھا۔ ۹۷
وہاں کس چیز کی باز پرس ہونی ہے ۸۹
انجام کی جھلکی کا احساس کس چیز پر ہے ۶۱۶
وہاں کام آنے والی چیزیں کیا ہیں ۱۹۳۹ — ۴۵۵ —
۴۵۶ —
وہاں ہزار ہزار مہمالت کے (قرور و انکار کی بنیاد پر ہوگی
۶۰۵
وہاں حالت کس طرح ہوگی؟ ۹ — ۲۸۱ — ۳۳۱
وہاں کس طرح انسان ہجرت قائم کی جائے گی؟ ۹۲ —
۹۷ — ۹۹ — ۲۸۱ — ۵۶۲ — ۵۶۳ —
وہاں کس طرح خدا کی حالت میں مجرموں کی پیشی ہوگی؟
۳۳۱
انہ اعمال کس طرح دیا جائے گا؟ ۶۳۲
گمراہ پیش ہوں گے ۳۳۱ — ۵۶۲ — ۵۶۳ — ۶۳۲
اعمال کا حساب کس طرح لیا جائے گا؟ ۴۵۴

— منکرین آخرت بدترین صفات سے مشقت ہو چکے ہوتے ہیں ۵۴۸

— منکرین آخرت کا انجام ۳۲ — ۳۳ — ۴۹ — ۲۶۶

— ۲۸۹ — ۳۲۲ — ۶۲۰

— عالم آخرت کے احوال بیان کرنے کا مقصد ۲۵۹

— عالم آخرت کا نقشہ ۳۲ — ۳۳ — ۳۶۶ —

۴۹۳

— اللہ کی عبادت میں اصل ایمان آخرت کی ہے ۱۵۸ — ۴۱۴

— ۵۶۹

— وہی عمل مقبول ہے جو آخرت کے لیے کیا جائے ۶۰۷

— عقیدہ آخرت کی اہمیت ۵۵۹ — ۵۶۹

— آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بے حقیقی ۱۲ — ۲۸۹

— ۲۵۸ — ۵۶۹

— اہل ایمان کے اجر کو آخرت پر کریں مؤخر کیا گیا ہے ۳۸

— عقیدہ آخرت کی تفصیلات ۲۶۳

— وہاں کی کامیابی کسی کا ذاتی یا عائدانی اعادہ نہیں ہے ۹۳

— وہاں کوئی شخص خدیہ دے کر دھجھوٹ سکے گا ۲۹۱ —

۴۵۴

— وہاں نجات خریدی نہ جائے گی ۴۸۷

— وہاں دوستیاں کام نہ آئیں گی ۴۸۷

— وہاں پیشوا اپنے پیروں کے کسی کام نہ سکیں گے ۴۸۱

— وہاں اللہ کی پکڑ سے بچنے والا کوئی نہ ہو گا ۲۸۰ — ۳۳۲

۴۸۱ —

— جو دنیا میں اندھا بین کر رہا وہ وہاں بھی اندھا ہی رہیگا

۶۳۲

— وہاں ہر شخص اپنے کیے کا نتیجہ دیکھ لے گا ۲۸۱

— وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کو لوگ دنیا میں کیا کر کے آئے ہیں۔

— وہ اخلاق فاضلہ جن سے ایک مسلمان کو آراستہ ہونا چاہیے

۳۵۵ — ۳۵۶ — ۳۵۷ — ۳۵۸ — ۳۵۹ — ۳۶۰ — ۳۶۱ — ۳۶۲ — ۳۶۳ — ۳۶۴ — ۳۶۵

— وہ برائیاں جن سے روکا گیا ہے

۵۶۸ —

— مابین کے اخلاق اور فاضلین کے اخلاق کا فرق

۳۲ — ۳۲۶ —

— معاشرے کو بچانے والے اسباب اور ان کی روک تھام

۶۰۶ —

— معاشرے میں حقوق کا وسیع تصور

— امانت کا وسیع مفہوم

— مقصد کی پکی کے ساتھ ذرائع بھی پاک ہونے چاہئیں

۵۶۸ —

— فرض شناسی کی اہمیت

— صبر کی اخلاقی اہمیت

— فیاضی اور تواضع کی تعلیم

— خرقہ میں اعتدال کی تعلیم

— اجتماعی زندگی میں عدل و احسان کی تعلیم

— شرم انسانی فطرت کا تقاضا ہے

— نصیحت کو غلط رنگ میں لینے کا نقصان

— عبادات کے احترام کا حکم

۶۱۵ —

— جہد شکنی بدترین گناہ ہے

— جہد دینیان کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بنانا چاہیے

— قوی مفاد کے لیے جہد شکنی کرنا گناہ عظیم ہے

— مذہبی بہانوں سے جہد شکنی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہے

— مسلمان اگر جہد شکنی کریں تو دوسرے مجرم ہیں

— مقصدین کی پیروی کی مخالفت

— اعمال کے توے جانے کا مطلب

— سخت اور نرم حساب نبی کا مطلب اور اس کا مادہ

— مسیحیہ اللہ کو حساب لینے میں دیر نہ لگے گی

— چاند ہاں کے تہے رہنا اور ان کے پیرو آپس میں دشمن ہونے

۲۶ — ۲۹ —

— وہاں شیطان اپنے پیروں کو نرم پھیرائے گا

— شرکین کے معبودان کو بھوٹا قرار دینے

— شرکین کے معبود انھیں کہیں نہیں گئے کہ سفارش کے

— لیے آئیں

— وہاں شرکین کا عقیدہ شفاعت غلط ثابت ہوگا

۳۲۲ — ۳۶۸ —

— وہاں کفار و شرکین کے خیالات کی غلطی کھل جائے گی

۲۸۱ — ۳۲۲ — ۵۴۱ — ۵۶۳ —

— وہاں ثابت ہو جائے گا کہ بنیادی برحق تھے

— وہاں ثابت ہو جائے گا کہ اللہ کے وعدے سچے تھے

۳۸۱ —

— رسولوں کو نہ ماننے والے پھٹائیں گے

— منکرین حق کو پھٹانا بڑے کا

— کفار وہاں کی ہر چیز کو اپنی توقعات کے خلاف پائے

— اپنی ایمان کے لیے وہاں کی تمام کیفیات جانی بوجی جوگی

— وہاں کی کامیابی مرثیہ متعین کے لیے ہے

— (مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "خسر" زندگی بعد

موت اور "قیامت")

اخلاق اور اخلاقی تعلیمات :

— جن میں اخلاق کی اہمیت

— اللہ کو عالم الغیب والاشہادہ ماننے کے اخلاقی نتائج

۳۲۲ — ۳۲۳ —

کی پیش بندی ۱۷۵
 — مدین کے خلاف حضرت ابو بکرؓ کی کارروائی قرآن
 کے مین مطابق تھی ۱۷۹
 — یافین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابو بکرؓ نے کس دلیل کی بنا
 پر جنگ کی ۱۷۷
 آزمائش
 — تخلیق انسانی کا مقصد انسان کی آزمائش ہے ۳۲۳
 — دنیوی زندگی دراصل امتحان کی مہلت ہے ۲۵۹
 — آزمائش کا مقصد ۹۳
 — آزمائش کی اہمیت انسانی زندگی میں ۸۳
 — اللہ کی طرف سے انسان کی آزمائش کس کس طرح ہوتی ہے
 ۷۲-۸۳-۸۹ تا ۹۱-۱۳۹-۱۴۰-۲۷۱-
 ۲۷۶-۳۶۷-۵۶۷-۶۳۸-
 — اہل ایمان کی آزمائش کس کس طرح کی جاتی ہے ۷۲-۱۳۵-
 ۱۸۲-۲۳۶-
 — آزمائش بغیر تربیت ۲۹۳-۳۹۴-۳۹۹
 — مومن اور منافق کا فرق آزمائشوں میں ڈالنے سے کس
 طرح کھتا ہے ۲۵۳
 اسباب — ۸۷
 استکبار (بیکمر اور اخلاق)
 اسحاق علیہ السلام ۳۵۶-۳۸۵-۴۹۰
 — ان کی پیدائش کی بشارت ۳۵۴-۵۱
 — فلسطین میں ان کی جلتے قیام ۳۸۱
 — ان کا خون کیا تھا ۴۰۱
 — ان کی تعریف ۵۱۰
 اسراف - (دیکھو اخلاق اور "سرفین")
 اسلام - اس کی بنیادی تعلیمات ۲۱-۲۳-۲۴-۳۱۵ تا

— خمانت کی عاقبت ۱۳۹-۱۵۳
 — اسراف کی عاقبت ۶۱۰-۶۱۱
 — بخل کی عاقبت ۶۱۱
 — زنا اور محرکات زنا سے اجتناب کا حکم ۶۱۳
 — حمل رقم لطف کی شہادت ۵۱-۵۲
 — بھوک کی مذمت ۱۲-۷۸-۷۹-۵۳۴-۶۱۶
 ۶۱۷
 — حسن نگاہ کی بنا پر کسی کے عیوب کارروائی نہ کرنی
 چاہئے ۶۱۶
 — حریم تعلیمات کے لئے دیکھو حقوق العبادہ قرآن، اس
 کا اخلاقی نقطہ نظر اور اس کا فلسفہ اخلاق
 آدم علیہ السلام
 — قصہ آدم و حوا ۱۰ تا ۱۸ - ۵۰-۳ تا ۵۰-۷
 ۶۳۰ تا ۶۳۷
 — وہ نتائج جو قصہ آدم و حوا سے نکلے ہیں ۱۷ تا ۱۷
 — ان کو نوع انسانی کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے
 جہر کرایا گیا تھا ۱۰-۵۳
 — ان پر شرک کھانا کی تادیب ۱۰-۱۰۸
 ارتداد
 — اس کے اخلاقی اسباب ۵۷۵
 — اس کے اخلاقی و نفسیاتی نتائج ۵۷۶
 — اس کی اندری سزا ۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶
 — اس کی دنیوی سزا ۱۷۹
 — برص اور غبت کا کفر کچھ دھلے اور زبردستی کفر مجبور
 کے جلتے والے کی حیثیت اور حکم ۴۴۴
 — خلافت صدیق میں قتل اور تدارک ہونے کے باب
 — دور صدیق میں آنے والے قتل اور تدارک کے لئے قرآن

— بین الاقوامی معاہدات کا احترام ۶۱۵
— دہلا اسلام کے تمام باشندے اسلامی ریاست کے
کئے ہوئے معاہدات کے پابند ہیں ۱۶۲
— کفار کے حکوم مسلمانوں کی مدد اسلامی ریاست پر کس صورت
میں واجب ہے ۱۶۲
— اسلامی ریاست کو بین الاقوامی پیپیگنوں سے بچانے کے
لیے ایک اہم دستوری قاعدہ ۱۶۱۔

— تحقیق کے لیے کسی کے خلاف کارروائی کرنا ممنوع ہے ۳۶۶
— اس کی بین الاقوامی سیاست دلیرانہ ہونی چاہیے ۱۵۶
— اس کی مرموزیات پر بال خرچ کرنا اتفاق فی سبیل اللہ ہے ۱۵۶

اسلامی نظام جماعت

— اسلامی معاشرے کے خاص ترکیبی ۱۶۳
— اسلامی معاشرے میں شامل ہونے اور شامل رہنے کی
فردی شرطیں ۱۷۹
— اہل ایمان کی جماعت کیسی ہونی چاہیے ۲۴۸
— اہل ایمان کو ایک دوسرے کا حامی و مددگار ہونا چاہیے ۱۱۲
— باہمی تعلقات درست رکھنے کا حکم ۱۲۸
— تراجم و اختلاف سے بچنے کا حکم ۱۳۸

— اطاعتِ امر کا حکم ۱۲۸۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸
— اجتماعی زندگی میں امانت کا حکم اور خداری و خیانت سے
بچنے کی تاکید ۱۳۹

— معاشرے کو بگاڑنے والے اسباب اور ان کی روک تھام
کی تدابیر ۶۰۶

— اصلاحِ معاشرہ کے ذرائع ۶۱۲۔ ۶۱۳
— معاشرے کو زنا اور خرابات زنا سے پاک رکھنے کی ہدایات
۶۱۳

— معاشرے میں فساق و فجار کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے ۲۲۱

۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۱۵۸۷۔ ۱۵۸۸۔ ۱۵۸۹۔ ۱۵۹۰۔ ۱۵۹۱۔ ۱۵۹۲۔ ۱

— حید ۳۵۵ — ۲۶۹ — ۲۷۲	— مستحبہ لوگوں کے طرز عمل پر نگاہ رکھی جائے ۲۲۹
— خیر ۳۲۱ — ۶۰۷ — ۶۱۲ — ۶۳۵	— معاشرے میں منافقین کی شمولیت کا نقصان ۱۹۸
— حقوق ۵۱۶	۲۱۵ — ۲۱۶
— خیر الحاکمین ۵۶ — ۳۱۸ — ۳۲۵	— منافقین کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے ۲۱۵ — ۲۱۶
— خیر الخسوفین ۸۲	۲۲۰ — ۲۲۵ — ۲۲۹ — ۲۵۲
— خیر الغنائین ۵۷	اسماعیل علیہ السلام ۳۵۳ — ۳۹۰
— خیر المکرین ۱۴۱ (اس کے لیے لفظ مکر کس معنی میں استعمال	— بنی اسماعیل حضرت یوسف کے زمانے میں ۳۹۰ — ۴۲۰
۰ استعمال ہوتا ہے ۲۷۸)	آسمان
— رب السموات والارض ۴۵۱ — ۴۴۷	— ان کی حقیقت ۴۳۱ — ۴۳۲ — ۵۰۰ — ۵۰۲
— رب العالمین ۳۷ — ۴۲ — ۶۹ — ۲۸۵	— سات آسمان ۶۱۸
— صلا ۴۵۹ — ۶۵۰	اشہر قُرْم ۱۹۲
— صیم ۸۲ — ۹۳ — ۱۵۹ — ۱۶۰ — ۱۷۰ — ۱۷۶ — ۱۸۶	— اصحاب التبت ۸۹ — ۹۲
— ص ۲۲۳ — ۲۲۷ — ۲۲۹ — ۲۳۳ — ۲۳۵ — ۳۱۸	اعراف
— ص ۳۳۰ — ۳۶۳ — ۴۱۰ — ۴۲۹ — ۴۸۹ — ۵۰۹	— اہل اعراف کون ہیں ۳۲ — ۳۳
— ص ۵۲۷ — ۵۳۵ — ۵۷۶ — ۵۷۸ — ۵۸۰ — ۶۳۰	— اہل اعراف کی اہل جنت اور اہل دوزخ سے گفتگو ۳۲۰ — ۳۲۱
— صوف ۲۴۴ — ۵۲۷ — ۵۳۵	اقامتِ دین (دیکھو دعوت حق)
— سورج احباب ۳۶۶ — ۴۹۳	اقامتِ صلوٰۃ (دیکھو نماز)
— سورج العقاب ۹۲	اللہ
— صبح ۱۱۰ — ۱۳۵ — ۱۴۷ — ۱۵۱ — ۱۵۶ — ۲۲۷	— احکم الحاکمین ۳۴۲
— ص ۲۲۹ — ۲۹۵ — ۳۹۹ — ۵۹۰	— ازہم الرعینین ۸۲ — ۴۱۶ — ۴۲۸
— شدید العقاب ۳۳ — ۱۲۸ — ۱۵۰ — ۱۵۱ — ۴۴۷	— بصر ۱۳۵ — ۵۹۰ — ۶۰۷ — ۶۱۲ — ۶۳۵
— عالم الغیب والشہادۃ ۲۲۵ — ۲۳۱ — ۲۳۸	— ثواب ۲۲۹ — ۲۳۵
— عزیز ۱۳۳ — ۱۵۰ — ۱۵۷ — ۱۵۹ — ۱۹۶	— حکیم ۱۳۳ — ۱۵۰ — ۱۵۷ — ۱۵۹ — ۱۶۰ — ۱۸۱
— غلام الصیوب ۲۱۸	— ۱۸۷ — ۱۹۶ — ۲۰۸ — ۲۱۳ — ۲۲۶ — ۲۳۱ — ۲۳۵
— حلیم ۱۱۰ — ۱۳۵ — ۱۵۱ — ۱۵۶ — ۱۶۰	— ۲۳۵ — ۳۳۱ — ۳۸۵ — ۴۲۶ — ۴۲۸ — ۴۷۱
— ۱۸۱ — ۱۸۷ — ۲۰۸ — ۲۲۶ — ۲۲۷ — ۲۲۹ — ۲۳۱	— ۵۰۳ — ۵۴۸
	— حلیم ۶۱۹

— مستحبہ لوگوں کے طرز عمل پر نگاہ رکھی جائے ۲۲۹
— معاشرے میں منافقین کی شمولیت کا نقصان ۱۹۸
۲۱۵ — ۲۱۶
— منافقین کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے ۲۱۵ — ۲۱۶
۲۲۰ — ۲۲۵ — ۲۲۹ — ۲۵۲
اسماعیل علیہ السلام ۳۵۳ — ۳۹۰
— بنی اسماعیل حضرت یوسف کے زمانے میں ۳۹۰ — ۴۲۰
آسمان
— ان کی حقیقت ۴۳۱ — ۴۳۲ — ۵۰۰ — ۵۰۲
— سات آسمان ۶۱۸
اشہر قُرْم ۱۹۲
— اصحاب التبت ۸۹ — ۹۲
اعراف
— اہل اعراف کون ہیں ۳۲ — ۳۳
— اہل اعراف کی اہل جنت اور اہل دوزخ سے گفتگو ۳۲۰ — ۳۲۱
اقامتِ دین (دیکھو دعوت حق)
اقامتِ صلوٰۃ (دیکھو نماز)
اللہ
— احکم الحاکمین ۳۴۲
— ازہم الرعینین ۸۲ — ۴۱۶ — ۴۲۸
— بصر ۱۳۵ — ۵۹۰ — ۶۰۷ — ۶۱۲ — ۶۳۵
— ثواب ۲۲۹ — ۲۳۵
— حکیم ۱۳۳ — ۱۵۰ — ۱۵۷ — ۱۵۹ — ۱۶۰ — ۱۸۱
— ۱۸۷ — ۱۹۶ — ۲۰۸ — ۲۱۳ — ۲۲۶ — ۲۳۱ — ۲۳۵
— ۲۳۵ — ۳۳۱ — ۳۸۵ — ۴۲۶ — ۴۲۸ — ۴۷۱
— ۵۰۳ — ۵۴۸
— حلیم ۶۱۹

— انسانی اگھو اے نہیں دیکھ سکتی ۷۷	— ۲۳۵ — ۲۹۵ — ۳۸۵ — ۳۹۹ — ۴۲۶
— ۱۵۱ اور ۱۵۲ پر ہے ۳۳۸	— ۳۳۳ — ۵۱۶ — ۵۰۳ — ۵۵۴
— زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے ۶۱۹	— ۱۷۷ — ۸۲ — ۹۳ — ۱۵۹ — ۱۶۰ — ۱۷۰ — ۱۷۷
— زمین و آسمان کی ہر چیز اس کے آگے سرسجود ہے —	— ۱۸۶ — ۲۲۳ — ۲۲۷ — ۲۲۹ — ۳۱۸
— ۳۵۱ — ۵۴۵	— ۳۲۰ — ۳۱۰ — ۳۲۹ — ۳۸۹ — ۵۰۹ — ۵۷۶
— تہم مخلوقات اس کے آگے سرسجود ہیں ۵۴۵	— ۵۷۸ — ۵۸۰ — ۶۱۰ — ۶۱۹
— وہ بندوں سے قریب ہے ۲۴۹	— غنی ۲۹۸ — ۴۵۴
— دعائیں سننا اور ان کا جواب دینا ہے ۳۴۹ — ۳۹۰	— غلام اسماوات والارض ۴۴۳ — ۴۶۶
— اس سے بڑھ کر کوئی کہنے والوں کا پورا کرنے والا نہیں	— تدبیر ۵۵۴
— ۲۳۸	— قوی ۱۵۱ — ۲۵۲
— ۱۵۰ بچے و عورتوں کی خلافت روزی نہیں کرتا ۴۶۱	— قہار ۴۶ — ۴۵۲ — ۴۹۲
— وہی مبادی مادی ہے ۴۶۰	— کبیر ۴۳۸
— بہترین حامی و مددگار، بہترین حافظ ۱۳۵ — ۴۱۶	— معال ۴۳۸
— اہل ایمان کا مصلیٰ ۱۹۹	— مجید ۳۵۵
— اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۳۱ — ۴۴ — ۴۷ — ۵۵	— واحد ۴۰ — ۴۵۲ — ۴۹۲
— ۷۵ — ۸۶ — ۱۹۰ — ۲۵۵ — ۳۲۸ — ۳۳۵	— دود و ۳۶۳
— ۳۴۹ — ۳۵۹ — ۴۵۹ — ۴۹۴ — ۵۲۵	— بڑی برکت والا ۳۷
— ۵۳۳ — ۵۴۶	— بڑے اجر والا ۱۳۰
— وہی عبادت کا مستحق ہے ۳۰ — ۴۴ — ۴۷ — ۵۴	— بڑا فضل فرماتے والا ۱۳۰
— ۱۹۰ — ۲۶۲ — ۳۲۱ — ۳۴۳ — ۳۴۵ — ۳۴۹	— ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ۴۳۷
— ۳۵۹ — ۳۷۵ — ۴۰۴	— اُنہی کے لئے حمد ہے ۶۵۰
— اس کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے ۶۰۸ — ۶۱۷	— اس کے لئے ہر تر صفات ہیں ۵۴۸
— وہ اس سے بالاتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو ۵۲۴	— اس کے لئے لپٹے ہی نام ہیں ۱۰۳ — ۶۵۰
— ۵۲۵	— اس کی صفات تمام مخلوقات کی صفات کا منبع ہیں
— بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ۶۵۱	— ۵۷۸
— اس کا کوئی بیٹا نہیں ۲۹۸ — ۶۵۰	— اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ۵۵۷
— اس کے سوا کسی کو دیکھ نہ بنایا جائے ۵۹۰ — ۵۹۱	— خدائی صفات اور انسانی صفات کا فرق ۵۸۹ — ۵۹۰

— گناہ گار بندے کی توبہ اسے نہایت محبوب ہے ۲۲۵ —

۲۳۹ — ۳۶۳ — ۳۶۴

— وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنبھلنے کے لئے

جہلت پر جہلت دیتا ہے ۲۶۹ — ۲۷۰ — ۲۷۱ — ۳۶۱ —

۵۴۸ — ۳۹۷

— اس کی شان طہی و خفاری ۶۱۹

— اس کی بے باکیاں رحمت اور شان کبریٰ ۵۳۳

— انسان پر اس کے اسمائے ۳۸۷ — ۳۸۸ — ۵۲۶ تا

۵۳۰ — ۵۵۹ تا ۵۶۱ — ۶۳۰ — ۶۳۱

— انسان اس کے سامنے جواب دہ ہے ۸ — ۳۳۱ —

۵۱۸ — ۵۴۷ — ۵۶۹ — ۶۰۵ — ۶۱۶

— اسی کی طرف سب کو پلٹ کر جانا ہے ۲۶۳ — ۲۷۵ —

۲۸۹ — ۲۹۲ — ۳۲۳ — ۳۳۶

— وہ بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے ۱۵۰ — ۲۱۳ —

۲۸۸ — ۳۶۶ — ۳۷۲

— اس کا انصاف بے لاگ ہے ۵۳ — ۲۵۰ — ۳۲۱ —

۳۴۰ تا ۳۴۵ — ۳۵۶ — ۳۵۸ — ۵۱۱

— وہ نیک کردار لوگوں کی ناقدری نہیں کرتا ۳۲۲

— اس کے ہاں کسی مستحق کا اجر مارا نہیں جاتا ۹۴ — ۲۵۰ —

۳۷۲ — ۴۱۳ — ۴۲۸

— وہ بھلائی کا اجر آدمی کے عمل سے زیادہ دیتا ہے ۲۵۰ —

۲۸۰

— وہ کسی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا نہیں دیتا ۲۸۰

— وہ انتقام لینے والا ہے ۴۹۲

— اس کی بجز بڑی محنت ہے ۳۶۷

— وہ عیجانی کا حکم نہیں دیتا ۲۰

— وہ سزا دینے والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۲ — ۳۸ —

— اس کے سوا کسی سے دعا نہ لگی جائے ۴۵۰

— اسی سے مدد مانگنی چاہئے ۷۱

— اسی سے پناہ مانگنی چاہئے ۱۱۰ — ۵۷

— خوف اور طمع اسی سے ہونی چاہئے ۳۸

— اسی کے غضب سے ڈرنا چاہئے ۱۸۱

— اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے ۱۵۶ — ۲۰۰ — ۲۵۵

— وہی اعتماد دے لئے کافی ہے ۶۳۰

— وہی مدد کے لئے کافی ہے ۱۵۶ — ۱۵۷ — ۲۵۵ —

۵۱۸

— اس پر بھروسہ کرنا کبھی غلط ثابت نہ ہوگا ۶۳۰

— اس کی اجازت کے بغیر کوئی شرافت نہیں کر سکتا ۲۶۲

— ٹھہرا کسی کی رضا کی ہونی چاہئے ۲۲۵

— اس کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے ۲۱۳

— اس کو اپنا ولی نہ بنانے والے گمراہ ہیں ۲۲

— وہ دنیا کی ہر چیز کی رہنمائی کرتا ہے ۵۵۱ — ۵۵۲

— وہی صحیح رہنمائی کرے والا ہے ۲۸۴

— راو راست بنانا اس کے ذمے ہے ۵۷۷

— انسان کی بھلائی اسی کی ہدایت کے ابتلا میں ہے

۳۱۸ — ۷

— وہ اپنے بندوں سے بڑی محبت رکھتا ہے ۳۶۳ —

۳۶۴

— اس کی رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے ۸۴

— اس کی فرماں روائی میں اصل پیرِ رحم ہے ذکرِ فضیلت

— اس کی رحمت سے ایسے جونا کافروں اور گمراہوں کا

کام ہے ۴۲۷ — ۵۱

— وہ بہت درگزر کرنے والا ہے ۴۴۷

— وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے ۲۲۹

— تمام محلات فیصلے کے لئے اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں

۱۳۸—۳۷۵

— اس کے فیصلے اہل ہیں ۴۴۹

— کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے

۴۶۵

— وہ بے نیاز ہے، اس کا محتاج نہیں ہے کہ لوگ اس کو

خدا مانیں تب ہی وہ خدا ہو ۲۹۸—۴۶۴—۴۶۴

— اس کے اختیارات غیر محدود ہیں ۳۶۹

— ہر چیز پر قادر ۱۳۶—۱۹۵—۳۶۳—۵۵۹

— آسمان و زمین میں جو کچھ چاہا ہو اسے اسی کے قبضہ قدرت

میں ہے ۳۷۵

— وہ عاجز نہیں ہے ۶۵۱

— اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں ۵۸۹

— صرف اس کا حکم ہی اس کے ارادے کو فورا کھٹکے

لے گا ۵۴۲

— اس کے لئے ایک قوم کو ہمارا دوسری قوم کو لئے نا

کچھ شکل نہیں ۳۸۰

— اس کی پڑوسے کوئی بچا نہیں سکتا ۴۶۴—۴۶۴

— اس کی گرفت سے کوئی بابر نہیں ۱۳۹—۳۴۷

۳۶۳—۵۱۷

— اس کی جان کا کوئی تور نہیں، اس کی چالیں زبردست

ہیں ۱۰۴—۴۵۰—۳۶۶

— اس کے مقابلے میں کسی کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی

۱۵۵—۱۷۵—۱۸۶—۳۳۶—۳۷۸—۳۸۰

۴۱۷—۴۱۸—۴۴۹—۴۹۲—۵۴۵

— اس کے مقابلے میں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا

۲۴۳—۳۷۱—۴۴۹

— وہ نامتوں کو پسند نہیں کرتا ۲۲۵

— وہ مشکروں کو پسند نہیں کرتا ۵۳۴

— وہ خائونوں کو پسند نہیں کرتا ۱۵۳

— اس کے غضب کے استحقاق کیسے لوگ ہیں؟ ۴۶۹—۸۲—

۱۳۵

— وہ صرف پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے ۲۳۶

— وہ مستحقوں کو پسند کرتا ہے ۱۷۶—۱۷۸

— وہ محسنوں کے ساتھ ہے ۵۸۳

— وہ تمام چیزوں کا خالق ہے ۳۶—۳۷—۱۰۶—

۱۹۷—۲۶۱—۲۸۳—۳۶۴—۳۴۳—۳۵۳

۴۵۷—۴۸۷—۵۲۵—۵۶۶—۶۴۶

— اس نے کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا ہے ۲۶۴

— اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے ۴۷۹—

۴۸۰—۵۱۶—۵۲۵

— اسی نے انسان کو زمین پر بسایا ہے ۳۴۹

— وہی انسان کا مالک اور رب ہے ۳۶—۲۶۱

— ۲۶۲—۲۸۱—۲۸۶—۲۴۶—۳۴۷—۳۵۹

— وہی ساری کائنات کا مالک، منتظم اور فرمانروا ہے

۳۶—۳۷—۷۱—۸۶—۲۴۳—۲۵۵—

۲۶۲—۲۸۲—۲۹۲—۲۹۶—۲۹۸—۴۰۲—

۴۱۷—۴۴۱—۴۴۲—۴۵۱—۴۶۵—۴۶۹

۵۲۹—۵۴۶—۶۱۸

— ہر چیز کے خالقوں کا مالک ۵۰۲

— ہر چیز کی تقدیر مقرر کرنے والا ۵۰۳—۵۰۶

— ہر چیز پر نگران ۳۴۸

— ہر چیز پر وکیل ۳۷۷

— تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں ۴۶۰

— وہ جس کے ساتھ جو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا

۱۳۶

— اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا ۱۹۵-۳۳۸

— اس کی باتیں بدل نہیں سکتیں ۲۹۵

— اسی کا بول بالا ہے ۱۹۶

— فتح و کامرانی اسی کے بخشنے سے حاصل ہوتی ہے

۱۵۸-۱۳۲

— وہ اپنا کام کر کے رہتا ہے ۳۹۱

— وہ غیر محسوس طریقوں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے

۶۱-۱۰۲-۴۲۳

— عزت ماری کی ساری اس کے اختیار میں ہے ۲۹۵

— اس کے اذن کے بغیر کوئی نعمت کسی کو نہیں مل

سکتی ۳۱۴

— اس کی ڈالی ہوئی مصیبت کو کوئی دور نہیں

کر سکتا ۳۱۸

— زندگی و موت اس کے اختیار میں ہے ۸۶-

۲۴۳-۲۸۲-۲۹۲-۵۰۳-۵۵۳

— انسان کی ساقی اور بینائی کا مالک و مختار وہی

ہے ۲۸۲

— وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۳۸۶

— جس کو چاہتا ہے اپنی زمین کا دارلث بناتا ہے-۵-

۷۴.

— جو کچھ وہ چاہے وہی ہو تب ۱۰۶-۲۹۰-۳۳۶

— اپنی رحمت سے جس کو چاہے نوازے ۴۱۳

— جس بندے پر چاہے فضل فرمائے ۳۱۸

— جسے چاہے بندہ درجے دے ۴۲۱

— اس کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں ۶۰۷

— وہ جس کا بھلا کرنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا ۳۱۸

— جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے-

۶۲۳-۱۸۱-۱۸۶-۲۳۱-۲۳۶-۳۳۶

— اس کی قدرت اور حکمت کے کرشمے ۳۶-۳۹-۳۹

۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۸۲-۲۹۶-۳۲۴-

۴۳۱ تا ۴۴۵-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۲-

۳۸۷-۳۸۸-۵۰۰-۵۰۲-۵۰۳-۵۲۶

۵۳۰ تا ۵۵۲-۵۵۴-۵۵۵-

۵۶۰-۵۶۱-۶۳۰

— دنیا میں جو کچھ کسی کو مل رہا ہے اسی کے دینے سے مل

رہا ہے ۶۰۷

— وہی رزق دینے والا ہے ۲۸۲-۴۵۷-۵۵۳-

۵۵۵

— ہر جاندار کا حق اس کے ذمہ ہے ۲۲۳

— رزق کی تنگی و کشادگی اسی کے اختیار میں ہے ۶۱۱

— آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے ۵۵۸

— ہر ذی علم سے بڑا ذی علم ہے ۴۲۱

— آسمان و زمین کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ۴۹۰

— اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے ۵۷-۱۶۳-۲۱۸-

۲۲۳-۲۲۳-۲۲۴-۳۳۸-۳۹۰-

۵۳۳

— تمام مخلوقات کے حال سے باخبر ہے ۶۲۴

— ہر جاندار کے رہنے اور مرنے کی جگہ سے واقف ہے

۳۲۳

— تمام انسانوں کے اعمال پر نظر رکھتا ہے ۹-۱۳۵-

۱۶۲-۱۸۲-۲۸۵-۲۸۹-۲۹۵-۳۶۰-۴۷۱-

۴۷۵-۵۳۶-۵۶۷-۶۰۷-۶۱۲-۶۲۳-۶۴۵

- ذارون کا نظریہ ارتقاء اور قرآن ۵۰۴-۱۱
— فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا گیا ۵۰۴-۱۰-۵۰۵-۶۲۷
— دنیا میں اس کی حیثیت ۱۰
— روح انسانی کی حقیقت ۵۰۴-۵۰۵
— خلافت کی حقیقت ۵۰۵
— دوسری مخلوقات کے مقابلے میں اس کی فضیلت کا سبب ۵۰۵
— اس پر خدا کے احسانات (دیکھو اللہ انسان پر اس کے احسانات) ۵۰۵
— خدا نے اس کو انتخاب اور ارادے کی آزادی بخشی ہے ۵۰۵-۵۰۶-۵۰۶
— (مزید تفصیلات کے لئے دیکھو تفسیر) ۵۰۶
— وہ آدائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۳۲۳
— اس کو ازل میں حقیقت کا علم دیا گیا تھا ۹۷-۹۸
— اس کے علم کی حقیقت ۵۰۴
— اس کے لئے کائنات کو کس معنی میں سکھایا گیا ہے ۴۸-۵۰۹
— تمام انسان ایک ہی جوڑے سے پیدا ہوئے ہیں ۱۰۶
— انسانی ریح عمر کر معدوم نہیں ہوتی ۱۵۰-۱۵۳
— انسانی فطرت پرانی کو پسند نہیں کرتی ۱۶
— اس میں بلندی اور دوام کی طلب موجود ہے ۱۶
— شرم دھما اس میں ودیعت کی گئی ہے ۱۵
— اس کے تحت الشعور میں توحید کی شہادت موجود ہے
— ۹۷-۹۹-۲۷۸-۶۲۳-۶۳۱
— دنیا میں آنے سے پہلے اس سے توحید کا قرآنیائا گیا تھا ۹۷

- فردا فردا ہر مستفص کے محل پر نگاہ رکھا ہو ۳۶۱-۳۶۲
— دونوں کے چھے بھید تک جاتا ہے ۱۳۷-۱۳۸
— ۳۶۶-۳۶۷
— تمام انسانی پچھلی نسلوں کا اصل جاتا ہے ۵۰۳
— انفرادوں کے کړوٹوں سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا ۳۹۱
— اس کی معرفت کی نشانیاں (دیکھو آیت) ۵۰۳
— اس کی سستی کے دلائل (دیکھو توحید اور شرک)
— الحاد - معنی اور تشریح ۱۰۳
— اللہ - وہی اور اللہ کا فرق ۵۵۱
— الہام - وہی اور الہام کا فرق ۵۵۱
— الیاس علیہ السلام
— ان کا زمانہ اور بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے نکلنے
— پوشش ۵۹۷
— اُمت - پچھلی امت سے کیا مراد ہے ۲۸۹
— امر بالمعروف ونہی عن المنکر
— اس کی اہمیت انسانی زندگی میں ۹۰-۹۲
— ۳۷۲-۳۷۳-۵۱۲
— ۱۵۰ اہل ایمان کی خصوصیت ہے ۲۱۳-۲۱۴
— وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ایک
— اہم عنصر ہے ۸۵
— انبیاء - دیکھو نبوت
— انجیل - اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ۸۵
— اس میں بنی اسرائیل کو تنبیہات ۹۳-۵۵۰
— اس کی اور قرآن کی مطابقت ۲۳۸
— انسان
— تخلیق انسانی کے متعلق قرآن کا بیان ۱۰-۱۱
— ۱۰۶-۵۰۴

- اس کی نجات کا انحصار کس چیز پر ہے ۳۱-۳۲
- اس کی حقیقی ترقی کس راہ میں ہے ۱۱۵
- اس کی تباہی کس رستے میں ہے ۲۵-۳۲
- اس کی رہنمائی کے لئے نبوت کی ضرورت ۱۸-۲۰
- ۵۲۶-۵۲۸
- وہ محنت جس کی بنا پر خدا نے اسکی رہنمائی کے لئے
- انفوں ہی میں سے بعض کو نبی بنایا ۵۷۸-۵۷۹
- ۵۳۳
- اس کی رہنمائی کے لئے اللہ کی ہدایات و نیکو اسلام
- اس کی بنیادی تعلیمات ۲
- اس کے اخلاقی بستی میں مبتلا ہونے کے اسباب ۱۳
- ۱۹-۲۰-۲۲-۱۰۰-۱۰۱-۱۱۵
- اس کے مبتلائے ضلالت ہونے کے اسباب و دیکھو
- ۱۔ ضلالت اس کے اسباب ۹
- اپنی گمراہی کے لئے خود ذمہ دار ہے ۹۴-۹۹
- ۳۸۱-۳۸۲-۵۰۶ تا ۵۰۸
- وہ تمام ان لوگوں کی گمراہی کا بھی ذمہ دار ہے جو اس کے
- خدیجہ سے گمراہ ہوں ۵۳۴
- وہ ان اثبات کا بھی ذمہ دار ہے جو اس کے عمل سے
- دوسروں کی زندگی پر مرتب ہوں ۲۶ تا ۲۸
- گمراہی قبول کرنے والے کی ذمہ داری گمراہ کرنے والے
- سے کم نہیں ہے ۲۹
- ہر انسان اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے جس
- میں کوئی اس کا شریک نہیں ۹۰۵
- اپنی بری اور بھلی قسمت کے لئے انسان کی ذمہ داری
- ۶۰۴
- انسان کی ذمہ داری اس کی اپنی استطاعت کے لحاظ

- ابتدا میں تمام انسانوں کا مذہب ایک تھا ۶۷۶
- ان کی طبع اور افکار و اطوار کا اختلاف عین تقاضے
- فطرت ہے ۳۴۳-۳۴۴-۳۴۶-۵۶۸
- ۶۰۳
- انسانی فطرت کی کوریٹیاں ۲۴۰-۳۲۵-۳۲۶
- ۵۲۶-۶۳۹-۶۳۶
- انسان سے شیطان کی ازلی دشمنی ۱۳-۱۵-۱۸
- ۵۰۵-۵۰۶-۵۰۸-۶۲۸
- اس کی فضیلت کو غلط ثابت کرنے کے لئے شیطان
- کا چیلنج ۶۲۸
- اسکو بہکانے کے لئے شیطان کو قیامت تک کی مہلت
- ۱۳-۵۰۶
- شیطان کو اس پر کس قسم کے اختیارات دیئے گئے۔
- ۱۳-۱۴-۵۰۶-۵۰۸-۶۲۹-۶۳۰
- جنت میں شیطان اور انسان کا پہلا معرکہ اور اس کے
- نتیجہ ۱۷
- اس کو بہکانے کے لئے شیطان کی چالیں ۱۳-۱۶
- ۱۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۲۹-۳۸۲-۵۰۶
- ۵۲۹-۶۲۹
- کیسے انسانوں پر شیطان کا بس چلتا ہے ۵۷۱
- ۶۳۰
- کیسے انسان شیطان کے دھوکے سے محفوظ رہتے
- ہیں ۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۷۱-۶۳۰
- اس کے لئے شیطان کے پھندے سے بچنے کی تدابیر
- صورت ۶۳۰
- اس کے لئے صحیح طریق کار کیلئے ۱۷-۲۵
- ۳۷-۵۰۸

- ایمان کی حقیقت ۱۸۷-۲۳۵-۲۳۸-۲۶۸ —
 — ایمان بالغیب کی حکمت و مصلحت ۲۶۵-۲۷۹-
 ۳۹۸-۴۹۹ —
 — مومن کے جو کو آخرت پر کیوں متوڑ کیا گیا ہے ۲۳۷ —
 — موت کے آثار دیکھ کر ایمان لانا یا نہ کیا ہے ۳۰۹ —
 — عذاب الہی کو کتنے دیکھ کر ایمان لانا یا نہ کیا ہے ۲۱۲ —
 — کیا چیزیں ایمان لانے میں مانع ہوتی ہیں ۲۸۷-
 ۲۸۸-۳۰۱-۳۱۱-۳۱۲-۳۲۹-۳۴۶ —
 ۴۵۱-۴۷۶-۶۴۳ —
 — اللہ کا مشاہدہ نہیں ہے کہ انسان کی آزادی انتخاب سلب
 کر کے اس کو مجبور مومن بنائے ۳۱۳ —
 — نعمت ایمان اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ملتی ۳۱۴-
 (مزید تفصیل کے لیے دیکھو: تقدیر) —
 — ایمان نہ لانے والوں کا سر پرست شیطان ہوتا ہے ۱۹ —
 — اُس مومن کا حکم ہے کہ وہ پر عجب کر گیا ہو ۵۷۴ —
 — مومن کا ایمان قرآن سے نشوونما پاتا ہے ۲۵۳ —
 — ایمان کے ٹکٹے اور بڑے کا مطلب ۱۴۰-۲۵۳ —
 — ایمان میں کمی و بیشی نہ ہونے کا صحیح مطلب ۱۳۰ —
 — مومن کے لئے قرآن شفاء اور رحمت اور ہدایت ہے —
 ۳۳-۱۱۳-۲۹۲-۳۳۸-۵۳۹-۶۳۹ —
 — اہل ایمان کی بھلائی کس چیز میں ہے ۵۵-۳۶ —
 — اہل ایمان کی آزمائش کس کس طرح کی جاتی ہے ۱۳۵-
 ۱۸۲-۲۳۶ —
 — ایمان کے تھکے ۱۲۸-۱۳۰-۱۳۶-۱۳۹-۱۴۰-
 ۱۴۵-۱۴۶-۱۸۱-۱۸۳-۱۸۵-۱۹۴-۱۹۷ —
 ۲۰۹-۲۲۷-۲۴۷-۲۴۱-۲۴۹ —
 ۳۰۶-۳۲۱-۳۵۵-۳۵۶-۳۸۷ —

- ہیں ۲۶۲ —
 — آیت الہی سے ہدایت پانے کی لازمی شرطیں ۳۶۴-
 ۲۶۵-۲۹۶ —
 آیت (یعنی نشانِ عبرت) ۶۱۰ —
 آیت (یعنی معجزہ) ۳۸-۶۳-۶۵-۷۰-۷۲-۷۳-
 ۱۱۱-۲۷۷-۳۰۱-۳۵۲-۳۶۵-۴۳۷ —
 ۳۵۸-۳۶۴-۶۲۶-۶۲۷ —
 آیات (یعنی آیات کتاب اللہ اور یعنی ارشادات و احکام
 الہی) ۲۷۱-۳۰۰-۳۲۱-۳۸۳-۴۴۱-۴۹۷ —
 ۵۷۱-۶۴۶ —
 — اللہ کی آیات کے ساتھ ظلم کرنے کا انجام ۱۰ —
 — آیات الہی کا مذاق اڑانے والے کا فرہیں ۶۱۰ —
 — جو لوگ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اللہ ان کو ہدایت
 نہیں دیتا ۵۷۴ —
 — آیات الہی کا ظلم رکھنے کے باوجود ان سے منہ موڑنے
 کا نتیجہ ۱۰۰ —
 — آیات الہی کو متوڑی قیمت پر بیچنے کا مطلب ۱۷۸ —
 — اللہ اپنی آیات علم رکھنے والوں کے لیے بیان کرتا
 ہے ۲۳-۱۷۹ —
 — اللہ کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی
 آیات پر ایمان لائیں ۸۴ —
 — اللہ کی آیات انسان کو بندگی عطا کرنے کے لیے ہیں! —
 — آیات الہی کی تلاوت کا اثر اہل ایمان پر ۱۳ —
 ایکہ ۵۱۵ —
 ایمان :
 — کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ۸۵-۸۶ —
 ۱۸۳-۲۲۷ —

۵۶۹ — مومن کی ذہنیت اور اس کا انداز فکر ۲۳۳ — ۵۶۹	۵۴۵ — ۵۴۶ — ۶۷
۳۶۹ — ایمان اور کفر کا فرق	۱۸۳ — ۱۸۱ — ۱۶۳ — ۱۴۰ — ۱۲۸ — مومن کی صفات
۳۸۵ — ایمان اور کفر کا فرق بلحاظ شائع اور بلحاظ عہدات تاریخی	۲۰۴ — ۲۰۵ — ۲۱۳ — ۲۲۱ — ۲۲۷ — ۲۳۵ — ۲۴۵ — ۳
۳۲۲ — مومن اور کافر کا فرق ۱۵۷ — ۱۵۸ — ۲۰۰ — ۲۰۱ —	۲۳۰ — ۲۳۹ — ۲۶۵ — ۳۲۰ — ۳۴۱ — ۳۵۵ —
۵۱۷ — ۳۲۲ — ۳۶۱ — ۳۶۰ — ۳۵۱ — ۳۵۵ — ۳۸۷ —	۳۵۶ — ۳۵۹ — ۴۷۷ —
۲۵۳ — مومن اور منافق کا فرق ۲۱۳ — ۲۵۳ —	۱۷۳ — ۱۷۰ — ۱۶۶ — ۱۷۱ — ۱۷۳ — صداقت ایمانی کا معیار
۲۲۹ — گناہ گار مومن اور منافق کا فرق	۱۸۰ — ۱۸۱ — ۱۸۳ — ۱۸۵ — ۱۹۴ — ۱۹۵ —
۲۳۰ — منافق اور گناہ گار مومن میں تمیز کیسے کی جاسکتی ہے	۱۹۷ — ۲۲۱ — ۲۲۲ — ۲۲۳ — ۲۲۷ — ۲۲۷ —
۲۳۷ — حقیقی مومن اور ظاہری مسلمان کا فرق ۲۲۲ — ۲۳۶ —	۲۲۹ — ۲۳۰ — ۲۳۱ — ۲۳۲ — ۳۲۱ — ۵۷۶ —
۳۸۶ — ایمان کے اثرات انسانی سیرت پر ۷۰ — ۳۸۳ —	۲۲۹ — ۲۳۰ — ۲۳۱ — ۲۳۲ — ۲۳۳ — ۲۳۷ —
۵۷۰ — سچے اہل ایمان شیطان کے فتنے سے محفوظ رہتے ہیں	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۳۸۴ — ایمان صرف آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی نافذ ہے	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۲۹۵ — ۶۰ — ۲۹۵ — ۳۲۲ — ۳۲۶ — ۳۸۴ —	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۳۸۵ — ۵۷۰ —	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۲۳ — دنیا اور آخرت کی نعمتیں اہل ایمان ہی کا حق ہیں	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۲۹۵ — ۲۹۰ — ۲۹۵ — اہل ایمان کے لئے بشارت	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۶۲۶ — ۶۲۶ —	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۲۹۵ — مومن متقی کے لئے خوف و حزن نہیں ہے	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۲۹۵ — تمام متقی اہل ایمان اللہ کے دلی ہیں	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۱۵۵ — اللہ کا دشمن اہل ایمان کا دشمن ہے اور اہل ایمان کا دشمن	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں
۸۲ — اللہ مومن کی توبہ قبول کرتا ہے	۱۸۳ — ۱۸۲ — ۱۸۳ — دوست بنائیں

— عذاب قبر یعنی عذاب برزخ کا ثبوت ۱۵۰ —

۵۳۵ تا ۵۴۷

— ثواب برزخ کا ثبوت ۵۳۸ —

برکت — معنی اور تشریح ۴

— اللہ کے بابرکت ہونے کا مطلب ۴۷

بشارت — معنی اور تشریح ۳۰۸

یعنی — معنی اور تشریح ۵۶۶

بنی اسرائیل — ۲۵۶-۲۴۷-۲۳۸

— ان کی تاریخ کا عبرت ناک پہلو ۶۳-۵۹۱

— ان کا اصل مذہب اسلام ہی تھا ۳۰۵-۳۰۶-۳۰۹

— دین میں ان کی تفرقہ انگیزیاں جہالت کی بنا پر نہ تھیں

بلکہ علم کے باوجود تھیں ۳۱۰

— ان کی تاریخ حضرت یوسفؑ کے دور سے حضرت موسیٰؑ

کی ولادت تک ۳۸۲-۳۸۳

— ان کا مصر چھڑنا ۴۲۸-۴۲۹

— مصر میں داخلہ کے وقت ان کی تعداد ۳۳۰

— حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے سبب سے اسلام

کی کوششوں سے مصریوں میں اسلام کی کتنی اشاعت

ہوئی ۴۳۰

— حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے وقت ان کی حالت ۳۰۴-۳۰۵

۳۰۶-۳۰۵

— ان پر مصر کی غلامی کے اثرات ۷۵-۸۰

— حضرت موسیٰؑ فرعون سے انکی ربانی کا مطالبہ کرتے ہیں ۶۵-

۷۴

— ان پر فرعون کے مقام ۷۱-۷۶-۳۰۴-۳۰۵-

۴۷۲

— مخالف دو فرعونوں کے عہد میں ہونے ۷۱

— اللہ کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی نایاب

پر ایمان لائیں ۸۴

— ایمان و عمل صالح کا انجام نیک ۳۰-۱۳۰-۲۳۳-

۲۲۲-۲۳۵-۲۶۱-۲۶۳-۲۶۶-۳۶۸-

۲۹۵-۳۳۲-۴۵۹-۴۸۴-۴۸۶-۵۰۰-

۶۰۷-۶۰۸

— اہل ایمان پر اللہ کی عنایات ۱۳۵-۱۳۶-۱۳۹-

— اہل ایمان کے لئے اللہ کے ان بھی عزت اور سرفرازی

ہے ۲۶۱

— اللہ پر یہ حقیقت ہے کہ مومن کو عذاب نہ دے ۳۱۵

— اطاعت شمار مومن کا حساب دنیا ہی میں تکلفیں و دلک

صاف کر دیا جاتا ہے ۴۵۲

ب

بائبل — ۴۰-۵۱-۵۸-۷۸-۸۴-۹۰-۹۳-

۹۵-۲۳۹-۲۵۵-۳۰۹-۳۵۴-۴۵۵-

۳۸۱-۳۸۲-۳۹۰-۳۹۱-۴۰۰-۴۰۵-

۴۰۶-۴۱۰-۴۱۲-۴۲۴-۴۳۰-۴۳۱-

۴۳۲-۴۴۲-۴۸۱-۵۹۱-۵۹۶-۵۹۹-

— بائبل اور قرآن کے اخلاقیات ۵۱-۸۱-۸۵-

۳۰۹-۳۳۰-۳۴۱-۳۸۲-۳۸۵-۳۸۶-

۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۵-

۳۹۶-۳۹۷-۴۰۲-۴۰۷-۴۱۷-

۴۲۹-۴۳۴-۵۱۵

— بائبل کے صحیفہ یونس کی حقیقت ۴۱۲

— مجموعہ صحیفہ سادہ ۵۹۱

برزخ — موت اور قیامت کے درمیان برزخی زندگی

کی کیفیت ۵۳۶ تا ۵۳۸

- ان کو سخت شکنج کی سزا ۹۱-۹۲
- انبیاء بنی اسرائیل ان کو بدکار و روت سے تشبیہ دیتے ہیں
- ان کو انبیاء بنی اسرائیل کسے کسے تنبیہات ۹۳
- تاجک میں ان کے دوسرے فساد جن پر انبیاء بنی اسرائیل نے
- ان کو کسے درجے تنبیہ کیا ۵۹۱-۵۹۵
- پہلے فساد کی سزا ۵۹۰-۵۹۱
- دوسرے فساد کی سزا ۶۰۰-۶۰۲
- ان پر قیامت تک ایسے ظالم سلطہ کئے جاتے ہیں گے
- انہیں سخت عذاب دیں گے ۹۶-۹۳
- وہ اسباب جہنم بن جائیں وہ امامت انوار کے منصب سے
- ہٹائے گئے ۵۹۵-۵۹۸
- سارے بنی اسرائیل بگڑے جوئے کی منتھے ۸۶
- ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانی دعوت دی گئی
- ہے ۸۲-۸۶-۵۸۷-۵۸۷
- ان کی شریعت میں یمن ان چیزوں کے حرام ہونے کو جو
- شریعت محمدیہ میں حلال ہیں ۵۸۷-۵۸۷
- ت**
- تالوت سلیمان** ۵۹۷
- تذکیر نفس** — عدد اس کے اہم ذرائع میں سے ہے ۲۲۹
- تسلیم** — معنی اور تشریح ۱۱۵-۱۱۹
- سبحان اللہ کا مطلب ۲۹۸-۲۳۷
- آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ۹۱۸
- بے جان مخلوق کس طرح خدا کی تسبیح کرتی ہے ۲۳۹
- تعلیم** — اسلام میں تعلیم کا مقصد ۲۵۱
- اسلامی ریاست کی تعلیمی پالیسی کیا ہونی چاہیے ۲۵۱-۲۵۲
- اسلامی حکومت میں عوام کی جہالت کو دور کرنے کے لئے
- کیا کوششیں کی گئیں ۲۵۱
- ان کو خلافت دینے کا وعدہ ۷۲
- ان کو دنیا کی قوموں پر فضیلت دی گئی ۷۵
- مصر میں حضرت موسیٰ نے ان کی تسلیم کس طرح کی ۴۷
- مصر سے ان کا خروج ۷۴-۳۰۹
- مسند کو کس مقام پر چھوڑ دیا گیا ۷۳
- مصر سے نکلے ہی ایک بناوٹی خدا کا مطالبہ کر لیا تھا
- کوہ سینا کے دامن میں قیام ۷۶
- بیان سینا میں ان پر اللہ کے احسانات ۸۷-۸۸
- بھڑکے کو مسجود بنا لیتے ہیں ۸۰
- شرک سے ان کی توبہ ۸۰
- حضرت موسیٰ کا قصہ ۸۱
- بنی اسرائیل کے ستر نامہ گوسا پرستی کی معافی
- مانگے کے لیے جاتے ہیں ۸۳
- شریعت عطا کی جاتی ہے ۷۶-۷۸-۷۹
- ان سے جناب لیا جاتا ہے ۹۳-۹۵
- بیان سینا میں ان کی پہلی مردم شناری ۳۳۰
- ان کی اجتماعی تسلیم کس شکل میں کی گئی ۸۷
- ان کی ہدایت کئے گئے قرآن کا نزول ۵۹۰
- ان کو حضرت موسیٰ کی آخری وصیتیں ۴۷۲-۴۷۲
- ان کی تاریخ حضرت موسیٰ کی وفات سے جنت نصر کے
- ملے تک ۵۹۵-۵۹۸
- ان کی تاریخ بابل کی اسیری سے چھوٹنے کے بعد حضرت
- مسیح کے دور تک ۵۹۸ تا ۶۰۰
- ان کی تاریخ مسیح علیہ السلام کے دور میں ۶۰۰ تا ۶۰۲
- ان کا اخلاق و مذہبی انحطاط ۸۱-۸۲-۸۵-۹۳
- ان کی نافرمانیاں ۸۸-۹۵
- ان پر آسمان سے عذاب کا نزول ۸۹

۵۴۰-۶۳۵

— اللہ سے گمراہی میں پھینک دے اسے کوئی ہدایت نہیں

دے سکتا ۶۶۲

— اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی کسی کو راہ راست پر نہیں لاسکتا۔

۶۶۹

— بُرے لوگوں کے اعمال ان کے لئے خوش نما بنا دیے جاتے

ہیں ۶۷۰

— خدا کی توفیق کے بغیر کوئی شخص راہ حق پر ثابت قدم نہیں

رہ سکتا ۶۷۳

— انسان کو راہِ واہِ اختیار کی آزادی دینا اور کفر و ایمان کے فیصلے

میں خدا چھوڑنا مین مشیتِ الہی تھا ۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵

۵۶۸

— انسانی اختلافات کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو

اختیار و ارادہ کی آزادی بخشی ہے ۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵

۵۶۸

— بُری اور بُھلی قسمت میں انسان کی اپنی ذمہ داری ۶۰۴

— ہدایت اختیار کرنے والا خود اپنا بھلا کرتا ہے اور ضلالت

اختیار کرنا خود اپنا نقصان کرتا ہے ۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰

۶۰۵

— انسانی اختیار کی حقیقت ۶۳۶

— انسانی تدابیر اور الٰہی تقدیر کا باہمی تعلق ۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲

— انسان کے ارادوں کا پورا ہونا اللہ کی مشیت پر منحصر ہے ۵۶

— خدا پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈالنا شیطانِ فضل ہے ۱۳

— گمراہ لوگ اپنی گمراہی کے لئے عقیدہ جبر کی آڑ لینے میں غلطی

پر ہیں ۵۴۹

— اپنی گمراہی کے حوازیں عقیدہ جبر سے دلیل لانے والوں کو

قرآن کا جواب ۵۴۰

— موجودہ مذہبی تعلیم کے بنیادی نقائص ۲۵۱-۲۵۲

— نظامِ تعلیم میں وہ علوم و ہنر جو کجیادِ محض

علم و تحقیق پر مبنی ۶۱۶

تقدیر کر۔ ہر چیز کی حد اور مقدار مقرر کر دی گئی ہے جس سے کوئی

شے تجاوز نہیں کر سکتی ۵۰۲-۵۰۳

— قسمتوں کا بنانا اور بگاڑنا اللہ کے اختیار میں ہے ۷۲

— اللہ کے فیصلوں کو کوئی طاقت تقاضے نہیں روک سکتی

۶۲۹

— اللہ کی مشیت کے مقابلے میں انسانی تدابیر کا لگ کر نہیں

چلتی ۶۷۸-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲

— اللہ جیسے چاہے اپنے فضل سے غنی کر دے ۱۸۷

— اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا ۶۱۸

— اس کی ڈالی ہوئی معیبت کو کوئی دور نہیں کر سکتا ۶۱۸

— ارتقائی کی بجائے ارتقاء کے اختیار میں ہے ۶۵۷

۶۱۱-۶۱۲

— فتح اسی کے ادن سے حاصل ہوتی ہے ۱۵۸

— لوگوں کے دلوں کو جوڑنا اور اتفاق پیدا کرنا اسی کا کام

ہے ۱۵۲

— وہ جس کو چاہتا ہے الجھڑ میں کا وارث بناتا ہے ۷۱

۷۲

— ہر شخص اپنے نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتا ہے ۶۲

— ہر قوم کے لئے ایک جہلت محل مقرر کر دی جاتی ہے ۶۳

۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲

— کوئی قوم نہ خدا کی دی ہوئی جہلت محل ختم ہونے سے

پھٹ سکتی ہے نہ اس کے بعد باقی رہ سکتی ہے ۶۹۰

۵۴۸

— ہدایت اور ضلالت اللہ کے اختیار میں ۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳

- کیسے لوگوں کو برائی سے بچایا جاتا ہے ۴۷۱
- کیسے لوگوں کو ہدایت بخشتی جاتی ہے ۶۶۸-۴۵۸
- ۴۶۹
- عقیدہ تقدیر کے اخلاقی نتائج ۱۹۹-۲۰۰-۲۸۰
- تقلید تمام گمراہ قومیں تقلیدِ آبنائی پر اصرار کرتی رہی ہیں ۴۷۱
- ماد کا تقلیدِ آبنائی پر اصرار ۴۵۰
- نمود کا اصرار ۳۵۱
- قوم شیب کا اصرار ۳۶۰
- قوم ذوق کا اصرار ۳۰۳
- مشرکین عرب کا اصرار ۲۰
- اندھی تقلید اہم ترین اسبابِ مشقت میں سے ہے۔
- ۳۶۹-۳۷۰
- تقویٰ ۱۔ اس کے معنی ۳۷-۴۳-۹۵
- تقویٰ صرف خدمت سے ہونا چاہئے ۵۲۱-۵۲۰
- تقویٰ کی جڑ ایمان کے بغیر قائم نہیں ہوتی ۸۴
- ہدایت حاصل کرنے کے لئے تقویٰ ضروری شرط ہے
- ۲۶۴-۲۶۵
- ہر اس زندگی کا انجام تھا ہی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو
- ۳۳۴
- تقویٰ کے ثنائے ۱۲۸-۱۵۶-۱۷۲-۱۹۲
- ۲۴۹-۲۵۳-۲۸۲-۲۱۴
- متین کی صفات اور ان کا طرز عمل ۱۱۰-۱۱۳-۱۵۹
- ۱۹۷-۱۷۸
- تمام متقی اہل ایمان اللہ کے دلی ہیں ۱۹۵
- اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ۱۷۶-۱۷۸
- اللہ متقین کے ساتھ ہے ۱۹۲-۲۵۲-۵۸۲

- قوموں کی تعمیر بنانے اور بگاڑنے کے متعلق اللہ کا قانون
- ۱۵۱-۱۹۴-۱۹۵-۲۱۳-۳۴۶-۳۷۲
- ۳۷۳-۳۷۴-۳۴۹-۴۷۶-۶۶
- ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے معاملہ میں اللہ کا قانون
- ۳۴۳-۳۵۸-۴۵۹-۷۱-۳۸۶
- اللہ کے کسی کو ہدایت دینے اور کسی کو گمراہ کرنا مطلب
- ۸۳-۱۰۲-۲۴۳-۳۴۶-۴۸۶-۵۶۹
- ۶۳۵
- اللہ کے کسی کو فتنے میں ڈالنے کا مطلب ۲۵۳
- اللہ کی طرف سے دلوں اور کونوں پر مہر لگائے جانے کا
- مطلب ۶۱۹-۶۲۰
- بعض لوگوں کے جہنم کے لئے پیدا کئے جانے کا مطلب
- کیسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگائی جاتی ہے ۶۲-۶۶
- ۲۲۴-۳۷۱-۵۷۶
- کیسے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا جاتا ہے ۷۹-۷۸
- ۱۰۵
- گمراہی میں ڈالنے کی صورتیں کیا ہیں ۷۸-۷۹
- کیسے لوگوں کو متیقن اور ایمان کی توفیق نہیں دی جاتی ۱۳۷
- ۱۹۸-۲۸۲-۳۰۸-۳۱۱-۳۱۴
- کیسے لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھا جاتا ہے ۱۸۳
- ۱۸۵-۱۹۳-۲۱۹-۲۴۴-۵۴۰
- ۵۷۴-۵۷۵
- کیسے لوگوں کے دل حق سے پھرے جاتے ہیں ۲۵۳
- کیسے لوگوں کو بھٹکنے کے لئے جھوڑا یا جاتا ہے ۲۷۰
- ۲۷۸
- کیسے لوگوں کے دلوں پر کفر مسلط کیا جاتا ہے ۲۷۱
- کیسے لوگوں کے دلوں میں منافقت پیدا کی جاتی ہے ۲۷۱

— اللہ کو اپنے عہدہ گار بندے کی توبہ کس قدر محبوب ہے۔

۳۶۳-۳۶۴

— شرمسار مومن کی توبہ کس شان سے قبول کی جاتی ہے؟

۲۳۵-۲۳۹

— توبہ کو مؤثر بنانے کا طریقہ ۲۴۱

— توبہ و استغفار کے نتائج ۳۲۲-۳۲۵-۳۴۹

۵۷۹

— توحید۔ اس کی تشریح اور اسکی حقیقت ۱۸۹-۱۹۰-۲۶۲

۷۸۴-۷۸۵ تا ۳۱۸-۳۶-۳۰۲-۵۲۵-۶۸-۶۸۹

۶۰۹

— اس کے دلائل ۸-۳۶-۳۷-۹۵ تا ۹۹-۲۸۶

۷۸۴-۷۸۵-۲۹۷-۳۲۸-۲۴۹-۳۴۱ تا ۳۴۳

۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶ تا ۴۵۲

۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸ تا ۵۱۵

۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹ تا ۵۳۰

۶۳۱

— توحید کے دلائل ہی خدا کی ہستی کے دلائل بھی ہیں ۴۴۳

— اس بات کا ثبوت کہ توحید کا اعتقاد انسان کی فطرت

میں مضمر ہے ۹۷-۹۹-۲۷۳-۶۳۱

— عقیدہ توحید کے فوائد ۳۸-۳۹-۱۸۹-۱۹۰

۲۶۲-۲۶۳-۳۱۵ تا ۳۱۸-۳۲۲-۳۵۰

۳۸۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۶۰۸

۶۰۹-۶۲۵

— تورات۔ وہ بنی اسرائیل کا قرآن مسمیٰ ۵۱۸

— حضرت موسیٰ کو حکاکی گئی تھی ۵۹۰

— اس کے احکام جو پتھر کی تختیوں پر لکھے کر دیے گئے ۷۸

— اس کی تشریح ۸۲

— متقی لوگ ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں ۸۲

— متقین کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے ۵۳۷

— لباس تقویٰ کی تعریف ۱۹-۲۰

— تقویٰ کا انجام نیک ۲۵-۳۲-۶۰-۷۱

۹۴-۱۳۰-۲۹۵-۳۳۵-۴۲۸-۴۳۸

۴۶۳-۵۰۸-۵۲۷-۵۳۸

— متقین کی روحوں کا استقبال عالم برزخ میں کس طرح

ہوتا ہے ۵۳۸

— تکبر۔ اس کی مذمت اور مخالفت ۶۱۶-۶۱۷

— بندے کو تکبر کا حق نہیں ہے ۱۲-۷۸-۷۹

— تکبر۔ استکبار کی حقیقت ۳۰۱

— اللہ مجرمین کو پسند نہیں کرتا ۵۳۳

— تکبر کے نتائج ۱۲-۲۵-۳۰-۷۲-۷۸-۱۱۵

۵۳۶

— تلمود۔ ۵۱-۳۰۶-۳۰۹-۳۸۱-۳۸۳-۳۹۰

۳۹۱-۴۰۰-۴۰۵-۴۰۶-۴۱۱-۴۱۲

۴۲۴-۴۳۱-۴۳۲-۵۱۲-۵۱۳

— قرآن اور تلمود کے اختلافات ۳۸۵-۳۸۷

۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۶-۳۹۷-۴۰۲

۴۰۷-۴۳۴

— تنازع۔ اس کی تردید ۲۸

— توبہ۔ وہ ایمان کے ساتھ ہی نافذ ہوتی ہے ۲۷۲

— اس کی حقیقت ۲۳۹

— آثار موت طاری ہو جانے کے بعد اس کا موقع

نہیں رہتا ۵۶۲

— کیسے لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے ۲۲۹-۲۳۰

۲۳۴-۷۷۹

— حضرت موسیٰ نے اس کو از سر نو مرتب کیا ۵۹۹

— اس میں ظالمین کی قوموں کو مشاہدے کا حکم ۵۹۹

— اس کے ساتھ یہودیوں کا سلوک ۵۱۸

— اس میں یہودیوں کی تحریفات ۲۳۸ ۲۳۹

— اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ۸۵

— قرآن کا اس سے استشہاد ۹۳

توکل — اس کی حقیقت ۳۴۰

— اس کے عملی ثمرات ۳۸۱

— دنیوی اسباب اور تدابیر سے کام لینا توکل کے خلاف

نہیں ہے ۳۰۵

— تدبیر اور توکل کا صحیح تعلق ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸

— توکل کا وسیع مفہوم ۶۳۰

— اللہ پر توکل ایمان کا تقاضا ہے ۱۳۰ ۳۰۶

— وہ ایک زبردست طاقت پر توکل ہے ۱۵۰

— وہ کبھی غلط ثابت نہ ہوگا ۶۳۰

— وہ غم کی مضبوطی کا ذریعہ ہے ۵۷ ۱۵۷ ۳۰۰

۳۶۲ ۳۶۰

— وہ مصائب میں ہر اس اوسبے المیہ نافی سے بچاتا ہے۔

۲۰۰ ۳۷۵ ۳۸۹ ۳۷۷

— وہ دلیری پیدا کرتا ہے ۱۵۶ ۳۰۶ ۳۴۷

— وہ استغناء پیدا کرتا ہے ۲۵۵

— وہ آدمی کو شیطان کے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے ۵۷۱

ث

ثمود ۲۱۳ ۳۶۵ ۳۷۵

— خدا کے ہدایت میں خلیفہ بنائے جاتے ہیں ۳۹

— ان کی تاریخ، طلاق اور آثار قدیمہ ۳۷ ۳۸ ۳۹

۵۱۶ ۵۱۵

— ان کا دار السلطنت عجز ۵۱۵

— حضرت صالح کی دعوت کے مقابلہ میں ان کا طرز عمل اور عقلم

۳۷ تا ۵۰ ۳۴۹ تا ۳۵۲ ۵۱۵ ۵۱۶

۶۳۱

ج

جادو — اس کی حقیقت ۶۸

— سحرے اور جادو کا فرق ۶۸ ۶۹ ۷۲ ۶۳۸

— نبی اور جادوگر کا فرق ۳۰۳

— کیا ایک نبی پر جادو ہو سکتا ہے ۶۳۸ ۶۳۹

جبر و قدر (دیکھو تقدیر)

جبریل — ان کا لقب "روح القدس" ۵۷۲

— قرآن لانے والے ۵۷۲

جزا و سزا

— خدا کے قانون مکافات کی دیلیس انسانی تاریخ میں ۳۶۷

۳۶۸

— ہر شخص کی جزا، اس کے عمل کے مطابق ۷۹ ۱۰۳

۱۵۰ ۲۹۱ ۲۹۳

— ہر ایک کو اس کے کچے لاپورہ بدلہ دیا جائے گا ۳۷۰

— اللہ کی نافرمانی کر کے بڑی سے بڑی جتنی بھی سزا سے

نہیں بچ سکتی ۲۷۲

— نیکیوں کی جزا دینے میں اللہ کا قانون ہدی کی سزا سے

مختلف ہے ۲۵۰ ۲۸۰ ۵۷۰

— اطاعت خدا و مومن کا حساب دنیا ہی میں ٹھیکیں ڈال کر صاف

کر دیا جاتا ہے ۳۵۳

— جزا و سزا ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ہوتی ۲۹۰

۲۹۲

— خدا کا بے لاگ انصاف ۵۳ ۳۲۱ ۳۳۰ تا

- اس کی اہمیت ۱۲۴-۱۳۲-۱۳۶
- کفار کن ارادوں کے ساتھ آئے تھے ۱۲۴-۱۳۶ —
- ۱۴۹
- کس شان کے ساتھ آئے تھے ۱۴۹-۱۴۸
- ان کے لشکر کی تعداد ۱۲۳
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے نکلنے کا فیصلہ کن
- حالات میں کیا تھا ۱۲۴
- آپ کا مقصد جنگ ۱۲۶
- اللہ کے پیش نظر کیا مقصد تھا ۱۳۲-۱۳۶
- جنگ کے لیے نکلنے وقت مسلمانوں کی کیفیت ۱۳۱ —
- ۱۴۶
- ان کی تعداد ۱۲۵
- جنگ کی تیاری ۱۲۳
- جنگ کی ابتدا کس طرح ہوئی و سناری کی روایات اور فرق
- کے بیان کا اختلاف ۱۳۱
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ۱۲۶
- کفار کے ساتھ شیطان تھا، مگر خدا کا عذاب دیکھ کر بھاگ
- گیا ۱۳۹-۱۵۰
- مسلمانوں کی مدد خدا نے کس کس طرح کی ۱۳۲-۱۳۳ —
- ۱۴۷
- اہل ایمان کی آزمائش ۱۳۵
- مجاہدین و انصار کی جاہل سناری ۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶ —
- ۳۲۱
- منافقین کا رویہ ۱۲۶-۱۵۰-۱۵۲
- مدینے کے یہودیوں کا طرز عمل ۱۵۲
- قریش کی طاقت پر پہلی کاری ضرب ۱۲۷
- قریش کی شکست ان کے خلاف اللہ کا فیصلہ تھی ۱۳۶ —

- ۲۴۵-۳۵۶-۳۵۸-۵۱۱-۶۰۵
- جن — ۲۶-۱۰۲-۱۰۴-۳۷۱
- جنوں کا مادہ تحقیق ۵۰۳
- جنت
- کیے لوگوں کے لئے ہے ۳۰-۱۸۴-۲۱۴-۲۲۲ —
- ۲۲۸-۲۳۵-۲۶۸-۲۸۰-۳۴۲-۳۶۹ —
- ۳۵۶-۳۵۷-۴۶۳-۴۸۴-۵۰۸ —
- ۵۳۸-۵۴۷
- اس کی کیفیت ۳۰-۱۸۴-۲۱۴-۲۲۸-۲۶۸ —
- ۲۸۰-۲۶۹-۳۵۷-۴۶۳-۴۸۴-۵۰۸ —
- ۵۰۹-۵۳۷-۵۳۸
- اس کا دوام ۳۰-۱۸۴-۲۱۴-۲۲۸-۲۶۸ —
- ۲۸۰-۳۴۲-۳۶۹-۳۵۷-۵۴۷
- انہیں بچے محل نیک کی بدولت اسے پائے گا ۴۱
- اہل جنت پر خدا کی ہر باتیں ۴۱-۳۴۲
- اہل جنت کے اخلاق ۴۱-۲۶۹
- وہاں داخل ہونے سے پہلے دنیوی زندگی کے سب
- داغ دھوئے جائیں گے ۴۱
- اہل جنت کے دلوں سے باہمی کدورتیں نکال دی جائیں گی
- ۳۰-۵۰۹
- کون لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ۳۰-۱۷۴
- اس کی نعمتیں کا فہم کے لیے حرام ہیں ۳۳
- اہل جنت اور اہل دوزخ کی باہمی گفتگو ۳۳
- وہاں آدم و نوح کا قیام اور امتحان ۱۴۴-۱۵۴
- جنگ (دیکھو جہاد اور قتال فی سبیل اللہ)
- جنگ بدر
- اس کے اسباب ۱۳۶-۱۲۳

۱۳۶

— وہ ان کے حق میں خدا کا غضب تھی ۱۳۳

— مقتول کافروں کا انجام ۱۵۰

— مالِ غنیمت کی تقسیم پر مسلمانوں میں اختلاف اور اس

کا فیصلہ ۱۲۸-۱۳۶

— مسلمانوں کی ایک غلطی جس پر عتاب فرمایا گیا ۱۵۹-۱۶۰

— جنگ کے اثرات و نتائج ۱۲۷

— جنگ پر قرآن کا تبصرہ ۱۲۷

— اسیرانِ جنگ سے خطاب ۱۶۰

جنگ تبوک

— اس کے اسباب ۱۶۸-۱۶۹

— اس کی اہمیت ۱۶۹-۱۷۰-۱۹۵

— اس کے حالات ۱۶۶ تا ۱۷۱

— اس کے اثرات عرب کی سیاست پر ۱۶۸ تا ۱۷۱

— اس کا فیصلہ کن حالات میں کیا گیا ۱۶۹-۱۷۰-۱۹۶

— وہ خطبہ جو جنگ پر اٹھارے کے لیے نازل ہوا ۱۹۳

— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیرانہ پالیسی ۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰

۱۷۰

— ان سب مسلمانوں کی کیفیت جو جنگ پر نہ جاسکے۔

۲۲۳-۲۲۴

— منافقین کا رویہ ۱۶۹-۱۷۰-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹

— ۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۱۰-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸

— ۲۱۹-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۵-۲۳۱ تا ۲۳۴

— مسجدِ ضرار اور ابو عامر راہب کی سرگرمیاں ۱۶۹-

۱۷۰-۲۳۱ تا ۲۳۴

— اطرافِ مدینہ کے بدوؤں کی روشیں ۲۲۶-۲۲۷

— لڑائی نہ ہو سکی اصل وجہ ۱۷۱

— اس موقع پر اسلامی معاشرے کی کیا کمزوریاں ظہور میں آئیں

اور انہیں دور کرنے کے لیے کیا تدابیر عمل میں لائی گئیں ۲۳۱

— وہ خطبہ جو جنگ کے بعد نازل ہوا ۲۱۵

— جنگ سے پہلے پھیر جانے والوں پر عتاب ۲۱۹-۲۲۰

— ان اہل ایمان کا معاملہ جو نفس کی کمزوری کے سبب سے

جنگ میں نہ گئے ۲۲۹ تا ۲۳۱-۲۳۲ تا ۲۳۶

— جنگ سے واپسی پر ان لوگوں سے باز پرس جو پیچھے

رہ گئے ۲۳۲

— منافقین سے باز پرس ۲۳۴

— قصور وار مومنوں سے باز پرس ۲۳۴

— حضرت کعب بن مالک کا سبق آموز واقعہ ۲۳۵ تا ۲۳۶

جنگ خنین

— آخری معرکہ جس میں کفارِ عرب کی طاقت ہمیشہ

کے لیے ٹوٹ گئی ۱۶۷

— اس میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست کے اسباب ۱۷۵-

۱۸۶

— اس میں اللہ نے کس طرح مسلمانوں کی مدد کی ۱۸۵-۱۸۶

— اس کے اثرات اسلام کی اشاعت پر ۱۸۶

— جنگ موتہ

— اس کے اثرات و نتائج ۱۸۸-۱۹۱

جہاد فی سبیل اللہ

— جہاد کے معنی ۲۱۵

— جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ۲۰۸

— جہاد اور قتال کا فرق ۲۰۸

— اسلام میں اسکی اہمیت ۱۷۳-۱۸۱-۱۸۵-

۲۳۹

— ایمان کی کسوٹی ۱۹۷-۲۰۲-۲۲۱ تا ۲۲۳-۲۳۰-

۲۳۷-۲۳۸

— اس کی فضیلت ۱۸۲-۱۸۳-۲۳۹

ح

حیطہ اعمال

— حیطہ عمل کے معنی ۷۹

— اس کے وجود ۳۲۹-۳۷۹-۳۸۰

— کیسے لوگوں کے اعمال ضائع ہوتے ہیں ۷۹-۱۸۲

— ۲۱۲-۳۲۹-۳۷۹

— حج۔ اس کے قدیم طریقوں کی اصلاح ۱۷۳-۱۷۴

— یوم الحج الاکبر سے کیا مراد ہے ۱۷۵

— حج و عمرہ اور دیگر عبادتوں کی اصلاح (مصلی اللہ علیہ وسلم)

— حج۔ شہود کا دار السلطنت ۵۱۵

حدود اللہ

— اللہ سے نادانیت آدمی کو منافقت اور جاہلیت میں مبتلا

— کرتی ہے ۲۶

— ان کی حفاظت اہل ایمان کی خصوصیت ہے ۲۸۰

— حدود اللہ اور ان کی حفاظت کا وسیع مفہوم ۲۳۰-۲۳۱

— حساب (دیکھو آخرت)

— حشر۔ اس کے معنی ۳۹۳

— وہ اسی زمین پر ہوگا ۳۹۳

— اس میں تلمیذ کی پہلی نسلوں کو اکٹھا کیا جائے گا ۵۰۳

— درجہ تفصیل کے لیے دیکھو آخرت اور قیامت ۳

حق۔ تشریح ۲۸۳

— اللہ نے نظام کائنات کو حق پر پیدا کیا ہے ۲۳۳-۳۷۹

— ۳۸۰-۵۱۶-۵۲۵-۵۲۶

— حق کی طرف رہنمائی صرف اللہ ہی کر سکتا ہے ۲۸۳

— حق کا اختیار کرنا آدمی کے لیے مفید اور رد کرنا ہی کے لیے

— نقصان دہ ہے ۳۱۸

— علم حق رکھنے والے اور اس سے غافل رہنے والے کی مثالیں جو سیکھ سکتے ہیں

— اس کا اجر ۲۳۹-۲۵۰-۵۷۶

— اسی میں اہل ایمان کی پہلوئی ہے ۱۹۶

— اس سے بچی چرنے والے منافق ہیں ۲۱۹-۲۲۰

— مجاہدین کی مدد کے لیے مال زکوٰۃ کا استعمال ۲۰۸

— منافقین اور کفار کے خلاف مجاہد کا مطلب ۲۱۵

— جہالت۔ قرآن کی نگاہ میں جہالت کیا ہے ۷۵-۳۳۳

— ۳۲۷-۳۶۹

— جہنم۔ کیسے لوگوں کے لیے ہے ۱۳-۲۵-۲۶-۳۰

— ۱۰۲-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۴-۱۵۰-۱۸۸-۱۹۱

— ۱۹۹-۲۰۹-۲۱۲-۲۱۶-۲۱۹-۲۲۵-۲۲۶

— ۲۴۱-۲۶۶-۲۸۰-۳۲۹-۳۳۱-۳۶۸

— ۳۳۶-۳۵۲-۳۶۳-۳۷۸-۳۸۷

— ۳۹۳-۵۰۷-۵۳۶-۵۴۹-۶۰۷-۶۰۸

— ۶۱۷-۶۲۸-۶۳۵

— اس کی کیفیت ۲۱۹-۲۶۳-۲۸۰-۳۶۸

— ۳۶۶-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۷-۳۹۳

— ۵۰۸-۶۲۸

— اس کا دوام ۲۵-۱۸۲-۲۰۹-۲۱۲-۲۸۰

— ۳۶۶-۳۶۶-۵۳۶

— اس کی طرف جانے کے سات راستے ۵۰۸

— وہ جنوں اور انسانوں سے بھری جانے لگی ۳۷۳

— ہرگز راہ گردہ کہ بیشواہی اس کو قیامت کے روز جہنم

— کی طرف لے جائیں گے ۳۶۶

— اہل دوزخ کی ایک دوسرے سے لڑائی ۲۶

— اہل جنت اور اہل دوزخ کی باہم گفتگو ۳۳

— اس کا وہ دھشت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

— ۶۲۷-۶۲۸

— حق کو قبول نہ کرنے کے نتائج ۳۵۴

— اللہ حق کو حق ثابت کر کے ہی رہتا ہے ۳۰۴

— حق ان کو غلبہ ہی ہو کر رہتا ہے ۴۵۳

حقوق العباد

— والدین کے حقوق ۶۰۹-۶۱۰

— اولاد اور نس کے حقوق ۶۱۲

— رشتہ داروں کے حقوق ۵۶۵-۵۶۶-۶۱۰

— یتیموں کے حقوق ۶۱۵

— مسکین کے حقوق ۲۰۵-۶۱۰

— مسافروں کے حقوق ۲۰۸-۶۱۰

— اجتماعی و معاشرتی حقوق کا وسیع تصور ۶۱۱

— حکمت تبلیغ ۵-۱۰-۱۱۰ تا ۱۱۴-۲۸۲-۴۸۱

— ۴۰۳-۴۰۴-۴۳۵-۵۸۱-۵۸۲-۶۲۳

۶۲۳ (مزید تفصیل کے لیے دیکھو: دولت حق)

حکمت تشریع

— نئے احکام جاری کرنے سے پہلے مناسب ماحول پیدا

کرنا ضروری ہے ۴۲۳

— اجرائے احکام میں تدریج ۴۲۳

— نماز کے اوقات میں کیا حکمتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں ۳۳۶

— اسلام میں عبادات کے لیے قری تاریخی کیوں اختیار

کی گئی ہیں ۱۹۳

حلال و حرام

— انسان کو خود حلال و حرام کے حدود متقرر کر لینے لائق

نہیں ہے ۲۹۴ تا ۲۹۹-۵۷۷-۵۷۸

— کیا چیزیں حرام کی گئی ہیں ۵۷۷

— حرام چیز کن حالات میں کن شرائط کے تحت کھائی جاسکتی

ہے ۵۷۸

حمد — اس کے معنی ۴۹۹

— زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی حمد کر رہی ہے ۶۱۹

— یہ جان مخلوق کس طرح اللہ کی حمد کرتی ہے ۴۴۹

حنیف — معنی اور تشریح ۳۱۶

حق — قرآن اس کی تردید کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو پہنچا

وہ شیطان کی ایجنٹ بنیں ۱۶

حیات بعد الموت (دیکھو: زندگی بعد موت)

حیات دنیا (دیکھو: دنیا)

خ

خسران — کیسے لوگوں کے لیے ہے ۹-۳۵-۵۸-۶۱-

۸۰-۱۰۲-۱۴۴-۲۱۲-۲۸۹-۳۱۱-۳۳۲-

۴۵۲-۵۷۶-۶۲۹-

خلافت

— انسان کو زمین پر خلافت دینے سے پہلے حلف و نفاذ رکھنا

کیا ۹۶-۹۷

— خلافت فروع امتحان و آزمائش دی جاتی ہے ۷۲-۲۵

— قوم نوح کے بعد عاد خلیفہ بنائے گئے ۴۵

— عاد کو دھکی دی گئی کہ خدا اقبال ہی جگہ دوڑوں کو خلیفہ

بنائے گا ۳۳۸

— عاد کے بعد ثمود خلیفہ بنائے گئے ۴۹

— بنی اسرائیل کو خلافت دینے کا وعدہ ۷۲

د

داؤد علیہ السلام

— ان کا زمانہ اور مدت سلطنت ۵۹۷

— ان کی سیرت ۶۲۳

— ان کو زبور دی گئی ۶۶۴

دعا — غیر اللہ سے دعا اور استمداد شرک ہے ۶۲۵

- اس کے راستے کی رکاوٹیں ۳۰۸
— اہم صبر کی اہمیت ۳۰۹-۳۱۸-۳۲۶-۳۷۷-۴۵۰
— ۳۴۱-۵۱۶-۵۸۷-۶۰۳
— اس میں کچھ دھواور صبح طرز فکر کی اہمیت ۳۰۹
— اس میں نماز کی اہمیت ۳۴۱-۵۱۶-۵۸۷
— اس میں نماز باجماعت کی اہمیت ۳۰۷
— وہ چیزیں جن سے دائمی حق کو طاقت ملتی ہے ۵۱۶
— دائمی حق کو کسی کی پروا کیے بغیر حق کا اظہار اعلان کرنا
چاہیے ۵۱۸
— اس کو دین میں مصالحت و مہارست پر آمادہ نہ ہونا چاہیے
۳۴۱-۵۸۷-۶۳۳
— اس کو لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا چاہیے ۳۶۳
— اس کو جاہلی قوانین کی پیروی سے اجتناب کرنا چاہیے
۳۶۳
— اس کو دنیا پرستوں کی شان و شوکت کی طرف آنکھ اٹھا کر
دیکھنا چاہیے ۵۱۷
— اس کو اختلافات سے ڈھبانا چاہیے ۳۴۱-۶۳۳
— اس کو حق تعالیٰ کی پیروی کیوں کا مقابلہ کسل کرنا ہے ۵۱۶
— اس کو نیکی کے ذریعہ برائیوں کو دفع کرنا چاہیے ۳۴۱
— اسے اس بات کی فکر ہونا چاہیے کہ خدا اس کے
خفاضین کو دنیا میں کیا سزا دیتا ہے ۳۶۵
— دنیا دار امتحان ۷۲-۲۴۱-۲۴۶-۳۲۳
— دنیاوی زندگی دراصل وہ وقت ہے جو امتحان
کے لیے انسان کو دیا گیا ہے ۲۵۹
— حیات دنیا کی حقیقت ۲۴۹-۵۰۳
— آخرت کے مقابلے میں اس کی بے حیثیت ۱۹۴-۲۸۹-
۴۵۸-۵۶۹

- صرف اللہ ہی جسے دعا مانگنا برحق ہے ۳۵۰
— دوسروں سے دعا مانگنا باطل ہے ۱۰۹-۱۱۰-۱۵۰
— اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے کا بُرا انجام ۲۶
— مشرکین کے غیر اللہ سے دعا مانگنے کی اصل وجہ ۲۶۹-۳۵۰
— غیر اللہ سے دعا مانگنا وہ برائی ہے جسے مٹانے کے لیے
انبیاء آئے ۳۸
— اللہ سے دعا مانگنے کی لازمی شرطیں ۲۱
— اللہ کو کس طرح پکارنا چاہیے ۳۷-۳۸
— اللہ اپنے مہربند سے قریب ہے اور دعاؤں کا
جواب دیتا ہے ۳۲۹
— دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ کی مرضی پر موقوف ہے ۲۶۶
— نبی تک کی دعا رد کر دی جاتی ہے ۳۲۲
(نیز دیکھو قرآنی دعائیں)

دعوتِ حق

- اس کا صحیح طریقہ (دیکھو حکمت تبلیغ)
— اس کی کامیابی سر و سامان پر منحصر نہیں ہے ۲۶۳-۳۸۱
۴۱۳
— اللہ اس کے ساتھ ہے ۳۶۵-۴۶۶
— اس کے مقابلے میں مخالفوں کی چالیں کامیاب نہیں
ہو سکتیں ۳۶۶
— اس کے خلاف چال بازیال کر نوالے آخر کار خدا ہی
میں مبتلا ہو کر رہتے ہیں ۵۳۲
— آخری کامیابی اسی کے لیے ہے ۴۶۶
— اس کا پھر جاہلی سوسائٹی میں کس طرح عملی ڈالنا ہے
۳۵۱-۴۷۵
— اس کے نازک مراحل ۳۰۶-۳۰۷

دولخ (دیکھو جہنم)

دوسریت۔ اس کی تردید کے لیے توحید کے دلائل ہی کافی

ہیں ۴۴۲-۴۴۵

دین۔ معنی اور تشریح ۱۵۰-۱۹۲-۲۸۴

جس کا قانون ملک میں رائج ہو اسی کا دین ملک دین

ہے ۴۲۰-۴۲۱

ان لوگوں کے خیال کی غلطی جو دین کو صرف پوجا پاٹ

اور مذہبی مراسم میں محدود سمجھتے ہیں ۴۲۲

اللہ کا دین ہی ساری کائنات کے نظام کا دین ہے ۵۴۶

اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا مطلب ۲۱

۲۷۸

دین پورا اکا پورا اللہ کے لیے ہونا چاہیے ۱۴۳

دین حق کو پورے "الدین" پر غالب کرنے کا مطلب ۱۹۰

ان لوگوں کے خیال کی غلطی جو کافرانہ قوانین کی پیروی کے

لیے حضرت یوسف کے اسوہ سے دلیل لاتے ہیں ۴۲۷

دین کو مکمل اور تفریح بنالینے کا بڑا انجام ۴۳

دین حق (دیکھو اہم)

ذ

ذکر (معنی قرآن) ۴۳۵-۴۹۸-۵۴۳

ذکر (معنی کتاب الہی) ۴۲-۴۵-۴۹۸-۵۴۳

ذکر (معنی یاد الہی)۔ اس کے معنی ۱۱۵

اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم ۱۳۸

اللہ کا ذکر کس طرح کیا جائے ۱۱۳-۱۱۵

ذکر الہی کے اثرات انسانی تلوپ پر ۴۵۹

ذکر (معنی یاد الہی) ۶-۹۹

د

رب۔ اللہ ہی تمام کائنات کا رب ہے ۳۷-۴۲-۴۵

دنیوی زندگی میں آدمی کا امتحان کس طرح لیا جا رہا ہے

۲۶۵

فاضل انسان دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو سے کس طرح

دھوکا کھلتے ہیں ۳۳۸-۳۴۹

دنیوی نعمتوں کی دو قسمیں متعلق غرور اور تعلق خض ۳۳۳

دنیوی نعمتوں کو نادان لوگ ہمیشہ سے مقبول بنا گا و

خداوندی ہونے کی علامت سمجھتے رہے ہیں ۳۴۴

دنیوی نعمتیں اس بات کی علامت نہیں ہیں کہ نعمت

پانے والا اللہ کا محبوب ہے ۲۰۲-۲۱۴-۲۲۱

۲۷۵-۳۲۲-۴۵۷-۴۵۸

گمراہ لوگوں کا ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ ایمان داری

اور راستبازی اختیار کرنے سے آدمی کی دنیا برباد

ہو جاتی ہے ۵۷-۳۲۲

اس خیال کی غلطی ۳۲۶-۵۷۰

دنیوی کامیابیوں کا نام قرآن کی زبان میں فلاح

نہیں ہے ۲۷۲

جو شخص محض دنیا چاہتا ہو اس کے لیے آخرت میں

جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے ۴۲۹-۶۰۷

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے لازماً ہدایت سے غور

رہتے ہیں ۵۷۵

دنیا کی زندگی سے دھوکا کھانے کا بڑا انجام ۳۴

آخرت سے بے پروا ہو کر دنیا کی زندگی پر مطمئن ہونے کا

انجام ۲۶۶

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا انجام ۱۹۳-۴۷۰

۵۷۵

دنیا میں کافروں اور ظالموں کو خدا کی نعمتیں کیوں

ملتی ہیں ۲۳

رسول (یعنی نبی کے لیے دیکھو: نبوت) ۴

روح - یعنی وحی ۵۲۲ - ۵۲۵ - ۶۳۹ - ۶۴۰

(روح انسانی کے لیے دیکھو: انسان) ۵

روح القدس - ۵۷۲

رہبانیت - کوئی رہبانی مذہب مذاک طرف سے نہیں

ہو سکتا ۲۴

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے ۱۲

ن

زبور - ۶۲۳

زکوٰۃ - ۱۸۳ - ۷۱۳ - ۳۵۶

— شکر و نعمت کا فطری تقاضا ہے کہ آدمی راہ خدا میں مال

صرف کرے ۳۸۷

— اللہ کی رحمت کے سستی صرف وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ دیتے

— وہ ہمیشہ دین الہی کے ارکان میں شامل رہی ہے ۸۳

— وہ اللہ کی کو بچتی ہے ۲۲۹

— اللہ مدد دینے والوں کو جزا دیتا ہے ۳۲۷

— وہ ایک ذریعہ ہے تزکیہ نفس کا ۲۲۹

— وہ ایک ذریعہ ہے توبہ کو موثر بنانے کا ۲۳۱

— اس کی اہمیت اسلام کے دستوری قانون میں ۱۷۵

— اس کی اہمیت اسلام کے جنگی قانون میں ۱۷۷

— مائعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ

کی دلیل ۱۷۷

— وہ انقلاب عظیم جو زکوٰۃ کی تسلیم نے عرب کی زندگی میں

برپا کیا ۲۰۳

— زکوٰۃ کی تحصیل اسلامی حکومت کے ذمے ہے ۲۲۹

— مستحقین زکوٰۃ ۲۰۵ تا ۲۰۸

— بنی ہاشم پر زکوٰۃ لینا حرام ہے ۲۰۵

۶۳۲ - ۶۹ - ۲۸۵ - ۳۵۱ - ۶۳۷

— دیکھیں انسان کا رتبہ ہے ۳۶ - ۲۶۱ - ۳۶۲ - ۲۸۱

۲۸۲ - ۳۳۶ - ۳۴۷ - ۲۵۹

— کچھ کو قانون مازمان کو اس کے اردو نبی کی بے چون چڑا

تغییر کرتا دراصل اس کو رب بناتا ہے ۱۹۰ - ۱۹۸

— کسی کو بادشاہ اور ملک کا غنا و مطلق تسلیم کرنا اسے

رہبانیت ہے ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۷

رحمت

— نظام عالم اللہ کی رحمت پر قائم ہے ۸۳

— رحمت یعنی بارش ۳۹

— علم حق اللہ کی رحمت ہے ۳۳۲ - ۳۵۱

— نبوت اللہ کی رحمت ہے ۶۳۱

— اخلاق سے نیک جانا اللہ کی رحمت ہے ۳۷۳

— گناہ سے نیک جانا اللہ کی رحمت ہے ۳۱۰

— اللہ کی رحمت سے یلوس جو نامرد کافروں اور کفریوں

کا کام ہے ۳۲۷ - ۵۱۰

— اللہ کی رحمت کیجئے لوگوں کے لیے ہے ۳۸ - ۳۲۷

۸۳ - ۱۸۳ - ۲۱۳ - ۲۲۷ - ۲۵۵ - ۳۶۵

— اس کی رحمت حاصل کرنا ذریعہ ۱۱۳

رزق - اس کا وسیع مفہوم ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۳۶۱

— رزق کی تقسیم کا خدا تعالیٰ اختتام ۶۱۲

— رزق کی کمی و بیشی اخلاق کے حسن و قبح پر مبنی نہیں

ہوتی ۳۵۷ - ۳۵۸

— بر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے ۳۲۳

— دوزخ تفصیلات کے لیے دیکھو اللہ تعالیٰ اور دنیا

رسالت (یعنی نبوت) ۴

رسول (یعنی فرشتہ کے لیے دیکھو: فرشتہ) ۴

س

الساعہ (قیامت یا فیصلہ کی گھڑی) ۱۰۵۱-۳۳۶-۵۱۶۔

۵۵۸۔

سجیت۔ یہودی شریعت میں اس کا قانون ۹۰-۵۸۱۔

سخی اسرائیل کی بہت شکنی اور اس کی سزا ۹۱-۹۲۔

احکام سبت کے معاملہ میں شریعت محمدیہ اور یہودی شریعت

کے درمیان فرق کیوں ہے ۵۴۹ تا ۵۸۱

سبع مثانی۔ ۵۱۷

سجدہ۔ اصطلاحی سجدے اور دعویٰ سجدے کا فرق ۳۳۲

اس خیال کی غلطی کا پچھلی شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا

جائز تھا ۳۳۱-۳۳۲

زمین و آسمان کی ہر چیز کا خدا کو سجدہ کرنا ۳۵۱-۳۵۵

قرآن میں کتنے سجدے ہیں ۱۱۵

سجدہ تلاوت، اس کی حکمت اور اس کے احکام ۱۱۵

۱۱۶

سحر (دیکھو جادو)

سلیمان علیہ السلام

ان کا زمانہ اور مدت سلطنت ۵۹۷

ان کا بڑی بیڑہ ۸۹

ان کے بعد سلطنت کی اجڑی ۵۹۷-۵۹۸

ش

شراب۔ اسکی حرمت کے متعلق ابتدائی اشارات ۵۵۱

شرک۔ اسکی حقیقت اور تشریح ۱۰۷ تا ۱۱۰-۱۸۹-۱۹۰

۲۷۵-۲۷۶-۳۱۷-۳۸۷-۵۱۸-۵۵۶۔

۵۵۸-۶۳۵

صرف پتھر کے بت پوجنا ہی شرک نہیں ہے بلکہ اولیاء

اور انبیاء کو مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے ۵۳۳

کی اپنی ہاشم خود آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے

۲۰۶۹

غیر اور مسکین کی تشریح ۲۰۵

کیا مؤلفہ مغلوب لا حصر ساقط ہو چکا ہے؟ ۳۰۷-۳۰۸

غلوں کی آزادی کے لیے مال زکوٰۃ کا استعمال ۲۰۷

قرضداروں کی مدد کے لیے اس کا استعمال ۲۰۷

فی سبیل اللہ کی تشریح ۲۰۸

مسافر زکوٰۃ کے لیے زکوٰۃ کا استعمال ۳۰۸

زیلخ۔ اس سے حضرت یوسف کی شادی کی غلط روایت ۳۹۱

۳۲۳

زئیل۔ اس کی معافیت اور معاشرے کو اس کے اسباب و

فوائد سے پاک رکھنے کا حکم ۶۱۳

زندگی بعد موت۔ ۱۸-۲۱-۵۳۳

یہ ایک دھڑ ہے جسے اللہ پورا کرے رہے گا ۵۳۱

اس کے منکر کا فریب ۳۲۵

وہ محض روحانی نہیں بلکہ دینی ہی جہاں زندگی ہوگی

جیسی ہماری موجودہ زندگی ہے ۳۹۳-۶۲۲-۶۳۶

قیامت کے روز مردوں کے جی اٹھنے کی کیفیت ۵۳۷

۶۲۲

اس کی عقلی و اخلاقی ضرورت ۵۴۱

اس کے اسکان اور وقوع کے دلائل ۲۶۹-۲۶۳

۲۶۳-۵۴۲-۵۵۰-۵۵۳-۶۲۲

۶۲۶

موت اور قیامت کے درمیان برزخی زندگی کی کیفیت

۵۳۸ تا ۵۳۵

مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "آخرت"، "حشرہ"

"قیامت"

— تو تسل اور شفاعت کے مشرک کا تصورات ۲۷۵ —	— وہ ایک جہالت ہے ۷۵ —
۲۷۶-۵۵۶-۵۵۷-۵۶۲	— وہ شخص بھوٹ ہے ۳۳۵ —
— مذہب شرک کے تین اجزاء ۱۹ —	— وہ سراسر باطل ہے ۷۵ —
— شرک خفی اور اس کے نقصانات ۳۱۷ —	— وہ ظلم ہے ۸۰-۸۱-۳۱۸-۳۸۳ —
— شرک کی ایک مستقل قسم، شرک عملی اور اسکی تشریح ۳۸۳-۳۸۳ —	— وہ مکرو ہے ۳۶۲ —
— مشرکین کو خدا کے واحد لا ذکر ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے ۳۰ —	— وہ اللہ کی ناشکری ہے ۳۰۱ —
— مشرکین عوب کی ذہنیت ۶۳۱ —	— مشرکین جنھن اندھے مقلد ہیں ۲۸۵-۳۵۱-۳۶۹ —
— مشرکین عوب کا شرک کس نوعیت کا تھا ۱۰۷ تا ۱۱۰ —	۲۷۰ —
— ۲۷۵-۲۷۶-۲۸۲-۳۱۶-۳۳۲-۴۵۱ —	— ان کے معبودوں کو کچھ پتہ نہیں کہ ان کی عبادت کی جادہ کی ہے ۲۸۱ —
— ۵۴۲-۵۴۶-۵۴۸ تا ۵۵۶-۶۳۱ —	— ان کے معبود کبھی انھیں خدا کے خدا سمجھنے نہ پگائے —
— انسان کے مسئلے شرک ہونے کے اسباب ۳۳۹ —	۳۶۶ —
— ۳۵۰-۳۳۶ —	— آخرت میں ان کے معبود خود انھیں بھوٹا قرار دیں گے
— نوع انسانی میں پروہتوں اور بادریوں کی پیدائش کیسے ہوئی ۳۵۰ —	۵۶۳ —
— شرک کے خلاف قرآن کے دلائل ۳۶-۸۰-۱۰۶ —	— آخرت میں ثابت ہو جائے گا کہ ان کے تمام عقائد باطل تھے ۲۸۱-۳۶۸ —
— ۱۱۰ تا ۱۱۱-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۸۲ —	— اس بات کا ثبوت کہ مشرکین کے اپنے تحت الشعور میں
— ۲۸۳-۲۸۴-۲۹۶ تا ۲۹۹-۳۱۶-۳۱۷ —	شرک کا بطلان اور توحید کا اعتقاد موجود ہے ۲۷۸ —
— ۳۲۸-۳۲۹-۳۵۰-۳۶۶-۳۶۹-۳۸۱ —	— مشرکین کا سرپرست شیطان ہوتا ہے ۵۷۱ —
— ۴۰۲-۴۰۴-۴۵۰ تا ۴۵۲-۴۶۱-۴۶۲ —	— ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے ۱۸۲ —
— ۵۲۲ تا ۵۲۶-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۹-۵۴۰ —	— شرک کے نتائج دنیا میں ۸۲-۱۸۲ —
— ۵۴۶ تا ۵۴۸-۵۵۳ تا ۵۵۸-۶۱۷ —	— اس کے نتائج آخرت میں ۸۲-۱۸۲-۳۸۷-۵۳۵ —
— ۶۱۸-۶۲۵-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۵۱ —	۶۱۷ —
— اس کے لیے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ۳۳ —	— شرک کس معنی میں ناپاک ہیں ۱۸۶-۱۸۷ —
۳۶ —	— شرک کے بے دلعے مغفرت جائز نہیں ۲۳۱ —
— اس کی بنیاد محض قیاس و گمان پر ہے ۲۹۶ —	— مساجد میں مشرکین کے داخلہ کا مسئلہ ۱۸۷ —
— اس کے حق میں کوئی دلیل و سند نہیں ۲۹۸ —	— شریعت اس کا حکم کرنا اللہ کی ممانی ہے ۲۹۳ —

- اللہ کی نعمتوں کا فطری تقاضا ۱۰۔ ۵۲۹
 — اسلام میں اس کی اہمیت ۴۷۲
 — شیطان انسان کو ناشکر بنانا چاہتا ہے ۱۳
 — شرک اللہ کی ناشکری ہے ۳۰۱
 — شریعت الہی کو قبول نہ کرنا اور خود اپنا قانون ساز بننا اللہ کی ناشکری ہے ۲۹۴
 — محسن کے احسان کا شکر دوسروں کو ادا کرنا دراصل محسن کے احسان کا انکار ہے ۵۶۲۔ ۵۶۱۔ ۵۶۰
 — اللہ کی نعمتوں کا شکر دوسروں کو ادا کرنا ناشکری ہے۔ ۵۴۷
 — اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکریہ ہے کہ ان سے میرے کام لیا جائے ۵۵۹۔ ۵۶۰
 — اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکریہ ہے کہ اللہ کی بندگی کی جائے ۳۸۷۔ ۳۹۰
 — اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکریہ ہے کہ اس کی نیت سے سبق لیا جائے ۳۹
 — اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکریہ ہے کہ اس کی اور اس کے رسول کی پیروی کیا جائے ۱۳۹
 — اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکریہ ہے کہ جو کچھ اللہ دے اس پر مطمئن رہا جائے ۷۸
 — شکر کا اتمام ۴۷۲
 — شہاب۔ وہ شعلہ جو شیطان کا بیجا کر ہے ۵۰۱۔ ۵۰۲
 — شہادت (دیکھو قانون اسلام)
 — شہید۔ اس کا انسان کے لیے شفا ہونا ۵۵۲
 — شیطان۔ اس کا مادہ تخلیق ۱۲۔ ۵۰۳
 — اس کا بیخیز ۱۲۔ ۵۰۵
 — اس کی خصوصیات ۷۔ ۱۹۔ ۱۵۰

- شرائع الہیہ میں تقاضا نہیں ہے ۵۸۰
 — اختلاف شرائع کے اسباب ۵۷۹
 — شریعت میں بعض قیود بعض قوموں پر سزا کے طور پر بھی عائد کی گئی ہیں ۵۷۸ تا ۵۸۱
 — یہودی شریعت اور شریعت محمدیہ میں فرق کیوجہ ۵۸۱ تا ۵۸۰
 — شعیب علیہ السلام
 — آپ کا قصہ ۵۲ تا ۵۸ تا ۲۵۹ تا ۲۶۵
 — آپ کی ہجرت ۳۶۱۔ ۳۶۲
 — اپنی قوم میں آپ کی حیثیت ۳۶۴
 — آپ ہی کی قوم کا نام اصحاب الایکہ تھا ۵۱۵
 — شفاعت
 — اس کا مشرک عقیدہ اور اس کا ابطال ۲۷۹۔ ۲۷۸
 — ۴۴۹۔ ۵۵۷۔ ۵۵۷۔ ۵۷۷
 — اسلامی عقیدہ شفاعت ۲۶۳
 — اسلامی عقیدے اور مشرکانہ عقیدے کا فرق ۳۵۶
 — ۳۶۸
 — اپنے بچے کے حق میں حضرت نوح کی شفاعت رد کی گئی ۲۴۲
 — قوم نوح کے حق میں حضرت ابراہیم کی شفاعت قبول نہ ہوئی ۳۵۵
 — نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ اگر تم مردہ قبری منافقوں کے لیے دے مت مغفرت کرو گے تو اللہ انہیں معاف نہ کرے گا ۲۱۹
 — آخرت میں مشرکین کا عقیدہ شفاعت غلط ثابت ہوگا
 — ۳۶۸۔ ۳۶۲۔ ۳۵
 — شکر۔ اس کے معنی ۴۷۳

- ۳۸۲-۵۰۶-۵۳۹-۶۲۹
 — وہ کس طرح انسان کو دنیا پرستی میں مبتلا کرتا ہے ۱۰۰—
 ۱۰۱
 — وہ آدمی کو آدمی سے لڑانا چاہتا ہے ۶۲۳
 — آدمی کے دل میں بزدلی پیدا کرتا ہے ۱۳۳
 — ایمان لانے والوں کا سر پرست ۱۹
 — گمراہوں کا سر پرست ۱۳۹
 — اس کے انوار کے باوجود اس کے پیرو اپنی گمراہی کے خود
 ذمہ دار ہیں ۳۸۲-۵۰۴
 — وہ آخرت میں کس طرح اپنے پیروں کو طرز ٹھیلے گا
 ۳۸۲-۳۸۱
 — اس کا اور اس کے پیروں کا باہمی تعلق کس قسم کا ہے ۶۲۹
 — فضل عزیٰ کرنے والے اس کے بھائی ہیں ۶۱۰
 — کیسے لوگوں پر اس کا پس چلتا ہے ۵۴۱-۶۳۰
 — کیسے لوگ اس کے دھوکے سے محفوظ رہتے ہیں ۵۰۶-
 ۵۰۴-۵۴۱-۶۳۰
 — دعوت حق کو ناکام کرنے کے لیے اس کی چالیں ۱۱۰-۶۲۳
 — اس کو سب سے زیادہ ناگوار یہ ہے کہ آدمی قرآن کی رہنمائی
 سے فائدہ اٹھائے ۵۴۱

ص

صالح طریقہ اسلام

- ان کا قصہ ۴ تا ۵۰۳-۳۲۹-۳۵۳
 — ان کی تعلیم ۴-۳۳۹
 — نبوت سے پہلے اپنی قوم میں ان کی حیثیت ۳۵۰
 — ان کا سفر ۴۸-۵۰-۳۵۲
 — نبوت کی تباہی کے بعد جرمیہ نمائے سینا میں ان کا قیام
 ۷۶-۳۵۲

— خدا کا حکم ۶۱۰

- انہما گمراہی کے لیے خدا کو عزم ٹھیلتا ہے ۱۳-۱۴-۵۰۶
 — مردود پارگاہ ۵۰۶
 — قیامت تک کے لیے اس پر رخصت ۵۰۶
 — خدا کی طاقت کا مقابلہ کرنے سے ڈرتا ہے ۱۳۹-۱۵۰
 — اس کی پردہ از جو مرد نہیں ہے ۵۰۰-۵۰۱
 — اس کو خیب دانی کے ذرائع حاصل نہیں ۵۰۱
 — فرشتوں سے سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے ۵۰۱
 — اس کا لہم کو سجدہ کرنے سے انکار ۱۲-۵۰۵-۵۰۸
 — اس کا انسان سے حسد ۶۲۸
 — انسان کی فضیلت غلط ثابت کرنے کے لیے خدا کو چیلنج
 دیتا ہے ۱۳-۶۲۸
 — انسان کو ہیکانے کا عزم کرتا ہے ۱۳-۵۰۶
 — اس کو قیامت تک کے لیے ہمت دی جاتی ہے کہ اپنے
 اس عزم کو پورا کرے ۱۳-۵۰۶-۶۲۸
 — انسان پر اس کو کس قسم کے اختیارات دیے گئے ہیں
 ۱۳-۵۰۴-۵۰۸-۶۲۹-۶۳۰
 — جنت میں انسان سے اس کا پہلا سفر کہ ادرا کے نتائج
 ۱۴-۱۵-۱۴
 — وہ انسان کا ازلی دشمن ہے ۱۳-۱۵-۱۸-۳۸۵
 ۵۰۵-۵۰۸-۶۲۳
 — اس کے وعدے محض دھوکا ہیں ۶۲۹
 — آدمی کو بے شرم بنا دیتا ہے ۱۳-۱۹
 — اس کی رہنمائی قبول کرنے سے آدمی اپنی ضرورت سے
 محروم ہو جاتا ہے ۲۰
 — اس کی پیروی آدمی کو لازماً گمراہ کر دیتی ہے ۲۲
 — انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کی چالیں ۱۶-۱۳۹-

— قوم صالح ۳۶۲

صبر ۴۰-۴۱-۳۱۸

— اس کے معنی ۱۴۸-۳۲۶-۴۵۶-۵۵۰

۵۸۷

— صبر جمیل کیا ہے ۳۸۹-۳۲۶

— اسلام میں اس کی اہمیت ۳۵۶-۳۷۲

— اس کی اخلاقی اہمیت ۱۵۷-۱۵۸-۳۲۶

— دعوت حق میں اس کی اہمیت ۳۰۹-۳۴۵-۳۵۱

۳۷۷-۵۱۶-۵۸۳-۵۸۷-۶۰۳

— اس کی برکات اور نتائج ۷۳-۳۲۸-۳۵۷

— اللہ صابروں کے ساتھ ہے ۱۲۸-۱۵۸

— اس کا اجر ۵۷۰-۵۷۶

صحابہ کرام

— ان کی صداقت ایمانی پر قرآن کی فیصلہ کن شہادت ۱۶۳

— ان کے مقبول بارگاہ اور جتنی ہونے پر قرآن کی شہادت

۲۲۸

— وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے

معنی کیا ہیں ۱۲۰-۱۲۱

— ان کی قربانیاں جنگ بدر میں ۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶

— ان کی قربانیاں جنگ تبوک کے موقع پر ۱۷۰

— قرآن کی حفاظت کے لیے ان کا اہتمام ۱۶۶

— ان کی جماعت کا نظم و ضبط اور بلند ترین اخلاقی معیار

۲۳۵-۲۳۸

صدقہ دیکھو (زکوٰۃ)

صدقہ سس کے معنی ۴۰۷

صلوٰۃ (یعنی دعا) رحمت ۲۳۷-۲۳۹

صلوٰۃ (یعنی نازکے لیے دیکھو نماز)

صلح حدیبیہ۔ اس کے اثرات و نتائج ۷۰

— کفار مکہ کا اس کو علانیہ ٹوڑنا ۱۵۴

صلہ رحمی۔ اس کی تشریح اور معاشرے میں اس کی اہمیت ۵۶۵

۵۶۶

صور۔ نفع و ضرر کی کیفیت ۳۹۳

ض

ضبط و ولادت ۶۱۲-۶۱۳

ضلالت۔ اس کو اختیار کر کے آدمی خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے

۳۱۸-۶۰۵

— گمراہ کرنے والا ان تمام لوگوں کے گناہ میں شریک ہے جو

— اس کی وجہ سے گمراہ ہوں ۵۳۴

— گمراہی قبول کرنے والے کی ذمہ داری گمراہ کرنے والے سے کم

نہیں ہے ۲۹

— آدمی اپنی گمراہی کا خود ذمہ داسے ۵۰۶-۵۰۷

— ضلال بعید کیا ہے ۴۷۰-۴۷۹

— باطل عقیدہ اختیار کرنے کے نتائج ۳۸۶

— جو اللہ سے ہدایت نہ پائے اسے کوئی ہدایت نہیں

دے سکتا ۶۴۵

اسباب ضلالت :

— اندھی تقلید ۲۰-۳۵ ۹۷-۲۸۵-۳۰۳

۳۵۱-۳۶۰-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۶

— اللہ کی صفات کا صحیح تصور نہ ہونا ۳۴۹-۳۵۰

— اللہ کو بھول جانا ۱۱۵

— اللہ کی رہنمائی چھوڑ کر شیاطین کی رہنمائی قبول کرنا ۲۲

— اللہ کے حضور جواب دہی سے غافل ہو جانا ۳۳

— یہ خیال کہ ہم کو مگر بس نسی میں مل جانا ہے دوسری کوئی

زندگی نہیں جہاں ہیں اسے اعمال کا حساب دینا

ج ۴۴

— آخرت کا انکار اور انکی وجہ سے اپنے آپ کو نذرِ ذمہ دار

بکھ لینا ۵۳۲-۵۳۳-۶۱۹-۶۲۰

— یہ توقع کہ ہم خواہ کچھ کریں اللہ کے ہاں کچھ سعتِ رشتی

ہیں بجا نہیں گئے ۹۳-۳۶۸

— دوسروں کو اللہ کا ہمسرہ سمجھ بیٹھنا ۴۸۷

— خدا کی دی ہوئی آزادی انتخاب و ارادہ کا قاطع استعمال

۵۲۸

— علم کو چھوڑ کر قیاس و گمان کی پیروی کرنا ۲۸۵

— خدا کے دیے ہوئے اس اور اس کی بخشی ہوئی عقل

سے کام نہ لینا ۸۰-۱۰۲-۱۳۷-۳۱۳-۴۵۱-

۲۵۵-۴۵۸-۴۵۹-۶۲۲

— خدا کی آیات سے غافل ۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷

— اجماعانہ تصورِ تائید اور تائید کے بغیر تک حقائق سے

غفلت برتنا ۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۴۴۶-

۴۹۲

— اپنے منیر کو فریب دینا ۲۷۷-۲۷۸

— حق کے خلاف ضد اور ہٹ دھرمی ۶۲-۶۳-

۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۳۰۱-

۵۳۸-۵۰۰

— استکبار اور غرور نفس ۱۲-۲۵-۳۰-۷۳-

۷۸-۷۹-۵۳۳-۵۳۴

— اپنی گمراہی و غلط کاری کے لیے سخیہ و جبر کی آڑ لینا ۱۳-

۱۳-۵۳۹-۵۴۰

— دین کے معاملے میں سرے سے سخیہ و جبر نہ ہونا ۳۴

— اپنے اعمال کے بجائے دوسروں کو اپنی بد قسمتی کا ذمہ

ٹھیرانا ۷۲

— ظاہر حیات و دنیا سے دھوکا کھانا اور دنیا پرستی میں گم ہونا

۳۴-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۵۰۶-

۶۱۹-۶۲۰

— خوشحالی میں مگن ہونا ۲۷۰

— یہ خیال کہ دنیا کی نعمتیں مقبول بارگاہِ الہی ہونے کی اور

خستہ حالی مفسوب ہونے کی یقینی علامات ہیں ۷۵۷

۳۳۳

— یہ خیال کہ راستبازی و دیانت اختیار کرنے سے آدمی

کی دنیا برباد ہو جاتی ہے ۵۷

— کفار کے غلبے اور شان و شوکت کو دیکھ کر دھوکا کھانا

۳۰۸

— گمراہ قوموں کے سیاسی و مذہبی غلبے کا اثر ۷۷-۷۸

— یہ خیال کہ بشری نہیں ہو سکتا اور نبی بشر نہیں ہو سکتا

۳۲-۳۵-۲۶۱-۳۳۳-۳۳۴-۵۴۳-

۶۳۴

— انبیاءِ عظیم السلام کی تعلیمات کو بھلا دینا ۹۰

— آیاتِ الہی کا علم رکھنے کے باوجود خواہشاتِ نفس کی

پیروی کرنا ۱۰۰-۱۰۱

— خدا کے قانون میں حیلہ بازیوں کرنا ۱۹۲

— اسبابِ ضلالت کا جامع بیان ۲۸۷-۲۸۸-

۳۶۱-۳۶۹-۴۷۰-۶۰۵-۶۴۴

ط

طالوت زمانہ اور مدتِ سلطنت ۵۹۷

ظ

ظلم گناہ اور خدا کی نافرمانی ظلم ہے ۱۳-۱۵-۸۸-۸۹-

۹۱-۱۳۸-۳۵۹-۳۶۵-۳۹۲-۴۲۰-

۴۴۷-۴۴۸-۵۶۲-۵۷۹

— قرآن کی دعوت پہنچ جانے کے بعد اس سے منہ موڑنے

دلے ظالم ہیں ۲۳۹

— ظالموں کو ہدایت نہیں دی جاتی ۱۸۳-۲۳۳

— ظالموں کے لیے فلاح نہیں ۳۹۲

— ظالموں پر خدا کی لعنت ۳۲-۳۱

— ظالموں سے خدا کا عذاب دور نہیں ہے ۳۵۹

— ظالموں کا انجام ۱۰۰-۱۰۱-۳۰-۸۸-۸۹-۱۵۱-۲۶۱

۲۶۱-۲۹۱-۳۲۱-۳۲۱-۳۵۳-۳۶۸-۵۲۸

ع

— عاد-۲۱۳-۳۲۵-۴۷۵

— ان کا طلاق اور تاریخ ۴۴

— قوم نوح کے بعد خلیفہ بنائے گئے ۴۵

— ان کی اصل گمراہی کیا تھی ۴۵-۴۶

— حضرت ہود کے ساتھ ان کا معاملہ اور انجام ۴۲-۴۷-۴۸

۳۲۷ ۵ ۳۲۷

— عبادت-معنی اور تشریح ۱۹۰-۲۶۳

— اس کی حقیقت ۲۲۵

— کسی کو قانون ساز مان کر اس کے امر و نہی کی بے چون چڑا

پیر دی کرنا اس کی عبادت کرنا ہے ۱۸۹-۱۹۰

— انسان کو ایک ہی الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے ۱۹۰

— صرف اللہ کی عبادت ہونی چاہئے ۳۰-۳۲-۴۷

۵۳-۱۹۰

— عبادت کا صحیح طریقہ ۲۱-۲۲

— مشرکین اور مہلہ کی عبادت اور اسلامی عبادت کا اصولی

فرق ۲۲

— عدل-معنی کی تشریح اور معاشرے میں اس کی اہمیت ۵۶۵

— عذاب-گمراہ لوگوں کے لیے دوزخ میں عذاب ہے ۴۶۳

— خدا کے قانون کی خلاف ورزی کرنا اپنے اوپر آپ ظلم

کرنا ہے ۱۹۲

— تعصب اور ضد کی بنا پر حق کو نہ ماننا اپنے اوپر آپ

ظلم کرنا ہے ۲۸۸-۳۶۶-۵۲۸

— خلافِ حق بات کہنا ظلم ہے ۳۶۶

— رسولوں کی دعوت پر ایمان نہ لانے والے ظالم ہیں ۱۱۵

۲۹۱

— اللہ کے نبیوں کو جھٹلانا ظلم ہے ۲۵-۲۱۳-۳۳۷

۳۵۳-۳۶۵-۴۷۵-۵۱۵

— اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے ظالم ہیں ۳۰-۶۳

۱۰۱-۱۵۱-۲۴۳-۲۸۷

— معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان لانے سے انکار ظلم

ہے ۶۲۶

— نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ظالم ہے ۲۵-۱۸۲

— جھوٹی بات گھر کر اللہ کی طرف مسوب کرنے والا

ظالم ہے ۳۲۱

— اللہ کی نعمتوں کا جواب کفر و شرک سے دینے والا ظلم

ہیں ۳۸۸-۴۹۱

— عقیدہ باطل اختیار کرنے والے ظالم ہیں ۳۸۶

— شرک کرنے والے ظالم ہیں ۸۰-۸۱-۳۱۸-۳۸۲

— آخرت کے منکر ظالم ہیں ۳۲-۳۳۲-۴۳۶

— خدا کے دیے ہوئے حماس اور اس کی بخشی ہوئی عقل

سے کام نہ لینے والے ظالم ہیں ۳۲-۳۳۱

— عیش پرستی میں نیک و بد کو بھول جانے والا ظالم ہے ۴۷

— اللہ کے راستے سے روکنے والے ظالم ہیں ۴۲-۴۳

— منافقین ظالم ہیں ۱۹۸-۲۳۳

— کافروں سے محبت رکھنے والے ظالم ہیں ۱۸۳

— ان کے ہاں عورتوں کی حیثیت ۵۴۷-۵۴۸

— ان کا تقلید بانی پر اصرار ۲۰۱

— آغاز حکومت اسلامی میں بدوؤں کی حالت ۲۲۶

— عرب سے جہالت کو دور کرنے کے لیے اسلامی حکومت

کی کوششیں ۲۵۱

— وہ ہمہ گیر انقلاب جو اسلام نے عرب میں برپا کیا

۲۰۲-۲۰۴ (مزید تفصیل کے لیے دیکھو "شرک" اور

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم")

عرش — اللہ کے عرش پرستی ہونے کا مطلب ۳۶۳-۳۶۴

— قرآن میں استوار علی العرش کا معنوں بار بار کس لیے

— بیان کیا گیا ہے ۳۶-۳۴۱-۳۴۲

— عرش عظیم ۲۵۵

— اس کے بانی پر ہونے کا مطلب ۳۲۳

عزیمہ — یہود کا ان کو ابن اللہ کہنا ۱۸۹

— بنی اسرائیل کی تاریخ میں ان کا مرتبہ ۱۸۹

— شریعت موسوی کی تجدید کے لیے ان کے کارنامے

۵۹۹-۶۰۰

عمل صالح — اس کے معنی ۲۵۰

— صاحبین کی صفات ۳۲۶

— اس کا انجام نیک ۲۵

(مزید تفصیل کے لیے دیکھو "ایمان")

عورت — عرب جاہلیت میں اس کی حیثیت ۵۴۷-۵۴۸

عہدہ — قرآن میں اس کا وسیع مفہوم ۶۳

— وہ عہد جو آغاز آفرینش میں تمام نوع انسانی سے لیا

گیا تھا ۹۹ تا ۳۵۵

— وہ عہد جو ایمان لاتے ہی خدا اور بندے کے درمیان

قائم ہو جاتا ہے ۲۳۵-۲۳۹

— اللہ کے ساتھ جہاد سے کام طلب ۳۵۵

— اللہ کے عہد کو بخوشی قیمت پر بیچنے کا مطلب ۵۶۹

— عہد کی تین قسمیں اور ان کا حکم ۵۶۶ تا ۵۶۹

— عہد شکنی بدترین گناہ ہے ۱۵۲

— قومی مفاد کی خاطر عہد شکنی کرنا سخت قبیح فعل ہے ۵۶۷

— عہد شکنی کے لیے مذہبی بہانے خدا کے نزدیک مقبول

نہیں ہیں ۵۶۸

— مسلمان اگر عہد شکنی کریں تو وہ ہرے گندے گار ۵۶۹

عیسیٰ علیہ السلام

— عیسائیوں کا ان کو ابن اللہ کہنا ۱۸۹

— ان کے اخلاق و اوصاف ۳۸۹

— ان کے دور میں بنی اسرائیل کی اخلاقی و مذہبی اور سیاسی

حالت ۹۰۰ تا ۹۰۲

عیسائی

— ان کے ایمان میں کیا خرابی ہے ۱۸۷-۱۹۰

— ان کی گمراہیاں ۱۸۹

— ابن اللہ کے عقیدے کی تردید ۲۹۸-۲۹۹

ع

غلامی — غلاموں کی آزادی کی صورتیں جو اسلام میں پیدا کی گئی

ہیں ۲۰۷

فضیلت (دیکھو "قانون اسلام")

ف

فاسق (دیکھو "فسق")

— فتنہ بمعنی آزمائش (دیکھو "آزمائش")

— بمعنی غلبہ کفر ۱۶۳

— بمعنی شرارت ۱۹۸

— بمعنی ظلم و ستم ۳۰۵-۳۳۲

— جنگ بدر میں ان کا مسلمانوں کی مدد کے لیے آنا ۱۳۲ تا ۱۳۴
— انھیں آدم علیہ السلام کو سیدہ کرنے کا حکم دیا گیا ۱۰-۵۰۲۔۵۰۳

۵۰۵-۶۲۷

— وہ اہل جنت کا استقبال کریں گے ۳۵۷

فرعون - اس کے معنی ۶۳

— مصر کے بادشاہ فرعون ہی نہ تھے ۳۸۲

— حضرت موسیٰ کے ہم عصر فرعون کون کون تھے ۶۲-۷۳

— قوم فرعون کی اصل گراہی کیا تھی ۶۳-۳۶۵

— اسے خوفِ حق ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی دعوت سے

— مصر میں سیاسی انقلاب برپا ہوا جانے کا ۶۶-۳۰۳

— اس کی سیاسی چالیں ۶۶-۷۰

— اس کے مقابلہ ۷۰-۷۱-۷۲-۳۰۳-۲۰۵

۴۷۲

— اس کی ہٹ دھرمی ۶۷-۷۲-۷۳-۳۰۱

۶۳۷-۶۳۸

— اس کی قوم پر پلے درپلے بلاؤں کا نزول ۷۲-۷۳

— اس کے حق میں حضرت موسیٰ کی بددعا ۳۰۸

— ڈوبتے وقت اس کا ایمان لانا ۳۰۹

— اسے اور اس کے ملاؤ لشکر کو عبرتناک سزا ۱۵۱

— اللہ نے اس کی لاش کو جبرت بننے کے لیے محفوظ کر دیا۔

۳۱۰

— قیامت کے روز اس کی قوم اسی کی قیادت میں جہنم کی

طرف چلے گی ۳۶۵-۳۶۶

فساد - فساد فی الارض کیلئے ۳۸-۳۵۷

— اسکی ممانعت ۳۸-۳۹-۵۵

— اسے روکنے کی کوشش نہ کرنے کے نتائج ۳۷۷

— کفر ایک فساد ہے ۶۳

— ظالموں کے لیے اہل ایمان کے - قتلہ بنے کا مطلب

۳۰۶-۳۰۷

— قتلہ ہتھی اور اس کے نتائج ۱۳۷-۱۳۸

— وہ قتلہ کیا ہے جس کو مٹانے کے لیے اسلام میں جنگ

کا حکم دیا گیا ہے ۱۳۲-۱۳۵

— قتلہ ارتداد (دھوکہ) ارتداد ۶۱

فحشا - معنی اور تشریح ۶۶

فرشتہ - ان کے متعلق مشرکین کے عقائد ۳۵۰-۵۴۸

۶۱۷

— فرشتوں کی صفات ۱۱۵

— رسول یعنی فرشتہ ۲۵-۲۷۸-۳۵۳

— وہ اللہ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اس کی بیعت سے

رہتے ہیں ۴۳۹

— وہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں ۵۴۵

— بندگی سے سرباکی نہیں کر سکتے ۵۴۵

— خدا سے ڈرتے ہیں ۵۴۵

— احکام کیلئے جو دہر تسمیل کرتے ہیں ۵۴۶

— ہر شخص کے ساتھ گئے ہوئے ہیں ۴۲۸-۴۲۹

— انسانوں کے اعمال ثبت کر رہے ہیں ۲۷۸

— نیکی کے گواہ ہوتے ہیں ۶۳۵

— انسانوں کی موصیٰ تعین کرتے ہیں ۲۵-۱۵۰

— ان کا انسانی شکل میں آنا ۳۵۳-۳۵۴-۳۵۶

۳۵۷-۳۵۸-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲

— وہ نمایاں صورت میں کب بھیچے جاتے ہیں ۳۹۸

۲۹۹-۵۱۰

— وحی لانے پر مامور ہوتے ہیں ۵۲۲

— قرآن لانے والا فرشتہ ۵۷۷

قتال فی سبیل اللہ

— اسلام میں جنگ کا مقصد اور بنیادی نظریہ ۱۲۹ —

۱۳۹ — ۱۴۴ — ۱۴۵ — ۱۴۶ — ۱۸۸ —

— دین میں قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت ۲۳۵ — ۲۳۹ —

۲۵۰

— قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لینا عین اس معاہدے کا

تقاضا ہے جو ایمان لانے کے ساتھ ہی مومن اور خدا کے

درمیان قائم ہو جاتا ہے ۲۳۵

— راد خدا کی جنگ سے جی چرانا کا فرائض و منافقانہ رویہ ہے

۲۱۹ تا ۲۲۲

— اہل ایمان کو نہ چاہیے کہ وہ کفر و اسلام کی جنگ میں پیچھے

رہیں ۱۹۷ — ۲۳۹

— جن لوگوں کو اسلامی حکومت جنگ کے لیے طلب کرے

ان سب پر فوجی خدمت فرض عین ہے ۱۹۳ — ۱۹۵

— جب جنگ کے لیے طلب کر لیا جائے تو ذاتی سہولت و

صعوبت کا خیال کیے بغیر مسلمان کو نکلنا چاہیے ۱۹۶

— مگر ہر وہ شخص فرائض منافق ہی نہیں ہے جو لبیک نہ کہے ۲۲۹

— لبیک نہ کہنے والے مومنوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے

۲۳۰ — ۲۴۴ تا ۲۴۹ —

— جنگ پر نہ جانے کے لیے جائز عذرات کیا ہو سکتے ہیں

۲۲۳ — ۲۲۴

— جائز عذر بھی صرف اسی کا مقبول ہے جو اللہ اور رسول کا

سچا و خادار ہو ۲۲۳

— بے جا عذرات کرنے والوں یا بلا عذر بیٹھے رہ جاتے والوں

کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے ۲۱۹ — ۲۲۰ — ۲۲۳ —

۲۲۵

— برہنہ ایک نجاست ہے جو شہیدان آدمی کے دل میں ڈالتا

— خود کشی بھی قتل نفس ہے ۶۱۴

— وہ پانچ صورتیں جن میں آدمی کی جان لی جاسکتی

ہے ۶۱۴

— قصاص کے مطالبے کا حق اولاً و ابتداً اولیائے مقتول

کو پہنچتا ہے ۶۱۴

— قصاص لینا عین صلح کا اپنا کام نہیں بلکہ قصاص دلوانا

عدالت کا کام ہے ۶۱۵

— قصاص میں حصے سے تجاوز کرنا ممنوع ہے ۶۱۵

— معاشیاتی قوانین

— کفار و مشرکین کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھے جائیں

جس اور کس قسم کے نہیں ۱۷۷ — ۱۸۲ — ۱۸۳ —

۱۸۷ — ۲۴۱ — ۲۴۲

— منافقین کے ساتھ معاشرے میں کیا برتاؤ ہونا چاہیے

۲۱۵ — ۲۲۰ — ۲۲۵ — ۲۳۱ — ۲۳۲

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "اسلامی نظام حیات")

— معاشی قانون

— کم پانا اور کم تولنا حرام ہے ۵۵ — ۳۵۹

— اوزان اور پیمانوں کی نگرانی حکومت کے فرائض میں سے

ہے ۶۱۵

— مال جمع کر کے رکھنا اور لے کر اخراجات میں خرچ نہ کرنا

محنت گناہ ہے ۱۹۱

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "قرآن و احکام معاشی")

قطر نظر

— قانون میلاد

— میراث کے حقوق کی بنیاد رشتہ داری پر ہے نہ کہ

محض اسلامی برادری پر ۱۶۳

قبیلہ — یعنی مرکز و مرجع ۳۰۷

- اس کے کلام الہی ہونے کے دلائل ۲۰۲-۲۰۳ —
 ۶۴۲-۲۸۵-۲۸۶-۳۲۸-۶۴۲ تا ۶۴۲
 — وہ اللہ کے سوا کسی کا کلام نہیں ہو سکتا ۲۸۵ —
 — دنیا کو اسے مثل بنا کر لایکا بیچ ۲۸۶-۳۲۸-۶۴۱ —
 — یہ مجروحہ وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ۱۱۳ —
 — کن کن حیثیتوں سے وہ مجروحہ ہے ۲۸۶-۶۴۱-۶۴۲ —
 — اس کی صداقت کے دلائل و شواہد ۹۳-۱۰۳-۱۰۵ —
 ۳۴۸-۳۴۹-۳۴۲-۳۴۵-۶۳۳-۶۳۸ —
 — وہ ہر اس حق ہے اور حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے —
 ۳۱۱-۳۱۸-۳۲۱-۳۲۱-۶۳۹ —
 — وہ بالکل سیدھی راہ دکھاتا ہے ۶۰۳ —
 — وہ ایک حکم ہے خدا کی طرف سے ۳۶۳ —
 — وہ سب انسانوں کے خدا کا پیغام ہے ۳۹۳ —
 — اس خیال کی تردید کہ وہ صرف ایک لے نازل ہوا ہے ۳۸۳-۳۸۴ —
 — وہ ولی زبان میں نازل ہوا ہے ۳۸۳-۳۸۴ —
 — وہ اس لے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ اسے سمجھیں ۳۸۳-۵۴۳ —
 — اس کے تردول کا طریقہ ۳۴۸-۵۴۲ —
 — اس کے بتدیج نازل ہونے کی حکمت ۵۴۲-۶۳۹ —
 — اس کے تازہ احکام کا اعلان کس طرح کیا جانا تھا ۲۵۳ —
 — اس کی ترتیب ۱۶۶-۱۶۷ —
 — اس کے مفصل ہونے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہونے —
 کا مطلب ۳۳۳-۳۳۸-۵۴۳ —
 — خدا نے اس کی حفاظت کا ذریعہ دیلے ۳۹۸-۳۹۹ —
 — صحابہ کرام نے اس کی حفاظت کا کس دھڑا ہتمام کیا ۱۶۶ —
 — اس کی قرینت ۳۳-۱۱۳-۱۱۳-۳۹۰-۲۹۲ —
 ۳۲۱-۳۸۳-۳۳۵-۳۳۸-۳۹۴ —

- ۱۳۳ ہے
 — میدان جنگ سے فرار حرام ہے ۱۳۴ ۱۳۵ —
 — مسلمانوں کو اپنی فوجی طاقت بروقت مضبوط رکھنے کا —
 حکم ۱۵۵ —
 — فوجی ضروریات پر مال خرچ کرنے میں پھل نہ کیا جانے —
 ۱۵۵ —
 — اسلامی جنگ کے آداب ۱۳۸ —
 — کفار کی فوجوں کے سے رنگ و شگ اختیار کرنے کی —
 ممانعت ۱۳۸-۱۳۹ —
 — دشمن کی فوجی طاقت توڑ دینا وہ اصل ہدف ہے جس پر —
 میدان جنگ میں فوج کی نگاہ جمی رہنی چاہیے ۱۵۸ —
 ۱۵۹-۱۶۰ —
 — اسیران جنگ کو اسلام کی تبلیغ ۱۶۰ —
 — دوران جنگ میں دشمن کو تبلیغ کی جاتی رہے ۱۶۰ —
 — ظالموں اور معاہدہ شکنوں کے خلاف جنگ کا حکم ۱۸۰ —
 ۱۸۱ —
 — پہلے کتاب کے خلاف جنگ کا حکم ۱۸۰-۱۸۸ —
 — مرتبین کے خلاف جنگ کا حکم ۱۶۹ —
قتل (دیخو قانون اسلام)
قتل اولاد - اس کی حرمت ۶۱۳-۶۱۴ —
قرآن - لفظ قرآن کے معنی ۳۸۳ —
 — کتاب الہی کے وسیع تر معنی میں اس نام کا استعمال ۵۱۸ —
 — اس کا لٹنے والا روح القدس ہے ۵۴۲ —
 — اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ۶-۲۸۵-۳۱۱ —
 ۳۲۱-۳۲۸-۳۲۱-۳۸۳-۳۶۲-۳۶۹ —
 ۲۹۸-۲۹۹-۵۴۲-۶۱۶-۶۳۹-۶۴۰ —

۵۶۴

— اس کی برکات ۱۱۴

— دنیا کی ہر دولت سے زیادہ قیمتی ۲۹۲

— سب سے بڑی نعمت ۵۱۷

— اس کو ذکر کس معنی میں کہا گیا ہے ۹۹

— ملنے والوں کے لیے ہدایت اور شفا اور رحمت

۶۳۸-۳۲

— اس سے منسوب ہونے والے خسارے میں رہیں گے ۶۳۹

— اس کے نزول کا مقصد ۶-۴۶۹-۴۹۹-۵۴۹

۶۱۸-۵۶۴

— اس کی دعوت ۷-۳۸-۶۲۰

— اس کی دعوت پہنچ جانے کے بعد آدمی پر خدا کی رحمت

— پوری ہو جاتی ہے ۶۳۹

— صحیح الذیغ آدمی اس کی دعوت قبول کیے بغیر نہیں

— رہ سکتا ۳۳۰

— اس کی دعوت وہی ہے جو پہلی تمام آسمانی کتابوں کی

— تھی ۳۱۱

— آخرت کو نہ مانتے والے اس کی ہدایت سے کیوں

— محروم رہتے ہیں ۶۱۹-۶۲۰

— مجبوں کو اس کی تعلیم سخت ناگوار ہوتی ہے ۳۹۹

— شیطان کو سب سے زیادہ ناگوار یہ ہے کہ آدمی اس

— سے فائدہ اٹھائے ۵۵

— اس کی کسی ایک بات کا انکار بھی کفر ہے ۵۸۹

— اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے صحیح طریقہ مطالعہ ۵۵

— اس کو سننے کے آداب ۱۱۴

— اس کو پڑھنے کے آداب ۵۷۱

— اس کی تفسیر کا یہ طریقہ غلط ہے کہ سیاق و سباق سے

— انگ کر کے اس کی کسی آیت کا مطلب نکالا جائے ۵۵۴

۵۵۵-۶۲۰

— اس کو سمجھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرنی و عقلی تشریح

— ضروری ہے ۵۴۳-۵۴۴

— حدیث کی کسی بات کا قرآن سے زائد ہونا یہ معنی نہیں رکھتا

— کہ وہ قرآن کے خلاف ہے ۵۸۹

— اہل ایمان پر اس کے اثرات ۲۵۳

— منافقین پر اس کے اثرات ۲۵۳

— اس کا استقبال موب کے راستہ دار لوگ کس طرح کر رہے

— تھے ۵۴۷

— اس کی دعوت کو دکنے کے لیے کفار کیا طریقہ اختیار کر رہے تھے

۵۲۴

— اس پر کفار کب کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۱۳۱-

۱۳۲-۲۶۰-۲۸۵-۲۹۶-۳۶۵-۴۶۱-۵۴۲ تا

— اس کا طریق بیان ۳۶-۳۷-۴۷-۴۸-۵۸-۱۰۰-

— ۲۸۷-۲۸۸-۳۱۱-۳۱۳-۳۸۰-۴۲۰-

— ۴۹۶-۴۹۹-۵۲۳-۵۲۴-۵۳۰-۵۳۲-

— ۵۳۵-۵۴۲-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-

— مکی دور کی آخری صدیوں کا انداز بیان ۵-۲۵۸-

— ۴۲۰-۴۲۱-۴۶۸-۴۹۶-۵۸۶-

— اس کا طریقہ نقل ۲۳-۲۴-۳۶-۴۷-

— ۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-

— ۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-

— ۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-

— ۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-

— ۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-

— ۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-

۳۶ - ۵۸ تا ۶۳ - ۷۱ - ۷۲ - ۱۵۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ -

۲۶۶ - ۲۷۰ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۳۷۰ - ۳۸۶ -

۳۵۶ - ۳۶۶ تا ۳۶۸ - ۳۷۲ تا ۳۷۴ - ۴۲۹ -

۴۵۲ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۷۶ - ۴۸۸ - ۴۹۷ -

۴۹۸ - ۵۴۰ - ۶۰۶ -

— اس کا فلسفہ اخلاق ۱۵ - ۲۷ تا ۴۸ - ۴۹ - ۳۰ - ۵۰ -

۷۹ - ۸۲ - ۹۱ - ۹۲ - ۱۰۱ - ۱۲۴ - ۱۳۷ - ۱۳۰ -

۱۵۶ - ۱۵۸ - ۲۳۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ -

۳۷۲ تا ۳۷۴ - ۳۸۱ - ۵۶۸ - ۶۰۳ -

۶۰۵

— اس کا اخلاقی نقطہ نظر ۱۲ - ۳۱ - ۳۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ -

۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۷۴ - ۳۲۶ - ۳۵۸ - ۴۵۸ -

۵۶۹ - ۶۰۷ - ۶۲۰ -

— اس کی اخلاقی تعلیمات کے لیے دیکھو "اخلاق"

— اس کا فلسفہ تمدن و معاشرت ۱۵ - ۲۳ - ۳۸ - ۱۰۶ -

۵۶۵ - ۵۶۶ - ۶۱۶ - ۶۱۳ -

— اس کا علم النفس ۱۵ - ۱۶ - ۵۹ - ۶۲ - ۷۸ - ۹۷ -

۹۹ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۳۶۲ - ۴۶۲ - ۴۶۳ -

۴۹۹ - ۵۷۳ - ۶۲۰ -

— اس میں اسلامی فلسفے کی بنیادیں ۲۹۶ - ۲۹۷ -

— وہ تلاش حقیقت کے کس طریقے کی طرف انسان کی روحانی

کرتا ہے ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۲۶۳ تا ۲۶۷ - ۲۹۶ -

۲۹۷ - ۳۱۳ - ۳۱۵ - ۴۳۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ -

۴۴۹ - ۴۵۹ - ۴۷۲ -

— اس کا سماجی نقطہ نظر ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۳۰ - ۶۳۱ -

— اشتراکیت کے حق میں اس سے ایک غلط استدلال ۵۵۴ - ۵۵۵ -

— اس میں تھے کس موضوع کے لیے بیان کیے گئے ہیں ۲۰ -

۵۲۴ تا ۵۲۸ - ۵۳۰ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۹ -

۵۴۱ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۳ - ۵۵۶ -

— وہ انسان کی عقل و فکر سے اجنبی کرتا ہے ۱۰۴ -

۲۷۲ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۵ -

۲۹۲ - ۳۳۳ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۴۳۶ -

۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۴۳ - ۴۴۵ - ۴۵۱ -

۴۵۲ - ۴۵۵ - ۴۹۲ - ۵۲۹ - ۵۳۱ -

۵۵۲ - ۵۵۱

— نظام کائنات کے متعلق اس کا بیان ۳۶ - ۳۷ -

۲۶۱ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۴۴۳ - ۴۴۴ -

۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۸ - ۵۰۰ - ۵۰۳ - ۵۱۶ -

۵۲۵ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۴۵ - ۶۰۳ - ۶۰۴ -

۶۱۸

— مابعد الطبیعی حقائق کے متعلق اس کا بیان ۱۱۰ - ۱۱۱ -

۲۵ - ۳۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۶ - ۴۷ - ۹۵ -

۹۹ - ۴۲۳ - ۵۰۳ - ۵۰۷ - ۵۶۸ - ۶۰۳ -

۶۲۰ - ۶۲۸ -

— تحقیق انسان کے متعلق اس کا بیان دیکھو انسان ۴

— مذاہب کی اصلیت کے متعلق اس کا بیان ۶۷۲ -

— وہ تمام کتب آسمانی کی تصدیق کرتا ہے ۲۸۵ -

۲۸۶ - ۳۳۸ -

— کتب آسمانی اس کی تائید کرتی ہیں ۳۱۱ -

— پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تعلیمات کو وہ مفصل

بیان کرتا ہے ۲۸۵ - ۲۸۶ -

— وہ انبیاء بنی اسرائیل کو خود بنی اسرائیل کی لگائی ہوئی

تہمتوں سے پاک کرتا ہے ۸۱ -

— اس کا فلسفہ تاریخ ۷ - ۸ - ۲۳ - ۴۸ - ۴۰ -

- کافروں کے اعمال امارت جانی کی تمثیل ۳۷۹
— کلہ جیہ اور کلہ خبیثہ کی تمثیل ۳۸۵
— شریکین کے معبودوں کی تمثیل ۵۵۳-۵۵۴-۵۵۸

قرآنی دعائیں

- حضرت آدم و حوا کی دعائے استغفار ۱۵
— اہل اعراف کی دعا ۳۳
— حضرت شیخ کی دعا ۵۷
— ساحرانِ مصر کی دعا ایمان لانے کے بعد ۷۰
— حضرت موسیٰ کی دعائے استغفار ۸۲-۸۳-۸۴
— بنی اسرائیل کی دعا فرعون کے ظلم سے نجات پانے کے لیے

۳۶۶

- حضرت موسیٰ کی بد دعا فرعون کے حق میں ۳۰۸
— حضرت نوح کی دعائے استغفار ۳۲۲
— حضرت یوسف کی دعا زمانِ مصر کے قحط سے بچنے کے لیے

۳۹۸

- حضرت یوسف کی آخری دعا ۳۳۳
— حضرت ابراہیم کی دعا اپنی اولاد کو مکہ میں آباد کرنے وقت
۳۸۸ تا ۳۹۱

— وہ دعا جو کئی دور کے انتہائی سخت زلزلے میں نبی صلی اللہ علیہ

و سلم کو سکھائی گئی ۶۳۷-۶۳۸

قرآنی قصے

— قصہ آدم و حوا ۱۰ تا ۱۸-۵۰-۵۱ تا ۶۲ تا ۶۴

۶۳۰

— قصہ نوح علیہ السلام ۳۰ تا ۳۲-۲۹۹ تا ۳۰۱

۳۳۳ تا ۳۳۴

— قصہ ہود علیہ السلام ۴۲ تا ۴۵-۴۷ تا ۴۹

— قصہ صالح علیہ السلام ۴۷ تا ۵۰-۴۹ تا ۴۳

۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵

۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴

- جزائرو سزا کا دین ۵۰۶
- حساب لینے کا دن ۴۹۱
- فیصلے کی ٹھہری (الساۃ) ۱۰۵ - ۴۳۶ - ۵۱۶ —
- ۵۵۸
- تہذیب انسانوں کے زندہ کر کے اٹھانے چلنے کا دن ۵۰۶
- تمام انسانوں کے بیک وقت جینے کے چلنے کا دن ۲۸۱ -
- ۴۶۷ - ۲۸۹
- اللہ سے ملاقات کا دن ۳۳ - ۲۸۹
- شیطان کو اس دن تک کے لیے جہنم دی گئی ہے ۶۲۸
- وہ اچانک آئے گا ۱۰۵ - ۴۳۶ - ۵۵۸ - ۵۵۹
- اُس کا وقت مقرر ہے ۳۶۸ - ۵۰۶
- اس کا وقت خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۱۰۵ - ۵۰۶
- اس کی کیفیت ۱۰۵ - ۳۶۸ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳
- اُس روز غمخواروں کے زندہ ہو کر اٹھنے کی کیفیت ۵۳۷
- اس روز سوسن و کافرب خدائی جھڑکریں گے ۶۲۳
- اس روز نفسی نفسی کا عالم ہو گا ۵۷۶
- گمراہ لوگ کس حالت میں لائے جائیں گے ۶۳۵
- خدائی عدالت میں تمام انسانوں کی پیشی ۶۳۱
- نامہ اعمال پیش ہوئے ۶۰۴
- اعمال کے وزن پر فیصلہ ہو گا ۹
- ہر ایک کو اس کے کپڑے پہنا دیئے جائیں گے ۵۷۶
- تمام اختلافات کی حقیقت کھول دی جائے گی اور ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا ۳۱۱ - ۵۶۸ - ۵۸۱
- اس روز خدائی نعمتیں صرف اہل ایمان کے لیے پہلی ۲۳۸
- (مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "آخرت" اور "حشر")
- ک
- کافر - دیکھو "کفر"

- قصہ ابراہیم علیہ السلام ۳۵۳ تا ۴۵۵ - ۴۸۸ تا
- ۴۹۱ - ۵۰۹ تا ۵۱۱
- قصہ نوح علیہ السلام ۵۱ تا ۴۵۳ - ۴۵۵ -
- ۴۵۶ تا ۴۵۹ - ۵۱۱ تا ۵۱۵
- قصہ یوسف علیہ السلام ۴۷۸ تا ۴۴۴
- قصہ شعیب علیہ السلام ۵۸۵ تا ۴۵۹ - ۳۶۵
- قصہ موسیٰ علیہ السلام ۸۸۵ تا ۴۰۱ - ۳۱۰ -
- ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۷۱ تا ۴۷۴ - ۶۴۹
- قریش - عرب میں ان کے اثرات ۱۴۳ - ۴۵۶
- ان کا مادہ پرستانہ نقطہ نظر ۴۵۸
- ان کے مذہبی اور نسلی دعووں پر قرآن کی ضرب ۱۴۳ -
- ۱۸۳
- اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ ان کو کعبہ کی توثیق کا حق نہیں
- پہنچا تب تک کہ وہ کافر ہیں ۱۴۳
- ان کا صلح حدیبیہ کی طعنے خلاف ورزی کرنا ۱۵۴
- ان کی آخری شکست ۱۶۷
- مزید تفصیلات کے لیے دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- قسم - اس کی اخلاقی و دینی اہمیت ۵۶۹
- اس کے فتنے کی ممانعت ۵۶۶ - ۵۶۹
- قصاص - دیکھو "قانون اسلام"
- قصاص و روقر - دیکھو "تعدیر"
- قیامت - یوم القیامت ۹۲ - ۲۹۴ - ۳۴۸ -
- ۳۶۶ - ۵۴۴ - ۵۴۵
- قیام قیامت کے دن ۴۴۴ - ۴۴۴
- اس سے پہلے سب ہلاک ہو جائیں گے ۶۲۶
- باز پرس کا دن ۹۷
- فیصلہ کا دن ۳۱۱

کتاب (یعنی کتاب الہی یا کتب الہی) ۲۸۵-۲۸۵	کافروں کا انداز فکر ۵۷
۳۶۰-۳۶۵-۳۶۵	کافرانہ طرز عمل ۱۳۳-۱۳۳
۳۶۵	کافرانہ رویہ زندگی اور مسلمان رویہ زندگی کا فرق ۲۳۷
کتاب اللہ سے فائدہ اٹھانے کی صحیح صورت ۷۰	کفر و ایمان کا مقابلہ جملہ ناسخ و تجربات تاریخی ۳۸۵-
کتاب اللہ کی پیروی پر ثابت قدم رہنے کا مطالبہ ۷۰	۳۸۶
کتاب (یعنی حکم یا فرمان الہی) ۱۵۹-۱۹۲-۳۲۱	کافروں کی اخلاقی طاقت لازماً اہل ایمان کی طاقت سے کم ہوتی ہے ۱۵۷-۱۵۸
کتاب (یعنی سورۃ قرآن) ۶۱	کافروں کا خدا اللہ کے متولی ہونے کے قابل نہیں ہیں ۱۸۷
کتاب (یعنی فیصلہ اور نوشتہ تقدیر) ۳۷۰-۴۲۶	کفر کرنے والے بدترین مخلوق ہیں ۱۵۱
کتاب (یعنی قرآن) ۳۳۱-۳۸۳-۴۲۱-۴۶۹-۴۹۷	ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے جاتے ہیں ۱۹۳
کتاب (یعنی لوح محفوظ یا دفتر خداوندی) ۲۹۵-۳۲۳	کفر پر امر کرنا رسولوں کے دلوں پر ٹپٹ لگادیا جاتا ہے ۶۲
کفر- (یعنی کفرانِ نعمت) ۴۷۲	ان کا کفر اللہ کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی کے لیے نقصان دہ ہے ۴۷۳-۴۷۴
کفر کی حقیقت ۲۳۶-۳۵۹-۴۶۰	وہ اللہ کی تائید سے حروم رہتے ہیں ۱۳۶
قرآن کو نہ ماننے والے کافر ہیں ۳۳۰	اللہ ان کو رسوا کرنے والا ہے ۱۷۵
قرآن کی کسی ایک بات کا انکار بھی کفر ہے ۵۸۹	وہ سزا کے مستحق ہیں ۱۵۱-۱۷۰-۴۷۳
آخرت کے نہ ماننے والے کافر ہیں ۳۲۵-۳۴۲-	ان کے لیے مسقرت نہیں ہے ۲۱۹
۴۴۶	ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے ۷۹-۷۹
آیات الہی کا مذاق اڑانے والے اور خدا اور رسول کا استہزاء کرنے والے کافر ہیں ۲۱۰-۲۱۱-۲۱۶	۴۸۰
تافون الہی میں جیل بازی کفر پر مزید ایک کفر ہے ۱۹۲	مرنے وقت فرشتے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں ۱۵۰-
مناقضات اظہار ایمان کفر ہے ۱۹۹-۲۰۱-۲۰۲-	۵۳۵ تا ۵۴۷
۲۱۱-۲۱۶-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-	آخرت میں وہ اپنے قصوروں کا خود اعتراف کریں گے ۲۰۶
۲۳۱-۲۵۲	ان کا انجام ۲۶-۳۳-۱۳۳-۱۴۴-۱۵۰-
مومن اور کافر کا فرق ۳۳۳	۱۸۲-۲۱۲-۲۱۶-۲۶۳-۲۹۹-۳۳۰
کافر فی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں ۲۶۷	۳۲۹-۳۵۲-۳۶۶-۳۶۷-۴۷۰-
کفر ایک ناشکری ہے ۴۸۷-۵۶۱-۵۶۲	۴۸۷-۵۶۲-۵۶۳-۶۰۲-۶۳۵
وہ خلافِ فطرت ہے ۴۸۵	
کفر کے اخلاقی و فتنی نتائج ۴۶۲	

— ان کا انجام کسی افسوس کا مستحق نہیں ۵۸

کلمہ طیبہ — اس کی تشریح ۴۸۴

— اس کو ماننے کے فوائد دنیا اور آخرت میں ۴۸۴ تا ۴۸۵

— گناہ فیہ اور کلمہ طیبہ کا تقابل ۴۸۴ تا ۴۸۵

گ

گمراہی (دیکھو "ضلالت")

گناہ ۵ — اصل گناہ کیا ہے ۲۲

— گناہ کی حقیقت ۲۴

— اجتماعی گناہ کیا ہے ۵۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۱۳۸

— دو بڑے گناہ جن کے ساتھ کوئی نیکی نافع نہیں ہوتی ۱۳۵

— (مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "انفاق")

ل

لباس — انسانی فطرت اس کا تقاضا کیوں کرتی ہے ۱۵-۱۹

— اس کا مقصد ۱۸

— وہ اشک کی نشانیوں میں سے ہے ۱۹-۲۰

— اس کی اخلاقی ضرورت طبی ضرورت پر متاثر ہے ۱۹

— لباس تقویٰ کیا ہے ۱۹-۲۰

— لباس کے معاملہ میں اسلامی نقطہ نظر ۱۹

— اس کے معاملہ میں شیطان کے شاگردوں کی مینادی

غلط فہمی ۲۰

— عبادت کے وقت کیا لباس پہننا چاہیے ۲۲

لعنت — اس کے معنی ۶۲۸

— خدا کی لعنت کے مستحق کیسے لوگ ہیں ۳۲ - ۳۱۲

۳۱ - ۳۲۸ - ۳۶۶ - ۴۵۷

لوط علیہ السلام:

— ان کا قصہ ۵۱ تا ۵۲ - ۳۵۳ - ۴۵۵ - ۶۵۶

۳۵۹ - ۵۱۱ تا ۵۱۵

— قوم لوط کا علاقہ ۵۱

— قوم لوط ہی کی بیٹیوں کو "مؤلفات" کہتے ہیں ۲۱۴ - ۳۶۲

— وہ علاقہ آج تک تباہی کا مرکز ہے ۵۱۵

— قوم لوط کی اخلاقی پستی ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۳۵۷ -

۳۵۸ - ۵۱۱ تا ۵۱۳

— قوم لوط کے حق میں حضرت ابراہیمؑ کی شفاعت رد کردی

گئی ۴۸۹

— حضرت لوطؑ کی بیوی کا انجام ۵۳ - ۵۱۱

م

مستقی — دیکھو "تقویٰ"

محسن — دیکھو "احسان"

محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

— نبی امی ۸۳ - ۸۵ - ۸۶

— نذیر مبین ۱۰۴

— نذیر و بشیر ۱۰۶ - ۳۲۱ - ۳۲۷

— تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ۸۶ - ۳۳۰

— اہل کتاب کو بھی آپ پر ایمان لایا جی دھت دی گئی ۸۲ تا

۸۶ - ۵۷۶ - ۵۸۷

— قرآن و انجیل میں آپ کا ذکر خیر ۸۵

— آپ پر ایمان لائے والے ہی فلاح پائیں گے ۸۶

— آپ کی دعوت قبول کرنے کے نتائج ۳۲۲

— قبول نہ کرنے کے نتائج ۳۲۲ - ۴۶۳

— آپ کو اذیت دینے والے کا انجام ۲۰۹

— آخرت میں آپ ان سب لوگوں پر گواہ ہونگے جن

— تک آپ کی دعوت پہنچی ۵۹۴

— آپ کی نبوت کے دلائل ۱۰۲ - ۱۰۵ - ۲۶۲ - ۲۶۳ -

۲۶۴ - ۲۶۵ - ۴۳۲ - ۴۷۸ - ۶۲۲

- آپ کی دعوت ۲۵۸-۲۶۳-۳۰۲-۳۲۰ —
 — ۳۲۱-۳۲۲-۳۲۶-۳۲۱-۳۵۹-۳۶۳-۳۶۴ —
 — آپ کی دعوت دہریہ تھی جو تمام انبیاء علیہم السلام کی رہی ہے
 ۳۰۲-۳۲۰ —
 — آپ کے لئے جوئے دین کی بنیادی تعلیمات دیکھئے (۱۱۱)
 — کس کام کے لیے بھیجے گئے ۸۵-۱۹۰-۲۶۹ —
 — کفار آپ کے کیوں مخالفت تھے ۵۵۲-۲۲۱ —
 — آپ کا کام صرف قرآن پڑھنا دینا ہی نہ تھا بلکہ اپنے قتل
 عمل سے قرآن کے منشا کی تشریح کرنا بھی تھا ۵۲۳-۵۲۲ —
 — آپ کی بعثت ایک بڑی نعمت تھی ۴۷۳ —
 — آپ کی بعثت کے معنی یہ تھے کہ اب اہل عرب کو خلافت
 کا موقع دیا جا رہا ہے ۲۷۱ —
 — قریش سے آپ کا ارشاد کہ اگر تم میری دعوت مان لو تو
 عرب وجم کے مخرن ہو جاؤ گے ۲۷۲-۲۷۵ —
 — اہل عرب کو تنبیہ کہ اب تمہاری قسمت اُس رہ رہے ہو پھر
 جو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں
 اختیار کرو گے ۴۷۸ —
 — آپ کو دلیل نبوت کے طور پر قرآن کے سوا کوئی سہرا
 نہیں دیا گیا ۱۱۳-۳۵۹ —
 — سہرا نہ دینے کی وجہ ۲۶۰ —
 — کفار کی طرف سے سہرات کا مطالبہ اور اس کے جواباً
 ۱۱۲ تا ۱۱۳-۲۷۷-۳۱۵-۳۲۷-۳۲۷ —
 — ۳۵۸-۳۶۰-۳۶۴-۳۶۸-۵۱۰-۶۲۶ —
 — ۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹ —
 — آپ نبوت سے پہلے عقل و فکر کے صحیح استعمال سے
 توحید کی حقیقت پا چکے تھے ۳۳۰ —
 — آپ نبوت سے پہلے وہ باتیں نہ جانتے تھے جو آپ کو
- دہریہ کے ذریعہ بتائی گئیں ۳۴۳-۳۸۳-۳۸۴ —
 — آپ کا کام صرف وحی الہی کی پیروی کرنا تھا ۱۱۳-۳۷۱-
 ۲۷۲ —
 — آپ عالم الغیب نہ تھے ۱۰۶-۲۲۸ —
 — آپ کو قیامت کے وقت کاظم نہ تھا ۱۰۵ —
 — خود اپنے نفع و نقصان کے مختار نہ تھے ۱۰۶-۲۹۰ —
 — آپ کی بشریت ۲۶۰-۵۴۲-۶۴۳ —
 — اس روایت پر بحث جس میں آپ پر جادو کا اثر ہونیکا
 ذکر ہے ۶۳۷-۶۳۸ —
 — کفار کے مقابلے میں آپ کی استقامت اللہ کی توفیق سے
 تھی ۶۴۳ —
 — آپ کی زندگی قبل نبوت ۲۷۲-۲۷۳ —
 — بعثت سے پہلے آپ کے متعلق اہل مکہ کے خیالات ۲۷۳-
 ۳۵۰ —
 — آپ نے کبھی جاہلیت کے قوانین کی پیروی نہیں کی ۲۷۳ —
 — نبوت کے کام میں بالکل بے غرض تھے ۲۷۳-۳۷۵ —
 — آپ کی بصیرت ۱۷۰ —
 — شجاعت ۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۸۵-۱۹۶ —
 — فیاضی و فراخ حوصلگی ۱۸۶-۲۲۰ —
 — خلق خدا سے محبت اور خیر خواہی ۲۵۵-۳۲۰ —
 — آپ کی صفات بحیثیت ایک رہنما اور سردار قوم کے
 ۲۰۹-۲۳۵-۲۴۸ —
 — آپ کی صفات بحیثیت ایک مدبر کے ۱۶۹-۱۷۱ —
 — آپ کی صفات بحیثیت ایک سپہ سالار کے ۱۶۹ —
 — آپ نے عرب میں اسلامی احکام کو کس طرح بتا دیا
 راجع کیا ۳۲۳ —
 — وہ نقصانات جو آپ کو دعوت حق کے لیے اٹھانے

۵۱۷

— وہ ہدایات جو آپ کو تبلیغ حق کے لیے دی گئیں ۱۱۰ تا ۱۱۵۔

— ۲۸۲ - ۳۶۱ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۳۵ - ۵۱۹ تا ۵۱۶۔

— ۵۸۱ تا ۵۸۴ - ۵۸۷ - ۶۳۳ - ۶۳۴۔

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھو "دعوت حق")

— خدا کی طرف سے آپ کو مقام محمود پر پہنچانے کا وعدہ ۳۳۷۔

— تکبر میں آپ کی اور کفار قریش کی شکست ۵۸ - ۵۸۔

— ۶۳ - ۱۰۳ - ۱۰۵ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۳۰ - ۱۴۱۔

— ۳۲۳ - ۳۲۷ - ۳۹۹ - ۵۱۷ - ۵۲۳۔

— ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۵۱۔

— آپ کی دعوت پر اپنی جراتی ۲۶۰۔

— وہ اپنی قدر نہ پہچانتے تھے ۶۲۳ - ۶۳۶۔

— ان کے الزامات، اعتراضات، شبہات اور وجوہ غفلت

— ۱۰۴ - ۲۶۱ - ۲۷۵ - ۳۳۳ - ۳۳۷۔

— ۳۳۷ - ۳۶۳ - ۳۶۵ - ۴۶۶ - ۴۹۸ - ۵۲۳۔

— ۵۲۵ - ۵۳۹ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵۔

— ۵۵۸ تا ۵۸۱ - ۶۲۱ - ۶۲۳ - ۶۲۵ - ۶۳۱۔

— ۶۳۸ - ۶۴۷۔

— آغاز بعثت میں مکہ کا ہفت سالہ قحط اور اس زمانہ

— میں، نیز اس کے بعد کفار کا رویہ ۶۰ - ۲۶۹ - ۲۷۷۔

— ۲۷۸ - ۵۷۷۔

— کفار کی ہٹ دھرمیاں ۶۰ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۹۹۔

— ۳۰۰ - ۳۳۳ - ۳۳۵ - ۳۴۰ - ۵۰۰۔

— آپ کی دعوت کو نچاڑ کھانے کے لیے انکی مجالیں ۵۳۳۔

— آپ کے ساتھ انکار و رویہ برادرانہ یوسف کے رویہ سے

— مشابہ تھا ۳۷۸ - ۴۷۹۔

— ان کا مطالبہ کہ دین میں کچھ ترمیم کر کے آپ دیکھنا چاہتے

— مصالحت کر لیں ۲۷۲۔

— ان کا بار بار جلیج کے طور پر آپ سے نزولِ خطاب کا مطالبہ

— اور اسکے جوابات ۱۴۲ - ۳۲۵ - ۳۴۷ - ۵۲۲۔

— ۵۲۵ - ۶۰۳۔

— آپ کو جھٹلا دینے کے باوجود اہل مکہ پر عذاب کیوں نہ آیا

— ۱۳۲ - ۶۰۳۔

— کفار آپ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کیوں ڈرتے تھے ۳۶۳۔

— مکہ دور میں اسلام اور مسلمانوں کا حال ۱۱۸ - ۱۱۹۔

— ۱۳۸ - ۵۷۵۔

— اس دور میں ایمان لانے والے زیادہ تر فوجاں تھے ۳۰۳۔

— وہ دعا جو اس دور کے انتہائی سخت زمانہ میں آپ کو سکائی

— مکی ۶۳۷ - ۶۳۸۔

— اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مبر و ثبات کی تلقین ۳۱۸۔

— ۳۲۷۔

— واقعہ معراج اور اس کا تاریخی پس منظر ۵۸۹ - ۵۸۸۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھو "معراج")

— مکی دور میں دعوتِ اسلامی کا نکتہ اور کیا کام ہوا ۱۱۸۔

— ۱۱۹ - ۵۸۶۔

— مکی دور کے آخری زمانے میں اسلامی نظام حیات کا منظر

— جو آپ نے خدا کی طرف سے پیش کیا ۶۰۸ - ۶۱۷۔

— عرب کے راستہ باز لوگ آپ کی دعوت کا استقبال کس طرح

— کر رہے تھے ۵۳۷۔

— مدنی دور کا آغاز کس طرح ہوا ۱۱۹ تا ۱۲۲۔

— بیعت عقبہ ۱۲۰ - ۱۲۱۔

— ہجرت ۱۲۰ - ۱۹۵۔

— غار ثور کا واقعہ ۱۹۵۔

— کفار و منافق آپ کی ہجرت کو کیوں خطرناک سمجھتے تھے ۱۲۱ - ۱۲۲۔

— اصحاب الایکۃ ۵۱۵ —	— ہجرت کے اثرات و نتائج ۱۲۱ —
— طلاق اور تالیق ۵۲ - ۵۱۵ —	— اہل مدینہ کو کفار کا انجی ٹیم اور مسلمانوں کے لیے حج کی بندش ۱۲۲ —
— عین کے لوگ حضرت یوسف کے زمانہ میں ۳۹۰ - ۳۹۲ —	— ہجرت کے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں کو کس کس طرح تنگ کر نیچے کوشش کی ۱۲۲ —
— ان کی اخلاق و مذہبی حالت ۵۲ - ۵۵ - ۳۹۹ - ۳۹۰ —	— ہجرت کے بھڑاپ کی تدابیر ۱۲۲ - ۱۵۲ - ۱۶۳ —
— انجی اصل مگر ایسی کیا تھی ۵۵ - ۳۶۰ - ۳۶۱ —	— ہجرت کے بعد مدینے کی ترقی ۲۱۷ —
— حضرت شیث کی رہنمائی قبول نہ کرنے کیلئے ان کے خدرا ۵۷ —	— قریش سے جنگ چھیڑ بھاری کی ابتدا ۱۲۳ —
— ان کا ہجرت نامک انجام ۵۸ - ۳۶۵ —	— جنگ بدر اور دیکھو جنگ بدر (۲) —
— علامہ ابن کثیر (دیکھو انصار محمد صلی اللہ علیہ وسلم و منافقین اور یہود) —	— صلح حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کے بعد آپ نے کن و جو سے مکہ پر چانک حملہ کر دیا ۱۵۳ —
— مذہب :	— فتح مکہ اور قریش کی آخری شکست ۱۶۷ —
— مذہبی تفرقہ و اختلاف کی اصل ۲۷۶ - ۵۶۸ —	— غزوہ تبوک (دیکھو جنگ تبوک) —
— ان منافقات کی حقیقت قیامت کے روز کھولی جائے گی۔	— تبوک کے سفر میں خود کے آثار حکیم پر آپ کا دور و دور —
— ۳۱۱ - ۳۷۰ - ۵۶۸ —	— مسلمانوں کی جنگ ہجرت دلفان ۳۸ —
— ان کا فیصلہ موجودہ دنیاوی زندگی میں کیوں نہیں کر دیا جانا ۲۷۶ —	— تبوک کے سفر میں آپ کو شہید کرنے کیلئے منافقین کی سازش —
— مذہبی تحقیقات کے غلط طریقوں پر قرآن کی گرفت اور صحیح طریقے کی طرف رہنمائی ۲۹۶ - ۲۹۷ —	— سب پر غلبہ اسلام کی تکمیل کے آخری مراحل ۱۶۷ -
— مذاہب باطلہ کے خلاف قرآن کے دلائل ۲۰ - ۳۱ -	— ۱۶۸ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۸۰ - ۱۸۱ -
— ۲۲ - ۲۸۳ - ۲۸۵ —	— ۱۸۲ - ۱۸۵ - ۱۸۶ —
— مساجد اللہ - مشرک اور کافروں کے متولی نہیں ہو سکتے ۱۸۲ —	— مشرک کو شادی کے لیے آپ کے آخری کلمات ۱۸۲ —
— ان کی تولیت کے مستحق کون لوگ ہیں ۱۸۳ —	— رسوم جاہلیت کا استیصال ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ —
— ان میں مشرکین کے داخلہ کا شرعی حکم ۱۸۷ —	— مشرکین کے حج کی بندش ۱۸۴ - ۱۸۶ —
— نماز پڑھنے کے قابل دو مسجد ہے بنیاد تقویٰ پر —	— حجۃ الوداع ۱۷۳ - ۱۷۴ —
— موزہ کہ وہ جنت بردازی کے لیے بنائی جائے ۲۳۲ —	— حج کے قدیم طریقوں کی اصلاح ۱۷۴ —
— مسجد اقصیٰ ۵۸۸ —	— کعبہ کی تولیت سے مشرکین کی بے وفائی ۱۸۲ - ۱۸۳ —
— مسجد حرام ۵۸۸ —	— (مزید تفصیلات کے لیے دیکھو نبوت) —
	— ۲۱۳ — اصحاب مدین ۲۱۳ —

- ۱۳۳-۱۳۲ گفارس کے متولی نہیں جو سکتے ۱۳۳-۱۳۲
- ۱۳۳-۱۳۲ اس کے جائز متولی صرف اہل تقویٰ ہیں
- ۱۴۲-۱۴۱ مشرکین اس کی تولیت سے عمل ہے دغل کے ہاتھیں
- ۱۸۲-۱۸۱ مشرکین کے لئے اس کے قریب جانا بھی ممنوع ۱۸۲-۱۸۱
- ۱۸۲-۱۸۱ مسجد ضرار (دیکھو جنگ تبوک اور منافقین جنگ تبوک کے موقع پر ان کا رد ہے)
- ۳۰۶ مشرک کیسے لوگ مشرک ہیں ۳۰۶
- ۲۰۵ مسکنت - معنی اور تشریح ۲۰۵
- ۲۰۵-۲۰۴ مسکین کی تعریف کے لئے دیکھو زکوٰۃ
- ۶۲۴-۶۲۳ مسیح (دیکھو عیسیٰ علیہ السلام)
- ۶۲۴-۶۲۳ مسیحی - مسیحیت (دیکھو عیسائیت)
- ۵۸۹-۵۸۸ مشرک (دیکھو شرک)
- ۵۸۹-۵۸۸ مشرکین عرب (دیکھو شرک اور عرب)
- ۹۳ مشیت الہی (دیکھو تفسیر)
- ۹۳ مصلح، مصلحین - کیسے لوگ ہیں ۹۳
- ۶۵ معجزات - معجزے کی حقیقت ۶۵
- ۶۶ معجزات کے برقی ہونے کی دلیل ۶۶
- ۶۶-۶۵ معجزے اور جادو کا فرق ۶۶-۶۵
- ۶۶-۶۵ معجزات کو طبعی اور عادی واقعات ثابت کرنے والوں کی غلطی ۶۵
- ۶۶-۶۵ معجزات کی وہ خاص قسم جو دلیل نبوت کے طور پر دیکھائی دیتی ہے ۶۶
- ۶۶-۶۵ انبیاء کو معجزے کس لئے دیئے جاتے ہیں ۶۶-۶۵
- ۶۶-۶۵ حضرت صالح کی اونیسی کا معجزہ ۶۶-۶۵
- ۳۵۲-۳۵۱ حضرت ابراہیمؑ کے اہل بیت پر اہل طواغیت کی پیدائش
- ۵۱۰-۴۵۲ حضرت یوسفؑ کا معجزہ ۴۵۲
- ۶۶-۶۵ وہ معجزات جو حضرت موسیٰؑ کو دیئے گئے ۶۵-۶۶
- ۶۲-۶۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل نبوت کے طور پر صرف قرآن کا معجزہ دیا گیا ۱۱۳-۴۵۹
- ۴۶۰-۴۵۹ حضورؐ کو حسی معجزہ کے بجائے عقلی معجزہ دینے کی وجہ ۴۶۰
- ۴۶۰-۴۵۹ کفار مکہ کی طرف سے معجزات کے بہیم مطالبات اور ان کے جوابات ۱۱۲ تا ۱۱۳-۲۴۴-۳۱۵-۳۲۴-۴۲۴
- ۴۶۰-۴۵۹ ۴۶۲-۴۶۱-۴۶۰-۴۵۹
- ۶۲۴-۶۲۳-۶۲۲-۶۲۱ معراج - اس کا زمانہ اور حالات ۵۸۶
- ۵۹۰-۵۸۹ اس کی تفصیلات جو احادیث میں آئی ہیں ۵۸۹-۵۹۰
- ۵۸۹-۵۸۸ حدیث کی تفصیلات قرآن کے خلاف نہیں ہیں ۵۸۸
- ۵۸۹-۵۸۸ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ ہی ۵۸۹
- ۵۸۹-۵۸۸ اس کے اسکان کی بحث ۵۸۹
- ۵۸۹-۵۸۸ منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کا جواب ۵۸۹
- ۵۹۰-۵۸۹ تمام انبیاء کو اس طرح کے مشاہدات کرائے گئے ہیں ۵۹۰
- ۶۲۴-۶۲۳ اس کے لئے روایات کا لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے ۶۲۴
- ۶۲۴-۶۲۳ مغفرت - کیسے لوگوں کے لئے ہے ۸۲-۱۳۰-۲۱۰
- ۲۱۹-۲۱۸ کیسے لوگوں کے لئے نہیں ہے ۲۱۹
- ۱۳۳-۱۳۰ مغفرت کی شرط ۱۳۳-۱۳۰
- ۴۲۱-۴۲۰ مشرک کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں ۴۲۱
- ۶۲۴-۶۲۳ مقام محمود - اس سے کیا مراد ہے ۶۲۴
- ۶۲۴-۶۲۳ مکہ - (دیکھو ابراہیمؑ علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش)
- ۶۲۴-۶۲۳ ملائکہ (دیکھو فرشتہ)

منافق، منافقین:

ان کی صفات اور طرز عمل ۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-

۲۰۲-۲۰۳-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۴-۲۱۸-۲۲۶-

۲۲۷

وہ اصل میں کافر ہیں ۱۹۹-۲۰۶-۲۱۱-۲۱۲-

۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۳۱-۲۳۵-۲۵۲-

وہ منافق ہیں ۲۰۱-۲۱۲-۲۱۹-۲۲۵-

منافقت ایک گندگی ہے ۲۲۵-۲۵۳-

اسباب نفاق ۲۱۷-۲۱۸-۲۲۶-۲۵۰-۲۵۴-

قرآن کا مطالعہ منافق کی گندگی میں اضافہ کرتا ہے

۲۵۳

منافقت کے اثرات انسانی حیرت پر ۳۵۰

مومن اور منافق کا فرق ۲۱۳

گناہگار مومن اور منافق کا فرق ۲۲۰

مومن اور منافق کا فرق کیسے نکلتا ہے ۳۵۳

ناراجحیت منافق کو مومن سے الگ نمایاں کر کے

بکھڑتی ہے ۲۱

منافق اور گناہگار مومن کا فرق کیسے معلوم کیا جائے ۲۳

اسلامی معاشرے میں منافقین کے شامل رہنے کا نقصان

۱۹۸-۲۲۵-۲۵۲

منافقین میرٹھ کی اخلاقی و ذہنی حالت ۲۰۳-۲۰۴-

۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۳۲-۲۵۳-۲۵۴-

جنگ بھڑک کے موقع پر ان کا رویہ ۱۲۶-۱۵۰-

جنگ تبوک کے موقع پر ان کا رویہ ۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-

۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۱۰-۲۱۶-

۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۵-

۲۳۱ تا ۲۳۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے اعتراضات ۲۰۳-۲۰۴-

۲۰۸-۲۰۹

ان کی سرکوبی کے لئے قرآن کے آخری احکام ۱۷۲

ان کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدابیر ۱۷۳-۲۱۵-

۲۴۰-۲۴۱

ان کے ساتھ اسلامی سوسائٹی میں کیا برتاؤ ہونا چاہئے؟ ۲۱۵-

۲۱۶-۲۲۰-۲۲۵-۲۲۹-۲۵۲-

ان کے بارے میں اسلامی حکومت کی پالیسی ۲۱۵-۲۵۲-

منافق کا اتفاق فی سبیل اللہ مقبول نہیں ۲۰۱

اس کے لئے معفرت نہیں ہے ۲۱۹

منافقین کا انجام ۳۴-۳۵-۲۰۹-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۶-

۲۱۷-۲۲۱-۲۲۵-۲۲۸-۲۵۳-

منکر۔ معنی اور تشریح ۵۶۶

من وسلویٰ ۸۷

مومن طے السلام ۶۳ تا ۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-

۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-

۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-

آپ کا زمانہ ۶۴

زندگی قبل نبوت ۶۷

شخصیت اور قابلیتیں ۶۷

بعثت کے وقت بنی اسرائیل کی حالت ۳۰۳-۳۰۵-

آپ کی دعوت ۶۵

بعثت کا مقصد ۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-

وہ معجزات جو آپ کو دیے گئے ۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-

۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-

مصر میں بنی اسرائیل کی تنظیم کس طرح کی ۳۰۷

فرعون کو آپ سے سیاسی انقلاب کا خطرہ کیوں لاحق

(ن)

نبوت - وہ ایک فیکی چیز ہے نہ کہ جیسی ۵۲۵ - ۶۳۱

۶ - ہر امت کے لئے ایک رسول ہے ۲۸۹ - ۴۳۷

- انسان اس کی جہتوں لاکھوں محتاج ہے ۱۸ - ۲۰ - ۵۲۷ -

۵۲۸

- اس کے حقیقی دلائل ۲۶۱ - ۲۷۷ - ۵۲۷ - ۵۳۰

- تمام انبیاء انسان تھے ۴۲ - ۴۵ - ۴۴۲ - ۴۴۵ -

۴۴۷ - ۴۶۲ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸

- دنیا میں ہمیشہ جاہل لوگوں نے اپنے جیسے انسانوں کو نبی

ماننے سے انکار کیا ہے ۴۲ - ۴۵ - ۲۶۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ -

۴۷۶ - ۶۲۵ - ۶۳۲ -

- وہ حکمت جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی دہائی کے

لئے نبوت کا طریقہ اختیار فرمایا ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۴۳ -

- انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی نبی ہونا چاہئے

۶۳۴

- نبوت کسی کو عطا کرنا اللہ کی نعمت کا اتمام اور اللہ کی

رحمت ہے ۳۸۵ - ۶۳۱ -

- سچے نبی اور مجھوٹے نبی کا فرق ۲۵۵ -

- نبی کی صداقت کس باتوں سے پہچانی جاتی ہے ۳۲۵ -

۴۴۱ - ۴۶۲ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۷ -

- مجھوٹا مدعی نبوت سب سے بڑا ظالم ہے ۲۵۰ - ۲۷۴ -

- نبی کی خطابت اور دنیا پرستوں کی خطابت کا فرق ۲۶۱ -

- نبی اور طغیانی کا فرق ۵۹۰ -

- نبی اور جادوگر کا فرق ۳۰۴ -

- نبوت سے پہلے انبیاء کی زندگی کیسی ہوتی تھی ۷۷ -

۷۷۸

- نبوت سے پہلے تمام انبیاء عقل سلیم کے صریح استعمال سے

۶۶ - ۳۰۳ - ۳۰۴ -

- اس نے آپ کے مقابلے میں جادوگروں کو کیوں ہلوا دیا۔

۶۸ - ۶۹ -

- جادوگروں سے مقابلہ ۶۸ تا ۷۰ - ۳۰۳ - ۳۰۴ -

- اُن کا ایمان لانا اور یکایک ان کے اندر ایک اخلاقی

انقلاب واقع ہونا ۶۹ - ۷۰ -

- فرعون کے حق میں آپ کی بردہ ۳۰۸ -

- مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے ہیں ۴۳ - ۴۶ -

- بنی اسرائیل کے ساتھ غیر اسرائیلی مسلمانوں کی بھی ایک کثیر

تعداد تھی ۳۰۰ -

- سمندر پار کرنے کی جگہ ۷۴ -

- بنی اسرائیل آپ سے ایک مصنوعی خدا مانگے ہیں ۷۴ - ۷۵ -

- آپ کو شریعت اور کتاب عطا کی جاتی ہے ۷۶ - ۷۸ -

۵۹۰

- اللہ کو دیکھنے کی درخواست اور پھر اس جہالت پر توبہ ۷۷ -

- اللہ تعالیٰ کا آپ سے کلام کرنا ۷۸ -

- حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بناتے ہیں ۷۷ -

- آپ کے پیچھے بنی اسرائیل کو لا پھرٹے کو جمع ہونا لینا۔

۸۱

- رشتہ سینا میں پہلی مرتبہ بنی اسرائیل کی مردم شماری

کراتے ہیں ۳۰ -

- آپ کا آخری خطبہ اور بنی اسرائیل کو وصیتیں ۷۷ - ۷۸ -

- (مزید تفصیلات کے لئے دیکھو: بنی اسرائیل)

موسس - (دیکھو "ایمان")

مہاجرین - جنگ بدر میں ان کی جاں نثاری ۱۳۳ - ۱۳۶ -

میشاق - معنی اور تشریح ۱۶۲ -

میزان - قیامت کے روز اعمال تو لے جلنے کا مطلب ۹ -

- توحید کی حقیقت پانچ جگہ ہوتے تھے ۳۳۲ - ۳۳۱
- ۳۶۱ - ۳۶۱
- قبول وحی کے لئے نبی کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے ۷۶
- انبیاء کو وہ علم دیا جاتا ہے جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا ۴۲
- نبی کو اندھ حقیقت شناس اور معاملہ فہم بنانا ہے ۳۸۵
- انبیاء کو حکم اور علم عطا ہوتا ہے ۳۹۲
- وہ تلخیص الرحمن ہوتے ہیں ۳۰۱
- انبیاء کو حقائق کا شاہدہ کر دیا جاتا ہے ۵۹۰
- انبیاء کس چیز میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں ۴۷
- انبیاء پر صرف وہی وحی نہیں آتی جو تبلیغ کے لیے ہو بلکہ ان کو دوسری ہدایات بھی ملتی ہیں ۳۳۷
- نبی خدا کا برگزیدہ ہوتا ہے ۳۸۵
- انبیاء کی غیر معمولی قوتیں ۳۲۸
- انبیاء عالم الغیب اور فوق البشری صفات کے مالک نہیں ہوتے ۳۳۵
- انبیاء غیب کی باتیں پس اتنی ہی جانتے ہیں جتنی اللہ تعالیٰ انہیں بتاتا ہے ۴۲۹
- صحت انبیاء کی حقیقت ۳۴۳ - ۳۴۲ - ۳۹۳
- ۴۴
- لوگوں کی آسمانوں کا فیصلہ کرنا نبی کا کام نہیں ۷۳ - ۷۲
- نبی کی ذمہ داری کس حد تک ہے ۵۲۹
- نبی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ ہزاروں لوگوں کو راہ راست پر لاکر ہی چھوڑے ۳۱۸ - ۳۳۳ - ۳۱۰ - ۳۹۹
- نبی کو مذکر کس معنی میں کہا جاتا ہے ۹۹
- نبی کا مہر وحی الہی کی پیروی کرنا ہے ۳۱۸
- نبی کا کام کیا ہے اور کیا نہیں ہے ۴۴۷ - ۴۴۸

۴۶۹ - ۵۲۵ - ۶۴۲

- انبیاء کی بعثت کا مقصد ۳۸ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۹۰
- انسانیت کے لئے نبی کی بعثت اور ہیصیت رکھتی ہے جو زمین کے لئے بارش کی ہے ۳۹ - ۴۰
- انسانیت کی فلاح کا انحصار انبیاء کی پیروی پر ہے ۲۵
- نبی کی آمد ایک قوم کی قسمت کے فیصلے کی ساعت ہوتی ہے ۲۸۹ - ۲۹۰
- نبی کی پیروی کے بغیر خدا پرستی کے کوئی معنی نہیں ۳۳۷
- انبیاء قابل اعتماد ہوتے ہیں ۴۵
- اپنی قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں ۴۱ - ۴۵ - ۵۰ - ۵۸
- وہ کوئی بات خلاف حق نہیں کہتے ۶۴
- نبی اپنے کام میں بے غرض ہوتا ہے ۳۰۰ - ۳۳۵ - ۳۴۵
- ۳۴۵
- انبیاء کی دعوت ۳۰۲ - ۵۸۰
- تمام انبیاء کی تعلیم و دعوت ایک تھی ۴۰ - ۴۱ - ۴۲
- ۴۵ - ۴۷ - ۵۲ - ۵۵ - ۵۵ - ۳۰۲ -
- ۳۳۲ - ۴۴۵ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۹ - ۴۷۹ -
- ۴۰۱ - ۴۱۶ - ۵۲۵ - ۵۴۹ - ۵۴۰
- تمام انبیاء کا دین ایک تھا ۴۰۲
- کوئی نبی کسی نئے مذہب کا بانی نہ تھا ۴۰۲
- تمام انبیاء اپنی قوم کی زبان ہی میں خدا کا پیغام لائے تھے ۴۷۰
- انبیاء کا یہ کام نہیں تھا کہ قانون الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کی پیروی کریں ۴۲۱ - ۴۲۲
- انبیاء کا فرض حکومتوں کی اطاعت کے لئے نہیں آئے تھے ۶۷
- انبیاء صرف "مذہب" کی نہیں بلکہ پورے نظام زندگی کی اصلاح کے لئے آئے تھے ۶۷ - ۴۲۲

— نماز کے اجزاء اور اذان کے متعلق قرآن کے اشارات

۶۳۳-۶۳۵

— نماز فجر کی اہمیت ۶۳۵

— نماز فجر میں طول قرأت کی حکمت ۶۳۵

— تہجد، اس کی فضیلت، اس کے فوائد اور اس کی شرعی

حیثیت ۶۳۵ تا ۶۳۷

— نماز میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ ۱۱۲

— منافق کی نماز جنازہ جائز نہیں ۲۷۰

— فساد و فحاشی کی نماز جنازہ قوم کے سربراہ اور دہوگوں

کو نہ پڑھنی چاہئے ۲۲۱

— کے میں نماز نہ پڑھنے کا حکم کس نے دیا گیا تھا ۶۵۰۔

۶۵۱

نوح علیہ السلام ۲۱۳-۳۶۲-۴۷۵-۶۰۶

— ان کا قصہ ۴۰ تا ۴۲-۲۹۹ تا ۳۰۱-۳۲۳ تا ۳۲۴

— اس کے بیان کرنے کا مقصد ۴۰-۲۵۹-۲۶۰

۲۹۹-۳۲۴-۳۳۷

— قوم نوح کس طائفے میں آباد تھی ۴۰

— حضرت نوح کی تعریف ۵۹۱

— نبوت سے پہلے اپنی عقل و فکر سے توحید کی حقیقت

جان چکے تھے ۴۲۲

— منصب نبوت پر سرفرازی ۴۰-۳۳۳

— اُن کی دعوت ۴۰-۳۳۳

— اُن کا مذہب بھی اسلام ہی تھا ۳۰۰

— ان کا اقرار کہ نہ میں طبع غیب رکھتا ہوں نہ فوق البشری

قوتوں کا مالک ہوں ۳۳۵

— ان کی قوم کا یہ خیال کہ ہم اپنے جیسے انسان کو نبی کیسے

مان لیں ۴۲-۳۳۳

— اُن کی قوم کی اصل گرجا ہی کیا تھی ۳۳۳-۳۳۴

— ان پر صرف نوحان اور غریب لوگ ہی ایمان لائے ۳۳۳-

۳۳۴

— عذاب کے لئے قوم کا مطالبہ ۲۳۶

— کشتی بنانے کا حکم ۳۳۷

— کشتی خاص اللہ کی نگرانی میں بنائی گئی ۳۳۷

— کشتی بننے دیکھ کر قوم کے لوگ حضرت نوح کا مذاق اڑاتے

تھے ۳۳۸

— ایک نور سے طوفان کی ابتدا ۳۳۹

— طوفان کی کیفیت ۳۳۹

— کشتی میں کون کون سا رکھے گئے ۳۳۹

— کشتی کے تمام سوار ہونے والے بچھلے گئے اور وہی زمین میں

آباد ہوئے ۴۲-۳۰۰

— حضرت نوح کی بیوی اور ان کے بیٹے کا جھلنے عذاب

۳۴۰ تا ۳۴۱

— پسر نوح کا حال ۳۴۰ تا ۳۴۳

— کشتی کے ٹھیرنے کی جگہ اور جوہی کی جائے وقوع ۴۰-۳۴۱

— کیا طوفان نوح عالمگیر تھا؟ ۳۴۱-۳۴۲

— طوفان نوح کی روایت دنیا بھر کی قوموں میں پائی جاتی ہے ۴۱

— تمام انسان ان لوگوں کی اولاد ہیں جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی

پر سوار کئے گئے تھے ۵۹۱

— یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی کہ تمام موجودہ انسان صرف حضرت

نوح کی اولاد ہیں ۳۴۰

و

وراثت - (دیخو قانون اسلام) ۶۱

وراثت زمین - اللہ سبحو چاہتا ہے اپنی زمین کا کار

بنائے ۶۱-۷۱-۷۴

وحی

۳۸۸۔ یعنی افسانے خیال

۳۸۸۔ غیر نبی کی طرف وحی

۱۳۳۔ ملائکہ کی طرف وحی

۵۵۲۔ وحی اور انوار و ابہام کا فرق ۵۵۱۔ ۵۵۲

۵۵۲۔ لفظ وحی کا استعمال کن کن معنوں میں ہوتا ہے ۵۵۱۔

۵۵۲

۴۲۰۔ ۴۲۱۔ وحی رسالت

۵۲۲۔ وحی رسالت کے لئے لفظ روح کا استعمال

۵۲۵۔ ۴۳۹

۴۳۴۔ ۴۳۵۔ وحی رسالت خدا کی ہمت ہے

۴۵۳۔ بارانِ رحمت سے اس کی مشابہت

۴۸۲۔ وحی رسالت کے لئے محض "علم" مطلق کرنے کی اصطلاح

۸۴۔ انبیاء و بہرہ وحی دہی نہیں آتی جو حق تک پہنچانے کے

۶۸۔ ۸۴۔ لئے مہولہ دوسری ہدایت بھی ملتی ہیں

۴۰۶۔ ۴۳۴

۳۴۲۔ ۳۴۱۔ قرآن کا نزول بذریعہ وحی

۳۸۳۔ ۴۳۳۔ ۴۵۹

ولی۔ ۱۔ ایمان جس کی بھی ہے چون وجہ اطلاع کہے اسکو

وہ ایمان ولی بناتا ہے

۱۹۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا ولی نہ بناؤ

۱۹۔ ایمان نہ لانے والوں کا ولی شیطان ہوتا ہے

۱۰۹۔ اللہ ہی صاحبوں کا ولی ہے

۲۹۵۔ تمام متقی اہل ایمان اللہ کے ولی یعنی دوست ہوتے

۲۹۵۔ ۱۰۳۔ وحی کی تشریح ایک دستوری اصطلاح کی حیثیت سے

ہ

بارون طیبہ السلام ۶۹۔ ۱۰۳

۷۱۔ حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں ان کی جانشینی کرتے ہیں

۸۱۔ ان کی خلافت کے زمانے میں بنی اسرائیل کا بچھڑے کا وجود

بنانا

۸۱۔ ان پر یہود کا جھوٹا الزام

ہجرت۔ دنیا اور آخرت میں اس کا اجر ۵۳۲۔ ۵۴۶

۵۴۲۔ ہجرت حبشہ

۵۴۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے دیکھو محمدؐ صلی اللہ

طیبہ وآلہ وسلم

۵۴۲۔ ہجرت کے قانونی اثرات و نتائج کے لئے دیکھو قانون اسلام

دستوری قانون

ہدایت۔ اس کا وسیع مفہوم ۲۸۳۔ ۲۸۴

۲۸۴۔ ۲۸۳۔ ہدایت حق کے معنی

۲۸۵۔ انسان کو صحیح رہنمائی صرف اللہ کی نازل کردہ تعلیم ہی میں

مل سکتی ہے ۲۸۳۔ ۲۸۵

۱۰۲۔ ۱۰۵۔ اللہ کی رہنمائی کے بغیر کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی

۲۶۸۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

۵۴۰۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے

۷۳۵۔ جو اللہ سے ہدایت نہ پائے اسے کوئی ہدایت نہیں دے

سکتا

۲۶۸۔ اللہ کیسے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے

۵۴۰۔ وہ کیسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

۱۸۳۔ ہدایت پانے والے کون ہیں

۲۸۹۔ آخرت کے منکر ہدایت پانے والے نہیں ہیں

۷۶۳۔ ۲۶۵۔ حصول ہدایت کی لازمی شرطیں

۲۱۸۔ ہدایت پانے والے ایمان اور اتباعِ رسولؐ ہے

۲۱۸۔ ۶۰۳۔ ہدایت اختیار کرنا اقوال و افعال کا مجموعہ ہے

- مہوی و پہلے بھی غیر معروف نہ تھے ۴۰۳
 — ان کی عمر اور عمر میں زمانہ قدیم ۳۳۰
 — ان کا دین کیا تھا ۴۰۱
 — یہود۔ ان کا اخلاقی و مذہبی مخطا اور اس کے اسباب ۸۵۔
 ۵۶۸ - ۲۳۸
 — ان کی گمراہیاں ۱۸۹
 — ان کے ایمان میں کیا غرابی ہے ۱۸۴ - ۱۵۰
 — اپنے انبیاء کی سیرتوں کے متعلق ان کے غلط تصورات ۳۵۔
 ۳۰۶ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۴۰۴ - ۴۲۹
 — اپنے انبیاء، ایران کی تہتیں ۵۱ - ۸۱
 — تورات کے ساتھ ان کا سلوک ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۵۱۸
 — ان کا سبب کے احکام کی حکم کھلا خلافت و زلی کرنا ۹۰
 — ان کی شرارتوں کے باعث ان پر شریعت کی قیود برعاری
 گئیں ۵۴۸ تا ۵۸۱
 — عیسے کے یہودیوں کا طرز عمل ۱۵۲
 (مزید تفصیلات کے لئے دیکھو: اہل کتاب ۵۰۰، بنی اسرائیل،
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)
 یوسف علیہ السلام۔ قصہ یوسف ۴۷۸ تا ۴۴۳
 — وہ نتائج جو ان کے قصہ سے نکلے ہیں ۳۷۹ تا ۳۸۱ -
 ۴۱۳
 — وہ مقصد جس کے لئے یہ قصہ قرآن میں بیان ہوا ہے ۳۷۸
 — قصہ یوسف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں نہایت
 ۳۷۹ - ۳۸۱
 — سورۃ یوسف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ایک
 مزین ثبوت ہے ۴۳۴ - ۴۳۵
 — حضرت یوسف کے حالات ۳۸۱ تا ۳۸۳
 — ان کے زمانے میں مصر کا شاہی خاندان ۳۸۲

- مہوی ابتداء ہونے کے نتائج ۱۰ - ۱۱
 یہود علیہ السلام۔ ان کا قصہ ۴۲ تا ۴۷ - ۴۲۹ تا ۴۳۹
 — ان کی تعلیم ۴۳ - ۴۵
 — قوم یہود ۳۶۲
 می
 یتیم۔ یتامی کے حقوق ۶۱۵
 — ان کے حقوق و مفاد کی حفاظت اسلامی ریاست کے
 — فرائض میں داخل ہے ۶۱۵
 میحی علیہ السلام۔ ان کے زمانے میں یہودیوں کی اخلاقی و مذہبی
 اور سیاسی حالت ۶۰۱
 — ان کا سوا یک رفاقت کی فرائض پر تھم گیا تھا ۶۰۱
 المسیح علیہ السلام۔ ان کا زمانہ اور نبی اسرائیل کی اصلاح کیلئے
 ان کی مسامی ۵۹۷
 یعقوب علیہ السلام:
 — ان کی پیدائش کی بشارت ۳۵۳
 — فلسطین میں ان کی چلے قیام ۳۸۱
 — ان کی اعلیٰ درجہ کی بصیرت ۳۸۵ - ۳۸۹ - ۴۱۷ -
 ۴۲۶ - ۴۱۸
 — ان کے اخلاق فاضلہ ۳۸۹
 — ان کا توکل علی اللہ ۴۱۷ - ۴۲۶
 — وہ اللہ کے دیے ہوئے علم سے صاحب علم تھے ۴۱۸
 — ان کا صبر ۴۲۶
 — ان کا تعلق باللہ ۴۲۷
 — ان کی غیر معمولی قوتیں ۴۲۸
 — حضرت یوسف کی جدائی میں ان کا حال ۴۲۶
 — ان کی بینائی کا پلٹ آنا ۴۲۷
 — ان کا مصر تشریف لے جانا ۴۲۹

- حضرت یوسف کی صحت پر زندگی پہلی شہادت ۳۹۷
— قیدی کی دھکی دے کر ان سے بدکاری کا مطالبہ کرتی ہے ۳۹۷
— وہ گناہ کے ارتکاب کی بہ نسبت قید کو قبول کرتے ہیں ۳۹۸
— گناہ سے بچنے کے لیے خدا سے دعا مانگتے ہیں ۳۹۸
— ان کی سیرت کی منبوی، روحانی نفس اور مانتات الیٰ شہادت ۳۹۹
— بے گناہ قید کیے جاتے ہیں ۳۹۹
— مصر کا سیفی ایکٹ ۳۹۹-۴۰۰
— مصر کے سیفی ایکٹ میں بھی قید کے لیے کوئی مدت مقرر تھی ۴۰۰
— اس سیفی ایکٹ میں نگلی مفاد کے نام سے کن تصور وطن پر لوگ
بٹھے جاتے تھے ۴۰۰
— مصر میں حضرت یوسف کی شہرت کا آغاز ۳۹۹-۴۰۰
— مصر کے طبقہ اہم اور ان کی اخلاقی فتح ۳۹۹
— جیل میں ان کا اخلاقی اثر ۴۰۰-۴۰۱
— جیل کے دو قیدی اپنا خواب سناتے ہیں ۴۰۰-۴۰۱
— جیل میں توحید کا وصف ۴۰۱-۴۰۲
— حضرت یوسف نے تبلیغ رسالت کا کام کب شروع کیا ۴۰۲
— پہلی مرتبہ اپنی خاندانی حیثیت پر سے پردہ اٹھاتے ہیں ۴۰۲
— ان کے طرز تبلیغ کی حکمتیں ۴۰۲-۴۰۳
— جیل سے رہائی کی تدبیر اور اس خیال کی غلطی کہ ان کی تدبیر
خدا فراموشی کا نتیجہ تھی ۴۰۳
— جیل میں ان کا کام ۴۰۳
— شاہ مصر کا خواب اور مصر کے مذہبی پیشواؤں کا اس کی
تفسیر بتانے سے عاجز رہنا ۴۰۵
— حضرت یوسف سے تفسیر پوچھی جاتی ہے ۴۰۵
— تفسیر کے ساتھ ساتھ قید سے بچنے کی تدبیر بھی بتاتے ہیں ۴۰۶
— شاہی دربار میں غلبہ ۴۰۶
— رہائی سے پہلے اس معاملے کی تحقیقات کا مطالعہ کرتے

- اُن سے بھائیوں کا حسد ۳۸۳-۳۸۵
— ان کی نبوت کی پیش گوئی ۳۸۵
— وہ اپنے والد کو کیوں محبوب تھے ۳۸۶
— بھائیوں کی سازش ۳۸۶ تا ۳۸۹
— برادر ابن یوسف کی اخلاقی حالت ۳۸۷ تا ۳۸۹-۳۹۳
— کنوین میں پھینکا جانا ۳۸۸
— غلام بنا کر بیچے گئے ۳۸۹-۳۹۰
— قافلے والوں کی بے ایمانی ۳۸۹-۳۹۰
— عزیز مصر کے ہاں پہنچتے ہیں ۳۹۰-۳۹۱
— نقشہ طرز کے معنی ۳۹۰-۳۹۳
— مصر میں پہنچنے کے وقت ان کی عمر ۳۹۱
— انہوں نے ان کو دنیا کے معاملات سے واقف کرنے کے
لیے انتظام فرمایا ۳۹۱
— اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حکم" اور "علم" کا عطیہ ۳۹۲
— اس خیال کی غلطی کہ حضرت یوسف نے عزیز مصر کو اپنا
رب کہا ۳۹۲-۳۹۳
— زلیخا کی بدعتی اور ان کا اس سے اجتناب ۳۹۲-۳۹۳
— وہ برہنہ رب کیا تھی جسے ان کو گناہ سے بچایا ۳۹۳
— ان کی طرف سے ان کی اخلاقی تربیت ۳۹۳-۳۹۴
— اس زمانے کے مصر کی اخلاقی حالت ۳۹۳-۳۹۷
۳۹۸
— زلیخا کی ہنگامی ۳۹۳
— اس خیال کی غلطی کہ حضرت یوسف کے حق میں شہادت
دینے والا کوئی شخص نہ تھا ۳۹۳
— زلیخا کا جھوٹ کیسے کھلا ۳۹۵
— مصر کی عورتوں میں زلیخا کے عشق کا جرجا ۳۹۶
— زنانہ مصر کا حسن یوسف پر فریقتہ ہونا ۳۹۷

- ۳۰۸ - آپ کی شرافت نفس ۳۰۸
 ۳۰۹ - آپ کی پاک دامنی پر زبانِ ہرکی متفقہ شہادت ۳۰۹
 ۳۰۹ - خود بخود بھی دوبارہ شہادت دیتی ہے ۳۰۹
 ۳۰۹ - آپ کے بام حرج پر پہنچنے کے حقیقی سبب ۳۰۹-۳۱۱
 ۳۱۰ - آپ کا کفر نفس سے پاک ہونا ۳۱۰
 ۳۱۱ - بلا شاعرے وقایع اور اس کی طرف سے عدے کی پیش کش ۳۱۱
 ۳۱۱-۳۱۲ - سلطنتِ مصر کے مختاروں کو بلانے جاتے ہیں ۳۱۱-۳۱۲
 ۳۱۲ - آپ کے لئے موزونہ کا لقب ۲۲۳-۳۲۴
 ۳۱۲ - اس روایت کی غلطی کو دیکھنے سے آپ کی شادی ہوئی ۳۱۲-۳۱۳
 ۳۱۳ - اس خیال کی غلطی کہ آپ نے نظامِ کفر کو چلانے کے لیے حکومتِ مصر کی ملازمت کی تھی ۳۱۲-۳۱۳
 ۳۱۳ - اُن لوگوں کے خیال کی غلطی جو قوانینِ کفر کی پیروی کیلیے حضرت یوسف کے اصول کو دلیل مائلتے ہیں ۳۱۱-۳۱۲
 ۳۱۳ - یہ روایت کہ شاہِ مصر سلطان ہو گیا تھا ۳۱۳
 ۳۱۳ - حضرت یوسف کا ختمِ انعام ۳۱۳
 ۳۱۳ - برادرانِ یوسف کی پہلی آمد ۳۱۳
 ۳۱۵ - حضرت یوسف ان سے اپنے بھائی بن یمن کو لائے کی فرمائش کرتے ہیں ۳۱۵
 ۳۱۶ - بن یمن آپ کے حقیقی بھائی تھے ۳۱۶
 ۳۱۶ - بن یمن کی حفاظت کے لئے حضرت یعقوب کی احتیالی تدبیر ۳۱۶
 ۳۱۶ - برادرانِ یوسف کی دوسری آمد، بن یمن سے آپ کی طلاق اور ان کو روک رکھنے کے لئے آپ کی تدبیریں ۳۱۸-۳۲۰
 ۳۱۸ - ایشہ نے حضرت یوسف کو مصر کے شکاری قانون پر عمل کرنے سے کس طرح بچایا۔ ۳۲۰-۳۲۱
 ۳۲۳ - حضرت یوسف کی برہم کاری ۳۲۳
 ۳۲۴ - اُن کا بن یمن کو روک رکھنا ۳۲۳-۳۲۵
 ۳۲۵ - اُن کا توبہ ۳۲۵
 ۳۲۶ - برادرانِ یوسف کی واپسی اور حضرت یعقوب کا حال ۳۲۶-۳۲۷
 ۳۲۷ - برادرانِ یوسف کی تیسری آمد اور حضرت یوسف کا ان پر اپنے آپ کو ظاہر کرنا ۳۲۷-۳۲۸
 ۳۲۸ - بھائیوں کا اعترافِ قصور اور آپ کا انھیں معاف کرنا ۳۲۸
 ۳۲۸ - حضرت یوسف کا سجزہ، حضرت یعقوب کی کھوئی ہوئی بیانی کا وعدہ کرنا ۳۲۸-۳۲۹
 ۳۲۹ - بی اسرائیل اور حضرت یعقوب کا مصر پہنچنا ۳۲۸-۳۲۹
 ۳۲۹ - حضرت یوسف کی آخری تقریر والدین اور بھائیوں کے سامنے ۳۲۹ تا ۳۳۱
 ۳۳۱ - اُس خواب کی تفسیر یمن میں اپنے دیکھا تھا ۳۳۱
 ۳۳۱ - والدین اور بھائیوں نے آپ کو مسجد "کس معنی میں کیا تھا ۳۳۱
 ۳۳۲ - سیرتِ یوسفی پر تبصرہ ۳۳۲-۳۳۳
 ۳۳۳ - یونس علیہ السلام - ان کے حالات ۳۳۳
 ۳۳۳ - ان کی قوم کا ایمان مذاہبِ الہی کے سامنے آ جانے کے بعد کیوں قبول کیا گیا ۳۳۳
 ۳۳۳ - یونس کے صیغہ یونس کی حقیقت ۳۳۳
 ۳۳۳ - قومِ یونس کی آخری تباہی ۳۳۳

